امام النحو

علامہ سید غلام جیلانی

صدر العلماء محدث میرٹھی

حیات و خدمات

دوم

ترتیب و اہتمام

محمد ایوب اشرفی شمسی

ناشر

ادارہ ترویج و اشاعت

مسجد نورالاسلام، بولٹن (یو کے)

فخر المتکلمین، عمدۃ المحققین، شیخ العلماء والمدرسین

امام النحو

علامہ سید غلام جیلانی رحمۃ اللہ تعالی علیہ

صدر العلماء محدث میرٹھی

حیات و خدمات

(دوم)

ترتیب و اہتمام

محمد ایوب اشرفی شمسی

خطیب مسجد نور الاسلام، بولٹن (یو۔کے)

ادارہ ترویج واشاعت

مسجد نور الاسلام، بولٹن (یو۔کے)

نَامَ فَقِیْہٌ وَاحِدٌ اَشَدُّ عَلَی الشَّیْطٰنِ مِنْ اَلْفِ عَابِدٍ

۱۳۹۸ھ

فخر المتکلمین، عمدۃ المحققین، استاذ المدرسین

امام النحو

صدر العلماء محدث میرٹھی

حیات وخدمات

(دوم)

ترتیب واہتمام

محمد ایوب اشرفی شمسی خطیب مسجد نور الاسلام، بولٹن (یو۔کے)

ناشر

ادارۂ ترویج واشاعت مسجد نور الاسلام، بولٹن (یو۔کے)

نام کتاب	امام النحو علامہ سید غلام جیلانی ''صدر العلماء محدث میرٹھی'' **حیات وخدمات**
مرتب کتاب	**محمد ایوب اشرفی**
نظر ثانی	حضرت مولانا **محمد حنیف خاں** رضوی بریلوی (انڈیا) حضرت مولانا **محمد منشا تابش** قصوری (پاکستان) حضرت مولانا **عبدالسلام** رضوی بریلی شریف
پروف ریڈنگ	محمد ایوب اشرفی، مولانا **محمد حنیف خاں** رضوی، مولانا **منشا تابش** قصوری، مولانا **عبدالسلام** رضوی
کمپوزنگ وسیٹنگ	**محمد عمر** لاہور، مولانا **محمد کلیم** قادری بولٹن، حافظ **محمد منیف رضا** بریلی، **محمد نظام اشرف** بولٹن
سن اشاعت	۱۴۳۱ھ ۲۰۱۰ء
تعداد	گیارہ سو (۱۱۰۰)

ملنے کے پتے

☆ مسجد نور الاسلام بولٹن (یو۔ کے)

☆ مکتبہ قادریہ بولٹن (یو۔ کے)

☆ محدث اعظم مشن بلیک برن (یو۔ کے)

☆ امام احمد رضا اکیڈمی صالح نگر، بریلی شریف

☆ کتب خانہ امجدیہ مٹیا محل جامع مسجد دہلی ۶

☆ مکتبہ اشرفیہ مرید کے لاہور (پاکستان)

فہرست مضامین ''حیات وخدمات صدر العلماء محدث میرٹھی''

﴿جلد دوم﴾

باب پنجم............(۷)............علم حدیث

(۱) ...... بشیر القاری اور فیض الباری	☆☆ محمد ایوب اشرفی شمسی	۸
(۲)...... بشیر القاری اور فیض الباری کا تقابلی مطالعہ	☆☆ حضرت مولانا محمد حنیف خاں رضوی بریلوی	۱۴
(۳)...... صدر العلماء اور تبلیغ حدیث	☆☆ حضرت مولانا رضاء الحق اشرفی	۵۸
(۴)...... صدر العلماء آسمان تحقیق کے سراج منیر	☆☆ حضرت علامہ ساجد القادری (یو۔ کے)	۷۲
(۵)...... صدر العلماء شہرۂ آفاق شخصیت	☆☆ حضرت مولانا سہیل احمد سیالوی	۸۱
(۶)...... صدر العلماء اور علم حدیث	☆☆ حضرت مولانا مفتی شمشاد حسین رضوی	۸۳
(۷)...... صدر العلماء کا تبحر علمی	☆☆ حضرت علامہ عبد الحکیم شرف قادری علیہ الرحمہ	۹۷
(۸)...... صدر العلماء بشیر القاری کے آئینہ میں	☆☆ حضرت مولانا مفتی نظام الدین رضوی	۱۱۰
(۹)...... صدر العلماء علم حدیث کے تاجدار	☆☆ حضرت علامہ شاہ محمد کمیل اشرف جیلانی	۱۴۴
(۱۰)......بشیر القاری میری نظر میں	☆☆ حضرت شیخ طریقت پیر سید نصیر الدین گولڑوی	۱۵۲

باب ششم............(۱۵۳)............ فقہیات

(۱۱)...... صدر العلماء کا طرز استدلال	☆☆ حضرت مولانا مفتی محمد ابرار احمد امجدی	۱۵۴
(۱۲)...... صدر العلماء کا تفقہ فی الدین	☆☆ حضرت مولانا مفتی محمد اختر حسین قادری	۱۶۰
(۱۳)......صدر العلماء کی فقہی بصیرت	☆☆ حضرت مولانا مفتی محمد آل مصطفیٰ مصباحی	۱۷۶
(۱۴)......صدر العلماء کا مسائل شرعیہ میں انداز تفہیم	☆☆ حضرت ڈاکٹر بشیر احمد صدیقی	۱۸۵
(۱۵)...... صدر العلماء اور مسئلہ قیام عندحی علی الفلاح	☆☆ حضرت مولانا عبد السلام رضوی	۱۹۳
(۱۶)...... صدر العلماء اور نظام شریعت	☆☆ حضرت مولانا عبد المبین نعمانی	۲۱۳
(۱۷)......صدر العلماء اور علم فقہ	☆☆ حضرت مولانا مفتی نثار احمد رضوی	۲۳۰

باب ہفتم............(۲۵۹)............نحویات

(۱۸)......صدر العلماء اور ان کا علمی وفنی تعاقب	☆☆ حضرت علامہ مولانا مفتی محمد ایوب گانگی	۲۶۰
(۱۹)......صدر العلماء امام النحو اور علم نحو	☆☆ حضرت مولانا زبیر عالم صدیقی	۲۶۸
(۲۰)...... صدر العلماء کی نحوی بصیرت اور بشیر الناجیہ	☆☆ حضرت مولانا صدر الوریٰ قادری	۲۷۳

(۲۱)...... امام النحو اور مختلف شروح پر تنقیدات ☆☆ حضرت مولانا عبدالسلام رضوی ۲۸۷
(۲۲)......امام النحو امام النحو کیوں؟ ☆☆ حضرت مفتی مطیع الرحمن رضوی ۲۹۸
(۲۳)......صدر العلماء محسن اہل سنت ☆☆ حضرت مولانا موسیٰ طاہر ۳۲۰
(۲۴)......صدر العلماء بشیر الکامل کے آئینہ میں ☆☆ حضرت مولانا ناظم علی مصباحی ۳۲۲
(۲۵)......البشیر شرح نحو میر ایک مطالعہ ☆☆ حضرت مولانا نفیس احمد مصباحی ۳۵۱
(۲۶)......صدر العلماء جامع کمالات شخصیت ☆☆ حضرت مولانا ڈاکٹر غلام یحییٰ انجم بستوی ۳۸۷

باب ہشتم............(۳۹۸)............تحقیقات علمیہ

(۲۷)......صدر العلماء کے تعلیمی نظریات ☆☆ حضرت مولانا محمد اسحاق رامپوری ۳۹۹
(۲۸)......صدر العلماء علوم وفنون کا بدر کمال ☆☆ حضرت مولانا مفتی انصر القادری ۴۰۷
(۲۹)......صدر العلماء اوران کی جلالت علمی ☆☆ علامہ پروفیسر محمد طاہر القادری ۴۱۰
(۳۰)......صدر العلماء اور علمائے دیوبند کی تردید ☆☆ حضرت مولانا مفتی عبدالحکیم نوری ۴۱۱
(۳۱)......صدر العلماء ایک بے مثال محقق ☆☆ حضرت مولانا مفتی محمد عباس رضوی دبئی ۴۲۹
(۳۲)......صدر العلماء کا علمی مقام ☆☆ حضرت علامہ عبداللہ خاں عزیزی ۴۳۷
(۳۳)......صدر العلما کی تصانیف کا تعارف ☆☆ حضرت مولانا ڈاکٹر غلام عبدالحق ۴۶۰
(۳۴)......صدر العلماء اور تصوف ☆☆ حضرت مولانا قمر الحسن بستوی ۴۷۶
(۳۵)......صدر العلماء ایک عظیم محقق ☆☆ حضرت علامہ مختار احمد قادری ۴۹۷
(۳۶)......صدر العلماء اور مسئلہ ختم نبوت ☆☆ حضرت علامہ سید محمد مدنی میاں اشرفی جیلانی ۵۱۷
(۳۷)......صدر العلماء جہان علم ☆☆ حضرت علامہ غلام مصطفیٰ مصباحی ۵۳۲
(۳۸)......صدر العلماء اور انور شاہ کشمیری (تقابل) ☆☆ حضرت علامہ یٰسین اختر مصباحی ۵۳۹

باب نہم............(۵۵۲)............رفقاء۔تلامذہ

(۳۹)......امام النحو کے چند ہم سبق ☆☆ حضرت مولانا محمد رفیق عالم رضوی ۵۵۳
(۴۰)......صدر العلماء کے ممتاز شاگرد ☆☆ حضرت مولانا ساحل شہسرامی ۵۷۸

باب دہم............(۵۸۲)............عربی مقالات

(۴۱)......السید غلام جیلانی حیاتہ وأفکارہ ☆☆ حضرت مولانا محمد اسحاق رضوی رامپوری ۵۸۳
(۴۲)......نابغۃ العصر السید غلام جیلانی ☆☆ حضرت علامہ افتخار احمد القادری ۵۹۲
(۴۳)......صدر العلماء ناقداً نحویا ☆☆ حضرت مولانا انوار احمد خاں بغدادی ۵۹۹
(۴۴)......القضایا الکلامیۃ عند الشیخ المیرٹی ☆☆ حضرت مولانا جلال رضا ازہری ۶۱۹

(۴۵)......السید غلام جیلانی صفیر المحدث الاعظم ☆☆ حضرت مولانا سید حسن عسکری ۶۳۲

(۴۶)......السید غلام جیلانی المیرتھی ☆☆ حضرت مفتی شمس الہدیٰ مصباحی ۶۴۰

(۴۷)...... ☆☆ حضرت شیخ طریقت پیر سید عبدالقادر جیلانی ۶۴۷

(۴۸)......العلامۃ غلام جیلانی بین الأخذ والعطاء ☆☆ حضرت مولانا ممتاز احمد سدیدی ۶۵۲

(۴۹)......وقفۃ مع العلامۃ غلام الجیلانی ☆☆ حضرت مولانا منظر الاسلام ازہری ۶۵۷

(۵۰)......سماحۃ صدر العلما غلام جیلانی ☆☆ حضرت مولانا نعمان اعظمی ازہری ۶۶۹

باب یازدہم......................(۶۷۸)......................مناقب

پیغامات

(۵۱)...... پیغام مفکر اسلام حضرت علامہ قمر الزماں خاں اعظمی ۶۸۸

(۵۲)...... پیغام شرف ملت حضرت علامہ عبدالحکیم شرف قادری علیہ الرحمہ ۶۹۰

(۵۳)......سرگذشت مرتب ۶۹۲

(۵۴)......ہدیہ تبریک مولانا محمد منشا تابش قصوری ۶۹۵

(۵۵)......اظہار خیال مولانا عبدالسلام رضوی ۶۹۵

تبصرۂ اعجاز بر تنقید سرفراز (تلخیص) (صدر العلماء میرٹھی) ۶۹۷

رباعی

درشانِ حضور صدر العلماء میرٹھی

از:

شیخ الاسلام حضرت علامہ ومولانا پیر سید شاہ

محمد مدنی میاں صاحب قبلہ اشرفی جیلانی کچھوچھوی

صاحب فضل لاجواب تھا وہ
اشرفی باغ کا گلاب تھا وہ

شاہِ سمناں کی آنکھ کا تارا
غوث وخواجہ کا انتخاب وہ

باب پنجم

علم حدیث

''بشیر القاری اور فیض الباری''

محمد ایوب اشرفی شمسی
بولٹن (یو۔کے)

خیال رہے کہ بشیر القادری لکھنے کی وجہ حضرت مصنف علیہ الرحمۃ نے خود اسی کتاب کے صفحہ ۵ پر واضح الفاظ میں بیان فرمادی ہے۔ چنانچہ اس کے علاوہ کسی اور کو اپنے خیال سے کوئی اور وجہ بیان کرنے کی ضرورت نہیں۔ جیسا کہ بعض حضرات نے اپنے اندازہ سے یہ تاثر دیدیا کہ ''فیض الباری شرح بخاری از شیخ انور شاہ صاحب کاشمیری'' پر تحقیقی ردو تنقیدات کے پیش نظر جو تصنیف فرمائی اسکا نام بشیر القاری ہے۔ بلکہ صحیح بات وہی ہے جو حضرت مصنف نے خود تحریر فرمائی اور جس کے مفہوم کو حضرت علامہ مفتی شمشاد حسین صاحب رضوی نے ان الفاظ میں یوں بیان کیا۔

''اس کتاب مستطاب کی تصنیف کا مقصد اپنے علم وفن اور شعور وادراک کو اجاگر کرنا نہیں اور نہ ہی کسی مکتب فکر سے تعلق رکھنے والے افراد پر اپنی معلومات کا رعب ڈالنا بلکہ اسکا مقصد صرف یہ ہے کہ طلبہ اور اساتذہ کے مابین ''تقریر بخاری سے جو غلط فہمیاں اور شکوک وشبہات پیدا ہو رہے تھے اس کا ازالہ کرنا ہے اور مدارس اہلسنت و جماعت کو فائدہ پہچانا ہے۔ گویا اس کتاب کا مقصد تنقید تعمیر، ذہن وفکر کی اصلاح اور طلبہ میں اختراعی صلاحیتوں کو بیدار کرتا ہے۔ الخ
(زیر نظر کتاب)

البتہ یہ درست ہے کہ آپ نے جابجا بشیر القادری میں فیض الباری کے مندرجات کا رد بلیغ فرمایا ہے۔ اور اس تعلق سے آپ کو زیر نظر کتاب میں بھی بڑے جامع اور تحقیقی مضامین نظر آجائینگے۔ مثلاً رئیس التحریر علامہ یٰسین اختر مصباحی (دار القلم دہلی) عالم شہیر، علامہ محمد حنیف خان صاحب (بریلی شریف) محقق مسائل جدید، علامہ مفتی نظام الدین صاحب مصباحی، مبارکپور۔ رئیس الاساتذہ مفتی شمشاد عالم صاحب (بدایوں) عالم نبیل مولانا عبد الحکیم نوری صاحب وغیرہ حضرات کرام نے بڑی عمدگی کے ساتھ بشیر القادری اور فیض الباری کا تقابلی مطالعہ پیش فرمایا ہے۔ مجھے یہاں کسی کا کسی سے تقابل تو نہیں کرانا ہے۔ ہاں بڑے اختصار سے چند اہم امور کو بطور خاص ذکر کرنا ضروری سمجھتا ہوں۔

ایک تو یہ کہ حضور صدر العلماء میرٹھی علیہ الرحمۃ نے صاحب فیض الباری کی جن تحقیقات کا رد فرمایا ہے۔ آج تک مدمقابل سے ان کا جواب نہ بن پایا۔ حالانکہ صاحب فیض الباری اہل دیوبند کے نزدیک علوم وفنون بالخصوص درسِ حدیث میں کسی بلند وبالا فلک بوس عمارت کا نام ہے اس کا اندازہ آپ اس جملہ سے لگا سکتے ہیں۔

''ہندوستان میں حضرت شاہ ولی اللہ سے زیادہ کامیاب کوئی مصنف اور حضرت شاہ صاحب کشمیری سے بڑھ

کر کوئی مدرس پیدا نہیں ہوا۔ (حیاتِ کشمیری ص۲۹۴ مرتبہ مولانا انظر شاہ کشمیری)

نہیں نہیں! بلکہ آپ خود شیخ انور شاہ صاحب کشمیری ہی کی زبان سے سن لیجئے کہ آنجناب کا خود اپنے بارے میں کیا خیال شریف ہے اور کیسی کیسی تعلیاں جناب نے خود اپنے تئیں تجویز فرمائی ہیں۔ ملاحظہ فرمائیں۔ فرماتے ہیں

''اسرار وحکم کو بجز شیخ محی الدین ابن عربی کے سب سے زیادہ میں جانتا ہوں''

(نقش ودوام حیات کشمیری ص۱۶۴)

(شاہ صاحب) مشہور مقولہ نقل کرتے کہ

لم یدر اعجاز القرآن الا الاعرجان احد ھما من زمخشر و ثانیھما من جرجان تو بے اختیار زبان پر آجاتا ''وانا ثالثھما'' (حیات کشمیری ص۲۹۸)

کبھی فرماتے: انا اعلم بابن سیناء۔ (ص۱۱۵ ایضاً)

کبھی فرماتے ''شیخ عبدالحق محدث دہلوی کی بھی میں نے جملہ تصانیف کا مطالعہ کیا لیکن افسوس کہ کوئی مفید یا نئی بات میرے ہاتھ نہیں لگی۔ (حیات کشمیر ص۳۰۰)

پتہ نہیں حضرت کو اپنے اساتذہ کو تقریرات سے بھی کوئی مفید یا نئی بات ہاتھ لگی تھی یا نہیں۔ خیر آپ بشیر القادری۔ نیز زیر نظر کتاب میں دیکھیں گے کہ جناب نے باں تعلیٰ تحقیقات وتدقیقات کے میدان میں کیسی کیسی ٹھوکریں کھائی ہیں۔

فیض الباری شرح بخاری

اس کتاب کے لیے اہل دیوبند کے ایک مشہور قابل، محقق ومدرس جناب مولانا انظر شاہ کشمیری بن شیخ انور شاہ کشمیری صاحب کا تاثر یہ ہے کہ شاہ صاحب کے علمی تعارف میں اس تالیف کو بڑا دخل ہے (حیات کشمیری ص۳۰۳)

اس کتاب کے مرتب اگرچہ بظاہر مولانا بدر عالم میرٹھی ہیں۔ مگر کئی سال تک دوران ترتیب ان کے شاہ صاحب کا اسکو بار بار سنتے رہنا، ردوبدل، محو واثبات، تغییر وتبدیل کرواتے رہنا اور پھر بعد میں بھی مسلسل مراجعت کے ذریعہ پیدا شدہ اشکالات کو دور کرتے رہنا وغیرہ وغیرہ ان وجوہ کی بنا پر بلاشبہ یہ خود ان کی بھی تصنیف کہے جانے کی مستحق ٹھہر سکتی ہے۔ اور پھر مولانا بدر عالم صاحب میرٹھی خود اپنوں میں کسی سے کچھ کم نہیں ان کے بہی خواہ ان کے پیچھے رئیس المحدثین، قطب العارفین، عظیم محقق ومدبر جیسے ٹنکوں کو لگانے میں فخر محسوس کرتے ہیں۔ بہرحال اپنے آپ کو ایسے ایسے فلک بوس قد وقامت والے، اور اپنے کو ایسا بلند وبالا ہمالیہ پہاڑ سمجھنے والوں کی پیمائش صدر العلماء میرٹھی نے جس حوصلہ و انصاف سے کی ہے وہ آپ کے سامنے اسی کتاب میں موجود ہے۔ آپ خود دیکھیں اور ان حضرات کے اصلی قد وقامت کا اندازہ لگالیں۔

شاید آپ میں سے کسی کو معلوم ہو کہ فیض الباری کو ابتداءً قاہرہ مصر سے چھپوانے کے لیے بے تحاشا پیسہ پانی کی طرح بہایا گیا۔ مگر پھر بھی خدا جانے حقیقت کیا ہے کہ بقول مولانا انظر شاہ کشمیری صاحب فیض الباری کے سب سے

پہلے ناشرین کتاب کو دوبارہ شائع کرنے کے لیے تیار نہیں۔ شاید وہ کتاب اپنی فاحش غلطیوں کی وجہ سے ان کے معیار طباعت پہ نہ اترتی ہو۔ اور وہ غلطیاں بھی چھوٹی نہیں بلکہ بڑی بڑی۔ ان میں سے دو ایک تو ایسی ایمان سوز، ہلاک خیز، اور عقیدۂ اسلام کو غارت کر دینے والی کہ العیاذ باللہ ثم العیاذ باللہ۔ پتہ نہیں ان لوگوں نے اسے شائع کیسے کر دیا اور شائع کر دیا تھا تو اب تک سنگوائے ہوئے کیوں ہیں۔

قرآن کریم کے بارے میں ایسی بیہودگی اور ژاژ خائی کر کے بھلا کیسے کوئی خدمت قرآن وحدیث کا دم بھر سکتا ہے۔ نقل کفر کفر نہ باشد کے طور پر اسے نقل کرتا ہوں وہ بھی بلا ترجمہ صرف چند سطور ورنہ تو وہ نقل کے لائق ہی نہیں ملاحظہ ہو صاحب فیض الباری کی اصل عربی عبارت

قلت! یلزم علیٰ هذا المذهب ان یکون القرآن ایضاً محرفاً. فان التحریف المعنوی غیر قلیل فیه ایضا. والذی تحقق عندی ان التحریف فیه لفظی ایضاً. اما انه عن عمدٍ منهما ولمغلطة

(فیض الباری ج ۳ ص ۳۹۵ (المکتبہ الرشیدیہ سرکی روڈ کوئٹہ پاکستان)

ع آئی ہے بولہوکی مجھے اس کلام میں۔

کیسی فتنہ انگیز، اور ہلاک خیز اور ایمان سوز عبادت ہے یہ! کیا یہ خدمت علم کے نام پر شدید ترین مصیبت اور تخریب کاری نہیں ہے؟

خوب کی خدمت چمن کی باغباں
بو دیئے کانٹے گلوں کے نام سے

خیال رہے کہ مذکورہ بالا عبادت پر خود دیوبندی مکتب فکر کے دو ایک دار العلوم کے بعض مفتیان نے فتویٔ کفر صادر کیا ہے جو پاکستان اور برطانیہ میں بعض حضرات کے پاس محفوظ ہے۔

علوم قرانیہ کے تعلق سے شیخ انور شاہ کشمیری صاحب کا ایک اور نظریہ ملاحظہ فرمائیں۔ کہتے ہیں!

......(نورالانوار) کے دیباچہ میں بھی مرحوم ملا (ملاجیون علیہ الرحمۃ) کے قلم سے یہ نکل گیا "فما من شئی الا یمکن استخراجه من القرآن" کوئی چیز ایسی نہیں جس کا نکالنا قرآن سے ممکن نہ ہو، افسوس کہ ملاجیون کا یہی فقرہ قرآن سے سب کچھ نکالنے کا راہنما فقرہ بن گیا اور............ ملا کے شگوفہ پر ہی یہ عالم رنگ و بو تیار کیا جا رہا ہے کہ قرآن میں سب کچھ موجود ہے۔ بلکہ اس سلسلہ میں ایک شعر بھی عام طور پر سنا دیا جاتا ہے۔

جمیع العلم فی القرآن لکن
تقاصر عنهٔ افهام الرجال

علامہ کشمیری اپنے درس میں قرآن سے متعلق اسی پھیلائی ہوئی غلط فہمی کی پرزور تردید فرماتے اور مختلف عنوانات واسالیب سے طلبہ کے اذہان میں یہ حقیقت جاگزیں کر دیتے کہ ہر چیز کا ماخذ اور سرچشمہ قرآن کو قرار دینا ایک جاہلانہ عقیدت کے سوا کچھ نہیں۔ اپنے اسی نظریہ کی اشاعت کے دوران جب اسی مذکورہ شعر (جمیع العلم الخ) کا

تذکرہ آتا تو شعر سنانے کے بعد فرماتے کہ یہ کسی غبی کا شعر ہے۔ بلکہ کبھی جلال میں ہوتے تو فرماتے کہ غبی الاغبیاء کا شعر ہے۔" الخ۔ (حیات کشمیری ص ۳۳۶)

علامہ کشمیری صاحب کیونکہ مذکورہ بالا شعر کے معنی ومفہوم کے سخت مخالف ہیں۔ اسی لیے وہ اس شعر کے قائل کو بھی منہ بھر کے برا کہتے ہیں اور اس پر غصہ کرتے ہوئے صبر وضبط کی ساری حدیں توڑ دیتے ہیں۔ مزید اسی سلسلہ کو آگے بڑھاتے ہوئے فرماتے ہیں بلکہ سب کچھ قرآن ہی سے نکال لینے کا جاہلانہ نظریہ اگر قبول کرلیا گیا تو پھر یہ ایسی ہی بات ہوگی جیسا کوئی شرح وقایہ، ہدایہ اولین، میں میر تقی یا میر غالب کے ناقابل فہم کلام کی شرح تلاش کرنے کی جدوجہد شروع کردے الخ۔ (ایضاً ص ۳۳۷)

سبحان اللہ اپنے آپ کو "ابن سیناء" سے زیادہ سمجھنے والے قابل انسان سے اس طرح کی منطق تعجب خیز ہے۔ میں سوچتا ہوں کہ اگر اس کو صحیح مان لیا جائے تو پھر سید المفسرین حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما کا یہ فرمایا ہوا۔ " لو فقدت عقال بعير لوجدته في الكتاب" اور کہیں الفاظ یوں ہیں "لو ضاع لي عقال لو جد ته في كتاب الله تعالىٰ (الاتقان) اگر میرے اونٹ کی نکیل گم ہوجائے تو ضرور میں کتاب اللہ سے اسے پالوں۔ یہ ضرور جاہلانہ نظریہ ٹھہرے (معاذ اللہ)

یا پھر حضرت شیخ محی الدین بن عربی قدس سرہٗ کا اپنی سواری سے گرنا اور پھر انکے پاؤں کا سوجھ جانا اور پھر قرآن مجید کی طرف ان کا رجوع کرنا اور اپنے اس پورے واقعہ کو قرآن مجید کی سورۂ فاتحہ میں پالینا (تفسیر نعیمی ۷۵ ص ۳۸۶) یہ سب جاہلانہ نظریہ ٹھہرے۔ والیٰ غیر ذلك

اور رہی بات مذکورہ بالا شعر (جميع العلم في القرآن) کی تو مختلف معتبر کتب عربیہ کے اندر اس کی نسبت دو جلیل القدر صحابی رسول کی طرف دیکھنے میں آئی۔ ایک تو یہ کہ یہ شعر باب العلم امیر المؤمنین حضرت علی بن ابی طالب کرم اللہ وجہہ الکریم کا ارشاد فرمودہ ہے۔ مگر یہ بات محقق نہ ہوسکی۔ ویسے بھی یہ "دیوان علی بن ابی طالب" میں از اول تا آخر کہیں نظر سے نہ گزرا۔ دوسرا یہ کہ اس کے قائل حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما ہیں "انباء الحي بان كلا مه المصون تبياناً لكل شيئي" کے ص ۳۰ پر اس طرح موجود ہے۔ كما قال ابن عباس رضي الله تعالىٰ عنهما ؎

جميع العلم في القرآن لكن
تقاصر عنه افهام الرجال

مگر میرے خیال سے منکرین کے حق میں اس سے بھی زیادہ معتبر ومستند حوالہ حضرت امام ملا علی قاری علیہ رحمۃ الباری کا ہوسکتا ہے۔ آپ نے اپنی تصنیف لطیف (شرح الشفاء للقاضی عیاض) کی جلد اول ص ۵۵۵ مطبوعہ مؤسسہ دار العلوم کا نو (دمشق) میں جو تحریر فرمایا اس متن وشرح دونوں کو ملاحظہ فرمائیں۔ (و ان تحت كل لفظة منها) اى من مبا نيها (جملا) اى من جمل الكلام المجملة (كثيرة) اى من معا نيها (وفصولاً جمة) اى غزيرة من الفصول المهمة والامور المتمة (وعلوماً زواخر) لها مقام الكثرة فواخر، كما قال ابن عباس

جـمـیـع الـعـلـم فـی الـقـرآن لـکـن
تـقـاصـر عـنـه افهـام الـرجـال

اورظاہر ہے کہ جہاں ابن عباس مطلقا بولا جاتا ہے تو وہاں حبر امت حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما ہی کو مراد لیا جاتا ہے۔اس شعر کی موافقت میں تشریحی تفصیلی بیان اور یہ کہ قرآن کریم میں کیا کیا ہے؟اور کس طرح؟ اس سلسلہ میں مفید معلومات کے لیے الاتقان جلد دوئم اور انباء الحی وغیرہ کا مطالعہ فائدہ مند ثابت ہوگا۔ایسے واضح ترین بیانات کے بعد بھی نامعلوم مذکورہ بالاشعر کے قائل کو غبی یا غبی الاغبیاء کہنے کا سودا صاحب فیض الباری کو کس بنیاد پر سمایا۔

صاحبِ فیض الباری کا ایک عجیب حوالہ

صاحب فیض الباری نے اپنی اسی کتاب کے مقدمہ میں ص ۵۵ پر ایک تحقیقی بحث یہ چھیڑی ہے کہ اللہ رب جل وعلا کے افعال معلّل بالاغراض ہیں یا نہیں؟ اور پھر دلیل دیکر یہ ثابت کیا ہے کہ اللہ تعالیٰ کے افعال کا معلل بالاغراض ہونے میں کوئی استحالہ نہیں اور پھر ثابت کیا کہ جن حضرات نے کہا ہے کہ اللہ تعالیٰ کے افعال غیر معلل بالاغراض ہیں۔سوان کا یہ کہا ہوا فاسد وغلط ہے۔خیال رہے کہ اس باب میں اہل حق یعنی اشاعرہ کا کہنا ہے کہ "لا یجوز تعلیل افعاله تعالیٰ بالاغراض" یعنی اللہ تعالیٰ کے افعال کو معلل بالاغراض ماننا درست نہیں۔مطلب یہ ٹھہرا کہ شاہ صاحب نے اہلِ حق اور اہل تدقیق اشاعرہ کی روش سے ہٹ کر اپنی ایک الگ روش اختیار کی ہے۔اور اپنی اس تحقیق انیق کی عمارت حضرت شیخ ابن ہمام رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کے اس قول پر کھڑی فرمائی ہے۔فرماتے ہیں۔

ووجه الفساد ما ذكره الشيخ ابن الهمام رضى الله عنه فى التحرير ان الفقهاء والمحدثين اجمعوا علىٰ ان افعاله تعالىٰ معللة بالاغراض ولا دخل فيه للاستكمال الخ (مقدمة فيض البارى)

ناظرین! یہاں کم از کم دو باتیں بڑی اہم ہیں۔

۱۔ تو یہ کہ کتاب التحریر کے حوالہ سے جس قول کو حضرت شیخ ابن الہمام کی طرف منسوب کیا ہے کیا واقعۃً یہ انکا قول ہے یا نہیں؟

۲۔ اور دوسری یہ کہ مانا یہ قول انہیں کا ہے تو کیا اس کا مطلب ومعنی ومفہوم وہی ہے جو انور شاہ صاحب نے بیان کیا ہے یا کوئی دوسرا کہ جس تک شاہ صاحب کی رسائی نہیں ہو پائی۔

ان دونوں باتوں میں آخر الذکر پر حضرت عمدۃ المحققین صدر العلماء میرٹھی نے اپنی خدا داد صلاحیت اور عبارت فہمی کا تحقیقی جوہر دکھایا اور بڑی پختگی سے بیان فرمایا کہ حضرت شیخ ابن الہمام کے قول کا مطلب ومفہوم ومعنی وہ نہیں جو آپ نے بیان کیا۔بلکہ وہ ہے جو ہم بیان کرتے ہیں۔اور اس صورت میں حضرت ابن الہمام کا یہ قول اہل حق کے مخالف نہیں۔

یہ پوری بحث بشیر القاری بشرح صحیح البخاری میں جہازی سائز کے ۴ صفحات ۲۷،۲۸،۲۹اور ۳۰ پر بزبانِ عربی

موجود ہے۔اور قارئین کو دعوت مطالعہ دیتی ہے۔

اب رہی یہ بات کہ واقعۃً حضرت شیخ ابن الھمام نے کتاب التحریر میں ایسا فرمایا ہے یا نہیں؟

اس وقت حضرت صدر العلماء کے پاس مذکورہ کتاب تھی نہیں کہ حقیقتِ حال کا پتہ لگایا جاتا لہٰذا ان ہی کی نقل کو مطابق اصل مانتے ہوئے جواب تحریر فرمایا۔البتہ اس نقل پر اپنی بے اطمینانی اور تردد وشک کا اشارہ قارئین کو یہ کہہ کر کر دیا تھا کہ

هذا علیٰ تقدیر ان یکون المنسوب الیٰ الشیخ من کلامه و عندی لا ینبغی الاعتماد علیٰ نقله. و کتاب التحریر لیس عندی حتی اطابقهٗ الخ(بشیر القاری ص ۲۹)

یعنی یہ ساری گفتگو اس بنیاد پر تھی کہ جس کلام کی نسبت حضرت شیخ ابن الھمام کی طرف کی گئی ہے واقعۃً وہ انہیں کا ہو۔ ویسے میرا دل ان کی نقل پر بھروسہ کرنے کو تیار نہیں۔ادھر کتاب التحریر میرے پاس ہے نہیں کہ نقل کو اصل سے مطابق کر دیکھوں۔

حضرت صدر العلماء میرٹھی کا یہ آخری جملہ دیکھا تو فقیر راقم السطور کو بھی کتاب مذکور کی جستجو شروع ہوئی۔حرمین شریفین کے بعض کتب خانوں پر تلاش کرائی۔کامیابی نہ ملی۔بالآخر مصر کے بازار میں یہ خزانہ ہاتھ لگ گیا۔چنانچہ اس وقت حضرت شیخ ابن الھمام قدس سرۂ کی کتاب التحریر جو فقیر کے پاس موجود ہے وہ مع اپنی شرح "التقریر والتحبیر" (للشیخ ابن امیر الحاج الحلبی) کے دار الکتب العلمیۃ بیروت لبنان سے شائع کی گئی ہے۔یہ متن وشرح دونوں مل کر کل تین جلدوں پر مشتمل ہے۔جبکہ اصل کتاب کو الگ سے شائع کیا جاتا تو غالباً درمیانی سائز کی ایک ہی جلد پر مشتمل ہوتی۔راقم السطور نے کتاب کو از اول تا آخر دیکھا اس کا ایک ایک صفحہ دیکھا بلکہ اپنے بعض علم دوست حضرات کو بھی حوالہ تلاش کرنے کی زحمت دی۔

تعجب بالائے تعجب یہ ہے کہ علامہ انور شاہ صاحب کشمیری کی نقل کردہ عبارت کا اس میں کہیں نام ونشان نہیں۔یہ عبارت کس کی ہے؟ کون سی کتاب میں ہے؟ اور کہاں ہے؟ اور کہیں ہے بھی یا نہیں؟ اسکا مجھے کوئی علم نہیں البتہ اتنا ضرور علم ہوا کہ کتاب التحریر للشیخ ابن الھمام میں تو یہ نہیں ہے اب اسکو یا تو شاہ صاحب کی حیرت انگیز قوت حافظہ کی کرشمہ سازی کہئے۔یا پھر غلط حوالہ پیش کرنے کے حوالہ سے ان کی حد درجہ امانت وصداقت کا آئینہ دار کہئے۔میں نے اسی زیر نظر کتاب میں مدرسہ مصباح التہذیب بریلی کے بانی کے ضمن میں ظفر المحصلین کے مصنف مولوی محمد حنیف گنگوہی کے غلط اور بے بنیاد حوالہ کا تفصیلی ذکر کیا ہے۔اب آ کر پتہ چلا کہ ان کے امام المحدثین بھی اس معرکہ میں ان کے دوش بدوش ہیں۔کہیں ایسا تو نہیں کہ حوالہ جات کے میدان میں اپنی بات کو منوانے کا یہ حربہ ان کے پرکھوں سے چلا آیا ہو۔

خیر! ادھر حضرت صدر العلماء میرٹھی کی دقتِ فکر ونظر اور فراست علم وہنر کو بھی بطور خاص ملاحظہ فرمائیں کہ فصحاء وبلغاء، عرفاء وفقہاء کی عبارات کو سمجھنے اور جانچنے سے متعلق ان کا جو ذوق سلیم اور مذاق علمی ہے اس نے کس طرح کتاب کو بنا دیکھے اپنے تردد وشک اور بے اطمینانی کا اشارہ کر دیا تھا جو بعد تحقیق یقین سے تبدیل ہو گیا۔صحیح فرمایا۔(اتقوا بفراسة المؤمن فانه ینظر بنور الله)

جد رب دیاں اکھیاں دیوے چانن سووے نوروں
محبوباں نوں نظریں آوے کیا نیڑے کیا دوروں

محمد ایوب اشرفی غفرلہ

بسم اللہ الرحمن الرحیم

بشیر القاری اور فیض الباری کا تقابلی مطالعہ

حامدا و مصلیا ومسلما

حضرت علامہ مولانا محمد حنیف خاں صاحب رضوی بریلوی
صدر المدرسین جامعہ نوریہ بریلی شریف

اللہ رب العزت جل مجدہ اپنے فضل خاص سے ہر دور میں علماء ربانیین کا نورانی قافلہ بھیجتا ہے جو حضور نبی کریم علیہ التحیۃ والتسلیم کے سچے جانشین اور وارث ہوتے ہیں۔ان کے شب وروز علوم نبویہ کی اشاعت اور دین متین کے احیاء میں گذرتے ہیں۔احقاق حق اور ابطال باطل کا فریضہ انجام دینا انکا محبوب مشغلہ ہوتا ہے۔غلط روی اور گمراہی کی دلدل سے لوگوں کو نکال کر حق وصداقت کی راہ پر گامزن کرنا ان کا شعار کہلاتا ہے

امام النحو والادب،وارث علوم محبوب رب۔صدر العلماء، بدر الفضلاء۔شارح بخاری،مصنف بشیر القاری۔بشارت غوث صمدانی،حضرت علامہ مفتی سید شاہ غلام جیلانی نور اللہ مرقدہ وبرد مضجعہ بھی انہیں علماء ربانیین میں سے ایک تھے جنھوں نے مدۃ العمر اپنے علم وفضل سے امت مسلمہ کے قلوب کو مجلٰی و مصفٰی فرمایا۔طلبہ و اساتذہ کو اپنے علوم ومعارف سے شعور وآگہی بخشی۔نصف صدی تک فنون وادب کا درس دیا۔اور ان مدعیان علم و دانش کے چہروں سے نقاب کشائی بھی کی جو رہبری کے بھیس میں رہزنی کررہے تھے۔آپ کی ہر تصنیف ہمارے اس دعوی کی واضح دلیل اور بین ثبوت آج بھی موجود ہے۔

راقم الحروف نے اپنے دور طالب علمی میں ان کا متعدد بار دیدار کیا لیکن کبھی ان سے گفتگو کرنے کی ہمت نہیں ہوئی چہرۂ اقدس بارعب اور جلال و جمال کا آئینہ تھا جس سے علم ودانش کا نور ٹپکتا اور فضل وکمال کے آثار نمایاں رہتے۔

آپ کی تحریر مشہور مقولہ ''خیر الکلام ما قل ودل ولم یمل'' کی سچی تصویر ہوتی تھی جسکی سطر سطر سے علم وعرفان کے سوتے پھوٹتے نظر آتے ہیں۔یوں تو آپ نے اہل علم کے لئے اپنی متعدد یادگار تصانیف چھوڑی ہیں لیکن ان میں ''بشیر القاری بشرح صحیح البخاری ''نہایت معرکۃ الآراء تصنیف ہے،اس کتاب میں آپ نے اگرچہ بخاری شریف کی ابتدائی چند احادیث ہی کی شرح فرمائی ہے لیکن اردو شروح میں اتنی

شرح وبسط کے ساتھ لکھی جانے والی یہ پہلی کتاب ہے جو اپنی تحقیقات عالیہ اور تدقیقات رائقہ کے اعتبار سے سب پر فائق ہے۔ اگر آپ کی عمر وفا کرتی اور پوری کتاب کی شرح فرما دیتے تو پھر اس سے بڑی شرح شاید ہی ذخیرۂ حدیث میں دوسری ہوتی۔ دراصل اس کتاب کولکھ کر آپ نے اہل علم کو اس جانب متوجہ کیا ہے کہ علم حدیث کوئی ایسا علم نہیں کہ جسکو رسمی اور سرسری طور پر محض تبرک کیلئے پڑھا اور پڑھایا جائے بلکہ اس کی گہرائی تک پہونچنا اور صاحب جوامع الکلم علیہ التحیۃ والتسلیم کی منشاومرضی کو تلاش کرنا نہایت ضروری چیز ہے۔ ساتھ ہی آپ نے ان لوگوں کی بھی خبر لی ہے جو اس بات کے دعویدار ہیں کہ ہم نے احادیث کی شرح لکھ کر امت مسلمہ پر وہ عظیم احسان کیا ہے جو کسی دوسری جماعت نے نہیں کیا ہے۔ اس کتاب کو پڑھ کر اس چیز کا بخوبی اندازہ ہوجاتا ہے کہ انکے عظیم کارنامے کیا ہیں جنکو وہ ملت اسلامیہ پر بطور احسان پیش کرتے ہیں۔

راقم الحروف نے ۸۰ء میں رامپور کے دوران قیام بعض احباب سے سنا تھا کہ دارالعلوم دیوبند کے سابق شیخ الحدیث مولوی انورشاہ صاحب کشمیری کے شاگرد رشید خطیب اعظم رامپور کہتے ہیں، کہ ہمارے شیخ پچاسی علوم میں مہارت تامہ رکھتے تھے، اسی لئے ان کو علم حدیث پڑھانے کا حق تھا اور بخاری شریف کا درس ان کا طرۂ امتیاز تھا۔

یہ ہی شاہ صاحب ہیں جنکے بارے میں نزھۃ الخواطر کے مصنف رقم طراز ہیں:

"وانتهت اليه رياسة تدريس الحديث في الهند" (نزھۃ الخواطر، ج ۸)

یعنی آپ کی ذات درس حدیث میں سب پر فائق تھی اور یہ سلسلہ ہندوستان میں آپ پر ختم ہوگیا۔

مولوی احمد رضا بجنوری نے مزید آگے بڑھ کر کہا:

حضرت شاہ صاحب بخاری وفتح الباری کے گویا حافظ تھے۔ جب متون حدیث پر کلام فرماتے تو یہ معلوم ہوتا کہ امام طحاوی یا امام مسلم بول رہے ہیں۔ فقہ الحدیث پر بولتے تو امام محمد بن الحسن شیبانی معلوم ہوتے، حدیث کی بلاغت پر گویا ہوتے تو تفتازانی اور جرجانی کا خیال گزرتا۔ اسرار شریعت بیان کرتے تو ابن عربی وشعرانی کا گمان ہوتا تھا۔ (انوار الباری شرح بخاری دوم، ص ۲۵۰)

دوسرے مقام پر یوں لکھا:

حضرت شیخ الاسلام مولانا (حسین احمد) مدنی نے حضرت شاہ صاحب (انورشاہ کشمیری) کے جلسۂ تعزیت میں تقریر فرماتے ہوئے ارشاد فرمایا تھا: کہ میں نے ہندوستان، حجاز، عراق، شام وغیرہ کے علماء وفضلاء سے ملاقات کی اور مسائل علمیہ میں ان سے گفتگو کی، لیکن تبحر علمی، وسعت معلومات، جامعیت، اور علوم عقلیہ ونقلیہ کے احاطہ میں شاہ صاحب کا کوئی نظیر نہیں پایا۔

(انوار الباری دوم ص ر ۲۴۴)

بخاری شریف کی شروح میں اضافہ کرنے کی غرض سے ان کے تلامذہ نے ان کے افادات جمع کئے ہیں جو حسب ذیل ہیں:

فیض الباری شرح بخاری	چار جلدیں	مرتبہ مولوی بدر عالم میرٹھی
انوار الباری شرح بخاری	چار جلدیں	مرتبہ مولوی احمد رضا بجنوری

ہم یہاں اول الذکر کتاب ''فیض الباری'' کے تعلق سے بتانا چاہتے ہیں کہ امام النحو والادب حضرت صدر العلماء علیہ الرحمہ نے اپنی کتاب بشیر القاری میں شاہ صاحب کی ہمہ دانی اور ان کے معتقدین وتلامذہ کے بلند بانگ دعووں کو کس طرح طشت از بام کیا ہے جس سے صاف عیاں ہے کہ جب پچاسی علوم کا ماہر اور ہندوستان کا علی الاطلاق محدث اعظم اور براعظم ایشیا کے بے نظیر محقق کا مبلغ علم یہ ہے تو پھر اس جماعت کے دوسروں کا کیا کہنا۔

حضرت صدر العلماء علیہ الرحمہ نے کثیر مقامات پر شاہ صاحب کے خودساختہ اجتہادات کی خوب خبر لی ہے۔ ہم یہاں ان کو تفصیل سے ذکر کر رہے ہیں جن کے ذریعہ اہل انصاف خود ہی فیصلہ کر سکتے ہیں کہ جنہوں نے پوری زندگی علم حدیث پڑھا اور پڑھایا انھوں نے امت مسلمہ کو کیا دیا۔ یا یہ کہ پوری زندگی بخاری شریف پڑھا کر بھی بخاری کا باب اول سمجھنے کی توفیق نہیں ہوئی شاہ صاحب کے کرتوت ملاحظہ کیجئے۔

بشیر القاری میں یہ مباحث خالص عربی میں ہیں۔ حضرت صدر العلماء علیہ الرحمہ نے شاہ صاحب کی عربی عبارات نقل کر کے عربی میں ہی جرح ونقد فرمائی ہے۔ اس مقالہ میں شاہ صاحب کی عربی عبارت کے ساتھ اس کا مطلب خیز ترجمہ لکھا جائے گا اور حضرت صدر العلماء کے تمام مباحث اردو میں پیش کئے جائیں گے تا کہ افادہ واستفادہ عام ہو سکے۔ عربی عبارات کو مزید طوالت کے سبب ترک کر دیا ہے۔ بعض مقامات پر تمہیدی کلمات اور جا بجا تشریحی جملے راقم الحروف کی جانب سے شامل رہیں گے تا کہ اردو میں تسلسل قائم رہنے کے ساتھ مباحث کا سیاق وسباق بھی معلوم ہو سکے اور ربط باہمی کے ذریعہ بات پورے طور پر سمجھی جا سکے۔ وہ چند مباحث یہ ہیں۔

بحث اول

عام طور پر مصنفین کا یہ طریقہ رہا ہے کہ تسمیہ اور تحمید سے اپنی کتابوں کو شروع فرماتے ہیں تا کہ کتاب اللہ اور حدیث رسول پر عمل ہو جائے۔ تعمیل حکم کی صورت میں یہ اعتراض عموما کیا جاتا ہے کہ جب تسمیہ اور تحمید دونوں کے بارے میں حدیث ابتدا مروی ہے تو پھر دونوں میں تعارض ہوا جسکی وجہ سے قابل عمل نہ ہو کر دونوں کو ساقط قرار دینا چاہئے۔

اس تعارض کو دفع کرنے کے لئے شارحین نے متعدد جوابات دیئے ہیں۔ ان میں سے ایک یہ ہے کہ

حدیث تسمیہ ابتدائے حقیقی پرمحمول ہے اور حدیث تحمید ابتدائے اضافی یا ابتدائے عرفی پر۔ اس سے یہ بھی معلوم ہوا کہ تعارض کی بات زمانہ قدیم سے علما تسلیم کرتے آئے ہیں۔ ورنہ ان جوابات اور تکلفات کی چنداں ضرورت نہ تھی۔ لیکن شاہ صاحب کی تحقیق نے اس مقام پر کچھ عجیب ہی گل کھلایا ہے۔ فرماتے ہیں:

و لیعلم ان حدیث کل امر ذی بال الخ اضطربت فیه الالفاظ الواردة ،بعضها باسم الله ،وبعضها بحمد الله ،وخال بعضهم التعارض وظن اختلاف الالفاظ اختلاف الحدیث والحال ان الحدیث واحد ،فالعمل بالحدیث اما بصورة الجمع فیراد ذکر الله ،ویؤیده ما ورد فی روایة بذکر الله ،واما یرجح اللفظ الاول ،لان اول ما نزل من القرآن اقرأ باسم ربك ،فالتاسی به یحصل بالشروع بالبسملة ،وایضا یؤیده افتتاح کتب رسول الله ﷺ الی الملوك و کتبه فی القضایا بالبسملة ،وراجع الفتح والعمدة للتفصیل ،وبالجملة فلا ایراد علی الامام البخاری فی افتتاحه الصحیح بالتسمیة دون التحمید ،وما یذکر من حمل الابتداء بالحقیقی فی لفظ و بالاضافی فی لفظ او العرفی فلا یعبأ به لان مدار ذلك علی تعدد الحدیث (بحذف الزوائد) فیض الباری بحواله بشیر القاری ص ٥

اس عبارت کا مفاد یہ ہے کہ شاہ صاحب کے فرمان کے مطابق علماء ومحدثین کا یہ گمان فاسد اور خیال خام ہے کہ انہوں نے اختلاف الفاظ کو اختلاف حدیث سمجھ لیا حالانکہ حدیث واحد ہے اور تعارض کا سوال ہی نہیں۔

یہاں الفاظ مضطرب ہیں بعض میں لفظ "باسم الله" ہے۔ اور بعض میں "بحمد الله"۔ لہٰذا حدیث پر عمل کی صورت یہ ہوگی کہ تمام روایات کے الفاظ کو جمع کر کے ذکر اللہ مراد ہو، چونکہ ایک روایت "بذکر الله" بھی آئی ہے جس سے ہماری اس توجیہ کی تائید بھی ہوتی ہے۔

دوسری صورت یہ بھی ممکن ہے کہ اس روایت کو ترجیح دی جائے جو بلفظ "باسم الله" مروی ہے۔ کیونکہ قرآن کریم میں سب سے پہلے نازل ہونے والی آیت میں اسی کا حکم حضور کو دیا گیا تھا کہ تم اسم اللہ کے ذریعہ پڑھنا شروع کرو۔

بسم اللہ کی روایت کو ترجیح دینے کی تائید اس بات سے بھی ہوتی ہے کہ حضور سید عالم ﷺ نے شاہان وقت کو جو خطوط ارسال فرمائے تھے ان میں بسم اللہ ہی لکھی تھی۔ یہ ہی طریقہ آپ نے فیصلوں کی تحریروں میں بھی اپنایا تھا۔

اس کے بعد شاہ صاحب نے تفصیل کے لئے فتح الباری اور عمدۃ القاری کا حوالہ دیا ہے۔

پھر واضح الفاظ میں ان حضرات کی تردید کی ہے جو حدیث تسمیہ کو ابتدائے حقیقی اور حدیث تحمید کو اضافی پر محمول کرتے ہیں۔ اس کی وجہ شاہ صاحب یہ بتاتے ہیں کہ اس طرح توفیق وتطبیق بین الاحادیث کی ضرورت

جب پیش آتی جب کہ احادیث متعدد ہوتیں حالانکہ حدیث واحد ہے اور الفاظ میں اضطراب کی وجہ سے لوگوں نے یہاں احادیث کو متعدد کہہ ڈالا۔

یہ ہے شاہ صاحب کی انوکھی اور نرالی تحقیق جس نے ایک مشہور و مسلم بحث کو ملیا میٹ کرنے کی ناکام کوشش فرمائی، اس انوکھی نگارش پر امام النحو کے ایرادات ملاحظہ کیجئے جس سے معلوم ہوگا کہ علمائے دیوبند کے یہاں پچاسی علوم کا ماہر درحقیقت طفل مکتب ہے تو پھر دوسروں کا شمار کس جماعت اور صف میں کیا جائے۔

امام النحو حضرت صدر العلماء فرماتے ہیں جسکا خلاصہ اس طرح ہے:

اولاً: حدیث تسمیہ وتحمید حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالی عنہ سے مروی ہے۔حدیث کے الفاظ یہ ہیں:

پہلی حدیث	"كل امر ذی با ل لا يبدأ با لحمد لله فهو اقطع"
دوسری حدیث	"كل امر ذی با ل لا يبدأ با لحمد فهو اقطع"
تیسری حدیث	"كل امر ذی با ل لا يبدأ با لحمد فهو اجزم"
چوتھی حدیث	"كل امر ذی با ل لا يبدأ فيه بذ كر الله فهو اجزم"
پانچویں حدیث	"كل امر ذی بال لا يبدأ ببسم الله الر حمٰن الر حيم فهواجزم"
چھٹی حدیث	"كل امر ذی با ل لا يبدأ ببسم الله الر حمٰن الر حيم فهواجزم"

ان روایتوں میں بعض حضرت کعب بن مالک صحابی رضی اللہ تعالی عنہ سے بھی مروی ہیں لیکن مشہور روایت حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کی ہے۔نیز حمد الٰہی کے بارے میں مروی حدیث کو امام ابوداؤد اور امام ابن ماجہ نے اپنی سنن میں روایت کیا ہے۔اور امام نسائی نے اپنی کتاب عمل الیوم واللیلۃ میں بھی روایت فرمایا ہے مزید یہ کہ یہ حدیث موصول ومرسل دونوں طرح مروی ہے، لیکن موصول کی سند جید ہے۔غرضکہ کوئی حدیث حسن وصحیح کے درجہ سے فروتر نہیں۔امام نووی نے شرح مسلم میں یہ تمام چیزیں شرح وبسط سے بیان فرمائی ہے، ساتھ ہی یہ بھی فرمایا کہ شیخ عبدالقادر رہاوی نے اپنی کتاب اربعین میں ان کو روایت کیا اور حدیث حمد کی امام ابن حبان اور امام ابوعوانہ نے تصحیح فرمائی۔خیال رہے کہ بعض لوگوں نے اس حدیث کی سند میں قرۃ بن عبدالرحمٰن کی بنا پر حدیث کو ضعیف کہا تھا تو امام نسائی نے متابعت کیساتھ اس کی تخریج فرما کر ضعف حدیث کو دور فرمایا۔

اس تفصیل سے معلوم ہوا کہ شاہ صاحب کا یہ کہنا کہ حدیث "كل امر ذی با ل الخ" میں الفاظ مضطرب ہیں، باطل ہے۔کیونکہ اس صورت میں تو حدیث مضطرب المتن ہوگی۔اور حدیث مضطرب خواہ سنداً ہو یا متناً دونوں صورتوں میں ضعیف شمار ہوتی ہے۔لہٰذا حدیث مذکور بھی ضعیف ہوگی حالانکہ امام نووی کی تصریح آپ پڑھ چکے ہیں کہ یہ حدیث حسن ہے۔اور حافظ ابن صلاح تو اس کو حسن بلکہ صحیح تک کہتے ہیں۔نیز امام ابن حبان اور امام ابوعوانہ کی تصحیح بھی آپ پڑھ چکے۔ كما فی عمدة القاری۔

اس پر مستزاد یہ کہ خود شاہ صاحب نے بھی حافظ ابن صلاح کی تحسین کا اعتراف کیا ہے۔ چنانچہ خود فرماتے ہیں۔ ومع اضطراب کلماته حسنه الحافظ الشیخ ابو عمرو بن الصلاح۔

حضرت صدر العلماء فرماتے ہیں۔ یہ تو کھلی جہالت وگمراہی ہے کہ حدیث کو مضطرب بھی کہا اور پھر حسن بھی تسلیم کرلیا کیونکہ دو متنافی چیزوں کا اجتماع ہوگیا۔ مطلب یہ ہے کہ حدیث کی دو قسمیں ہیں۔

مقبول ۔ غیر مقبول

مقبول کے اقسام میں حسن ہے اور غیر مقبول کی قسموں میں مضطرب کا شمار ہے ۔اب اگر غیر مقبول کی کوئی قسم مقبول کی کسی قسم کے ساتھ جمع ہوگی تو یہ اجتماع متنافیین ہوگا کہ مقبول اور غیر مقبول کا اجتماع ہے اور یہ باطل ہے، اور شاہ صاحب کی توجیہ مستلزم باطل ہوکر خود باطل ۔

رہا یہ کہ ابن صلاح نے اضطراب کلمات کو تسلیم کرتے ہوئے حسن کہا ہے یہ شاہ صاحب کا شیخ ابن صلاح پر افتراء و بہتان ہے۔ کیونکہ ایسی رکیک اور پوچ بات تو مبتدی طلبہ سے بھی متصور نہیں چہ جائیکہ راس المحدثین حافظ ابن صلاح سے ۔ "فانظروا یا اولی الابصار، هذا عالم بالحدیث یشهرونه فی الامصار بل بعض الجهلة اطروه کل الاطراء حتی سموا صاحبه خاتم المحدثین والحکماء ۔لا حول ولا قوة الا بالله"۔

ثانیاً: شاہ صاحب کی مراد "والحال ان الحدیث واحد" سے اگر یہ ہے کہ مذکورہ احادیث میں جو الفاظ وارد ہوئے ہیں ان میں سے فقط ایک لفظ حضور نبی کریم علیہ التحیۃ والتسلیم کی زبان اقدس سے صادر ہوا تھا پھر بعد میں راویان حدیث نے الفاظ میں اختلاف کردیا۔ بعض نے کچھ اور بعض نے کچھ الفاظ سے روایت کی۔

حضرت صدر العلماء فرماتے ہیں: کہ ہم نے شاہ صاحب کی یہ مراد اس لئے بیان کی ہے کہ ہماری گفتگو خود فیض الباری کے مرتب مولوی بدر عالم میرٹھی سے ہوئی تھی۔ میں نے ان سے تحریری سوال کیا تھا کہ آپ کے استاذ کی مراد وحدت حدیث سے کیا ہے؟ تو انھوں نے مجھے اردو زبان میں یہ جواب دیا تھا۔

حدیث ابتدأ میں تعارض کا اعتراض جب وارد ہوسکتا ہے جبکہ یہ ثابت ہوجائے کہ آنحضرت ﷺ نے دونوں باتوں کا امر فرمایا ہے۔ کیوں جائز نہیں کہ دربار رسالت سے احد الالفاظ صادر ہوئے ہوں پھر جیسا رواۃ ایک حدیث کے الفاظ میں اختلاف کردیتے ہیں یہاں بھی اختلاف ہوگیا ہو۔ کیا براہ راست حضرت رسالت ﷺ کے کلام میں تعارض بتانے سے یہ بہتر نہ ہوگا کہ اس اختلاف کو رواۃ کا اختلاف کہا جائے اور حدیث کے اصل الفاظ ان میں سے کوئی ایک ہوں، شاہ صاحب کے نزدیک تعدد ووحدت کا مدار مضمون کے تعدد ووحدت پر ہے، محدثین کی اصطلاح سے آپ بھی واقف ہیں، اس اصطلاح کے مطابق تعارض لازم نہیں آتا۔ واللہ تعالیٰ اعلم

(بشیر القاری ۶/۱)

حضرت صدر العلماء فرماتے ہیں: کہ اس جواب کا بطلان تو طلبہ پر بھی ظاہر ہے، علماء کرام کی شان تو نہایت اعلیٰ ہے۔ بطلان کی وجہ یہ ہے کہ حدیث تو پھر بھی مضطرب ہی رہی۔ بلکہ مزید یہ ہوا کہ شاہ صاحب کے شاگرد رشید بارش سے بھاگ کر پرنالے کے نیچے جا کھڑے ہوئے۔ تعارض کے تحقق سے انکار کر کے دو متقابل و متنافی امور کا اجتماع تسلیم کر لینا آسان سمجھ لیا۔ کیونکہ استاد کی اتباع میں حدیث مذکور میں اضطراب ماننا اور پھر اس حدیث کو حسن بھی ماننا انکے لئے ناگزیر ہے۔

اس کے بعد حضرت صدر العلماء فرماتے ہیں:

اگر ہم گذشتہ بحث سے قطع نظر بھی کر لیں تو استاذ وشاگرد دونوں پر لازم ہے کہ حدیث کی وحدت کا جس معنی کے اعتبار سے انھوں نے دعویٰ کیا ہے اس پر دلیل پیش کریں۔ ''و دو نه خرط القتاد ،، لہذا کبھی وہ اس بات پر قدرت نہیں پا سکتے۔ صرف ''کیوں جائز نہیں'' کہہ دینے سے کام نہیں چلے گا۔ پھر یہ کہ شاہ صاحب کے شاگرد حدیث کے متعدد ہونے پر ہم سے ثبوت مانگتے ہیں اور آنجناب کو یہ نہیں معلوم کہ میں سائل ہوں اور سائل پر کسی عاقل کے نزدیک ثبوت دینا لازم نہیں۔ ہاں آپ کے استاد وحدت کے مدعی ہیں تو بلا شبہ ان پر ثبوت فراہم کرنا ضروری ہے۔

آپ نے وحدت کے جو معنی بیان کئے ہیں اگر اس کو درست مانتے ہو تو اب تمام کتابوں کے ذخیرہ سے ناسخ ومنسوخ کی بحث کو بھی مٹا دو۔ مطلق کو مقید پر محمول کرنے کا طریقہ بھی چھوڑ دو۔ اور خاص وعام جہاں کہیں آپس میں متعارض نظر آئیں ان کو بھی صفحہ قرطاس سے دھوڈالو اور صاف اعلان کر دو کہ ان میں سے ایک حضور نبی کریم علیہ التحیۃ والتسلیم کی جانب سے ہے اور دوسرا ناقلین کی طرف سے ہے۔ کیونکہ تعارض کو حضور کی جانب منسوب کرنے سے بہتر یہ ہے کہ راویوں کی طرف اس کی نسبت کی جائے۔ تمہارے خود ساختہ قاعدہ کی رو سے تو یہ لازم آیا کہ اب نہ کوئی ناسخ ہے نہ کوئی منسوخ۔ نہ کوئی مطلق ہے نہ کوئی مقید۔ بلکہ نہ کوئی خاص ہے اور نہ عام۔ ''و بطلا نه لا يخفى على الخواص والعوام فتا' مل حق التأ مل "

کیا جناب اس بات کی بھی جرأت کریں گے کہ کہدیں کہ آیات متعارضہ میں ایک اللہ تعالی کی جانب سے ہے اور دوسری حضرت جبرئیل کی جانب سے۔ نہیں ایسا کہنے سے ہوسکتا ہے حضرت جبرئیل کا معصوم ہونا مانع ہو تو پھر کیا حضور کی جانب نسبت کرو گے۔ لیکن یہاں بھی یہی استحالہ لازم آئے گا اگر حضور سید عالم ﷺ کے معصوم ہونے کا اعتقاد مولوی صاحب رکھتے ہوں۔ پھر آخری صورت یہی آپ نکال سکتے ہیں کہ یہ ناقلین کی طرف سے ہے۔ کیونکہ تعارض کی نسبت اللہ ورسول اور جبرئیل کی جانب کر دینے سے بہتر یہ ہے کہ ناقلین کی طرف ان کو منسوب کیا جائے۔ جانتے ہو اس کا نتیجہ کیا ہوگا، وہی جو ظاہر ہے کہ تمام قرآن اللہ کا کلام نہیں رہے گا ''والله تعالىٰ عما يصفون "

بلکہ بعض راویوں کی طرف سے ہوگا۔اور یہ ایسا خبیث قول ہے۔جس میں تم روافض سے بھی سبقت لے گئے ۔وہ تو یہی کہتے ہیں کہ بعض سورتیں یا پارے، یا آیتیں حضرت عثمان نے نکال دیں ۔ یہ کوئی نہیں کہتا کہ موجو دہ قرآن کا بعض حصہ راویوں کی طرف سے ہے "نعوذ باللہ عما یقولہ العماۃ "، یہ ہے استادو شاگرد کا کار نامہ جوانہوں نے بخاری کی شرح لکھ کرانجام دیا۔

ہاں ہم اہل سنت و جماعت کے نزدیک اس بحث کا خلاصہ اس طرح ہے کہ قرآن کریم میں نہ کسی حرف کی زیادتی ممکن اور نہ نقصان ۔اسکی حفاظت کا اللہ عزوجل نے وعدہ فرمایا ہے۔اسی طرح اقوال رسول میں بھی تعارض ممکن نہیں ۔کتابوں میں جو تعارض کی بحث اور مثالیں ملتی ہیں وہ باعتبار حقیقت نہیں بلکہ باعتبار ظاہر ہیں کہ نصوص کے محامل و مواقع ہمیں معلوم نہیں ۔اور جب نصوص کو مختلف محامل پر محمول کیا جا تا ہے تو نصوص معمول بھا ہو کر عمل کی راہیں کشادہ کر دیتی ہیں۔"کما لا یخفی علی من یعتقد بالقلب عظمۃ الرسول علیہ التحیۃ والتسلیم

ثالثاً: شاہ صاحب کا یہ کہنا کہ (جمع بین الروایات کے طور پر یہاں ذکر اللہ مراد ہے اور اس کی تائید روایت بذکر اللہ سے ہوتی ہے) فاسد و غلط ہے۔کیونکہ جب بقول شاگرد حضور سید عالم ﷺ سے صرف ایک ہی طرح کے الفاظ صادر ہوئے باقی رواۃ کی جانب سے ہیں،اور ابھی تک ان کو متعین نہیں کیا جا سکا کہ وہ الفاظ کیا ہیں تو پھر حدیث کس طرح لائق عمل ہوگی ۔اس کے علاوہ یہ امر بھی قابل غور ہے کہ پہلے دو روایتوں کے جمع کے قائل تھے اور اب یہ تین روایتیں خود ان کے قول سے ثابت ہو رہی ہیں اور پھر تائید بھی ایک امر مشکوک سے پیش فرمارہے ہیں جو بلا شبہ قبیح بلکہ غلط ہے۔

رابعاً: ترجیح کی صورت بھی شناعت سے خالی نہیں ہے۔کہ جب الفاظ حضور غیر معین ہیں تو جس طرح یہ ہوسکتا ہے کہ قول رسول راجح ہو اور قول رواۃ مرجوح ۔اسی طرح یہ بھی ممکن کہ قول راوی راجح ہو جائے اور قول رسول مرجوح ٹھہرے۔"وای خبث اقبح من ھذا"

پھر اس کے بعد حضرت صدر العلماء نے شاہ صاحب کے اس حوالے کو غلط ثابت کیا ہے۔جس میں فتح الباری اور عمدۃ القاری کی نشاندہی کی گئی تھی ۔آخر میں فرماتے ہیں کہ شاگرد صاحب نے وحدت حدیث کے دو مطلب بیان کئے تھے،ایک تو یہ کہ حضور سید عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے کوئی ایک لفظ ہی صادر ہوا۔یا تو حمد، یا تسمیہ،یا ذکر،اس مطلب پر قارئین تنقیدات ملاحظہ فرما چکے۔

دوسرا مطلب وحدت کا یہ بھی بیان کیا تھا کہ وحدت مضمون مراد ہے تو یہ بھی باطل ہے۔کیونکہ یہ تینوں فی نفسہ متغائر ہیں وجہ اس کی یہ ہے کہ تسمیہ اگر چہ تحمید وذکر کو مستلزم ہے۔اسی طرح تحمید فقط ذکر کو مستلزم ہے لیکن ذکر نہ تحمید کو مستلزم اور نہ تحمید تسمیہ کو تفصیل بر ص ۹/ر ۔لہٰذا تینوں میں استلزام یا عدم استلزام اس بات کا واضح ثبوت ہے کہ

یہ تینوں متغائر ہیں پھر روایتوں کا مضمون کیونکر متحد ہو سکے گا۔لہذا روایات ثلثہ کو باعتبار مضمون متحد قرار دینا جہالت ہے۔اور آخر میں یہ کہہ کر کہ ”محدثین کی اصطلاح کے مطابق تعارض لازم نہیں آتا“ جہل مرکب کی ڈگری حاصل کر کے ہی دم لیا۔آنجناب کو ابتک نہیں معلوم ہو سکا کہ سلف وخلف کے درمیان اس مقام پر تعارض کو متحقق مان کر جو جوابات دیئے گئے ہیں وہ تعارض محدثین کی اصطلاح کے مطابق ہی تو تھا۔

بحث کے اختتام پر حضرت صدر العلماء نے فرمایا کہ استاد و شاگرد کا کلام ہرگز لائق اعتبار نہیں چہ جائے کہ اس پر اعتماد ہو اور ابھی تو ان کی فریب کاریوں اور جہالتوں کے بہت سے گوشے باقی رہ گئے ہیں جنکو ہم نے اس لئے ترک کر دیا کہ بات طویل ہوئی جاتی ہے۔

بحث دوم

بخاری شریف میں پہلا باب امام بخاری علیہ رحمۃ الباری نے یوں قائم فرمایا: ”باب کیف کان بدأ الوحی الخ“ اس عبارت کی تشریح کرتے ہوئے حضرت صدر العلماء امام النحو علیہ الرحمہ نے باب النحو میں فرمایا:

(بـــاب) از قبیل اسمائے معدودہ ہے لہذا مبنی بر سکون اور محل اعراب بھی نہیں۔اس مقام پر شاہ صاحب (جو بچاسی علوم میں مہارت تامہ رکھتے تھے لیکن علم نحو سے تہی دامن) فرماتے ہیں: ”ان لفظ الباب مضاف او مبنی کمثنی و ثلث“ یہاں لفظ باب مضاف ہے یا مبنی جیسے مثنٰی اور ثلث۔

حضرت صدر العلماء نے فرمایا:

شاہ صاحب کی غفلت اور علم نحو سے ناواقفیت کا عالم یہ ہے کہ مثنٰی اور ثلث کا مبنیات میں شمار فرما رہے ہیں حالانکہ یہ بات طلبہ پر بھی پوشیدہ نہیں کہ یہ دونوں ہرگز مبنیات سے نہیں۔

اسی باب میں امام بخاری نے ایک آیت بھی نقل فرمائی ہے جو وحی رسالت کی جانب مشیر ہے۔امام بخاری نے اپنی اس کتاب میں کثیر مقامات پر یہ طریقہ اختیار کیا ہے کہ باب وضع کرنے کے ساتھ ایسی آیات کو بھی نقل فرماتے ہیں جن کو ترجمۃ الباب سے مناسبت ہوتی ہے۔اب شاہ صاحب کی غایت تحقیق ملاحظہ کریں۔

فرماتے ہیں:

”والغرض منه بيان مبدأ الوحی انه هو سبحانه و تعالى ـ وانه اذا كان مبدء هذا الوحی هو مبدأ وحی نوح عليه السلام والنبيين من بعده فوجب لاهل الكتابين ان يؤمنوا به كما امنوا ابوحيهم وانه لما كان مبدئهما واحداً فانكار هذا الوحی كأنه انكار لوحيهم ايضا“

(فیض الباری بحوالہ بشیر القاری ص ۲۱)

یعنی امام بخاری کا یہاں اس آیت کو ذکر کرنے کا مقصد یہ ہے کہ وہ مبدأ وحی یعنی حق سبحانہ وتعالیٰ کو بیان کریں اور جب اس وحی کا مبدء وہی ذات اقدس ہے جو حضرت نوح و دیگر انبیائے کرام علیھم الصلوٰۃ والسلام کی

وحی کا مبدء ہے تو اہل کتاب پر لازم ہوا کہ جس طرح وہ انبیائے سابقین کی وحی پر ایمان لائیں اسی طرح حضور نبی کریم علیہ التحیۃ والتسلیم کی وحی پر بھی ایمان لائیں۔ اور جب سب کا مبدء واحد ہے تو حضور کی وحی کا انکار دیگر انبیائے کرام کی وحی کا انکار ہوگا۔

حضرت صدر العلماء شاہ صاحب کی لغزش اور جہالت مرکبہ کی نشاندہی یوں فرماتے ہیں کہ:

امام بخاری علیہ رحمۃ الباری کا یہ مقصد ہر گز نہیں بلکہ وہ تو اس آیت کو یہاں ذکر کر کے یہ بتانا چاہتے ہیں کہ ترجمۃ الباب میں وہ وحی مراد ہے جو اس آیت میں مقصود ہے یعنی وحی رسالت۔ جیسا کہ تشبیہ سے سمجھا جا رہا ہے۔ ''و ھذا ھو الصواب کما لا یخفی علی او لی الا لباب "

ہاں شاہ صاحب نے جو کچھ بیان کیا وہ اس آیت کا مقصد نزول ہے جیسا کہ تفاسیر میں مذکور ہے لیکن یہ شاہ صاحب کی فہم کا قصور ہے کہ انھوں نے ہر جگہ ایک ہی طرح کا حکم سمجھ لیا اور آیت کے مقصد نزول کو ترجمۃ الباب پر منطبق فرما کر اپنی نادانی کا ثبوت دیا۔ دوسرے الفاظ میں یوں سمجھئے کہ امام بخاری نے آیت کریمہ سے اشارۃ النص کے ذریعہ ثابت ہونے والے حکم ومعنی کی بنیاد پر ترجمۃ الباب سے مناسبت قائم کی ہے نہ کہ عبارۃ النص کی بنا پر۔ اور شاہ صاحب اس فرق سے ناواقف ہیں۔

بحث سوم

امام بخاری علیہ رحمۃ الباری نے اپنی کتاب میں پہلی حدیث ''انما الا عمال با لنیات الخ ''نقل فرمائی ہے۔ شاہ صاحب نے اس حدیث کی شرح میں اعمال وافعال کا فرق بیان کرتے ہوئے جو گل فشانی فرمائی ہے اس کو بھی ملاحظہ کریں فرماتے ہیں

"وانما لم یقل الافعال با لنیات لان بین العمل و الفعل فر قا ، فا لعمل 'سا ختن ،والفعل کر دن ، یعنی ا ن العمل فی ما یتما دی ویطول بخلا ف الفعل ،ولذا قال :واعملوا صالحا ۔وقال ان الذین آمنو ا وعملوا الصا لحات ولم یقل افعلوا وفعلو ا دلا لۃ علی الد وام والاستمرار"

(فیض الباری بحوالہ بشیر القاری ص ر ۲۵)

یعنی حضور نبی کریم علیہ التحیۃ والتسلیم نے اس حدیث میں اعمال کے بجائے افعال نہیں فرمایا۔ کیونکہ دونوں کے درمیان فرق ہے، عمل کے معنی ساختن، یعنی بنانا۔ اور فعل کے معنی کردن، یعنی کرنا ہیں۔ مطلب یہ ہے کہ عمل ایسے کام کو کہتے ہیں جس میں طول اور درازی پائی جائے یعنی دوام واستمرار پر دال ہو۔ فعل میں یہ بات نہیں ہوتی۔ اسی لئے قرآن کریم میں ''واعملوا صا لحا ۔ اور۔ ان الذین آمنو ا وعملو ا الصا لحات" فرمایا۔ یہاں افعلو ا ۔ اور فعلوا کے صیغے وارد نہیں ہوئے۔

اس عبارت میں شاہ صاحب فعل وعمل کا جو فرق بیان کر رہے ہیں وہ خود ان کی اپنی ایجاد ہے اور قرآن

کریم سے اپنے زعم فاسد کو ثابت کرنا مزید ڈھٹائی بلکہ جہل مرکب کی بری بلا میں گرفتار ہونے کا واضح ثبوت ہے ایک مسلمان قرآن کریم کی تمام آیات پر ایمان رکھتا ہے۔ایسا نہیں کہ بعض کو مانے اور بعض سے چشم پوشی کر جائے کیونکہ یہ تو بنص قرآن یہود و نصاریٰ کا شیوہ ہے، لیکن شاہ صاحب کے یہاں یہ سب روا ہے۔ تفصیل حضرت صدر العلماء کے قلم حقیقت رقم سے ملاحظہ کیجئے ۔فرماتے ہیں۔یہ فرق قطعا باطل ہے، اس لئے کہ شاہ صاحب کے قول'' بخلا ف الفعل '' کے دو مطلب ہو سکتے ہیں:

پہلا مطلب تو یہ کہ فعل فقط لا تیما دی و لا یطول ، کے لئے ہے، یعنی فعل ایسے کاموں کو کہا جائے گا جن میں نہ طول ہو اور نہ دوام واستمرار۔اس مطلب کے پیش نظر تو شاہ صاحب کی علم لغت سے تہی دامنی کا ثبوت ملتا ہے بلکہ قرآن کریم کی ان آیات سے ناواقفی بھی عیاں ہے جن میں افعال متمادیہ کو فعل کے ذریعہ بیان کیا گیا ہے۔اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے 'وافعلوا الخیر'

جلالین شریف میں اس کی تفسیر فرمائی ہے:''کصلة الرحم و مکارم الاخلاق '' جیسے صلہ رحمی اور اخلاق حسنہ امام صاوی نے حاشیہ میں لکھا ۔''وغیرھما من ا لخیرات الواجبة والمندوبة '' اور ان کے علاوہ تمام امور خیر خواہ وہ واجب ہوں یا مستحب۔

علامہ صاوی نے اپنی اس عبارت سے اس بات کی طرف اشارہ فرمایا ہے کہ مفسر علیہ الرحمہ کے قول 'کصلة الرحم 'میں کاف تمثیل کے لئے ہے، یہاں جملہ امور کا احاطہ مقصود نہیں۔لہٰذا لفظ خیر کے تحت جملہ امور داخل ہیں اور ان میں بہت سے متمادی ہیں۔تو قرآن کریم میں 'افعلوا'، کا صیغہ امور متمادیہ کیلئے بھی وارد ہوا۔

پھر شاہ صاحب کے ذکر کردہ فرق کی کیا حیثیت رہ گئی۔لہٰذا فعل وعمل کا فرق مذکور نہایت نامعقول ہے،

دوسرا مطلب یہ کہ فعل عام ہے کہ متمادی وغیر متمادی امور دونوں کیلئے استعمال ہوتا ہے۔اگرچہ شاہ صاحب کا بعد والا کلام یعنی، ولذا قال واعملوا الخ ،اس کی مساعدت نہیں کر رہا ہے۔کیونکہ انھوں نے اپنی اس عبارت میں فعل کو غیر متمادی امور کے ساتھ خاص کر دیا ہے۔پھر بھی ہم شاہ صاحب کے دونوں راستے بند کرنے کے لئے اپنی جانب سے ان کے اس احتمال بعید ناشی عن غیر دلیل کا بھی جواب دیئے دیتے ہیں تا کہ انکی قرآن فہمی کی مزید قلعی کھل جائے اور ان کی تبحر علمی وسعت معلومات کا پردہ فاش ہو سکے۔سنئے اور سر دھنئے کہ انکے اس مطلب کی بھی قرآن عظیم مخالفت کرتا ہے۔اللہ تعالیٰ کا فرمان مقدس ہے:

''واللہ خلقکم وما تعملون '' اور ''ان اللہ بما یعملون محیط ''

پہلی آیت کو علماء کرام نے کتب کلام میں اس عقیدہ کے اثبات کے لئے پیش فرمایا ہے کہ بندوں کے تمام افعال کا خالق اللہ تعالیٰ ہے۔لیکن شاہ صاحب کے بقول افعال غیر متمادیہ اس سے خارج ہوں گے کہ وہ عمل کے تحت صرف متمادی امور ہی داخل مانتے ہیں۔قسم بخدا یہ قول تو نہایت شنیع بدعت ہے۔

دوسری آیت سے اس عقیدہ کی وضاحت ملتی ہے کہ اللہ تعالیٰ کا علم تمام اعمال کو محیط اور جملہ اعمال متمادیہ وغیر متمادیہ کو شامل ہے۔لہٰذا یہ عقیدہ اجماعی ایقانی اذعانی ہےاور شاہ صاحب کا حال یہ ہے کہ اپنی ڈیڑھ اینٹ کی عمارت علیٰحدہ بنانے کی فکر میں ہیں اور خارق اجماع کے مرتکب ہوکر سواد اعظم کی پیروی کرنے سے ہر گز راضی نہیں جبھی تو اللہ تعالیٰ کے علم سے افعال غیر متمادیہ کو خارج مان رہے ہیں۔" نعو ذبا للہ من ذلک "

یہ تفصیل اس صورت میں بیان ہوئی جبکہ طول ودرازی اور تمادی کے معنی عمل سے متعلق ہونے والے امور میں معتبر ہوں کہ عمل سے وہی امور متعلق ہوں گے جن میں معنی تمادی ہوں۔

دوسری صورت یہ بھی ممکن ہے کہ طول وتمادی کے معنی خود مفہوم عمل ہی میں ملحوظ ہوں اور مفہوم فعل میں نہیں۔تو اس صورت میں بھی مذکورہ دونوں شقیں جاری ہوں گی۔بہر حال شاہ صاحب اوران کے حوالی موالی پر لازم تھا کہ وہ نقل سے اپنے دعویٰ کو ثابت کرتے ورنہ یہ تو سراسر نقل وعقل دونوں کے خلاف ہے۔اور ہم نے جو آیات پیش کیں وہ ان کے خود ساختہ فرق کو غلط وباطل قرار دیتی ہیں۔اور یہ ایسی برہان قاطع ہیں جس میں شاہ صاحب کو بھی مجال دم زدن نہیں۔

ان گرفتوں اور تنقیدوں سے اہل علم نے اس بات کا بخوبی اندازہ لگالیا ہوگا کہ شاہ صاحب بے چارے اس چیز پر قادر نہیں کہ اپنے مافی الضمیر کو صاف ستھرے انداز میں بیان کرسکیں۔جب بھی کچھ بیان کرتے ہیں تو کہیں قرآن وحدیث کی مخالفت کرتے ہیں،کبھی کلام وعقائد کے مسلمہ اصول سے الجھ پڑتے ہیں،کبھی لغت وادب کا نیا دروازہ کھول دیتے ہیں اور قواعد وضوابط کا خون کرنا تو ان کی عادت میں شمار ہے ۔ٹھیک ہی کہا ہے دیو بند کے شیخ الاسلام نے کہ۔علوم عقلیہ ونقلیہ کے احاطہ میں شاہ صاحب کا کوئی نظیر نہیں پایا۔لا حول ولا قوۃ الا باللہ العلی العظیم۔

حضرت صدر العلماء نے اعمال وافعال دونوں کو ہم معنی بتاکر یہاں اعمال کو اختیار کرنے کی توجیہ یوں ارشاد فرمائی ہے.

اعمال وافعال ہم معنی ہیں،مگر استعمال میں عندالاطلاق افعال جوارح متبادر ہوتے ہیں بخلاف اعمال، کہ وہ فعل جوارح اور فعل لسان اور فعل قلب سب کو شامل ہے۔اسی واسطے" انما الاعمال ""فرمایا گیا۔

حضرت صدر العلماء نے پہلے آیات سے ثابت کیا تھا کہ معنی عمل میں عموم ہے کہ یہ فعل جوارح،فعل لسان اور فعل قلب سب کو شامل ہے اب مزید وضاحت کیلئے ایک حدیث سے بھی اس کو مبرھن فرماتے ہوئے کہتے ہیں کہ:

امام بخاری علیہ رحمۃ الباری نے کتاب الایمان میں ایک حدیث حضرت ابو ہریرہ سے بایں الفاظ روایت فرمائی ہے:

سئل رسول الله ﷺ ای العمل افضل ؟ فقال :الایمان با لله ورسو له ۔قیل ثم ما ذا ؟ قال: الجهاد فی سبیل الله ۔قیل ثم ما ذا ؟قال حج مبرور"

رسول اللہ ﷺ سے پوچھا گیا یا رسول اللہ کون سا عمل افضل ہے؟ فرمایا: اللہ اور اس کے رسول پر ایمان۔ عرض کیا گیا: اس کے بعد پھر کون سا عمل؟ فرمایا: اللہ کی راہ میں جہاد۔ عرض کیا گیا: پھر کون سا عمل؟ فرمایا: حج مقبول۔

اس حدیث میں عمل کا اطلاق پہلے فعل قلب پر ہے، پھر دوسرے اور تیسرے نمبر پر افعال جوارح پر۔لہٰذا عمل تو عام ہوا کہ اطلاق افعال جوارح اور افعال قلب دونوں پر ہے اور ان افعال میں متمادی وغیر متمادی دونوں ہیں اور شاہ صاحب اسکے برعکس فتویٰ دے رہے ہیں ۔کیا یہی ہے وہ فقہ الحدیث جس کے بارے میں شاہ صاحب کے ایک مایہ ناز اور دیوبندی محدث مولوی احمد رضا بجنوری نے کہا تھا:

فقہ الحدیث پر بولتے تو امام محمد بن الحسن شیبانی معلوم ہوتے۔"معاذ الله من هذا القول انجس من البول"

چلتے چلتے شاہ صاحب کے حوالی موالی اتنا اور بتادیں کہ جب اعمال میں امور متمادیہ ہی داخل ہیں تو پھر حدیث پاک نے جو عمومی حکم بیان فرمایا تھا کہ تمام اعمال کا مدار نیتوں پر ہے تو اس سے افعال غیر متمادیہ خارج ہو جائیں گے اور حدیث کا مطلب یہ ہوگا کہ فقط اعمال متمادیہ میں نیت کی ضرورت ہے باقی میں نہیں۔اور یہ منشاء رسول علیہ التحیۃ والثناء کے سراسر خلاف ہے۔نہ اس سے علمائے احناف راضی اور نہ شوافع کی مرضی۔ بلکہ یہ خالص غیر مقلدانہ طرز عمل ہوگا اور شاہ صاحب کے مقلد ہونے پر بدنما داغ۔

شاہ صاحب کی تحقیق انیق "برعکس نہند نام زنگی کافور" کا مظہر کامل ہے کہ باعتبار استعمال جس میں عموم تھا اس کو خاص کر دیا اور جو خصوص پر دال تھا اس کو عام بنا دیا۔

عموم اعمال کی تصریح اور مراد حدیث کی تشریح کرتے ہوئے محقق علی الاطلاق شیخ عبدالحق محدث دہلوی قدس سرہ القوی فرماتے ہیں:

یعنی ہیچ عمل قلب وقالب ،واخذ وترک ،وقول وفعل ،وعبادات وعادات بے نیت مقبول معتبر نہ بود وثوابے بداں مرتب نہ گردد۔

یعنی کوئی عمل خواہ اس کا تعلق قلب سے ہو یا جوارح سے، کسی کام کو اختیار کرنا ہو یا چھوڑ دینا، قول ہو یا فعل اور عبادتیں ہوں یا عادتیں ان میں سے کوئی بغیر نیت نہ مقبول ہے اور نہ عند الشرع معتبر کہ اس پر ثواب مرتب نہیں ہوتا۔

بحث چہارم

حضرت صدر العلماء نے اس کے بعد حدیث کے دوسرے کلمہ یعنی "بالنیات" کی تشریح فرمائی ہے

مختصراً یوں سنئے کہ۔

نیت دل کے پختہ ارادہ کو کہتے ہیں کسی چیز کا بھی ہو۔اور اصطلاح شرع میں صرف ارادۂ طاعت کو کہتے ہیں۔جو طاعت کے ساتھ مقترن بھی ہو ۔ کما فی التلویح۔یہاں پر یہی معنی مراد ہیں۔ کما فی اشعة

نیت اور قصد اور عزم قلب کے پختہ ارادہ ہونے میں مشترک ہیں مگر فرق یہ ہے کہ عزم اس ارادہ کو کہتے ہیں جو فعل پر مقدم ہو۔اور قصد وہ ہے جو فعل کے ساتھ ہو۔اور نیت وہ ہے جو منوی معلوم کے ساتھ مقترن ہو۔یعنی نیت میں اقتران کے ساتھ یہ بھی معتبر ہے کہ بروقت تعلق نیت منوی معلوم ہو۔ارادہ اس صفت کو کہتے ہیں جس سے دو متساوی چیزوں میں ایک کو ترجیح دی جائے، خواہ یہ صفت قدیم ہو یا حادث۔نیت، قصد، عزم میں ارادۂ حادثہ معتبر ہے اسی واسطے اس کا اطلاق جناب باری عزاسمہ میں درست نہیں بخلاف ارادہ کہ اس کا اطلاق صحیح ہے۔ (بشیر القاری ص ر ۲۶)

شاہ صاحب نے اس مقام پر جو کچھ کہا ہے وہ بھی نتیجہ کے طور پر شاہ صاحب کو ایک دلدل میں پھنسا گیا ہے۔غالباً شاہ صاحب کو یہ شوق دامن گیر تھا کہ جو کچھ کہیں اپنی فہم و فراست کے مطابق کہہ ڈالیں خواہ وہ سلف و خلف کی تحقیقات کے خلاف جائے۔

علم کلام کا مشہور مسئلہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کے افعال معلل بالاغراض نہیں ہوتے ۔یہ دوسری بات ہے کہ اس کے ہر فعل میں کوئی نہ کوئی حکمت ضرور ہوتی ہے خواہ وہ حکمت پوشیدہ ہو یا ظاہر۔

غرض کا مطلب یہ ہے کہ کوئی چیز فاعل کو فعل پر برانگیختہ کرے اور فاعل کا فعل پر اقدام کسی سبب وعلت کے پیش نظر ہو جس سے فاعل کو فائدہ حاصل ہو۔اہل حق اشاعرہ اور ماتریدیہ کا یہی مسلک ہے لیکن معتزلہ کا اس میں اختلاف ہے۔اس اجمال کی تفصیل آنے والی ہے، پہلے شاہ صاحب کی عبارت اور اس کا مطلب ملاحظہ کیجئے

فیض الباری میں لکھتے ہیں:

”واعلم ان المعتبر فی الا رادة هو اصدار المراد و لا یعتبر فیه غرض للمرید بخلا ف النیة فانها یعتبر فیه غرض ،ولذا لا یکادیترك معها ذکر الغرض ،فیقال :نو یت لكذا بخلاف الارادة فانه یستعمل بدون ذکر الغرض ایضاً ،فیقال اراد الله سبحا نه و لا یجب معه ذکر الغرض ،ولذا لایقال :نوی الله بل یقال اراد الله ،اقول :حا صله ان النیة لما اعتبر فیه الغرض فلو اطلق لفظ النیة فی جنا به تعا لیٰ لا وهم تعلیل افعا له با لا غرا ض مع انهم قا لو ا ان افعا له تعا لیٰ لا تعلل باغراض ،وقد مر منا تحقیقه فی المقدمةوانه لا استحا لة فی کو ن افعا له تعا لیٰ معللة با لاغراض وان ما زعمو ه فی ابطا له با طل ،نعم لما استعمل الا رادة فی لسان الشرع دو ن النیة اقتصر نا فی الا طلاق علی ما ورد به الشرع ورأینا التحرز عما لم یرد به الاطلاق اولیٰ ،و کذا حجر و ا عن

اطلاق العزم فیه تعالیٰ و قد وقع فی مقدمة مسلم و جوزه التبریزی "۔ واللہ تعالی اعلم
(بشیر القاری ۱/۲۷۔۲۸)

یعنی ارادہ میں مقصود ومراد کا صادر کرنا ہوتا ہے اس میں مرید کی غرض وغایت کا اعتبار ولحاظ نہیں ہوتا ہاں البتہ نیت میں غرض کا اعتبار کیا جاتا ہے۔اسی لئے تو نیت کے ساتھ غرض وغایت کا ذکر اتفاق ہی سے کبھی چھوٹتا ہو گا لہٰذا کہتے ہیں۔نو یت لکذا ۔اورارادہ کا استعمال غرض کا ذکر کئے بغیر بھی خوب ہوتا ہے۔لہذا کہا جاتا ہے۔ اراد اللہ سبحانہ " حالانکہ غرض کا ذکر کرنا یہاں واجب نہیں۔یہاں سے یہ بھی معلوم ہوا کہ "نوی اللہ" کہنا جائز نہیں بلکہ ایسے مقام پر"اراداللہ" کہا جائیگا۔

اس عبارت کے بعد اقول کہکر اپنی ہی بات میں ترمیم وتنسیخ پر اتر آئے بلکہ علم کلام کے مشہور مسئلہ میں متکلمین کے قول کو باطل کہہ کر اپنی قابلیت کا لوہا منوانے کی کوشش فرمائی ہے۔کہتے ہیں۔

اقول: خلاصہ کلام یہ ہے کہ نیت میں چونکہ غرض کا اعتبار ہے،اب اگر اللہ تعالیٰ کے لئے لفظ نیت کا اطلاق درست مان لیا جائے تو اس بات کا وہم ہوگا کہ اللہ تعالی کے افعال معلل بالاغراض ہوتے ہیں حالانکہ متکلمین نے اس کی نفی کی ہے۔پھر فرماتے ہیں:

لیکن فیض الباری کے مقدمہ میں ہماری یہ تحقیق گزر چکی کہ اللہ تعالی کے افعال معلل بالاغراض ہوں بھی تو کوئی حرج نہیں اور نہ کوئی استحالہ لازم۔اور متکلمین نے جو استحالہ پیش کیا وہ انکا زعم باطل ہے۔

لیکن شاہ صاحب کو اب یہ مشکل پیش آئی کہ ابھی تو "نوی اللہ ،کو نا جائز کہا تھا اور معلل بالاغراض ماننے کی صورت میں تو نیت کی نسبت باری تعالیٰ کی جانب درست ہو گی۔اس تضاد بیانی سے چھٹکارا حاصل کرنے کیلئے اب دوسری راہ اپناتے ہوئے کہتے ہیں۔

چونکہ اللہ تعالیٰ کیلئے قرآن وحدیث میں لفظ ارادہ وارد ہوا ہے لیکن لفظ نیت نہیں تو اب شریعت کے مطابق ارادہ کا اطلاق ہوگا۔اوراس لفظ کا اطلاق قرآن وحدیث میں نہیں آیا اس سے بچنا ہی اولی ہے۔یونہی عزم کا استعمال بھی اللہ تعالی کیلئے نہیں کرتے اگر چہ صحیح مسلم کے مقدمہ میں علامہ تبریزی نے اس کو جائز قرار دیا ہے واللہ تعالیٰ اعلم۔

حضرت صدر العلماء علیہ الرحمہ نے یہاں شاہ صاحب کی عبارت کا قصور اور مقصد کو تعبیر کرنے میں جو فتور اور خامیاں تھیں ان کو تو بیان نہیں کیا صرف اشارہ کر کے چھوڑ دیا لیکن اس عبارت پر تین وجوہ سے کلام فرمایا ہے جس سے شاہ صاحب کی تحقیق کے بخئے ادھیڑ دئے ہیں۔

فرماتے ہیں:

وجہ اول: اہل حق کے فرمان کے مطابق یہ کہنا درست نہیں کہ اللہ تعالی کے افعال معلل بالاغراض

ہوتے ہیں۔اہل حق سے مراد یہاں اشاعرہ اور ماترید یہ ہیں۔ہاں معتزلہ کے نزدیک افعال باری تعالیٰ کا معلل بالاغراض ہونا واجب ہے۔

نیز فقہاء سے بھی اس سلسلہ میں یہ منقول ہوا کہ صرف جائز ہے، لیکن جواز کا مطلب وہ نہیں جو شاہ صاحب سمجھتے ہیں بلکہ حقیقت ابھی سامنے آتی ہے۔ہم یہاں مواقف اوراس کی شرح سے اشاعرہ اور ماترید یہ کے مسلک کے اثبات میں کچھ ذکر کر رہے ہیں تا کہ مخالف کے شکوک وشبہات زائل ہو جائیں اوران کے مذہب کے ضعف کے اظہار کے ساتھ حقیقت حال روشن ہو جائے اور شاہ صاحب کی تحقیق کا فساد بھی آشکارا ہو سکے۔

موقف خامس کے مرصد سادس میں آٹھواں مقصد بیان کرتے ہوئے شارح لکھتے ہیں کہ:

یہ مقصداس مسئلہ کو بیان کرنے کیلئے ہے کہ اللہ تعالیٰ کے افعال معلل بالاغراض نہیں ہوتے۔اشاعرہ کا یہ ہی مذہب ہے، مطلب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کے افعال کی تعلیل نہ اغراض کے ذریعہ جائز اور نہ علل غائیہ کی صورت میں۔حکماء اور الٰہیین کے گروہ بھی اس سلسلہ میں اشاعرہ کے ہم خیال ہیں۔ہاں معتزلہ نے ان سب کی مخالفت کرتے ہوئے وجوب تعلیل کا قول مانا ہے فقہاء کہتے ہیں واجب تو نہیں البتہ اللہ تعالیٰ کے افعال بندوں کے مصالح کے تابع ہیں اور یہ بندوں پراس کا فضل واحسان ہے۔

اشاعرہ کے مذہب کو ثابت کرتے ہوئے دلیل پیش کرتے ہیں کہ ہمارے نزدیک اللہ تعالیٰ پر کچھ واجب نہیں۔لہٰذا اس کے افعال کسی غرض سے وابستہ ہوں یہ بھی واجب نہیں۔نیز اللہ تعالیٰ کی ذات سے صادر ہونے والی کوئی چیز قبیح نہیں۔لہٰذا اس کے افعال کو غرض وعلت غائی سے خالی ماننے کی صورت میں کوئی قباحت لازم نہیں آتی۔ان دونوں اصول کی روشنی میں معتزلہ کا مذہب باطل ہو جاتا ہے اس کے علاوہ دو وجہیں اور بھی ہیں جو وجوب تعلیل (مذہب معتزلہ) اور وقوع تعلیل بطور فضل واحسان (مذہب فقہاء) کو باطل کرتی ہیں۔

پہلی وجہ یہ ہے کہ اگر اللہ تعالیٰ کا فعل کسی مصلحت کو حاصل کرنے کی غرض سے ہو یا کسی فساد کو دفع کرنے کی وجہ سے۔بہر حال باری تعالیٰ اپنی حد ذات میں ناقص ٹھرے گا اور اس کو کمال اس غرض کے ذریعہ حاصل ہو گا۔کیونکہ فاعل کی غرض بننے کی صلاحیت ولیاقت جس میں ہوگی وہ اصلح والیق ہوگا اور جس میں یہ صلاحیت نہیں ہوگی وہ اس کو حاصل نہیں کر پایگا کہ نہ وہ بالفعل کسی فعل پر برانگیختہ کرتا ہے اور نہ کسی فعل پر اقدام کا سبب بنتا ہے ہماری یہ دلیل وہاں جاری نہیں ہو سکے گی جہاں فاعل کی طرف نسبت کرتے ہوئے وجود وعدم برابر ہو یا وجود مرجوح۔لہذا ہر غرض کی یہ خاصیت ہوئی کہ اس کی وجہ سے فاعل اصلح والیق قرار پاتا ہے اور کمال کے یہ ہی معنی ہیں۔چنانچہ فاعل اس کی موجودگی میں کامل ہوگا اور بغیر غرض ناقص ٹھہرے گا۔

بعض حضرات کی جانب سے یہ اعتراض کہ ہمیں یہ تسلیم نہیں کہ غرض اور فائدہ ہمیشہ فاعل ہی کی جانب منسوب ہوتا ہے۔اگر ایسا ہوتا تو استکمال بالغیر اور نقصان کی بات درست تھی بلکہ بسا اوقات اس کی نسبت بندوں

کی طرف ہوتی ہے اور اس صورت میں بندوں کے مصالح کے حصول اور مفاسد کے دفعیہ کیلئے بطور احسان اللہ تعالیٰ سے ان افعال کا صدور ہوتا ہے۔ چنانچہ استکمال بالغیر کی خرابی لازم نہیں۔

اس کا جواب یہ ہے کہ غیر کو نفع پہونچانا اور اس پر احسان کرنا اگر ذات باری تعالیٰ کیلئے اولیٰ قرار دیتے ہو اور باری تعالیٰ کی یہ غرض اگرچہ اپنی ذات کیلئے نہیں لیکن بندوں پر احسان کرنے کا باعث تو ضرور ہوگی۔ اس صورت میں بھی کمال غیر سے حاصل ہوگا اور یہ محال ہے۔ ساتھ ہی یہ بات بھی یاد رہے کہ بندوں کے منافع کے پیش نظر اللہ تعالیٰ کے افعال کو معلل بالاغراض ماننا کیوں کر درست ہوگا جبکہ ہمیں خوب معلوم ہے کہ دوزخیوں کو ہمیشہ دوزخ میں رکھنا اللہ تعالیٰ کے افعال سے ہے اور اس میں نہ بندوں کو کوئی نفع اور نہ کسی دوسرے کو۔

دوسری وجہ یہ ہے کہ فعل کی غرض ایک خارجی چیز ہے جو فعل کے توسط سے اسکے تابع ہو کر حاصل ہوتی ہے۔ یعنی فعل اس غرض کے وجود میں دخیل بنتا ہے اور یہ اللہ تعالیٰ کے افعال میں متصور نہیں۔ اس لئے کہ اللہ تعالیٰ تمام اشیاء کا ابتداءً خالق ہے تو کائنات وحوادث میں سے ہر چیز اور اسی طرح اللہ تعالیٰ کے افعال ابتداءً اسی کی قدرت سے صادر ہوتے ہیں۔ درمیان میں نہ کوئی واسطہ ہوتا ہے اور نہ کسی دوسرے فعل کی غرض کو پہلے فعل کے وجود میں کوئی دخل۔ یعنی یہ نہیں کہا جا سکتا کہ کوئی فعل اس کی ذات سے محض اس وجہ سے صادر ہوا ہو کہ وہ وجہ اسکی غرض ہو اور اسی کے توسط سے وہ فعل صادر ہوا ہو۔ اور یہ بھی ممکن نہیں کہ اس کے بعض افعال وآثار کو دوسرے بعض کے مقابلہ میں بحیثیت غرض پیش کرنا اولیٰ مان لیا جائے۔ اس لئے کہ اس کے افعال میں سے کسی میں یہ گنجائش نہیں کہ وہ دوسرے افعال کے وجود کا سبب بن سکیں۔ کیونکہ تمام افعال کی نسبت باری تعالیٰ کی جانب برابر ہے لہٰذا بعض افعال کو دوسرے بعض کے مقابل بحیثیت غرض پیش کرنا اور اس کے برعکس کو ناممکن قرار دینا تحکم محض اور دعویٰ بلا دلیل ہے۔ اس بحث سے نتیجہ یہ نکلا کہ اس کے افعال میں کوئی فعل معلل بالغرض نہیں ہوتا ورنہ استکمال بالغیر کے ساتھ ترجیح بلا مرجح بھی لازم آئے گی اور یہ باطل ہے۔

دوسری تقریر اس طرح بھی کی جا سکتی ہے کہ جب تم افعال کو معلل بالاغراض مانتے ہو تو ضروری ہے کہ انتہاء ایسے امر پر جا کر ہوگی جو محض غرض ہو اور فی نفسہ مقصود بھی۔ اگر ایسا نہ ہوا تو اغراض کا سلسلہ غیر متناہی ہوگا اور یہ باطل ہے۔ لہٰذا سلسلہ ختم جانے کی صورت میں وہ غرض جو مقصود فی نفسہ ہے کسی دوسرے فعل کیلئے غرض نہ بن سکے گی، کیونکہ ابھی اس کی انتہاء مان چکے ہو۔ چنانچہ معتزلہ کا یہ قول باطل ٹھہرا کہ افعال باری تعالیٰ کا کسی نہ کسی غرض سے وابستہ ہونا واجب وضروری ہے، کیونکہ انتہاء ایک ایسے فعل پر ہوگی جس سے کوئی غرض وابستہ نہیں اور وہ مقصود فی نفسہ ہے۔

یہاں بعض لوگوں نے موشگافی یوں بھی کی ہے کہ فعل سے اس کی غرض کا تغایر بالذات ضروری نہیں بلکہ اس میں تغایر اعتباری کافی ہے۔

معتزلہ اپنے دعوی کے ثبوت میں یہ دلیل پیش کرتے ہیں کہ جو فعل غرض سے خالی ہوتا ہے وہ عبث کہلاتا ہے اور اس کی قباحت بالکل ظاہر ہے، لہذا اللہ تعالی کا اس قباحت سے پاک ماننا ضروری ہوا۔ اسلئے کہ وہ اس کی قباحت کو خوب جانتا ہے اور اس سے بے نیاز بھی ہے۔ لہذا اس کے فعل میں کوئی ایسی غرض ضروری ہے جو بندوں کی طرف راجع ہو تاکہ عبث ونقص کی خرابی ماننے سے بچا جاسکے۔

اس کے جواب میں ہم کہتے ہیں کہ اگر عبث سے مراد تمہاری یہ ہے کہ جس فعل میں کوئی غرض نہ ہو۔ تو یہ مسئلہ متنازعہ کی پہلی شکل ہوئی کہ ہم اللہ تعالی سے ایسے افعال کا صدور مانتے ہیں جن میں کوئی غرض نہ ہو، اور تم اس کو منع کرتے ہو اور اس کو عبث سے تعبیر کرتے ہو، پھر تم کو اس سے کیا نفع ہوا اور ہمارا کیا نقصان۔ ہاں عبث سے مراد اگر کوئی دوسری چیز ہے تو پہلے اس کی وضاحت کرو تاکہ ہم اس کو سمجھیں۔ پھر دوسرے مرحلہ میں اس چیز کا ثبوت پیش کرو جو فعل کے غرض سے خالی ہونے کی صورت میں لازم آتی ہے۔ پھر تیسرے مرحلہ میں یہ بھی ثابت کرو کہ اس چیز کا لزوم محال ہے اور اس محال کی موجودگی میں باری تعالی کے افعال کا صدور بھی محال ٹھہرے گا ۔ ان تمام مقدمات کو ثابت کرنے کے بعد تمہارا مطلوب ثابت ہوگا اور ان میں سے کچھ بھی اب تک ثابت نہ ہوا محض عبث کا سہارا لیکر افعال باری تعالی کو معلل بالاغراض ماننا واجب قرار دیا جاتا رہا ہے تو اس کا جواب سنئے۔

عبث کا اطلاق جب ہو سکے گا جب کہ فوائد ومنافع سے بھی خالی ہو حالانکہ اللہ تعالی کے افعال محکم ومتقن ہیں۔ اور بے شمار مصالح اور حکمتوں پر مشتمل اور یہ سب مخلوق کی طرف راجع ہیں۔ لیکن یہ سب چیزیں اس کے اسباب نہیں جو فاعل کو فعل کے اقدام پر ابھارتے ہیں اور نہ یہ ایسی علتیں ہیں جو فاعل کی فاعلیت کو چاہتی ہیں۔

لہذا نہ ان کو اغراض کہا جائیگا اور نہ علل غائیہ، اور نہ استکمال بالغیر کی خرابی لازم آئے گی۔ بلکہ یہ اسکے افعال کے نتائج ومنافع ہوں گے اور ایسے آثار جو ان افعال پر مرتب ہوتے ہیں۔ اس صورت میں اللہ تعالی کے افعال نہ عبث ہوں گے اور نہ فوائد سے خالی۔

یہاں سے یہ بات بھی معلوم ہوگئی کہ جن نصوص ظواہر میں تعلیل افعال پر دلالت وارد ہوئی یہ غایت و منفعت پر محمول ہیں نہ کہ غرض اور علت غائیہ پر۔

شرح مواقف کے اس طویل اقتباس کے بعد حضرت صدر العلماء علیہ الرحمہ نے مسئلہ مجوثہ کو امام غزالی علیہ الرحمہ کے ایک قول سے بھی واضح فرمایا ہے۔ لکھتے ہیں:

علامہ عبد الحکیم سیالکوٹی بیضاوی کے حاشیہ میں لکھتے ہیں: بعض جاہل صوفیوں کا یہ قول کہ ہماری عبادت تو محض ذات باری تعالی کے لئے ہے۔ ہماری نہ کوئی غرض اور نہ ہمیں غرض سے مطلب۔ تو اس قول کی بابت امام غزالی علیہ رحمۃ المتعالی احیاء العلوم میں فرماتے ہیں:

یہ جہل وکفر ہے کہ افعال کا معلل بالاغراض نہ ہونا اللہ تعالی کی صفت خاص ہے۔ اس تفصیل سے یہ

بات روز روشن کی طرح عیاں ہوگئی کہ شاہ صاحب کا قول باطل ہے اور اہل حق راہ حق پر گامزن ہیں۔

وجہ دوم: یہاں ہم یہ واضح کرنا چاہتے ہیں کہ شاہ صاحب نے اپنے مقدمہ میں جو تحقیق کی ہے اس کی حقیقت کیا ہے شاہ صاحب کی عبارت یہ ہے:

افعاله تعالىٰ معللة بالاغراض ام لا ،قد ظن قوم ان افعاله تعالىٰ غير معللة بالاغراض و برهنوا عليه في مقامه ـ قلت و ما ذكروه فاسد ،لان غاية ما وجهوه به هو لزوم الاستكمال بالغير فافعاله تعالىٰ لا تتوقف على غرض و لاتعلل به ـ و وجه الفساد ما ذكره الشيخ ابن الهمام رضى الله تعالىٰ عنه في التحرير ان الفقهاء والمحدثين اجمعوا على ان افعاله تعالىٰ معللة بالاغراض ، و لا دخل فيه للاستكمال ،فان كماليته تعالىٰ هى التى استوجبت ان تترتب على افعاله تلك الاغراض فذاته تعالىٰ لا تخلوعن الكمال فى مرتبة من المراتب ـ

(فیض الباری بحوالہ بشیر القاری ص ۲۹)

یعنی اللہ تعالیٰ کے افعال معلل بالاغراض ہوتے ہیں یا نہیں، ایک گروہ کا کہنا ہے کہ معلل نہیں ہوتے اور اس پر انہوں نے دلیل بھی پیش کی ہے۔

شاہ صاحب کا کہنا ہے کہ ان لوگوں کا قول فاسد و غلط ہے۔ وجہ یہ ہے کہ سب سے بڑی دلیل ان حضرات کی یہ ہے کہ معلل ماننے کی صورت میں استکمال بالغیر لازم آئے گا۔ لہٰذا اعمال نہ غرض پر موقوف اور نہ علت غائیہ کے محتاج۔

شاہ صاحب کہتے ہیں کہ ہم نے ان کے قول کو فاسد اس لئے کہا کہ شیخ ابن ہمام نے اپنی کتاب تحریر میں یہ بات ذکر کی ہے کہ۔

فقہاء و محدثین کا اس بات پر اجماع ہے کہ افعال باری تعالیٰ معلل بالاغراض ہوتے ہیں اور اس سے استکمال بالغیر کا استحالہ لازم نہیں آتا۔ اس لئے کہ اللہ تعالیٰ کا کمال ہی اس بات کا مقتضی ہے کہ اس کے افعال پر یہ اغراض مرتب ہوں۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ کی ذات کسی حال میں کمال سے خالی نہ ہوئی تو استکمال بالغیر کا سوال ہی نہیں

حضرت صدر العلماء علیہ الرحمۃ فرماتے ہیں:

پھر بحث سے غیر متعلق باتیں کہتے ہوئے آخر میں شاہ صاحب نے یوں پینترا بدلا کہ میرے نزدیک لفظ اغراض کو ترک کر دینا انسب ہے اور یوں کہا جائے کہ اللہ تعالیٰ کے افعال معلل بالغایات ہوتے ہیں۔ اور غرض و غایت کے درمیاں فرق ہر ذی عقل پر عیاں ہے۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔

اب حضرت صدر العلماء علیہ الرحمہ کی تنقیدات و توجیہات سنیے! فرماتے ہیں کہ:

حق کے متلاشی قارئین شاہ صاحب کے اس قول کو ملاحظہ کریں جس کا نام انہوں نے تحقیق رکھا ہے

اور اہل حق وتدقیقین کے قول کورد کرنے کی کوشش فرمائی ہے۔حالانکہ اس کا فساد سادہ لوح لوگوں اور بچوں پر بھی ظاہر ہے۔اگر اس میں کوئی شبہ ہے تو ہماری بات غور وخوض سے سنو۔

اولاً: ہم نے وجہ اول کے شروع میں بیان کیا تھا کہ اہل حق اللہ تعالیٰ کے افعال سے غرض کی نفی بایں معنیٰ کرتے ہیں کہ یہاں کوئی ایسا باعث نہیں جو فاعل کو فعل پر اقدام کیلئے ابھارے۔اگر ایسا باعث ہوا تو استکمال بالغیر لازم آئے گا جو ذات باری تعالیٰ کے لئے محال ہے۔لیکن اہل حق اس غایت ومنفعت کا انکار نہیں کرتے جو فعل پر مرتب ہوتی ہے جیسا کہ شرح مواقف کی تفصیلات سے روشن ہو چکا۔

اس وضاحت کی روشنی میں شیخ ابن ہمام کے کلام کو سمجھنے کی کوشش کریں کہ شیخ کے کلام میں غرض بمعنی باعث نہیں بلکہ ان کے کلام سے تو غایت مستفاد ہو رہی ہے جو افعال پر مرتب ہوتی ہے اور اہل حق اس کا انکار نہیں کرتے۔

ثانیاً: اگر یہ ہی مان لیا جائے کہ شیخ کے کلام میں غرض بمعنی باعث ہے تو یہ درست نہیں کہ ان کے ایک قول سے اہل حق کی تحقیق کو رد کر دیا جائے۔اور یہ ہو بھی کیسے سکتا ہے، جبکہ ابھی تک اس پر کوئی دلیل قائم نہیں ہو سکی کہ غرض کو افعال میں ماننا درست ہو اور استکمال بالغیر کا استحالہ لازم نہ آئے۔

مقام تحقیق میں یہ نہیں دیکھا جاتا کہ کون کہہ رہا ہے بلکہ یہ دیکھا جاتا ہے کہ کیا کہہ رہا ہے۔مقام استدلال میں کسی کا محض قول کافی نہیں ہوتا خواہ قائل ارباب عظمت وجلال ہی سے کیوں نہ ہو خصوصاً جبکہ وہ اس فن کے سربرآوردہ لوگوں میں شمار نہ ہوتا ہو۔شاہ صاحب کو باں فضل وکمال اب تک یہ نہیں معلوم ہو سکا کہ مسئلہ فقہ کا نہیں بلکہ علم کلام کا ہے۔اور ہم فروع عقائد میں امام ابو منصور ماتریدی علیہ الرحمہ کے مقلد ہیں۔

یہ بات میں اس صورت میں کہہ رہا ہوں جبکہ شاہ صاحب کی جانب سے شیخ ابن ہمام کی طرف منسوب کردہ کلام درست مان لیا جائے، ورنہ میرے نزدیک تو شاہ صاحب کی نقل پر ہی اعتماد درست نہیں۔اتفاق سے میرے پاس شیخ کی کتاب تحریر موجود نہیں ہے ورنہ میں مطابقت کر کے دیکھتا اور پھر شاہ صاحب کا بھرم کھل جاتا

ثالثاً: نہایت تعجب خیز بات شاہ صاحب سے اور صادر ہوئی کہ پہلے تو دعویٰ یہ کر دیا کہ افعال معلل بالاغراض ہوتے ہیں اور اہل حق کا قول فاسد اور غلط ہے۔پھر آخر کلام میں اس بات کا اعتراف بھی کر بیٹھے کہ غرض وغایت میں فرق ہے اور میرے نزدیک لفظ غرض کو ترک کر کے غایت کا استعمال انسب ہے۔

یہ دیکھو! شاہ صاحب جہاں سے بھاگ کھڑے ہوئے تھے وہیں آ کر پھر کھڑے ہو گئے۔ورنہ انسب کے کیا معنی؟

سنو، غرض دو حال سے خالی نہیں۔یا تو اس میں ایسے معنی ہیں جو ذات باری تعالیٰ کے لائق نہیں۔اس صورت میں انسب نہیں کہا جائے گا بلکہ عدم جواز متعین۔اور یہ معنی نہیں تو غرض وغایت دونوں برابر ہوئے اور

دونوں کا اطلاق درست۔ پھر دونوں میں فرق کرنا اہل فکر ونظر کے نزدیک غیر معقول بات ہے۔

خلاصہء کلام یہ ہے کہ میرے نزدیک شاہ صاحب افعال باری تعالیٰ کے سلسلے میں تینوں مذاھب متکلمین فقہاء اور معتزلہ سے واقف نہیں تھے ورنہ تلبیس وتھلیل کا شکار نہ ہوتے اور شیخ کے کلام میں یہ لچر پوچ باتیں نہ کہتے شاہ صاحب اگر اتنی بات ہی پر غور کر لیتے تو مسئلہ حل تھا کہ یہ فقہاؤ محدثین کا قول ہے، اور وہ اشاعرہ وماتریدیہ کی تحقیق۔

ہوسکتا ہے تنہائی میں بیٹھ کر سوچا ہو اور یہ باور ہو گیا ہو کہ غرض تو فعل پر فاعل کے اقدام کا باعث ہوتی ہی ہے اور یہ شان باری تعالیٰ کے لائق نہیں۔ لہٰذا وہاں سے راہ فرار اختیار کی، اس کے باوجود آخر کلام میں ایسی بات کہہ ڈالی جس سے مراد پورے طور پر ظاہر نہ ہو سکی اور یہ شاہ صاحب کا طرۂ امتیاز ہے۔

اس بحث کا خلاصہ یہ نکلا کہ افعال باری تعالیٰ میں تعلیل کا قول ہر گز لائق اعتماد نہیں کہ اس سے استحالہ لازم آتا ہے اور جو مستلزم استحالہ ہو وہ خود محال۔ لہٰذا عدم تعلیل کا قول اہل حق کا قول ہے اور اسی پر اعتماد ہے۔

وجہ سوم: نیت عزم اور قصد میں ارادۂ حادثہ معتبر ہے۔ اس لئے ان کا اطلاق ذات باری تعالیٰ پر درست نہیں۔ کما فی الشامی

ہماری اس تقریر کی روشنی میں شاہ صاحب کی اس عبارت کا جائزہ لیجئے۔ فرماتے ہیں۔

والنیة قبل الصلوٰۃ لیست الا ان یعلم بقلبه انه ای صلوٰۃ یصلی فکذالك فی الوضوء

نماز سے پہلے نیت یہی ہے کہ وہ اپنے دل سے جان لے کہ کون سی نماز پڑھے گا اور یہی حال وضو کا ہے۔

حضرت صدرالعلما فرماتے ہیں:

یہ قول سراسر فاسد ہے۔ کیونکہ نیت علم کا نام نہیں بلکہ یہ فعل قلب ہے لہٰذا یہ مقولہ فعل سے ہوا۔ ہاں علم نیت کیلئے لازم ہے اور یہ مقولہ کیف سے ہے۔ کما علیه المحققو ن۔

علامہ شامی فرماتے ہیں: علم کیفیات نفسانیہ سے ہے

اس کے علاوہ یہ بات بھی ملحوظ رکھیں کہ اگر نیت علم کا نام ہو جیسا کہ شاہ صاحب کا گمان ہے تو اس سے یہ خرابی لازم آئے گی کہ کسی کو کفر کا علم حاصل ہو تو وہ کافر ہو جائے۔ اسلئے کہ جب علم ہوگا تو اس کی نیت بھی ہوگی اور جو کفر کی نیت کرے وہ بلاشبہ کافر ہے۔ کما صرح به المحققون۔

اس مقام پر کلام اگرچہ طویل ہو گیا لیکن افادہ وتحصیل سے خالی نہیں: واللہ تعالیٰ اعلم بالصواب والیه المرجع والمآب۔

بحث پنجم

حدیث مذکور کی شرح فرماتے ہوئے حضرت صدرالعلماء علیہ الرحمہ نے باب النحو قائم فرمایا ہے۔ اس

میں 'بالنیات' کی ترکیب نحوی کے تعلق سے فرماتے ہیں۔ بالنیات، ظرف مستقر ہے۔احناف کے نزدیک اس کا متعلق افعال عموم سے کوئی فعل یا شبہ فعل ہے۔مثلا "حاصلة" اورشوافع کے نزدیک خاص، یعنی "صحیحة" بمعنی معتبرة عند الشرع ہے۔

اس مقام پر شاہ صاحب نے خوب گل کھلائے ہیں، فرماتے ہیں:

وقدر الشافعية الصحة، لان متعلقات الظروف لا تكون الا من الافعال العامة والصحة منها، فان الثواب بعد الصحة، فمعناه عندهم صحة الاعمال بالنيات ۔

یعنی شوافع صحت کومقدر مانتے ہیں۔اس لئے کہ ظروف کے متعلقات افعال عامہ سے ہوتے ہیں اور صحت بھی افعال عامہ سے ہے۔کیونکہ ثواب صحت کے بعد ہی متصور ہوتا ہے۔لہٰذااب تقدیر عبارت یہاں اس طرح ہوگی "صحة الاعمال بالنيات"

حضرت صدرالعلماء علیہ الرحمہ فرماتے ہیں:

صحت کو یہاں افعال عامہ سے ماننا بداهۃ باطل ہے۔پھر یہ کہ ایسا کیسے ہوسکتا ہے، فعل عام تو وہ ہوتا ہے جوتمام افعال کوشامل ہواوراس صحت میں یہ بات نہیں۔کیونکہ شوافع کے نزدیک صحت کے معنی ہیں، کسی فعل کا شریعت کے نزدیک معتبر ہونا یعنی ذمہ سے ساقط مان لینا۔جیسا کہ شاہ صاحب نے خود تیرہ سطر بعد یہ بات بیان کی ہے۔لہٰذا بایں معنی اس کوافعال عامہ سے شمار کرلینا ممکن نہیں۔میں تو کہتا ہوں کہ اس غلط قول کی نسبت شوافع کی طرف کرنا شاہ صاحب کی طرف سے ان پر الزام تراشی ہے کیونکہ جب اتنی غلط بات طلبہ بھی نہیں کہہ سکتے تو ان علمائے کبار سے اس کی امید کیسے کی جاسکتی ہے ۔

پھر تقدیری عبارت میں بھی شاہ صاحب کی شان انوکھی ہی نظر آئی، فرماتے ہیں اب شوافع کے نزدیک مطلب یہ ہوا۔ "صحة الاعمال بالنيات"

حضرت صدرالعلما نے فرمایا: یہ تقدیر عبارت مناسب نہیں۔کیونکہ یہاں ظرف کا متعلق بنانا مقصود ہے اور وہ "صحيحة" ہے جیسا کہ ہم نے بیان کیا۔ صحة' نہیں۔

یہاں بھی قارئین نے اندازہ لگالیا ہوگا کہ شاہ صاحب کی شان ہی انوکھی ہے۔بے چارے اپنے مقصد اور مافی الضمیر کو اچھے اندازے میں پورے طور پر ادا نہیں کرپاتے ہیں لیکن پھر بھی عربی بولنے اور شرح لکھوانے کا شوق تھا جس کی وجہ سے یہ سب پاپڑ بیلنا پڑ رہے ہیں۔

بحث ششم

حدیث کا دوسرا جملہ ہے "ولكل امرء ما نوى" جس کا مطلب ہے ہر شخص کو اس کی نیت کے مطابق اجروثواب ملے گا۔

شاہ صاحب کی حدیث فہمی دیکھئے۔ پورے ہندوستان میں درس حدیث کی ریاست وصدارت کے مالک صرف ایک حدیث کی شرح میں کتنی ٹھوکریں کھا رہے ہیں اور تحقیق لایلیق کی کون کونسی وادی میں بھٹک رہے ہیں ملاحظہ کیجئے۔ اب تک جو کچھ سنا وہ تو عجیب تھا ہی اب اس سے بھی عجیب تر سنیئے جس کو آج تک نہ آپ نے سنا ہوگا اور نہ آپ کے آباء واجداد نے۔ فرماتے ہیں:

ثم ما المراد بقوله ما نوى؟ هل المراد منه الغاية و الثمرة او عين ما نوى والا ظهر عندى هو الثانى. فكل يجده فى آخرته عين عمله و عين ما ينويه فى دنياه ـ و لهذه الدقيقة و رد الجزاء بعين الفاظ الشرط، والناس لما لم ينتقل اذهانهم اليه شمروا للجواب عن اتحاد الشرط و الجزاء مع ان فى الحديث اذان من الله و رسوله الىٰ من هاجرا ليها فى الدنيا انه يجد هجرته تلك بعينها فى الآخرة و من هاجرالى الدنيا او امراة لا يجدها الا تلك ،ولا يظلم ربك احداً ، وقال تعالىٰ :و وجدوا ما عملوا حاضراً، فهذه حقيقة غفل عنها الناس و فهموا ان فى الدنيا اعمالا وفى الآخرة ثمراتها ثم اشكل عليهم مسئلة التقدير و قالوا : ان الاعمال لما كان من اقداره و تقديره فترتب الجزاء عليها غيرظاهر"

یعنی "ما نوی " سے کیا مراد ہے؟ غایت وثمرہ یا وہ چیز بعینہ جو اس کی نیت ہے۔ پھر فرماتے ہیں۔ میرے نزدیک دوسری مراد اظہر ہے۔ کیونکہ ہر شخص آخرت میں اپنا عمل بعینہ پائے گا اور دنیا میں جو بھی اس کا مقصود تھا وہ آخرت میں ملے گا۔ اس نکتہ کو سمجھانے کے لئے قرآن وحدیث میں شرط وجزا کے الفاظ بعینہ ایک دوسرے کے الفاظ وارد ہوئے۔ چونکہ عام طور پر متکلمین ومفسرین، محدثین وفقہاء کے ذہن کی رسائی یا ان کی توجہ اس جانب نہیں ہوسکی لہٰذا شرط وجزاء کے لفظی اتحاد کی خرابی سے بچنے کے لئے جوابات دیئے حالانکہ حدیث شریف میں صراحۃً آیا کہ جس کی ہجرت اللہ ورسول کی طرف ہوگی دنیا میں تو وہ اپنی اس ہجرت کو بعینہ آخرت میں پائے گا۔ اور جو دنیا کے حصول یا کسی عورت سے شادی کے لئے ہجرت کرے گا تو وہ اسی کو پائے گا۔

نیز قرآن کریم میں آیا کہ اللہ تعالیٰ کسی پر ظلم نہیں فرمائے گا، اور یہ بھی قرآن میں ہے کہ "وہ لوگ جو دنیا میں کریں گے اس کو آخرت میں حاضر پائیں گے۔ اس واقعی چیز سے وہ لوگ " یعنی محدثین ومفسرین وغیرہم" غافل رہے اور یہ سمجھ بیٹھے کہ دنیا میں اعمال ہیں اور آخرت میں ان کا ثمرہ ملے گا۔

پھر ان لوگوں کے قول کے مطابق ان پر تقدیر کے مسئلہ سے اعتراض وارد ہوا کہ اعمال جب اللہ تعالیٰ کی تقدیر سے ہیں تو کہنے لگے ان پر جزاء وسزا کا مرتب ہونا غیر ظاہر ہے۔

اس عبارت سے شاہ صاحب یہ بتانا چاہتے ہیں کہ لوگوں (مفسرین ومحدثین متکلمین وفقہاء) نے آخرت میں جزاء وسزا کے بارے میں جو کہا کہ اعمال کے ثمرات ظاہر ہوں گے وہ سراسر خلاف واقع

اور اسلامی عقائد کے خلاف ہے۔اور ہماری تحقیق ہی حق وصحیح ہے۔

اب آپ حضرت صدر العلما علیہ الرحمہ سے اس عبارت پر جرح ونقد ملاحظہ کیجئے۔فرماتے ہیں:

شاہ صاحب کے یہ فخر یہ جملے جن سے وہ علماء حق کی تحقیقات کو غلط ثابت کرنے کی کوشش فرمارہے ہیں اور جزاء وشرط کے دونوں فقروں کو ظاہر عبارت میں متحد مان کر اپنی من مانی پر تلے ہیں یہ ان کے فساد ذوق کا نتیجہ ہے۔انکی مثال ایسی ہے جیسے کوئی صفراوی بخار میں مبتلا شخص ذائقہ کے فساد کی بنا پر میٹھی چیز کو کڑوا سمجھتا ہے اور یہ دعویٰ کرنے لگتا ہے کہ درحقیقت یہ چیز کڑوی ہی ہے اور اس حقیقت سے لوگ اب تک غافل رہے ہیں۔ گویا صفراوی بخار کا مارا شخص اس بات کا دعویدار بن گیا ہے کہ آج تک جس شکر کو لوگ میٹھا سمجھتے رہے ہیں وہ غفلت کا شکار تھے،اس غفلت سے میں نے لوگوں کو بچایا ہے اور حقیقت کا آئینہ دکھانے میں میرا نمایاں کردار ہے۔حق یہ ہے کہ شاہ صاحب کو اپنا علاج کرانا چاہئے تھا اور اپنے فساد ذوق کی جانب متوجہ ہو کر اپنے اس ہذیان کی دوا کرتے تا کہ اس مجنوں کی بڑ سے چھٹکارا حاصل ہوتا۔لیکن افسوس کہ انھوں نے ایسا کرنے سے توبہ کر لی تھی اور علماء حق کی تحقیقات کو یک قلم مسترد کرنے کی ٹھان لی تھی۔ان کی اس چند سطری عبارت نے کیسے کیسے ظلم ڈھائے ہیں ان کی ایک جھلک ملاحظہ کریں۔

اولاً: شاہ صاحب نے آیت کریمہ " ووجدوا ما عملوا احاضرا " سے یہ استدلال فرمایا تھا کہ عامل عین اعمال کو آخرت میں پائے گا،حالانکہ اس آیت سے استدلال ان کے سوء فہم اور تفاسیر کی طرف رجوع نہ کرنے کا نتیجہ ہے۔تفاسیر میں اس آیت کی مراد یوں بتائی گئی ہے کہ عاملین اپنے اعمال کو روز جزاء اپنے صحیفوں میں لکھا پائیں گے۔یا مراد یہ ہے کہ اعمال کی جزاء پائیں گے۔

پہلی صورت میں خبر مقدر ہے اور دوسری صورت میں مضاف۔تقدیر عبارت یوں ہوگی۔

و جدان الاعمال مکتو بة فی صحفهم "۔یا۔وجد ان جزاء الاعمال الخ"

تفسیر بیضاوی میں ہے:

"ووجدوا ما عملوا حاضرا مکتوبا فی الصحف ۔ ولا یظلم ربك احدا فیکتب علیه ما لم یفعل او یزید فی عقا به الملا ئم لعمله"

اور انھوں نے دنیا میں جو کیا اس کو صحیفوں میں لکھا سامنے پائیں گے۔اور تمھارا رب کسی پر ظلم نہیں فرمائے گا اس طرح کہ ان کے صحیفوں میں وہ لکھ دیا جائے جو انھوں نے کیا نہیں۔یا اس طرح کہ ان کی اس سزا میں اضافہ کر دے جو ان کے عمل کے مناسب تھی۔

تفسیر ابو السعود میں ہے:

ووجدوا ما عملوا فی الدنیا من السیئا ت او جزاء ما عملو ا حاضرا مسطورا عتیدا ۔ ولا

یظلم ربك احدا فیکتب ما لم یعمل من السیئا ت او یز ید فی عقا به المستحق فیکو ن اظهار المعدلة القلم الازلی۔

اور جو انھوں نے دنیا میں برائیاں کیں، یا جو کام کئے اس کا بدلہ پائیں گے حاضر لکھا ہوا تیار۔ اور تمہارا رب کسی پر ظلم نہیں فرمائے گا کہ ایسی برائیاں ان کے نامہ اعمال میں لکھ دی جائیں جو انھوں نے دنیا میں نہیں کیں۔ یا یوں کہ ان کی سزا میں اضافہ کر دیا جائے جس کے وہ مستحق تھے۔ لہٰذا اس دن قلم ازل کے عدل و انصاف کا اظہار ہوگا۔ یہ تفاسیر کا بیان تھا، لیکن شاہ صاحب کی تحقیق غیر حقیق کا کہیں پتہ نہیں ملتا۔ اور یہ کیسے ہو سکتا ہے جب کہ یہ حضرات اساطین ملت ہیں اور عقلاء، اور شاہ صاحب ہیں جنون کی بیماری میں مبتلاء۔ جیسا کہ ارباب عقل سے پوشیدہ نہیں۔

ثانیاً: اگر بالفرض شاہ صاحب کی بات ہی مان لی جائے تو بھی مذکورہ حدیث میں شاہ صاحب کا یہ استدلال درست نہیں ہو سکتا کہ اللہ ورسول کی طرف ہجرت کو بعینہ روز قیامت پائے گا۔ اس لئے کہ "ما عملوا" سے آیت کریمہ میں سیئات مراد ہیں کما مر۔ اور یہ آیت ہی مجرمین کے حق میں نازل ہوئی ہے۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

وضع الکتاب فتری المجرمین مشفقین مما فیه و یقو لو ن یا ویلتنا ما لهذا الکتاب لا یغا در صغیرة ولا کبیرة الا احصا ها و وجدوا ما عملو احا ضرا ولا یظلم ربك احدا"

اور جب سیئات مراد ہیں۔ تو دنیا کی نیت سے ہجرت کرنے کی صورت میں بھی بعینہ اس ہجرت کو نہیں پائے گا، اور اس آیت سے استدلال درست نہیں ہوگا کہ مطلقا دنیا کی طرف ہجرت معصیت نہیں اور نہ سیئات میں داخل۔

ثالثاً: پتہ نہیں شاہ صاحب آخرت میں عین اعمال کے پانے سے کیا مراد لیتے ہیں۔ کیا یہ مراد ہے کہ جو دنیا میں نماز پڑھتا تھا وہ آخرت میں بھی پڑھے گا۔ اور جو دنیا میں زکوۃ دیتا تھا وہ آخرت میں بھی دے گا۔ اور جو دنیا میں روزے رکھتا تھا وہ آخرت میں بھی رکھے گا۔ اور جو دنیا میں حج وعمرہ ادا کرتا تھا وہ آخرت میں بھی ایسا کرے گا اور اسی طرح دوسرے نیک کام بھی۔

اور جو دنیا میں جھوٹ بولتا تھا تو آخرت میں بھی بولے گا۔ اور جو دنیا میں شراب وزنا میں مبتلا تھا تو وہاں بھی یہ کام کریگا اور دنیا میں چوری، ظلم اور بدفعلی کرتا تھا تو وہاں بھی کرے گا۔ اسی طرح اور دوسرے برے کام بھی، اس معنی کے اعتبار سے تو پھر آخرت سراسر دار تکلیف اور نافرمانیوں کا گھر ہوگا۔ حالانکہ ایسی بات آج تک نہ کسی نے کہی اور نہ کسی کا عقیدہ۔

یا دوسرا مطلب یہ ہوگا کہ عاملین اپنے اعمال کو مختلف شکلوں میں متشکل پائیں گے خواہ وہ حسن ہوں یا

قبیح۔ اسکی تصریح احادیث میں بھی موجود ہے۔اس کی وجہ یہ ہے کہ اعمال اعراض ہیں جواہر نہیں کہ یوم آخرت تک باقی رہیں۔ بلکہ ایک آن میں موجود ہوئے اور دوسری آن میں فنا ہو جاتے ہیں۔ متکلمین کا یہی مذہب ہے۔

لیکن اس مطلب کے پیش نظر شاہ صاحب کی وہ عینیت باقی نہیں رہتی جس پر شاہ صاحب کو فخر ہے اور جس بنا پر علمائے کبار پر اپنا تفوق ظاہر کرتے ہوئے ان کو حقیر سمجھا تھا۔نعوذ باللہ من ذالک

رابعاً: علمائے ذوی الاحترام کی یہ تصریح کہ (دنیا میں اعمال ہیں اور آخرت میں ان کے ثمرات ظاہر ہوں گے) ان آیات واحادیث کی روشنی میں ہے۔اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

"فلا تظلم نفس ما اخفی لھم من قرة اعین جزاء بما کانوا یعملون"

نیز فرماتا ہے:

"انھم رجس و ماؤھم جھنم جزاء بما کانوا یکسبون"

اور حضور سید عالم ﷺ فرماتے ہیں:

"الدنیا مزرعة الآخرة"

دنیا آخرت کی کھیتی ہے۔

اب شاہ صاحب کا یہ کہنا کہ مسئلہ تقدیر کے ذریعہ اعتراض وارد ہوا تو ان حضرات کو بھی یہ کہنا پڑا کہ ہاں آخرت میں جزاوسزا اور ثمرات کا ظاہر ہونا غیر ظاہر ہے۔لہذا ہمارا قول بعینہ اعمال کا پانا اظہر ہوا۔تو اس سلسلہ میں عرض ہے کہ ان حضرات کے اس قول پر سرے سے کوئی اعتراض ہی وارد نہیں ہوتا۔وجہ اس کی یہ ہے کہ اعمال اگر چہ اللہ تعالیٰ کی تقدیر سے ہیں لیکن بندہ کے کسب کو اس میں دخل ہے۔لہذا کسب کی بنیاد پر جزاء وسزا مرتب ہو گی جیسا کہ آیات میں اس کی صراحت موجود ہے اور حدیث مذکور بھی اس کی جانب مشیر ہے۔

اس تفصیل سے واضح ہو گیا کہ اشکال کی نسبت علماء حق کی طرف کرنا اور جزاء کے مرتب ہونے کو غیر ظاہر قرار دینا بلا شبہ شاہ صاحب کا ان حضرات پر افتراء اور دروغ بے فروغ ہے۔ جب ہم خدام کے نزدیک یہ اشکال نہیں تو ان ذوی الاحترام مخدوموں کو کیا اشکال پیش آئے گا۔ہاں قرآن و حدیث کی سمجھ نصیب نہ ہونا اور یہ اشکال پیش آنا ان لوگوں کا حصہ اور ان کے کوتکوں کی سزا ضرور ہے جو دنیا میں علماء کرام کی بارگاہ کے بے ادب اور گستاخ ہیں "فیا رب محمد لا تجعلنا منھم واجعلنا من المتادبین بآداب حبیبك الکریم علیه الصلوة والتسلیم"

خامساً: اگر بالفرض یہ مان بھی لیا جائے کہ اعمال اللہ تعالیٰ کی تقدیر سے ہیں اور بندے کے کسب کو اس میں دخل نہیں تو بھی اعمال پر جزاء کا مرتب ہونا آخرت میں ظاہر ہے اور کوئی اشکال نہیں۔ کیونکہ آخرت میں اعمال پر جزا کا مرتب یہ فعل حکیم ہے اور اس کی شان بلند ہے۔ ہمارا اور علماء ذوی الاحترام کا اللہ تعالیٰ کے اس

فرمان پر ایمان ہے۔

﴿لا یسئل عما یفعل وھم یسئلو ن﴾

حضرت صدر العلماء علیہ الرحمہ فرماتے ہیں:

شاہ صاحب نے اپنی علیحدہ ڈیڑھ اینٹ کی جو دیوار چنی تھی پھر آخر میں اس کو ڈھاتے ہوئے اک شعر تحریر فرماتے ہیں:

ولیس جزا ء ذاك عین افعالنا وقد و جدوا ما یعملو ن وعولوا

شاہ صاحب کا یہ طریقہ بھی عجیب مضحکہ خیز ہے اور قرآن کریم میں وارد اس عورت کے فعل کے مطابق ہو جس کا ذکر یوں ہے۔ ﴿التی نقضت غزلھا من بعد قوۃ انکاثا﴾

ابھی شاہ صاحب کی عبارت میں دھوکہ دہی کے بہت سے گوشہ باقی رہ گئے ہیں اگر اطناب کا خوف نہ ہوتا تو سب کو بیان کرتا۔

بحث ہفتم

حدیث ''انما لا عمال با لنیا ت ''میں کلمہ 'انما' قصر کے لئے ہے اور تاکید کے لئے ہو تو مسند الیہ کے معرف بلام جنس ہونے سے قصر مستفاد ہوگا۔ قصر کی دو قسمیں ہیں:

حقیقی اضافی

پھر ہر ایک کی دو قسمیں ہیں۔ قصر موصوف علی الصفۃ۔ قصر صفت علی الموصوف۔ پھر قصر اضافی کی تین قسمیں ہیں:

قصر افراد۔ قصر قلب۔ قصر تعیین

حدیث مذکور میں قصر موصوف علی الصفۃ اضافی ہے۔ احناف کے نزدیک '' ثوا ب الا عمال '' موصوف مقصور ہے، اور '' حا صل با لنیا ت '' صفت مقصور علیہ ہے۔ یہاں دوسری صفت '' حا صل بدو ن النیات '' ہے اور اسی کی جا نب نسبت کرتے ہوئے قصر ہے۔ اور یہ قصر اضافی تعیین ہے، نہ قصر افراد ہے اور نہ قصر قلب۔

قصر افراد اس لئے نہیں کہ اس میں شرط ہے کہ دونوں صفتیں متنافی نہ ہوں، اور یہاں '' حا صل بالنیات اور '' حاصل بدو ن النیات ،، میں تنافی ظاہر ہے۔

قصر قلب اس لئے نہیں کہ اس میں مخاطب کا اعتقاد متکلم کے حکم کے برعکس ہوتا ہے اور یہ یہاں متصور نہیں کیونکہ مخاطب صحابہ کرام ہیں اور انکا یہ اعتقاد ہرگز نہیں تھا کہ اعمال کا ثواب بغیر نیت تو ملتا ہے اور نیت سے نہیں ملتا۔ لہٰذا قصر تعیین متعین ہوگیا جس میں مخاطبین کے تردد کو زائل کیا جاتا ہے۔

اس کی توجیہ اس طرح ہوگی کہ صحابہ کرام رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین کو اس بارے میں تردد تھا کہ آیا ''ثواب الاعمال ''موصوف 'حاصل بالنیات ' کے ساتھ متصف ہے، یا ''حاصل بدون النیات ' کے ساتھ۔ حضور نبی کریم ﷺ نے انکے اس تردد کو محسوس کیا اور اپنے فصیح و بلیغ جملہ سے دور فرمادیا۔ ہاں یہ صورت اسی وقت درست ہوگی جب کہ کسی قرینہ سے صحابہ کرام رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین کا تردد ثابت ہوجائے۔ ورنہ یوں کہا جائے گا کہ خبر مہتم بالشان ہے اور اس کے اہتمام کے پیش نظر خالی ذہن صحابہ کرام کو مترددین کی منزل میں قرار دیکر ان کے تردد کو دور فرمایا۔

حضرت صدر العلماء علیہ الرحمہ کے کلمات کا خلاصہ میں نے پیش کیا۔ اس کی روشنی میں شاہ صاحب کے ملفوظات ملاحظہ کیجئے۔ فرماتے ہیں:

"وقولہ انما الاعمال بالنیات بحرف القصر فی مقا بلۃمن زعم عبرۃ الاعمال ونما ئھا بالنیۃ الفاسدۃ اوان الاعمال لا تا ثیر فیھا با لنیات ، فجئی با نما علی طریق قصر القلب کما قال عبدالقا ھر فی انما "

یہاں حدیث مذکور حرف قصر کے ذریعہ ان لوگوں کا فاسد گمان دور کرنے کے لئے بیان فرمائی ہے۔ جو یہ سمجھے بیٹھے تھے کہ اعمال کا دارو مدار نیت فاسد پر ہے۔ یا انھوں نے یہ سمجھ لیا تھا کہ اعمال میں نیتوں کو کوئی دخل نہیں لہٰذا 'انما ' بطور قصر قلب ہے۔ جیسا کہ شیخ عبدالقاہر نے 'انما ' کے بارے میں صراحت کی ہے۔ اس پر صدر العلماء علیہ الرحمہ کی مضبوط گرفتیں ملاحظہ کریں۔

فرماتے ہیں:

علم معانی سے جس کو تھوڑا سا بھی تعلق ہو اس پر یہ بات پوشیدہ نہیں کہ قصر قلب میں مخاطب دو مختلف حکموں کا اعتقاد رکھتا ہے۔ ایک ایجابی دوسرا سلبی۔

مثلاً، کوئی شخص یہ اعتقاد رکھتا ہو کہ'' ان زید اقاعد ولیس بقائم ،، تو متکلم اس حکم کو پلٹ کر 'انما' کے ذریعہ یوں کہتا ہے۔ انما زید قائم ، یعنی زید قائم ہے قاعد نہیں۔ یہ قصر موصوف علی الصفۃ کی مثال میں ہوگا۔

اور اگر یہ اعتقاد رکھتا ہے کہ'' ان الشاعر عمرو ولیس بزید ،، تو متکلم اس کو پلٹ کر یوں کہے گا۔ انما الشاعر زید ،، یعنی زید شاعر ہے عمرو نہیں۔ یہ قصر صفت علی الموصوف ہوگا۔

اس تشریح پر اہل فن متفق ہیں اور کلام عرب میں اس کی مثالیں ملتی ہیں کہ قصر قلب میں مخاطب دو مختلف حکموں کا اعتقاد رکھتا ہے۔ لیکن اطول میں ایک صورت اور بیان کی ہے کہ ایسا بھی ممکن ہے کہ قصر قلب کا مخاطب ایسا شخص ہو جو کسی کے لئے کسی ایک حکم کے ثبوت کا اعتقاد رکھتا ہے اور دوسرے حکم کے ثبوت کو بھی جائز مانتا ہے۔ اب متکلم دوسرا حکم ثابت کردے اور اس حکم کی نفی کردے جس کو اس نے ثابت مانا تھا۔

مثلاً کسی نے اعتقاد کیا کہ ''ان زید ا شاعر''، ساتھ ہی یہ بھی مانتا ہے کہ زید کاتب بھی ہوسکتا ہے۔ اب متکلم قلب حکم کرکے یوں کہہ دے ''انما زید کاتب'' یعنی زید کاتب ہے شاعر نہیں۔ تو اس صورت میں مخاطب دو ایجابی حکموں کا اعتقاد رکھتا ہے لیکن ان میں سے ایک فعلی ہے اور دوسرا جوازی۔ لہٰذا متکلم نے جوازی کو ثابت کردیا اور فعلی کی نفی کردی۔

اس تفصیل سے یہ بات واضح ہوگئی کہ قصر قلب میں ضروری ہے کہ مخاطب دو حکموں کا اعتقاد کرے خواہ وہ دونوں ایجابی ہوں۔ یا ایک ایجابی اور دوسرا سلبی۔ جب یہ بات ذہن نشین ہوگئی تو سمجھ لو کہ فیض الباری یعنی شاہ صاحب کی عبارت میں ایک قصور ہے، اور دو وجہوں سے اس میں فساد بھی لازم آتا ہے۔

عبارت میں قصور کی وجہ تو یہ ہے کہ شاہ صاحب نے صرف ایک ہی حکم بیان فرمایا۔ لہٰذا انکی عبارت یوں ہے کہ۔

''عبرة الاعمال و نما ئها بالنية الفاسدة او انما الاعمال لا تا ثير فيها بالنيات''

اس عبارت میں انھوں نے اختیار دیا ہے کہ قاری جو شق چاہئے اختیار کرے اس کی بات درست رہے گی۔ تو ایک شق کا اختیار دینا اور دوسری کو چھوڑ دینا بلاشبہ عبارت کا قصور ہے۔ جب کہ قصر قلب میں دو حکموں کا اعتقاد ہوتا ہے۔

فساد کی وجہ اول یہ ہے کہ دونوں شقوں میں سے اگر پہلی اختیار کی جائے یعنی ''ان عبرة الا عمال و نما ئها بالنية الفاسدة'' تو مطلب یہ ہوگا کہ جو حکم متروک ہے وہ سلبی ہے یا ایجابی جوازی۔ اور دوسری شق اختیار کی جائے یعنی ''ان الاعمال لا تا ثير فيهاللنيات''، تو یہاں حکم متروک ایجابی ہی ہوگا اس کے علاوہ نہیں

پہلی شق کو اختیار کرنے کی صورت میں مطلب یہ ہوگا کہ مخاطب نے یہ اعتقاد کیا تھا کہ اعمال کا اعتبار اور اس میں نمو و برکت نیت فاسدہ سے ہوتی ہے نیت صحیحہ سے نہیں۔ یا یہ کہ اعمال میں زیادتی نیت فاسدہ سے ہوتی ہے اور نیت صحیحہ سے بھی ہوسکتی ہے۔ اگر یہ ہی مراد ہے تو اس کا باطل ہونا اظہر من الشمس وابین الامس ہے۔ یہ کیسے ہوسکتا ہے جبکہ حضور نبی کریم ﷺ کے مخاطب یہاں صحابہ کرام رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین ہیں۔ یہ بات تو کم عقل سے بھی متصور نہیں کہ وہ یہ اعتقاد رکھے کہ اعمال کا نمو نیت فاسدہ سے ہوتا ہے نیت صحیحہ سے نہیں۔ یا یہ کہ نیت فاسدہ سے ہوتا ہے اور نیت صحیحہ سے بھی ہوسکتا ہے۔ پھر صحابہ کرام کی شان تو عظیم ہے۔

شاہ صاحب کی حالت پر افسوس اور ماتم کرنا چاہئے کہ ان کی ایمانی غیرت کہاں سوگئی تھی جو وہ صحابہ کرام پر یہ الزام لگا رہے ہیں۔ یہ تو ہر ذی عقل سمجھتا ہے کہ زیادہ سے زیادہ فقط اتنا ممکن کہ نیت فاسدہ کا اعتقاد رکھتے ہوئے اعمال میں نمو و افزائش ہوگی تو نیت صحیحہ سے تو بدرجہ اولیٰ حاصل ہوگی۔ اس کو تو کوئی بھی ممکن نہیں کہہ سکتا کہ نیت صحیحہ سے اعمال کا نمو ہی حاصل نہیں۔

ہاں شاہ صاحب کی مراد اس کے علاوہ ہے تو بیان کی جائے تا کہ اس پر کلام کیا جاسکے۔

خیال رہے کہ کسی دوسری مراد کا امکان محض تجویزا ہے۔ ورنہ خود شاہ صاحب کی عبارت میں ایسی تصریح بھی موجود ہے جو پہلی شق کو معین کر رہی ہے۔ انھوں نے خود کہا ہے۔

”والذی اراہ ھوان الحدیث لم یرد فی وجود النیة و عدمھا کما یشعر بہ تفا ریعھم، وانما ورد فی بیان الفرق بین النیة الفاسدة و الصحیحة“

یعنی میں نے تو یہ ہی سمجھا ہے کہ حدیث نیت کے وجود وعدم کے سلسلہ میں وارد نہیں ہوئی حالانکہ علمانے اسی معنی کے اعتبار سے اس حدیث سے مسائل کا استخراج واستنباط کیا ہے۔ ہاں میرے نزدیک یہ حدیث نیت فاسد اور نیت صحیح کا فرق بیان کرنے کے لئے وارد ہوئی ہے۔

لہٰذا شاہ صاحب کے نزدیک گویا صحابہ کرام علیھم الرحمۃ والرضوان یہ اعتقاد رکھتے تھے کہ نیت فاسد سے اعمال کا نمو اور اعتبار ہوگا اور نیت صحیح سے نہیں۔ ”لا حول ولا قوة الا باللہ العلی العظیم“

دوسری شق کو اختیار کرنے کی صورت میں ”انما الاعمال لا تاثیر فیھا للنیات،، میں دو احتمال ہیں

پہلا احتمال یہ ہے کہ ”النیات“ سے مراد اگر معنیٰ عام ہوں جو نیت صحیحہ اور فاسدہ دونوں کو شامل تو حکم متروک ایجابی کا حال معلوم نہیں ہو سکے گا۔ یعنی یہ وضاحت نہیں ہو سکے گی کہ جب اعمال میں دونوں طرح کی نیت کا کوئی اثر نہیں تو پھر کونسی چیز کا اثر ہوگا اور جب یہ ہی معلوم نہیں تو پھر اس کی صحت وفساد کا علم بھی نہیں ہوسکتا۔ ویسے اس احتمال کی شاہ صاحب ابھی نفی کر چکے ہیں

دوسرا احتمال یہ ہے کہ ”النیات“ سے مراد اگر نیت صحیحہ ہو تو حکم متروک یہ ہوگا کہ اعمال میں نیت فاسدہ کا اثر ہوتا ہے۔ اس صورت میں پہلی شق اور دوسری شق کا مفاد و مطلب ایک ہوگا اگر چہ عبارتیں یہاں مختلف ہیں۔ لہٰذا وہی فساد اور خرابی لازم آئے گی جو پہلی شق میں گذری۔

اس تفصیل کے بعد حضرت صدر العلما فرماتے ہیں: کہ ابھی تو شاہ صاحب کی تقدیر عبارت پر کلام باقی ہے کہ انھوں نے یہاں لفظ ”عبرة و نماء، کو مقدر مانا ہے۔ اس کی تفصیل آئندہ دس ایرادات کے ضمن میں آئے گی۔

فساد کی وجہ دوم یہ ہے کہ شیخ عبدالقاہر کی طرف اس بات کی نسبت کرنا کہ انھوں نے 'انما' کو قصر قلب کے لئے متعین کر دیا ہے غلط و باطل ہے۔ اور یہ شاہ صاحب کی سطحی نظر اور سوء فہم کا نتیجہ ہے۔ کیونکہ شیخ عبدالقاہر نے دلائل الاعجاز میں یہ کہا ہے کہ کلمہ 'انما' قصر قلب کے لئے آتا ہے قصر افراد کے لئے نہیں۔ تو شیخ نے اس کا استعمال قصر افراد کے لئے ممنوع قرار دیا نہ کہ قصر تعیین کے لئے بھی۔ چونکہ شاہ صاحب نے شیخ کے کلام میں تعمق نظر سے کام نہ لیا لہٰذا دونوں کی نفی سمجھ بیٹھے۔ اور آپ کے مدح خواں آپ کی ان تحقیقات فاسدہ کو دیکھ کر پکار اٹھے۔

حدیث کی بلاغت پر گویا ہوتے تو تفتازانی اور جرجانی کا خیال گذرتا۔ (انوار الباری۔)

شاہ صاحب کے یہی وہ طور طریقے ہیں جنھوں نے ان کو صحیح راستہ سے بھٹکا دیا ہے۔ واضح رہے کہ یہ ائمہ دین کی جناب میں سوء ادب کی سزا ہے جو انہیں بھگتنا پڑ رہی ہے۔ واللہ ولی التوفیق والیہ المآب فافھم

بحث ہشتم

حدیث میں اعمال سے عام اعمال مراد ہیں۔ کہ قلب وقالب کے افعال خواہ از راہ قبیل اخذ ہوں یا ترک، خواہ عبادات ہوں یا عادات سب اس میں داخل ہیں۔ ایسا نہیں کہ صرف عبادات مراد ہوں جیسا کہ امام شافعی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا مسلک ہے نیز نیت کے شرعی معنی مراد ہیں یعنی ارادۂ طاعت، ساتھ ہی یہ بات بھی ذہن میں رہے کہ اس جملہ حدیث میں معنی مجازی مراد ہیں بالاتفاق۔ لہذا واجب ہوا کہ منصب رسالت کے منا سب معنی مجازی مراد ہوں تا کہ نبوی مراد منکشف ہو جائے۔ چونکہ منصب رسالت شرعی حکم بیان کرنا ہے اور حکم شرعی دو قسم پر ہے۔

دنیوی جیسے صحت، اخروی جیسے ثواب

لہذا امام اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا کہ یہاں اخروی مراد ہے دنیوی نہیں، اور کلام میں مجاز بالحذف ہے۔ تقدیر عبارت اس طرح ہے "انما ثواب الاعمال بالنیات" لہذا یہاں صحت یا حکم عام مقدر ماننا درست نہیں۔ اس کی چند وجوہ حضرت صدر العلما علیہ الرحمہ نے یوں بیان فرمائیں۔

اولاً: اس لئے کہ تقدیر صحت مراد ہونے پر لازم ہے کہ وہ ہجرت فاسد اور شرعاً نادرست ہو جو حصول دنیا یا عقد نکاح کے ارادہ سے کی گئی تھی۔ لیکن وہ فاسد نہیں۔ اس لئے کہ اگر فاسد ہوتی تو اشرف انبیاء محبوب کبریا ﷺ تجدید ہجرت کا حکم فرماتے کہ اس زمانے میں ہجرت فرض تھی۔ لیکن تجدید ہجرت کا حکم نہیں فرمایا تو معلوم ہوا کہ وہ ہجرت فاسد اور نادرست نہیں ہوئی۔ پس ثابت ہوا کہ تقدیر صحت مراد نہیں، جب دنیوی حکم (صحت) کی نفی ہوگئی تو اخروی حکم (ثواب) ثابت ہوا۔ وھو المطلوب۔

ثانیاً: اس لئے کہ تقدیر ثواب پر اجماع ہے جس کو ثقہ حضرات نے نقل فرمایا۔ لہذا وجود اجماع پر صاحب تلویح کا منع وارد فرمانا درست نہیں۔ "کذا فی فواتح الرحموت شرح مسلم الثبوت"

سوال: یہاں پر تین احتمال ہیں۔ تقدیر صحت۔ اور تقدیر ثواب، اور حکم عام کی تقدیر جو صحت اور ثواب دونوں کو شامل ہے۔ اول کے ابطال سے ثانی کا ثبوت نہ ہوگا تا وقتیکہ ثالث کو باطل نہ کیا جائے۔ اور بہتر یہی ہے کہ حکم مقدر مانیں تا کہ دنیوی اور اخروی دونوں کو شامل ہو جائے۔

جواب اول: یہاں پر حکم عام کے دو فرد ہیں۔ اول صحت۔ دوم ثواب۔ جب اول کی نفی ہو گئی تو حکم عام مقدر ماننے کی صورت میں اس کے ماتحت صرف دوسرا باقی رہے گا۔ تو حکم کا عموم جاتا رہا ہے۔ پس ثابت ہوا

کہ اول کے ابطال سے ثالث کا ابطال بھی ہو جاتا ہے۔ اور جب اول وثالث احتمال باطل ہوئے تو ثانی ثابت ہو گیا۔ و ھو المطلوب

جواب دوم: جب تقدیر ثواب پر اجماع ہوا تو جس طرح تقدیر صحت باطل ہوئی حکم عام کی تقدیر بھی باطل ہوگئی۔

یہاں سے یہ امر بھی واضح ہوگیا کہ احناف سے جن حضرات نے اس حدیث میں لفظ حکم کی تقدیر کو جائز قرار دیا جیسے صدر الشریعہ صاحب شرح وقایہ ، تو انھوں نے حکم سے عام معنی مراد نہیں لئے بلکہ انکی مراد بھی حکم سے ثواب ہے۔ شرح وقایہ کے کلام سے یہ بات اس قدر روشن ہے کہ اس میں اصلاً خفا نہیں۔

یہ تفصیل تحریر فرما کر حضرت صدر العلماء علیہ الرحمہ فرماتے ہیں کہ ہمارے اس بیان سے شاہ صاحب کی اس عبارت کی کمزوری ظاہر ہوگئی جو انھوں نے فیض الباری ص ۶/۱ پر رقم فرمائی ہے۔ شاہ صاحب کے الفاظ یہ ہیں:

اقول ۔ و کلام شارح الوقاية وان كا ن اولىٰ من غيره الا انه خلا ف الوجدان ، اما تقدير الثواب و الصحة فلا يصح عندى ۔

اما الاول فلا ن تقدير الثواب يو دى الى تخصيصين فى الحديث ۔ الاول با لدار الا خرة فان الثواب و العقاب من احكام الا خرة ۔ والثا نى تخصيصه با لطا عات فقط ، لا نها هى التى يثاب عليها بخلا ف المعا صى فا نها يعا قب عليها ، فلو قلنا ثواب الاعمال با لنيا ت يقتصر الحديث على احكام الآ خرة ثم على الطا عات ، واحكام الدنيا والمعا صى تخرج عن قضية الحديث و مد لوله ، ولا تبقى له علا قة بها مع ان ا لحديث عام قطعاً ، فان المعا صى مذ كو رة فى الحديث صراحة كما قال : ومن كا نت هجرته الى دنيا الخ۔

فعلم ان الحديث لم ير د فى الطا عات فقط ، علا ان صحة الاعمال و الطا عات هى كو نها بحيث يترتب عليها الثواب ، فاذا خلت عن الثواب فقد بطلت فصار مأل تقدير الثواب والصحة واحداً فيلزم عليهم ما لزم على من قدر الصحة ايضاً والتزامه المصنفو ن ، الا انهم رأو ا فيه نفعا يسيرا فى الجواب عن مسئلة النية فر ضوا بهذا النفع اليسير با لضرر الكثير وا ختاروا هذا التقدير مع انه لا يجديهم ايضاً كما سيجئى

واما الثانى اى تقدير الصحة فيودى الى تخصيصين ايضاً

الاول بـا حكام الدنيا ، فا ن الصحة اسم لاستجما ع الشرا ئط والار كان بحيث يسقط الفر ض عن ذمته و كذا البطلان نقيضه وهما من احكام الفقه والدار الدنيا، و حينئذ يقتصر الحديث على احكام الفقه والدارالدنيا ولا يشمل احكام الآ خرة ۔ والثانى ان من الافعال ما لا

یقال فیه انه صح او بطل ، فان الصحة تجری فیما فیه جهتان الحلة والحرمة ۔ اما الحرام قطعا اوالحلال قطعا فلا یقال فیه انه صح او بطل ، مثل من قتل رجلاً او زنی او سرق ، فلا یقال فیه انه صح قتله و زناه و سرقته او بطل ۔ فیکون الحدیث ساکتاً عن هذه الا حکام مع انه عام لجمیع الطوائف کما علمت ، علا ان الصحة والبطلان بهذا الاصطلاح من المصطلحات الحادثة ولا ینبغی ان یحمل الحدیث علی مصلطحات الفنون بل یجری علی صرافة اللغة ، هذا کلام علی شرحهم ۔ (بشیر القاری ص ۴۱)

صاحب شرح وقایہ کا حکم عام کو مقدر ماننا اگر چہ دوسرے اقوال کے مقابلہ میں اولی ہے مگر یہ خلاف وجدان ہے۔ رہا ثواب اور صحت کو مقدر ماننا تو یہ میرے نزدیک درست نہیں۔

تقدیر ثواب اس لئے صحیح نہیں کہ اس تقدیر پر حدیث میں دو طرح کی تخصیص کرنا پڑے گی۔ پہلی تخصیص تو یہ ہوگی کہ اس کا تعلق دار آخرت سے ہوگا۔ کیونکہ ثواب وعقاب اخروی احکام ہیں۔ دوسری تخصیص یہ ہوگی کہ یہاں اعمال سے طاعات ہی مراد ہوں گے۔ اس لئے کہ انہیں پر ثواب مرتب ہوتا ہے برخلاف معاصی کہ ان پر تو عقاب ہے۔

اب ہم یوں کہیں کہ'' ثواب الاعمال بالنیات ،تو حدیث میں احکام آخرت ہی مراد ہونگے اور وہ بھی محض طاعات، رہے دنیوی احکام اور معاصی تو وہ اس حدیث کے احاطہ سے خارج اور اس کے مدلول سے جدا قرار پائیں گے اور حدیث کو ان سے کوئی علاقہ نہ ہوگا۔ حالانکہ حدیث سب کو بلاشبہ عام ہے۔ کیونکہ حدیث کے آخر میں معاصی کا تذکرہ صراحۃ موجود ہے۔ جیسا کہ وارد ہوا۔

ومن کانت هجرته الی دنیا یصیبها او الی امرآة الخ

لہذا معلوم ہوا کہ حدیث فقط طاعات کے سلسلہ میں وارد نہ ہوئی بلکہ اس میں معاصی بھی داخل ہیں۔

اس کے علاوہ یہ بات بھی خیال میں رہے کہ اعمال وطاعات کی صحت اس حیثیت سے ہوتی ہے کہ ان پر ثواب مرتب ہوتا ہے، اب اگر وہ ثواب سے خالی ہوں تو خود باطل قرار پائیں گی۔ لہٰذا ثواب مقدر مانو یا صحت، دونوں کا مرجع ومال ایک ہوگا۔ چنانچہ جو اعتراض پہلی صورت میں وارد تھا وہی صحت مقدر ماننے کی صورت میں بھی ہوگا۔ لیکن عام طور پر مصنفین نے اسی کو اختیار کرلیا ہے۔

خیال رہے کہ ان لوگوں کو ثواب مقدر ماننے کی صورت میں تھوڑا نفع تو نظر آیا کہ مسئلہ نیت کا جواب دینا آسان ہوگیا لیکن یہ لوگ تھوڑے نفع کے لئے بڑے نقصان میں مبتلا ہوگئے اور اس صورت کو اپنالیا حالانکہ ان کو وہ نفع بھی حاصل نہ ہوسکا۔ کما سیجیئ۔

تقدیر صحت اس لئے درست نہیں کہ اس تقدیر پر بھی حدیث میں دو طرح کی تخصیص کرنا پڑے گی۔ پہلی

تو یہ کہ احکام دنیا سے اس کا تعلق ہوگا۔ کیونکہ صحت نام ہے اجتماع شرائط وارکان کا اس طرح کہ فرض ذمہ سے ساقط ہوجائے۔ اور صحت کی نقیض بطلان ہے اوران دونوں کا تعلق احکام فقہ اور دار دنیا سے ہے۔ اس صورت میں حدیث مذکور محض احکام فقہ اور دار دنیا سے متعلق ہوگی اور آخرت کے احکام کو شامل نہ ہوسکے گی۔

دوسری تخصیص یہ کرنا پڑے گی کہ اس حدیث میں وہی افعال مراد ہونگے جن کو صحیح یا باطل کہا جاسکے اور یہ وہ افعال ہوں گے جہاں دو جہتیں متصور ہوں ایک حلت اور دوسری حرمت۔ لہٰذ جہاں حرمت قطعی یا حلت قطعی ہوگی وہاں صحت و بطلان کا حکم نہیں لگایا جاسکتا۔

مثلاً: کسی نے دوسرے کو قتل کیا، یا زنا صادر ہوا، یا چوری کی، تو یہاں یہ نہیں کہا جاسکتا کہ اس کا قتل کرنا، یا زنا یا چوری کرنا صحیح ہے اور نہ ان افعال کو باطل کہا جاتا ہے بلکہ یوں کہا جاتا ہے کہ یہ حرام ہیں۔ لہٰذا حدیث اس طرح کے احکام سے ساکت رہے گی حالانکہ یہ تمام احکام کو شامل ہے۔

اس کے علاوہ ایک خرابی یہ بھی لازم آئے گی کہ صحت و بطلان اس اصطلاح کے مطابق نو پید اصطلاحات سے ہونگے اور حدیث کو مصطلحات فنون پر محمول کرنا مناسب نہیں بلکہ اس میں لغوی معنی ہی مراد لئے جائیں۔

شارحین کے کلام پر میری یہ چند گرفتیں اور تنقیدات ہیں۔

حضرت صدرالعلماء علیہ الرحمہ نے شاہ صاحب کی یہ مکمل عبارت نقل فرما کر اس پر جو ایرادات قائم فرمائے اور ان کے باطل خیالات کی جس طرح دھجیاں اڑائی ہیں وہ قابل دید اور لائق صد تحسین وآفریں ہیں، فرماتے ہیں:

اولاً: شاہ صاحب نے تقدیر حکم کو خلاف وجدان کہا۔ اور ثواب وصحت کی تقدیر کو باطل قرار دیا۔ یہ تفریق شارح وقایہ کے کلام میں سوء فہمی کا نتیجہ ہے۔ کیونکہ انھوں نے حکم سے وہ عام معنی مراد نہیں لئے جو دنیوی واخروی دونوں کو شامل ہو جیسا کہ ہم ابھی اس چیز پر تنبیہ کر چکے۔

لہٰذا شاہ صاحب کا مندرجہ بالا فرق بیان کرنا درست نہیں، اور یہ بھی غلط کہ پہلا دوسرے کے مقابلہ میں اولیٰ ہے بلکہ ان کی مراد حکم سے ثواب ہے۔ وجہ اس کی یہ ہے کہ انھوں نے حضرت امام شافعی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے استدلال کا جواب دیتے ہوئے اس طرح کہا ہے کہ ثواب ہمارے اور آپ کے یہاں نیت پر موقوف ہے لہٰذا ثواب کو مقدر مانا جائے۔ یا ایسی چیز مقدر ہو جو ثواب کو شامل ہو۔ جیسے حکم۔ اب اگر ثواب کو مقدر مانیں تو یہ بات ظاہر ہے کہ حدیث مذکور میں عبادات کی صحت کے لئے نیت کو ضروری قرار دینے کے سلسلہ میں حدیث واضح ہے۔ اب یہ حدیث حضرت امام شافعی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے خلاف اور ہماری مراد کے عین مطابق ہوگی۔ ہاں اگر حکم مقدر مانیں تو اس کی دو قسمیں ہیں۔ دنیوی جیسے صحت۔ اخروی جیسے ثواب۔ اور اس حدیث میں اخروی حکم ماننے پر ہمارے اور ان کے درمیان اجماع ہے۔ لہٰذا حکم بول کر ثواب مراد ہو تو کلام بلاشبہ سچ اور درست ہوگا البتہ

حکم کو معنی عام پر محمول کیا جائے کہ صحت بھی اس کا ایک فرد ہو کر شامل رہے تو درست نہیں رہے گا۔لہٰذا حکم معنی عام پر محمول نہیں ہوگا اس لئے کہ جو ضرورت کے وقت مقدر مانا جائے وہ بقدر ضرورت ہی مقدر رہتا ہے۔ چونکہ حدیث مذکور میں ثواب یا حکم مقدر ماننے کی ضرورت اس لئے پیش آئی تھی کہ ظاہر حدیث کے معنی اس کے بغیر درست نہیں ہو پا رہے تھے کہ ثواب یا حکم کو مقدر نہ مانیں تو مطلب یہ ہوگا کہ بغیر نیت کسی عمل کا وجود ہی نہ ہوا اور یہ معنی صادق نہیں۔اور جب ثواب مقدر مان کر معنی درست ہو گئے تو کوئی دوسرا مقدر نہ مانا جائے گا۔

فیا للعجب ۔ یہ دیکھو شاہ صاحب نے ائمہ دین کے کلام پر اعتراض کیا تھا اور خود جناب کے پاس ایسی بیمار سمجھ ہے کہ شارح وقایہ کا یہ واضح کلام نہیں سمجھ پائے۔

ثانیاً: شاہ صاحب کا یہ قول کہ (ثواب مقدر ماننا صحیح نہیں) محض جزاف ہے،ہم اپنی اس مراد پر دلیل و برہان قائم کر چکے ہیں۔رہی یہ بات کہ حدیث میں دو طرح تخصیص کرنی پڑے گی تو یہ کوئی خرابی نہیں۔ بلکہ تخصیص اگر ہزار مرتبہ بھی کرنا پڑے تو اس میں کوئی حرج نہیں۔کیونکہ بہت سے عمومات میں تخصیص واقع ہوئی ہے بلکہ یہاں تک کہا جاتا ہے۔ما من عام الا وقد خص منها البعض ۔ ہر عام میں کچھ نہ کچھ تخصیص ضروری ہوئی ہے ہاں واللہ بکل شئی علیم ۔اس حکم سے مستثنیٰ ہے۔لہٰذا شاہ صاحب تخصیص سے کیوں بھاگ رہے ہیں ہاں اگر تخصیص کا وہاں کوئی داعی نہ ہو تو ضرور یہ تخصیص مذموم و مطرود ہوگی اور اس سے احتراز و فرار مقبول و محمود ہوگا رہا یہ کہ یہاں داعی کون ہے تو ہم اس کو پہلے بیان کر آئے ہیں کہ 'النیات' سے مراد حدیث شریف میں معنی شرعی ہیں معنی لغوی نہیں۔اور اس مراد کو ہم نے تین وجوہ سے ثابت بھی کیا ہے۔تفصیل کے لئے بشیر القاری۔ص ر ۴۰ ملاحظہ کریں۔

ثالثاً: شاہ صاحب کا یہ کہنا کہ ('الاعمال' میں معاصی بھی داخل ہیں،کیونکہ ان کا ذکر صراحۃً حضور نبی کریم علیہ التحیۃ والتسلیم کے فرمان 'فمن کانت ھجر تہ الخ 'میں موجود ہے) باطل ہے اس لئے کہ جب نیت سے اس کے معنی شرعی یعنی ارادۂ طاعت مراد ہیں تو ضروری ہوا کہ ثواب مقدر مانا جائے جیسا کہ ہم نے ذکر کیا لہٰذا ظاہر ہو گیا کہ معاصی یہاں اعمال میں داخل نہیں۔کیونکہ معاصی پر ثواب مرتب نہیں ہوتا جس سے معلوم ہوا کہ حدیث میں مذکور" الاعمال"غیر معاصی میں منحصر ہوئے چنانچہ شیخ محدث دہلوی کی تصریح گذر چکی۔

چونکہ شاہ صاحب نے یہ بات تسلیم کی ہے کہ 'انما الاعمال بالنیات 'مرتبہ اجمال میں ہے (جیسا کہ آئندہ آرہا ہے) اور فمن کانت ھجر تہ الخ ۔مرتبہ تفصیل میں ہے۔لہٰذا جو چیز مرتبہ اجمال میں نہیں وہ تفصیل میں بھی نہ ہوگی۔تو جب معاصی اجمال میں داخل نہیں تو ان کا ذکر تفصیل میں کیونکر متصور چہ جائیکہ تصریح کا دعوی۔پھر یہ بات بھی بالکل واضح ہے کہ معاصی کا ذکر صراحۃً مان کر ان علامہ صاحب نے اپنی بصیرت فی الحدیث کا ثبوت دیا جو ان کی کور چشمی کی دلیل ہے۔

رابعاً: شاہ صاحب نے حدیث میں جو عبارت مقدر تسلیم کی ہے مثلاً ' نما ' عبرۃ ، زکوٰۃ ، حسبة وغیرھا تو اس صورت میں بھی اعمال کو غیر معاصی سے خاص کرنا ضروری ہے۔ اس لئے کہ 'النیات ' سے یا تو شرعی معنی مراد ہونگے یا لغوی۔ اگر پہلے معنی مراد ہوں کما ھوالحق، تو 'انما الاعمال بالنیات' ' کا نمو، میں قصرو استغراق کا لحاظ کرتے ہوئے مطلب یہ ہوگا کہ تمام اعمال کا نمو، ان میں افزائش، ان کا اعتبار اور ان کا نتیجہ وغیرہ ارادۂ طاعت سے حاصل ہوتا ہے بغیر ارادۂ طاعت حاصل نہیں ہوتا اب اگر معاصی کو اعمال میں داخل مانو تو لازم آئے گا کہ ہر معصیت کا نمو اور اس کا ثمرہ ارادۂ طاعت سے حاصل ہوتا ہے بغیر ارادۂ طاعت حاصل نہیں ہوتا۔ اور یہ لازم سب کے نزدیک باطل تو ملزوم کا بطلان بھی ظاہر و باہر ہے۔ یعنی معاصی کا اعمال میں داخل ماننا باطل۔

اگر دوسرے معنی مراد ہیں یعنی نیت سے لغوی معنی تو ضروری ہے کہ مابعد کا کلام ماقبل پر متفرع نہ ہو اور وہ ماقبل کی تفصیل بھی نہ بن سکے گا خواہ اعمال میں معاصی کو داخل مانا جائے یا نہیں۔ حالانکہ شاہ صاحب اس بات کے معترف ہیں کہ آخر حدیث اول کی تفصیل ہے۔

تفصیل نہ ہونے کی وجہ یہ ہے کہ اس صورت میں حدیث کے معنی یہ ہونگے کہ تمام اعمال کا نمو خواہ وہ طاعات ہوں یا معاصی پختہ ارادہ سے حاصل ہوتا ہے بغیر ارادہ حاصل نہیں ہوتا۔ تو یہاں دو جزء ہوئے، ایک ایجابی اور دوسرا سلبی۔ لہٰذا ضروری ہے کہ تفصیل میں بھی دو چیزیں ہوں۔ ایک ایجابی پر متفرع ہو اور اس کی تفصیل واقع ہو۔ اور دوسری سلبی پر متفرع ہو کہ اس کی تفصیل قرار دی جائے۔

اس اصول کی روشنی میں اگر " فمن کانت ھجرتہ الخ " کو ارادہ پایا جانے کے سبب ایجابی کی تفصیل قرار دیا جائے تو " فمن کانت ھجرتہ الی دنیا الخ " کو سلبی کی تفصیل نہیں قرار دیا جا سکتا۔ کیونکہ یہاں ارادہ کی نفی نہیں حالانکہ جزء سلبی میں ارادہ کی نفی ضروری تھی۔ اس لئے کہ یہاں کلمۂ 'انما' کی طرف نظر کرتے ہوئے ایجاب وسلب وجود ارادہ اور عدم ارادہ کے اعتبار سے ہیں۔ اس بنا پر وہ عمل جو ارادہ سے مقترن ہوگا وہ جزء ایجابی کی تفصیل ہوگا اور جو ارادہ سے مقترن نہ ہو وہ جزء سلبی کی تفصیل قرار دیا جائے گا۔ اور یہاں ایسا نہیں۔ کیونکہ دنیا کی طرف ہجرت ہو یا کسی عورت سے نکاح کی غرض سے بہر حال وہ ارادہ سے مقترن ہوگی تو یہ جزء سلبی کی تفصیل ہرگز نہیں ہو سکتی۔ ہاں جز سلبی کی تفصیل بننے کی وہ اعمال صلاحیت رکھتے ہیں۔ جو بغیر ارادہ صادر ہوں لیکن ایسے افعال سے نہ کوئی دنیوی حکم وابستہ ہوگا اور نہ اخروی۔ تو یہ اجمال ہی سے خارج ہونگے لہٰذا تفصیل میں بھی ان کا ذکر قطعاً ناجائز ہوگا۔ چنانچہ دنیا کی طرف ہجرت یا کسی عورت کے لئے ہجرت جس کا ذکر حدیث میں ہے اگر اسکو فرض کر لیا جائے کہ ارادہ سے مقترن نہیں تو اس کا ذکر تفصیل میں صحیح نہیں۔

خلاصہ کلام یہ نکلا کہ شاہ صاحب نے جہاں سے راہ فرار اختیار کی تھی پھر وہیں موجود ہیں۔ یعنی حدیث میں مذکور اعمال سے مراد غیر معاصی ہیں جب کہ نیت سے معنیٔ شرعی مراد ہوں۔ اور اگر لغوی معنی مراد لئے جائیں

تو نمو وغیرہ، الفاظ کی تقدیر باطل کہ اس صورت میں فساد مذکور لازم آئے گا۔

خامساً۔شاہ صاحب نے کہا تھا کہ'' علا ان صحة الاعمال والطاعات الخ ،یعنی اس کے علاوہ یہ بات بھی یاد رہے کہ اعمال وطاعات کی صحت اس حیثیت سے ہوتی ہے کہ اس پر ثواب مرتب ہوتا ہے۔تو یہ لفظ'علاٗ بمعنی علاوہ علمائے کرام سے عداوت کی خبر دے رہا ہے۔کیونکہ شاہ صاحب نے اپنی جانب سے صحت طاعات، کے معنی ایسے گڑھے ہیں جس سے وہ علماء کرام وفقہاء ذوی الاحترام پر اعتراض کر کے ان کے مرتبہ ومقام کو ان لوگوں کی نگاہ میں کم کرنا چاہتے ہیں جو بے چارے ایسی دقیق بحثوں کی تہہ تک پہونچنے سے قاصر رہتے ہیں۔اور ساتھ ہی ان علمائے سلف وخلف پر اپنا تفوق ظاہر کر کے جاہلوں سے داد وتحسین کے بھی خواہشمند ہیں۔

ہم نے یہ اس لئے کہا کہ آج تک متکلمین وفقہاء میں سے کسی نے یہ نہیں کہا کہ طاعات کی صحت کا مطلب یہ ہے کہ ان پر ثواب مرتب ہوتا ہے کہ طاعات کے ثواب سے خالی رہنے کی صورت میں ان کو باطل قرار دیا جائے۔اس صورت میں تو صحت اور ثواب دونوں میں سے ہر ایک کی تقدیر کا مرجع ومآل ایک ہی ہوگا۔نہیں بلکہ عبادات میں فقہاء کے نزدیک صحت کا مطلب ہے براءت ذمہ کہ فعل قضاء کو ساقط کر دے۔اور متکلمین امر شارع کی موافقت کو کہتے ہیں خواہ قضاء ذمہ واجب رہے یا نہیں۔لہٰذا جو شخص اپنے آپ کو پاک سمجھتا ہے حالانکہ وہ پاک نہیں تو اس کی نماز متکلمین کے نزدیک صحیح ہے کہ اس نے اپنی حالت کے مطابق نماز میں امر شارع کی موافقت کی۔ہاں فقہاء کے نزدیک صحیح نہیں کیونکہ اس طرح کی نماز قضاء کو ساقط نہیں کرتی بلکہ علم ہو جانے پر قضاء لازم ہوگی۔

جب یہ بات معلوم ہوگئی تو ہر ذی عقل انسان اتنی بات سمجھ سکتا ہے کہ صحت کے یہ دونوں معنی ثواب کو مستلزم نہیں۔اور جب ایسا نہیں تو پھر عبادات میں ثواب منتفی بھی ہو جائے تو وہ باطل کیوں قرار پائیں گی۔لہٰذا صحت وثواب کی تقدیر دو علیحدہ علیحدہ چیزیں ہیں آپس میں متحد نہیں۔لہٰذا ثواب کو مقدر ماننا صواب ہے اور یہی ارباب عقل وخرد نے اختیار فرمایا۔

سادساً: شاہ صاحب نے (صحۃ) کو مقدر ماننے کی صورت میں شوافع پر یہ اعتراض کیا تھا کہ اس سے تو حدیث میں تخصیص لازم آئے گی جو خلاف واقع ہے۔اس کا جواب ہم پہلے دے چکے ہیں کہ اگر تخصیص لازم آئے تو کیا خرابی کیا تخصیص کوئی ممنوع چیز ہے؟

گذشتہ تفصیل سے یہ بات بھی واضح ہو چکی ہے کہ تخصیص ماننے سے شاہ صاحب کو بھی چارہ نہیں تو پھر یہ اس شخص کی مثال ہوئی کہ موت سے بھاگا اور خودکشی کر لی، جناب والا پہلے تو تخصیص ماننے والوں پر انکار کرتے تھے اور اب خود اسی میں مبتلا ہیں۔

سابعاً: شاہ صاحب نے شوافع پر وجہ ثانی میں یہ اعتراض کیا تھا کہ اعمال سے معاصی کا خروج لازم آئے

گا۔ ایسا ہی اعتراض وہ ہم احناف پر بھی کر چکے ہیں جس کو ہم واضح کر آئے کہ بلاشبہ معاصی اس حدیث کے قضیہ سے خارج ہیں۔ اور شاہ صاحب کا خارج نہ ماننا باطل۔ چنانچہ جس دلیل سے شاہ صاحب کا قول عدم خروج معاصی وہاں باطل ٹھہرا تھا اسی دلیل سے اس کا بطلان یہاں بھی ہوگا۔

ثامناً: شاہ صاحب کا یہ کہنا کہ صحت بمعنی اجتماع شرائط وارکان کا اطلاق صرف ان اعمال میں ہوگا جن میں حلت وحرمت دونوں جہتیں متصور وممکن ہوں تو ان کا یہ قول باطل ہے۔ اس لئے کہ بیع وغیرہ معاملات میں دو جہتیں ہوتی ہیں۔ کہ کبھی حلال اور کبھی حرام۔ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے۔ احل الله البيع و حرم الربوا''

حالانکہ شاہ صاحب کی صحت کے تعلق سے ذکر کردہ وضاحت اس میں جاری نہیں ہوتی۔ کیونکہ یہ وضاحت فقط عبادات میں جاری ہوگی اور بیع معاملات سے تعلق رکھتی ہے۔ معاملات میں صحت کا مطلب تو یہ ہے کہ عقد شرعی طور پر مطلوبہ نتائج کے مرتب ہونے کا سبب بنے۔ جیسے بیع سے ملکیت کا ثبوت، لہٰذا عبادات ومعا ملات سے متعلق دو علیحدہ علیحدہ صحتیں ہوئیں کہ دونوں کا متعلق وموصوف جدا ہے تو ایک کو دوسرے پر کیسے جاری کیا جاسکتا ہے۔

تاسعاً: نہیں معلوم کہ شاہ صاحب کی حرمت قطعی اور حلت قطعی سے کیا مراد ہے؟

اگر مراد یہ ہے کہ جس میں ایک جہت متعین ہو جیسا کہ ماقبل سے تقابل کی صورت میں یہ بات سمجھ میں آتی ہے۔ یا مراد یہ ہے کہ جس کی حلت وحرمت دلیل قطعی سے ثابت ہو جیسا کہ ان کے لفظ ''قطعاً'' سے متبادر ہے۔

اگر پہلے معنی مراد ہیں تو اس معنی کی رو سے شاہ صاحب کی بیان کردہ بعض مثالیں علی الاطلاق ان کی مراد پر منطبق نہیں ہوتیں۔ مثال کے طور پر انھوں نے قتل کو پیش کیا ہے تو قتل کی علی الاطلاق حرمت متعین نہیں۔ کیونکہ بطور قصاص قتل حلال ہوتا ہے۔ ایسے ہی زنا کہ وہ بھی حالت اکراہ ملجئہ میں ایک گونہ حلت رکھتا ہے۔ لہٰذا ان میں کوئی ایک جہت متعین نہ رہی بلکہ ان میں سے ہر ایک ذو جہتین ہے۔ تو بایں معنی حرام نہ ہوئے۔

اگر دوسرے معنی مراد ہیں تو شاہ صاحب کا یہ کہنا کہ حلال قطعی پر صحت کا اطلاق درست نہیں، غلط و باطل ہے۔ اس لئے کہ نماز کی حلت دلیل قطعی سے ثابت تو یہ حلال قطعی ہوئی اور پھر اس پر صحت کا اطلاق بھی ہوتا ہے۔ کہتے ہیں اجتماع شرائط وارکان کی صورت میں بمعنی براءت ذمہ نماز صحیح ہے۔

عاشراً: علمائے شوافع نے اس حدیث میں صحت کی تقدیر پر جو استدلال فرمایا ہم اس سے قطع نظر کرتے ہوئے شاہ صاحب کے اس قول (علا ان الصحة و البطلا ن الخ) میں مذکور لفظ علاوہ پر کلام کرتے ہیں کہ شاہ صاحب نے حدیث کے الفاظ میں غور کئے بغیر یہ بات کہہ ڈالی۔ کیونکہ یہاں لفظ صحت الفاظ حدیث میں وارد نہیں۔ لہٰذا شوافع پر یہ اعتراض بھی غلط کہ انھوں نے الفاظ صحت کے اصطلاحی معنی مراد لیکر حدیث کو اصطلاحات

فنون پر محمول کیا ہے۔ ہاں انھوں نے لفظ صحت کو اپنی دلیل کے مطابق مقدر مانا ہے کہ حدیث کے ظاہری معنی درست نہیں ہورہے ہیں۔ لہٰذا اس کو یہ نہیں کہا جاسکتا کہ انھوں نے کلام کو اصطلاحات فنون پر محمول کیا ہے۔

بالفرض تسلیم بھی کرلیا جائے تو کیا خرابی؟ یہاں تو صحت کے جو معنی مراد لئے ہیں وہ شرعی ہیں۔ اور جمہور کے نزدیک کلام شارع کو معانی شرعیہ پر محمول کیا جاتا ہے جب تک کوئی قرینہ اس کے خلاف نہ ہو۔ ورنہ لازم آئے گا کہ صلوۃ، زکوۃ، صوم، حج، وغیرھا کو نصوص میں ان کے معانی لغویہ پر محمول کیا جائے اور یہ بلاشبہ فاسد۔ یہ مسئلہ تو کتب اصول میں مصرح ہے۔ لیکن شاہ صاحب اپنی ضد اور کٹ حجتی پر قائم ہیں۔

یہ دس ایرادات ہیں شاہ صاحب کی ان ہفوات پر جو انہوں نے حنفی اور شافعی ائمہ کرام کے بارے میں بیان کئے ہیں۔ ان گرفتوں سے طلبہ کے نزدیک بھی شاہ صاحب کا مبلغ علم واضح ہوجائے گا۔

فیا ایھا المحصلو ن ! عضوا علیھا با لنواجذ کیلا یغو یکم الغا و ون ، و تا ملو ا فیھا و لا تطا لعو ھا بالاستعجال واعرفوا الر جا ل بالحق لا الحق با لر جا ل ، وازیلوا غشا و ۃ التقلید عن ابصار کم تحصیلا للحق و الیقین ، ھذا نصحی لکم ان کنتم تحبون النا صحین والحمد للہ ر ب العالمین ۔ وصل اللہ تعالیٰ علی حبیبہ وآلہ و صحبہ اجمعین ۔

بحث نہم

امام بخاری علیہ رحمۃ الباری نے اس حدیث کے بعض جملوں کا ذکر یہاں نہیں فرمایا۔ اس کے علاوہ چھ مقامات پر ان کا ذکر ہے۔ یعنی فمن کا نت ھجرتہ الیٰ اللہ و رسولہ الخ۔

سوال یہ ہے کہ ایسا کیوں کیا اور اسی روایت کو پہلے کیوں لائے۔ حضرت صدر العلما علیہ الرحمہ نے اس سوال کا جواب یوں ذکر فرمایا۔

اس مختصر روایت کو پیش کرنے سے ایک خاص نکتہ کا افادہ منظور ہے۔ وہ یہ کہ اس مختصر روایت کو ترجمۃ الباب کے ساتھ ایک مخصوص مناسبت حاصل ہے۔ جو دوسری روایات میں موجود نہیں، کہ اس مختصر روایت کو اپنے شیخ حمیدی سے نقل فرمایا جو مکی ہیں اور وحی کی ابتدا بھی مکہ معظمہ میں ہوئی تھی۔ بخلاف دیگر شیوخ مذکورہ کہ ان میں ایک بھی مکی نہیں۔ باعتبار نزول وحی مدینہ طیبہ کو چونکہ مرتبہ ثانی حاصل ہے نظر برآں اسی باب میں ثانی روایت ایسی پیش فرمائی جس کی سند میں امام بخاری علیہ الرحمہ کے ثانی شیخ مدنی ہیں یعنی امام مالک رضی اللہ تعالیٰ عنہ فللہ درہ۔ اس تفصیل سے شاہ صاحب کی خودساختہ توجیہ باطل قرار پاتی ہے جو انھوں نے اس مقام پر یوں پیش فرمائی ہے:و محصل الجواب ان الجملۃ الاو لیٰ المحذوفۃ تشعر با لقر بۃ المحضۃ والجملۃ المذکورۃ تحتمل التر د د،فلما کا ن المصنف رحمۃ اللہ کا لمخبر عن حا ل نفسہ فی تصنیفہ ھذا بعبا ر ۃ ھذا الحدیث حذ ف الجملۃ المشعر ۃ با لقر بۃ المحضۃ فرارا من التز کیۃ کذا فی الفتح والتفصیل فی الشروح ۔

یعنی خلاصہ جواب یہ ہے کہ حدیث کا پہلا جملہ محذوفہ " فمن کانت هجرته الی الله و رسوله الخ قربۃ محضہ پر دلالت کرتا ہے، اور جملہ مذکورہ میں تردد یعنی قربت وغیر قربت دونوں کا احتمال ہے۔ اور یہاں چونکہ اس حدیث کی عبارت سے امام بخاری خود گویا اپنی حالت کی خبر دے رہے ہیں لہٰذا اس جملہ کو حذف کر دیا جو قربت محضہ پر دال تھا کہ کہیں اس سے اپنی پاک بازی اور ریا کاری کا ارتکاب نہ لازم آئے۔

حضرت صدر العلماء علیہ الرحمہ نے اس پر نقد تنقید فرمائی اور شاہ صاحب کی تضاد بیانی اور ان کے پرانے کرتوت بھی یاد دلائے ہیں جس سے ان کی ندامت ورسوائی میں اضافہ ہی ہوا۔ فرماتے ہیں:

اس سے پہلے خوب واضح ہو چکا کہ جملہ مذکورہ اس جزء سلبی کی تفریع ہے جو حضور نبی کریم ﷺ کے فرمان: "انما الاعمال بالنیات' کے قصر سے مستفاد ہے۔ لہٰذا تردد کے معنی کا یہاں کوئی مطلب نہیں۔ اس کے علاوہ یہ بات بھی یاد رہے کہ شاہ صاحب نے اس جواب کو اپنے ایک دوسرے اختراعی اصول پر منتج فرمایا ہے اور وہ یہ کہ امام بخاری نے اس مقام پر اس حدیث کو بمنزلہ خطبہ ذکر فرمایا ہے۔ حالانکہ شاہ صاحب کی یہ ایسی بات ہے جس کو ذوق سلیم قبول کرنے کو ہرگز تیار نہیں۔ پھر انتہائی تعجب خیز بات تو یہ ہے کہ آں جناب کی طبیعت غلط بات کو بہت جلد قبول کر لیتی ہے اور صحیح بات کو رد کرنے میں امتیازی شان حاصل ہے۔ لا حول ولا قوة الا بالله

خیال رہے کہ خود شاہ صاحب کے مسلک پر بھی جملہ مذکورہ میں تردد ماننا درست نہیں۔ کیونکہ وہ خود اس سے پہلے یہ مان کر آئے ہیں کہ حدیث مذکور نیت صحیح اور نیت فاسد کے درمیان فرق کرنے کیلئے وارد ہوئی اور جملہ مذکورہ نیت فاسد کا بیان ہے۔ بلکہ جناب نے اس جملہ مذکورہ کو یوں فرمایا تھا کہ اس میں صراحۃ معاصی کا ذکر ہے تو اب جناب کے اصول پر نتیجہ یہ نکلا کہ امام بخاری نے اپنی حالت کی خبر دیتے ہوئے بخاری شریف کی تصنیف سے اپنی نیت فاسد کی خبر دی ہے اور بخاری شریف لکھنا گویا کھلی معصیت ہے۔ معاذالله رب العالمین ولا حول ولا قوة الا بالله العلی العظیم۔

شاہ صاحب ایسے ہی اسرار شریعت اور رموز طریقت بیان کرتے ہوں گے جس کی بناء پر علمائے دیوبند ان کی یوں مدح سرائی کرتے ہیں۔

اسرار شریعت بیان کرتے تو ابن عربی اور شعرانی کا گمان ہوتا تھا۔ (انوار الباری)

حیرت بالائے حیرت ہے کہ شاہ صاحب اپنے کرتوت اتنی جلدی بھول گئے، لیکن پہلے کہ طرح ان کا یہ ندامت خیز اور رسوا کن بیان بھی ساقط الاعتبار ہے۔ پاکی ہے اللہ رب العزت جل جلالہ وعم نوالہ کے وجہ کریم کو جو سہو ونسیان سے پاک ہے۔

بحث دہم

کسی کی طرف سے سوال قائم ہوا کہ حصول ثواب کیلئے کیا تفصیلی نیت ضروری ہے یا اجمالی کافی ہے؟

اس کے جواب میں حضرت صدر العلما علیہ الرحمہ نے تین احتمالات بیان کئے ہیں اور پھر ہر احتمال کو براہین و دلائل سے باطل قرار دیکر چوتھا احتمال اپنی طرف سے یوں پیش فرمایا۔

غالباً مقصود سائل یہ ہے کہ بعض عمل ذی اجزاء ہوتے ہیں۔ جیسے وضو، غسل، نماز، تو حصول ثواب کیلئے شروع میں ایک نیت کافی ہے یا ہر جز کی ابتدا میں نیت ضروری ہوگی۔

اس کا جواب یہ ہے کہ ابتداء میں ایک نیت کافی ہے۔ مثلاً ابتداء وضو میں یہ ارادہ کرلیا کہ اللہ تعالیٰ کے لئے کرتا ہوں۔ یا سید انبیاء حبیب کبریا ﷺ کی اتباع میں کرتا ہوں تو یہ ارادہ نیت ہے جو آخر تک حکماً باقی رہے گا، بلکہ درمیان میں منافی کا پیدا ہونا بھی مضر نہیں۔ حصول ثواب کے لئے اس میں کفایت ہے۔ یہ ضروری نہیں کہ غسل وجہ، غسل ید، مسح سر اور غسل پا ان میں سے ہر ایک کے شروع میں بھی نیت کی جائے۔ کیونکہ وضو جوان چاروں سے عبارت ہے شرعاً ایک ہی عمل ہے اور ہر ایک عمل پر حصول ثواب کے لئے ایک نیت شرط ہے۔ اس لئے کہ حدیث میں اعمال اور نیات بصیغہ جمع وارد ہیں۔ اور مقا بلة الجمع با لجمع انقسام الا حاد علی الا حاد کو مقتضی ہوتا ہے۔ یا یوں خیال کیجئے کہ الف لام برائے استغراق ہے تب بھی یہ ہی مفاد ہوگا۔ پس وضو پر ثواب مرتب ہونے کے لئے ایک نیت لازم ہوئی جو حکماً آخر تک مستمر رہے گی اور اگر اثنا میں منافی پیدا ہو گیا مثلاً غسل کفین، مضمضہ، استنشاق، غسل وجہ، غسل یدین تک وہی نیت رہی پھر ریا کا ارادہ کرلیا اور باقی اعضا کا غسل اور مسح اسی ناپاک ارادہ کے ماتحت ہو تو بھی اس پاک نیت کی بقا رہے گی اور ثواب وضو فوت نہ ہوگا۔

جیسے نماز کی ابتداء میں ایک نیت کافی ہے جو آخر تک باقی رہتی ہے۔ درمیان میں ریا کا پیدا ہونا حصول ثواب پر اثر انداز نہیں ہوتا۔ ردالمحتار جلد پنجم ص ۲۹۷ میں ہے:

قال فی التتا رخا نیة لو افتتح الصلو ة خالصاً لله تعالیٰ ثم دخل فی قلبه الريا ء فهو علی ما افتتح ، والرياء انه لو خلا عن الناس لا يصلی ما لو كان مع الناس يصلی ، فاما ان كا ن مع الناس يحسنها و لو صلی وحده لا يحسن فله ثواب اصل الصلو ة دو ن الاحسان ۔

اب واضح ہوا کہ سائل نے نیت عمل کو اجمالی نیت سے تعبیر کیا تھا اور ہر ہر جز کی نیت کو تفصیلی نیت سے، یہ اطلاق الفاظ میں بے احتیاطی ہے۔

اس بحث کے بعد شاہ صاحب کی مندرجہ ذیل عبارت پڑھئے:

قوله انما الاعمال با لنيا ت يشعر بكفا ية النية الاجما لية ، و قوله انما لكل امرء ما نوی يشعر بتفصيلها ، فا نه اذا وجدما نوا ه ولم ما لم ينو فقد لزم منه التفصيل ، والذی يظهر ان النية الاجما لية كا فية لا حراز الثواب قطعاً ولا يجب سنو حها الا تری من ربط فرساً فی سبيل الله يحصل له الا جر علی روثه وبو له واستننا نه و ريه و علفه و شربه مع انه لم يسنح له هذه

الجزئیات عند ربطه فی سبیل الله۔

(فیض الباری بحوالہ بشیر القاری ص ۵۱)

حدیث کے پہلے جملے سے اس بات کا پتہ چلتا ہے کہ اجمالی نیت کافی ہے۔ اور "انما لکل امرء ما نوی " تفصیلی نیت کا پتہ دیتا ہے کہ بغیر تفصیل نیت ثواب حاصل نہیں ہوگا۔ اسلئے کہ منوی میں ثواب کا موجود ہونا اور غیر منوی میں معدوم ہونا اس بات کو مستلزم ہے کہ تفصیلی نیت ضروری ہے۔ جن مثالوں سے ظاہر ہوتا ہے کہ حصول ثواب کے لئے اجمالی نیت کافی ہے اور تفصیل کی ضرورت نہیں ان میں سے ایک یہ بھی ہے۔ کہ کسی شخص نے جہاد فی سبیل اللہ کی نیت سے گھوڑا باندھا تو اس کو گھوڑے کے لید و پیشاب، بھاگ دوڑ اور چارہ پانی سب کا ثواب ملے گا حالانکہ جہاد فی سبیل اللہ کے لئے باندھتے وقت اس کے دل میں ان تمام تفصیلات کا خیال بھی نہیں آتا۔

شاہ صاحب کی اس عبارت پر حضرت صدر العلما کی فکر انگیز جرح و نقد ملاحظہ کیجئے۔ فرماتے ہیں:

اولاً: نیت کو اجمالی اور تفصیلی کہنا اگر سائل مذکور کے طرز پر ہے تو تعبیر اور اطلاق الفاظ میں بے احتیاطی کے سبب جو گرفتیں وہاں تھیں وہ سب شاہ صاحب کی گردن پر بھی سوار ہونگی۔ ورنہ حقیقت تو یہ ہے کہ تفصیل و اجمال کے مذکورہ تینوں احتمالات ارباب علم و کمال کے اطلاق کی روشنی میں یہاں متصور نہیں۔ البتہ چوتھے احتمال میں بات بن رہی ہے تو پھر اس میں تفصیلی نیت ضروری نہیں ہوتی اور شاہ صاحب تفصیلی کو ضروری قرار دے رہے ہیں۔ لہٰذا یہ احتمال تو خود ان کے خلاف جائے گا نیز ہمیں کوئی پانچواں احتمال نہیں ملا کہ اس کو باطل قرار دیا جاتا۔

ثانیاً: شاہ صاحب کا یہ کہنا کہ "و انما لکل امرء ما نوی " سے تفصیلی نیت کا ثبوت ہے تو یہ اس صورت میں جب کہ "ما نوی " میں ما موصولہ ہو۔ اور ہم واضح کر آئے ہیں کہ یہ غیر ظاہر ہے، کیونکہ اس صورت میں لازم آئے گا کہ صلہ بغیر ضمیر ہو لہٰذا "ما" کو مصدریہ مانا جائے۔

ثالثاً: شاہ صاحب نے تفصیلی نیت پر استدلال یوں فرمایا کہ " انما لکل امرء مانوی " سے ثابت ہوتا ہے کہ منوی میں ثواب حاصل ہوتا ہے اور غیر منوی میں حاصل نہیں ہوتا۔ تو شاہ صاحب کی یہ دلیل نتیجہ خیز نہیں۔ اس لئے کہ مطلوب تفصیلی نیت ہے اور سائل کے نزدیک تفصیلی نیت کا مطلب یہ ہے کہ عمل کے ہر ہر جزء سے انفرادی طور پر نیت کا تعلق ہو۔ لیکن ایسی نیت نہ پائی جائے تو اس سے یہ لازم نہیں آتا کہ عمل کے اجزاء کی اس نے نیت نہیں کی۔ اس لئے کہ وضو مثلاً افعال مخصوصہ ہی کا نام ہے تو وضو کی نیت بعینہ ان افعال کی نیت قرار پائے گی۔

یہاں شاہ صاحب کو یہ حق حاصل نہیں کہ وہ کہنے لگیں کہ وضو کل ہے اور یہ افعال اس کے اجزاء۔

لہٰذا دونوں میں تغایر ہوا اگر چہ اعتباری ہے پھر وضو کی نیت بعینہ ان افعال کی نیت کیسے ہوگی۔

اس کا جواب یوں ہے کہ یہ تغایر مصداق یعنی وضو کے تحقق کے بعد ہے تو عنوان میں ہوا نہ کہ معنون میں

اور نیت کا تعلق معنون سے ہوتا ہے نہ کہ عنوان سے۔ کیونکہ معنون ہی تو مامور بہ ہے۔

یہاں علم میں یہ قاعدہ جاری نہیں بلکہ اس کا تعلق عنوان ومعنون دونوں سے ہوتا ہے۔ لہٰذا علم اجمالی بھی ہوتا ہے اور تفصیلی بھی۔ چنانچہ کہا جاتا ہے کہ کلی کا علم اس کے تمام جزئیات کا اجمالی علم ہے جس کو انکشاف غیر تام کہتے ہیں اور علم تفصیلی انکشاف تام ہوتا ہے۔

بسا اوقات وضو کے ابتداء میں اس کے ہر ہر جزء کا خطرہ دل میں نہیں گذرتا تو یہ عدم علم تفصیلی ہوا نہ کہ عدم نیت۔ اور منوی کے لئے اجمالی علم کافی۔ لیکن شاہ صاحب سے پوچھا جائے تو وہ یہ کہتے نظر آئیں گے کہ ہمارے نزدیک نیت کا نام علم ہے۔ حالانکہ ہم اس کو پہلے ہی رد کر چکے ہیں، یہ ہی وہ روش ہے جس کی وجہ سے آں جناب در بدر بھٹک رہے ہیں۔

رابعاً: اگر شاہ صاحب کا یہ استدلال بالفرض صحیح تسلیم کر بھی لیا جائے تو یہ فرق کرنا درست نہیں کہ حدیث کے پہلے جملہ سے اجمالی نیت کا ثبوت ہے اور دوسرے جملہ سے تفصیلی نیت کا۔ بلکہ یہ دونوں جملے تفصیلی نیت کو ثابت کرنے میں برابر کے شریک ہیں۔ اس لئے کہ دوسرے جملہ سے تفصیلی نیت کا اثبات شاہ صاحب نے حصر کی بنیاد پر مانا ہے تو حصر پہلے جملہ میں بھی موجود ہے۔ فتامل ولا تعجل

خامساً: شاہ صاحب نے اجمالی نیت کے کافی ہونے کے سلسلہ میں بطور استشہاد جو مثال پیش کی ہے اس کا یہاں کوئی موقع نہیں۔ اس لئے کہ گھوڑے کے تمام افعال جو مثال میں پیش کئے وہ عامل کے عمل کے اجزاء نہیں۔ ہاں اجر تو ضرور حاصل ہوگا اس لئے کہ اس کے بارے میں نص موجود ہے نہ کہ اس کی اجمالی نیت کی بدولت۔ لہٰذا اجمالی نیت کے کافی ہونے کے لئے وہی وجہ ہے جو ہم نے ذکر کی۔

شاہ صاحب کی عبارتوں پر حضرت صدر العلماء کی تنقیدات کا ایک سیل رواں تھا جو یہاں آ کر تھما اور بعض کو آپ نے نظر انداز بھی کر دیا ہے جیسا کہ متعدد مقامات پر اس کی طرف اشارہ فرمایا۔

تنقیدات کے آخر میں تحریر فرماتے ہیں:

و هذا اخر ما اوردنا علی صاحب فیض الباری فی شرحه حدیث الاعمال والنیات تارکین لکثیر من الاغالیط والعثرات صونا للوقت العزیز عن الاضاعة والله تعالیٰ ولی التوفیق والهدایة وصلی الله تعالیٰ علی حبیبه المصطفی وعلی آله وصحبه المجتبیٰ

حضرت صدر العلما چاہتے تو ابھی شاہ صاحب کے ہذیانات پر مزید لکھتے لیکن انہیں اپنے عزیز وقت کا خیال دامن گیر تھا۔ وہ صرف یہ دکھانا چاہتے تھے کہ علمائے دیوبند کے یہ بلند بانگ دعوے (کہ ہم نے علم دین بالخصوص علم حدیث کی وہ عظیم خدمت انجام دی ہے جو آج تک کوئی دوسری جماعت یہ کارنامے انجام نہ دے سکی) کیا حقیقت رکھتے ہیں اور علماء دیوبند کے درمیان رئیس المحدثین وسند المحققین کہلانے والوں کا مبلغ علم کیا ہے۔ یہ

ہی کہ جنہوں صرف ایک حدیث کی شرح میں اپنی جہالتوں اور سفاہتوں کے انبار لگادئے ہیں، اور وہ کارنامہ انجام دیا جو علم حدیث کی خدمت کے تعلق سے شاید کوئی دوسرا انجام نہ دے سکا ہوگا۔

قارئین نے اس بات کا بخوبی اندازہ لگایا ہوگا کہ طلبہ بلکہ معلمین کو جہل مرکب میں مبتلا کرنا آں جناب کا معمول ہے۔ اور سادات علماء اور محدثین وفقہاء پر افتراء آپ کا شیوہ ہے۔ کبھی مفسرین و متکلمین پر بہتان لگاتے ہیں اور کبھی خود حنفی ہونے کا دعویٰ کرتے ہوئے احناف کی دشمنی پر اتر آتے ہیں۔ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ تضاد بیانی اور اپنی من مانی ان کا شعار دائم تھا، جبھی تو اپنی فکر و دانش کے سامنے دوسروں کو ہیچ اور ہمچو من دیگرے نیست کا نشہ قائم تھا۔

حضرت صدر العلما علیہ الرحمہ کی پوری کتاب تحقیق انیق اور تدقیق یلیق کی آئینہ دار ہے، گویا علوم و معارف کا پھوٹتا ہوا آبشار ہے۔ اس مقالہ میں میرا عنوان و مقصود تقابلی مطالعہ تھا اور نہ ان گوشوں کو صفحۂ قرطاس پر لایا جاتا جن سے ظاہر ہوتا کہ آپ کی فکر عمیق اور نظر دقیق نے کیسی کیسی گتھیوں کو سلجھایا ہے۔ تفصیل کے لئے کتاب مستطاب کا بالاستیعاب مطالعہ ضروری ہے۔

محمد حنیف خاں رضوی بریلوی
جامعہ نوریہ بریلی شریف

صدر العلماء

اور

تبلیغ حدیث

حضرت مولانا مفتی محمد رضاء الحق صاحب اشرفی

(شیخ الحدیث وصدر مفتی جامع اشرف درگاہ کچھوچھہ شریف یو۔ پی)

دین اسلام کے سارے احکام، چاہے انکا تعلق اعتقاد سے ہو یا عمل سے سب کی بنیاد وحی الہی ہے۔ خواہ وہ وحی متلو یعنی قرآن ہو یا وحی غیر متلو یعنی حدیث ہو۔ حدیث رسول، قرآن کی توضیح وتشریح ہے۔ اس لئے اس کے بغیر قرآن سمجھنا یا سمجھانا ناممکن ہے۔ حدیث رسول کے خلاف از خود اپنی رائے سے قرآن کا معنی بیان کرنا گمراہی کا سبب ہے۔

قرآن وحدیث رسول کے اٹوٹ رشتے کو اللہ تعالی نے واضح انداز میں ذکر فرمایا ہے۔ قرآن حکیم سورۃ النحل میں ہے:و انزلنا الیك الذکر لتبین للناس ما نزل الیھم و لعلھم یتفکرون ترجمہ: ہم ہے آپ کے پاس ذکر (قرآن) نازل کیا تا کہ آپ لوگوں کے لئے اس کو بیان کریں جو ان کے پاس اترا اور تا کہ وہ سوچیں۔ سورۃ البقرہ میں ہے: یتلو علیکم آیاتنا و یزکیکم و یعلمکم الکتاب والحکمۃ ترجمہ:وہ (رسول) تم پر ہماری آیتوں کی تلاوت کرتے ہیں اور تمہیں ستھرا بناتے ہیں اور کتاب وحکمت سکھاتے ہیں۔ سورہ آل عمران میں ہے:یتلو علیھم آیاتہ و یزکیھم و یعلمھم الکتاب والحکمۃ ترجمہ:وہ ان کے پاس اللہ تعالی کی آیتوں کی تلاوت کرتے ہیں اور انہیں ستھرا بناتے ہیں اور انہیں کتاب وحکمت سکھاتے ہیں۔ ان آیتوں سے صاف طور پر یہ بات معلوم ہوتی ہے کہ قرآن، رسول کے پاس اس لئے بھیجا گیا تا کہ رسول، لوگوں کو قرآن وضاحت کے ساتھ سکھائیں۔ ارشاد خداوندی صاف صاف اعلان کر رہا ہے کہ رسول ہی معلم قرآن وشارح قرآن ہیں۔ لہذا قرآن کی تعلیم وتشریح اگر رسول کی تعلیم وتشریح کے مطابق ہوگی تو معتبر ہوگی اور اس کے خلاف ہوگی تو مردود و باطل ہوگی۔

اسلامی احکام کو سمجھنے کے لئے جس طرح قرآن کا علم ضروری ہے اسی طرح قرآن کو سمجھنے کے لئے حدیث رسول کا علم ضروری ہے۔ دونوں میں سے کسی ایک کو نظر انداز کر کے اسلام کو صحیح طور پر سمجھا جا سکتا ہے نہ

اس پر عمل کیا جا سکتا ہے۔یہی وجہ ہے کہ اللہ تعالی نے اپنے رسول کے فرمان کو اپنی وحی فرمایا ہے۔سورۃ النجم میں ہے:و ما ینطق عن الھوی ان ھو الا وحی یوحی ۔ترجمہ:وہ خواہش نفس سے نہیں بولتے وہ نہیں ہے مگر وحی جو ان کو کی جاتی ہے۔نیز اللہ تعالی نے اپنے رسول کی زندگی کو ان کی امت کے لئے بہترین نمونہ قرار دیا ہے۔ ضرورت حدیث کے احساس نے صحابۂ کرام رضی اللہ عنھم کو احادیث رسول کو محفوظ کرنے پر ابھارا تھا اور انھوں نے پورے اہتمام کے ساتھ احادیث کریمہ کو نہ صرف محفوظ رکھا تھا بلکہ آنے والی نسلوں تک پہنچانے کا بھی انتظام فرما دیا تھا۔چنانچہ صحابۂ کرام سے احادیث کریمہ کو تابعین نے لیا،تابعین سے تبع تابعین،محدثین وائمۂ مجتہدین نے لیا پھر سلسلہ بسلسلہ احادیث کریمہ کا کافی ذخیرہ مسلمانوں کے پاس جمع ہوگیا۔اب اس کو محفوظ رکھنا اور آنے والی نسلوں تک پہچانا ہر دور کے علماء کی سب سے اہم دینی ذمہ داری ہے۔رسول اکرم ﷺ کی درج ذیل احادیث،حفظ احادیث اور تبلیغ احادیث کی اہمیت وضرورت کو واضح کرتی ہیں۔

(۱) رحم الله عبدا سمع كلامي فوعها ثم اداها كما سمعها

ترجمہ: اللہ کی رحمت ہو اس بندے پر جس نے میری بات سنی اور اس کو محفوظ رکھا پھر جیسا سنا ویسا دوسروں تک پہنچایا۔

(۲) نضر الله امرا سمع منا حديثا فحفظه و بلغه غيره

ترجمہ:اللہ اس آدمی کو شاد وآباد رکھے جس نے ہم سے کوئی حدیث سنی تو اسے محفوظ رکھا اور دوسرے تک پہنچا دیا۔

(۳) من حفظ من امتي اربعين حديثا من السنة حتى يؤديها اليهم كنت له شهيدا و شفيعا يوم القيامة

ترجمہ: میری امت کے جس آدمی نے سنت کی چالیس حدیثیں محفوظ کر لی اور لوگوں تک پہنچائیں، میں اس کے حق میں قیامت کے دن گواہ اور سفارشی بنوں گا۔

(٤) بلغوا عني ولو آية و من كذب عليّ متعمدا فليتبوأ مقعده من النار

ترجمہ:میری طرف سے پہنچاؤ اگر چہ ایک آیت سہی اور جس نے جان بوجھ کر مجھ پر جھوٹ باندھا وہ اپنا ٹھکانا جہنم بنالے۔

(۵) حدثوا عني بما تسمعون و لا تقولوا الا حقا و من كذب علي بني له بيت في جهنم يوقع فيه

ترجمہ:جو کچھ مجھ سے سنو بیان کرو اور حق کے سوا نہ کہو اور جو مجھ پر جھوٹ گڑھے گا اس کے لئے جہنم میں ایک گھر ہوگا جس میں اس کو ڈالا جائےگا۔

(٦) فمن حفظ شيئا فليحدث

ترجمہ: جس کو کچھ حدیثیں یاد ہوں وہ بیان کرے۔

تبلیغ احادیث کا ایک طریقہ تدریس احادیث بھی ہے۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ ارشاد فرماتے تھے:

تدارسوا الحدیث و لا تترکوہ (کنز العمال ج ۵ ص ۲۴۲، دارمی ص ۷۹)

حضرت عبداللہ ابن مسعود رضی اللہ عنہ نے اپنے شاگردوں کو مذاکرۂ حدیث کی ترغیب دیتے ہوئے پوچھا تھا، کیا تم لوگ آپس میں ایک دوسرے سے ملاقات کر کے مل بیٹھ کر حدیثوں کا دور کیا کرتے ہو؟ تو شاگردوں نے جواب دیا تھا، ہاں! اگر ہمارا کوئی ساتھی موجود نہیں ہوتا اور وہ کوفہ کی سرحد پر ہمیں ملتا ہے تو بھی ہم اس سے ملتے ہیں۔ (دارمی ص ۷۹)

تابعین کے دور میں بھی تبلیغ وتدریس ومذاکرۂ احادیث کا سلسلہ جاری رہا۔ بعض تو مذاکرۂ احادیث کے لئے بیٹھتے تو صبح کر دیتے۔ (دارمی ص ۱۸، تہذیب ص ۲۷)

اور بعض تابعین کا تو یہ حال تھا کہ اگر تدریس احادیث کے لئے کوئی نہیں ملتا تو مکتب کے لڑکوں کو ہی بٹھا لیتے اور انہیں کے سامنے احادیث بیان کرتے تھے تاکہ درس حدیث میں ناغہ نہ ہو۔

(دارمی ص ۸۷، تہذیب اول ص ۲۹۶)

تبلیغ احادیث کا ایک لازمی شعبہ تفہیم وتشریح احادیث بھی ہے۔ پھر اس کے بھی کئی شعبے ہیں۔ احادیث کی سندوں سے متعلق، احوال رواۃ سے متعلق، متن احادیث کی روایتی ودرایتی حیثیت سے متعلق، ان سے استنباط احکام سے متعلق۔ یہ سب الگ الگ شعبے ہیں اور ہر شعبہ علم حدیث کا ایک مستقل فن بن چکا ہے۔ ایک محدث بحیثیت محدث اس بات کا ذمہ دار ہوتا ہے کہ وہ احادیث کی صحت وسقم کو روایت ودرایت کے مطابق پیش کر دے اور بس۔ احادیث سے استنباط احکام کی ذمہ داری گو کہ وہ اپنے سر لے، لیکن اس مین شغل اختیار کرنا اس کے فرائض منصبی میں داخل نہیں۔ ہاں وہ محدث جو فقیہ بھی ہو تو بحیثیت فقیہ استنباط واستخراج مسائل کی ذمہ داری اس کے سر آجاتی ہے۔ اس تقریر سے اس بات کا اندازہ لگایا جا سکتا ہے کہ مکمل تفہیم وتشریح احادیث کی ذمہ داری کس قدر مشکل اور اہم ہے۔ ایک لائق شارح احادیث کا محدث ہونا بھی ضروری ہے اور فقیہ ہونا بھی۔ اس کے لئے قدیم لغات عرب واسلوب کلام کی معتد بہ جانکاری ضروری ہے۔ قواعد عربیہ، نحو وصرف کی پوری جانکاری کے ساتھ ساتھ معانی وبیان پر بھی دسترس لازم ہے۔ تاریخ اسلام، تاریخ عرب وجغرافیہ عرب کی بھی اچھی خاصی معلومات ہونی چاہئے۔

ماضی قریب کے شارحین ومبلغین حدیث کی جماعت میں ایک ایسے عالم دین کا بھی نام نمایا حیثیت کا حامل ہے جو اپنے وقت کا متبحر عالم اور امام النحو والصرف تھا۔ تفسیر، حدیث، فقہ، معانی، بیان، بدیع، لغات اور فنون مروجہ میں جسے ید طولی حاصل تھا۔ اس کی شخصیت پر تصوف کا رنگ بھی غالب تھا۔ مختصر یہ کہ وہ ایک ذات جو

گونا گوں صفات سے متصف تھی اسے اہل علم صدر العلماء امام النحو، علامہ سید غلام جیلانی میرٹھی علیہ الرحمہ کے نام سے یاد کرتے ہیں۔

علامہ سید غلام جیلانی میرٹھی علیہ الرحمہ نے تدریس وتشریح احادیث کے ذریعہ علم حدیث کی مثالی خدمات انجام دی ہیں۔ تفہیم وتشریح احادیث کے شعبے میں علامہ میرٹھی نے متعلقہ ضروری امور کو بھی بھرپور ملحوظ رکھا ہے۔ بطور ثبوت ہم ذیل میں ہم ان کی کتاب بشیر القاری بشرح صحیح البخاری سے کچھ شواہد بطور مثال پیش کرتے ہیں:

علامہ میرٹھی احادیث کریمہ کی تشریح میں مختلف ابواب قائم فرماتے ہوئے ہر باب کے تحت اس کے مناسب مباحث ذکر کرتے ہیں تاکہ احادیث کی تشریح علمی وفنی اعتبار سے مکمل ہوجائے اور طالب فن کے لئے تشنگی باقی نہ رہے۔ مثلا باب اللغۃ، باب النحو، باب التفسیر، باب المعانی، باب البیان، باب البدیع، باب الاحکام، باب التصوف۔ ان ابواب کے تحت احادیث کی تشریح میں علامی میرٹھی نے بڑی سیر حاصل گفتگو کی ہے۔ ساتھ ہی ساتھ احادیث کی تفہیم وتشریح کے نام پر بدعقیدگی پھیلانے والے بعض بدعقیدہ شارحین حدیث کی بھی علمی وفنی گرفت کی ہے۔ باب کیف کان بدء الوحی الی رسول اللہ ﷺ کے تحت وحی، نزول وحی کی کیفیت، نبی ورسول کی تعریف، دونوں کا فرق، دونوں میں کونسی نسبت ہے؟ رسولوں کی تعداد کتنی ہے؟ رسولوں پر نازل ہونے والی کتابیں کتنی تھیں؟ ان تمام چیزوں پر تفصیلی روشنی ڈالتے ہوئے پھر ایک سوال اور اس کا جواب دیتے ہوئے لکھتے ہیں:

''سوال: بعض احادیث میں وارد کہ رسولوں کی تعداد تین سو تیرہ ہے اور کتابوں کی تعداد ایک سو چار۔ دس صحیفے حضرت آدم پر اور پچاس حضرت شیث پر اور تیس حضرت ادریس پر اور دس حضرت ابراہیم پر۔ توریت حضرت موسی پر اور زبور حضرت داؤد پر اور انجیل حضرت عیسی پر اور قرآن کریم سرور انبیاء محبوب خدا پر۔ علیہ وعلیہم صلوات اللہ وسلامہ۔ پس اگر ہر رسول پر کتاب کا نزول ضروری ہوتا تو کتابوں کی تعداد بھی تین سو تیرہ ہوتی اور اگر ہر رسول کے لئے جدید شریعت شرط ہو تو لازم آئے گا کہ حضرت اسماعیل علیہ السلام رسول نہ ہوں۔ کیونکہ جدید شریعت نہ رکھتے تھے بلکہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کی شریعت پر عامل تھے۔ کمافی البیضاوی حلانکہ قرآن کریم میں حضرت اسماعیل علیہ السلام کے رسول ہونے کی تصریح موجود۔ ان کے حق میں ارشاد ہوا و کان رسولا نبیا۔

جواب: علامہ سید شریف شارح مواقف جواباً فرماتے ہیں کہ رسول کے لئے کتاب شرط ہے اگرچہ ان پر نازل نہ ہوئی ہو۔ پس ہوسکتا ہے کہ چند رسولوں کے پاس ایک ہی کتاب ہو جو صرف ایک رسول پر نازل ہوئی تھی۔ باقی حضرات کے پاس بھی وہی رہی اور اسی پر عمل فرمایا اور اگر ہر رسول پر کتاب کا نزول شرط مانا جائے تب

بھی تعریف مخدوش نہیں۔ ہوسکتا ہے کہ ایک کتاب متعدد مرتبہ نازل ہوئی ہو جیسا کہ سورۂ فاتحہ دو مرتبہ نازل ہوئی۔ لیکن صرف ایک رسول کی جانب اس کو (ایک کتاب کو) اس لئے منسوب کیا گیا کہ ابتداء ان پر نازل ہوئی تھی۔ پس نظر بر آں تعداد کتب کا تعداد رسل سے کم ہونا تعریف رسول میں اشتراط کتاب کے منافی ہوا۔ مگر اس جواب کو علماء نے اس لئے ضعیف قرار دیا کہ روایت کے مقابلے میں احتمال کافی نہیں۔ ان دونوں احتمالوں سے اگر ایک منقول ہوتا تو یقیناً تعریف بے خلل تھی۔"

تشریح احادیث کے ضمن میں باب اسماء الرجال میں راویوں کے حالات ذکر کرنے میں علامہ میرٹھی علیہ الرحمہ نے ایک نیا انداز اختیار کیا ہے۔ علامہ میرٹھی چونکہ عقیدۃً متصلب سنی تھے اس لئے تشریح احادیث میں بہر حال اس بات کا خیال رکھنا ضروری تھا کی تشریح وتفہیم احادیث کے نام پر بدعقیدہ شارحین احادیث نے اپنی بد عقیدگی اور غلط تقریرات کی تائید میں احادیث کی جو غلط تشریحات کی ہیں اور جگہ جگہ احادیث وآثار کو اپنے غلط افکار ونظریات کی تبلیغ وترسیل کا ذریعہ بنایا ہے اس کو بے نقاب کیا جائے اور ساتھ ہی ساتھ اہل سنت وجماعت کے صحیح افکار ونظریات کو مثبت دلائل کے ساتھ ثابت کر کے دکھایا جائے۔ علامہ میرٹھی نے اس ذمہ داری کو نبھانے کی بھرپور کوشش کی ہے۔ تشریح احادیث کے ضمن میں انہیں جو بھی مناسب مقام ملا ہے نظریات اہل سنت وجماعت کو مثبت انداز میں ضرور پیش کر دیا ہے۔ مثال کے طور پر اہل سنت وجماعت کا اسلاف سے یہ نظریہ رہا ہے کہ اللہ تعالی کے ولیوں کو اس کی عطا کردہ ایسی طاقت حاصل ہوتی ہے جو عام بندوں کو حاصل نہیں ہوتی۔ ان کے لئے بُعدِ مسافت کوئی حیثیت نہیں رکھتی۔ اللہ تعالی کے اذن سے وہ میلوں دور رہ کر بھی دستگیری فرماسکتے ہیں۔ وہابیہ اسی کو شرک کہتے ہیں حالانکہ اہل سنت وجماعت کا یہ نظریہ معتبر شرعی دلیلوں سے ثابت ہے۔

علامہ میرٹھی نے بخاری کی پہلی حدیث کی سند کے راویوں کے احوال لکھتے ہوئے امیر المومنین حضرت عمر فاروق اعظم رضی اللہ عنہ کے تعلق سے یہ مشہور واقعہ تحریر فرمایا ہے:

"ابو نعیم وغیرہ محدثین نے معتبر طریقہ سے روایت کیا ہے کہ امیر المومنین عمر رضی اللہ تعالی عنہ مسجد نبوی میں جمعہ کا خطبہ پڑھ رہے تھے۔ اثناء خطبہ میں تین مرتبہ فرمایا: یا ساریة الجبل یعنی اے ساریہ! پہاڑ کی آڑ لو۔ حاضرین متحیر ومتعجب ہوئے کہ اثنائے خطبہ میں یہ ندا کیسی؟ بعد کو آپ سے دریافت کیا کہ آپ نے خطبہ فرماتے فرماتے یہ ندا کیسی فرمائی؟ ارشاد فرمایا کہ اسلامی لشکر جو ملک عجم میں مقام نہاوند میں کفار کے ساتھ مصروف جنگ ہے میں نے دیکھا کہ کفار اس کو دونوں طرف سے گھیر کر مارنا چاہتے ہیں۔ اس حالت کو دیکھکر میں نے امیر لشکر کو پکار کر کہدیا کہ اے ساریہ! پہاڑ کی آڑ لو۔ یہ سن کر لوگ منتظر رہے کہ لشکر سے کوئی خبر آئے تو تفصیلی حالت دریافت ہو۔ کچھ عرصے کے بعد حضرت ساریہ کا قاصد خط لیکر آیا اس میں تحریر تھا کہ جمعہ کے روز دشمن سے مقابلہ ہو رہا تھا خاص نماز جمعہ کے وقت ہم نے بایں الفاظ ندا سنی یا ساریة الجبل یہ سن کر ہم پہاڑ سے مل گئے اور

ہمیں دشمن پر غلبہ حاصل ہوا اور دشمن کو ہزیمت ہوئی۔ سبحان اللہ! خلیفۂ اسلام کی نظر مدینہ طیبہ سے نہاوند میں لشکر کا ملاحظہ فرمائے اور یہاں سے ندا کرے تو لشکر کو اپنی آواز سنائے نہ کوئی دوربین ہے نہ ٹیلی فون ہے۔ رسول گرامی ﷺ کی سچی غلامی کا صدقہ ہے۔"

اس کے بعد حضرت عمر رضی اللہ عنہ ہی سے متعلق وہ واقعہ بھی تحریر فرمایا ہے جس میں یہ ذکر کیا گیا ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے دریائے نیل کے نام خط تحریر فرمایا تھا اور حضرت عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ کو دریائے نیل میں اس کو ڈال دینے کا حکم دیا تھا۔ جب آپ کا خط دریائے نیل میں ڈال دیا گیا تھا تو خشک دریائے نیل جاری ہو گیا تھا۔ اس واقعہ کو بھی علامہ میرٹھی نے "اختیار اولیاء" کے ثبوت میں پیش فرمایا ہے۔

علامہ میرٹھی کی شرح صحیح بخاری بشیر القاری اگرچہ اردو زبان میں ہے لیکن اسلامیات پر علامہ کے تبحر علمی کی بنیاد پر علامہ کی زبان پر عربیت غالب تھی۔ یہی وجہ ہے کہ اپنی شرح میں وہ بے تکلف صفحات کے صفحات عربی زبان میں لکھتے چلے گئے ہیں۔ ظاہر ہے اس سے آپ کا مقصد صرف علماء و طلبہ کو مستفید کرنا ہوتا ہے۔ حدیث: انما الاعمال بالنیات کا مفہوم ثواب الاعمال بالنیات ہے۔ یہ مفہوم چونکہ امام اعظم ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کے مذہب کے مطابق ہے اس لئے آپ کے معاندین اس پر بے جا اعتراضات کرتے ہیں بلکہ شدت بھی اختیار کرتے ہیں۔ حنفی موقف کے مطابق اس مفہوم کے ثبوت میں دلائل ذکر کرنے کے بعد علامہ طلبہ کو یوں تنبیہ فرماتے ہیں:

"فيا أيها المحصلون عضوا عليها بالنواجز لئلا يغويكم الغاوون و تأملوا فيها ولا تطالعوها بالاستعجال واعرفوا الرجال بالحق لا الحق بالرجال و ازيلوا غشاوة التقليد عن أبصاركم تحصيلا للحق واليقين هذا نصحي لكم ان كنتم تحبون الناصحين والحمد لله رب العلمين و صلى الله على حبيبه و آله و صحبه أجمعين۔"

اس کے بعد حدیث مذکور کی تشریح پر ایک مفصل تقریر ذکر کی ہے۔ اس کا نام رکھا ہے: "الفيض الأشرفي في حديث الفاروقي" مذکورہ علمی افادات کو آپ نے اپنے پیر و مرشد اعلیٰ حضرت سید علی حسین اشرفی میاں علیہ الرحمۃ والرضوان کے فیض کا نتیجہ قرار دیا ہے۔ چنانچہ اس کے بارے میں خود ہی تحریر فرماتے ہیں:

"نسبة الى سيدنا و مرشدنا أشرف المشايخ الشاه أبو محمد السيد على حسين الأشرفي قدس سره القوى الكجهوچهوى توطناً والفيض آبادى ضلعاً والهندوستانى ملكاً صاحب مسند سلطان العارفين المخدوم سيدنا محمد أشرف السمنانى قدس سره السامى لأن هذا التقرير فيض من فيوضه رضى الله عنه"

صدق نیت کے بغیر بڑے سے بڑا عمل بے کار ہے اور نیک نیت ہو تو عمل نہ ہونے کی صورت میں بھی

اللہ تعالیٰ بندے کوثواب عطا فرماتا ہے۔ شرعی اعتبار سے اعمال صحیح طور پر کیسے ادا کئے جائیں گے اس کا علم، علم شریعت ہے۔ اور اعمال میں خلوص اور صدق نیت کا تعلق علم طریقت سے ہے۔ حدیث پاک میں دل کے تقوی کو اصل تقوی کہا گیا ہے۔ دل کے تقوی کے بغیر صرف ظاہری تقوی کا اللہ تعالیٰ کے یہاں کچھ اعتبار نہیں۔ یہی وجہ ہے کہ صوفیائے کرام نے دل کے تزکیہ کی بڑی تاکید کی ہے اور نفس کو ریا، خواہشات کی آلائشوں سے پاک کرنے کے لئے اتباع شریعت کے ساتھ اہل معرفت کی صحبتوں میں رہ کر ریاضت ومجاہدہ بھی کیا ہے۔ حدیث: انما الأعمال بالنيات کے تحت علامہ میرٹھی نے سچی نیت کے فوائد اور بری نیت کے نقصانات کوذکر کرنے کے لئے باب التصوف کا عنوان منتخب کیا ہے اور خلوص نیت کے تعلق سے اکابر صوفیائے کرام کے اقوال واحوال کو بڑے ہی ناصحانہ انداز میں ذکر کیا ہے۔ باب التصوف میں سیدنا امام اعظم رضی اللہ عنہ کی ان بیس نصیحتوں میں سے انیسویں نصیحت کو بھی ذکر کیا ہے جو انہوں نے اپنے صاحبزادے حضرت حماد کو فرمائی تھی۔ علامہ میرٹھی لکھتے ہیں:

"ان بیس نصیحتوں میں سے بلحاظ مقام صرف انیسویں نصیحت ترجمہ کے ساتھ ہدیۂ ناظرین کی جاتی ہے۔

والتاسع عشر أن تعتمد خمسة أحاديث انتخبتها من خمس مائة ألف حديث۔ الأول انما الأعمال بالنيات والثانی من حسن اسلام المرء ترکه ما لا يعنيه والثالث لا يؤمن أحدكم حتى يحب لأخيه ما يحب لنفسه الرابع ان الحلال بين والحرام بين و بينهما مشتبهات لا يعلمهن كثير من الناس فمن اتقى الشبهات استبرأ لدينه و عرضه و من وقع فی الشبهات فقد وقع فی الحرام كراع يرعى حول الحمٰى يوشك أن يقع فيه ألا و ان لكل ملك حمى ألا و ان حمى الله محارمه ألا و ان فی الجسد مضغة اذا صلحت صلح الجسد كله و اذا فسدت فسد الجسد كله ألا وهی القلب والخامس المسلم من سلم المسلمون من لسانه و يده۔

ترجمہ: انیسویں نصیحت یہ ہے کہ ان پانچ حدیثوں پر اعتماد کرو جن کو میں نے پانچ لاکھ احادیث سے منتخب کیا ہے۔ اول حدیث انما الأعمال بالنيات ہے کہ تمام اعمال کا ثواب نیک نیت پر موقوف ہے۔ دوم یہ کہ انسان کا لایعنی چیزوں کو ترک کر دینا اس کے حسنِ اسلام کا نتیجہ ہے۔ سوم یہ کہ تم میں کوئی شخص کامل مومن نہیں ہوتا یہاں تک کہ اپنے بھائی کے واسطے وہ پسند کرے جو اپنے واسطے کرتا ہے۔ چہارم یہ کہ حلال ظاہر ہے اور حرام ظاہر ہے۔ اور ان دونوں کے درمیان کچھ مشتبہ چیزیں ہیں جن کو بہت سے لوگ نہیں جانتے پس جس نے مشتبہ چیزوں سے اجتناب کیا تو اس نے اپنے دین اور اپنی عزت کو بری کر لیا اور جو مشتبہات میں واقع ہوا وہ حرام میں واقع ہو جائیگا۔ اس چرواہے کی طرح جو چراگاہ کے گرداگرد چراتا ہو قریب ہے کہ اس میں داخل ہو جائے گا۔ خبردار! ہر بادشاہ کے لئے حمی (چراگاہ) ہوتی ہے اور بے شک اللہ تعالیٰ کی حمی اس کے محارم ہیں۔ خبردار بے

شک بدن میں گوشت کا ایک ٹکڑا ہے جب وہ درست ہو تو سارا بدن درست ہو جائے اور جب فاسد ہو تو کل بدن فاسد ہو جائے خبردار وہ قلب ہے۔ پنجم یہ کہ کامل مسلمان وہ ہے جس کی زبان اور ہاتھ سے مسلمان سالم رہیں''

طالبان علوم کو علامہ میرٹھی نے یہ درس بھی دیا ہے کہ بے جا اور غیر مفید وغیر ضروری سوالات سے گریز کرنا چاہئے۔ مثلاً مسئلۂ تفضیل کہ اس میں اتنی ہی بات کہنی چاہئے جتنی قرآن وحدیث میں مذکور ہے۔ مثلاً حضرت سیدہ فاطمہ الزہراء، حضرت عائشہ صدیقہ، حضرت مریم کے تعلق سے کہ کون کن سے افضل ہے۔ ان کے فضائل کے تعلق سے مختلف احادیث ذکر کرنے کے بعد لکھتے ہیں:

''یہ مسئلہ تفضیل از قبیل عقائد ہے جن میں قطعی دلائل درکار اور مذکورہ بالا تمام دلیلیں مفید ظنی ہیں ان سے کوئی قطعی نتیجہ اخذ نہیں کیا جا سکتا ہے۔ اس لئے ہر وقت بیان حفظ آداب کے ساتھ تمام احادیث میں وارد شدہ الفاظ پر اکتفا کیا جائیگا۔ قسطلانی شرح صحیح بخاری میں ہے: والکلام فی التفضیل صعب و لا ینبغی التکلم الا بما ورد والسکوت عما سواہ و حفظ الأدب۔ یعنی دربارۂ تفضیل کلام دشوار ہے اور احادیث میں وارد شدہ باتوں کے سوا کوئی بات زبان پر لانا مناسب نہیں۔ ماسوا سے خاموشی اختیار کریں اور حفظ ادب ملحوظ رکھیں۔

بلکہ افضل یہ ہے کہ مسئلہ تفضیل زیر بحث نہ آئے اور یہ سوال ہی نہ اٹھایا جائے۔ اسی میں ہے: والاولی بالعاقل لا یشتغل بمثل ذلك۔ عاقل کے لئے انسب یہ ہے کہ ایسی باتوں میں مشغول نہ ہو۔

ردالمحتار جلد خامس ص ۵۲۴ پر ہے: و ینبغی ان لا یسأل الانسان عما لا حاجة الیه کأن یقول کیف ھبط جبرئیل و علی أی صورۃ رآہ النبی ﷺ و حین رآہ علی صورۃ البشر بقی ملکا ام لا؟ و أین الجنة والنار و متی الساعة و نزول عیسی و اسماعیل أفضل أم اسحق و أیھما الذبیح و فاطمة أفضل من عائشة أم لا و أبوا النبی ﷺ علی أی دین و ما دین أبی طالب و من المھدی الی غیر ذلك مما لا تجب معرفته و لم یرد التکلیف به۔

یعنی مناسب ہے کہ انسان بے ضرورت باتوں کا سوال نہ کرے جیسے یہ سوال کہ جبریل کیسے اترے اور کس شکل میں نبی ﷺ نے ان کو دیکھا اور جب بشری شکل میں دیکھا تو اس وقت وہ فرشتے رہے یا نہیں اور جنت و دوزخ کہاں ہیں اور قیامت کب ہوگی اور عیسی علیہ السلام کب اتریں گے اور حضرت اسماعیل افضل ہیں یا حضرت اسحاق علیہما السلام۔ دونوں میں ذبیح کون تھے۔ اور حضرت فاطمہ رضی اللہ تعالی عنہا حضرت عائشہ رضی اللہ تعالی عنہا سے افضل ہیں یا نہیں؟ اور نبی ﷺ کے والدین کس دین پر تھے۔ ابو طالب کا کیا دین تھا۔ مہدی کون ہیں؟ اس قسم کی اور باتیں جن کی معرفت ضروری نہیں اور نہ بندہ ان کے ساتھ مکلف ہے''

علامہ میرٹھی کی کتاب بشیر القاری کے مطالعہ سے اندازہ ہوتا ہے کہ انہوں نے اپنی کتاب کے مآخذ کے طور پر اکثر جگہوں میں فتح الباری شرح صحیح بخاری اور شرح میں عنوانات قائم کرنے اور ان کے تحت فوائد ذکر کرنے میں عمدۃ القاری شرح صحیح البخاری کو پیش نظر رکھا ہے۔ لیکن علامہ میرٹھی نے اپنی کتاب میں جگہ جگہ تصوف کے مسائل کو بھی ذکر کر کے اپنی شرح کو ایک انوکھا آب و رنگ دے دیا ہے۔

باب کیف کان بدء الوحی کی پہلی حدیث جو کیفیت حدیث سے متعلق ہے اس میں نزول وحی کی دو کیفیتوں کا بیان ہے:

(۱) آواز جرس کی طرح وحی کا نزول

(۲) اور کبھی فرشتہ انسانی شکل میں وحی لے کر آتے تھے۔

دوسری صورت کے بارے میں حدیث میں یہ الفاظ ہیں یتمثل لی الملك رجلا۔ اس کی شرح میں علامہ ابن حجر عسقلانی تحریر فرماتے ہیں: والحق أن تمثل الملك رجلا ليس معناه أن ذاته انقلبت رجلا بل معناه أنه ظهر بتلك الصورة تانيسا لمن يخاطبه۔

لیکن یہاں پر علامہ میرٹھی نے بڑی تفصیل سے کام لیتے ہوئے عالم اجسام اور عالم امثال سے متعلق بحثیں بھی چھیڑی ہیں اور اس کے ضمن میں اولیاء کرام کے تصرفات کو ثابت کیا ہے۔

چنانچہ تحریر فرماتے ہیں:

" اس حدیث سے یہ بھی ثابت ہوا کہ قادر مطلق جل شأنہ نے اپنے بعض بندوں کو یہ قدرت بھی عطا فرمائی ہے کہ ان کی روح اپنے جسمِ اصلی سے متعلق رہنے کے باوجود دوسرے جسم سے متعلق ہو جائے اور اس کے تصرفات جسمِ اصلی اور دوسرے جسم دونوں میں بیک وقت نافذ ہوتے ہیں، اس لئے کہ جبریل امین علیہ الصلاۃ والتسلیم کی روح پاک اپنے نوری جسم سے وابستہ رہنے کے باوجود مردانہ شکل اختیار کر کے بارگاہ رسالت میں حاضر ہوتی اور اس کا تصرف اپنے ملکوتی جسم میں مستمر رہتے ہوئے اس عارضی جسم میں بھی نافذ ہوتا تھا "

اس بات کی تائید میں حافظ ابن حجر ھیتمی مکی کا حوالہ پیش کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

" خاتم المحدثین شیخ الاسلام شہاب الدین احمد بن حجر ھیتمی قدس سرہ القوی اپنے فتاوی حدیثیہ میں فرماتے ہیں:

قال العلامة القونوی شارح الحاوی فی تشکل جبرئیل رجلا فی الممکن أن یخص الله بعض عباده فی حیاته بخاصة لنفسه الملكية القدسية و قوة لها يقدر بها على التصرف فی بدنها الآخر غير بدنها المعهود مع استمرار تصرفها فی الأول و قيل سميت الأبدال أبدالا لأنهم قد يرحلون لمكان و يخلفون فی مكانهم الأول شبحا آخر شبيها بشبحهم الأصلی بدلا عنه و قد

أثبت الصوفية عالما متوسطا بين عالمی الأجساد والأرواح سموه عالم المثال و قالوا هو ألطف من عالم الأجساد و أكثف من عالم الأرواح و بنوا على ذلك تجسد الأرواح و ظهورها فی صورة مختلفة من عالم المثال و قد يستأنس لذلك بقوله تعالى ﴿فتمثل لها بشراً سويا﴾ فتكون الروح الواحدة كروح جبرئيل مثلا فی وقت واحد مدبرة لشبحة الأصلی و لهذا الشبح المثالی و ينحلی بهذا ما اشتهر نقله عن بعض الأئمة أنه سأل بعض الأكابرين عن جسم جبريل فقال ان كان جسمه الأول الذی يسد الأفق بأجنحته لما ترأى للنبی ﷺ فأين صورته الأصلية عند اتيانه اليه فی صورة دحية و قد تكلف بعضهم الجواب عنه بأنه يجوز أن يقال كان يندمج بعضه فی بعض الى أن يصغر حجمه فيصير بقدر صورة دحية ثم يعود و ينبسط الى أن يصير كهيئته الأولى۔و ما ذكره الصوفية أحسن و يجوز أن يكون جسمه الأول بحاله لم يتغير و قد أقام الله تعالى له شبحا آخر و روحه متصرفة فيهما فی وقت واحد۔"

اس کے بعد علامہ میرٹھی نے امام عبدالوہاب شعرانی وغیرہ کے حوالے سے بعض اولیائے کرام کے واقعات بھی تحریر کئے ہیں کہ لوگوں نے انہیں بیک وقت کئی جگہوں میں اپنی آنکھوں سے موجود دیکھا ہے اوران کے تصرفات کا بھی مشاہدہ کیا ہے۔چنانچہ تحریر فرماتے ہیں:

" اولیاء کرام کو بھی قادر مطلق عز مجدہ یہ قدرت عطا فرماتا ہے۔ان کی مقدس ارواح اپنے اجسام سے متعلق رہتے ہوئے دوسرے مثالی جسم اختیار کرلیتی ہیں جس کو اصلی اجسام کے ساتھ کامل مشابہت ہوتی ہے۔جیسے ابدال کی وجہ تسمیہ سے معلوم ہوا۔قطب العارفین سیدنا امام عبدالوہاب شعرانی قدس سرہ کتاب الجواہر والدرر میں تحریر فرماتے ہیں:

فخطب سيدی ابراهيم الجمعة و صلی بالناس فی خمسين قرية فی يوم واحد و آن واحد"

پھر امام شعرانی قدس سرہ کے حوالے سے کچھ واقعات کوذکر فرمانے کے بعد تحریر فرمایا:

" و بالجملة فأخبار الأولياء لا ينتفع بها الا أهل التسليم والسلام "

احادیث کے تحت مسائل واحکام درج کرتے وقت علامہ میرٹھی الفاظ احادیث پر بڑی ہی عمیق نظر ڈالتے ہیں اور ان سے نتائج اخذ کرلیتے ہیں جب کہ عام قاری الفاظ احادیث کو پڑھ کرگزر جاتے ہیں اوروہاں تک ان کی رسائی نہیں ہو پاتی۔

امام ترمذی نے حضرت انس بن مالک رضی اللہ تعالی عنہ کے حوالے سے یہ حدیث نقل فرمائی ہے:أو يأخذ بيده و يصافحه؟ قال: نعم (کیارسول اللہ ﷺ ان کا ہاتھ پکڑ کران سے مصافحہ فرماتے تھے؟تو حضرت انس رضی اللہ تعالی عنہ نے جواب دیا:ہاں!)حدیث مذکور کے تعلق سے علامہ میرٹھی لکھتے ہیں:

''یہاں پر لفظ ''یـــد'' بصیغہ مفرد وارد ہے اس سے غیر مقلد اس بات پر استدلال کرتے ہیں کہ ایک ہاتھ سے مصافحہ درست ہے دونوں ہاتھوں سے درست نہیں۔''

سب سے پہلے علامہ میرٹھی نے ایک عربی ضابطہ ذکر کر کے غیر مقلدین کے خیال مذکور کو باطل کیا ہے۔ قاعدہ یہ ہے کہ آدمی کے جسم کے وہ اعضاء جو جوڑے ہیں یا وہ چیزیں جو ایک دوسرے سے جدا ہو کر استعمال نہیں ہوتیں جیسے آنکھ، ہاتھ، پاؤں، کان وغیرہ اور ہاتھ پاؤں کے موزے، دستانے وغیرہ۔ تو ان میں سے ایک کو ذکر کر دینے سے دوسرے کے ذکر کی ضرورت باقی نہیں رہتی۔ قاعدۂ مذکورہ کو بیان کرنے کے بعد علامہ میرٹھی نے تحریر فرمایا ہے کہ حدیث مذکور سے غیر مقلدین کا ایک ہاتھ سے مصافحہ کے ثبوت پر دلائل قائم کرنا قاعدۂ مذکورہ سے ناواقفیت کی دلیل ہے۔ علاوہ ازیں امام ترمذی نے اگرچہ حدیث مذکور کو حَسن کہا ہے لیکن امام احمد بن حنبل نے اسے منکر قرار دیا ہے۔ پھر دونوں ہاتھوں سے مصافحہ کے مسنون ہونے پر دلیل دیتے ہوئے لکھتے ہیں:

''بخاری شریف باب المصافحة میں حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے کہ حضور سید عالم ﷺ نے میرا ہاتھ اپنے دونوں ہاتھوں کے بیچ میں لے کر مجھے التحیات تعلیم فرمائی۔ حضور پر نور ﷺ کا یہ اپنے دونوں ہاتھوں میں ان کا ہاتھ لینا مصافحہ تھا۔ اسی لئے باب المصافحة میں امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے ذکر فرمایا۔

پھر فرمایا: صافح حماد بن زيد ابن المبارك بيديه یعنی امام حماد بن زید نے امام اجل عبداللہ بن مبارک سے دونوں ہاتھوں کے ساتھ مصافحہ کیا۔ یہ دونوں حضرات جلیل القدر ائمہ تبع تابعین سے ہیں''

پھر شیخ عبدالحق محدث دھلوی اور علامہ ابن عابدین شامی کے حوالے سے لکھتے ہیں:

''شیخ محقق مولانا عبدالحق محدث دہلوی شرح مشکوۃ میں فرماتے ہیں: ''مصافحہ سنت است نزد ملاقات و باید کہ بہر دو دست بود'' ردالمحتار وغیرہ کتب فقہ میں بالفاظ مختلفہ ہے:

السنة ان تكون بكلتا يديه۔ یعنی مسنون طریقہ مصافحہ کا یہ ہے کہ دونوں ہاتھوں سے ہو''

نزول وحی کے تعلق سے صحیح بخاری میں باب كيف كان بدء الوحی کے تحت دوسری حدیث میں یتحنّث کا لفظ آیا ہے۔ وہیں پر اس کی تفسیر تعبُّد سے کی گئی ہے۔ یعنی رسول اکرم ﷺ جب غار حراء میں خلوت گزیں ہوتے تھے تو وہاں پر اللہ تعالیٰ کی عبادت میں مصروف رہا کرتے تھے۔

حدیث مذکور میں جو لفظ تحنث ہے اس کا حقیقی معنی ہے گناہ سے بچنا۔ لیکن یہاں پر عبادت کرنا مراد ہے۔ لفظ یتحنث کی تشریح میں شارح بخاری علامہ ابن حجر عسقلانی نے فتح الباری میں اور علامہ محمود بدرالدین عینی نے عمدۃ القاری میں جو تحقیق پیش فرمائی ہے علامہ میرٹھی نے اگرچہ اس سے بھرپور استفادہ فرمایا ہے لیکن علامہ میرٹھی نے اس پر جو کچھ تحریر فرمایا ہے اس کا ایک منفرد انداز اور الگ ہی آب و رنگ ہے۔ اپنے مخصوص انداز

میں وہ تحریر فرماتے ہیں:

''سوال: حقیقی معنی درست نہ ہونے پر مجازی معنی کی طرف رجوع کیا جاتا ہے۔ یہاں پر تحنث کے حقیقی معنی (اجتناب از گناہ) مراد لینے پر کوئی محذور لازم نہیں آتا۔ پھر معنی مجازی کے ساتھ تفسیر کرنے کی کیا ضرورت پیش آئی؟۔ جواب: درحقیقت یہ تفسیر ایک اشکال کے تنزلی جواب کی جانب اشارہ ہے۔ تقریر اشکال یہ ہیکہ تحنث کے معنی اہل لغت نے ازالۂ گناہ بیان کئے ہیں۔ چنانچہ نووی شرح مسلم شریف میں ہے: قال أهل اللغة أصل التحنث أن يفعل فعلا يخرج به عن الحنث و هو الاثم۔ فتح الباری شرح صحیح بخاری میں ہے:

التحنث القاء الحنث و هو الاثم۔ نظر برآں اس حدیث سے یہ مفہوم ہوگا کہ محبوب دو جہاں ﷺ غار حراء میں اپنے گناہ دور کرنے کے لئے خلوت فرماتے تھے حالانکہ یہ مفہوم باطل ہے۔ کہ انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام قبل نبوت اور بعد نبوت گناہ صغیرہ اور کبیرہ دونوں سے پاک ہوتے ہیں۔ پھر ازالہ گناہ کے کیا معنی؟

اشعۃ اللمعات شرح مشکوٰۃ میں ہے:

واجب است وتنزیہ ساحت عزت ایشاں از وصحت نقص وعصمت ایشاں از جمیع گناہاں خورد و بزرگ پیش از نبوت وپس از وے ہمیں است قول مختار۔

جواب تحقیقی یہ ہے کہ تحنث باب تفعل سے ہے اس کا خاصہ تجنب اس میں پایا جاتا ہے، جس کے معنی ہیں فاعل کا مبدأ اشتقاق سے اجتناب کرنا پس تحنث کے معنی ہوئے حنث سے اجتناب کرنا۔ چنانچہ زرقانی شرح مواہب لدنیہ میں اس کی تفسیر کرتے ہوئے فرمایا: ای يتجنب ای الاثم۔ اور گناہ سے اجتناب کی دو صورتیں ہیں۔ ایک یہ کہ گناہ سے متصف ہونے سے بچنا دوسرے یہ کہ بعد اتصاف اس کو دور کرنا۔ نوادر الاصول شرح فصول اکبری میں اسی خاصہ کی توضیح کرتے ہوئے فرمایا: تجنب یعنی پرہیز کردن از ماخذ نحو تحوّب پرہیز کردن از حُوب بفتح وضم حائے مہملہ بمعنی گناہ۔ پھر فرمایا: ابن حاجب در شرح مفصل می آرد ایں خاصہ مانا بہمزۂ سلب است در افعال مثواں گفت در مثال مذکور دور کردن از خود گناہ را۔ اس می تواں گفت سے ظاہر ہو گیا کہ اجتناب کی دو صورتیں ہوتی ہیں۔ لہذا ہم کہتے ہیں کہ یہاں پہلی صورت مراد ہے دوسری نہیں۔ حتی کہ اشکال مذکور لازم آئے۔ جواب تنزلی یہ ہے کہ اگر تسلیم کرلیں کہ اجتناب صرف دوسری صورت میں متحقق ہوا ہے تو اشکال اس طرح مندفع ہوگا کہ یہاں پر تحنث کے مجازی معنی مراد ہیں حقیقی نہیں۔ اس واسطے راوی کو تفسیر کی ضرورت پیش آئی۔ هذا مما الهمنى ربى بمنه و كرمه

غار حراء میں حضور نبی کریم ﷺ کی عبادت کس قسم کی تھی اس کا صحیح علم تو اللہ تعالیٰ کو ہے۔ لیکن علمائے محققین نے اپنے علم وتحقیق کی روشنی میں یہ فرمایا ہے کہ آپ کی عبادت ذکر الٰہی کی صورت میں ہوتی تھی۔ علامہ میرٹھی نے بھی اسی قول کو ترجیح دی ہے اور اس کی ترجیحی وجوہات کو ذکر کرتے ہوئے ذکر لسانی، ذکر قلبی، ذکر روحی، ذکر

خفی، جلی کے فوائد، طریقے اوران کی خصوصیات پر بڑی ہی صوفیانہ گفتگو فرمائی ہے۔غار حراء میں رسول اکرم ﷺ پر سورۂ علق کی ابتدائی پانچ آیتیں نازل ہوئیں۔یہی کلام الٰہی کے نزول کی ابتدا تھی۔حدیث باب کی شرح میں ''استنباط الاحکام'' کے تحت علامہ بدرالدین عینی۔نے عمدۃ القاری میں سہیلی کے حوالے سے لکھا ہے کہ اقراء باسم ربك سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ قراءت قرآن سے پہلے بسم اللہ پڑھنا واجب ہے لیکن یہ امر مبہم ہے کی اس کے اسماء میں سے کونسا اسم ذکر کیا جائے۔لیکن اللہ تعالی کے ارشاد بسم الله مجرها و مرساها اور بسم الله الرحمن الرحیم میں اسی کا بیان ہے۔حضرت جبرئل علیہ السلام ہر سورۃ کے ساتھ بسم اللہ لیکر نازل ہوتے تھے اور باجماع صحابہ بسم اللہ الرحمٰن الرحیم مصحف میں باقی رکھا گیا ہے۔سہیلی کے کہنے کا مطلب یہ ہے کہ بسم اللہ الرحمٰن الرحیم ہر سورہ کا جزو ہے جیسا کہ امام شافعی کا مذہب ہے۔علامہ عینی نے اس کا جواب دیا: ''وجوب کا دعوی محتاج دلیل ہے۔اسی طرح اس دعوی پر بھی دلیل چاہئے کہ ہر سورہ کے نزول کے ساتھ حضرت جبریل بسم اللہ الرحمٰن الرحیم بھی لیکر نازل ہوتے تھے اور مصحف میں اسی کو باقی رکھنا دلیل اس بات کی نہیں کہ اس کا پڑھنا واجب ہے۔'' علامہ عینی نے حنفی موقف کی جانب یہاں پر اشارہ کردیا ہے اور سہیلی کے دعوی کو یہ کہ کر رد کردیا ہے کہ اس کے ثبوت میں کوئی دلیل نہیں۔لیکن علامہ میرٹھی نے اس مسئلہ کو قدرے تفصیل کے ساتھ مدلل کر کے پیش فرمایا ہے۔اپنے مخصوص انداز میں تحریر فرماتے ہیں:

'' سوال: کیا حدیث زیر بحث سے بسم اللہ کی جزئیت یا عدم جزئیت پر بھی روشنی پڑتی ہے؟ جواب: ہاں! حدیث زیر بحث سے یہ مفہوم ہوتا ہے کہ بسم اللہ الرحمٰن الرحیم سورۂ اقراء کا جزو نہیں۔کیونکہ اس وقت سورۂ اقراء کی ابتدائی آیات کا نزول بغیر بسم اللہ کے ہوا ہے۔اسی واسطے جو حضرات اس بات کے قائل ہیں کہ بسم اللہ کسی سورہ کا ابتدائی جزو نہیں۔وہ صرف سورتوں میں فصل کرنے اور تبرک حاصل کرنے کے لئے نازل ہوئی ہے۔انہوں نے فرمایا کہ سورہ اقراء کی ابتدائی آیات نزول میں اول ہیں اور اس کے ساتھ بسم اللہ نازل نہیں ہوئی جیسے کہ حدیث زیر بحث اس پر دلالت کرتی ہے۔پس ثابت ہوا کہ بسم اللہ سورۂ اقراء کا جزو نہیں اور جب یہ ثابت ہوا تو ان حضرات کے مذہب کی نفی ہوگئی جو فرماتے ہیں کہ بسم اللہ ہر سورہ کا جزو ہے جیسے مکہ معظمہ اور کوفہ کے قراء و فقہائے کرام اور امام شافعی اور ان کے متبعین کا مذہب بھی یہی ہے۔مدینہ طیبہ اور بصرہ و شام کے قراء وفقہاء عظام فرماتے ہیں کہ بسم اللہ کسی سورہ کا جزو نہیں (ابتدائی جزو نہیں) اور یہی امام اعظم رضی اللہ تعالی عنہ اور ان کے متبعین کا مذہب ہے۔قائلین جزئیت نے سورہ فاتحہ کے جزو ہونے پر مندرجہ ذیل حدیث سے استدلال کیا جس کو دار قطنی نے حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالی عنہ سے روایت کیا ہے اور اس کے رجال ثقات ہیں۔وہ یہ ہے: قال رسول الله ﷺ اذا قرأتم الحمد لله فاقرأ بسم الله الرحمن الرحيم فانها أم القرآن و أم الكتاب والسبع المثاني بسم الله الرحمن الرحيم احدى آياتها۔ اور سورۃ کے جزو ہونے پر اس روایت سے استدلال کیا جو حضرت عبد اللہ ابن عباس رضی اللہ تعالی عنہما سے منقول ہے۔وہ یہ ہے۔من ترکھا فقد ترك

مائة و ثلث عشرة آية من كتاب الله تعالى۔ اس سے مفہوم ہوتا ہے کہ بسم اللہ سورہ براءت کے سوا ہر سورہ کا جزو ہے ورنہ تلاوت میں اس کے ترک کر دینے سے ایک سو تیرہ آیتوں کا ترک کس طرح لازم آئیگا؟

جواب: قائلین عدم جزئیت نے ہر دو استدلال کے جواب میں فرمایا کہ جس طرح آیات وسور کا قرآن ہونا بدون دلیل قطعی ثابت نہیں ہوتا اسی طرح کسی آیت کا جزو سورۃ ہونا دلیل قطعی کا محتاج ہے۔ بلکہ ہر آیت اور ہر سورہ کا محل وضع بھی بغیر دلیل قطعی ثابت نہیں ہوسکتا۔ محققین اہلسنت کا مسلک یہی ہے۔ امام سیوطی رحمۃ اللہ علیہ نے تفسیر اتقان میں فرمایا: لا خلاف أن كل ما هو من القرآن يجب أن يكون متواترا فى أصله و أجزائه و أما فى محله و وضعه و ترتيبه فذلك عند محققى اهل السنة۔ ملک العلماء امام علاء الدین ابو بکر مسعود قدس سرہ کتاب مستطاب بدائع الصنائع میں تحریر فرماتے ہیں: لأن يكون الآية من سورة كذا و من موضع كذا لا يثبت الا بالدليل المتواتر من النبى ﷺ۔ پہلے دعوی پر استدلال کرتے ہوئے جو حدیث پیش کی گئی ہے اگر چہ اس سے یہ مفہوم ہوتا ہے کہ بسم اللہ سورۂ فاتحہ کی ایک آیت ہے مگر خبر متواتر نہ ہونے کے باعث ظنی ہے قطعی نہیں۔ لہذا اس سے اثبات دعوی نہیں ہوسکتا۔ پھر اس بات سے قطع نظر کر کے دیکھیں تو پیش کردہ حدیث سے قوی تر حدیث قدسی بسم اللہ کی عدم جزئیت پر صراحۃ دلالت کرتی ہے۔ جس کو امام مسلم و غیرہ محدثین کرام نے انہیں حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالی عنہ سے روایت کیا ہے کی سید عالم ﷺ نے ارشاد فرمایا: قال الله تعالى قسمت الصلوة بينى و بين عبدى نصفين و لعبدى ما سأل۔ میں نے صلوۃ یعنی سورۂ فاتحہ کی اپنے اور اپنے بندے کے درمیان تنصیف فرمادی ہے اور بندے کے لئے وہ ہے جو وہ مانگے۔ فاذا قال العبد الحمد لله رب العالمين قال الله تعالى حمدنى عبدى و اذا قال الرحمن الرحيم قال الله تعالى أثنى علىّ عبدى و اذا قال مالك يوم الدين قال مجدنى عبدى و اذا قال اياك نعبد و اياك نستعين قال هذا بينى و بين عبدى و لعبدى ما سأل فاذا قال اهدنا الصراط المستقيم صراط الذين أنعمت عليهم غير المغضوب عليهم ولا الضالين قال هذا لعبدى و لعبدى ما سأل۔ اس حدیث میں الحمد لله رب العالمين سے ابتدا فرمانا اس امر کی روشن دلیل ہے کہ بسم اللہ سورۂ فاتحہ کا جزو نہیں ورنہ ابتدا اسی سے ہوتی (انتہی ملخصا)۔

علامہ میرٹھی نے اپنی کتاب بشیر القاری میں جا بجا بعض شارحین حدیث کے تسامحات پر بھی تنبیہ کی ہے اور بعض اکابر شارحین کی بعض تشریحات پر اپنی معروضات بھی پیش کی ہیں۔ الغرض تبلیغ احادیث سے متعلق ایک اہم اور ضروری شعبہ تشریح و تفہیم احادیث میں آپ نے علماء، طلبہ، اور عام پڑھے لکھے لوگوں کے لئے بہت ہی قیمتی فوائد ذکر فرمائے ہیں۔ کاش کہ آپ کی یہ شرح پایۂ تکمیل کو پہنچی ہوتی تو یقیناً بخاری کی اردو شروحات میں ایک قابل قدر، منفرد اور ممتاز شرح کا اضافہ ہوتا۔ مولی تعالی علامہ میرٹھی کی علمی خدمات کو عام فرمائے اور قوم مسلم کو ان سے مستفیض فرمائے۔ آمین

صدر العلماء

آسمانِ تحقیق کے سراج منیر

مصنفِ شہیر، علامہ ومولانا ساجد القادری صاحب

خطیب جامع مسجد برنلے ۔(یو۔کے)

اللہ تعالیٰ خالق کائنات ہے، کائنات رنگ وبو کا ہر فرد اور ہر چیز اسکی تخلیقی عظمتوں اور رفعتوں کی غماز و عکاس ہے، یہ ایک سلسلہ لامتناہی ہے، اس سلسلہ لامحدود کا شاہکار اعظم انسان ہے۔ انسان کے سر "لقد کرمنا بنی آدم" کا تاج زریں ہے۔ انسان کو ہی "لقد خلقنا الانسان فی احسن تقویم" کی خلعت فاخرہ نصیب ہوئی۔ رب ذوالجلال نے اپنی نیابت وخلافت کے لئے انسان کا ہی انتخاب فرمایا۔ عناصر اربعہ سے اس کے اجزاء جسمانی وبشری، کا خمیر اٹھا کر اس کے باطن میں علم ومعرفت کا چراغ جلایا، اس نورانی قندیل کی ذوفشانی نے بشری کثافتوں اور نفسانی ظلمتوں کو جگمگا دیا کہ تمام ملائکہ، نورانی پیکر علمی عظمتوں کے روبرو اعزاز واکرام، تعظیم وتجیل کی خاطر سرنگوں ہو گئے۔ کائنات کے ہر جاندار کے اندر تمام جسمانی نظامہائے حیات ہیں، ہر ذی حیات اس اعتبار سے یکساں ہے۔ پھر وہ کونسا عطیہ ہے جس نے انسان کو اشرفیت وافضلیت کی ردائے جلال وجمال عطا کر دی؟

بلاشبہ یہ عطیہ احساس وشعور، فطانت وذکاوت اور علم ومعرفت کی دولت لازوال ہے اگر انسان کا دامن حیات اس سے لبریز ہے تو یہ ہی خیر البریہ اور جبین کائنات کا بے عدیل جھومر ہے، اور اگر عناصر اربعہ متخالفہ متضادہ کا یہ حیرت انگیز مرکب اس نعمت ثمینہ سے تہی دست وتہی دامن ہے تو تمام تر جسمانی صباحت وملاحت، جاہ وجلال اور حسن وجمال کے باوصف ننگ خلقت اور شر البریہ ہے۔ جو فرق شب دیجور کی ہولناک ظلمتوں اور صبح نور کی دل آویز مسکراہٹوں میں ہے۔ نصف النہار کے وقت چلچلاتی دھوپ اور گھنے درختوں کی ٹھنڈی چھاؤں میں ہے وہی فرق علم وآگہی سے محروم انسان اور دانش وبینش سے لبریز انسان میں ہے۔

علم ومعرفت بلاشبہ منزل رفیع ہے، علم ومعرفت سے بہرہ مند انسان نشتر تحقیق سے اشیاء کے حقائق کا سینہ چیر کر اسرار ورموز اور معارف ودقائق کے جواہر آبدار حاصل کرتا ہے۔ یہ تحقیق وتدقیق کی شاہراہ مستقیم پر گامزن کرتی ہے اور ترقیق تنقیح کے منصب وقیع پر فائز المرام کر دیتی ہے۔

صدر العلماء، بحر العلوم سید غلام جیلانی میرٹھی قدس سرہ العزیز بلاشبہ علم ومعرفت، تحقیق وتدقیق کے

صحرائے پر خار کو عبور کر کے مقام تنقیح پر متمکن تھے، علوم عقلیہ اور فنون نقلیہ کی گہرائی اور گیرائی تک آپ کو کامل رسائی تھی۔ آپ کی تصانیف جلیلہ اور اسفار عظیمہ اس حقیقت پر شاہد صادق اور عادل ناطق ہیں۔

امام اہل سنت قامع شرک و بدعت مجدد ملت امام احمد رضا خان علیہ الرحمۃ والرضوان فرید العصر اور وحید الدہر تھے، آپ نے فتاوی رضویہ کا نادر المثال خطبہ تحریر کیا ہے۔ اس خطبہ میں ادب عربی پر کامل دسترس کا جو نمونہ ہے اس کے دل آویز حسن اور دلکش جمال سے تو فقط ایک ماہر علوم عقلیہ ونقلیہ ہی محظوظ ہو سکتا ہے، اس عدیم النظیر افتتاحی خطبۃ الکتاب میں امام اہل سنت نے رب کائنات کی حمد وثنا، تاجدار کائنات ﷺ کی تعریف وتوصیف، تصلیہ وتسلیمات، صحابہ کرام کی مدح ومنقبت اور اہل بیت کرام کے حضور عقیدت ومحبت کے اظہار اور اپنے مقصود و مدعا کے بیان کے لئے ایسے کلمات والفاظ اور ترکیبات کا استعمال فرمایا ہے جن سے ایک طرف تو انتہائی حسن نظم کے ساتھ ان تمام امور کے بیان کا حق ادا ہوا ہے اور دوسری طرف ۹۵ معتبر مستند اور وقیع کتب فقہ کے اسماء شریفہ مذکور ہو گئے ہیں۔

یہ یقیناً امام اہل سنت کا علمی وروحانی فیض ہے کہ آپ صدر العلماء نے اسی انداز میں بخاری شریف کے وقیع عالمانہ محدثانہ تشریح ''بشیر القاری'' کا خطبہ تحریر کیا ہے۔ کہ ایک طرف تو یہ وقیع مرصع تحریر خطبہ کتاب کے جمیع مضامین پر مشتمل ہے اور دوسری طرف اس میں صدر العلماء حضرت علامہ غلام جیلانی میرٹھی علیہ الرحمۃ کے اکابر اساتذہ کرام کے اسمائے شریفہ مذکور ہو گئے ہیں۔

صدر العلماء علیہ الرحمہ نے فوقانی کتب استاد معظم صدر الشریعہ حضرت مولانا حکیم محمد امجد علی صاحب، قدس سرہ العزیز سے پڑھی تھیں۔

صدر العلماء سید غلام جیلانی میرٹھی علیہ الرحمہ کو صدر الشریعہ حضرت مولانا حکیم امجد علی صاحب قدس سرہ العزیز سے اجازت حاصل تھی، صدر الشریعہ کو امام اہل سنت امام احمد رضا خان رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے اجازت حاصل تھی، اور امام اہل سنت کو قطب الاقطاب فرد الاجناب سیدنا و مولانا حضرت سید شاہ آل رسول صاحب مارہروی قدس سرہ العزیز سے اجازت حاصل تھی، اور صدر العلماء کے ایک انتہائی مشفق استاذ حضرت علامہ عبد العزیز خاں فتحپوری تھے نیز حضرت صدر الشریعہ علیہ الرحمہ کے ایک استاذ مولانا علامہ ہدایۃ اللہ خاں جونپوری اور ان کے استاذ گرامی حضرت علامہ فضل حق خیر آبادی قدس سرہ العزیز ہیں امام بخاری، امام مسلم، امام ترمذی، امام نسائی، امام ابوداؤد اور امام ابن ماجہ سے طالبان حدیث بخوبی واقف ہیں۔ ان تمام اکابرین اہل سنت سے صدر العلماء کے تعلق کے پس منظر جان کر آپ قارئین کرام صدر العلما کے عظیم الشان رفیع المرتبت خطبہ کو ملاحظہ فرمائیں اور صدر العلماء کی علمی فقاہت وذکاوت اور طبعی جودت کو داد دیں۔

الحمد لله الذی هو امجد علی والذی هو احمد رضا عند کل ذکی، والصلوة والسلام

علی نبیه الامی الذی تجلی له کل شی من الجلی والخفی، و علی ال رسول هو عبد العزیز علی کل عات وناری وهدایت الله لکل مسلم وبخاری و علی اصحابه الذین هم فضل حق لمن تفاهم سیما الترمذی والنسائی مادام ابو داؤد و ابن ماجه، بایدی الطالبین لا بل الی ابد الآبدین

ترجمہ۔ تمام تعریفیں اللہ تعالیٰ کے لئے ہیں، جو بزرگ و برتر ہے (ھو) مبتدا ہے جس کا مرجع اسم جلالت ہے امجد بمعنی ماجد (ھو) کی خبر اول ہے۔ (علی) خبر ثانی ہے وہی ہر صاحب فہم وذکاء کے ہاں لائق ستائش اور پسندیدہ ہے (ھو) مبتدا ہے۔ (احمد) بمعنی محمود خبر اول ہے (رضا) بمعنی مرضی خبر ثانی ہے۔) درود وسلام ہو اس کے بے پڑھے غیب کی خبر دینے والے ﷺ پر جن پر ہر ظاہر و باطن چیز منکشف ہوگئی، رحمتیں نازل ہوں اس رسول معظم ﷺ کی پاکیزہ سیرت آل پر جو ہر سرکش و جہنمی پر غالب کے محبوب بندے (ﷺ) ہیں۔ (آل) مضاف ہے رسول موصوف ہے) هو عبدالعزیز علی کل عات و ناری) صفت ہے۔ موصوف وصفت مل کر مضاف الیہ ہے۔، وہ (رسول معظم ﷺ ہر مسلمان اور بخاری علیہ الرحمہ کے لئے اللہ تعالیٰ کی ہدایت ہیں۔

اور رحمتیں نازل ہوں آپ ﷺ کے اصحاب پر جو اپنے پیروکاروں خصوصا ترمذی اور نسائی کے لئے اللہ تعالیٰ کا فضل ہیں، جب تک ابوداؤد اور ابن ماجہ طلبہ کے ہاتھوں میں رہے بلکہ ابد الآباد تک۔

صدر العلماء کی تصنیفات کا مطالعہ کرنے سے صاحب مطالعہ کو یقین ہوجاتا ہے کہ نہ صرف آپ کو علوم عقلیہ ونقلیہ پر کامل دسترس تھی بلکہ علوم ومعارف اور اسرار ورموز کا رب کائنات نے وافر مقدار میں علم لدنی عطا فرمایا تھا، مزید براں سلف الحین کی شروح وتفاسیر کی کتب معتبرہ کا آپ نے بڑی دقت نظر سے مطالعہ کیا تھا۔ یہ مطالعہ صرف مطالعہ کی حد تک نہ تھا بلکہ اس کا ضبط تام تھا، اور یہ مطالعہ معاینہ ومشاہدہ کی شکل میں وقت تدریس و تصنیف پیش نظر رہتا تھا۔

آپ کے حالات زندگی کا مطالعہ کرتے وقت قاری کو یہ تاثر ملتا تھا کہ علم نحو میں اللہ تعالیٰ نے صدر العلماء علیہ الرحمہ کو دقت نظر عطا کی تھی، اور جو باتیں عقائد باطلہ کے حاملین اکابر اساتذہ پر مخفی ومستور رہیں وہ آپ پر مثل سراج منیر عیاں تھیں۔ اسی بنا پر آپ کو امام النحو کے لقب سے ملقب کیا جاتا ہے۔ واقعتاً صدر العلماء امام النحو ہیں مگر آپ کی فنی وعلمی لیاقت وذکاوت سیادت اور امامت صرف علوم نحو تک ہی محدود ومعدود نہیں ہیں، بلکہ اپنے دور کے تمام مروج دینی علوم وفنون کے غواص ہیں، میری نظر میں چونکہ آپ کے قلمی شاہکار زیادہ تر علم نحو سے متعلق ہیں اور آپ کا ذہنی میلان اور طبعی رجحان بھی اسرار وغوامض نحویہ کی طرف تھا، اسی بنا پر آپ نے علوم نحو کی متداول مشہور کتب کی شروحات لکھیں "نحو میر کی "البشیر" کے نام سے، شرح مأۃ عامل کی "البشیر الکامل" کے نام سے، کافیہ کی بشیر الناجیہ" کے نام سے۔ اس بنا پر آپ امام النحو کے نام سے معروف ہو گئے۔

صدر العلماء کی تالیف عظیم اور تصنیف جلیل "بشیر القاری" جو صحیح البخاری" کی شرح ہے اس کے مطالعہ

کے بعد انسان اس یقین کی منزل پر فائز المرام ہوتا ہے۔ کہ رب جلیل نے صدر العلماء کے سینہ کو "الم نشرح لك صدرك" کے انوار واسرار کا ترجمان بنایا تھا، تاجدار دو جہاں ﷺ کا خصوصی علمی وروحانی فیض کے آپ پیکر تھے۔

اس سفر جلیل کی جملہ مباحث صرفی ہوں یا نحوی، فنی ہوں یا ادبی، عقلی ہوں یا نقلی، کلامی ہوں یا اصولی، سبھی میں آپ کی ذکاوت، ذہانت، جودت، لیاقت اور تحقیقی، تدقیقی اور تنقیحی صلاحیت اجاگر ہے مصروفیات اور ناپائیدار زندگی اگر صدر العلماء کو مہلت دیتی تو آپ اس شرح جمیل وجلیل کی تکمیل وتتمیم فرما دیتے۔ تو بخاری شریف کی شروحات قدیمہ اور حدیثہ میں یقیناً یہ شرح ایک منارہ نور ہوتی۔ اور تشنگان علوم ومعارف اور اسرار ورموز کی سیرابی کا حق ادا کردیتی اور دوسری شروحات سے مستغنی اور بے نیاز کر دیتی۔

کتاب کے حسن لفظی وظاہری، جمال معنوی وباطنی سے کامل طور پر مستفید، مستفیض اور مستنیر ہونے کے لئے از بس ضروری ہے کہ صاحب مطالعہ کو درک وافر حاصل ہو، ظاہر ہے کہ مجھ جیسے سطحی طالب علم کے لئے ایسی علمی سوغاتوں کے بحر ذخار کی گہرائی وگیرائی میں جا کر جواہر آبدار سے دامن زیست کو لبریز کرنا ممکن نہیں ہے۔ مجھ جیسے کم علم کم عقل اور کم مطالعہ شخص امام العلوم والمعارف" کے علمی شاہکاروں اور شاہ پاروں پر قلم کیا اٹھا سکتا ہے اور شاید قلم اٹھانا جرأت وبے باکی وگستاخی کے ضمن میں آئے لیکن الامر فوق الادب کے تحت اور حق طلب علم کی ادائیگی کے لئے یہ چند سطور تحریر کردی ہیں۔

مجھے اپنی پستی کی شرم ہے تیری رفعتوں کا خیال ہے
مگر اپنے دل کا میں کیا کروں اسے پھر بھی شوق وصال ہے

تحقیق وتدقیق تنقیح وتلویح کا ایک نمونہ ملاحظہ فرمائیں:

حدیث جبریل میں حتی بلغ منی الجهد، کی تشریح انیق اس جملہ کا پس منظر یہ ہے۔

تاجدار دو جہاں ﷺ کا قلب انور کائنات حسن وجمال کی رعنائیوں وزیبائیوں سے مستغنی وبے نیاز غار حرا کی خلوتوں میں جمال الٰہی اور جلال خداوندی کے انوار وتجلیات میں ہمہ وقت دم بدم مستغرق ومنہمک ہے، فیوضات الٰہیہ اور تجلیات ربانیہ کا لطائف باطنہ پر ہر لحظہ جھم جھم ابر کرم برس رہا ہے، قلب انور، روح اقدس، سر اطہر، صفات وذات کے حسن ازلی اور جمال ابدی میں گم ہو کر "ووجدک ضالا" کی تعبیر بن گئی ہے، ارادہ الٰہی اور مشیت خداوندی کا تقاضہ ہے کہ یہ استغراق وانہماک ٹوٹے اور ہادی کائنات جو روز اول سے انوار وتجلیات سمیٹ رہے ہیں ان کو مخلوق خدا میں تقسیم فرمائیں، اور خالق سے خلق کی طرف توجہ فرمائیں۔ "ووجدك ضالا" کی منزل فنا سے گزر کر "فهدی" کی منزل بقا پر متمکن ہوں۔

اس مقصد کے پیش نظر غار حرا کی نور وتقدیس سے لبریز ومعمور خلوتوں اور تنہائیوں میں سید الملائکہ جبرئیل امین حاضر خدمت ہوتے ہیں، اور عرض کرتے ہیں "اقرء" تاجدار دو جہاں ﷺ بحر مشاہدہ وملاحظہ ومعاینہ میں

التفات کامل اور انہماک تام سے انوار وتجلیات جواہرات ثمینہ سمیٹ رہے ہیں، محبوب حقیقی کے ذکر اقدس میں سرشار ہیں، یہ گوارہ نہ ہوا کہ توجہ دوسری جانب مبذول ہو۔اس لئے انکار کرتے ہوئے ارشاد فرمایا میں تو نہیں پڑھتا، کیوں کہ حلاوت ذکر اور شیرینی یاد کا غلبہ دوسری جانب متوجہ ہونے کی اجازت نہیں دیتا۔ جبرئیل امین نے اس غلبہ کو فرو کرنے کے لئے جسد اقدس کو پوری اپنی ملکی قوت وطاقت سے بھینچا تا کہ آپ کی توجہات کا رخ تبدیل ہوجائے۔اس کو حدیث پاک نے ان کلمات مبارکہ سے تعبیر فرمایا: "حتی بلغ منی الجهد"

اس جملہ کا مفہوم یہ ہے کہ سید الملائکہ جبرئیل امین علیہ الصلوۃ والسلام نے تاجدار کائنات ﷺ کو اپنی ساری ملکی قوت اور پوری نورانی طاقت کے ساتھ دبوچا، اس مفہوم پر سوال ہے۔

سوال: جبرئیل امین سید الملائکہ ہیں، اللہ تعالیٰ نے ان کو شدید القوی فرمایا ہے۔آپ کی ملکی طاقت اور روحانی قوت ماوراء العقل اور بعید از قیاس ہے۔اس قوت وطاقت کی ہیبت وجلالت سے انسان کے رونگٹے کھڑے ہوجاتے ہیں۔

سدوم، صعبہ، صعود، غمرہ اور دوحاء، پانچ شہروں میں حضرت لوط علیہ السلام کی قوم آباد تھی، ان پانچ شہروں کی آبادی چالیس لاکھ تھی، جب یہ قوم شان نبوت میں گستاخی کرنے اور خداوندی پیغامات جھٹلانے سے باز نہ آئی تو بحکم الٰہی جبرئیل امین علیہ الصلاۃ والسلام پانچوں شہروں کو اپنے بازوؤں پر اٹھا کر آسمان کیطرف لے گئے کہ ہر چیز اپنے مقام پر بدستور قائم رہی، کسی برتن کو اتنی جنبش بھی نہ ہوئی کہ اوندھا ہوجاتا، نہ کوئی شخص خواب سے بیدار ہوا۔اور آسمان سے اتنے قریب پہونچے کہ ان شہروں کے مرغوں کی آوازیں اور کتوں کے رات کو بھونکنے کی آوازیں اہل آسمان نے بخوبی سنیں۔پھر وہاں سے ان شہروں کو زمین پر اوندھا کر کے دے مارا۔

حضرت جبرئیل علیہ الصلوۃ والسلام کو ایسی عظیم الشان طاقت عطا کی گئی تو یہ کہنا سراسر غلط ٹھہرا کہ انہوں نے نبوی جسم کو پوری قوت سے بھینچا تھا ورنہ نبوی جسم سلامت نہ رہتا۔

جواب: شارح مشکوۃ شریف علامہ طیبی قدس سرہ القوی نے فرمایا جبرئیل امین اس وقت بشری صورت میں تھے، تو مراد یہ ہے کہ اپنی مثالی جسم کی پوری طاقت کے ساتھ دبوچا تھا۔اس لئے کہ بشری جسم اس عظیم قوت وطاقت کا متحمل نہیں ہوسکتا۔

علامہ طیبی کی اس تشریح پر صدر العلماء علامہ غلام جیلانی میرٹھی علیہ الرحمۃ کی ایمان افروز دل آویز تشریح امعان نظر سے مطالعہ فرمائیں:

"بلکہ ظاہر یہ ہی ہے کہ جبرئیل امین علیہ الصلوۃ والسلام نے اپنی مکمل ملکی نورانی اور روحانی قوت و طاقت سے بھینچا تھا، اس لئے کہ بشری صورت میں آنے سے ملکی صورت فنا نہیں ہوتی اور اس میں اصلا استبعاد بھی نہیں چہ جائکہ نادرست ٹھہرایا جائے۔

کیونکہ جبرئیل امین اگر چہ زبردست طاقت رکھتے ہیں لیکن اس کے باوجود ان کی طاقت سید دو عالم ﷺ کی طاقت کے مقابل وہی نسبت ہے جو قطرہ کو دریا کے ساتھ یا ذرہ کو آفتاب سے۔

قارئین کرام! یہ ہرگز تصور نہ فرمائیں کہ اس تفصیل وتشریح کے پس منظر میں غلو عقیدت ہے، اس کا علمی تحقیق سے تعلق نہیں، آپ صدرالعلماء قدس سرہ العزیز کی برہان کامل ملاحظہ فرمائیں۔

”دیکھئے! نبوی جسم پاک کی طاقت کا یہ عالم ہے کہ سدرۃ المنتہی سے گزرتا ہوا عرش بریں پر پہنچا اور جبرائیل امین ”شدید القوی“ ہونے کے باوصف سدرۃ المنتہی پر یوں عرض کرتے ہوئے رک گئے۔

اگر یک سر موئے برتر پرم
فروغ تجلی بسوزد پرم

RAZA LIBRARY
55884
3/7/10

جبرئیل امین تو جبرئیل امین تمام عالم کی طاقتیں مصطفوی طاقت کے سامنے ہیچ ہیں۔

اس دعوی پر صدرالعلماء کی برہان صادق پڑھیں:

”قرآن شاہد ہے کہ اللہ تعالیٰ نے صفت ربوبیت کے ساتھ تجلی فرمائی تھی، جس سے پہاڑ ریزہ ریزہ اور پاش پاش ہوگیا۔ اور حضرت موسی کلیم اللہ بے ہوش ہوکر گر پڑے۔ مگر اللہ اکبر کبیرا۔ سارے عالم میں ایک ہی طاقت وجسم ہے، جس کی آنکھوں نے عین ذات یوں مشاہدہ فرمایا کہ:

﴿مازاغ البصر وما طغی﴾
چشمان مقدس نے نہ حد سے تجاوز کیا نہ بہکیں
موسی ز ہوش رفت بیک جلوۂ صفات
تو عین ذات می نگری در تبسمے

یہ دوسری بات ہے کہ اس خدائی طاقت کا کبھی ظہور ہوتا اور کبھی نہ ہوتا۔ لیکن اس سے ملکی طاقت کی نبوی طاقت سے فزونی درکنار مساوات بھی لازم نہیں آتی۔ پھر ظاہر معنی ترک کر کے خلاف ظاہر اختیار کرنے کی کیا ضرورت۔

پس ثابت ہوا کہ جبرئیل امین علیہ الصلوۃ والسلام کے اپنی پوری ملکی طاقت کے ساتھ دبوچنے میں کوئی قباحت نہیں۔ بلکہ ایسا ہی ہوا تھا اور اس طریقہ پر وحی کا آغاز آپکی خصوصیات سے ہے۔ اور اس میں حکمت یہ تھی کہ جبریل علیہ الصلوۃ والتسلیم نے۔ اولا بر وقت استخلاف آدم علیہ السلام مشاہدہ کیا تھا کہ حامل خلافت بشریت علم جیسی قوت روحانی کے اعتبار سے ملکیت پر غالب ہے۔ یہاں تک کہ "سبحانك لا علم لنا الا ما علمتنا انك انت العليم الحكيم" کہتے ہوئے انہیں اور ان کی ساری جماعت کو اپنے عجز کا اعتراف کرنا پڑا تھا۔ پس مشیت الٰہی مقتضی ہوئی کہ آخران کو اس امر کا بھی مشاہدہ کرادیا جائے کہ خلافت الٰہی کی حامل بشریت کا تفوق

ملکیت پر اوصاف روحانی تک محدود نہیں بلکہ بشریت قوت جسمانی کے اعتبار سے بھی فائق ہے تاکہ خلیفہ اعظم ﷺ کی دونوں حیثیت سے یکتائی کا اعتراف ابتداہی سے حاصل ہوجائے۔ چنانچہ ایک انہوں نے اس کا اظہار بھی کیا جس کو امام احمد وغیرہ محدثین کرام نے ام المومنین حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے روایت کیا کہ حضرت جبریل امین علیہ الصلوۃ والتسلیم نے خدمت اقدس میں عرض کی۔ میں نے زمین کے مشارق و مغارب الٹ ڈالے کوئی شخص حضور پرنور مصطفےٰ ﷺ سے افضل نہ پایا۔ کسی شاعر نے اس مضمون کو اپنی زبان میں اس طرح ادا کیا ہے:

جبریل سے ایک روز کہنے لگے شاہ امم — تم نے تو دیکھا ہے جہاں بتلاؤ تو کیسے ہیں ہم
کی عرض جبریل نے اے مہ جبیں تیری قسم — آفاقہائے گردیدہ ام سیر جہاں وزدیدہ ام

بسیار خوباں دیدہ ام لیکن تو چیزے دیگری

اور اگر تسلیم کرلیا جائے کہ ملکی قوت کا تحمل کسی بشری جسم سے ممکن نہیں تب بھی مسلک ارباب قلوب کے مطابق ایک بہترین جواب ہوسکتا ہے، جس کی تفصیل یہ ہے کہ توحید کے تین مرتبے ہیں۔

(۱) کا نام توحید ایمانی ہے۔ اور وہ یہ ہے کہ بندہ صرف اللہ تعالیٰ کے لئے الوہیت اور استحقاق عبادت کی دل سے تصدیق اور زبان سے اس کا اقرار کرلے۔ یہ توحید علم ظاہر سے مستفاد ہوتی ہے۔ اس کا حصول شرک جلی سے بچا کر انسان کو سلک اسلام میں منسلک کردیتا ہے، صوفیائے کرام عامہ مومنین کے ساتھ اس مرتبہ توحید میں شریک ہوتے ہیں۔ اور دیگر مراتب کی رو سے ان کو امتیاز حاصل ہوتا ہے۔

(۲) توحید علمی: وہ یہ کہ بندہ جب طریق تصوف پر گامزن ہوتو اولا اس بات کا یقین کامل حاصل کرے کہ موجد حقیقی اور موثر مطلق صرف اللہ تعالیٰ ہے، اور اس پر بھی یقین رکھے کہ جملہ ذوات وصفات اور افعال اس کی ذات وصفات اور افعال میں منطوی ہیں۔ ہر ذات کے فروغ کو ذات مطلق کے نور سے ناشی اور ہر صفت کو صفت مطلق کا پرتو اعتقاد کرے۔ چنانچہ جہاں کہیں علم، قدرت، ارادہ، سمع، بصر کا ظہور ہوتو یہی یقین رکھے کہ الٰہی علم، الٰہی قدرت، الٰہی ارادہ، الٰہی سمع، الٰہی بصر کے یہ سب آثار ہیں۔ اسی طرح باقی صفات کو بھی الٰہی صفات کے آثار اعتقاد کرے۔

شیخ سعد الدین حموی قدس سرہ نے فرمایا کہ بشریت میں توحید حی وقیوم کو قبول کرنا ہے کہ تمام احوال میں اسی کی جانب متوجہ رہے۔ یعنی خلقی مظاہر سے جو کچھ بندے پر وارد ہو خواہ ملائم خواہ مکروہ سب کو اسی کے حوالے کرے اور واسطہ کو نظر انداز کردے۔ حق سبحانہ تعالیٰ کے درست تصرف میں اپنے آپ کو ایسا سمجھے جیسے قلم بدست کاتب۔ وسائط کو معذور جانے اگر کوئی چیز موافق طبع پیش آئے شکر بجالائے اور یہ سمجھے کہ حق سبحانہ اس صورت میں ظاہر ہوکر تلطف فرماتا ہے۔ اور اگر کوئی مکروہ پہونچے تو یقین کرے کہ حق سبحانہ اس صورت میں متجلی ہوکر

عقوبت فرماتا ہے، تا کہ ناپسندیدہ اطوار سے اجتناب کر کے پسندیدہ طریقے پر آجائے۔ اسی واسطے سالک پر واجب ہے کہ بروقت حادثہ مکروہ اپنے احوال کا پورا پورا تفحص کرے۔ ظاہری اور باطنی اعمال کی چھان بین میں مصروف ہوجائے۔ اگر کسی صفت مذموم پر مطلع ہو یا غفلت پر یا تضییع اوقات پر یا اہمال عبادات پر یا صفات محمودہ کے ترک پر فوراً اصلاح کی طرف متوجہ ہو۔

ایک بزرگ نے موسم بہار میں ارادہ فرمایا کہ بغرض تفریح کسی لالہ زار میں تشریف لے جائیں، زین کس کر سواری حاضر خدمت کی گئی، فرمایا موزہ لاؤ تا کہ اس کو پہن کر سواری پر بیٹھیں، موزہ پیش کیا گیا تو دیکھا کہ چوہے نے دو انگشت کاٹ ڈالا ہے۔ ان بزرگ نے موزہ کٹا دیکھ کر بہت افسوس کیا اور بیحد اظہار ندامت فرمایا، حاضرین نے عرض کیا کہ اس ذرا سے نقصان پر افسوس وہ بھی اس قدر، اظہار ندامت کس لئے؟ فرمایا یہ افسوس موزہ پر نہیں بلکہ اس لئے افسوس کرتا ہوں کہ وہ کونسا جرم مجھ سے صادر ہوا ہے جس کی پاداش میں موزہ کاٹا گیا۔

(۳) توحید حالی: یہ ہے کہ حال توحید ذات موحد کے لئے وصف لازم ہوجائے اور بجز قدرے قلیل رسوم وجود کی جملہ تاریکیاں نور توحید کے اشراق میں گم ہوجائیں۔ توحید حالی کے نور کو اس درجہ فروغ ہو کہ توحید علمی کا نور اس میں پوشیدہ ہوجائے، جیسے آفتاب کے نور میں ستاروں کا نور چھپ جاتا ہے۔ اس مرتبہ پر پہونچکر وجود واحد کے مشاہدہ جمال میں وجود موحد اس قدر مستغرق ہوتا ہے کہ واحد کی ذات وصفات کے سوا کوئی چیز اس کی نظر میں نہیں آتی، یہاں تک کہ یہ توحید بھی اپنی صفت معلوم نہیں ہوتی بلکہ اس کو بھی صفت واحد جانتا ہے۔ اور اس جاننے کو بھی اسی کی صفت سمجھتا ہے، موحد کی ہستی اس طریقے سے بحر توحید کی تلاطم خیز امواج میں پڑ کر قطرہ کی طرح ناپید ہوجاتی ہے، شرک خفی سے کلیۃً احتراز اسی مرتبہ میں حاصل ہوتا ہے۔ اور آدمی کے واسطے اس سے بالاتر توحید کا مرتبہ نہیں۔

توحید علمی: اور اس کی درمیان امتیاز کی دو وجہیں اور بھی ہیں۔

اول: بلحاظ انجام: وہ یہ کہ توحید علمی میں نتیجۃً بعض رسوم بشریت فنا ہوجاتی او اکثر باقی رہتی ہیں۔ اور توحید حالی میں اکثر فنا اور بعض باقی رہی ہیں اور وہ بھی اقل قلیل تا کہ موحد سے ترتیب افعال اور تہذیب اقوال ممکن رہے۔ اسی واسطے عالم حیات میں حق توحید کما ینبغی ادا نہیں ہوتا۔ اسی چیز کے پیش نظر مخدوم ابو علی دقاق قدس سرہ نے فرمایا:

التوحید غریم لا یقضی دینہ و غریب لا یودی حقہ.

ترجمہ: توحید ایسا قرضخواہ ہے جس کا قرض ادا نہیں ہوسکتا اور ایسا مسافر ہے جس کا حق ادا نہیں کیا جاسکتا۔

دوم: بلحاظ آغاز: اور وہ یہ ہے کہ توحید علمی کا منشا نور مراقبہ ہے۔ اور توحید حالی کا منشا نور مشاہدہ۔ بر

وقت مشاہدہ الٰہی موحد کو ایک عجیب وغریب اور حیرت انگیز لذت حاصل ہوتی ہے۔جس کی وجہ جسم موحد پر آلام شدیدہ کا ورود اصل اثرانداز نہیں ہوتا۔ بلکہ اس عالم کیف میں موحد پر اگر پہاڑ گر پڑے تو وہ بھی محسوس نہیں ہوگا۔ ہاں اس لذت شہود کے اختتام پر آلام محسوس ہونے لگتے ہیں، جیسے کہ اس سے پیشتر محسوس ہوتے تھے۔

ایک بزرگ کو کسی تہمت میں گرفتار کر کے بطور تعزیر سو کوڑے لگائے گئے، کوڑے مسلسل ان کے جسم پر لگتے رہے مگر انہیں تکلیف کا مطلقا احساس نہیں ہوا، نہ کوڑوں سے جسم پر نشان پڑے، ننانویں کوڑے تک تو یہی کیفیت رہی، جب آخری کوڑا لگا تو چیخ پڑے، اور بہت ہی آہ وبکا فرمائی۔لوگوں کو اس حالت سے بڑا تعجب ہوا کہ ایک کوڑے پر اس قدر آہ ونالہ اور ننانویں میں پیشانی پر بل بھی نہ پڑا۔

بالآخران سے دریافت کیا، فرمایا: ننانویں کوڑے تک مشاہدہ محبوب میں مشغول تھا، لذت شہود نے احساس نہ ہونے دیا، آخری کوڑے کے وقت مشاہدہ باقی نہ تھا، اس لئے ضرب نے جسم پر اثر کیا۔جس سے اس قدر تکلیف محسوس ہوئی کہ برداشت نہ کر سکا اور بے اختیار چیخ نکل گئی۔ (از: لطائف اشرفی)

دوسری حدیث کی شرح میں دو واقعے گذرے۔ایک مخدومہ رابعہ بصریہ کا اور دوسرا مولائے مشکل کشا حضرت علی مرتضی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا وہ بھی اسی قبیل سے ہیں۔

نظر برآں سوال مذکور کے جواب میں بر سبیل تنزل کہا جا سکتا ہے کہ جبریل امین علیہ الصلوۃ والتسلیم کی حاضری کے وقت موحد اعظم ﷺ مشاہدہ الٰہی میں مستغرق تھے۔ جبریل امین علیہ الصلوۃ والتسلیم جیسے شدید القوی فرشتے نے اگرچہ تین مرتبہ اپنی پوری طاقت سے دبوچا مگر جسم پاک پر مطلقا اثر نہ ہوا، کیوں؟ اس لئے کہ لذت شہود غالب تھی جو شدید ترین قوتوں کو جسم موحد پر اثر کرنے سے روک دیا کرتی ہے۔اور جب تک موجود رہتی ہے موحد جسمانی نقصانات سے محفوظ رہتا ہے بلکہ اسے سخت ترین آلام کا احساس بھی نہیں ہوتا۔ مذکورہ بالا واقعات اس پر شاہد عدل ہیں۔ واللہ تعالیٰ اعلم

محمد ساجد القادری

(برنلے) (یو۔کے)

صدر العلماء ایک شہرۂ آفاق شخصیت

حضرت مولانا محمد سہیل احمد صاحب سیالوی

سیال شریف (پاکستان)

امام النحو صدر العلماء سید غلام جیلانی میرٹھی نور اللہ مرقدہ کا شمار ان شہرۂ آفاق شخصیات میں ہوتا ہے جن کی علمی شہرت سے کریما، نام حق پڑھتے ہوئے ہمارے کان آشنا تھے۔ پھر ترکیب کے دوران شرح مائۃ عامل پر ان کی گراں قدر شرح ''البشیر الکامل'' پڑھی تو ان کے علمی تعمق اور صرف ونحو میں ان کی دقت نظر کا نقش مزید گہرا ہو گیا۔ نحو میر پر ان کی شرح 'البشیر'، اتنی مفصل اور جامع ہے کہ بلا مبالغہ ہدایت النحو، کافیہ اور شرح جامی تک کے طلباء کے لیے مفید ہے۔ شرف ملت علامہ عبد الحکیم شرف قادری نور اللہ مرقدہ کا حاشیہ نحو میر زیادہ تر اسی سے ماخوذ ہے۔

بہت عرصہ سے یہ بات علم میں تھی کہ حضرت صدر العلماء علیہ الرحمۃ نے صحیح بخاری کی کچھ احادیث کی شرح بنام بشیر القاری تحریر فرمائی ہے۔ لیکن اس کی زیارت اور مطالعہ کی سعادت سے محروم رہا اس کی ایک وجہ یہ تھی ہے کہ ہندوستان کی مطبوعہ کتابیں کچھ عرصہ قبل تک پاکستان میں بآسانی دستیاب نہیں ہوتی تھیں۔

گذشتہ ہفتے راقم کے ماموں حضرت علامہ محمد حسین ساجد القادری زید مجدہ (برطانیہ) کی وساطت سے بشیر القاری سے استفادہ کا موقع ملا اور دو تین نشستوں میں متعدد مقامات سے مطالعہ کا شرف حاصل ہوا۔

صدر العلماء نے بشیر القاری کے شروع میں اپنے قلم سے اپنی زندگی کے جن گوشوں سے پردہ سرکایا ہے اس سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ علوم عقلیہ ونقلیہ کے مجمع البحرین تھے۔ منطق وفلسفہ میں ان کے اساتذہ کا سلسلۂ علم رئیس المناطقہ بطلِ حریت امام المجاہدین علامہ فضل حق خیر آبادی نور اللہ مرقدہ سے ملتا ہے جبکہ حضرت صدر الافاضل اور صاحب بہار شریعت علامہ امجد علی اعظمی رحمۃ اللہ علیہ جیسے یگانہ روزگار نفوس سے بھی آپ کو تلمذ کا شرف ملا ہے اس لیے آپ کا صحیح بخاری پر قلم اٹھانا کوئی اچنبھے کی بات نہیں بلکہ یہ ایک عارفِ فن اور واقفِ اسرارِ علوم الحدیث کے قلم سے نکلنے والا وہ شاہکار ہے جو اس فن میں ان کی مہارت کا منہ بولتا ثبوت اور ان کے مقام کو متعین کرنے والا عظیم کارنامہ ہے۔

حواشی زاہدیہ علی شرح المواقف، حاشیہ امام عبد الحق خیر آبادی علی الحواشی الزاہدیہ، حاشیہ الامام فضل حق خیر آبادی علی القاضی مبارک، محقق دوانی کے شرح تجرید پر غیر مطبوعہ قدیم وجدید حواشی، اشارات پر امام رازی اور

طوسی کی شروح وہ کتابیں ہیں جن کے ناموں سے آج کے طلباء ناواقف ہیں حضرت صدر العلماء نے یہ تمام کتب سبقاً پڑھیں۔ ذلک فضل اللہ یوتیہ من یشاء.

کچھ بشیر القاری کے بارے میں:

بشیر القاری اگرچہ صحیح البخاری کی ابتدائی سات احادیث کی شرح ہے تاہم اس میں ایک جامع شرح کے تمام اوصاف موجود ہیں۔ رواۃ کے احوال، حل لغات، صرفی ونحوابحاث، حدیث سے مستنبط ہونے والے احکام حدیث کی مناسبت سے تصوف کے دقیق ولطیف نکات، الغرض، بشیر القاری میں حضرت صدر العلماء نے وسعتِ مطالعہ اور مختلف فنون میں اپنی دسترس کا ٹھوس ثبوت فراہم کیا ہے۔

علمائے اہل سنت کثرہم اللہ تعالیٰ نے کبھی بھی اپنی لیاقت وصلاحیت کے ڈھول پیٹنے کی کوشش نہیں کی۔ ایک سے ایک بڑھ کر محدث، فقیہ اور مفسر، اہل سنت و جماعت کی زینت ہے لیکن ہمارے اکابر نے گوشۂ خمول میں رہ کر حسبِ مقدور خدمت دین بجالانے میں فخر محسوس کیا۔ علمائے دیوبند اپنے اکابر کے ناموں کے ساتھ جو گراں قدر القاب استعمال کرتے ہیں ان سے سامع وقتی طور پر تو شاید مرعوب ہو جاتا ہے لیکن پتہ اس وقت چلتا ہے جب کوئی اہل نظر ان کے کسی "کارنامے" سے پردہ اٹھاتا ہے۔ چنانچہ حضرت صدر العلماء نے مشہور دیو بندی محدث علامہ انور شاہ کشمیری کی حدیث دانی اور بخاری فہمی کے مناظر جا بجا دکھلائے ہیں اور یہ حقیقت آشکارا فرمائی ہے کہ حدیث رسول ﷺ کو کس طرح بازیچۂ اطفال سمجھا اور بنایا گیا۔

مقدمہ میں امام بخاری علیہ رحمۃ الباری کے سوانح اور اصول حدیث کی بیش قیمت اصطلاحات کا خلاصہ اچھوتے انداز میں پیش کیا گیا ہے۔

احادیث میں جہاں کہیں عقائد ونظریات کی بحث آئی ہے اس پر خوب داد تحقیق دیتے ہوئے باطل نظریات کی دھجیاں بکھیری ہیں۔ لاتشد الرحال والی حدیث پر سیر حاصل بحث لائق مطالعہ ہے۔

مسلم الثبوت کی شرح کشف المبہم میں علامہ بشیر الدین قنوجی نے نبی کریم ﷺ کی نظیر ومثیل موجود ہونے کو ممکن لکھا۔ حضرت صدر العلماء نے اس کی عربی عبارت کا رد عربی میں کیا اور آپ ﷺ کے ممتنع النظیر ہونے کو مبرہن فرمایا۔ اس کے علاوہ بھی درجنوں مقامات ایسے ہیں جہاں آپ نے عربی میں شرح فرمائی ہے۔

الغرض بشیر القاری مختصر حجم میں ہونے کے باوجود ایک ایسا آئینہ ہے جس میں حضرت صدر العلماء زید مجدہ کے علم وعرفان کا چہرہ اپنے صحیح خدوخال کے ساتھ دیکھا جا سکتا ہے کاش کہ تقدیر انہیں تکمیل کی مہلت فراہم کرتی۔ رب ذوالجلال حضرت صدر العلماء کے مزار کو مہبط انوار بنائے اور ان کے آثار علمیہ سے ہم سب کو مستفید فرماتا رہے آمین، بجاہ سید المرسلین علیہ الصلوٰۃ والتسلیم۔

محمد سہیل احمد سیالوی

جامعہ رضویہ احسن القرآن دینہ (پاکستان)

حضرت صدر العلماء اور علم حدیث

حضرت مولانا مفتی محمد شمشاد حسین صاحب رضوی
پرنسپل! مدرسہ شمس العلوم (بدایوں)

صدر العلماء حضرت علامہ سید شاہ غلام جیلانی صاحب رحمۃ اللہ علیہ ایک عبقری شخصیت، اور مختلف علمی کمالات اور فنی جواہر پاروں کے ذخیرہ کا نام ہے۔ ذہن کے پردہ پر جیسے ہی حضرت والا موصوف کی ذات کا تصور ابھرتا ہے لزومی طور پر "امام نحو" کی حیثیت اضافی کا بھی تصور ابھر آتا ہے جو اس بات کی واضح علامت ہے کہ آپ کی ذات پاکیزہ صفات پر لفظ "امام" زیب دیتا ہے۔ فن نحو میں اعلیٰ درک، اور مہارت تامہ اس بات کا اشارہ کرتی ہے کہ دیگر علوم وفنون، پر بھی آپ کو دسترس حاصل تھی۔ علم حدیث ہو یا علم تفسیر، علم فقہ ہو یا علم اصول فقہ، علم بلاغت ہو یا علم معانی وبیان، علم منطق ہو یا علم فلسفہ، آپ جس راہ چلے اپنے نقوش پا کو چھوڑتے چلے گئے کہ آج بھی یہ نقوش پا ہمارے لئے سنگ راہ ثابت ہورہے ہیں اور قلب ودماغ میں نور ونکہت کو سمور ہے ہیں اور سر سبزی وشادابی لا رہے ہیں۔ اس میں کیا شک وتردد کہ آپ کی ذات مختلف جہتوں اور متضاد سمتوں سے مرتکز تھی جس طرف سے بھی دیکھتے ہیں آپ کی شخصیت انمول اور نادر ونایاب نظر آتی ہے۔ ایسی شخصیت بار بار جنم نہیں لیتی، بلکہ برسوں بعد منصۂ شہود پر جلوہ نما ہوتی ہے اور دینی علمی، فنی اور شعوری لطافتوں سے دانشوری، عقل وفہم اور شعور وادراک کو حیرت واستعجاب میں ڈال دیتی ہے ایسی شخصیتوں پر قلم اٹھانا کوئی آسان کام نہیں اور وہ بھی مجھ جیسے بے علم وہنر کے لئے اور بھی دشوار کن مرحلہ ہے۔ میں تو صرف یہی کہونگا کہ ؎

سفینہ چاہئے اس بحر بیکراں کے لئے

علم حدیث:

ایک ایسا فن ہے، جس میں بے پناہ وسعتیں، اور معنویت پائی جاتی ہے اور بہت سے علوم وفنون، آداب زندگی اور اخبار وسیر کا منبع ومخزن صرف علم حدیث ہے۔ حضرت صدر العلما کو اس فن میں بھی مہارت اور درک تام حاصل تھا۔ میں سمجھتا ہوں "فن حدیث" سے آپ کو فطری لگاؤ بھی تھا۔ چونکہ آپ کے اور حضرت محدث سورتی رحمۃ اللہ علیہ کے مابین صرف ایک واسطہ ہے اور یہ واسطہ بھی ایک مشفق استاذ گرامی کا تھا جن کی ژرف نگاہی نے ایک ہی نظر میں آپ کو اور آپ کے دیگر ساتھیوں کو اس فن کے اوج ثریا سے جاملایا۔ یہی وجہ ہے کہ آپ کے تمام

شرکاء سبق ''شیخ الحدیث'' کے منصب پر فائز رہے۔ اور مدتوں علم حدیث کی خدمت انجام دیتے رہے۔ اکتساب علوم وفنون میں اساتذہ کی اہمیت وافادیت سے کسے انکار ہوسکتا ہے کہ اساتذہ ہی بچوں اور طلبہ کی شخصیت اور ان کی ذہنیت کو فروغ دیتے ہیں۔ حضرت صدر الشریعہ مصنف ''بہار شریعت'' علیہ الرحمۃ والرضوان کس قدر شفیق و مہربان تھے کہ ان کے الطاف صدر العلماء اپنی حیثیت عرفی کے باوجود فراموش نہ کر سکے اور کس خوبصورت انداز میں حضرت صدر العلما اپنے اساتذہ کو یاد کرتے ہیں۔ ذرا ملاحظہ فرمایئے۔ لطف ومزہ اٹھایئے۔ اور صنعت تجنیس سے بھر پور استفادہ پر انہیں داد علم وہنر بھی دیجئے۔ آپ فرماتے ہیں:

الحمد لله الذی هو امجد علی، والذی هو احمد رضا عند کل ذکی. والصلوة والسلام علی نبیه الامی، الذی تجلی له کل شیء من الجلی والخفی، وعلی آل رسول هو عبدالعزیز علی کل عات وناری۔ وهدایت الله لکل مسلم وبخاری، وعلی اصحابه الذین هم فضل حق لمن قفاهم، سیما الترمذی والنسائی، مادام ابوداؤد، وابن ماجه بایدی الطالبین،لا بل الی ابد الآبدین"

اس عربی عبارت میں حضرت صدر العلماء نے جہاں ''صنعت تجنیس'' سے کام لیا ہے وہیں "براعة الاستھلال" کی صنعت کو استعمال کر کے عربی زبان وادب پر اپنی قادر الکلامی کی مہر لگادی اور نادر ونایاب اسلوب بیان کے انتخاب سے دور رسا ذہن اور رواں دواں الفاظ وتراکیب سے اپنے استحضار کو اجاگر کیا ہے۔ یقیناً اساتذہ کا ذکر مشک وعنبر کی خوشبوؤں سے کہیں زیادہ لطف ومزہ دیتا ہے۔ سچ ہے کہ

اعد ذکر نعمان لنا ان ذکره
هو المسك ماکررته یتضوع

استفادۂ علم وفن میں ''معاشرتی طبقہ'' کے ان افراد کو نظر انداز نہیں کر سکتے، جو ازدیاد شوق کو بھڑکاتے ہیں۔ قدم قدم پر ترغیب دیتے ہیں اور ذہن وفکر کے اسپ تازی کو مہمیز لگاتے ہیں۔ صدر العلما بھی ان افراد کا تذکرہ بڑے ہی ذوق وشوق سے کرتے اور ان کی خوبیوں، کمالات، اور جمالیاتی شعور واحساس کو یاد کر کے خود کو بھی محظوظ کرتے ہیں۔ وہ افراد آپ کے شرکائے اسباق ہیں۔ جن کے اسمائے گرامی یہ ہیں:

(۱) مجاہد ملت حضرت علامہ الحاج محمد حبیب الرحمٰن صاحب قبلہ علیہ الرحمۃ والرضوان

(۲) رئیس المناظرین حضرت علامہ مفتی محمد رفاقت حسین صاحب قبلہ علیہ الرحمۃ والرضوان

(۳) شمس العلماء حضرت قاضی شمس الدین صاحب قبلہ رحمۃ اللہ علیہ مصنف قانون شریعت

(۴) امام معقولات حضرت علامہ مولانا محمد سلیمان صاحب بھاگلپوری علیہ الرحمۃ والرضوان

(۵) حافظ ملت حضرت علامہ شاہ عبدالعزیز صاحب علیہ الرحمۃ والرضوان

(۶) رئیس الاذکیاء حضرت علامہ غلام یزدانی صاحب قبلہ علیہ الرحمۃ والرضوان
(۷) رئیس الاتقیاء حضرت علامہ سردار احمد صاحب گورداسپوری علیہ الرحمۃ والرضوان
(۸) محسن العلماء حضرت علامہ مولانا محمد محسن صاحب قبلہ
(۹) رئیس المقررین حضرت مولانا صدیق اللہ صاحب رنگیں
(۱۰) رئیس القراء حضرت مولانا اسد الحق صاحب قبلہ

ان دسوں افراد پاک طینت کا تذکرہ کرنے کے بعد حضرت صدر العلما فرماتے ہیں "تلك عشرة كاملة" کہ یہ پورے دس ہیں اور اس کو یوں بھی کہہ سکتے ہیں۔ یہ دس پورے ہیں۔ اس کا واضح مطلب یہ ہوا کہ تمام شرکائے اسباق۔ ہر قسم کے علوم وفنون، اور شعور وادراکات میں پورے ہیں کامل واکمل ہیں۔ اور اگر یہ کہا جائے تب بھی کوئی نامناسب امر نہ ہوگا کہ ہر ایک ہر فن میں کامل ہے۔ ذرا سوچئے جس ذات گرامی کے تمام شرکائے اسباق ہر فن میں کامل ہو سکتے ہیں خود وہ ذات گرامی، دائرۂ کمال سے کیسے الگ رہ سکتی ہے۔ اس لئے میں کہتا ہوں کہ حضرت صدر العلما ہر فن میں اور ہر علم میں امتیازی شان وشوکت کے مالک تھے ان کی علمی قابلیت، اعلیٰ بصیرت اور فکری توانائی، دقت نظر، رفعت خیال اور دور رسا دانش وبینش کا تذکرہ ان کے احباب بھی کیا کرتے تھے۔ میں نے خود اپنے کانوں سے سنا کہ حضرت مصنف قانون شریعت انہیں "امام نحو" سے یاد کرتے تھے۔ اور حضرت علامہ مولانا محمد سلیمان صاحب بھاگلپوری فرماتے تھے: جیلانی ہر فن مولیٰ ہے۔

ان تمام شواہد ونظائر سے آپ اندازہ لگا سکتے ہیں کہ صدر العلما کی شخصیت کیسی تھی اور وہ علم وفن، شعور وادراک کے کس اونچے مقام پر فائز المرام تھے۔ حضرت صدر العلماء کی گہری نظر نے "علم حدیث" کو بھی ایک فن کی حیثیت سے دیکھا اور اس کی لطافتوں، رعنائیوں میں مزید تاب وتوانائی لانے کی کوشش کی ہے، جہاں ان کی اخاذ طبیعت نے فن سے بہت کچھ لیا ہے وہیں ان کی انفرادیت اور شخصی امتیازات نے علم وفن اور فکر وشعور کو فروغ وارتقاء سے ہمکنار کیا۔ اگر انصاف ودیانت سے دیکھئے تو ان کی کتاب مستطاب فن حدیث میں ایک اضافہ کی حیثیت رکھتی ہے۔ اور اگر یہ کہا جائے تو کوئی بے جا نہیں کہ "بشیر القاری بشرح صحیح البخاری" اردو زبان وادب میں فن حدیث پر ایک اہم اور پہلی کتاب ہے۔

بشیر القاری کا ایک تجزیاتی مطالعہ

یہ ایک حقیقت ہے کہ کسی بھی فن کے دائرے میں دو قسم کے نظریات آتے ہیں۔

اولاً: وہ نظریات جو شخصی انفرادیت کے آئینہ دار ہوتے ہیں۔

ثانیاً: وہ نظریات جو عملی سطحیات پر اثر انداز ہوتے ہیں۔

بشیر القاری: ان دونوں قسم کے نظریات کی حامل ہے۔ اس کے مطالعہ سے جہاں فن حدیث کے

اسرار ورموز منکشف ہوتے ہیں وہیں سطح ذہن پر مصنف کی شخصیت، انفرادیت اور خصوصی امتیازات کے راز ہائے سربستہ بھی کھلتے ہوئے دکھائی دیتے ہیں۔ ان دونوں نظریات کی تشریح وتجزیہ سے پہلے مناسب معلوم ہوتا ہے کہ بشیر القاری کے پس منظر اور اس کے پیش منظر کو بیان کر دیا جائے تا کہ قارئین کے دل ودماغ پر اس کتاب کی اہمیت وافادیت اور ضرورت ومقصدیت روز روشن کی طرح واضح ہو جائے اور اس کے افادی حیثیات میں چار چاند لگ جائیں۔

بشیر القاری اور اس کا پس منظر

پس منظر سے مراد وہ حالات وکوائف ہوتے ہیں جو کسی فن پارہ کو وجود میں لاتے ہیں اور اس کے لئے معین ومددگار ثابت ہوتے ہیں۔ ۱۸۵۷ء کے بعد پورے غیر منقسم ہندوستان میں انگریزوں کا تسلط قائم ہو چکا تھا۔ اور گوروں کی حکومت کے زیر سایہ کچھ ایسی تحریکیں بھی جنم لے چکی تھیں جو مسلمانوں کو سبز باغ دکھا رہی تھیں۔ اور دھیرے دھیرے سرمائیہ ایمان ومحبت اور عشق ومودت کو فرسودہ قرار دے رہی تھیں جس کے نتیجے میں مسلمانوں کا مالدار طبقہ انہیں کے رنگ وروپ میں ڈھل گیا۔ اور انہیں کے دیکھا دیکھی مسلمانوں کے خوشحال گھروں سے بھی مذہبی تعلیم وتربیت کا فقدان ہو گیا۔ اب باقی بچ گئے صرف وہ مسلمان جو غریب تھے اور تباہ حال تھے اور اونچے آشیانوں میں بسیرا کرنے والے شاہین انہیں کسی گنتی کے لائق تصور ہی نہیں کرتے تھے۔ یہی تباہ حال مسلمان مدرسوں کی طرف رخ کرتے اور مذہبی علم وفن سے خود کو آراستہ وپیراستہ کرتے تھے۔ اس وقت کے مدرسوں کا کیا معیار تھا اس میں کیسی ٹھوس تعلیم ہوتی تھی۔ صدر العلما کی زبانی سنئے اور ایک محقق زماں کی اس تجزیہ نگاری پر صدائے تحسین بلند کیجئے۔ آپ فرماتے ہیں:

اور ہندوستان کے عربی مدارس سے عموماً ٹھوس قابلیت کے مالک طلبہ فراغت پا کر نکل رہے تھے۔ کیونکہ اساتذہ اور طلبہ میں سے ہر ایک اپنے اپنے فرائض منصبی کو محسوس کرتا تھا اور پوری پوری دیانت داری کے ساتھ ان سے عہدہ برآ ہونے کی طرفین سے کوششیں جاری تھیں۔ دورۂ حدیث میں طلبہ کا داخلہ فنون کی تکمیل کے بعد کیا جاتا تھا۔ امتحان داخلہ میں اصلا رعایت نہ کی جاتی تھی۔ استعداد کے مطابق کتب میں اجازت شرکت دینے کا معمول تھا۔ پھر جو کتابیں بعد امتحان داخلہ تجویز کی جائیں۔ طلبہ ان کی تحصیل میں ذوق وشوق کے ساتھ مصروف رہتے۔ ہر کتاب کے مطالعہ کو لازم سمجھا جاتا۔ اور تکرار التزاما کی جاتی تھی۔ اسی طرح اساتذہ کے نزدیک بھی بدون مطالعہ درس دینا دیانت داری کے خلاف تھا۔ عربی مدارس انہیں خوشگوار لیل ونہار سے گذر رہے تھے۔

حضرت صدر العلماء کی مذکورہ عبارتوں سے عربی مدرسوں کا جو معیار تعلیم متفاہم ہوتا ہے اور ان مدرسوں سے فراغت پا کر طلبہ کی جو ٹھوس صلاحیت اور علمی لیاقت فہم وادراک میں آتی ہے اس کے تناظر میں کسی

بھی فن کی کتابوں کے ترجمے، اور شروح کی کیا ضرورت تھی؟ بلکہ حقیقت یہ تھی کہ ''ترجمے'' اور ''شروح''، علمی دور انحطاط اور فنی زبوں حالی کی واضح علامتیں، مدرسوں کی زبوں حالی، اور طلبہ کی گرتی ہوئی صلاحیت وقابلیت کا بدنما داغ ادار العلوم دیو بند کے ماتھے پر ہے کہ اس کی ابتدا اس طرح ہوئی کہ دار العلوم دیو بند کے تعلق سے مہتمم اور مولانا انور شاہ کشمیری کے مابین شدید اختلاف پیدا ہوا جس سے متاثر ہو کر انور کشمیری نے منصب شیخ الحدیث کو چھوڑ دیا اور ان کی جگہ مولانا حسین احمد مدنی نے لے لی۔ پھر کیا تھا دورۂ حدیث میں ہرایرے غیرے نتھو خیرے کا داخلہ ہونے لگا۔ یہاں مقصد طلبہ میں ٹھوس صلاحیت کو بیدار کرنا نہ تھا بلکہ طلبہ کی کثرت ان کا نصب العین ہو گیا تھا۔ یہیں سے مدرسوں کا معیار گرا اور طلبہ زبوں حالی کے شکار ہوتے گئے۔ حضرت صدر العلما فرماتے ہیں۔

دیدۂ حیرت سے دیکھئے اور خون کے آنسو رو یئے۔

شیخ الاسلام مطالعہ سے بے نیاز ہو گئے اور بخاری شریف کے درس میں ایسی تقریریں فرماتے رہے جن کو سن کر امام بخاری کی روح کوستی ہوگی۔ یہی تقریرات بنام ''تقریر بخاری'' موسوم کر کے شائع کی گئی ہیں۔

(دیباچہ بشیر القادری)

اس تقریر بخاری میں کیا خامیاں تھیں؟ اور علمی وفنی حقائق وبصائر سے کس قدر دور تھی؟ اس کا اندازہ تو تقریر بخاری کے مطالعہ سے ہی ہو سکتا ہے۔ حضرت صدر العلما نے اس کے کچھ نمونے اپنی کتاب ''بشیر القاری'' کے ص ۲۴۴ میں شائع کئے ہیں۔ جو لائق مطالعہ ہیں۔

کیا تقریر بخاری کو بے چوں وچرا تسلیم کر لیا جائے۔ اس پر کسی قسم کی تنقید اور تبصرہ نہ کیا جائے؟ ہر ایک دانشور سے میرا یہ سوال ہے۔ انصاف ودیانت کا یہ تقاضہ تھا کہ کسی بھی صورت میں اس پر صاد نہ کیا جائے۔ بلکہ اس تحریر وتقریر میں چھپی ہوئی مسموم ذہنیت کو دور کیا جائے۔ اور اس کے سارے پول کھول کر رکھ دیئے جائیں۔ شروح اور ترجمے زبوں حالی اور علمی انحطاط کی علامت ہونے کے باوجود کچھ ایسے بھی ترجمے اور ''شروح'' ہیں جو وقت کی اہم ضرورت بن چکے ہیں۔ اور اس کی افادی حیثیت آفتاب نصف النہار سے بھی زیادہ روشن وتابناک ہو چکی ہے۔ تقریر بخاری سے طلبہ اور اساتذہ کے مابین جو غلط فہمیاں پیدا ہو چکی تھیں اور اساتذہ کے ذہن ودماغ میں جو شکوک وشبہات پنپ رہے تھے اس کا ازالہ بہت ضروری تھا۔ اسی ضرورت وافادیت کے تحت حضرت صدر العلما نے ''بشیر القاری بشرح صحیح البخاری'' نامی کتاب تصنیف کی اور اسے شائع کر کے منصۂ شہود پر لائے۔ یہی وہ پس منظر تھا جس کے سبب بشیر القاری وجود میں آئی۔ پس منظر کے یہ حالات وکوائف ''بشیر القاری'' کی ضرورت وافادیت کو نمایاں کرتے ہیں۔

بشیر القاری اور اس کا پیش منظر

اس کتاب مستطاب کی تصنیف کا مقصد علم وفن اور شعور وادراک کو اجاگر کرنا نہیں اور نہ ہی کسی مکتبۂ فکر

سے تعلق رکھنے والے افراد پر اپنی معلومات کا رعب ڈالنا بلکہ اس کا مقصد صرف یہ ہے کہ طلبہ اور اساتذہ کے مابین ''تقریر بخاری'' سے جو غلط فہمیاں اور شکوک وشبہات پیدا ہورہے تھے اس کا ازالہ کرنا ہے۔ اور مدارس اہلسنت وجماعت کے طلبہ کو فائدہ پہونچانا ہے۔ گویا اس کتاب کا مقصد تنقید تعمیر، ذہن وفکر کی اصلاح اور طلبہ میں اختراعی صلاحیتوں کو بیدار کرنا ہے۔ پیش منظر کے یہ حالات، بشیر القاری کے افادی پہلوؤں کو اجاگر کرتے ہیں اور اس کی مقصدیت کو واضح کرتے ہیں۔

پس منظر اور پیش منظر کے حالات وکوائف کو اپنے سامنے رکھتے ہوئے بشیر القاری کے تجزیاتی مطالعہ پر ذہن وفکر کو مرکوز کریں جس سے خوشگوار حالات اور فردوس بداماں فضائیں ہوتی ہوئی محسوس ہوں گی۔ حضرت صدر العلما نے شرح لکھنے سے پہلے ایک دیباچہ پیش کیا جو بڑی تقطیع میں ۴۰ رصفحات پر مشتمل ہے۔ اس دیباچہ میں صدر العلما بچوں اور طلبہ کی نفسیات اور ان کے فطری تقاضوں کا خاص خیال رکھتے ہوئے مندرجہ ذیل عنوانات قائم کرتے ہیں۔

(۱) حالات خود بقلم خود

(۲) بارگاہ رسالت میں امام بخاری کی مقبولیت

(۳) آداب کاتب وغیرہ

ان عنوانات کے تحت قلم بند کئے گئے مضامین پڑھنے سے طلبہ کے دلوں میں بخاری شریف، اور بشیر القاری کے تئیں ترغیب ودلچسپی پیدا ہوتی ہے۔ اور شوق وذوق میں زبردست اضافہ ہوتا ہے۔ اور احادیث کے پڑھنے کے دوران حوصلہ لگن اور یکسوئی کے پیدا ہونے کے امکانات کچھ زیادہ ہی روشن ہوجاتے ہیں۔ بہر صورت دیباچہ کے مذکورہ عنوانات حوصلہ افزا ہیں۔ اہل علم اور ارباب فکر وبصیرت سے پوشیدہ نہیں کہ فن کا تعلق اس کے مسائل سے ہوتا ہے۔ اور مسائل موضوع کے احوال وکوائف ہوتے ہیں۔ خواہ اس کا تعلق موضوع سے بلاواسطہ ہو یا بالواسطہ۔ فن کی حیثیت سے حضرت صدر العلما علیہ الرحمہ نے علم حدیث پر جو گفتگو فرمائی ہے یا جن نظریات کا اظہار فرمایا ہے اس کا بھی تعلق علم حدیث کے مسائل سے ہے۔ آپ کے بعض نظریات روایتی انداز کے ہیں اور بعض نظریات میں آپ کے فکر وفن اور شعور وادراک اور اختراعی صلاحیتوں کا شدید امتزاج پایا جاتا ہے۔ ان دونوں قسم کے نظریات کو ہم تخلیقی نظریات کے حوالے سے پیش کررہے ہیں۔ اس مقام پر لفظ ''تخلیقی'' کا استعمال محض اصطلاح کے طور پر کیا جارہا ہے۔ اور اس سے مراد صرف شعوری کوششیں ہیں۔

فن حدیث اور صدر العلماء کے تخلیقی نظریات

حضرت صدر العلماء سب سے پہلے درس نظامی میں داخل کتب احادیث کی تعریف بیان کرتے ہیں اور ان کی حیثیت کا تعین فرماتے ہیں کہ کونسی کتاب ''جامع'' ہے اور کونسی ''مسند'' ہے۔ نیز کس کتاب کو ''مسند'' سے

تعبیر کر سکتے ہیں اور کس کو نہیں مثلاً آپ کے نزدیک

جامع:

حدیث کی وہ کتاب ہے جس میں ا۔سیر،۲۔آداب،۳۔تفسیر،۴۔عقائد،۵۔فتن،۶۔احکام،۷۔اشراط ساعت، اور ۸۔مناقب، بیان کئے جائیں جیسے جامع بخاری شریف اور جامع ترمذی شریف۔

سنن:

حدیث کی وہ کتاب ہے جس میں ''ابواب فقہ'' کی ترتیب سے احکام ذکر کئے جائیں جیسے سنن ابوداؤد، سنن نسائی اور سنن ابن ماجہ۔

مسند:

حدیث کی وہ کتاب ہے جس میں ابوب فقہ کی ترتیب سے صرف صحابہ کرام کی احادیث بیان کی جائیں۔

معجم:

حدیث کی وہ کتاب ہے جس میں مذکورہ ترتیب سے صرف شیوخ کی حدیث بیان کی جائیں۔

جزو:

حدیث کی وہ کتاب کہلاتی ہے جس میں ایک ہی مسئلہ سے متعلق احادیث لائی جائیں۔

مفرد:

حدیث کی وہ کتاب ہے جس میں ایک ہی راوی کی روایت کردہ احادیث لائی جائیں۔

غریبہ:

حدیث کی وہ کتاب ہے جس میں صرف ایک تلمیذ کے تفردات کا ذکر کیا گیا ہو۔

یہ معلومات مختصر سہی مگر نہایت ہی جامع ہیں اور طلبۂ دورۂ حدیث کے قلب وجگر میں اتر کر پیوست ہو جانے والی ہیں۔ معلومات کی اس فراہمی سے طلبہ کے ذہن ودماغ میں جس خوشگوار فضا کی آمد ہوگی اسے درس وتدریس کی دنیا میں فراموش نہیں کر سکتے۔ کیونکہ ذہن سازی کا یہ ایسا حیرت انگیز عمل ہے جو لائق اعتناء ہے اور التفات کے قابل بھی۔ دیباچہ میں اس کی پیش کش ذہن سازی اور فضا بندی کے عمل کو فروغ دے رہی ہے۔ یقیناً یہ عمل طلبہ کی نفسیات اور ان کی فطری تقاضوں کے عین مطابق ہے قارئین سے گذارش ہے کہ حیرت انگیز انداز میں ان مثالی نمونوں کو بھی دیکھیں جو صدر العلما علیہ الرحمہ کے دیباچہ سے ماخوذ ہیں اس کا مطالعہ بھی دلچسپی سے خالی نہیں۔ آپ کے نزدیک سرکار دوعالم ﷺ کے قول وفعل اور تقریر پر حدیث کا اطلاق ہوتا ہے۔ اسی طرح صحابی اور تابعی کے قول وفعل اور تقریر پر بھی لفظ حدیث کا اطلاق ہوتا ہے۔ مختلف اعتبار سے حدیث کی مختلف قسمیں ہیں جو درج ذیل نقشوں سے واضح ہوتی ہیں۔

حدیث کے اعتبارات:

نسبت کا اعتبار ذکر رواۃ کا اعتبار صفات راوی کا اعتبار تعداد رواۃ کا اعتبار

(۱) اقسام حدیث باعتبار نسبت

مرفوع موقوف مقطوع

اقسام مرفوع:

مرفوع صریح مرفوع حکمی

(۲) اقسام حدیث باعتبار ذکر رواۃ

متصل منقطع

اقسام منقطع:

معلق مرسل معضل منقطع خاص

(۳) اقسام حدیث باعتبار صفات راوی

صحیح حسن ضعیف

صحیح لذاتہ صحیح لغیرہ حسن لذاتہ حسن لغیرہ

(۴) اقسام حدیث باعتبار تعداد رواۃ

غریب عزیز مشہور متواتر

فرد مطلق فرد نسبی

میں نے اجمالی طور پر اقسام حدیث بیان کردیئے ہیں۔ یہ مقام اقسام کے تفصیلی بیان وتوضیح کا متحمل نہیں۔ تفصیل کے لئے حضرت صدر العلما کے دیباچہ کا مطالعہ کریں جن جگہوں میں حدیث کے ان اقسام کا بیان ہوا یقیناً وہ کتاب یا وہ مقام فن حدیث میں اہمیت کا حامل ہے اس کے افادی پہلو کو کسی بھی صورت میں ہم فراموش نہیں کرسکتے۔ اقسام حدیث کا یہ مطالعہ دورۂ حدیث کے طلبہ پر اچھے اثرات کو مرتب کرے گا۔ اوران کے ذوق وشوق میں مزید اضافہ کرسکے گا۔ بلکہ اس فن کے ماہرین اپنی مزید معلومات اور ذاتی انفرادیت کے سبب اس میں خصوصی امتیازات لاتے ہیں۔ اسی قسم کی انفرادیت حضرت صدر العلماء کے ان عنوانات میں نظر آئی ہے جو لائق مطالعہ ہیں۔ مثلاً

(۱) انقطاع کی معرفت (۲) حدیث مدلس کا بیان

(۳) حدیث کی روایت بالمعنی (۴) متابعت وغیرہ

(۵) عدالت وغیرہ کا بیان (۶) عدالت میں طعن کے وجوہ

(۷) ضبط میں وجوہ طعن (۸) قابل احتجاج احادیث اور نا قابل احتجاج

(۹) حدیث کا موضوع ہونا کس طرح ثابت ہوتا ہے۔

(۱۰) کس حدیث سے کوئی امر ثابت ہوتا ہے اور کس سے نہیں۔

اس کے علاوہ بشیر القاری کے دیباچہ میں کچھ مزید فوائد بھی ہیں جو طلبہ اور اساتذہ دونوں کے لئے مفید اور کارگر ہیں۔ پہلے دیباچہ کا مطالعہ کیجئے اس کے بعد فیصلہ کیجئے کہ حضرت علامہ صدر العلما کے ماہر علم حدیث ہونے میں کسی کو کوئی شک وتردد ہوسکتا ہے۔ نہیں ہرگز نہیں۔ میری نگاہ میں اردو زبان کی کوئی ایسی کتاب نہیں جس میں تفصیل سے اقسام حدیث بیان کئے گئے ہوں۔ اسی لئے میں بشیر القاری کو اردو زبان میں فن حدیث کی پہلی اور بنیادی کتاب قرار دیتا ہوں جس میں علم حدیث کو فن کی حیثیت سے برتا گیا ہے اور اس کے لب ورخسار اور کاکل وزلف سنوارے گئے ہیں۔ یہ حضرت صدر العلما کی صحیح اور بروقت مشاطگی تھی جس سے علم حدیث کو اردو زبان میں ایک خاص مقام ملا۔

فن حدیث میں تخلیقی عمل کے نایاب نمونے

ہر قسم کے فنون لطیفہ خواہ اس کا تعلق صنعت وکاریگری سے ہو، یا فکر وفن سے۔ پھر یہ کہ اس فکر وفن کا تعلق شعری ادب سے ہو یا نثری ادب سے، مذہبی ادب سے ہو یا خالص فکری اور علمی مضامین سے اس کا تعلق "تخلیقی عمل" سے رہتا ہے اور اس میں اس کے بے مثال اور لازوال نمونے اور جلوے جابجا دیکھنے کو مل جاتے ہیں۔ ہزار کوششوں کے باوجود مصنف اپنے ذہن وفکر اور شعور وادراک کی نمود واختراع چھپا نہیں سکتے۔ بشیر القاری بھی فن حدیث کی کتابوں میں سے ایک اہم کتاب ہے۔ اور مصنف موصوف جب حدیث کے مختلف اعتبارات سے بحث کرتے ہیں تو ان ابحاث لطیفہ میں، ان کے ذہن وفکر کی توانائیاں محسوس ہوتی ہیں اور شعور وادراک کے آبدار موتی چمکتے ہوئے نظر آتے ہیں۔

دیباچہ کے بعد شروع سے اخیر تک جس قدر مباحث ہیں سب کے سب فن حدیث کے نظریئے عملی رنگ وروپ میں ہیں۔ حضرت صدر العلماء حدیث کی تشریح وتوضیح میں مختلف ابواب سے کام لیتے ہیں مثلاً:

(۱) باب اللغة (۲) باب النحو (۳) باب المعانی

(٤) باب البیان (٥) باب البدیع (٦) باب التفسیر وغیرہ

یہ ابواب حدیث فاروقی کی تشریح وتوضیح میں خاص طور سے پائے جاتے ہیں۔ ان ابواب کے علاوہ کچھ ایسے مباحث بھی ہیں جس میں فکر وفن اور تخیل کا حسین امتزاج پایا جاتا ہے جو دیکھنے اور پڑھنے سے تعلق رکھتے ہیں۔ مثال کے طور پر:

(۱) حدیث مذکور کے بیان فرمانے کا باعث
(۲) ترجمۃ الباب کے ساتھ حدیث کی مطابقت
(۳) باب الاحکام
(۴) شافعی استدلال کا پہلا جواب
(۵) مفہوم حدیث امام اعظم کے نزدیک
(۶) الفیض الاشرفی فی الحدیث الفاروقی
(۷) السوالات والجوابات
(۸) باب التصوف
(۹) نیت صادقہ کی منفعت اور فاسدہ کی مضرت

یہ ابواب اور مندرجہ بالا عنوانات نہایت ہی معرکۃ الآراء ہیں۔ جس کے مطالعہ کرنے کے بعد ہر ذی ہوش حضرات انسانی حقائق ومعلومات کے اجالے میں یہ فیصلہ لینے پر مجبور ہو جائیں گے کہ حضرت صدر العلماء فکر وفن، شعور وادراک اور تحقیق وتلاش کی اس بلندی پر فائز ہیں جہاں اوروں کی رسائی محال تو نہیں مگر دشوار ضرور ہے۔ یہ ان کی شخصیت کی ایسی خوبیاں ہیں جو انہیں زندہ جاوید بنا رہی ہیں۔ اور ان کے فکر وفن کو لازوال کر رہی ہیں۔ ان کے ان کمالات اور انفرادی امتیازات پر ہم تمامی علمائے اہلسنت کو ناز ہے۔ اور کیوں نہ ہو کہ ہمارے مخالف کے دامن میں ایسی تاب وتوانائی رکھنے والا موتی کہاں؟

حضرت صدر العلماء اور اسماء الرجال

حضرت صدر العلماء علیہ الرحمہ نے حدیث کی نقل اور اس کا ترجمہ کرنے کے بعد اس بات کا خاص خیال رکھا ہے کہ جس قدر راویان حدیث ہیں ان کے حالات زندگی قلم بند کر دیئے جائیں اور ان کے علمی مقام اور زہد وورع کو ضرور بیان کر دیا جائے۔ صحاح ستہ میں ایک ہی نام کے کس قدر راوی ہیں اور کس نام کا راوی منفرد ہے اس کی بھی آپ نے توضیح فرمائی ہے۔ اسماء الرجال کے تحت جن راویان حدیث کے تذکرے بشیر القاری میں پائے جاتے ہیں ان کے اسمائے گرامی اس طرح ہیں:

نمبر شمار	اسمائے گرامی	تاریخ پیدائش	تاریخ وصال
(۱)	حمیدی نام عبداللہ بن زبیر	....	۲۱۹ھ
(۲)	سفیان بن عینیہ	۱۰۷ھ	۱۹۸ھ
(۳)	یحیی بن سعید انصاری	......	۱۴۴ھ
(۴)	محمد بن ابراہیم تیمی	......	۱۲۰ھ
(۵)	علقمہ بن وقاص تیمی	عہد نبوی ﷺ	عہد عبدالملک بن مروان
(۶)	عمر بن خطاب رضی اللہ تعالیٰ عنہ	....	....
(۷)	عبداللہ بن یوسف	....	۲۲۸ھ
(۸)	مالک بن انس اصبحی	۹۰ھ	۱۷۹ھ

(۹)	ہشام بن عروہ	۶۱ھ	۱۴۵ھ
(۱۰)	عروہ، ابوبکر یا ابو محمد	۲۶/۲۲/۲۰ھ	۹۴ھ
(۱۱)	حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا	....	۵۷ھ
(۱۲)	یحییٰ بن بکر	....	۲۳۱ھ
(۱۳)	لیث بن سعد بن عبدالرحمٰن	....	۱۷۵ھ
(۱۴)	حضرت عقیل	....	۱۴۱ھ
(۱۵)	ابن شہاب زہری	....	۱۲۴ھ
(۱۶)	ابوعوانہ	....	....
(۱۷)	موسیٰ بن ابی عائشہ	....	....
(۱۸)	سعید بن جبیر	....	۱۹۵ھ
(۱۹)	ابن عباس	....	....
(۲۰)	ابوسلمہ	....	۹۴ھ
(۲۱)	جابر بن عبداللہ کے واقعات تفصیل سے ذکر کئے گئے ہیں		
(۲۲)	عبداللہ ابن مبارک	....	۱۸۱ھ
(۲۳)	ابوسفیان بن حرب بن امیہ	....	۳۴/۳۱ھ

بشیر القاری میں:

ان راویان احادیث کے علاوہ ضمنی طور پر کچھ بزرگوں اور ارباب تصوف کے حالات وواقعات بھی پائے جاتے ہیں۔ جو عبارت ومضامین کے تقدس اور اس کی پاکیزگی میں چار چاند لگا رہے ہیں۔ نیز اس میں بادشاہوں کے کچھ حالات وسیر بھی ہیں یوں تو اردو زبان میں بخاری شریف کی بہت سی شروح لکھی گئیں۔ اور لکھی بھی جارہی ہیں۔ مگر ان میں ''بشیر القاری'' کو جو اہمیت وافادیت حاصل ہے کسی اور کو نہیں۔ یہ تصنیف اس بات کی مستحق تھی کہ اس کے ایک ایک باب پر گفتگو کی جائے اور صفحۂ قرطاس پر اس کے تمام اسرار ورموز منکشف کئے جائیں۔

یہ حقیقت ہے کہ ''بشیر القاری'' علم حدیث کا ایک عظیم شاہکار ہے جس سے اس فن کی معنویت میں اضافہ ہورہا ہے اور اس کی تاب وتوانائی میں زبردست چمک پیدا ہورہی ہے۔ قارئین کی تفہیم کے لئے کچھ ایسے مسائل بھی پیش کئے جارہے ہیں جن سے حضرت صدر العلما کی علمی حیثیت اور فن حدیث میں آپ کی مہارت تامہ ثابت ہوتی ہے۔

(۱) ہمارا عقیدہ ہے کہ حضور اکرم ﷺ دور ونزدیک کے درود شریف کو بذات خود سنتے ہیں جیسا کہ حدیث

شریف میں آیا ہے: قیل لرسول اللہ ﷺ أرأیت صلوۃ المصلین علیك ممن غاب عنك ومن یاتی بعدك ما حالها عندك فقال اسمع صلوۃ اهل محبتی واعر فهم وتعرض علی صلوۃ غیرهم عرضا۔

رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں عرض کیا گیا کہ جو درود بھیجنے والے آپ سے بظاہر غائب ہیں اور جو وفات شریف کے بعد پیدا ہوں گے ان کے درود حضور کے نزدیک کس حال میں ہیں۔ آپ انہیں سنتے ہیں اور سنیں گے یا نہ سنتے ہیں نہ سنیں گے۔ اس پر جواباً فرمایا: میں اپنے اہل محبت کا درود بگوش خود حسن توجہ کے ساتھ سنتا ہوں اور انہیں پہچانتا بھی ہوں اور دوسروں کے درود سرعت کا ساتھ میرے کان سے گذر جاتا ہے یعنی سنتا تو اسے بھی ہوں مگر حسن توجہ کے ساتھ نہیں۔

اس حدیث سے ثابت ہوتا ہے کہ آپ قریب وبعید ہر ایک امتی کے درود شریف کو اپنے مبارک کانوں سے سنتے ہیں مگر امام بیہقی نے شعب الایمان میں ایک حدیث بیان کی جس میں یہ بتایا گیا کہ قریب امتی کے درود شریف کو آپ خود سنتے ہیں اور بعید امتی کے درود شریف کو نہیں سنتے ہیں۔ بلکہ پہونچانے والے اس کو لیجا کر پیش کرتے ہیں۔ اس حدیث کے الفاظ یہ ہیں: من صلی علی عند قبری سمعته ومن صلی علی نائیا ابلغته.

ان دونوں حدیثوں میں تعارض ہے۔ ازالہ تعارض فرماتے ہوئے صدر العلما علیہ الرحمہ ارشاد فرماتے ہیں:

جواب: اولاً یہ بیہقی کی روایت قابل استدلال نہیں اس لئے کہ ابو الفرج نے اس کو موضوعات میں داخل کیا ہے۔ اور عقیلی نے اس کے متعلق کہا: لا اصل لهذا الحدیث من حدیث الاعمش ولیس بمحفوظ. یعنی اس حدیث کی طریق اعمش سے کوئی اصل نہیں اور نہ یہ محفوظ ہے اور امام سبکی نے اسے ''معلل'' قرار دیا کیونکہ اس کے راویوں میں محمد ابن مروان سدی متہم بالکذب ہیں۔

ثانیاً: اگر اسے تسلیم کرلیا جائے تو جواب یہ ہے کہ عالمگیر قوت سمع عطا ہونے سے پہلے یہ ارشاد فرمایا تھا تا کہ اس حدیث میں اور سابقہ حدیث میں تطبیق ہو جائے ورنہ ارشادات نبوی میں تعارض لازم آئے گا جو محال ہے۔ (بشیر القاری ص ۱۷)

حضرت علامہ صدر العلماء علیہ الرحمہ ایک اور مسئلہ کی توضیح فرماتے ہیں:

وقال ابن شهاب واخبرنی. الخ اس واو عاطفہ کے ''ابن شہاب رحمۃ اللہ علیہ'' کے مقولے میں داخل ہونے کا ثبوت نہیں۔ بلکہ امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے زائد فرمایا ہے تا کہ ناظرین کو اس روایت کے از قبیل تعلیقات ہونے کا مغالطہ نہ ہو۔ اور واو کو دیکھ کر سمجھ لیں کہ اس کا مابعد اس کے ماقبل پر معطوف ہے نیز اس لئے کہ ذکر سند میں اختصار حاصل ہو جائے۔ لہذا حدیث سابق اور اس حدیث کی سند میں ابن شہاب سے پہلے راوی مشترک ہوتے۔ البتہ ابن شہاب کے بعد راویوں میں اختلاف ہے کہ حدیث سابق کی سند میں اور ہیں۔ اور اس حدیث کی سند میں اور۔ گویا اصل عبارت یہ ہے:" بالسند المذکور قال ابن شهاب اخبرنی عروة بکذا

واخبرنی ابو سلمة بکذا" نظر برآں یہ حدیث موصول ہوئی از قبیل تعلیقات نہیں۔ورنہ زیادت واو کے لئے وجہ صحت نہ رہے گی کہ مقولہ اور قول پر واو نہیں آیا کرتا اور جب موصول ہونا ثابت ہو گیا تو تعلیق قرار دینا درست نہیں۔اگر چہ اسکی صورت تعلیق جیسی معلوم ہوتی ہے۔(بشیر القاری)

اسی عبارت سے متصل تھوڑا آگے حضرت مصنف علیہ الرحمہ فرماتے ہیں:اسی طرح واو عاطفہ کو تحویل سند کے واسطے بالعموم واو کے ساتھ کلمۂ (ح) تحریر فرمایا کرتے ہیں۔جو یہاں موجود نہیں۔مجرد واو پر اکتفا نہیں کرتے۔

ثانیاً: اس لئے کہ بر تقدیر تسلیم یہ مقام تحویل سند کا محل ہی نہیں۔کیونکہ حدیث واحد کی جب دو یا دو سے زیادہ سندیں ہوں تو اس وقت تحویل کی جانب احتیاج ہوا کرتی ہے اور یہاں پر دو سندیں حدیث واحد کی نہیں۔بلکہ دو حدیثوں کی دو سندیں ہیں پھر تحویل کا کیا محل رہا؟ (بشیر القاری ص ۱۳۸)

حضرت مصنف علیہ الرحمہ نے اپنی ان دونوں عبارتوں میں فن حدیث کے نظریہ کو عملی صورت میں پیش کیا اور اپنی تخئیل کی مدد سے اور قوت فکر و نظر سے موصول اور تعلیق کے مابین کشمکش کو دور فرما دیا۔آخر والی عبارت میں بظاہر تعلیق کی صورت تھی۔مگر حضرت موصوف نے اس کی گہرائی سے موصول کی تاب و توانائی کو ظاہر کر دیا۔اور بخاری شریف کی عبارت "قال ابن شهاب واخبرنی" کی ایسی توضیح و تشریح فرمادی کہ ذوق آشنا طبع اس پر جھوم سی جاتی ہے۔یہ کمال کسی ماہر فن کا ہی ہوسکتا ہے۔سمندر کی گہرائی میں اتر کر وہی موتی لاسکتا ہے جو فن شناوری میں ماہر ہے۔ذرا سوچئے فن نحو کے ایک واو عاطفہ کے سہارے فن حدیث کے عظیم مسئلہ کو ثابت کرنا کسی دور رسا فکر و ذہن کا ہی جوہر کمال ہوسکتا ہے۔حالانکہ اس مقام پر صاحب فیض الباری سے بھی تسامح ہوا کہ انہوں نے اسے "تعلیق سے تعبیر کیا نہ کہ موصول" سے۔بشیر القاری میں جابجا تحقیق و تدقیق، علم و شعور، فکر و ادراک، تتبع و تلاش، تنقید و تبصرہ، زور استدلال، اتمام حجت اور قیاس و استقراء کے ایسے بے مثال نمونے ملتے ہیں کہ دوران مطالعہ، ہر دانشور منفعل ہو کر رہ جاتا ہے۔اور حضرت مصنف کی قوت فکر اور زور تخیل سے متاثر ہوئے بغیر نہیں رہ سکتا۔اگر مذکورہ بالا خوبیوں اور کمالات کو "شاہین کی اونچی اوڑان" سے تعبیر کیا جائے تو کوئی نامناسب نہیں ہوگا۔بلکہ حقیقت کی ترجمانی ہوگی۔علم و فن کی اس گہما گہمی میں بھی علامہ موصوف سماجی اصلاح اور معاشرتی سدھار کو فراموش نہ کرسکے۔بلکہ جابجا اس کی اصلاح بھی کرتے ہیں اور ان کے بگڑے حالات پر زبردست انداز میں قدغن لگاتے ہیں مثلاً ایک مقام پر یوں رقم طراز ہیں:

شاہ ابوالفوارس شجاع کرمانی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کا واقعہ ہے کہ ان کی صاجزادی کے واسطے بھی بعض بادشاہوں نے پیغام نکاح بھیجا مگر انہوں نے منظور نہ فرمایا، پھر انتخاب شوہر کے واسطے خود مختلف مساجد میں گئے۔ایک مسجد میں دیکھا کہ ایک فقیر نماز سنت کے مطابق ادا کر رہا ہے۔بعد فراغت اس سے دریافت کیا تمہاری بیوی ہے؟ جواب دیا نہیں۔فرمایا کیا ایسی بیوی کرنا چاہتا ہے؟ جو حسن ظاہری کے ساتھ ساتھ دینی واقفیت بھی رکھتی ہو

کہ قرآن پاک پڑھی ہوئی ہے۔اس نے عرض کیا میں ایک فقیر آدمی ہوں میرے ساتھ کون کردیگا۔فرمایا تمہارے پاس دو روپے ہیں عرض کیا: ہاں۔فرمایا ایک روپے کی روٹی خریدلو اور ایک کی خوشبو بس یہی کافی ہے۔ فقیر نے دونوں چیزیں خریدلیں۔تو انہوں نے نکاح فرمادیا۔صاجزادی جب رخصت ہوکر شوہر کے مکان میں تشریف لائیں تو شب کا باقی ماندہ کھانا رکھا دیکھ کر واپس ہونے لگیں۔شوہر نے واپسی کا سبب دریافت کیا فرمایا میں یہ نہیں پسند کرتی کہ میری رات اس طرح گذرے کہ میرا رزق موجود اور مجھے معلوم بھی ہو (کہ شان توکل اس کو نہیں چاہتی) یا تو اس کھانے کو اس گھر سے نکال دو یا میں نکلتی ہوں۔چنانچہ شوہر نے جب کھانا مکان سے علاحدہ کردیا تو ان کو سکون ہوا۔ (بشیر القاری ص ۷۰)

عبرت آموز واقعہ نقل کرنے کے بعد حضرت علامہ صدر العلما سماج و معاشرہ کی اصلاح کی طرف توجہ فرماتے اور باشندگان ہند سے اس طرح مخاطب فرماتے ہیں: باشندگان ہند ان دونوں واقعوں سے عبرت حاصل کریں۔ایسی سادگی کو چھوڑ کر بیجا تکلفات میں گرفتار ہوتے ہیں جن سے طرح طرح کا بار اٹھانا پڑتا ہے۔ صاجزادیوں کو دینی تعلیم کے بجائے اسکول میں داخل کرکے دنیوی تعلیم دیتے ہیں جس سے دیگر اخلاق کے ساتھ ساتھ زیور حیا بالکل مفقود ہوجاتا ہے۔ (بشیر القاری ص ۷۰)

علم حدیث جیسے اہم فن کے مسائل و موضوعات پر خامہ فرسائی اور احادیث کی من کل الوجوہ تشریح و توضیح کے وقت علمی نکات اور فنی رموز و اسرار کا انکشاف کوئی زیادہ حیرت کا مقام نہیں۔کیونکہ بلند پرواز شاہین کا رخ اونچی اڑانوں میں آسمان کی بلندی اور وسعتوں کا طرف ہی ہوا کرتا ہے۔ہاں اس دوران زمین کی طرف دیکھ لینا یقیناً حیرت انگیز کرشمہ ہے۔حضرت علامہ صدر العلماء کا علمی نکات اور لطائف نادرہ کی وضاحت فرماتے ہوئے، سماج و معاشرہ کی طرف اصلاح کی کوشش کرنا ضرور حیرت و کمال کی بات ہے۔اور اس بات کی واضح علامت ہے کہ آپ ایک "دل دردمند" رکھتے ہیں۔بشیر القاری میں مختلف مقامات ایسے آتے ہیں جو سماج و معاشرہ کے لئے مفید تر ہیں اور تہذیبی رسم و رواج کے آئینہ دار۔بشیر القاری جہاں اساتذہ اور طلبہ کے لئے مفید ہیں۔وہیں عام پڑھے لکھے انسان بھی اس سے اکتساب فیض کرسکتے ہیں۔اور اپنی زندگی کو اس کی نکہتوں سے عنبر زار بنا سکتے ہیں۔یہ کتاب ایک "زندہ جاوید" شاہکار ہے جب تک ہمارے ہاتھوں میں رہے گی حضرت صدر العلما کی یاد تازہ ہوتی رہے گی اس راہ سے ان کی حیات، حیات ابدی بنی رہے گی۔بقائے دوام انہیں حاصل رہے گا۔

صدر العلماء کی ذات بابرکت کس قدر عظیم تھی؟ اور آپ کی صلاحتیں کیسی حیرت انگیز تھیں کہ یہ شاہکار عظیم انہوں نے ہمیں عطا کیا۔خدائے برتر و بزرگ انہیں اس کا اجر جزیل عطا فرمائے اور ہمیں ان کی کتابوں سے استفادہ کی توفیق بخشے۔

شمشاد حسین رضوی

پرنسپل: مدرسہ شمس العلوم گھنٹہ گھر بدایوں

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

صدر العلماء اور ان کا تبحر علمی

صاحب تصانیف کثیرہ حضرت علامہ محمد عبدالحکیم شرف قادری (علیہ الرحمہ)

لاہور (پاکستان)

اللہ تعالیٰ نے جس طرح ہر شخص کو ایک الگ مزاج عطا فرمایا ہے، اسی طرح ہر ملک اور ہر بستی کو بھی الگ مزاج سے نوازا ہے۔ حرمین شریفین کے بعد دو بستیاں اپنی انفرادی خصوصیات کی بنا پر بڑی انوکھی اور نرالی محسوس ہوئیں۔

۱۔ قاہرہ ۲۔ گھوسی

قاہرہ دور جدیدہ کا ترقی یافتہ شہر ہے، اسے اگر فلیٹوں پلوں یونیورسٹیوں اور پڑھے لوگوں کا شہر کہا جائے تو بجا ہے، بیس بیس منزلہ بلڈنگیں مکینوں کو اپنے دامن میں چھپائے ہوئے ہیں، اترنے چڑھنے کے لئے لفٹ کا انتظام ہے، سڑکوں کا وسیع جال بچھا ہوا ہے، کسی کسی جگہ اوپر نیچے تین تین پل گزر رہے ہیں، کیا مجال ہے کہ دس منٹ کے لئے بھی ٹریفک جام ہو جائے۔

قاہرہ کے ماتھے کا جھومر جامعہ ازہر شریف ہے جس کی عمر ایک ہزار سال ہے جہاں ہزاروں اکابر علم وفن کے موتی لٹاتے رہے اور دنیا بھر کے لاکھوں افراد اکتساب فیض کرتے رہے، اور آج بھی اس گلشن علم وفن سے خوشہ چینی کر رہے ہیں۔ جامعہ ازہر شریف کی وسعت کا اندازہ اس امر سے لگائیں کہ سننے میں آیا ہے کہ جامعہ کا عملہ اسی ہزار سے متجاوز ہے۔ یہی ایک یونیورسٹی کیا کم تھی کہ قاہرہ میں اس کے علاوہ تین دوسری یونیورسٹیاں بھی ہیں، جامعہ عین شمس، جامعہ قاہرہ اور ایک ان کے علاوہ، یہی وجہ ہے کہ آپ کو ہر تیسرا چوتھا آدمی ڈاکٹر (پی۔ایچ۔ڈی) نظر آئے گا، یہاں کا ہر باشندہ چاہے مرد ہو یا عورت بوڑھا ہو یا جوان اخلاق کے ایک ہی سانچے میں ڈھلا ہوا نظر آئے گا۔

قاہرہ کی یہ بھی نمایاں خصوصیت ہے کہ وہاں اہل بیت عظام، صحابہ کرام، ائمہ دین اور علماء مشائخ کے مزارات بکثرت ہیں، سب سے اہم اور مرکزی مسجد وہ ہے جہاں سیدنا امام حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا سر مبارک مدفون ہے۔ اسی مسجد کے تبرکات میں وہ قرآن کریم محفوظ ہے جو حضرت عثمان غنی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے لکھوا کر بھجوا

یا تھا۔ ایک مصحف کے بارے میں کہا جاتا ہے کہ حضرت علی مرتضی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا لکھا ہوا ہے۔

رہا گھوسی تو یہ کوئی شہر نہیں ہے، بلند و بالا اور خوشنما بلڈنگوں والی آبادی بھی نہیں ہے۔ دیکھنے میں ایک سا دہ سا قصبہ ہے، دولت وثروت کی فراوانی بھی دکھائی نہیں دیتی، لیکن اس وقت مجھے تعجب ہوا جب نومبر ۱۹۹۸ء کو راقم الحروف طویل سفر طے کرنے کے بعد جامعہ اشرفیہ مبار کپور پہنچا تو مولانا علامہ محمد احمد مصباحی اور مولانا نظام الدین مجھے گھوسی لے گئے، تاثر ایسا ہی تھا کہ گھوسی نہیں دیکھا تو مبارک پور بھی نہیں دیکھا۔ وہاں عشاء کا وقت تھا بجلی غائب تھی، لیکن طلبہ چراغ کی روشنی میں حضرت صدر الشریعۃ مولانا محمد امجد علی رحمہ اللہ تعالیٰ کے مزار شریف کے پاس قرآن پاک یاد کر رہے تھے، کچھ دیر بعد بجلی آگئی، جامعہ امجدیہ کی ایل کی شکل میں دومنزلہ عمارت دعوت نظارہ دے رہی تھی، ایک کمرے میں طلبہ کمپیوٹر پر پریکٹس کر رہے تھے، یہ طلبہ کا شعبہ تھا، پھر طالبات کے شعبے میں لے گئے، اس شعبے کا آغاز حضرت صدر الشریعۃ مولانا محمد امجد علی اعظمی رحمہ اللہ تعالیٰ کی اہلیہ محترمہ نے اپنے زیورات بیچ کر کیا تھا، اس وقت اڑتیس کمرے تیار ہو چکے تھے۔

دوبارہ اکتوبر ۲۰۰۰ء میں مبارک پور جانے کا اتفاق ہوا تو ۱۲۸ کتوبر کو قصبہ گھوسی حاضر ہوا حضرت فقیہ اعظم ہند مولانا شریف الحق امجدی رحمہ اللہ تعالیٰ کے مزار شریف پر حاضری دی، یہ مزار خودان کی تعمیر کردہ مسجد کے مشرقی حصے میں واقع ہے، فاتحہ خوانی کے بعد حضرت کے صاحبزادے ڈاکٹر محب الحق مدظلہ اپنے گھر لے گئے۔ اور پر تکلف چائے پیش کی، پھر گھر کے چھوٹے بچوں اور بچیوں کو بلا کر ملوایا جیسے میں ان کے گھر کا ایک فرد ہی نہیں بلکہ بزرگ ہوں ان کے اس انداز نے بہت متاثر کیا۔

ہاں اس دورہ میں جناب حاجی محمد رفیق برکاتی مدظلہ (کراچی) اور مولانا عبد الستار ہمدانی مدظلہ (پور بندر گجرات انڈیا) بھی ساتھ تھے، ہم لوگ گھوسی ہی کہ دوسرے ادارے شمس العلوم میں گئے حضرت بحر العلوم مولانا عبد المنان مدظلہ ڈاکٹر محمد عاصم مدظلہ فاضل نوجوان مولانا آل مصطفیٰ اور مولانا محمد ناصر ناظم مدرسے نے ہمارا پر تپاک استقبال کیا۔ اور بتایا کہ اس مدرسے میں ساڑھے تین سو طلبہ پڑھتے ہیں، طالبات کا ہاسٹل الگ ہے جس میں سات سو طالبات پڑھتی ہیں اور پڑھ کر اپنے اپنے گھر چلی جاتی ہیں۔ اس کے علاوہ جامعہ خیریہ کا بھی پتا چلا اور یہ جان کر عجیب مسرت ہوئی کہ اس بستی کہ ہر گھر میں ایک دو عالم موجود ہیں۔ یہ سب برکت ہے حضرت صدر الشریعۃ بدر الطریقۃ مولانا محمد امجد علی اعظمی رحمہ اللہ تعالیٰ کی اور یہ بھی ان کی برکت کا ایک کرشمہ ہے کہ ان کے آٹھ نو صاحبزادوں میں سے ہر ایک عالم و فاضل ہے، حضرت محدث کبیر مولانا ضیاء المصطفیٰ امجدی مدظلہ جامعہ امجدیہ گھوسی کے مہتمم بھی ہیں اور جامعہ اشرفیہ مبار کپور کے شیخ الحدیث بھی۔

حضرت صدر الشریعۃ مولانا محمد امجد علی اعظمی کی ایک دوسری بڑی کرامت یہ ہے کہ ان کے شاگردوں کی طویل فہرست میں ایک ٹیم ایسی ہے جس کا ہر فرد در شہوار ہے، ہر شاگرد اقلیم علم و معرفت کا تاجدار ہے اس ٹیم

کے چند حضرات کے نام ملاحظہ فرمائیں:

(۱) محدث اعظم پاکستان مولانا محمد سردار احمد چشتی قادری
بانی جامعہ رضویہ مظہر اسلام فیصل آباد

(۲) حافظ ملت مولانا حافظ عبد العزیز محدث مرادآبادی
بانی مجوزہ اسلامی یونیورسٹی الجامعۃ الاشرفیہ مبارکپور

(۳) صدر العلما حضرت علامہ سید غلام جیلانی میرٹھی
صاحب البشیر الکامل وبشیر القاری وغیرہ

(۴) مجاہد ملت حضرت مولانا محمد حبیب الرحمان رئیس اعظم اڑیسہ
صدر آل انڈیا تبلیغ سیرت الہ آباد

(۵) رئیس المناظرین حضرت مولانا مفتی رفاقت حسین بہاری

(۶) شمس العلماء مولانا قاضی شمس الدین احمد جونپوری

(۷) فخر الاماثل حضرت مولانا محمد سلیمان بھاگلپوری

(۸) رئیس الاذکیاء حضرت مولانا غلام یزدانی رحمہم اللہ تعالیٰ

اس سنہری زنجیر کی ایک کڑی حضرت صدر العلماء سید غلام جیلانی میرٹھی رحمہ اللہ تعالیٰ علیہ ہیں اور ان کی تصانیف کے بارے میں چند سطر قلم بند کرنا چاہتا ہوں اللہ تعالیٰ قبول فرمائے۔

البشیر الکامل کی وجہ تالیف

سننے میں آیا ہے کہ ایک دیوبندی مولانا سید غلام جیلانی میرٹھی سے ملاقات کے لئے آیا، اس نے دیکھا کہ آپ کے پاس دیوبندی حاشیہ والی شرح مائۃ عامل رکھی ہوئی ہے اس نے شوشہ چھوڑا کہ واہ صاحب یوں تو دیوبندیوں کی مخالفت کرتے ہیں اور کتابیں وہی پڑھا رہے ہیں جن پر ان کے حواشی ہیں، حضرت نے فرمایا: ایک ماہ بعد تمہیں اس کا جواب دوں گا۔ چنانچہ کچھ عرصہ بعد آپ نے شرح مائۃ عامل پر ''البشیر الکامل'' کے نام سے حاشیہ لکھا اور اس کے مقدمہ میں علمی انداز میں دیوبندی شارحین کی دھجیاں بکھیر دیں، لطف کی بات یہ ہے کہ ہر بات نحو کی مستند کتب کے حوالے سے کہی ہے، راقم نے نحو کی کئی کتابوں کے نام پہلی دفعہ ان کے مقدمہ میں پڑھے ہیں

غالباً ۱۹۷۰ء حضرت مولانا سید غلام جیلانی میرٹھی لاہور تشریف لائے۔ اس وقت راقم جامعہ اسلامیہ رحمانیہ، ہری پور میں مدرس تھا، اتفاقاً لاہور آیا تو مکتبہ نبویہ میں حضرت کی زیارت ہوئی۔ سیادت ونجابت، علم وفضل اور متانت وشائستگی کے پیکر کو اپنے سامنے پایا تو خوشی کی انتہا نہ رہی فقیر نے عرض کیا کہ البشیر الکامل کے مقدمہ میں مولانا الٰہی بخش فیض آبادی کا بڑے القاب اور دعائیہ کلمات کے ساتھ ذکر کیا ہے حالانکہ انہوں نے

شرح تہذیب کے حاشیہ تحفہ شاہ جہانیہ میں نواب صدیق حسن خاں (غیر مقلد) اور ملکہ بھوپال کو بڑے القاب کے ساتھ یاد کیا ہے، فرمانے لگے یہ تھے تو سنی، لیکن بصیغہ ملازمت ریاست بھوپال سے وابستہ تھے۔ یاد رہے کہ انہی علامہ الٰہی بخش فیض آبادی نے مرقاۃ (منطق) کی فارسی میں شرح لکھی ہے جو نواب صدیق حسن خاں کے بیٹے علی حسن کے نام سے چھپی ہے۔ ان ہی کا ہدایۃ النحو پر فارسی میں حاشیہ ہے لیکن دیو بندی ناشرین کا ستم دیکھئے کے ان کا نام بحیثیت محشی کے لکھتے ہی نہیں، حالانکہ راقم نے شمالی ہند کی عظیم درسگاہ الجامعۃ الاشرفیہ، مبارکپور کی لائبریری میں وہ نسخہ دیکھا ہے جس کے ٹائٹل پر بحیثیت محشی علامہ کا نام لکھا ہوا ہے۔

فالی اللہ المشتکی۔

حضرت نے مجھے ہری پور کے پتے پر ایک مکتوب (پوسٹ کارڈ) بھی ارسال کیا تھا، افسوس کہ وہ محفوظ نہیں رہ سکا۔

البشیر الکامل طلبہ اور اساتذہ کے لئے بے حد مفید ہے، ایک صفحے پر عبارت اس کے حاشیہ کی لکھی گئی ہے دوسرے صفحے پر اس عبارت کی تفصیلی ترکیب ہے، مقدمہ میں شرح مائۃ عامل کی دیو بندی شارحین کی فاش غلطیوں کی نشاندہی کی گئی ہے، مقدمہ طلبا تو طلبا اساتذہ کے لئے بھی بے حد بصیرت افروز ہے۔ اساتذہ کو چاہئے کہ وہ پابندی سے طلبا کو اس کا مطالعہ کرائیں۔

نحو میر کی شرح البشیر میں بھی حضرت نے علم وفضل کے دریا بہادئے ہیں راقم نے نحو میر کا حاشیہ لکھتے وقت اس سے خاصا استفادہ کیا۔ بشیر الناجیہ میں کافیہ کا عربی متن جلی حروف میں لکھا ہوا ہے، اس کے نیچے اردو ترجمہ درج ہے، شرح بھی ہے اور نحوی ترکیب بھی، افسوس کے اسے مکمل نہ کر سکے، مجرورات تک ہی لکھ سکے، تاہم جو کچھ لکھا وہ اپنی مثال آپ ہے، آخر میں حضرت فخر الاماثل میر سید عبد الواحد بلگرامی رحمہ اللہ تعالیٰ کی شرح کافیہ بزبان فارسی بھی شامل کی گئی ہے اس شرح کی انفرادیت یہ ہے کہ کافیہ کو تصوف کا متن قرار دے کر اس کی صوفیانہ شرح کی گئی ہے۔ یہ شرح بحث غیر منصرف تک ہے۔

حضرت صدر العلماء کا نحو کے ساتھ خصوصی لگاؤ تھا، زمانہ طالب علمی میں نحو کی مشہور کتاب ''کافیہ'' زبانی یاد کی تھی، اگر مذکورہ بالا کتاب پر اکتفا کرتے تو عام قاری یہ تاثر لیتا کہ انہیں محض نحو پر دسترس تھی، ۔ لیکن آپ نے بشیر القاری کے نام سے بخاری شریف کی چھ احادیث کی شرح بڑے سائز کے ۲۴۸ صفحات پر لکھ کر واضح کر دیا کہ اللہ تعالیٰ کے فضل وکرم سے آپ کو دیگر علوم کی طرح علم حدیث میں بھی اعلیٰ درجے کی مہارت حاصل ہے، بڑے بڑے دیو بندی شارحین حدیث پر جس وقت صدر العلماء گرفت فرماتے ہیں تو وہ ان کے سامنے طفل مکتب دکھائی دیتے ہیں۔

بطور مثال یہ حوالہ ملاحظہ فرمائیں کہ انور شاہ کشمیری صاحب کی تقریر فیض الباری میں یوں نقل کی گئی ہے

ولکل امری مانوی" سے کیا مراد ہے؟ اجر وثواب اور ثمرہ ہے یا بعینہ وہ فعل مراد ہے جس کی انسان نے نیت کی ہے؟ شاہ صاحب کہتے ہیں کہ میرے نزدیک دوسرا مطلب زیادہ ظاہر ہے لہذا ہر شخص آخرت میں بعینہ اپنا عمل پائے گا جس کی اس نے دنیا میں نیت کی تھی بعینہ اسے پائے گا، اسی باریک نکتے کی بنا پر جزا کے بعینہ وہ الفاظ ہیں جو شرط کے ہیں لوگوں کا ذہن اس نکتے کی طرف منتقل نہیں ہوسکا اس لئے انہوں نے شرط اور جزا کے اتحاد کا جواب دینے کی کوشش کی ہے۔ (ترجمہ فیض الباری ص ۱۱)

اس پر صدر العلماء نے پانچ وجہ سے گرفت فرمائی ہے، اور عربی عبارت پر عربی ہی میں گرفت فرمائی ہے۔ ایک وجہ کا خلاصہ پیش کیا جاتا ہے، فرماتے ہیں:

بعینہ اعمال کو آخرت میں پانے کا کیا مطلب ہے؟ کیا یہ مطلب ہے کہ جو دنیا میں نماز پڑھے گا وہ آخرت میں نماز پڑھے گا، جو دنیا میں زکوۃ دیگا وہ آخرت میں زکاۃ دے گا جو دنیا میں شراب پئے گا وہ آخرت میں شراب پئے گا اس طرح تو دار آخرت دار تکلیف اور دار معصیت بن جائے گا، حالانکہ اہل واقفیت ومعرفت میں سے کسی نے اس کا قول نہیں کیا۔

یا اس کا مطلب یہ ہے کہ اعمال اچھی اور بری صورتوں کے ساتھ متشکل ہوکر پائے جائیں گے، جس طرح نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی احادیث میں وارد ہوا ہے اور یہ اس لئے کہ اعمال اعراض ہیں جواہر نہیں، لہذا یہ ایک آن سے دوسری آن تک باقی نہیں رہتے بلکہ ایک آن میں پیدا ہوتے ہیں اور دوسری آن میں فنا ہوجا تے ہیں اور بقا امثال کے ذریعے ہوتی ہے، متکلمین اسی کے قائل ہیں اگر یہ مطلب ہے تو عینیت کا کوئی معنی نہ رہا جس پر فخر کا دارومدار ہے اور اسی سے اکابر علماء کی توہین اور تخفیف پیدا ہوتی ہے۔ اللہ تعالیٰ کی پناہ اس گستاخی سے۔ (بشیر القاری، طبع ہندوستان ص ۳۲)

مولوی محمد اسماعیل دہلوی نے تقویۃ الایمان میں ایک جملہ یہ لکھ دیا:

اللہ صاحب کی یہ شان ہے کہ چاہے تو ایک کلمہ کن سے کروڑوں افراد جبرئیل اور محمد کی مثل پیدا کر ڈالے۔

اس پر خاتم الحکماء والمتکلمین علامہ محمد فضل حق خیر آبادی رحمہ اللہ تعالیٰ نے تحقیق الفتوی میں شدید تنقید کی اور اسے سرکار دوعالم، نور مجسم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی بارگاہ میں گستاخی قرار دیا۔ بحث مباحثہ سے دو مسئلے پیدا ہوگئے۔

(۱) کیا اوصاف کاملہ میں نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی نظیر ممکن بالذات ہے یا ممتنع بالذات؟

(۲) اللہ تعالیٰ کے لئے جھوٹ ممکن ہے یا ممتنع؟

فریقین نے متعدد رسائل تحریر کئے، مناظرے ہوئے۔ اگر کوئی غیر مسلم ان مناظروں کو دیکھتا تو کیا تاثر

لیتا؟ یہی نا کہ مسلمان یہ ثابت کرر ہے ہیں کہ ان کا رب جھوٹ بول سکتا ہے اور ان کے نبی کی مثل سینکڑوں ہزاروں لاکھوں نہیں بلکہ کروڑوں افراد ممکن ہیں یہ کیا شان ہے ان کے رب کی اور کیا شان ہے ان کے نبی کی (جل جلالہ وصلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم)

حضرت صدر العلماء مولانا علامہ سید غلام جیلانی میرٹھی رحمہ اللہ تعالیٰ نے بشیر القاری (ص ۲۲۶ تا ۲۲۹) میں پہلے مسئلے کے بارے میں اہل حق کا موقف بڑے اختصار اور مدلل انداز میں بیان کیا ہے، درج سطور میں ان کی تحریر بعینہ نقل کی جاتی ہے؟ البتہ صاحب کشف المبہم کے رد میں ان کی عربی تحریر کا اردو ترجمہ راقم (شرف قادری) نے کر دیا ہے۔

سوال! دریافت طلب امر یہ ہے کہ آپ کے بعد دوسرا خاتم النبیین ممکن ہے یا نہیں بالفاظ دیگر دریافت طلب یہ امر ہے کہ آپ کا مثل ممکن ہے یا نہیں اور جو شخص ممکن مانے اس کا شرعی حکم کیا ہے؟

جواب: ختم نبوت اسلام کا وہ عظیم الشان عقیدہ ہے جس پر ایمان کی صحت موقوف ہے بلکہ مذہب اسلام کی جان کہا جائے تو بیجا نہ ہوگا۔ دشمن اسلام عبداللہ ابن سبا یہودی کے مشن نے جس کا تذکرہ صفحہ ۱۹۶ پر ہم کر آئے ہیں اس عقیدہ کو ٹھیس لگانے کے لئے مختلف تدابیر اختیار کیں چنانچہ بعض مدعیان اسلام کو طمع زر میں پھانس کر ان سے امکان کی بحث چھڑوا دی جس میں بعض ارباب علم بھی لغزش کھا گئے نظر برآں ضروری ہوا کہ اس مسئلہ کو قدرے تفصیل سے تحریر کر دیا جائے تا کہ جملہ ناظرین خصوصاً طلبہ علم دین اہل باطل کے دام فریب سے محفوظ رہیں۔ تحقیق اہل سنت و جماعت کی روشنی میں سرور انبیاء محبوب خدا جناب احمد مجتبیٰ محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کا مثل ممتنع بالذات ہے اس کی تفصیل سے پیشتر دو باتوں کا بیان ضروری ہے اول ممتنع بالذات کی تعریف اس سے فہم جواب میں سہولت ہوگی، اور دوم یہ کہ ممتنع بالذات تحت قدرت نہیں ہوتا۔ اس سے مخالفین کا دام فریب تار تار ہو جائے گا

ممتنع بالذات! وہ مفہوم ہے جس کے مصداق کا وجود عقلا جائز نہ ہو جیسے اجتماع النقیضین اور ارتفاع النقیضین کہ ان میں سے ہر ایک کے مصداق کا وجود و تحقق عقل جائز نہیں رکھتی اور بلا پس وپیش بداہتہً حکم کرتی ہے کہ ان کا مصداق موجود محقق نہیں ہوسکتا۔

ممتنع بالغیر: وہ مفہوم ہے جس کے مصداق کا تحقق عقلاً درست ہو مگر کسی امر خارج کے پیش نظر درست نہ ہو جیسے بر مذہب فلاسفہ عقل اول کا عدم کہ ممتنع بالغیر ہے، عقل اس کا تحقق جائز رکھتی ہے مگر جب یہ لحاظ کریں کہ عقل اول علت تامہ (واجب الوجود) کی معلول ہے تو جائز نہیں رکھتی، کیونکہ جائز وہ ہے جو کسی محال کو مستلزم نہ ہو اور یہ محال کو مستلزم جو عدم واجب الوجود ہے، اسلئے کہ معلول کا عدم علت تامہ کے عدم کو مستلزم ہوتا ہے، پس معلوم ہوا کہ عدم عقل اول میں امتناع فی نفسہ نہیں۔ بلکہ علت تامہ (واجب الوجود) کی معلولیت کی بنا پر آیا۔ اسی لئے

ممتنع بالغیر ہے اور بر مذہب اہل سنت ابو جہل وابولہب کا ایمان ممتنع بالغیر تھا اور وہ غیر اخبار الٰہی ہے؛ جس کے متعلق بعدم ہونے سے امتناع آیا ورنہ فی نفسہ ممکن ہے، اسی واسطے یہ دونوں اس کے ساتھ مکلف تھے۔ ورنہ ممتنع بالذات کے ساتھ تکلیف واقع نہیں کما ھو مقرر فی الاصول۔ آج کل طلبہ بلکہ اساتذہ کی زبانوں پر ممتنع بالذات کی تعریف بایں طور جاری ہے کہ جس چیز کی ذات امتناع کو مقتضی ہو اس کو ممتنع بالذات کہتے ہیں یہ تعریف غلط ہے کیونکہ اس کی ذات متحقق ہی کہاں ہے؟ حتی کہ امتناع کو مقتضی ہو۔ فامعن النظر ولا تکن من المسرعین۔۔

ممتنع بالذات: یا بالفاظ دیگر محال بالذات زیر قدرت نہیں اور ان کے مقدور نہ ہونے سے قادر مطلق جل مجدہ کا عجز لازم نہیں آتا: جیسے کہ مخالفین فریب دیا کرتے ہیں بلکہ محالات کا دائرۂ قدرت سے خارج رہنا عین کمال ہے۔ اگر محالات کو مقدور مانا جائے تو قادر مطلق عزاسمہ کے وجوب ذاتی سے ہاتھ دھو بیٹھنا پڑے گا جس کے نتیجہ میں یہ بات آئے گی کہ قادر مطلق عزاسمہ عالم کا خالق نہیں۔ کیونکہ جب وجوب ذاتی منتفی ہوا تو قادر مطلق عزاسمہ یا تو ممکن ہوگا یا ممتنع ممکن کی شان سے افادہ وجود نہیں تو ممتنع سے بدرجہ اولی کما بین فی الاصول،

دلیل یہ ہے کہ محال اگر مقدور ہو تو دو حال سے خالی نہیں یا تو ہر ہر محال مقدور ہوگا یا بعض محالات مقدور ہوں گے اور بعض نہ ہوں گے۔ دوسری صورت ترجیح بلا مرجح کو مستلزم ہے اور ترجیح بلا مرجح باطل اور جو باطل کو مستلزم ہو وہ خود باطل۔ تو یہ دوسری صورت باطل ہوئی۔ اور پہلی صورت اس لئے باطل کہ جب ہر ہر محال مقدور ہوگا تو محالات میں سے ایک محال قادر مطلق (واجب الوجود) کی فنا بھی ہے تو یہ بھی مقدور ہوگی۔ اور جب اس کی فنا مقدور ہوئی تو وہ واجب بالذات نہ رہا کہ جس کی فنا مقدور ہو وہ ممکن ہوتا ہے نہ واجب بالذات، کیونکہ واجب بالذات وہ موجود ہے جس کی فنا ممکن نہ ہو۔ پس بحمدہ تعالی ثابت ہوا کہ ممتنع بالذات زیر قدرت نہیں۔

سوال: قرآن کریم فرماتا ہے (ان اللہ علی کل شئی قدیر) اللہ تعالی ہر شئی پر قادر ہے، اور ممتنع بالذات بھی ایک شے ہے تو اس پر بھی قادر ہوا، پھر یہ کہنا کس طرح درست؟ کہ ممتنع بالذات پر قادر نہیں۔

جواب: اس مقام پر آیت مذکورہ کو پیش کرنا باطل پرستوں کا فریب اور مغالطہ ہے جس سے بھولے بھالے کم فہم انسانوں کو گمراہ کیا کرتے ہیں۔ آیت سے یہی تو ثابت ہوا کہ اللہ تعالی ہر شے پر قادر ہے، ممتنع بالذات تو شے نہیں وہ تو لاشے ہے اور آیت شے پر قدرت کا اثبات کر رہی ہے نہ کہ لاشے پر اور شے موجود کو کہتے ہیں، اور ممتنع بالذات موجود نہیں، پھر اس پر اثبات قدرت کس طرح ہوگیا۔ شرح عقائد نسفی کے شروع ہی میں ہے۔ (الشئی عندنا ھو الموجود) اہل سنت کے نزدیک شے موجود کو کہتے ہیں۔ ان دو باتوں کو ذہن نشین کر لینے کے بعد جواب کی تقریر سنے۔

جواب کی تقریر

اوصاف دو قسم پر ہیں:

قسم اول: وہ وصف جس کے موصوف کا تعدد عقل جائز رکھتی ہے پھر یہ دوقسم پر ہے ایک وہ جس میں اشتراک واقع ہے اوراس کے موصوف بکثرت متحقق ہیں جیسے بشریت، عربیت، ہاشمیت، نبوت، رسالت وغیرہ اوصاف جو کثیرین میں مشترک ہیں۔ ہجوقسم اوصاف کے اعتبار سے آپ کا مثل متحقق ہے۔

دوسرا: وہ وصف جس میں اشترک واقع نہیں جیسے حضرت عبداللہ وحضرت آمنہ رضی اللہ تعالی عنہما کا پسر ہونا۔ حضرت عائشہ صدیقہ کا شوہر ہونا۔ رحمۃ للعالمین ہونا۔ منزل علیہ القرآن ہونا، جسمانی معراج ہونا وغیرہ اوصاف جو آپ کے ساتھ مخصوص ہیں اوران میں اشترک واقع نہیں ہوا۔ ایسے اوصاف میں آپ کا مثل ممکن ہے مگر واقع نہیں ہوااور نہ ہوگا۔

قسم دوم:

وہ وصف جس کے موصوف کا تعدد عقلاً جائز نہیں جیسے اول مخلوق، اول مومن ہونا۔ بروز قیامت اول شافع ہونا۔ اول مشفع ہونا، خاتم النبیین ہونا۔ ان میں سے ہر وصف کا موصوف ایک ہی ہوسکتا ہے۔ متعدد ہونا ممکن نہیں، کیونکہ اول مخلوق کے معنی ہیں وہ ذات واحد جو تخلیق میں اپنے جمیع ماسواپر سابق ہو۔ اول مومن کے معنی ہیں وہ ذات واحد جو ایمان لانے میں اپنے جمیع ماسواپر سابق ہو۔ اول شافع کے معنی ہیں وہ ذات واحد جو بروز قیامت سفارش کرنے میں اپنے جمیع ماسواپر سابق ہو۔ اول مشفع کے معنی ہیں وہ ذات واحد جو بروز قیامت سفارش مقبول ہونے میں اپنے جمیع ماسواپر سابق ہو۔ خاتم النبیین کے معنی ہیں وہ ذات واحد جو تمام انبیاء سے متاخر ہو۔ چونکہ یہ اوصاف آپ کے لئے ثابت ہیں اور عقل ان کے موصوف کا تعدد جائز نہیں رکھتی، اس لئے ان میں آپ کا مثل ممتنع بالذات ہے۔ علمائے اہل سنت ایسے ہی اوصاف کے اعتبار سے آپ کے مثل کو ممتنع بالذات فرماتے ہیں۔ انہوں نے اوصاف قسم اول میں مثل کے امکان کی نفی نہیں فرمائی۔ نہ ان سے یہ متصور بلکہ کوئی جاہل سے جاہل بھی نہیں کہہ سکتا کہ خودقرآن کریم وصف بشریت میں مثل کا اثبات فرمارہا ہے۔

(قل انما انابشر مثلکم) اوروصف بشریت قسم اول سے ہے۔ اوراس میں مثل کی نفی سے قرآن کا انکار ہوجائے گا جو کفر ہے۔ جب یہ ثابت ہوگیا کے قسم دوم کہ اوصاف مذکورہ میں آپ کا مثل ممتنع بالذات ہے تو اب ہم ان کے حکم شرعی کا تفاوت بیان کرتے ہیں، اوروہ یہ ہے کہ اول چاراوصاف میں مثل کو ممکن اعتقاد کرنے والا گمراہ ہے۔ کیونکہ یہ چاروں اوصاف آپ کے لئے حدیث غیر متواتر سے ثابت ہیں اوران چاروں اوصاف میں مثل کو ممکن اعتقاد کرنے سے حدیث غیر متواتر ظنی کا انکار لازم آئے گا اور حدیث غیر متواتر ظنی کا انکار گمراہی ہے کفر نہیں۔ اور پانچویں وصف (خاتم النبیین) میں مثل کو ممکن اعتقاد کرنے سے قرآن قطعی کا انکار لازم آئے گا۔ اورقرآن قطعی کا انکار کفر ہے۔

اسی واسطے امام علامہ شہاب الدین فضل اللہ بن حسین تورپشتی حنفی اپنی کتاب (المعتمد فی المعتقد) میں

فرماتے ہیں:

وآنکس کہ گوید کہ بعد از وے نبی دیگر بود یا ہست یا خواہد بود وآنکس کہ گوید کہ امکان دارد کہ باشد کافر است ایں است شرط درستی ایمان بخاتم انبیاء محمد مصطفے صلی اللہ علیہ وسلم۔

ترجمہ: اور جو شخص کہے کے آپ کے بعد دوسرا نبی ہوا تھا یا ہے یا ہوگا اور جو شخص کہے کہ ممکن ہے ان میں سے ہر ایک کافر ہے۔ خاتم الانبیاء محمد مصطفے صلی اللہ تعالی علیہ وسلم پر ایمان درست ہونے کی یہ شرط ہے کہ آپ کے بعد دوسرے نبی کے امکان کی نفی کرے اور اس کو ممتنع بالذات مانے کیونکہ ممکن اعتقاد کرنے میں آیت (ولکن رسول اللہ وخاتم النبیین) کا انکار لازم آئے گا جو کفر ہے۔

میں کہتا ہوں: اس مسئلے میں میں علامہ محمد بشیر الدین ابن مولانا محمد کریم الدین عثمانی قنوجی راہ راست سے بھٹک گئے ہیں، انہوں نے مسلم الثبوت کی شرح کشف المبہم عمانی المسلم میں لکھا ہے:

اس جگہ اس شخص کے قول کا باطل ہونا ظاہر ہو جاتا ہے جس نے یہ کہا ہے کہ ہمارے آقا و مولا اور ہمارے نبی محمد مصطفیٰ صلی اللہ تعالی علیہ وسلم کی مثل عقلاً محال ہے، اس شخص نے دلیل میں وہ خبریں پیش کیں جن سے ثابت ہوتا ہے کہ اللہ تعالی آپ کے بعد کوئی نبی پیدا نہیں فرمائے گا۔ اور آپ خاتم النبیین ہیں۔ یہ قول اس لئے باطل ہے کہ ہمارے محمد مصطفیٰ صلی اللہ تعالی علیہ وسلم ممکن ہیں اور ممکن کی مثل ممکن ہوتی ہے، جیسے علماء کے اس قول سے معلوم ہوتا ہے کہ جو شے پر قادر ہو وہ اس کی مثل پر بھی قادر ہے، جیسے شرح مواقف اور علم کلام کی دوسری کتابوں میں ہے، لہذا ضروری ہے کہ آپ کی مثل ممکن ہو اور ممکن علم یا خبر کی بناء پر امکان سے خارج نہیں ہوتا۔ اس مسئلے میں ہمارے زمانے میں اختلاف پیدا ہو گیا ہے اور اس بارے میں متعدد رسائل لکھے گئے ہیں۔ لیکن حق آیا اور باطل مٹ گیا اور باطل کو مٹنا ہی تھا۔

قنوجی صاحب کی تقریر خود غلط اور باطل ہے اس کی دو وجہیں ہیں:

(۱) یہ غلط فہمی اور کج فہمی پر مبنی ہے، کیوں کہ کسی بھی ذمہ دار عالم نے یہ نہیں کہا کہ مثل کا عقلاً ممتنع ہونا ان خبروں کی بناء پر ہے جو اس بات پر دلالت کرتی ہیں کہ اللہ تعالیٰ آپ کے بعد کوئی نبی پیدا نہیں فرمائے گا اور آپ خاتم النبیین ہیں جیسے کہ قنوجی صاحب نے کہا ہے، یہاں تک کہ اس پر یہ اعتراض ہو کہ کسی شے کے معدوم ہونے کی خبر اس شے کو عقلاً ممتنع بنا دیتی ہے، یہ بات کسی بھی عقل مند کے شایان شان نہیں ہے، چہ جائیکہ وہ فضلا کہیں جو ملت بیضاء کے محافظ ہیں۔

بلکہ مثل کے عقلی طور پر ممتنع ہونے کا قول اس امر پر مبنی ہے کہ وصف خاتمیت عقلا متعدد افراد میں شریک ہونے کا احتمال ہی نہیں رکھتا، جیسے کہ ہم نے ابھی بیان کیا ہے۔ کسی شاعر نے کیا خوب کہا ہے؟

وکم من عائب قولا صحیحا　　　وآفتہ من الفہم السقیم

بہت سے لوگ صحیح بات پر اعتراض کر دیتے ہیں، حالانکہ ساری خرابی سوچ کی بنا پر ہوتی ہے۔

(۲) آپ جان چکے ہیں کہ صفت کی پہلی قسم میں مثل ممکن ہے اور صفت کی دوسری قسم میں مثل ممتنع بالذات ہے۔ قنوجی صاحب نے جو کہا ہے کہ ممکن کی مثل ممکن ہے۔ اس سے اگر وہ پہلی قسم مراد لے رہے ہیں تو یہ بات صحیح ہے لیکن ان کے لئے مفید اور اہل حق کے لئے نقصان دہ نہیں ہے۔ کیونکہ اہل حق صفت کی پہلی قسم میں مثل کو ممکن مانتے ہیں، اور اگر صفت کی دوسری قسم مراد ہے تو ان کا یہ قول باطل ہے اور شرح مواقف کے اس حوالہ سے تائید حاصل کرنا بھی درست نہیں ہے کہ جو شے پر قادر ہو وہ اس کی مثل پر بھی قادر ہے، کیوں کہ اس قول میں مثل سے مراد صفت کی پہلی قسم میں مثل ہے، کیوں کہ اگر صفت کی دوسری قسم میں مثل مراد لی جائے تو محال لازم آئے گا، جیسے کہ ہم اس سے پہلے بیان کر چکے ہیں۔

اب آیت مبارکہ کی تلاوت کرنی چاہئے۔

﴿وقل جاء الحق وزهق البا طل ان البا طل كا ن زهو قاً﴾

عربی کے ایک مقولے کا ترجمہ ہے حق اگر چہ کڑوا ہو قبول کرنے کے لائق ہے اور باطل چھوڑ دینے کے قابل ہے اگر چہ موتی ہے۔

سوال: بیہقی نے بروایت ابوالضحی ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے آیت (ومن الا رض مثلهن يتنزل الا مر بينهن) کی تفسیر میں صحیح اسناد کے ساتھ یہ روایت پیش کی ہے:

قا ل سبع ارضين فی كل ارض نبی كنبيكم وآدم كا دمكم ونو ح كنو حكم وابراهيم كا بر اهيمكم وعيسى كعيسا كم۔

جو اس بات پر دلالت کرتی ہے کہ خاتم النبیین صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے بعد ان کا مثل نہ صرف ممکن بلکہ واقع ہے کیوں کہ ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما اپنے زمانے میں اس کا اثبات فرما رہے ہیں پھر مثل کی نفی کس طرح درست ہو سکتی ہے۔

جواب: یہ روایت مفید مدعی نہیں۔

اولاً: اس لئے کہ اگر چہ اس کی سند صحیح ہے جیسا کہ حاکم نے بھی تصحیح کی ہے مگر متن میں شذوذ ہے کہ ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے روایت کرنے میں ابوالضحی متفرد ہیں۔

اسی واسطے خود بیہقی نے (شعب) میں بیان کیا کہ یہ روایت شاذ المتن ہے اور جب بوجہ شذوذ متن روایت ضعیف ٹھہری تو قابل احتجاج ہی نہ رہی۔

علاوہ ازیں اگر صحت تسلیم کر لی جائے تب بھی مفید نہیں کہ مسئلہ از قبیل عقائد ہے جن میں حدیث مشہور بھی معتبر نہیں ہوتی اور یہ از قبیل احاد ہے۔

ثانیاً: اس لئے کہ کلام مطلقاً مثل کی نفی میں نہیں حتی کہ اس کے اثبات میں اس کو پیش کرنا درست ہو

بلکہ کلام مثل خاص کی نفی میں ہے۔ **کما مر** اس کے تحقق پر یہ روایت دلالت نہیں کرتی اور غالبا اس سے مراد وہ منذرین ہیں جو انبیائے بشر کے عہد میں ان کی جانب سے طبقات زیریں میں احکام پہنچاتے تھے۔ روایت میں انبیائے سابقین کا ذکر زمانہ ماضی پر قرینہ ہوسکتا ہے۔ فتاوی حدیثیہ ص ۱۱۹ میں ہے:

صححه الحاكم ايضا ذكر البهيقى فى الشعب انه شاذا لمتن بالمرة قال الحافظ السيوطى وهذا والكلام فى غاية الحسن فانه لا يلزم من صحة الاسناد صحة المتن لاحتمال صحة الاسناد ويكون فى المتن شذوذ او علة تمنع صحة المتن واذا تبين ضعف الحديث اغنى ذالك عن تاويله لان مثل هذا المقام لا تقبل فيه الاحاديث الضعيفة ويمكن ان يؤل على ان المراد بهم النذر الذين كانو يبلغون الجن عن انبياء البشر ولا يعدان يسمى كل منهم باسم النبى الذى بلغ عنه والله اعلم وبعد فيه كلام لايسعه هذا المقام۔

دیو بندی مکتب فکر کی طرف سے ایک اعتراض بڑے طمطراق سے اٹھایا جاتا ہے۔ حضرت مولانا سید غلام جیلانی نے اس کا بڑا مسکت ومعقول اور عملی جواب دیا ہے۔

ان کی طرف سے کہا جا رہا تھا دیکھئے ہم نے کتنی کتابیں تصنیف کیں ہیں اور کتنی شرحیں لکھی ہیں؟ انھوں نے بتادیا کہ آپ نے علم کے ساتھ جہالت وبدعقیدگی کی کتنی اشاعت کی ہے؟ اس کا بار کس کی گردن پر ہوگا؟ علمائے دیوبند دم بخود ہیں اور کوئی جواب نہیں دے سکے۔

درج ذیل سطور میں آپ کا مختصر تذکرہ حیات پیش کیا جاتا ہے۔

صدر العلماء حضرت مولانا سید غلام جیلانی ابن مولوی سید غلام صاحب فخر الدین علامہ سید سخاوت حسین رحمۃ اللہ تعالیٰ گیارہ رمضان المبارک ۱۳۱۸ھ کو ریاست دادوں ضلع علی گڑھ میں پیدا ہوئے، پرائمری اسکول میں چار جماعتیں پڑھنے کے بعد آپ کے چچا مولانا سید غلام قطب الدین برہمچاری نے مدرسہ انجمن اہل سنت مراد آباد جو آج جامعہ نعیمیہ کے نام کے موسوم ہے۔ میں داخل کرادیا حضرت مولانا عبد العزیز فتح پوری سے فصول اکبری اور کافیہ کی تعلیم حاصل کی۔ حضرت صدر الافاضل مولانا سید محمد نعیم الدین مرادآبادی قدس سرہ سے گلستان قدوری اور قال اقول کے ابتدائی اسباق پڑھے۔ صرف ونحو کی طرف ابتدا ہی سے میلان طبع تھا چنانچہ جلد ہی نحو کی مشہور کتاب کافیہ مکمل حفظ کرلی روزانہ صبح حافظوں کی طرح دور کیا کرتے تھے۔

۱۹۲۳ء میں حافظ ملت حضرت مولانا حافظ عبد العزیز اور حضرت مولانا قاضی شمس الدین جونپوری کے ہمراہ حضرت صدر الشریعہ مولانا امجد علی اعظمی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ (مصنف بہار شریعت) سے اکتساف فیض کے لئے اجمیر شریف حاضر ہوئے، امتحان کے بعد شرح جامی کی کلاس میں داخلہ ہوا، دو ماہ بعد مجلس شوریٰ کی طرف سے ایک روپیہ ماہانہ وظیفہ مقرر ہوا، یہ دو مہینہ بڑی کس مپرسی کے دور میں گزرے، ملاحسن کے تحریری امتحان میں ممتحن نے اس قدر تحسین فرمائی کہ مجلس شوریٰ نے چار روپے انعامی وظیفہ مقرر کردیا، مولانا عبد المجید اور مولانا عبد

الحی افغانی سے بھی تعلیم حاصل کی، شرح تہذیب کی منطقی ترکیب مولانا عبداللہ افغانی سے پڑھی، حاشیہ عبدالغفور برشرح جامی اور تکملہ عبدالحکیم سیالکوٹی حضرت مولانا سید امیر اجمیری پنجابی سے پڑھا۔فوقانی کتب اور بہت سے مطبوعہ اور غیر مطبوعہ حواشی حضرت صدرالشریعہ مولانا امجد علی اعظمی سے پڑھے۔

۱۳۵۱ میں حضرت صدرالشریعہ مولانا محمد امجد علی اعظمی اجمیر شریف سے بریلی شریف تشریف لے گئے۔ آپ بھی ان کے ہمراہ چلے گئے اور دارالعلوم منظر اسلام بریلی شریف میں حضرت صدرالشریعہ سے شرح چغمینی، محقق دوانی کے شرح تجرید پر غیر مطبوعہ حواشی جدیدہ وقدیمہ اور شرح اشارات امام رازی وعلامہ طوسی پڑھیں اور ۱۳۵۲ء میں منظر اسلام سے دستار فضیلت حاصل کی۔

تدریس کا آغاز مدرسہ محمدیہ جائس، ضلع رائے بریلی سے کیا، اس کے بعد ایک سال دارالعلوم عظمت نشان کرنال، کچھ عرصہ مدرسہ احسن المدارس قدیم، کانپور میں فرائض تدریس انجام دیتے رہے، ۱۹۳۵ء میں حضرت صدرالافاضل مولانا سید محمد نعیم الدین مرادآبادی کے حکم پر مدرسہ اسلامیہ عربیہ، اندرکوٹ، میرٹھ تشریف لے گئے اور مسند صدارت پر فائز ہوکر بیالیس سال تک بے شمار تشنگان علوم کو فیض یاب فرمایا۔

حضرت شیخ المشائخ شاہ علی حسین اشرفی جیلانی کچھوچھوی قدس سرہ العزیز سے بیعت وخلافت کا شرف حاصل تھا، ۱۳۸۹ھ میں زیارت حرمین شریفین سے مشرف ہوئے۔

تصانیف

اس سے پہلے بشیر القاری، بشیر الناجیہ، البشیر الکامل اور البشیر کا تذکرہ کیا جاچکا ہے، ان کے علاوہ آپ کی مقبول عام تصنیف نظام شریعت ہے، یہ ان مسائل فقہ کا مجموعہ ہے جن کی ہر مرد وزن کو ضرورت ہوتی ہے

تلامذہ

تمام تلامذہ کا احاطہ تو مشکل ہے، چند مشہور تلامذہ کے نام یہ ہیں:

(۱) حافظ ملت مولانا علامہ عبدالعزیز محدث مبارک پوری رحمہ اللہ تعالیٰ
بانی جامعہ اشرفیہ مبارکپور

(۲) علامہ محمد نظام الدین شیخ الحدیث مدرسہ خیریہ سہسرام

(۳) فقیہ اعظم ہند مولانا مفتی محمد شریف الحق امجدی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ
سابق صدر دارالافتاء جامعہ اشرفیہ مبارکپور

(۴) حضرت علامہ مولانا شاہ نورانی چیئرمین سپریم کوٹ جمعیت العلماء پاکستان

(۵) حضرت علامہ مولانا شاہ عارف اللہ قادری سابق خطیب مرکزی جامع مسجد واہ کینٹ

(٦) حضرت علامہ مولانا طیب خان۔شیخ الحدیث منظر حق ٹانڈہ فیض آباد

(۷) حضرت علامہ مولانا محمد شاہ عاشق الرحمٰن صاحب شیخ الحدیث جامعہ حبیبیہ الہٰ آباد

(۸) حضرت علامہ مولانا محمد نعیم اللہ صاحب صدر مدرس منظر اسلام بریلی شریف

(۹) حضرت علامہ شاہ نعیم اشرف سجادہ نشین خانقاہ اشرفیہ جائس

(۱۰) حضرت مولانا انوار احمد نظامی ناظم اعلی دار العلوم غریب نواز الہٰ آباد

(۱۱) حضرت مولانا قاضی عبد الرحیم صاحب مفتی دار الافتاء بریلی شریف

(۱۲) خطیب ایشیا حضرت مولانا علامہ سید شاہ کلیم اشرف جائس

(۱۳) حضرت مولانا چراغ عالم صاحب شیخ الحدیث مدرسہ اجمل العلوم، سنبھل مراد آباد

(۱۴) مولانا علامہ رحمۃ اللہ بل رامپوری، شیخ الحدیث دار العلوم غریب نواز الہٰ آباد

(۱۵) مولانا علامہ محمد حسین بہرائچی، شیخ الحدیث جامعہ حمیدیہ فاروقیہ، جائس

(۱۶) مولانا محمد فاروق صاحب، مدرس دار العلوم منظر اسلام بریلی شریف

(۱۷) حضرت علامہ مفتی قاری احمد حسن اشرفی مفتی دار العلوم حامدیہ اشرفیہ سنبھل، مراد آباد

۲۹ جمادی الاولیٰ ۱۳۹۸ھ/ ۸ مئی ۱۹۷۸ء کو سہ پہر چار بج کر دس منٹ پر دار فانی سے دار البقاء کی طرف رحلت فرما ہوئے۔ رحمۃ اللہ تعالیٰ رحمۃ واسعۃ۔

حضرت صدر العلماء کے حالات۔ حیات وخدمات حضرت صدر الشریعہ مطبوعہ ہندوستان کے ص ۴۲۸ ـ ۴۲۹ ـ ۴۳۲۔ سے لئے گئے ہیں، یہ مقالہ مفتی محمود اختر القادری صاحب کا تحریر کردہ ہے۔ علاوہ ازیں بشیر القاری میں حضرت کے خود نوشتہ حالات بھی پیش نظر رہے، یہی حالات مفتی شفیق احمد شریفی نے تذکرۂ اکابر اہل سنت ج اول میں شامل کردئے ہیں ۱۲ ارشرف قادری۔

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

حضرت صدر العلماء بشیر القاری کے آئینے میں

محقق مسائل جدید حضرت مولانا مفتی محمد نظام الدین صاحب رضوی

صدر مفتی الجامعۃ الاشرفیہ (مبارکپور۔ یو۔ پی)

فقیہ الامت حضرت صدر الشریعہ مولانا امجد علی اعظمی رحمۃ اللہ علیہ کی درسگاہ فیض سے جو شخصیتیں لعل وگہر بن کر اٹھیں اور اپنے علوم وعرفان کی تابانی سے اکناف عالم کو روشن ومنور کردیا ان میں ایک نمایاں شخصیت حضرت صدر العلماء علامہ ومولانا سید غلام جیلانی میرٹھی (صدر المدرسین مدرسہ اسلامی عربی، اندرکوٹ، میرٹھ) رحمۃ اللہ علیہ کی ہے۔

آپ کی تصنیف ''بشیر القاری بشرح صحیح البخاری'' کے مطالعہ سے اندازہ ہوتا ہے کہ آپ کثیر علوم وفنون میں کامل دستگاہ رکھتے تھے۔ یہی وجہ ہے کہ آپ کی اس شرح میں (۱) لغۃ (۲) فقہ اللغۃ (۳) نحو (۴) صرف (۵) معانی (۶) بیان (۷) بدیع (۸) دیوان عرب (۹) قرأت (۱۰) تفسیر (۱۱) اصول تفسیر (۱۲) حدیث (۱۳) اصول حدیث (۱۴) اسماء الرجال (۱۵) فقہ (۱۶) اصول فقہ (۱۷) تصوف (۱۸) کلام (۱۹) رد ومناظرہ (۲۰) سیرت (۲۱) تاریخ (۲۲) منطق وغیرہ علوم وفنون کے جواہر پارے جابجا بکھرے ہوئے نظر آتے ہیں۔ کہیں الفاظ حدیث کی لغوی، صرفی، نحوی تشریح فرماتے ہیں کہیں معانی وبیان وبدیع کے مسائل سے استدلال کی گتھیاں سلجھاتے ہیں، کہیں فقہ کے بحر ذخار میں غوطہ زن ہوکر اس کے درآبدار سے نگاہوں کو خیرہ کرتے ہیں، کہیں صوفیہ صافیہ کی پراسرار دنیا میں پہونچ کر ارشادات رسول کے دقائق وغوامض کو اذہان وقلوب میں جاگزیں فرماتے ہیں کہیں عقائد وکلام اور فقہ وحدیث کے اصولوں کے چشمے لہراتے ہیں، اس لئے سچ یہ ہے کہ حضرت صدر العلماء رحمۃ اللہ علیہ اس کتاب کے آئینے میں ''علوم وفنون کے سمندر'' نظر آتے ہیں، اگر صحت کی ہمنوائی اور فرصت کی رفاقت میں یہ قلم رواں دواں ہوتا تو یہ تمام مطالب آپ کو بتوفیقہ تعالیٰ دلائل کی زنجیروں میں جکڑے ہوئے نظر آتے، پھر بھی جو کچھ ہوسکا، اور جس طور پر بھی بن پڑا اپنے مطالعہ کے چند اقتباسات حضرت علیہ الرحمہ کے احسانات کے شکریہ کے طور پر پیش کرنے کی سعادت حاصل کرتا ہوں، شاید اس غیر مربوط تحریر سے بھی حضرت کی شخصیت کے کچھ گوشے اجاگر ہوں۔

شرح مطالب

فرمودات نبوی کے ایک ایک خدوخال اور ان کے محاسن صوری، معنوی، ظاہری وباطنی کی وضاحت

کے لئے حضرت صدر العلماء رحمۃ اللہ علیہ سب سے پہلے اردو زبان میں ان کا عام فہم سلیس ترجمہ لکھتے ہیں، پھر اس کے لغات کی تشریح، ضرورت ہوئی تو فقہ اللغۃ پر بھی کلام فرماتے ہیں اور اس کی صرفی ونحوی توضیح کے ساتھ معانی، بیان، بدیع کی خوبیوں پر بھی روشنی ڈالتے ہیں پھر شرح مطالب کے ضمن میں مختلف مذاہب فقہ کی بڑی دیانتداری کے ساتھ ترجمانی فرماتے ہوئے ہر ایک کے موقف اور ان کے دلائل شرح وبسط کے ساتھ بیان فرماتے ہیں، ساتھ ہی تمام دلائل کا تنقیدی جائزہ لیتے ہوئے مذہب مختار کی ترجیح بہت نمایاں طور پر ظاہر کر دیتے ہیں، پھر علوم تصوف کے مسلمات کی روشنی میں ارشادات نبوت کے اسرار ودقائق کو واشگاف فرما کر دل کی دنیا کو بھی جلا بخشتے ہیں، ساتھ ہی ان تمام تشریحات پر وارد ہونے والے اشکالات ذکر کر کے ان کے ایسے شافی جواب رقم فرماتے ہیں کہ روح جھوم اٹھتی ہے، ہم سب سے پہلے شرح مطالب کے دو نمونے نذر قارئین کرتے ہیں۔

(۱) شرح حدیث نیت

حدیث پاک ’’انما الاعمال بالنیات‘‘ کی شرح فقہی کے بحث میں سب سے پہلے آپ نے حضرت امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ کے مذہب پر اس کے معانی ونکات بیان فرماتے ہیں، پھر مذہب امام اعظم رحمۃ اللہ علیہ پر اس کی محققانہ شرح ان الفاظ میں رقم فرمائی ہے:

مفہوم حدیث امام اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے نزدیک

’’انما الاعمال بالنیات‘‘ میں ’اعمال‘ پر الف لام برائے استغراق ہے تو اعمال عام ہوا کہ قلب وقالب کے افعال از قبیل اخذ ہوں خواہ از قبیل ترک عبادات ہوں یا عادات سب کے سب اس میں داخل ہیں عبادات پر مقصور نہیں جیسا کہ امام شافعی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا۔ ورنہ استغراق باقی نہ رہیگا۔ بالنیات میں نیات جمع نیت کی ہے اور نیت کے لغوی معنی دل کا پختہ ارادہ اور شرعی معنی ارادۂ طاعت کما سبق، یہاں پر شرعی معنی مراد ہیں لغوی مراد نہیں بچند وجوہ۔

اولاً: اسلئے کہ لغوی معنی مراد لینے پر کلام منصب نبوت کے خلاف ہو جائے گا۔ منصب نبوت شرعی احکام بیان فرمانا ہے اور اس تقدیر پر کلام سے شرعی حکم مفہوم نہ ہوگا کیوں کہ معنی یہ ہونگے کہ اعمال ارادہ قلب کے ساتھ حاصل ہوتے ہیں بغیر ارادہ حاصل نہیں ہوتے۔ ظاہر ہے کہ اس میں کوئی حکم شرعی نہیں نہ دنیوی نہ اخروی کہ صحت وثواب دونوں ارادہ طاعت پر موقوف ہیں۔

ثانیا: اس لئے کہ نصوص میں جب لغوی اور شرعی دونوں معنی کا احتمال ہو تو شرعی معنی کا ارادہ متعین ہوتا ہے خصوصا جب کہ شرعی معنی کے مراد ہونے پر قرینہ بھی ہو اس وقت تو ان کا مراد ہونا متفق علیہ کما بین فی الاصول اور یہاں پر فمن کانت هجرته الی الله ورسوله معنی شرعی کے مراد ہونے پر قرینہ ہے کہ حضرت الی الله ورسوله کے معنی ہی وہ ہجرت ہیں جو اللہ ورسول کے لئے ہو یعنی ارادہ طاعت سے صادر ہو اور یہ انما

الاعمال بالنیات پر متفرع ہے اور متفرع ہونا اسی وقت درست ہوگا جب کہ اس میں نیت سے شرعی معنی ارادہ طاعت مراد ہوں۔

ثالثاً: اس لئے کہ شوافع کے نزدیک بھی اس کلام کے صادق ہونے کے لئے تاویل واجب ہے حالانکہ لغوی معنی مراد ہونے کی تقدیر پر تاویل کی احتیاج نہیں ہوتی کیونکہ اب ان کے نزدیک حدیث کا مفہوم یہ ہوگا کہ اعمال عبادات ارادہ سے موجود ہوتے ہیں بغیر ارادہ موجود نہیں ہوتے۔ ظاہر ہے کہ اس کلام کے صدق میں کوئی شک وشبہ نہیں تو پھر جانب مبتدا میں تقدیر صحۃ یا مقام خبر میں متعلق خاص کی تقدیر بے ضرورت ہے لیکن وہ بایں ہمہ ضرورت کے قائل ہیں۔ پس معلوم ہوا کہ ان کے نزدیک بھی نیات سے شرعی معنی مراد ہیں لغوی معنی مراد نہیں جب ثابت ہوا کہ نیات سے شرعی معنی مراد ہیں تو بحمدہ تعالیٰ اظہر من الشمس ہوگیا کہ یہ کلام متروک الظاہر واجب التاویل ہے، کیوں کہ اب اس کے معنی یہ ہونگے کہ تمام اعمال ارادہ طاعت کے ساتھ موجود ہوتے ہیں بغیر ارادہ طاعت موجود نہیں ہوتے۔ اور یہ معنی صادق نہیں اس لئے کہ ہم سے دن رات بکثرت ایسے اعمال صادر ہوتے رہتے ہیں جن کے صدور کے وقت ارادہ طاعت نہیں ہوتا۔ مثلاً نشست وبرخاست، رفتار وگفتار خواب وبیداری، خورد ونوش، نوشت وخواند، تعلیم وتعلم، وضوو غسل، وغیرہ تمام غیر ممنوع اعمال اگرچہ ارادے سے صادر ہوتے ہیں، افعال اختیاری ہیں، مگر بر وقت صدور بسا اوقات ہمارے قلب میں ارادہ نہیں ہوتا کہ ہم ان افعال کو امر الٰہی کی تعمیل میں یا محبوب خدا ﷺ کی اتباع میں کر رہے ہیں حالانکہ ارادہ طاعت کا مفہوم یہی ہے جب معلوم ہوا کہ یہ معنی صادق نہیں تو کلام کو ان حقیقی معنی پر برقرار رکھنے سے نبوی کلام کا کذب لازم آئیگا جو محال ہے اس لئے کہ وما ینطق عن الھوی ان ھو الا وحی یوحی، ان کی شان ہے۔ لہٰذا واجب ہوا کہ منصب رسالت کے مناسب معنی مجاز پر کلام کو محمول کریں تا کہ نبوی مراد منکشف ہو، چونکہ منصب رسالت شرعی حکم بیان فرمانا ہے اور حکم شرعی دو قسم پر ہے۔ اول دنیوی جیسے صحت۔ دوم اخروی جیسے ثواب۔ اس لئے امام اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا کہ یہاں پر اخروی مراد ہے دنیوی مراد نہیں کلام میں مجاز بالحذف ہے، تقدیر عبارت ہے انما ثواب الاعمال بالنیات۔

اولاً: اس لئے کہ تقدیر صحت مراد ہونے پر لازم کہ وہ ہجرت فاسد اور شرعاً درست ہو جو دنیا یا حصول نکاح کے ارادے سے کی گئی تھی لیکن وہ فاسد نہیں، اس لئے کہ اگر فاسد ہوتی تو اشرف انبیاء محبوب کبریا ﷺ تجدید ھجرت کا حکم فرماتے کہ اس زمانے میں ہجرت فرض تھی، لیکن تجدید ہجرت کا حکم نہیں فرمایا تو معلوم ہوا کہ وہ ہجرت فاسد اور نادرست نہیں ہوئی، پس ثابت ہوا کہ تقدیر صحت مراد نہیں۔ جب دنیوی حکم (صحت) کی نفی ہوگئی تو اخروی حکم (ثواب) ثابت ہوا و ھو المطلوب۔

ثانیاً: اس لئے کہ تقدیر ثواب پر اجماع ہے کہ ثقہ حضرات نے نقل فرمایا لہٰذا وجود اجماع پر صاحب تلویح

کا منع وارد فرمانا درست نہیں کذا فی فواتح الرحموت شرح مسلم الثبوت۔

سوال: یہاں پر تین احتمال ہیں۔ تقدیر صحت اور تقدیر ثواب۔ اور حکم عام کی تقدیر جو صحت اور ثواب دونوں کو شامل ہے۔ اول کے ابطال سے ثانی کا ثبوت نہ ہوگا تا وقتیکہ ثالث کو باطل نہ کیا جائے اور بہتر یہی ہے کہ حکم مقدر مانیں تا کہ دنیوی اور اخروی دونوں کو شامل ہو جائے۔

جواب اول: یہاں پر حکم عام کے دو فرد ہیں۔ اول صحت۔ دوم ثواب۔ جب اول کی نفی ہوگئی تو حکم مقدر ماننے کی صورت میں اس کے ماتحت صرف دوسرا فرد باقی رہیگا تو حکم کا عموم جاتا رہا پس ثابت ہوا کہ اول کے ابطال سے ثالث کا ابطال بھی ہو جاتا ہے، اور جب اول اور ثالث احتمال باطل ہوئے تو ثانی ثابت ہو گیا وھو المطلوب۔

جواب دوم: جب تقدیر ثواب پر اجماع ہوا تو جس طرح تقدیر صحت باطل ہوئی حکم عام کی تقدیر بھی ہو گئی یہاں سے یہ امر بھی واضح ہو گیا کہ احناف سے جن حضرات نے اس حدیث میں لفظ حکم کی تقدیر کو جائز قرار دیا جیسے صدر الشریعۃ صاحب شرح وقایہ انہوں نے حکم سے عام معنی مراد نہیں لئے بلکہ ان کی مراد بھی حکم سے ثواب ہے۔ شرح وقایہ کے کلام سے یہ بات اس قدر روشن ہے کہ اس میں اصلا خفا نہیں۔

(بشیر القاری ص ۴۰، ۴۱)

(۲) صوفیہ صافیہ کی ترجمانی

اب اسی حدیث نیت کی ایک اور عبرت آموز شرح حضرات صوفیہ کرام کے طرز پر ملاحظہ کیجئے، بات طویل ہے لیکن بہت نافع مفید، اس لئے ہم یہاں پوری گفتگو نقل کرتے ہیں۔ آپ رقمطراز ہیں۔

باب التصوف

پیشتر یہ بات واضح ہو چکی ہے کہ لفظ نیت کے لغوی اور شرعی دو معنی ہیں، قلب کا پختہ ارادہ کسی چیز کا بھی ہو لغوی معنی کہلاتا ہے اور طاعت کا ارادہ شرعی معنی۔ ہم اس باب میں لغوی معنی اختیار کر کے نیت کی دو قسم قرار دیتے ہیں۔

(۱) نیت صادق: یعنی کسی کام کو بغرض رضائے الٰہی انجام دینے کا ارادہ۔

(۲) نیت فاسد یعنی رضائے الٰہی کے سوا کسی دنیوی غرض کے لئے کام کرنے کا ارادہ۔

نیت صادق کی منفعت اور فاسد کی مضرت

حدیث زیر بحث کے پہلے انما الاعمال بالنیات سے تو یہ ثابت ہوا کہ اعمال کا اخروی ثواب صدق نیت پر موقوف ہے کہ بغیر اس کے عامل ثواب سے محروم رہیگا، اور دوسرے فقرے انما لامری ما نوی سے فقیر غفرلہ کی تحقیق کے مطابق یہ ظاہر ہوا کہ صدق نیت پر بھی انسان کو مولیٰ تعالیٰ ثواب سے سرفراز فرماتا ہے۔ بلکہ

اعمال کے ثواب، کا نیت صادق پر توقف اور محض نیت صادق پر بدون عمل کے عطائے ثواب۔ یہ دونوں چیزیں نیت صادق کی اہمیت اور عظیم الشان منفعت کی طرف رہنمائی کرنے کے لئے اگر چہ کافی تھیں مگر بنظر افادہ بعض دیگر نبوی ارشادات اور مشائخ عظام کی ہدایات پیش کرتے ہیں جن سے نیت صادق کی کثیر منفعت کے سات ساتھ نیت فاسد کی شدید مضرت کا بھی پتہ چلتا ہے، سرور انبیاء حبیب کبریا ﷺ نے ارشاد فرمایا: لوگ چار قسم کے ہوتے ہیں:

ایک وہ شخص جس کو اللہ تعالیٰ نے علم شریعت اور دنیوی دولت دونوں چیزین عطا فرمائیں۔ تو وہ اپنی دولت کو علم شرعی کے مطابق مصارف خیر میں خرچ کرتا ہے۔

دوسرا شخص اس کو دیکھ کر کہتا ہے کہ اگر اللہ تعالیٰ اس کی طرح مجھ کو بھی علم اور مال مرحمت فرماتا تو میں بھی اس کی طرح مال کو اعمال خیر میں صرف کرتا، پس وہ شخص اور یہ دونوں ثواب میں برابر ہیں۔ اور ایک وہ شخص ہے جس کو دنیوی دولت ملی اور علم دین سے محروم رہا، وہ اپنی لاعلمی کے باعث دولت میں نامشروع طریقہ پر تصرف کرتا ہے، دوسرا شخص دیکھ کر کہتا ہے کہ اگر اللہ تعالیٰ اس کی طرح مجھ کو بھی دولت عطا فرماتا تو میں بھی اس کی طرح خرچ کرتا پس وہ اور یہ دونوں گناہ میں برابر ہیں۔

غزوۂ تبوک میں ارشاد ہوا کہ مدینہ طیبہ میں کچھ لوگ رہ گئے ہیں جو اس سفر کے تمام اعمال میں بلحاظ ثواب ہمارے شریک ہیں، صحابہ نے عرض کیا یا رسول اللہ ثواب میں کیسے شریک ہو گئے حالانکہ ہمارے ساتھ نہیں ہیں۔ فرمایا کچھ مجبوریاں تھیں جنہوں نے ہمارے ساتھ نہ آنے دیا مگر صدق نیت کی بنا پر ثواب میں ہمارے شریک ہو گئے، محبوب عالم ﷺ فرماتے ہیں: جس نے خوشبو کا استعمال نیت صادق سے کیا تو قیامت کے دن اس کی خوشبو مشک کی خوشبو سے بہتر ہوگی۔ اور جس نے نیت فاسد سے خوشبو کا استعمال کیا تو روز قیامت اس کی بد بو مردار سے بدتر ہوگی۔ مالک کونین ﷺ فرماتے ہیں کہ دو مسلمان تلواریں لیکر لڑیں اور ایک دوسرے کو قتل کر دے تو قاتل و مقتول دونوں دوزخ کے مستحق ہیں عرض کیا گیا: یا رسول اللہ قاتل تو قتل کرنے کے سبب دوزخ کا سزاوار ہوگا لیکن مقتول کس لئے؟ فرمایا: مقتول دوزخ کا مستحق اپنی نیت فاسد کی بنا پر ہوا کہ وہ بھی قاتل کے قتل کا ارادہ کر چکا تھا مگر اپنے ارادے میں کامیاب نہ ہو سکا۔

بنی اسرائیل میں ایک شخص بھوک کی حالت میں ریت کے ٹیلوں کے پاس سے گذرا، ٹیلوں کو دیکھ کر دل میں کہنے لگا کہ اگر ان ٹیلوں کے برابر میرے پاس غلہ ہوتا میں رضائے الٰہی حاصل کرنے کی غرض سے سب کا سب لوگوں پر تقسیم کر دیتا، اس عہد کے نبی ﷺ کے پاس وحی آئی کہ اس شخص سے فرما دیجئے کہ اللہ تعالیٰ نے تمہارا صدقہ قبول فرمایا اور تم کو نیت صادق کی بنا پر ان ٹیلوں کی برابر غلہ صدقہ کرنے کا ثواب عطا ہوا۔

(احیاء العلوم شریف)

نظر برآں اولیائے کرام جن کو قدم قدم پر نبوی اتباع گذارنا رہتی ہے بلکہ ان کا کوئی سانس نبوی اتباع سے خالی نہیں جاتا انہوں نے نیت صادق کے بارے میں نبوی ارشاد پر ایسا عمل فرمایا کہ روزمرہ بحالت اطمینان وسکون صادر ہونے والے اقوال وافعال درکنار بحالت خوف وخطر اچانک پیش آجانے والے افعال میں بھی نیت صادق کو فراموش نہ فرماتے تھے۔

چنانچہ ایک مرتبہ روز چہارشنبہ ۲۷ ذی الحجہ ۵۲۹ھ میں حضور غوث اعظم شیخ عبدالقادر جیلانی قدس سرہ السامی بغداد شریف کے قبرستان موسوم بہ شونیزی میں فقہاء اور قراء کی جماعت کے ساتھ تشریف لے گئے اور حضرت شیخ حماد دباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی قبر مبارک پر بہت دیر تک قیام فرمایا یہاں تک کہ دھوپ میں شدت پیدا ہوگئی فقہاء اور قراء آپ کے پیچھے کھڑے تھے فاتحہ خوانی سے فارغ ہوکر جب حضور نے مراجعت فرمائی تو چہرہ انور پر مسرت وشادمانی کے روشن ترین آثار دیکھ کر ساتھیوں میں سے ایک صاحب نے اس غیر معمولی مسرت اور طول قیام کا سبب دریافت کیا ارشاد فرمایا پندرہ شعبان المعظم ۴۹۹ھ بروز جمعہ شیخ حماد رضی اللہ تعالیٰ عنہ اور ان کے مریدین کے ساتھ بغداد سے بایں قصد نکلا کہ ہم سب نماز جامعہ جامع الرصافہ میں ادا کریں، جب ہم قنطرۃ الیھود نامی پل پر پہونچے تو مجھ کو دھکا دیکر شیخ حماد رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے پانی میں گرادیا گرتے وقت میں نے بسم اللہ پڑھ کر غسل جمعہ کی نیت کرلی میں ایک اونی جبہ پہنے ہوئے تھا اور ایک جبہ میرے ہاتھ میں تھا اس کو پانی سے بچانے کے خیال سے ہاتھ کو بلند کردیا وہ لوگ مجھ کو چھوڑ کر چل دیئے میں نے پانی سے نکل کر جبہ کو نچوڑا چلہ کی سردی پڑ رہی تھی۔ اس لئے ان کے اس عمل سے مجھ کو سخت تکلیف پہنچی پھر میں سرعت کے ساتھ چل کر ان سے جاملا۔ شیخ حماد رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے مریدین نے مجھ سے کہنا چاہا تو شیخ نے انہیں جھڑک کر فرمایا کہ میں بغرض آزمائش ان کو تکلیف پہنچاتا ہوں مگر دیکھتا ہوں کہ پہاڑ ہیں جس کو جنبش بھی نہیں ہوتی، پھر حضور غوث اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا میں نے اس وقت شیخ حماد رضی اللہ عنہ کو قبر میں دیکھا نورانی پوشاک پہنے ہوئے ہیں جو موتیوں سے آراستہ ہے اور ان کے سر مبارک پر یاقوتی تاج ہے اور ہاتھوں میں سونے کے کنگن اور پیروں میں سونے کے جوتے ہیں مگر دایاں ہاتھ حرکت نہیں کرتا تو میں نے دریافت کیا کہ یہ کیا بات ہے فرمایا کہ یہ وہی ہاتھ ہے جس سے میں نے آپ کو دھکا دیا تھا اس لئے اللہ تعالیٰ نے معطل کردیا تو آپ معاف فرماتے ہیں میں نے کہا ہاں معاف کیا فرمایا کہ اللہ تعالیٰ سے دعا کیجئے کہ اس کو درست فرمادے چنانچہ میں نے ہاتھ کی درستی کے واسطے دعا شروع کی اور پانچ ہزار اولیاء کرام اپنی اپنی قبروں میں کھڑے ہوکر میری دعا کے مقبول ہونے کے لئے بارگاہ الٰہی میں دعا کرنے لگے۔ تو میں اتنی دیر تک دعا کرتا رہا یہاں تک کہ اللہ تعالیٰ نے میری دعا کو شرف قبول عطا فرمایا اور شیخ کا ہاتھ درست ہوگیا پھر شیخ نے مجھ سے اس ہاتھ کے ساتھ مصافحہ کیا اور بہت مسرور ہوئے ان کے سرور سے مجھ کو بھی غیر معمولی مسرت حاصل ہوئی۔

جب واقعہ کا بغداد شریف میں چرچا ہوا تو شیخ حماد رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے مریدین سے مشائخ وصوفیاء کا ایک گروہ مخلوق کے انبوہ کثیر۔۔کے ساتھ مدرسہ پہونچا تا کہ اس واقعہ کی حقانیت پر دلیل طلب کریں لیکن قادری جلال ہیبت سے اس درجہ مرعوب ہوئے کہ مہر سکوت لگ گئی اور ان مشائخ وصوفیاء میں سے ایک فرد بھی اظہار مدعا پر قادر نہ ہوا بالآخر خود حضور غوث اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے ان کا مدعا بیان کر کے ارشاد فرمایا کہ مشائخ سے جن دو کو آپ چاہیں منتخب کر لیجئے انشاء اللہ تعالیٰ میرا بیان کردہ واقعہ کی ان کی زبان سے تصدیق ہو جائیگی، چنانچہ شیخ یوسف ہمدانی جو اس زمانہ میں بغداد آئے ہوئے تھے اور شیخ عبدالرحمٰن کردی کو جو پہلے سے ہی بغداد میں مقیم تھے سب نے بالاتفاق منتخب کیا اور یہ دونوں حضرات کشف کے ممتاز مقام پر فائز تھے، پھر ان مشائخ وصوفیاء نے عرض کیا کہ ان دونوں حضرات سے تصدیق کرانے کے لئے آپ کو ایک ہفتہ کی مہلت دی جاتی ہے حضور نے ارشاد فرمایا نہیں بلکہ اسی وقت تصدیق کرائی جائیگی آپ حضرات یہاں سے مطمئن ہو کر واپس ہوں ۔اسکے بعد حضور نے سر مبارک نیچے جھکایا اور وہ سب بھی سرنگوں ہو کر بیٹھ گئے اتنے میں مدرسہ کے باہر سے فقہاء کی چیخ و پکار کی آواز آئی اور معلوم ہوا کہ وہی شیخ یوسف ہمدانی برہنہ پا دوڑتے ہوئے آرہے ہیں یہاں تک کہ مدرسہ میں داخل ہو کر جملہ حاضرین کے سامنے فرمانے لگے ابھی اللہ تعالیٰ نے مجھ کو اس بات پر گواہ بنایا ہے کہ شیخ حماد رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا جلدی سے شیخ عبدالقادر کے مدرسے میں جاؤ اور جو مشائخ وصوفیاء وہاں پر اس وقت موجود ہیں ان سب سے کہدو کہ شیخ عبدالقادر نے میرے متعلق جو واقعہ بیان فرمایا ہے وہ حرف بحرف صحیح ہے۔ شیخ یوسف ہمدانی ابھی اپنی بات ختم نہ کرنے پائے تھے کہ شیخ عبدالرحمٰن بھی آگئے اور انہوں نے بھی اسی طرح بیان دیا ۔ان دونوں حضرات کا بیان سننے کے بعد تمام مشائخ وصوفیاء نے اپنے مطالبہ دلیل پر استغفار کرتے ہوئے وہاں سے مراجعت فرمائی۔ (قلائد الجواھر)

ایک عابد زمانہ دراز سے عبادت الٰہی میں مشغول تھا، کچھ لوگوں نے خبر دی کہ فلاں مقام پر ایک درخت ہے جس کی بعض لوگ پرستش کرتے ہیں عابد یہ سنکر غضب ناک ہو گیا اور تبر لیکر چلدیا کہ اس درخت کو کاٹ ڈالے، سامنے سے پیرانہ شکل میں شیطان آکر کہنے لگا کہ حضرت کہاں کا ارادہ فرمایا؟ عابد نے کہا کہ ایک درخت کو قطع کرنے جا رہا ہوں جس کی کچھ لوگ پرستش کرتے ہیں، شیطان نے کہا کہ آپ کو اس سے کیا مطلب، اپنی عبادت ترک کر کے بیہودہ کام میں مصروف ہو گئے، عابد نے کہا: میرے لئے یہ بھی عبادت ہے، شیطان نے کہا میں تو درخت کاٹنے کے واسطے آپ کو نہ جانے دوں گا، یہ کہہ کر آمادہ بجنگ ہو گیا، عابد نے اسکو پکڑ کر زمین پر دے مارا اور سینہ پر سوار ہو گیا شیطان بولا کہ مجھے چھوڑ دیجئے تا کہ آپ سے ایک بات کہوں عابد نے چھوڑ دیا شیطان نے کہا اللہ تعالیٰ نے اس درخت کا قطع کرنا آپ پر فرض نہیں کیا اگر آپ اپنی عبادت میں مشغول رہیں اور اس درخت کو قطع نہ کریں تو آپ پر کوئی گرفت نہ ہوگی زمین پر ذمہ دار ہستیاں انبیاء کرام موجود ہیں اگر اللہ تعالیٰ

کو یہی منظور ہے تو ان کو حکم فرمائیگا، آپ سے کیا تعلق، عابد نے کہا کہ مجھے اس درخت کا قطع کرنا ضروری ہے، شیطان پھر آمادہ پیکار ہوا عابد نے پکڑ کر زمین پر دے مارا اور سینہ پر چڑھ بیٹھا، جب شیطان نے دیکھا کہ مین اپنی طاقت سے اس کو زیر نہ کرسکوں گا اور ہاتھا پائی سے کامیابی حاصل نہ ہوگی تو بولا اچھا میں ایک اور بات پیش کرنا چاہتا ہوں جو میرے اور آپ کے درمیان فیصلہ کن ہوگی اور آپ کے حق میں بہتر اور درخت کاٹنے سے زیادہ نفع بخش، اگر آپ کو مرغوب ہو تو پیش کروں عابد نے کہا کہئے کیا ہے شیطان بولا مجھے چھوڑ دیجئے پھر کہوں گا، عابد نے چھوڑ دیا تو بولا آپ تنگدست ہیں لوگوں پر آپ کا بار ہے عابد نے کہا: ہاں صحیح ہے، بولا: اگر آپ اس ارادے کو ترک فرمائیں تو میں ہر شب آپ کے سرہانے دو اشرفیاں رکھ دیا کروں گا، صبح ہوتے ہی انہیں لے لیا کریں پھر جو جی چاہے کریں، اپنی اور اپنے اہل وعیال کی حوائج میں صرف کیجئے اور اپنے دینی بھائیوں کی مدد فرمایئے محتاجوں کی دستگیری کیجئے، اس میں آپ کے لئے بھی منفعت ہے اور مسلمانوں کے واسطے بھی فلاح اور بہبودی ہے، درخت کاٹنے سے مسلمانوں کو کیا فائدہ پہونچے گا اور پرستش کرنے والوں کا کیا نقصان، وہ پھر دوسرا درخت لگا دیں گے، شیطان کی یہ گفتگو سن کر عابد کامل غور وخوض کے بعد دل ہی دل میں کہنے لگا کہ شیخ نجدی نے سچ کہا کہ میں نبی نہیں ہوں حتی کی مجھ پر اس درخت کا قطع کرنا واجب ہو، نہ اللہ تعالیٰ نے مجھے قطع کرنے پر مامور فرمایا ہے کہ قطع نہ کرنے سے مجرم قرار پاؤں، میرا یہ ارادہ خود بخود تھا اور اس درخت کا باقی رہنا مسلمانوں کے لئے مضرت رساں بھی نہیں اور شیخ نجدی کا مشورہ زیادہ منفعت رساں ہے بالآخر عابد نے شیطان کا مشورہ تسلیم کرلیا اور معاہدہ کر کے اپنی عبادت گاہ پر واپس آیا، پہلی شب میں سوکر اٹھا تو دو اشرفیاں سرہانے پائیں، پھر دوسری شب میں بھی دو اشرفیاں ملیں، تیسری شب اور چوتھی شب میں کچھ نہ ملا، تو غصہ میں بھر گیا اور کلہاڑی لیکر درخت کاٹنے چلدیا اور کہنے لگا کہ دنیا فوت ہوگئی تو آخرت ہاتھ سے کیوں جائے۔

پھر شیطان بصورت شیخ سامنے آیا بولا کہاں کا ارادہ فرمالیا: عابد نے کہا اس درخت کو کاٹنے کو جارہا ہوں، شیطان بولا تو جھوٹا ہے، بخدا اب تجھ کو اتنی قدرت نہیں، عابد نے پہلے کی طرح شیطان کو پکڑ کر زین پر گرانا چاہا، شیطان بولا: اب یہ چیز کوسوں دور ہوگئی۔ ایں خیال ست ومحال ست وجنوں یہ کہہ کر عابد کو پکڑ کر زمین پر پٹخا اور سینہ پر چڑھ بیٹھا اور کہنے لگا کہ اس ارادے سے باز آؤ ورنہ ذبح کردوں گا، عابد نے دیکھا کہ مجھ میں اس کے مقابلہ کی طاقت نہیں تو بولا کہ تو نے مجھ پر قابو پالیا مجھے چھوڑ دے اور یہ بتا کہ پہلی مرتبہ میں تجھ پر کس طرح غالب آیا اور اس مرتبہ تجھ کو غلبہ کیوں کر ہوا؟ شیطان نے کہا کہ پہلی مرتبہ تیری نیت صادق تھی اور تو اللہ کے لئے غضبناک ہوا تھا اس لئے اللہ تعالیٰ نے مجھ کو مسخر فرمادیا اور اس مرتبہ تیری نیت فاسد تھی اور تیرا غضب اپنے نفس کے لئے تھا اس لئے اللہ تعالیٰ نے تجھ کو مغلوب کر کے مجھ کو مسلط فرمایا۔ (قوت القلوب وغیرہ)

قوم بنی اسرائیل کے تین اشخاص جارہے تھے اچانک بارش شروع ہوگئی وہ تینوں پہاڑ کے ایک غار

میں داخل ہو گئے تا کہ بارش سے محفوظ رہیں، پہاڑ سے ایک پتھر گرا جس سے غار کا منہ بند ہو گیا وہ پتھر اس قدر وزنی تھا کہ تینوں اشخاص اپنی پوری طاقت سے اس کو ہٹا نہ سکے جب اس غار سے نکلنے کی کوئی تدبیر کارگر نہ ہوئی تو بالآخر ایک نے دوسرے سے کہا کہ بخدا نجات بغیر صدق نیت کے نہ ملے گی، لہٰذا ہم میں سے ہر شخص اس عمل کے وسیلے سے دعا کرے جس کو نیت صادق سے کیا ہے۔

تو ان میں سے ایک صاحب نے اس طریقے سے دعا کی اے اللہ! میں نے تین صاع (تیرہ سیر دو چھٹانک) چاولوں پر ایک مزدور رکھا تھا۔ جب کام سے فارغ ہوا اور میں نے اجرت پیش کی تو اس نے لینے سے انکار کیا اور چلا گیا، میں نے ان چاولوں کو بو دیا پھر پیداوار سے گائیں اور ان کا چرانے والا خریدا پھر وہ اپنی اجرت طلب کرنے کچھ زمانے کے بعد آیا میں نے کہا کہ یہ گائیں اور چرواہا تمہاری اجرت سے خریدے گئے ہیں ان کو لے جاؤ، اس نے کہا کہ مجھ سے مذاق کرتے ہو میری اجرت تو تین صاع چاول تھی، میں نے کہا اے بندہ خدا یہ تیرا ہی مال ہے تو اس کو لیجا، چنانچہ وہ لے گیا۔ تو اے اللہ تو جانتا ہے کہ میں نے یہ عمل تیری رضا جوئی کے واسطے کیا ہے تو غار کا منہ کھول دے پس پتھر کا کچھ حصہ غار کے منہ سے ہٹ گیا۔

پھر دوسرے صاحب نے بایں طور دعا کی اے اللہ تو جانتا ہے کہ میرے ماں باپ بوڑھے تھے، میں جب شام کو بکریاں چرا کر واپس ہوتا تو پہلے ان کی خدمت میں دودھ پیش کرتا۔ پھر باقی اہل وعیال کو دیتا، ایک مرتبہ مجھے جنگل سے واپسی میں تاخیر ہوگئی۔ میں دودھ لیکر پہنچا تو وہ سو چکے تھے بیدار اس لئے نہیں کیا کہ اب استراحت میں خلل پڑ جائیگا۔ اور یہ بھی گوارہ نہ ہوا کہ بھوکے سوتے رہیں۔ کیونکہ غذا کے ناغہ ہونے سے ضعف میں بیشی ہو جائیگی بچے بھوک کی وجہ سے رو رہے تھے مگر میں نے بچوں کی پرواہ نہ کی اور ان کے بیدار ہونے کا انتظار کرتا رہا یہاں تک کہ صبح ہوگئی اے اللہ میری یہ خدمت اگر تیرے خوف کی بنا پر تھی تو غار کا منہ کھول دے، پس بحکم الٰہی پتھر اتنا ہٹا کہ آسمان نظر آنے لگا۔

پھر تیسرے صاحب نے بایں طریق دعا کی کہ اے اللہ تو جانتا ہے کہ میری ایک چچازاد بہن تھی جس کو میں سب سے زیادہ محبوب رکھتا تھا، میں نے اس کے نفس پر قابو پانا چاہا تو اس نے سو اشرفیاں طلب کیں، چنانچہ کسی طرح سے میں نے وہ اشرفیاں حاصل کر کے جب اس کو دیدیں تو اس نے اپنے نفس پر مجھ قدرت دیدی۔ جب میں قضائے شہوت کے لئے بیٹھا تو اس نے کہا کہ اللہ سے ڈر اور مہر کو ناجائز طریقے پر مت توڑ۔ میں یہ سن کر اٹھ کھڑا ہوا اور وہ اشرفیاں بھی اس کے پاس چھوڑ دیں، اے اللہ تو جانتا ہے کہ میں نے اس زنا کو ترے خوف سے ترک کیا تو غار کا منہ کھول دے چنانچہ غار کا منہ کھل گیا اور وہ تینوں اس سے نکل گئے۔

(بخاری شریف)

حضور غوث اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ مجلس وعظ میں ایثار پر گفتگو فرما رہے تھے۔ ایثار کی تفصیل بیان کرنے

کے بعد آسمان کی طرف نظر اٹھا کر خاموش ہو گئے قدرے توقف کے بعد فرمایا جب تک سو اشرفیاں پیش نہ کی جائیں، وعظ نہ کہیں گے۔ چنانچہ فوراً ہی چالیس آدمی اس مجلس سے اٹھے اور سو سو اشرفیاں لیکر حاضر ہو گئے حضور نے ایک صاحب کی قبول فرمالیں، پھر اپنے خادم ابو الرضا کو بلایا اور وہ اشرفیاں دیکر فرمایا کہ شونیزی قبرستان میں جاؤ وہاں ایک بوڑھا ملے گا جو عود بجا رہا ہے، یہ اشرفیاں اس کو دیدینا اور ہمارے پاس اس کو بلا لانا، ابو الرضا فرماتے ہیں حسب الحکم میں وہاں گیا اور حضور کے ارشاد کے مطابق ایک بوڑھا انسان مجھ کو ملا جو کھڑے کھڑے عود بجا رہا تھا۔ میں نے سلام کر کے وہ اشرفیاں پیش کر دیں۔ انہوں نے ایک چیخ ماری اور بیہوش ہو کر زمین پر گر پڑے کچھ دیر کے بعد جب ہوش میں آئے تو میں نے کہا شیخ عبد القادر آپ کو یاد فرماتے ہیں۔ یہ سن کر وہ میرے ساتھ ہو لئے جب میں ان کو لیکر مجلس میں پہونچا تو حضور نے فرمایا کہ ان کو ممبر پر چڑھا دو۔ وہ اپنے عود کو کاندھے پر رکھے ہوئے منبر پر پہنچ گئے، پھر حضور نے ان سے فرمایا کہ اپنا قصہ بیان کرو۔ انہوں نے عرض کیا کہ حضور میں زمانہ شباب میں عمدہ ترین قوال تھا ہر طبقے کے انسانوں میں کامل مقبولیت حاصل تھی بڑھاپا آیا اور آواز میں دلکشی نہ رہی تو لوگوں کی نظریں بدل گئیں اب کوئی نہیں بلاتا۔ لوگوں کی بے التفاتی دیکھ کر میں نے یہ طے کر لیا کہ اب تک زندوں کو گانا سنایا کرتا تھا اب مردوں کو سنایا کروں گا چنانچہ اپنی اسی قرارداد کے ماتحت بغداد سے نکل کر میں قبرستان پہونچا اور گانا شروع کر دیا کبھی اس قبر کے پاس کبھی اس قبر کے پاس گھومتے گھومتے گاتا رہا یہاں تک کہ ایک قبر کے پاس جا کر بیٹھ گیا دیکھتا کیا ہوں کہ وہ قبر پھٹی اور اس سے ایک آدمی نے سر نکال کر کہا، ارے مردوں کو کب تک سنائیگا جا اور ایک مرتبہ اللہ کے لئے گا جو حی و قیوم ہے، اس نے تیرا سوال پورا فرمادیا، ان کلمات کو سن کر مجھ پر غشی طاری ہوگئی پھر افاقہ ہونے پر میں کھڑے ہو کر جناب باری میں اس طرح عرض کرنے لگا۔

ابیات

(۱) یا رب ما لی عدة یوم اللقا	الا رجا قلبی ونطق لسانی
(۲) قد املك الراجون یبغون المنی	واخیبتا ان عدت بالحرمانی
(۳) ان كان لا یرجوك الا محسن	وبمن یلوذو یستجیر الجانی
(٤) شیبی شنیع یوم عرضی واللقا	فعساك تنقذنی من النیرانی

ابھی مری عرض داشت جناب باری میں ختم نہ ہونے پائی تھی کہ حضور کا خادم یہ سو اشرفیاں لیکر پہونچا اور مجھ کو دے دیں یہ قصہ بیان کر کے قوال نے عود کو توڑ ڈالا اور تائب ہو گیا۔ جب توبہ کی تو باقی انتالیس اشخاص نے بھی اپنی اپنی اشرفیاں اس قوال کو دیدیں حضور غوث اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے حاضرین مجلس کو مخاطب کر کے فرمایا کہ اے فقیرو! مقام غور ہے۔ اس قوال نے لہو ولعب میں نیت صادق کی تو اللہ نے اس کے دامن مراد کو بھر دیا، تو

جو شخص اپنے فقر وغیرہ تمام احوال اور جملہ طاعات وافعال میں نیت صادق سے کام لے اس پر مولیٰ تعالیٰ کا کس قدر عظیم الشان کرم ہوگا لہٰذا تم پر لازم ہے کہ صدق نیت اور صفائی باطن اختیار کرو اگر یہ دونوں نہ ہوتے تو کوئی بشر قرب الٰہی حاصل نہ کر سکتا۔ کیا تم نے حق جل مجدہ کا قرآن کریم میں یہ ارشاد نہیں سنا ﴿واذاقلتم فاعدلوا﴾ یعنی جب بات کرو تو صدق نیت کے ساتھ ہو۔ (قلائد الجواہر)

مذکورہ بالا احادیث وواقعات سے آفتاب نیمروز کی طرح ظاہر ہو گیا کہ نیت صادق کے ساتھ دنیوی اور اخروی دونوں منفعتین وابستہ ہیں اور نیت صادق کو عمل پر مزیت حاصل ہے، لہٰذا اس کے اعمال پر اخروی منفعت کا استحقاق نہیں ہوتا، نظر براں سیدی مولوی معنوی قدس سرہ القوی نے ارشاد فرمایا: مثنوی

سید الاعمال بالنیات گفت نیت خیرے بسے گلہا شگفت

نیت مومن بود بہ از عمل این چنیں فرمود سلطان دول

(فائدہ) سلسلہ بیعت میں داخل ہونے والے مرید پر بالخصوص صدق نیت کا التزام ہر قول وفعل میں واجب ہے کہ بغیر اس کے بیعت کی خصوصی برکات سے محروم رہیگا عام ازیں کے بیعت برکت میں داخل ہو یا بیعت ارادت میں؟ صرف تبرک کے لئے داخل سلسلہ ہو جانے کو بیعت برکت کہتے ہیں۔ آج کل عام بیعتیں یہی ہوتی ہیں اور وہ بھی نیک نیت اشخاص کی، ورنہ بہتوں کی بیعت دنیوی فاسد اغراض کے ماتحت ہوتی ہے وہ خارج از بحث ہے، یہ بیعت برکت بھی بیکار نہیں مفید اور بہت مفید دنیا وآخرت میں کام آنے والی ہے۔ محبوبان خدا کے غلاموں کے دفتر میں نام لکھ جانا اور ان سے سلسلہ متصل ہو جانا فی نفسہ سعادت ہے۔

اولاً: ان کے راہ سلوک طے کرنے والے خاص غلاموں سے اس امر میں مشابہت۔ اور رسول اللہ ﷺ فرماتے ہیں ''من تشبہ بقوم فھو منھم'' ''جو شخص جس قوم سے مشابہت پیدا کرے وہ انہیں میں سے ہے''

سیدنا شیخ الشیوخ شہاب الحق والدین سہروردی رضی اللہ تعالیٰ عنہ عوارف المعارف شریف میں فرماتے ہیں: واعلم ان الخرقة خرقتان خرقة الارادة وخرقة التبرك والاصل الذی قصده المشائخ للمریدین خرقة الارادة للمرید الحقیقی وخرقة التبرك للمتشبه ومن تشبه بقوم فهو منهم۔'

ترجمہ: واضح ہو کہ خرقے دو ہیں۔ خرقہ ارادت اور خرقہ تبرک۔ مشائخ کا مریدوں سے اصلی مطلوب خرقہ ارادت ہے اور خرقہ تبرک اس سے مشابہت رکھتا ہے، تو حقیقی مرید کے لئے خرقہ ارادت ہے اور مشابہت چاہنے والے کے لئے خرقہ تبرک اور جس قسم سے مشابہت چاہے وہ انہیں میں سے ہے۔

ثانیاً: ان غلامان خاص کے ساتھ ایک مسلک میں منسلک ہونا:

بلبل ہمیں کہ قافیہ گل شود بس است

رسول اللہ ﷺ فرماتے ہیں کہ رب تعالیٰ نے ارشاد فرمایا ''ھم القوم لا یشقی بھم جلیسھم''

یعنی وہ ایسے لوگ ہیں جن کے پاس بیٹھنے والا بھی بدبخت نہیں رہتا۔

ثالثاً: محبوبان خدا آیت رحمت ہیں وہ اپنا نام لینے والے کو بشرطیکہ صدق نیت سے لیتا ہو اپنا کر لیتے ہیں اور اس پر نظر رحمت رکھتے ہیں مریدین کی دنیوی اور اخروی فلاح و بہبودی ان کے پیش نظر رہتی ہے۔ بارگاہ الٰہی میں حضوری کے وقت اپنے مریدین کو یاد رکھتے ہیں ان کے لئے طالب مغفرت ہوتے ہیں، حضور پرنور سیدنا غوث اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے عرض کی گئی: اگر کوئی شخص حضور کا نام لیوا ہو اور اس نے نہ حضور کے سنت مبارک پر بیعت کی ہو نہ حضور کا خرقہ پہنا ہو، کیا وہ حضور کے مریدین میں شمار ہوگا فرمایا:

من انتمی الی ویسمی لی قبله الله تعالیٰ وتاب علیه ان کان علی سبیل مکروه وهو من جملة اصحابی وان ربی عز وجل وعد نی ان ید خل اصحابی واهل مذهبی و کل محب لی الجنة۔

ترجمہ: جو اپنے آپ کو میری طرف نسبت کرے اور اپنا نام میرے دفتر میں شامل کرے تو اللہ تعالیٰ اسے قبول فرمائیگا اور اگر وہ کسی ناپسند راہ پر ہو تو اسے توبہ کی توفیق عطا فرمائے گا۔ اور وہ میرے مریدوں کے زمرے میں ہے اور بیشک میرے رب عزوجل نے وعدہ فرمایا ہے کہ میرے مریدوں اور میرے ہم مذہبوں اور میرے چاہنے والوں کو جنت میں داخل فرمائیے گا

ناسخ ومنسوخ پر گہری نظر

حضرت صدر العلماء رحمۃ اللہ علیہ شرح حدیث کے ضمن میں اس امر پر گہری نظر رکھتے ہیں کہ اس بحث میں کوئی امر ناسخ یا منسوخ تو نہیں ہے۔ کیونکہ نسخ کا احکام پر بڑا زبردست اثر پڑتا ہے، حدیث ہرقل کے اخیر میں ایک جملہ "فسجدو اله ورضوا عنه" آیا ہے یعنی راویوں نے ہرقل کو سجدہ کیا اور اس سے راضی ہو گئے۔ اس مقام پر حضرت صدر العلماء رحمۃ اللہ علیہ نے غیر اللہ کے لئے سجدۂ تحیت کے جواز وعدم جواز پر جو بحث فرمائی ہے وہ بڑی معلومات افزا ہے لیکن ہم یہاں ان تفصیلات سے ہٹ کر صرف اس کے ایک گوشے پر اپنی توجہ مرکوز کرتے ہیں۔

غیر اللہ کے لئے سجدۂ تحیت کا جواز قرآن حکیم کے نصوص قطعیہ سے ثابت ہوتا ہے پھر بھی اسے شریعت محمدیہ علی صاحبہا الصلاۃ والتحیۃ میں صرف اخبار احاد کی بنا پر حرام کیوں قرار دیا گیا؟ اس کی توضیح کرتے ہوئے حضرت علیہ الرحمۃ نے پہلے یہ انکشاف فرمایا ہے کہ یہ نصوص ثبوت کے لحاظ سے تو قطعی ہیں مگر سجدۂ تحیت کے جواز پر ان کی دلالت قطعی نہیں، ظنی ہے کیونکہ اسرار قرآنی کے رمز شناس اور اس کے مفاہیم ومعانی کے امین مفسرین کرام کے درمیان اس باب میں شدید اختلاف ہے کہ یہاں "سجدہ" سے مراد اس کا عرفی معنیٰ "ماتھا ٹیکنا" ہے، یا صرف سر جھکا دینا۔ عرفی معنی مراد ہو تو یہ اختلاف ہے کہ سجدہ غیر اللہ کے لئے تھا یا غیر اللہ کی طرف تھا جیسے جہت

کعبہ میں سجدہ کعبہ مقدسہ کے لئے نہیں ہوتا، بلکہ کعبہ مقدسہ کی طرف ہوتا ہے۔ظاہر ہے کہ ایسے اختلافات کے ہو تے ہوئے ان آیات کی دلالت سجدۂ تحیت کے جواز پر قطعی نہیں ہوسکتی، اس لئے اگر سجدۂ تحیت کو حرام قرار دینے والے ارشادات نبوت ظنی ہوں، بلفظ دیگر اخبار آحاد ہوں تو بھی نسخ کے لئے کافی ہوں گے، یہ گفتگو بر سبیل تنزل ہے، ورنہ تحقیق یہ ہے کہ وہ ارشادات نبوت آحاد کے قبیل سے نہیں بلکہ وہ متواتر وقطعی ہیں، اس لئے اگر آیات قر آنیہ کی دلالت جواز کے لئے قطعی بھی تسلیم کرلی جائے تو بھی یہ جواز منسوخ ہی قرار پائے گا۔

مگر آپ کو یہ معلوم کر کے حیرت ہوگی کہ حضرت صدر العلماء رحمۃ اللہ علیہ نے خود ہی اس امر پر زبر دست اشکال قائم کر کے بحث کو شکوک وشبہات کی وادی کی طرف پھیر دیا ہے، یہ وہ موڑ ہے جہاں ایک محقق مخمصہ کا شکار ہوئے بغیر نہیں رہ سکتا لیکن داد دیجئے حضرت کی دقت فکر اور وسعت نظر کو کہ آپ نے یہاں پہونچ کر تحقیق کا وہ جوہر دکھایا ہے کہ شکوک وشبہات کے بادل چھٹ جاتے ہیں اور حق کا چہرۂ زیبا مطلع انوار بن جاتا ہے۔

اب آگے کی بحث آپ خود حضرت صدر العلماء رحمۃ اللہ علیہ کے الفاظ میں مطالعہ کریں۔فرماتے ہیں:

سوال: ان احادیث کو متواتر کہنا درست نہیں، کیونکہ حدیث متواتر کے وجود کا مسئلہ جب زیر بحث آیا تو بعض علماء نے بایں الفاظ مطلقا نفی فرمادی (المتواتر من الاخبار لایوجد) ترجمہ خبر متواتر موجود نہیں۔اور جلیل القدر محدث ابن صلاح کو کافی تفحص کے بعد ایک حدیث متواتر دستیاب ہوسکی چنانچہ فرماتے ہیں کہ صرف حدیث (من كذب على متعمدا فليتبوأ مقعده من النار) کو متواتر کہا جاسکتا ہے، حضرت بحر العلوم لکھنوی قدس سرہ القوی نے اپنی بلیغ جستجو کے بعد فواتح الرحموت شرح مسلم الثبوت میں اس پر صرف دو حدیثوں کا اضافہ کیا، چنانچہ فرماتے ہیں کہ حدیث "ویل للاعقاب من النار" اور حدیث "لانورث ما ترکناه صدقة" بھی متواتر ہیں، تحریم سجدہ تحیت کی احادیث ان وسیع النظر ارباب علم سے مخفی نہ تھیں۔اگر وہ متواتر ہوتیں تو اس مقام پر ضرور شمار کرتے یا ان کے سوا اور علماء پتہ دیتے لیکن کسی نے شمار نہیں کرایا، تو معلوم ہوا کہ متواتر نہیں

جواب: ان حضرات کی گفتگو مطلقا متواتر میں نہیں بلکہ روایتا متواتر میں ہے جس کو لفظا متواتر بھی کہتے ہیں۔اور تفسیر عزیزی کی عبارت مذکورہ میں احادیث متواتر سے مراد روایت متواتر نہیں تھی کہ اعتراض مذکور وارد ہو بلکہ مراد یہ ہے کہ احادیث تحریم قبولاً متواتر ہیں کہ تمام ائمہ نے انہیں مانا ہے اور روایتا متواتر حدیث کی طرح قبولاً متواتر حدیث سے بھی قطعی کا نسخ روا ہے جیسے حدیث (لا وصية لــــوارث) کہ اس سے وصیت والدین واقربین کو منسوخ قرار دیا گیا جو منصوص قرآن تھی، چنانچہ امام اجل بخاری علیہ الرحمۃ کشف الاسرار میں فرماتے ہیں:

هـذا الـحـديث فى قوة المتواتر اذ المتواتر نو عان متواتر ة من حيث الرواية ومتواتر من حيث ظهور الـعـمـل بـه مـن غير نكير فان ظهوره يغنى الناس عن روايته وهو بهذه المثابة فان

العمل ظهر به مع القول من ائمة الفتوى بلا تنازع فيجوز النسخ به ۔

نیز سجدہ تحیت مذکورہ کی حرمت پر اجماع قطعی ہے۔فتاوی عزیزیہ میں فرمایا کہ (اجماع قطعی است برتحریم سجدہ) اجماع اگرچہ ناسخ نہیں ہوتا لیکن دلیل نسخ یقیناً ہے کہ سید عالم ﷺ نے ارشاد فرمایا:

(لا يجتمع امتى على الضلالة)

کشف الاسرار میں ہے:

(الاجماع لا ينعقد البتة بخلاف الكتاب والسنة فلا يتصور ان يكون ناسخا لهما ولو وجد الاجماع بخلافهما لكان ذالك بناء على نص تاخر ثبت عند هم انه نا سخ للكتاب والسنة)

مسلم الثبوت اوراس کی شرح فواتح الرحموت میں ہے:

(الاجماع دليل على النسخ كعمل الصحابى خلاف النص المفسر)

پس معلوم ہوا کہ سجدہ تحیت کا جواز کسی نص قطعی سے منسوخ ہو چکا ہے (بشیر القاری ص ۲۲۱)

اس بحث سے اب یہ اندازہ لگانا مشکل نہ رہا کہ معرفت ناسخ ومنسوخ میں حضرت کا پایۂ علمی بہت بلند ہے کیونکہ نسخ کے بارے میں نقل اقوال آسان ہے مگر اشکال قوی سے دامن بچاتے ہوئے اس کا اثبات بہت مشکل ہے ساتھ ہی اس بحث سے تطبیق اقوال میں بھی حضرت کی عظمت شان کا اندازہ ہوتا ہے۔

فقہی مباحث

بشیر القاری میں جابجا آپ کو فقہی مباحث کے جلوے بھی نظر آئیں گے۔ایسے چند مقامات کی سیر آپ بھی کیجئے۔

سجدۂ تحیت کی ایک دلیل حرمت پر بحث

غیر اللہ کے لئے سجدۂ تحیت کا جواز جن آیات سے ثابت ہوتا ہے ان کی منسوخی کے لئے اخبار متواترہ سے استناد کیا جاتا ہے جس کی ایک جھلک آپ ملاحظہ کر چکے ہیں۔لیکن ایک سوال یہاں یہ پیدا ہوتا ہے کہ سجدۂ تحیت کی حرمت تو خود نص قرآنی سے ہی ثابت ہے تو اس سے استدلال کیوں نہیں کیا گیا حالانکہ یہ بہت مضبوط استدلال ہوتا ہے۔یہ سوال کسی بھی ریسرچ اسکالر کے لئے خلجان کا باعث ہوسکتا تھا اس لئے حضرت صدر العلماء رحمۃ اللہ علیہ نے تحقیق وریسرچ کے اس گوشہ پر خصوصی توجہ فرمائی،اوراس سوال کا ایسا شافی جواب عطا فرمایا جو دل کی گہرائیوں میں اتر جائے،اب پوری بحث انھیں کے الفاظ میں ملاحظہ فرمائیے۔

قرآن کریم سے سجدۂ تحیت کی تحریم

قال ربنا تبارك وتعالىٰ ايامر كم بالكفر بعداذ انتم مسلمون ۔

ترجمہ: کیا نبی تمہیں کفر (سجدۂ تحیت) کا حکم دینگے بعد اس کے کہ تم مسلمان ہو، امام محمد بن محمد حافظ الدین قدس سرہ وجیز میں فرماتے ہیں:

قوله تعالىٰ ۔ مخاطبا للصحابة رضى الله تعالىٰ عنهم ايامر كم بالكفر بعد اذا انتم مسلمون نزلت حين استاذ نوافى السجود له ﷺ ولا يخفى ان الاستيذان لسجود التحية بد لا لة (بعد اذ انتم مسلمون) ومع اعتقاد جواز العبادة لا يكون مسلما فكيف يطلق عليهم وبعد اذ انتم مسلمون)

ترجمہ: اللہ عزوجل نے صحابہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم سے فرمایا کیا نبی تمہیں کفر کا حکم دینگے بعد اس کے کہ تم مسلمان ہو۔ یہ آیت اس وقت اتری جب صحابہ نے رسول اللہ ﷺ کو سجدہ کرنے کی اجازت چاہی اور ظاہر ہے کہ انہوں نے سجدۂ تحت کی درخواست کی تھی اس دلیل سے کہ فرمایا ہے (بعد اس کے کہ تم مسلمان ہو) اور سجدۂ عبادت جائز مان کر مسلمان نہیں رہتا تو یہ کیونکر فرمایا جاتا۔ (بعد اس کے کہ تم مسلمان ہو)

اقول: بعینہ یہی دلیل روشن کر رہی ہے کہ آیت میں کفر سے کفر حقیقی مراد نہیں کیونکہ کفر حقیقی کی درخواست کر کے بھی مسلمان نہیں رہتا اور آیت میں درخواست پیش کرنے والوں کو مسلمان قرار دیا جا رہا ہے۔ پس معلوم ہوا کہ آیت میں کفر سے کفر حقیقی نہیں تو لامحالہ کفر دون کفر) ہوگا جو محاورات شارع میں شائع ہے خصوصا سجدۂ تحیت کہ نہایت درجہ پرستش غیر کے ساتھ مشابہ ہے اس کی صورت بعینہا صورت کفر بلا ادنیٰ تفاوت ہے تو کفر صوری ضرور ہے اسی واسطے نصاب الاحتساب میں فرمایا (ان هذا كفر صورة)

سجدہ صورۃ کفر ہے، اور اکلیل فی استنباط التنزیل میں اس آیت کے تحت فرمایا "ففيه تحريم السجو د لغير الله تعالىٰ"

تو اس آیت کریمہ نے غیر خدا کو (تحیت کا) سجدہ حرام فرمایا پس قرآن کریم نے ثابت فرما دیا کہ سجدۂ تحیت ایسا سخت حرام کہ مشابہ کفر ہے۔ صحابہ کرام نے حضور کو سجدۂ تحیت کی اجازت چاہی اس پر ارشاد ہوا۔ کیا تمہیں کفر کا حکم دیں۔ معلوم ہوا کہ سجدۂ تحیت ایسی قبیح چیز ہے جسے کفر سے تعبیر فرمایا۔ جب خود حضور ﷺ کے لئے سجدۂ تحیت کا یہ حکم ہے پھر اوروں کا کیا ذکر۔

سوال: جب یہ آیت سجدۂ تحیت کی تحریم پر دلالت کرتی ہے تو سجدۂ تحیت کے جواز پر دلالت کرنے والی ہر وہ آیات مذکورہ کا ناسخ اسی کو قرار دینا چاہئے تا کہ قطعی کا ناسخ قطعی ہو جائے۔ قبولا متواتر احادیث کو ناسخ قرار دینے یا اجماع مذکور سے نص ناسخ پر استدلال کرنے کی کیا ضرورت ہے۔

جواب: آیت ہذا کو ناسخ اس لئے قرار نہیں دیا جا سکتا کہ سجدۂ تحیت کی تحریم پر اس کی دلالت ظنی ہے قطعی نہیں۔ اور ہم اس وقت یہ تسلیم کرتے ہوئے گفتگو کر رہے ہیں کہ ہر دو آیات کی دلالت سجدۂ تحیت کے جواز پر قطعی ہے اور قطعی الدلالۃ کا نسخ بغیر قطعی الدلالۃ ناسخ کے نہیں ہو سکتا۔ باقی رہی یہ بات کہ آیت ہذا کی دلالت تحریم

پر ظنی کس لئے ہوئی تو اس کی تفصیل یہ ہے کہ آیت ہذا کی شان نزول میں دو قول قوی ہیں۔

اول: یہ کہ نجران کے نصاری نے کہا کہ ہمیں عیسی (علیہ الصلوۃ والسلام) نے حکم دیا ہے کہ ہم ان کو خدا مانیں، اس پر یہ آیت نازل ہوئی:

ما كان لبشر ان يو تيه الله الكتاب والحكم والنبوة ثم يقول للناس كو نوا عبادا لى من دو ن الله ولكن كو نوا ربانيين بما كنتم تعلمون الكتاب وبما كنتم تدر سون ولا يا مر كم ان تتخذو ا الملئكة والنبين ار با با ايامر كم بالكفر بعد اذانتم مسلمون ۔

ترجمہ: کسی آدمی کو یہ حق نہیں کہ اللہ اسے کتاب اور حکم وپیغمبری دے پھر وہ لوگوں سے کہے کہ اللہ کو چھوڑ کر میرے بندے ہو جاؤ ہاں یہ کہے گا کہ اللہ والے ہو جاؤ اس سبب سے کہ تم کتاب سکھاتے ہو اور اس سبب سے کہ تم درس کرتے ہو اور نہ تمہیں یہ حکم دیگا کہ فرشتوں اور نبیوں کو خدا ٹھہرالو کیا تمہیں کفر کا حکم دیگا بعد اس کے کہ تم مسلمان ہوئے۔

دوم: یہ کہ بعض صحابہ کرام رضی اللہ تعالی عنہم نے حضور ﷺ کو سجدہ کرنے کی درخواست پیش کی اس پر یہ آیت نازل ہوئی کما سبق

جلالین میں ہے: "نزل لما قال نصارى نجران ان عيسىٰ امرهم ان يتخذوه ربا او لما طلب بعض المسلمين السجود له ﷺ برقول اول آیت میں نجران کے نصاری مخاطب ہونگے تو (بعد اذ انتم مسلمون) میں مجاز اختیار کرنا پڑے گا کیونکہ نصاری نجران مسلمان نہ تھے اور معنی یہ لینے ہوں گے ایا مر آباء كم الاولين بالكفر بعد ان كانوامسلمون)

ترجمہ: کیا عیسی تمہارے اگلے باپ داداؤں کو جوان کے زمانے میں دین حق پر تھے کفر کا حکم کرتے بعد اس کے کہ وہ ایمان لاچکے تھے۔ اس تقدیر پر (ایامر کم بالکفر) میں لفظ "کفر" اپنے معنی حقیقی پر رہے گا جو اس مقام پر بقرینہ سباق انبیاء وملائکہ کو خدا ماننا ہیں اور برقول دوم لفظ "کفر" میں تاویل کی احتیاج ہوگی کیونکہ کفر تو سجدہ عبادت ہے اور مسلمانوں نے اس کی اجازت نہیں چاہی تھی۔ اولا اس لئے کہ صحابہ سے متصور نہ تھا، روز اول سے توحید کا آفتاب عالم آشکارا فرما دیا تھا، موافق مخالف ہر شخص جانتا اور گھر گھر میں چرچا تھا کہ ایک اللہ کی عبادت کی طرف بلاتے ہیں اور شرک کے برابر کسی شئی کو دشمن نہیں رکھتے تو کسی صحابی سے عبادت نبی کی درخواست اور وہ بھی خود نبی سے کیونکر متصور تھی، خصوصا یہ سجدہ کی درخواست کرنے والے کون تھے اجلہ صحابہ معاذ ابن جبل قیس ابن سعد سلمان فارسی حتی کہ صدیق اکبر رضی اللہ تعالی عنہم۔

ثانیا: اس لئے کہ حضور اقدس ﷺ نے جواب میں یہی فرمایا کہ ایسا نہ کرو۔ اگر درخواست سجدہ عبادت کے لئے ہوتی تو اس پر اکتفانہ فرماتے بلکہ یہ فرماتے کہ تم عبادت غیر اللہ کی درخواست کر کے کافر ہو گئے۔ تمہاری عورتیں نکاح سے نکل گئیں۔ توبہ کرو دوبارہ اسلام لاؤ، کیونکہ عبادت غیر اللہ کی درخواست کرنا کفر

ہے اور کفر کرنے سے آدمی اسلام سے خارج ہو جاتا ہے اور بیویاں نکاح سے نکل جاتی ہیں اور جب یہ نہیں فرمایا تو معلوم ہوا کہ درخواست سجدۂ عبادت کے لئے تھی۔

ثالثاً: اس لئے کہ اگر دوخواست سجدۂ عبادت کے لئے ہوتی تو سجدہ تحیت کنندگان کو درخواست کرنے کے باوجود مسلمان قرار دینا درست نہ ہوتا کہ وہ بجر دعبادت غیر اللہ کی درخواست کر کے اسلام سے خارج ہو گئے حالانکہ مولی تعالی اسی آیت میں بایں خطاب(بعد اذ انتم مسلمون) ان کو مسلمان بتارہا ہے۔جب ثابت ہوا کہ سجدہ عبادت کی درخواست نہ تھی جو کفر ہے بلکہ سجدہ تحیت کی درخواست کی تھی جو کفر نہیں تو لامحالہ لفظ ''کفر'' میں تاویل کرنا پڑے گی۔ کہ کفر سے کفر صوری مراد ہے اور شک نہیں کہ سجدۂ تحیت کفر صوری ہے کما سبق۔تو اس تاویل کے بعد آیت سے سجدہ تحیت کی تحریم مفہوم ہوگی نظر بر آں آیت کی دلالت اس تحریم پر ظنی ہوئی نہ قطعی اسی واسطے ناسخ قرار نہیں دیا گیا۔

سوال: اس آیت کی دلالت تحریم پر اگر قطعی تسلیم کر لی جائے تب بھی یہ ان دونوں آیات کے لئے ناسخ نہیں ہو سکتی کیونکہ وہ دونوں از قبیل خبر ہیں اور خبر منسوخ ہوتی نہیں اسی طرح مذکورہ بالا احادیث متواترہ کو ناسخ قرار دینا درست نہیں۔

جواب: بیشک خبر منسوخ نہیں ہوتی کیونکہ واقع شدہ امر کا غیر واقع ہونا ممکن نہیں مگر مراد یہ ہے کہ ہر دو آیات مذکورہ سجدہ تحیت کے جواز کو متضمن تھیں احادیث متواترہ مذکورہ نے اس جواز کو منسوخ کر دیا۔اسی طرح آیت مذکورہ اگر تحریم پر قطعی الدلالۃ ہوتی تو اس سے بھی وہ جواز منسوخ ہو جاتا ہے۔ چونکہ یہ آیت تحریم پر قطعی الدلالۃ نہیں نظر براں اس کو ناسخ قرار نہیں دیا گیا۔والتفصیل بما لا مزید علیہ فی الرسالۃ السنیہ المسماۃ بالزبدۃ الزکیۃ فی تحریم سجود التحیۃ لمجدد المائۃ الحاضرۃ امام اھل السنۃ مو لا نا الشاہ احمد رضاخاں قدس سرہ۔ واللہ تعالیٰ اعلم بالصواب والیہ المر جع والماب۔

(بشیر القاری ص ۲۲۲،۲۲۳)

تحریمہ کے لئے لفظ ''اللہ اکبر'' کے وجوب کی دلیل

اس امر پر حنفی شافعی دونوں مذاہب فقہ متفق ہیں کہ نماز شروع ہونے کے لئے تکبیر تحریمہ کہنا فرض ہے مگر وہ تکبیر تحریمہ خاص لفظ ''اللہ اکبر'' ہے۔یا اس کے ساتھ دوسرے الفاظ تعظیم بھی تحریمہ ہو سکتے ہیں۔اس بارے میں اختلاف ہے۔حضرت امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک تحریمہ کے لئے لفظ اللہ اکبر خاص ہے اور یہی لفظ بولنا فرض ہے۔ان کے برخلاف امام اعظم رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک تحریمہ کے لئے یہ لفظ خاص نہیں کوئی دوسرا لفظ بھی جو تعظیم الٰہی پر دلالت کرے، ادائے فرض کے لئے کافی ہوگا جیسے اللہ اکبر وغیرہ۔البتہ خاص لفظ اللہ اکبر کہنا واجب ہے۔اس کے اثبات کے لئے حضرت صدر العلما رحمۃ اللہ علیہ نے لغات عرب اور نحو کے بعض اصولوں کی روشنی

میں جوزبردست استدلال کیا ہے۔ وہ قابل ستائش ہے کاش کہ ابن تیمیہ کو یہ باریکی سوجھ گئی ہوتی تو وہ مذہب حنفی کو طنز وتعریض کا نشانہ بنانے کی جرأت نہ کرتا۔ اب آپ ذہنی طور پر فقہ ونحو کا حسین امتزاج مشاہدہ کرنے کے لئے تیار ہو جائیے اور بشیر القاری کا درج ذیل اقتباس پڑھئے۔ حضرت صدر العلماء رقمطراز ہیں:

(وربك فكبر) فقہائے کرام رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین نے اس آیت کو تکبیر تحریمہ کی فرضیت کے ثبوت میں پیش فرمایا ہے۔ چونکہ طریقہ استدلال تک بعض شارحین کی رسائی نہ ہوسکی اس لئے دبے الفاظ میں علمائے احناف پر اعتراض کر گئے اور ایک بے نتیجہ اشتقاقی بحث کر کے نحاۃ کی بھی تغلیط کی۔ نظر بر آں ہم طریقہ استدلال کی تفصیل بیان کرتے ہیں۔ جس سے بعونہ تعالیٰ تمام شکوک واوہام کافور ہو جائیں گے۔

لغت عرب میں لفظ تکبیر کبھی بمعنی تعظیم اور کبھی اللہ اکبر کہنے کے معنی میں آتا ہے۔ بر تقدیر معنی اول تقدیر استدلال یوں کی جائے گی کہ آیت مذکورہ میں فکبر صیغہ امر بمعنی تعظیم سے ماخوذ ہے لیکن مامور بہ مطلقاً تعظیم نہیں بلکہ وہ تعظیم جو تکبیر تحریمہ کے ضمن میں حاصل ہوتی ہے۔ کیونکہ اس سے تکبیر تحریمہ مراد ہونے پر اہل تفسیر متفق ہیں او راس مراد پر اجماع بھی منعقد ہو چکا ہے۔

مراقی الفلاح اور اسکے حاشیہ طحطاوی صفحہ ۱۱۸ رمیں ہے:

شرطت بالكتاب۔ قال الله تعالیٰ وربك فكبر اجمع المفسرون على ان المراد به تكبيرة الافتتاح و عليه انعقد الاجماع تکبیر تحریمہ صرف اللہ اکبر کو نہیں کہتے بلکہ اس سے مراد وہ ذکر الٰہی ہے جس کے بعد بلا فصل نماز شروع ہو جاتی ہے تو اللہ اکبر اس کا ایک فرد ہوا۔ بدائع جلد اول صفحہ ۱۳۰ رمیں ہے: والذكر الذى تتعقبه الصلوة بلا فصل هو تكبيرة الافتتاح۔ پس آیت سے بطریق مسطور تکبیر تحریمہ بمعنی ذکر مذکور کی فرضیت ثابت ہوئی نہ لفظ اللہ اکبر کی۔ البتہ تکبیر تحریمہ کا اس فرد مخصوص کے ساتھ ادا کرنا واجب ہے۔ امام اعظم ابوحنیفہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ اسی کے قائل ہیں۔ اور یہ وجوب حدیث سے مستفاد ہوتا ہے لہذا تکبیر تحریمہ میں اگر اللہ اکبر نہیں کہا بلکہ اللہ الا کبر یا اللہ الکبیر یا اللہ الرحمٰن وغیرہ الفاظ کہے جو تعظیم خداوندی پر دلالت کرتے ہیں تو فرضیت ادا ہوگئی کہ مامور بہ تکبیر بمعنی تعظیم تھی جو ان الفاظ سے بھی حاصل ہو جاتی ہے۔ ہاں وجوب سے بری الذمہ نہ ہوا کہ وہ مخصوص لفظ سے متعلق تھا۔ چنانچہ امام اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے اس مسلک کی دلیل بیان کرتے ہوئے ہدایہ میں فرمایا: لهما ان التكبير هو التعظيم لغة وهو حاصل ۔ پھر امام ابن الہمام قدس سرہ نے اس دلیل اور حنفی مسلک کی وضاحت فتح القدیر میں اس طرح بیان فرمائی:

قوله ان التكبير اى المذكور فى قوله تعالىٰ و ربك فكبر وقوله عليه الصلوة والسلام و تحريمها التكبير معناه التعظيم وهو ايضاالمذكور فيما روى مالك اول الحديث و هو المراد بتكبير الافتتاح فكان المطلوب بلفظ النص التعظيم و هو اعم من خصوص الله اكبر و غيره ولا اجمال فيه والثابت بالخبر اللفظ المخصوص فيجب العمل به حتى يكره لمن يحسنه تركه كما

قلنا فی القراءۃ مع الفاتحۃ و فی الرکوع و السجود مع التعدیل کذا فی الکافی و ھذا یفید وجوبہ ظاھرا وھو مقتضی المواظبۃ التی لم تقترن بترك فینبغی ان یعول علی ھذا ھ

اور بر تقدیر معنی دوم تقریر استدلال اس طرح کی جائے گی کہ فکبر صیغہ امر تکبیر بمعنی اللہ اکبر گفتن سے مشتق ہے تو اللہ اکبر کہنا مامور بہ ہوا اور امر وجوب کے لئے آتا ہے۔ لہذا اللہ اکبر کہنا واجب قرار پایا۔ چونکہ یہ امر "فکبر" کتاب کا جز ہونے کے باعث قطعی ہے اور امر قطعی کے مامور بہ کو اصطلاح میں فرض کہتے ہیں۔ نظر برآں اللہ اکبر کہنا فرض ہوا اور اللہ اکبر کہنے کی فرضیت اجماعا بجز تحریمہ کہیں نہیں تو ثابت ہوا کہ یہ حکم تحریمہ کے واسطے ہے۔ ورنہ نص معطل ہو جائے گی۔ اس بیان سے ثابت ہوا کہ بروقت تحریمہ خاص لفظ اللہ اکبر کہنا فرض ہے۔

لیکن اجماع منعقد ہو چکا ہے کہ امر "فکبر" کے مامور بہ سے مراد تکبیر تحریمہ ہے تو اللہ اکبر کہنے کی طلب سے مراد تکبیر تحریمہ بجالانا ہوا جو اللہ اکبر کہنے سے عام ہے۔

پس تقریر ہذا سے بھی تکبیر تحریمہ کی فرضیت ثابت ہوئی۔

سوال: یہاں پر تکبیر کو بمعنی اللہ اکبر گفتن قرار دینا درست نہیں۔ اس لئے کہ بایں معنی تکبیر کا اشتقاق جملہ اللہ اکبر سے ہوگا جس کو علمائے صرف قصر سے تعبیر کرتے ہیں۔ اور جن مصادر میں قصر ہوتا ہے وہ متعدی نہیں ہوتے ہیں بلکہ لازم ہوتے ہیں اور یہاں فکبر کا مفعول بہ "ربك" مذکور ہے بدیں وجہ اس کو تکبیر بمعنی اللہ اکبر گفتن سے مشتق قرار دینا درست نہیں۔

جواب: بیشک جن مصادر میں قصر ہوتا ہے وہ لازم ہی ہوتے ہیں لیکن جب ان میں مصدر متعدی کے معنی کی تضمین کرلی جائے تو متعدی ہو جاتے ہیں جیسے تلبیۃ جملہ لبیک گفتن سے مشتق اور لازم ہے مگر معنی اجابت کی تضمین کرنے سے متعدی ہو جاتا ہے۔ چنانچہ اس چیز کے پیش نظر حریری نے اپنے خطبہ میں بایں معنی تلبیۃ کو اس قول میں متعدی استعمال کیا ہے فلبیت دعوتہ تلبیۃ المطیع۔ پس یہاں پر بھی کہا جائے گا کہ تکبیر معنی تعظیم کو متضمن ہے اسی واسطے مفعول بہ کا مقتضی ہو گیا۔

(بشیر القاری ص ۱۴۳/۱۴۴)

تفسیری مباحث

کسی باب کے تحت، یا درمیان حدیث جب قرآن حکیم کی کوئی آیت آجاتی ہے تو حضرت صدر العلما رحمۃ اللہ علیہ کے ذہن وفکر میں چشمہ عرفان تفسیر جوش مارنے لگتا ہے اور آپ کے علم کا دھارا شرح حدیث کی سمت سے تفسیر قرآن کی سمت بہنے لگتا ہے۔ مثال کے طور پر اس کا ایک نمونہ ملاحظہ فرما کر آنکھیں ٹھنڈی کریں۔ ایک حدیث میں سید المفسرین حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالی عنہما سے آیہ کریمہ "لا تحرك بہ لسانك لتعجل

بہ،، کی تفسیر منقول ہے اس کے ذیل میں آپ رقمطراز ہیں:

(فانزل اللہ تعالیٰ لا تحرك به لسانك لتعجل به)

اس کے مانند سورہ طہٰ شریف کی یہ آیت ہے: و لا تعجل بالقرآن من قبل ان يقضى اليك وحيه ترجمہ: اور قرآن میں جلدی نہ کرو جب تک اس کی وحی تمہیں پوری نہ ہو لے۔ اور برقول راجح ان دونوں آیتوں کی شان نزول بھی ایک ہے، جو حدیث زیر بحث میں مذکور ہوئی۔

سوال: اگر دونوں کا مفہوم اور شان نزول متحد تسلیم کرلیا جائے تو زبردست قباحت لازم آئے گی، وہ یہ کہ ان میں سے جب پہلے ایک آیت کا نزول ہوا اور جبریل امین علیہ الصلوٰۃ والتسلیم کے ساتھ ساتھ پڑھنے سے ممانعت کی گئی تو اب دو احتمال ہیں۔ اول: یہ کہ آپ نے اس حکم کی تعمیل کی اور ان کے ساتھ پڑھنا ترک کردیا۔ دوم: یہ کہ تعمیل نہیں کی اور باوجود ممانعت حسب معمول پڑھتے رہے۔ برتقدیر اول احتمال جب آپ نے اس پر عمل کیا اور ان کے ساتھ پڑھنے سے رک گئے تو دوسری آیت کا شان نزول یہ نہ رہا اور نہ دونوں کا مفہوم ایک ہوا کہ جب آپ نے ان کے ساتھ پڑھنا ترک فرمادیا تو پھر ساتھ پڑھنے کی ممانعت کا کیا محل ہے اور برتقدیر احتمال دوم لازم آئے گا کہ اللہ تعالیٰ کے حکم کی تعمیل رسول نہ کریں جو بدیہی البطلان ہے۔ کیونکہ حکم خداوندی کی تعمیل نہ کرنا معصیت ہے اور رسول سے معصیت کا صدور ممکن نہیں کہ رسول معصوم ہوا کرتے ہیں۔

جواب اول: ان آیتوں میں "لا تجعل" اور "لا تحرك" دونوں صیغہ نہی ہیں اور نہی اگرچہ حقیقۃ تحریم کے واسطے ہوا کرتی ہے جیسے امر وجوب کے لئے، لیکن مجازا دوسرے معانی میں بھی مستعمل ہوتی ہے۔ "دعا" کے واسطے، جیسے "لا تزغ قلوبنا بعد اذ هديتنا" ۔ بیان عاقبت، کے واسطے، جیسے "لا تحسبن الله غافلا"۔ یاس، کے واسطے، جیسے "لا تعتذروا اليوم"۔ تحقیر، کے لئے، جیسے "لا تمدن عينيك"۔ التماس، کے لئے، جیسے کوئی اپنے برابر والے سے کہے "لا تفعل كذا"۔ تسویہ، کے لئے جیسے "اصبروا او لا تصبروا"۔ تہدید، کے واسطے، جیسے "لا تاخذالحيّة فانها تلدغ" ۔ ارشاد، کے واسطے، جیسے "لا تسئلوا عن اشياء ان تبد لكم تسؤكم "، اس سے مخاطب کے لئے رہنمائی مقصود ہوتی ہے کہ وہ دنیوی مضرت سے اپنے آپ کو بچائے۔ مخاطب کو اختیار ہے کہ وہ بچے یا نہ بچے اگر نہ بچا تو متکلم کی جانب سے اصلا کسی قسم کا مواخذہ نہیں۔ محبوب خدا ﷺ بروقت نزول وحی حضرت جبریل امین علیہ الصلوٰۃ والتسلیم کے ساتھ ساتھ پڑھتے جاتے تھے، جس سے تکلیف محسوس ہوتی تھی۔ مولیٰ تعالیٰ نے ابتداء سورہ طہٰ شریف کی آیت "ولا تعجل" نازل کرکے اس سے نہی فرمائی۔ لیکن یہ نہی چونکہ ارشادی تھی اور ہمراہ پڑھنے میں اگرچہ مشقت سے دوچار ہونا پڑتا تھا۔ مگر ہمراہ پڑھنے میں حلاوت وحی بھی محسوس ہوتی ہے۔ نظر برآں آپ اپنے معمول پر قائم رہے اور ساتھ پڑھنا ترک نہیں فرمایا، یہاں تک کہ مولیٰ تعالیٰ کو جب محبوب کا اس طرح مشقت برداشت کرنا گوارہ نہ ہوا تو سورہ قیامۃ کی آیت "لا

تحرك" نازل کر کے پھر نہی فرمائی۔ یہ نہی چونکہ تحریم کے واسطے تھی اس لئے آپ نے ساتھ پڑھنا ترک فرمادیا۔ حدیث زیر بحث کے آخر میں ہے کہ اس نہی کے بعد حضرت جبریل امین علیہ الصلوۃ والتسلیم جب وحی لے کر حاضر ہوتے تو آپ خاموشی کے ساتھ سنتے رہتے تھے۔

حاصل جواب یہ ہوا کہ سورہ طہٰ شریف کی آیت نزول میں مقدم اور اس میں نہی ارشاد کے واسطے ہے۔ بخلاف آیت سورہ قیامۃ کہ اس میں نہی تحریم کے لئے اور اس کا نزول موخر ہے۔ اس تقدیر پر سوال میں ذکر کردہ دونوں قباحتوں میں سے کوئی بھی لازم نہیں آئی۔ لیکن کسی کتاب سے اس بات کی تائید دستیاب نہ ہوسکی کہ سورہ طہٰ شریف کی آیت نزول میں مقدم اور اس میں نہی ارشاد کے واسطے ہے۔ فهذا الجواب ان كان صوابا فمن الرحمن و ان كان خطا فمني و من الشيطان اور کتاب الناسخ والمنسوخ میں علامہ ابوعبداللہ محمد بن حزم فرماتے ہیں کہ سورہ اعلیٰ کی آیت "سنقرئك فلا تنسى" ان دونوں آیتوں کے لئے ناسخ ہے۔

جواب دوم: محبوب خدا ﷺ کی خدمت میں جبریل امین علیہ الصلوۃ والتسلیم وحی لے کر حاضر ہوتے اور زبانی طور سے پیش کرنے سے پہلے نبوی جسم کے ساتھ مس ہوکر جب اس کا قلب میں القا شروع کرتے تو آپ اسی وقت عجلت کے ساتھ پڑھنے کا ارادہ فرمادیتے، اس پر اللہ تعالیٰ نے سورہ طہٰ شریف کی آیت "ولا تعجل" سے نہی فرمائی کہ قلب میں القا تمام ہونے سے پیشتر پڑھنے کی جلدی نہ کیجئے۔ یہاں تک کہ جبریل القا تمام کرنے کے بعد زبانی طور پر پیش کریں۔ چنانچہ اس کے بعد بروقت القا آپ خاموش رہتے۔ پھر جب حضرت جبریل زبانی طور پر پیش کرتے تو ان کے ساتھ پڑھتے جاتے جس سے مشقت کا سامنا ہوتا تھا۔ اس لئے مولیٰ تعالیٰ کو گوارہ نہ ہوا اور اس سے سورہ قیامہ کی آیت "و لا تحرك" میں نہی فرمائی۔ اس جواب میں اگرچہ دونوں ہی اپنے حقیقی معنیٰ "تحریم" پر رہتی ہیں لیکن شان نزول کا اتحاد باقی نہیں رہتا۔ یہ جواب عارف باللہ شیخ احمد صاوی قدس سرہ کے اس کلام سے مستفاد ہوتا ہے جو انہوں نے سورہ طہٰ شریف کی آیت مذکورہ کے ماتحت فرمایا ہے۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔

(ان علينا جمعه و قرآنه) عبداللہ بن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما نے "جمعه" کی تفسیر میں فرمایا: جمعه لك صدرك" اکثر روایات میں یہ صیغہ ماضی ہے اور صدرك اس کا فاعل، لیکن یہ اسناد مجازی ہے جیسے "انبت الربيع البقل" میں کہ ظرف کی طرف اسناد ہو رہی ہے۔ فرق اتنا ہے کہ اس میں ظرف زمان کی طرف اور اس میں ظرف مکان کی طرف، اس کی اصل یہ ہے "انبت الله في الربيع البقل" اور اس کی یہ "جمعه الله لك في صدرك" اور ضمیر منصوب کا مرجع قرآن ہے۔ اور بعض روایات میں "جمعه لك صدرك" بصیغہ مصدر آیا ہے اور "صدرك" اس کا فاعل۔ اور بعض میں "جمعه لك في صدرك" بصیغہ مصدر ہے۔ اور "صدر" سے پیشتر "في" کی زیادت۔ یہ روایت اول کی تائید کرتی ہے اور بعض میں "جمعه لك في صدرك" ضمیر مضاف الیہ کا

مرجع اسم جلالت اور ضمیر مجرور کا قرآن اور صدر منصوب ہے اور بعض میں "جمعه له فی صدرك" بزیادت "فی" مآل سب روایتوں کا ایک ہے اور "لك" میں لام برائے تعلیل ہے یا برائے تبیین کما فی فتح الباری۔

سوال: مذکورہ بالا روایات میں سے بعض میں لفظ "لك" ہے اور بعض میں نہیں۔ جن میں ہے ان میں سے بعض میں اگرچہ لفظ "جمع" کی اسناد "صدر" کی جانب ہو رہی ہے مگر حقیقۃ اس کا فاعل اللہ تعالیٰ ہے، کما مر۔ نظر بر آں اگر لام کو برائے تعلیل لیں گے تو فعل الٰہی کا معلل بالغرض ہونا لازم آئے گا جو باطل ہے۔

جواب: لام تعلیل کا مدخول کبھی فعل کے لئے علت مترتبہ ہوتا ہے جیسے "خلق لكم ما فی الارض جمیعا" میں لام برائے تعلیل ہے اور اس کا مدخول "انتفاع" مقدر ہے یعنی "خلق لانتفاعكم، جو زمین اور کائنات زمین کی تخلیق پر مترتب ہوتا ہے، اسی طرح "لك" میں لام کا مدخول "انتفاع" مقدر ہے۔ اور وہ علت مترتبہ ہے جو فعل باری تعالیٰ کے لئے ہوا کرتی ہے۔ لہٰذا فعل الٰہی کا معلل بالغرض ہونا لازم نہ آیا۔ اور کبھی اس کا مدخول علت باعثہ ہوتا ہے جس کو غرض بھی کہتے ہیں جیسے "ضربته للتادیب" میں اس کا فعل باری تعالیٰ کے واسطے ہونا محال ہے۔ سورہ فتح کی تفسیر میں جلالین کے قول "والـلام للعلة الغائية" پر حاشیہ صاوی میں فرمایا: ای وهی المترتبة علی آخر الفعل و لیست علة باعثة لاستحالة الاغراض علی الله تعالیٰ فی الافعال والاحکام۔

اقول: راقم الحروف اس بات کے سمجھنے سے قاصر رہا کہ یہاں پر لام برائے تبیین بھی ہوسکتا ہے۔ کیونکہ لام تبیین کی تین قسم ہیں۔

(۱) وہ کہ مفعول کو فاعل سے ممتاز کرے اور یہ ہمیشہ ظرف لغو ہوا کرتا ہے اور یہ ایسے فعل تعجب اور اسم تفضیل کے بعد واقع ہوتا ہے جو حُب، یا بُغض پر دلالت کریں جیسے "ما احبنی لزید"، مجھے زید کیسا محبوب ہے۔ "ما ابغضنی لزید" مجھے زید کیسا مبغوض ہے۔ اور "زید احب لی" زید مجھے محبوب تر ہے اور "زید ابغض لی" زید مجھے مبغوض تر ہے۔ اس لام کا مدخول مفعول ہوا کرتا ہے۔

(۲) وہ کہ مدخول کی فاعلیت کو بیان کرے جو مفعولیت کے ساتھ ملتبس نہ ہو جیسے "تبا لزید" میں۔

(۳) وہ کہ مدخول کی مفعولیت کو بیان کرے جو فاعلیت کے ساتھ ملتبس نہ ہو، جیسے "سقیا لزید" میں، یہ دونوں لام ظرف مستقر ہو کر مبتدا محذوف "ارادتی" کی خبر ہوا کرتے ہیں۔ (مغنی اللبیب)

اور "لك" کا لام ان تینوں قسموں میں سے کوئی بھی نہیں۔ پھر تبیین کے واسطے کیسے ہوسکتا ہے۔

(وقرآنه) کی تفسیر میں "وتقرأه" فرما کر اس بات کی جانب اشارہ کیا کہ لفظ قرآن آیت میں کتاب الٰہی کا علم نہیں بلکہ مصدر بمعنی قرأت ہے جس کی اضافت مفعول کی طرف ہو رہی ہے۔ یہ آیت "لاتحرک" نہی کی تعلیل ہے، جس کے معنی لفظ "ان" سے مستفاد آتے ہیں۔ اب اس کے حاصل معنی یہ ہوں گے کہ یاد کرنے کی

جلدی میں قرآن کو جبریل کے ساتھ ساتھ نہ پڑھتے جایئے اس لئے کہ اس کو آپ کے سینہ پاک میں محفوظ کر کے زبان مبارک پر جاری کرنا ہمارے ذمہ ہے آپ مشقت کیوں برداشت کرتے ہیں۔

(فاذا قرأنا فاتبع قرانه) عبداللہ بن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما نے "فاتبع" کی تفسیر میں "فاستمع و انصت" فرمایا یہ لفظ اتباع کے معنی موضوع لہ کی تفسیر بالمراد ہے۔ اور مقصود یہ ہے کہ جب ہم بواسطہ جبریل قرآنی وحی کو پڑھیں تو اس وقت آپ خاموشی کے ساتھ کان لگا کر سنیں۔

سوال: تفسیر میں "استمع" باب افتعال سے کیوں اختیار فرمایا "اسمع" مجرد سے کیوں استعمال نہیں کیا۔

جواب: کبھی لفظ کی زیادت معنی کی زیادت پر دلالت کیا کرتی ہے۔ اور یہاں مقصود یہ تھا کہ آپ جبریل کی قرأت کو توجہ کے ساتھ سنیں اسی واسطے تفسیر میں استماع اختیار کیا کہ اس کے معنی ہیں بالقصد سننا۔ بخلاف سماع جو مجرد سے ہے کہ اس کے معنی ہیں "سننا" خواہ بالقصد ہو یا بالقصد نہ ہو۔ اسی واسطے سامع پر آیت سجدہ سننے سے سجدہ واجب ہو جاتا ہے خواہ وہ سننے کا قصد کرے یا نہ کرے۔ اور باب افعال سے "انصت" اور افتعال سے "انتصت" اور مجرد سے "نصت" اگرچہ ہم معنی ہیں مگر اول کو کثیر الاستعمال ہونے کی وجہ سے اختیار فرمایا۔

سوال: انصات کے معنی میں استماع اور سکوت دونوں داخل ہیں، تفسیر کبیر جلد چہارم ص ۳۴۱ میں ہے: الانصات السکوت والاستماع۔ پھر اسی پر اکتفا کیوں نہیں کیا؟

جواب: "فاستمع" کے بعد "انصت" ذکر کرنے میں تخصیص بعد التعمیم ہوئی جس سے استماع کا ذکر مکرر ہو گیا جو اس کی اہمیت پر دلالت کرتا ہے۔

سوال: قرآنی وحی فرشتے کے توسط سے کیوں بھیجی گئی؟

جواب: بایں حکمت کہ اخذ قرآن بالواسطہ امت کے حق میں سنت ہو جائے اور افراد امت اسی سنت کے ماتحت امین اور دیانت دار اصحاب علم سے قرآن کی تحصیل کیا کریں کیونکہ قرآن یا کسی علم کو بالمشافہہ حاصل کرنے میں جو انکشافات حاصل ہوتے ہیں وہ کتاب پر اکتفا کرنے سے میسر نہیں آسکتے۔ اسی واسطے کتاب پر اکتفا کرنے والا فلاح یاب نہیں ہوتا۔

سوال: حدیث زیر بحث اور ترجمۃ الباب میں مطابقت کیوں کر ہوگی؟

جواب: اس طور پر کہ آیت مذکورہ میں قرآن کریم کی کیفیت تلقین و تلقن بیان کی گئی جس پر حدیث زیر بحث مشتمل ہے پس اس حدیث میں قرآن کریم کی صفت کیفیت "تلقین و تلقن" مذکور ہوئی اور حدیث سابق میں موصوف "قرآن کریم" مذکور ہے تو حدیث زیر بحث بایں طور حدیث سابق کے ساتھ مناسب ہوئی کہ وہ موصوف پر مشتمل ہے۔ اور یہ صفت پر اسی واسطے حدیث زیر بحث کو موخر ذکر کیا صفت کا مرتبہ موصوف کے مرتبہ

سے موخر ہوا کرتا ہے۔ پس یہ حدیث سابق حدیث کے ساتھ مناسب، ہوئی اور سابق ترجمۃ الباب کے ساتھ مناسب تھی تو بواسطہ سابق ترجمۃ الباب کے ساتھ مناسب ہوگئی، اس لئے کہ مناسب شئی کا مناسب، شے کا مناسب ہوتا ہے۔

﴿ ثُمَّ اِنَّ عَلَیْنَا بَیَانَہٗ ﴾ ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے بیانہ کی تفسیر بالفاظ مختلف منقول ہوئی ہے۔ چنانچہ ابوعوانہ نے اس روایت میں موسی بن ابی عائشہ سے نقل کر کے "ان تقرأہ" اور کتاب التفاسیر میں اسرائیل نے انہیں سے نقل کر کے کہا "ان نبینه علی لسانك" اور جریر نے بھی ان سے یہی الفاظ نقل کئے صرف اتنا فرق ہے کہ انہوں نے بجائے "علی لسانك" اپنی روایت میں "بلسانك" نقل کیا ہے۔ لیکن یہ دونوں تفسیریں مآلا پہلی تفسیر کے ہم معنی ہیں کیونکہ بظاہر ان سے یہی مفہوم ہوتا ہے کہ "بیان" سے مراد قرآن کریم کا زبان پر جاری فرمادینا ہے جس کا حاصل قرأت ہوا جو تفسیر اول کا مدلول ہے۔

اب واضح ہوگیا کہ ہر سہ تفاسیر اگرچہ مختلف ہیں مگر حاصل سب کا ایک ہی ہے اور وہ یہ کہ بیان قرآن سے مراد لفظاً قرأت قرآن ہے۔ اور فاتیح کی مذکورہ تفسیر "فاستمع و انصت" کو پیش نظر رکھتے ہوئے ترتیب معانی کا اقتضا یہی ہے کہ "بیان" سے قرأت مراد لی جائے نہ کہ بیان معانی جو "بیان" کی تفسیر ثانی ہے۔ ورنہ ترتیب معانی فوت ہوجائے گی۔ جب ثابت ہوا کہ تینوں تفسیروں میں معنوی اختلاف نہیں اور تینوں اسی امر پر دلالت کرتی ہیں کہ "بیان" سے مراد قرأت ہے تو یہ کہنا باطل ہوا کہ حدیث زیر بحث کے راوی سے نقل تفسیر میں وہم واقع ہوا ہے اور وہ یہ کہ "ان تقرأہ" کو "بیانہ" کی تفسیر میں نقل کر گئے حالانکہ وہ "قرانہ" کی تفسیر تھا۔ اور "بیانہ" کی تفسیر یہ نہیں بلکہ اس کی تفسیر "ان نبینه علی لسانك" ہے۔ باطل اس لئے ہوا کہ راوی کی جانب وہم کی نسبت اس وقت ممکن تھی جبکہ ان دونوں تفسیروں میں معنوی اختلاف ہوتا۔ حالانکہ ہم بیان کر چکے ہیں کہ دونوں میں لفظی اختلاف ہے معنوی نہیں، دونوں کا حاصل ایک ہے، پھر نسبت وہم کس طرح درست ہوگی۔

غالباً اس قائل نے کتاب التفسیر میں اسرائیل کی نقل کردہ تفسیر "ان نبینه علی لسانك" کو تبیین معانی پر محمول کیا جو خلاف ظاہر ہے کیونکہ اس حمل میں ضمیر منصوب سے پیشتر تقدیر مضاف "معانی" کی طرف احتیاج ہوگی اور تقدیر خلاف اصل ہے۔ پھر اسی پر بس نہیں بلکہ اس مقصود کی ادائیگی ایک اور تقدیر کی جانب محتاج ہے۔ کیونکہ تبیین معانی زبان پر بغیر وساطت الفاظ ممکن نہیں تو اب تقدیر عبارت یہ ہوگی "ان نبین معانیه علی لسانك بالالفاظ" بخلاف اس صورت کے جبکہ اس تفسیر کو ظاہر پر چھوڑ کر تفسیر اول کے ہم معنی قرار دیا جائے کہ اس میں کسی تقدیر کی طرف احتیاج نہیں ہوتی اور فاتیح کی تفسیر مذکورہ سے بھی مناسبت باقی رہتی ہے۔ جس کو ہم اوپر بیان کر چکے ہیں۔ و بما قررنا ظهر بطلان ما فی فیض الباری ص ۳۵ من انه قال "قد وقع ههنا سوء ترتیب من الراوی فذکر "ان تقراه" فی تفسیر "بیانه" و هو وهم منه لا نه تسسیر لقوله و قرآنه لا

لقوله بیانه فنقل تفسیر هذا الی هذا و یشهد له ما اخرجه البخاری فی التفسیر ج ۲/ ص ۳٤/ متنا وسندا وفیه قرانه ای ان تقرأه و بیانه ای ان نبینه علی لسانك و هذا واضح فی المراد فلا تلتفت الی التاویلات اه

اقول: وذلك لانتفاء التغایر بین التفسیرین معنی کما فصلناه فی الشرح و الاستشهادبروایة اسرائیل لا یثبت ما ادعاه من سوء الترتیب کما لا یخفی علی الناظر اللبیب بل هو بظاهرها بمعنی التسلیم و هو مضاف الی المفعول و هو القرآن وتبیین القرآن علی اللسان عبارة عن اجرائه علیه و هو المعنی بالقرأة فرجعت هاتان الروایتان الی معنی واحد و هو خلاف ما تصدی له هذا القائل.

اور بعض مفسرین نے "بیان" کی تفسیر تبیین معانی کے ساتھ فرمائی، اس تقدیر پر "فاتبع" قرآن کی تفسیر "فاستمع و انصت" نہ ہوگی۔ بلکہ "فاتبع قرانه بقرائتك" ہوگی جس کا مطلب یہ ہوا کہ جب جبریل وحی کی قرأت کریں تو قرأت میں ان کی اتباع کیجئے۔ بایں طور کہ آپ کی قرأت ان کی قرأت کی تابع ہو ساتھ ساتھ نہ ہو۔ اس تفسیر کے پیش نظر آیت زیر بحث سے علماء کرام نے اصولی مسئلہ پر استدلال فرمایا وہ یہ کہ وقت خطاب سے تاخیر بیان جائز ہے یا نہیں۔ علمائے اہلسنت کی اکثریت جواز کی طرف گئی اور آیت زیر بحث کو دلیل قرار دیا جس میں لفظ "ثم" واقع ہے جو اپنے مابعد کی تراخی پر دلالت کرتا ہے۔

نظر برآں آیت زیر بحث سے یہ بات صاف طور پر ثابت ہوئی کہ وقت خطاب سے تاخیر بیان جائز ہے۔ البتہ وقت حاجت سے تاخیر بیان سب کے نزدیک درست نہیں۔ اصول فقہ میں اس کی تفصیل مذکور ہے۔

سوال: علمائے اصول تصریح فرماتے ہیں کہ لفظ "علی" وجوب کے لئے آتا ہے، اور وہ ان آیات میں دو جگہ مذکور ہے۔

(۱) ان علینا جمعہ وقرانہ۔ اور (۲) ثم ان علینا بیانه

میں تو کیا نبوی سینہ میں قرآن کو محفوظ کر کے زبان پر جاری کرنا اور قرآن کی باریکیوں کو حضور پرنور پر ظاہر کرنا اللہ تعالیٰ پر واجب ہے؟

جواب: واجب دو معنی پر بولا جاتا ہے اور دونوں معنی کے اعتبار سے اللہ تعالیٰ پر کوئی چیز واجب نہیں۔

(۱) اس فعل کو کہتے ہیں جس کا تارک مستحق عقوبت ہو۔ بایں معنی کوئی چیز اس لئے واجب نہیں ہو سکتی کہ اس پر کوئی حاکم نہیں جو عقاب کر سکے وہ خود سب پر حاکم ہے۔

(۲) اس فعل کو کہتے ہیں جس کا صدور لازم ہو۔ بایں معنی اس لئے واجب نہیں کہ وہ فاعل مختار ہے۔ فاعل بالایجاب نہیں۔ ہاں 'علی' یہاں پر وجوب بمعنی ضرورت کے لئے ہے اور یہ ضرورت بر بنائے وعدہ ہے او

راس کے وعدہ میں تخلف نہیں ہوتا اس لئے وہ ایسا ضرور فرمائے گا۔

ربط آیات:

حدیث زیر بحث میں مذکورہ آیات کو اپنے ماقبل سے بظاہر مناسبت نہیں کیونکہ ماقبل میں احوال قیامت کا ذکر ہے اور ان میں قرآن کریم کی کیفیت تلقین وتلقن بیان کی گئی ہے۔ اسی واسطے روافض نے کہا کہ یہ قرآن تغیر وتبدل سے محفوظ نہیں اگر موجودہ ترتیب منجانب اللہ ہوتی تو ان آیات اور ان کے ماقبل میں مناسبت کا فقدان نہ ہوتا۔ لیکن روافض کا یہ قول ان کے دیگر اقوال کی طرح ظاہر البطلان ہے۔

اولا: اس لئے کہ خود قرآن کریم کے معارض ہے، مولیٰ تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے: انا نحن نزلنا الذکر و انا له لحافظون۔

ترجمہ: بیشک ہم نے اتارا ہے یہ قرآن اور بیشک ہم خود اس کے نگہبان ہیں۔

کہ تحریف وتبدیل اور زیادتی وکمی سے اس کی حفاظت فرماتے ہیں۔ تمام جن وانس اور ساری خلق کے مقدور میں نہیں ہے کہ اس میں ایک حرف کی کمی بیشی کرے یا تغیر وتبدل کر سکے۔ چونکہ اللہ تعالیٰ نے قرآن کی حفاظت کا وعدہ فرمایا اس لئے یہ خصوصیت صرف قرآن کریم ہی کی ہے۔ دوسری کسی کتاب کو یہ بات میسر نہیں۔

ثانیا: اس لئے کہ آیات کی باہمی مناسبت کا انکشاف تاریک قلوب پر نہیں ہوتا۔ اس کے لئے قلب کی پاکیزگی درکار ہے۔

جمال شاہد قرآں نقاب آں گاہ بکشاید کہ دار الملک ایماں را بیابید خالی از غوغا

علمائے اہلسنت جن کو مولیٰ تعالیٰ نے طہارت قلب سے سرفراز فرمایا، انہوں نے مناسبت کی متعدد وجوہ بیان فرمائی ہیں۔ جن میں سے بعض کو تفسیر کبیر میں بیان فرمایا ہے۔ ہم یہاں پر بقصد اختصار ایک وجہ پر اکتفا کرتے ہیں۔ وہ یہ کہ آیات الٰہی سے اعراض اور آیات الٰہی کی جانب مبادرت دونوں میں تقابل ہے اور تقابل وجوہ مناسبت میں معدود، سابقہ آیات اعراض کو متضمن ہیں کیونکہ ان میں ایسے انسان کافر کا ذکر ہے جو آیات الٰہی میں سے قیامت اور حشر ونشر کا منکر اور قرآن سے اعراض کرنے والا ہے اور ان آیات میں کامل انسان جان ایمان اپنے محبوب کا ذکر فرمایا ہے جو آیات الٰہی میں سے قرآن کی جانب بروقت نزول مبادرت فرماتے تھے۔

رباعی:

اللہ کی سر تابقدم شان ہیں یہ ان سا نہیں انسان وہ انسان ہیں یہ
قرآن تو ایمان بتاتا ہے انہیں ایمان یہ کہتا ہے کہ میری جان ہیں یہ

واللہ تعالیٰ اعلم (بشیر القاری ص ۱۶۳ تا ص ۱۶۷)

ہم نے ایک پوری بحث من وعن پیش کردی تا کہ فن تفسیر میں آپ کی مہارت کا بخوبی اندازہ ہو سکے۔

شرح حدیث میں نکتہ آفرینی

شرح الفاظ حدیث کے ضمن میں حضرت صدر العلماء رحمۃ اللہ علیہ نے اکثر مقامات پر شاندار نکتہ آفرینی بھی کی ہے، ایک دو نمونے اس کے بھی پیش ہیں:

☆ حضرت سفیان بن حرب سے بادشاہ روم ہرقل کے درمیان بیت المقدس میں حضور سید عالم جناب محمد رسول اللہ ﷺ کے بارے میں ایک طویل مکالمہ ہوا تھا جس کی تفصیل حدیث بخاری میں مذکور ہے۔ اسی مکالمے کے دوران ہرقل نے حضرت ابوسفیان بن حرب سے ایک سوال یہ کیا تھا: فھل کنتم تتھمونہ بالکذب۔ یعنی کیا تم لوگ ان پر ان کے دعوی نبوت سے پیشتر جھوٹ بولنے کی تہمت رکھتے تھے؟ اس سوال کے الفاظ کی خوبی آپ سوال وجواب کے انداز میں یوں بیان کرتے ہیں:

سوال: ہرقل نے سوال میں نفس کذب سے تہمت بکذب کی جانب عدول کیوں کیا، یعنی یہ سوال کیا کہ تمہارے نزدیک ان پر کذب کی تہمت ہے یا نہیں؟ اور یہ سوال نہیں کیا کہ وہ جھوٹ بولتے ہیں یا نہیں؟
(بشیر القاری ص ۱۹۱)

اب انہیں کے الفاظ میں اس کا جواب بھی سنئے، وہ فرماتے ہیں:

جواب: چونکہ ہرقل کو پہلے سے آپ کی نبوت کا علم ہو چکا تھا۔ نظر برآں اس نے چاہا کہ ان لوگوں کو آپ کے صدق پر جمادے کیونکہ نبی سچ ہی بولا کرتے ہیں، ان سے کذب کا صدور ممکن نہیں۔ اسی واسطے نفس کذب کے متعلق سوال نہیں کیا، ہاں یہ ممکن ہے کہ لوگ اپنی ذاتی اغراض کی بنا پر نبی کو کذب کے ساتھ متہم کریں، اس لئے تہمت کذب کے بارے میں سوال کیا۔

نیز اس عدول میں قصر مسافت بھی ہے کہ تہمت مسبب ہے اور کذب سبب۔ اور انتفائے مسبب انتفائے کذب کے واسطے مستلزم ہوتا ہے تو تہمت کی نفی سے کذب کی نفی بھی ہوگئی۔ بخلاف کذب کے کہ اس کی نفی سے تہمت کی نفی نہیں ہوتی کیونکہ انتفائے سبب انتفائے مسبب پر دلالت نہیں کرتا۔
(بشیر القاری ص ۱۹۱)

☆ اسی حدیث میں یہ بھی ہے کہ ہرقل نے پوچھا تھا فھل قاتلتموہ ؟ کیا تم نے ان سے جنگ کی ہے؟ اس کی خوبی آپ نے ان الفاظ میں بیان فرمائی:

''ہرقل نے سوال میں "قاتلتموہ" کہہ کر ابتدائے قتال کو ابوسفیان اور ان کے رفقاء کی طرف منسوب کیا تا کہ معلوم ہو کہ نبی اپنی قوم سے قتال میں ابتدا نہیں فرماتے۔ اور اگر سوال میں "قاتلکم" کہا جاتا تو لفظا ابتدائے قتال کی نسبت نبی کی طرف ہوتی جو اس کے علم کے خلاف تھی اسی نکتہ کے پیش نظر اول تعبیر کو ثانی پر اختیار کیا'' (بشیر القاری ص ۱۹۴)

☆ ہرقل کے پاس حضور سید عالم ﷺ نے جو فرمان نامہ بھیجا تھا اس میں بسم اللہ کے بعد "من محمد بن عبد الله و رسوله" تحریر تھا۔ اس کے بارے میں صدر العلماء رحمۃ اللہ علیہ رقمطراز ہیں:

"سید عالم ﷺ نے تسمیہ کے بعد دعوت نامہ کی ابتدا اپنے نام پاک سے فرمائی اور اس کے ساتھ منصب رسالت کا اظہار بھی فرمایا، لہذا ثابت ہوا کہ تسمیہ کے بعد بھیجنے والے کا اپنے نام سے خط کی ابتدا کرنا اور اپنے منصب کا اظہار مسنون ہے۔ اسی واسطے فقیر راقم الحروف دستخط میں اپنے نام کے ساتھ "صدر المدرسین" تحریر کرتا ہے اور اس میں ذکر نعمت بھی حاصل، جواز قبیل شکر ہے" (بشیر القاری ص ۲۰۷)

اصول فقہ کی ایک ضمنی بحث

بشیر القاری میں کثیر مقامات پر علم اصول فقہ کے مسلمات سے بھی مدد لی گئی ہے اس کی ایک جھلک سرسری طور پر آپ بھی دیکھیں، حدیث ہرقل پر لفظ "ان یکذبوا" پر بحث کے ضمن میں ایک اصولی بحث آگئی ہے جو انہیں کے الفاظ میں یہ ہے:

"تمام افعال حسنہ کا حسن بھی شرعی نہیں عقلی ہے۔

دلیل اول:

اگر افعال کا حسن وقبح شرعی ہو تو ترجیح بلا مرجح لازم آئے گی، کیونکہ بعثت رسل سے پیشتر نماز اور زنا دونوں فعل متساوی تھے نہ کوئی حسن نہ کوئی قبیح۔ پھر بعد بعثت نماز کو واجب اور زنا کو حرام قرار دیا گیا، یہی ترجیح بلا مرجح ہوئی۔ لیکن ترجیح بلا مرجح باطل کہ حکمت آمر کے منافی ہے۔ اور آمر یقیناً حکیم تو نتیجہ یہ نکلا کہ افعال کا حسن و قبح شرعی نہیں تو لامحالہ عقلی ہوا، اس لئے شرعی اور عقلی دونوں متنافی ہیں۔ اور دو متنافی چیزوں میں سے ایک کا ارتفاع دوسرے کے تحقق کو مستلزم ہوتا ہے جب شرعی ہونا باطل ہوا تو عقلی ہونا ثابت ہو گیا۔

دلیل دوم:

اگر افعال کا حسن وقبح شرعی ہو تو رسولوں کی بعثت بندوں کے حق میں بلا اور زحمت ہوگی۔ اس لئے کہ بعثت سے پیشتر چین اور آرام میں تھے کہ کسی فعل پر کوئی مواخذہ نہیں جو چاہیں کریں اور بعثت کے بعد بعض افعال پر جیسے کبائر محدود وقت تک عذاب کے مستحق اور بعض پر جیسے کفر وشرک دائمی عذاب کے مستحق۔ لیکن رسولوں کی بعثت بلا اور زحمت نہیں۔ بلکہ عین رحمت ہے اور وہ بھی ایسی کہ مولی تعالی نے اس پر احسان جتایا۔ قرآن کریم اس پر شاہد عدل ہے۔ ارشاد فرمایا: لقد من الله على المومنين اذ بعث فيهم رسولا منهم"۔ پس نتیجہ یہ نکلا کہ افعال کا حسن وقبح شرعی نہیں تو عقلی ہوا۔ وهو المطلوب كذا فى فواتح الرحموت شرح مسلم الثبوت۔

(بشیر القاری ص ۱۸۶)

(ثم كان اول ما سالنی عنه الخ) اس حدیث کے راویوں نے لفظ اول منصوب روایت کیا اور یہ اس لئے کہ کان کی خبر ہے۔اب اس کے اسم میں دو احتمال ہیں۔

(۱) یہ کہ کان میں ضمیر شان مستتر ''ھو'' اس کا اسم ہو اور ''ان قال'' ''ما سالنی عنه'' سے بدل۔ یہ احتمال ضعیف ہے کیونکہ اس تقدیر پر ضمیر شان کی تفسیر مفرد ''اول'' کے ساتھ ہوگی۔جو کوفیین کے نزدیک اگرچہ جائز ہے مگر بر مذہب بصریین درست نہیں۔

اور راجح یہی ہے کہ اس کی تفسیر جملہ کے ساتھ کی جائے جیسا کہ بصریین کا مذہب ہے۔امام سیوطی علیہ الرحمہ اپنی کتاب مستطاب ''ہمع الہوامع شرح جمع الجوامع'' جلد اول ص ۶۷ر میں ضمیر شان کا دیگر ضمائر کے ساتھ فرق ذکر کرتے ہوئے فرماتے ہیں:''والفرق بينه و بين الضمائر ان لا يعطف عليه ولا يوكد ولا يبدل منه ولا يتقدم خبره عليه ولا يفسر بمفرد''

(۲) یہ کہ ''ان قال'' بتاویل ''قوله'' ہو کر کان کا اسم موخر ہو،اور یہ بھی جائز ہے کہ ''اول ''اسم کان ہو کر مرفوع ہو اور ''ان قال'' بتاویل ''قوله'' ہو کر کان ہونے کی وجہ سے محل نصب میں۔مگر یہ بھی ضعیف اور احتمال دوم مختار ہے،کیونکہ ''ان قال ''معرفہ ہے بلکہ اعرف المعارف کیونکہ ''ان ''اور ''ان'' جب مصدر معرف کی تاویل میں ہوں تو ان کے لئے حق تعریف میں حکم ضمائر ہوتا ہے جو اعراف المعارف ہیں۔مغنی اللبیب جلد دوم ص ۷۷ و ۷۸ر میں ہے:''واعلم انهم حكموا فلهذا قرأت السبعة ما كان حجتهم الا ان قالوافما كان جواب قومه الا ان قالواو الرفع ضعيف كضعيف الاخبار بالضمير عما دونه فى التعريف'' اور ''اول ''نکرہ ہے جبکہ اس کے مضاف الیہ ''ما''کو ''ما''موصوفہ قرار دیا جائے اور کان کے بعد جب معرفہ اور نکرہ آئیں تو معرفہ کو اسم اور نکرہ کو خبر قرار دیا جاتا ہے۔اسم وخبر کی شناخت کے زیر بیان مغنی اللبیب جلد دوم ص ۷۸ر میں ہے:''الحالة الثالثة ان يكونا مختلفين فتجعل المعرفة الاسم والنكرة الخبر نحو كان زيد قائما ولا يعكس الا فى الضرورة '' اور اگر ''ما'' کو موصولہ قرار دیا جائے تو ''اول '' اگرچہ معرفہ ہو جائے گا مگر ''ان قال ''کی تعریف سے اس کی تعریف کم مرتبہ کی رہے گی۔کیونکہ تعریف میں برقول راجح مضاف کو وہی مرتبہ حاصل ہوتا ہے جو مضاف الیہ کا ہے۔محرم آفندی جلد اول ص ۵۳۳ر میں ہے:''والمنقول عن سيبويه وعليه جمهور النحاة ان اعرفها المضمرات ثم الاعلام ثم اسم الاشارة ثم المعرف باللام و الموصولات فبينهما مساواة'' پس ''ان قال'' ''اول'' سے اعرف ہوا۔اور مختار یہی ہے کہ اعرف کو اسم قرار دیا جائے۔مغنی اللبیب جلد دوم ص ۷۷ میں ہے:''فان كان احد هما اعرف فالمختار جعله الاسم'' بلکہ امام النحاۃ سیبویہ علیہ الرحمہ کے نزدیک ترتیب معارف یوں ہے کہ اعرف المعارف اسم جلالت ''الله'' پھر ضمائر پھر اعلام پھر اسمائے اشارہ پھر معرف باللام،اور اسمائے موصولہ اور ان دونوں میں مساوات ہے۔چنانچہ الفوائد الشافیہ علی اعراب

الکافیہ معروف بہ ''زینی زادہ'' میں بحوالہ علامہ قہستانی اور علامہ فاکہانی نے نقل فرمایا ہے کہ امام النحاۃ کو وصال کے بعد کسی نے خواب میں دیکھ کر دریافت کیا کہ اللہ تعالیٰ آپ کے ساتھ کس طرح پیش آیا؟ فرمایا: مغفرت فرمادی۔ دریافت کیا کس بات پر؟ فرمایا: اس بات پر کہ میں نے دنیا میں کہا تھا اسم جلالت ''اللہ'' اعرف المعارف ہے۔ سبحان اللہ کسی نے سچ کہا ہے۔ رحمت حق بہانہ می جوید بہانمی جوید۔

(بشیر القاری ص ۱۸۶ و ۱۸۷)

حل اشکالات

کسی مسئلہ پر جب کوئی قوی اشکال وارد ہوتا ہے، بالخصوص جب وہ اشکال عقول و تجربات کے بالکل خلاف ہو، تو اس کا حل بڑی دقت نظر، وسعت مطالعہ اور استحضار کا متقاضی ہوتا ہے۔ ایسے موقعہ پر کسی محقق کی تحقیق کا جوہر کھلتا ہے، اس خصوص میں جب ہم حضرت صدر العلما رحمۃ اللہ علیہ کی بحثوں پر نظر ڈالتے ہیں تو اس میدان میں بھی مرد کامل نظر آتے ہیں۔ بشیر القاری میں جا بجا حل اشکالات کے شواہد نظر آتے ہیں۔ بعض آپ بھی ملاحظہ فرمائیں:

حدیث کے الفاظ "ویتمثل لی الملك رجلا" کی شرح فرماتے ہوئے رقمطراز ہیں:

''اس بیان سے ایک اشکال مندفع ہوگیا جو حدیث شمس پر وارد ہوتا تھا حدیث شمس جس کو امام مسلم رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے بھی روایت کیا یہ ہے کہ:

سید الوجود ﷺ نے بوقت غروب صحابہ کرام کو مخاطب کر کے فرمایا: جانتے ہو یہ آفتاب کہاں جاتا ہے۔ صحابہ نے عرض کیا اللہ اور رسول خوب جانتے ہیں۔ فرمایا یہ آفتاب چلتا رہتا ہے یہاں تک کہ زیر عرش اپنی قرارگاہ پر پہونچے۔ پھر سجدے میں گر پڑتا ہے اور ساجد رہتا ہے حتی کہ اس سے کہا جاتا ہے اٹھو اور چلو جیسے چل رہے تھے، چنانچہ وہ واپس ہوکر اپنے مطلع سے بوقت صبح طلوع کرتا ہے اور چلتا رہتا ہے یہاں تک کہ زیر عرش اپنی قرارگاہ پر پہونچے، پھر سجدے میں گر پڑتا ہے اور سربہ سجود رہتا ہے یہاں تک کہ اس سے کہا جاتا ہے کہ سر اٹھاؤ اور جاری ہو جیسے جاری تھے پس واپس ہوکر بوقت صبح اپنے مطالع سے طلوع کر کے جاری ہو جاتا ہے۔ لوگوں کو اس کی حالت سے بے خبری نہیں ہوگی۔ یہاں تک کہ زیر عرش اپنی اسی قرارگاہ تک پہنچ کر سجدے میں گر پڑیگا تو کہا جائے گا کہ اٹھو مغرب سے طلوع کرو۔ چنانچہ مغرب سے طالع ہوگا پھر سید انبیاء ﷺ نے فرمایا جانتے ہو یہ طلوع مغرب سے کب ہوگا۔ یہ اس وقت ہوگا جبکہ ہر اس نفس کو ایمان لانا نفع نہ دیگا کہ جو اس سے پہلے ایمان نہیں لایا یا اس نے دربارہ ایمان کوئی بھلائی کسب نہیں کی۔

اشکال یہ ہے کہ ہر شب آفتاب کا طلوع موقوف کر کے زیر عرش قائم ہوکر سجدہ کرنا جیسا کہ اس حدیث سے مفہوم ہوتا ہے ممکن نہیں کہ خلاف مشاہدہ ہے خواہ یوں کہاں جائے کہ آسمانوں کو یکے بعد دیگرے طے کر کے

زیر عرش پہونچ کر سجدہ کرتا ہے یا یوں کہیں کہ اپنی جگہ ٹھہر کر سجدہ کرتا ہے، اس لئے کہ امام الحرمین وغیرہ علمائے اسلام نے تصریح فرمائی ہے کہ آفتاب کا ایک افق میں غروب دوسرے افق میں طلوع ہوتا ہے اور رات ایک جگہ طویل دوسری جگہ قصیر ہوتی ہے۔ اور خط استواء کے نزدیک لیل ونہار میں قدرے تفاوت ہوتا ہے اور بلاد بلغار میں بعد غروب شفق غائب ہونے سے پہلے فجر طلوع ہوجاتی ہے۔ یہ مشاہدات اس بات پر دلالت کرتے ہیں کہ آفتاب کا طلوع موقوف نہیں ہوتا ایک جگہ غروب ہے تو کسی نہ کسی جگہ ضرور طلوع ہوگا۔ چوبیس گھنٹے میں ایسا کوئی وقت نہیں جس میں بعد غروب ٹھہر جائے اور کسی جگہ طلوع نہ ہو پس آفتاب کا سجدہ مذکورہ خلاف مشاہدہ ہونے کے باعث قابل قبول نہیں۔

جواب: اس اشکال کا جو بیان بالا سے ظاہر ہوا یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے آفتاب کو مثالی جسم اختیار کرنے کی قدرت عطا فرمائی ہے۔ لہذا وہ مثالی جسم سے طلوع وغروب میں رہتا ہے۔ اور اصلی جسم سے زیر عرش قائم ہو کر سجدہ بجالاتا ہے۔ کذا فی روح المعانی۔

اقول: بلکہ احسن جواب یہ ہے کہ آفتاب اپنے اصلی جسم سے زیر عرش ساجد ہوتا ہے اور اسی جسم سے طلوع اور غروب بھی کرتا رہتا ہے۔ زیر عرش مستقر بھی ہوتا ہے اور طلوع وغروب بھی جاری رہتا ہے۔ اس سے بیک وقت ایک جسم کا دو مکان میں ہونا اور دونوں مکان میں بیک وقت اس سے مختلف افعال کا صدور لازم آئے گا جو نظر عقل میں اگرچہ یقیناً محال ہے کہ اجتماع ضدین ہے۔ مگر اصحاب قلوب کے نزدیک نہ صرف ممکن بلکہ واقع ہے۔ کتاب الجواہر والدرر میں ہے: دریائے وحدت کے غواص سیدنا علی خواص رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ جسم واحد دو بار زائد مکانوں میں بیک وقت ہوتا ہے۔ اس پر یہ چیز دلالت کرتی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے شب معراج آسمانوں پر آدم وعیسی ویحیی وادریس وموسی وہارون وابراہیم علیہم صلوات اللہ وسلامہ کو دیکھا اور وہاں پر آپ کے اور موسی علیہ السلام کے درمیان نمازوں کے بارے میں گفت وشنید ہوئی۔ حالانکہ موسی علیہ السلام اس وقت زمین پر اپنی قبر میں کھڑے نماز پڑھ رہے تھے۔ اور رسول اللہ ﷺ نے یہ فرمایا کہ میں نے (چھٹے آسمان پر) موسی کو دیکھا اور یہ نہیں فرمایا کہ موسی کی روح کو دیکھا نہ یہ فرمایا کہ موسی کے جسم کو دیکھا تو جمع بین الضدین کو محال اعتقاد کرنے والے انسان تو اس حدیث کے بارے میں کیا کہے گا۔ اس لئے رسول اللہ ﷺ نے جن کو موسی سے تعبیر کیا اگر یہ بعینہ وہ نہیں جو اس وقت زمین پر قبر میں نماز پڑھ رہے تھے تو یہ خبر دینا کہ میں نے آسمان پر موسی کو دیکھا، کذب ہو جائے گا۔ جس کا صدور رسول مقبول ﷺ سے ناممکن ہے، تو کوئی جائے مفر نہیں رہی بجز اس کے کہ نظر عقلی کے خلاف تسلیم کرلیں کہ جمع بین الضدین زیر قدرت ہے، اسے محفوظ رکھو۔ اس حدیث پر ایمان رکھنے والا مقلد اپنے ساتھی سے کہتا ہے: میں نے شب گذشتہ تم کو خواب میں دیکھا اور معلوم ہے کہ (اس کا ساتھی) موسی اپنے مکان میں اس حالت پر نہ تھا جس پر دیکھا گیا بلکہ حالت دیگر تھا۔ اور اس مکان میں بھی نہ تھا

جس میں دیکھا بلکہ دوسرے مکان میں تھا۔ پھر بھی مقلد اپنے ساتھی سے یہ نہیں کہتا کہ میں نے تیرے سوا کسی اور کو دیکھا (بلکہ یہ کہتا ہے کہ تجھ کو دیکھا) اور ہمارے اس دعوی کی یہ چیز تائید کرتی ہے جو حدیث صحیح میں آدم اور یدین کے بارے میں وارد ہوئی کہ اللہ تعالیٰ نے آدم علیہ السلام کو خطاب فرمایا جبکہ وہ مشیت الٰہی سے باہر تھے کہ ان دونوں ہاتھوں سے جس کو چاہو پسند کرلو انہوں نے عرض کیا میں نے اپنے رب کا دایاں ہاتھ پسند کیا (اور رب کے دونوں ہاتھ دائیں برکت والے ہیں) تو حق جل مجدہ نے اپنی مٹھی کھولدی جس طرح کھولنا اس کی شان جلال کے لائق ہے تو اس میں سے آدم اور ان کی ذریت نکل پڑی۔ پس آدم علیہ السلام اس وقت مٹھی میں تھے جبکہ دایاں ہاتھ پسند کیا تھا اور نہ بھی تھے اور آدم مٹھی سے باہر مخاطب تھے یہ بعینہ وہ ہیں جو مٹھی کے اندر تھے تو اپنی عقل سے معرفت الٰہی کا دعوی کرنے والے اور رسولوں کے لائے ہوئے احکام پر ایمان رکھنے کے مدعی تمہاری عقل اس مسئلہ میں کہاں جائے گی۔ اور تم تو کہتے ہو کہ ایک چیز دو مکان میں نہیں ہوتی اور کہتے ہو یہ محال ہے اور وہ جائز ہے۔ (بشیر القاری ص۸۲و۸۳)

ان تفصیلات سے جو امور بہت واضح ہو کر سامنے آتے ہیں وہ یہ ہیں:

(۱) بشیر القاری: صحیح البخاری شریف کی ایک عظیم الشان شرح ہے، جو کثیر علوم وفنون کی جامع ہے بلکہ سچ تو یہ ہے کہ ایسی جامعیت کی حامل بخاری شریف کی کوئی شرح میری نظر سے نہ گذری۔ کاش کہ یہ شرح مکمل ہوگئی ہوتی تو اہل سنت کا سرمایۂ افتخار ہوتی۔

(۲) صاحب بشیر القاری حضرت علامہ ومولانا سید غلام جیلانی میرٹھی علیہ الرحمہ ایک بلند پایہ محقق، اسلامیات کے ماہر، ثقہ عالم دین ہیں، اس لئے آپ کی یہ شرح مقبول ومعتمد ومستند ہے۔

(۳) کثیر علوم وفنون پر کامل نظر اور یکساں دسترس رکھنے کی وجہ سے آپ اس لائق ہیں کہ آپ کو "بحر العلوم" کا لقب دیا جائے، علم نحو میں امتیازی شان رکھنے کی وجہ سے آپ کو "امام النحو" کا لقب دیا گیا۔

یہ مضمون فی الواقع میرا کوئی تحقیقی مقالہ نہیں، بلکہ سرسری مطالعہ کا ایک ناقص مجموعہ ہے، تاہم اس سے ہمارے قلب ودماغ پر جو تاثرات نمایاں ہو کر ابھرے وہ صحیح ہیں اس کی تائید میرے شیخ مکرم، شارح بخاری حضرت علامہ ومولانا مفتی محمد شریف الحق امجدی رحمۃ اللہ علیہ کے درج ذیل تاثر سے ہوتی ہے۔ آپ فرماتے ہیں:

"بشیر القاری: استاذی، صدر العلما علامہ غلام جیلانی صاحب میرٹھی قدس سرہ کی مایہ ناز شرح ہے۔ عربی، فارسی، اردو کسی زبان میں بخاری کی اب تک کوئی شرح اتنی تحقیق اور تفصیل سے نہیں لکھی گئی۔ اس میں حضرت نے تحقیق وتدقیق کا حق ادا کردیا ہے۔ الفاظ احادیث کی صرفی، لغوی تحقیق، جملوں کی نحوی ترکیب اور معانی وبیان وبدیع کی تنکیت کے ساتھ ساتھ معانی حدیث کے ہر ہر پہلو پر ایسی جامع، کامل بحث ہے کہ جسے دیکھ کر کہنا پڑتا ہے کہ "کم ترك الاولون للآخرين" ۔ ساتھ ہی ساتھ ہمہ دانی کا، خصوصا علم حدیث میں دعوی

کرنے والوں کی غلطیوں پر ایسی مضبوط گرفت فرمائی ہے جس کا کسی کے پاس کوئی جواب نہیں ہے۔ کوئی بھی عناد اور تعصب سے ہٹ کر اگر اس شرح کا مطالعہ کرے گا تو اسے کہنا پڑے گا کہ حضرت مصنف دیگر علوم کی طرح حدیث کے بھی اپنے وقت کے امام تھے۔

افسوس یہ ہے کہ یہ شرح صرف "باب بدء الوحی" تک ہو سکی، اس کے بعد حضرت دوسری تصانیف میں مشغول ہو گئے، حضرت دوسری تصانیف میں مشغول نہ ہوتے اور شرح بخاری ہی کو مکمل فرما دیتے تو امت پر احسان عظیم ہوتا"

(مقدمہ نزہۃ القاری بشرح صحیح البخاری ص ۸۶/۸۷)

خدا رحمت کند این عاشقان پاک طینت را

محمد نظام الدین رضوی خادم دار العلوم اشرفیہ مبارک پور

بخدمت حضرت مولانا محمد ایوب اشرفی صاحب دام مجدہم

باسمه سبحانه

محب مکرم و مخلص اکرم دام مجدکم و زادکم لطفکم

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

خدا کرے مزاج شریف بعافیت ہو۔ آپ کے حسب فرمائش مقالات کے لئے مجھ سے جو ہوسکا کوشش کی، اور گواس کام میں تاخیر ہوئی مگر میرا خیال ہے کہ اس کوشش میں کامیاب ہوں۔ استاذ مکرم شیخ القرآن حضرت علامہ ومولانا عبداللہ خان صاحب قبلہ عزیزی مدظلہ العالی کا وقیع مقالہ آپ تک پہونچ چکا ہے۔ اس مقالے کے لئے شدرحال کر کے میں خود ہی رونا ہی گیا تھا پورا مقالہ پڑھا مگر اس کی تبییض ہونی تھی اس لئے حضرت کے یہاں چھوڑ کر چلا آیا۔ اس وقت مزید چار مقالے حاضر خدمت ہیں، جن میں سے ایک میرا ہے۔ میری علالت اور پریشانیاں برابر میرے علمی مشاغل میں حائل ہو رہی ہیں۔ پھر بھی ہمت کر کے کام شروع کیا تا کہ "لم تقولون ما لا تفعلون" کے زمرے میں شامل نہ ہوں۔ اللہ کا شکر ہے کہ ایک حد تک میرا بھی مقالہ پورا ہو گیا۔ ہمیں تو دو چار صفحات کی بھی امید نہ تھی۔ یہاں کے حالات اچھے ہیں، تمام مقالات کی اصل محفوظ ہے۔ وہاں کے احباب کو میری طرف سے سلام مسنون پیش فرمائیں۔ گھر میں تمام بچوں کو حسب مراتب سلام ودعا۔

فقط والسلام

محمد نظام الدین رضوی

خادم: دار العلوم اشرفیہ مبارکپور

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

صدر العلماء

علم حدیث کے تاجدار

اور سادات کچھوچھہ سے آپ کا حسن عقیدت

پیر طریقت حضرت علامہ سید شاہ محمد کمیل اشرف الاشرفی الجیلانی

(بسکھاری۔یو۔پی)

امابعد: حضرت علامہ ومولانا سید غلام جیلانی میرٹھی صاحب رحمۃ اللہ علیہ الملقب بصدر العلماء سے میری ملاقات تعلیم سے فراغت کے کچھ دنوں بعد ہوئی۔ میرٹھ کے عظیم الشان اجلاس کے لئے حضرت المکرّم نے خصوصی طور پر مجھ کو مدعو کیا تھا، جب میں میرٹھ آپ کے مدرسہ اسلامی عربی کے اجلاس میں شرکت کے لئے پہنچا تو حضرت نے طلبا اور علما کے ساتھ میرا استقبال والہانہ انداز میں فرمایا، نعرۂ رسالت بلند کرتے ہوئے مدرسہ میں ایک جم غفیر کے ساتھ لے گئے، یہ حضرت کا خصوصی حسن سلوک تھا۔ دار العلوم کے وسیع صحن میں دیگر جلیل القدر علمائے کرام شریک اجلاس تھے۔ ان علمائے کرام میں مجاہد دوراں حضرت علامہ سید مظفر حسین صاحب رحمۃ اللہ علیہ بھی رونق اجلاس تھے۔ اس اجلاس میں نہ صرف یہ کہ علمائے کرام نے خطاب فرمایا بلکہ اونچے درجہ کے شعرائے عظام نے بھی اپنے نعتیہ کلام سے سامعین کو محظوظ فرمایا۔

علمائے دین پر کمال شفقت ومحبت:

یہ حضرت صدر العلما رحمۃ اللہ علیہ کی انتہائی شفقت ومحبت تھی کہ انہوں نے میری تقریر کے لئے بار بار اصرار فرمایا، یہ اس زمانے کی بات ہے کہ ابھی تعلیم سے فراغت کے کچھ ہی دن گزرے تھے۔ اور میری عمر کچھ زیادہ نہیں تھی لیکن مجاہد دوراں حضرت سید مظفر حسین صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے حکم پر ہماری تقریر کا پروگرام خصوصیت کے ساتھ رکھا گیا۔ بہت سارے شعرائے کرام کے نعتیہ کلام اور مقامی علماء کی تقریر کے بعد جب میری باری آئی اور میں نے مجمع سے اپنا خطاب شروع کیا۔ ابھی چند ہی منٹ گذرے ہوں گے کہ صدائے تحسین و

آفرین اور نعرۂ تکبیر سے پورا مجمع گونج رہا تھا اور حضرت صدر العلما علیہ الرحمۃ والرضوان نہایت شفقت ومحبت کے کلمات اپنی زبان فیض ترجمان سے میرے متعلق ارشاد فرما رہے تھے۔ نصف صدی سے زیادہ حصہ گزر گیا، اب بھی عالم تصور میں گویا ان کے کلمات طیبات وصدائے آفرین وتحسین میں سن رہاں ہوں۔ اس اجلاس سے ان کی وسیع النظری اور پاکیزہ سیرت وکردار کو اپنے دل میں محسوس کر رہا تھا۔ میں گویا چشم تصور سے آپ کی عبقری شخصیت اور آپ کے چہرے وبشرے کو دیکھ رہا ہوں۔ آپ کی کشادہ پیشانی جو آپ کے وقار علمی پر بین دلیل تھی، جس سے سنجیدگی و وقار کو محسوس کیا جا سکتا تھا، ایسی بھاری بھرکم شخصیت اور فضل وکمال کے پیکر نوری سے میں بے حد متاثر ہوا تھا۔ ان کے ایک ایک جملے سے ان کے کمال علمی کی جھلکیاں نظر آتی تھیں۔

حلم وبردباری:

جب وہ بولتے تھے تو ایسا محسوس ہوتا تھا کہ نرم ونازک پھول جھڑ رہے ہیں، ظاہر ہے ایسی عظیم شخصیت کو دیکھ کر انتہائی خلوص وعقیدت سے میرا دل لبریز ہو گیا تھا لیکن مجھ کو ایک نصیحت آموز واقعہ نے ایسا متاثر کیا کہ طویل مدت گزر جانے کے باوجود دل کی گہرائیوں میں ایسا گھر کر گیا کہ میں اس کو فراموش نہیں کر پایا۔ واقعہ یہ ہے کہ مراد آباد کے قرب وجوار کے ایک عالم دین اپنے معاصر صاحب فضل وکمال کی شخصیت کا نہ صرف تنقیدی واصلاحی جائزہ لے رہے تھے بلکہ ان کی اہانت وہجو کے ایسے جملے استعمال کر رہے تھے جو ایک عالم دین کی شایان شان نہیں تھے۔ حضرت صدر العلما رحمۃ اللہ علیہ نے ان کی گفتگو کو کسی طرح سماعت فرمانے کی زحمت گوارہ فرمائی حال آں کہ ان کی خاطر اقدس پر یہ طرز گفتگو اور اہانت آمیز جملے کافی بار گزر رہے تھے۔ لیکن آپ ایک اعلیٰ درجہ کے متحمل حلیم الطبع انسان تھے اس لئے ان کے اہانت آمیز جملوں کو سن کر ان کو ایسی خوش اسلوبی سے ساکت ولا جواب کیا کہ ان کی پیشانی پر خجالت وندامت کے پسینے دیکھے جا سکتے تھے۔ آپ نے ارشاد فرمایا ایک عالم دین کے متعلق جن خیالات کو الفاظ کا جامہ جناب نے پہنایا ہے وہ میرے نزدیک زیادہ مناسب نہیں تھے، وہ ایک ایسے عالم دین ہیں جو دین وسنیت کی خدمت کے لئے سرگرداں رہتے ہیں اور ہمیشہ فرق باطلہ کے رد وقدح میں اپنے اوقات کو صرف کرتے ہیں، وہ فرقے جو اسلام کے بنیادی عقائد ونظریات کو کمزور کرنے کے درپے نظر آتے ہیں، ان کے ساتھ محاذ آرائی میں کبھی بھی وہ نرمی وکمزوری کا مظاہرہ نہیں کرتے ہیں۔ بھلا بتلایئے ایسے عالم دین کو فرق باطلہ کے ہرزہ سرائی کرنے والے لوگ کب بخش سکتے ہیں؟ وہ تو ان کی مذمت وتوہین میں کوئی کسر نہیں اٹھا رکھتے ، وہ ان کے درپے آزار ہو گئے ہیں، وہ ان کو انتشار ذہنی میں مبتلا کر کے پریشان کرنے کی مکمل کوشش کرتے ہیں لیکن وہ نہایت خندہ پیشانی واستقلال کے ساتھ ان کے مقابلہ میں تن تنہا ایسے ڈٹے ہوئے ہیں کہ کوئی انہیں ان کے موقف سے ہٹا نہیں سکتا اس لئے کہ ان کو یقین کامل ہے کہ عصر جدید میں جو گمراہ کن فرقے بنام اسلام پیدا ہو گئے ہیں وہ اسلام کے دشمنوں سے سازش کرتے ہیں اور ان سے خفیہ رابطہ وتعلق رکھ کر اسلام کو مٹانے کا منصوبہ

تیار کرتے ہیں وہ ایسے پرفتن دور میں کیسے خاموش رہ سکتے ہیں؟ اور آپ سنی عالم دین ہو کر بھی ان کی اہانت کے جملے استعمال کر رہے ہیں اور تنقید وتبصرہ کر رہے ہیں وہ بے چارے اب کدھر جائیں؟ نہ اپنے ان کو بخش رہے ہیں اور نہ پرائے ان کا پیچھا چھوڑ رہے ہیں۔ آپ غور فرمائیے کہ وہ عالم دین جو اسلام کی عظیم الشان خدمت کر رہے ہیں، کتنے قابل رحم ہیں کہ ان کو کسی طرح چین وسکون نصیب نہیں۔

ڈھونڈھنے والا ستاروں کی گزرگاہوں کا — اپنے افکار کی دنیا میں سفر کر نہ سکا
جس نے سورج کی شعاؤں کو گرفتار کیا — زندگی کی شب تاریک سحر کر نہ سکا

پاکیزہ خیالات:

حضرت المکرّم کی اس تقریر کو جو تقریر کیا تھی اعلیٰ درجہ کی تنبیہ تھی۔ میں نہایت توجہ اور انہماک سے سن رہا تھا اور ان کی نکتہ رسی اور عالم دین کے متعلق پاکیزہ خیالات کے اظہار سے بے حد خوش ہو رہا تھا اور میرا دل اتنا مؤثر ہوا کہ میں اس یقین کامل کے ساتھ حضرت کی مجلس خصوصی سے اٹھا کہ آپ ایک ایسے عالم نبیل، فاضل جلیل پاکیزہ خیالات کے حامل انسان ہیں جن کے کلمات طیبات کو سن کر ہر شخص اپنے دل کی گہرائیوں میں محفوظ کرنے کی کوشش کرے گا۔ میں نے بھی ان کلمات طیبات کو اپنے نہاں خانہ قلب میں ایسا نقش کر لیا کہ پچاس سال سے زائد عرصہ گزر جانے کے بعد بھی اس کو نہ بھول سکا۔ یہ واقعہ اس بات پر دلیل ہے کہ آپ اپنی جماعت کے علما کے کس قدر بہی خواہ اور قدر دان تھے ورنہ دیکھا یہ جاتا ہے کہ جہاں چند اہل علم جمع ہوئے ایک دوسرے کے متعلق ایسے جملے استعمال کرتے ہیں جو شان علم کے بالکل خلاف ہوتے ہیں۔ لیکن ہمارے بزرگوں کی شان یہ نہیں تھی کہ اپنی ہی جماعت کے عالم کے خلاف کوئی توہین آمیز جملے استعمال کرے اور وہ انہیں سن کر اس پر خاموش ہو جائیں بلکہ وہ نہایت سلیقہ اور دانش مندی کے ساتھ ایسے ملامت کرنے والوں کو ہدایت فرماتے تھے۔ اس خصوص میں حضرت صدر العلما کی شان نہایت بلند وبالا تھی۔

حضرت المکرّم کے روبرو سچائی یہی ہے کہ میں ایک طالب علم تھا، ابھی دانش گاہ اشرفیہ سے فارغ ہوئے چند دن گزرے تھے لیکن اس زمانے میں بھی میں پان کھانے کا عادی تھا اور میرے پاس بھی پان کا ایک خوبصورت ڈبا رہتا تھا، سفر وحضر میں اسے اپنے ساتھ رکھتا تھا۔ حضرت صدر العلماء علیہ الرحمہ نے میرے پان کے ڈبے کو اپنی نگاہ کرم سے دیکھ لیا تھا، اس لئے اختتام جلسہ کے بعد اس کو طلب کر کے لے گئے اور صبح بعد نماز فجر اس میں عمدہ قسم کے پان بھر کر مجھے عنایت فرمایا اور یہ بھی فرمایا کہ آپ کو بہت لمبا سفر کرنا ہے، کوٹہ جلسہ میں جانا ہے، اس لئے میں نے خود اپنے ہاتھ سے اس ڈبے کو پان سے بھر دیا ہے۔

نانا کا ترکہ نواسوں کے حق میں:

ظاہر ہے کہ پان وغیرہ کا معاملہ کوئی بڑی اہمیت کی چیز نہیں تھی۔ جا بجا پان بکتا ہے اور میں ضعیف العمر

انسان نہیں تھا، جب گاڑی رکتی اپنی خواہش کے مطابق پان حاصل کرلیتا، یہ حضرت صدر العلما رحمۃ اللہ علیہ کی کرم فرمائی تھی کہ انہوں نے میری ادنی سی ضرورت کا لحاظ رکھا، اسی سے اندازہ کیا جاسکتا ہے کہ وہ میرے اوپر کتنے مشفق ومہربان تھے؟ یہ ان کی عظمت وبڑائی تھی کہ اپنے چھوٹوں کو بہت نوازتے تھے، اس اجلاس میں شرکت کے بعد جب میری روانگی کا وقت ہوا تو حضرت صدر العلماء رحمۃ اللہ علیہ بذات خود میرے پاس تشریف لائے اور میرے بارے میں نہ صرف دادو تحسین کے کلمات ارشاد فرمائے بلکہ میری تقریر پر عمدہ تأثرات کا اظہار فرمایا اور اپنی زبان مبارک سے یہ بھی فرمایا: کمیل میاں! آپ نے ایسا پراثر خطاب فرمایا جس سے اہل علم بھی محظوظ ہو رہے تھے اور عوام بھی۔ آپ کی ذات کے اندر عوام وخواص دونوں کو اپنے خطاب سے متاثر کرنے کی اعلیٰ درجہ کی صلاحیت پائی جاتی ہے اور آپ کے انداز خطابت سے میں اتنا متاثر ہوا کہ مجھے بار بار آپ کے نانا جان سید المتکلمین شہنشاہ خطابت حضرت مولانا سید احمد اشرف الاشرف الجیلانی علیہ الرحمہ کی یاد آرہی تھی، ایسا لگتا تھا کہ ان کا انداز خطاب نواسوں کو ترکے میں ملا ہے، میری دعا ہے کہ رب کریم آپ کو آسمان کی بلندیوں تک پہنچادے اور اسلام کی خدمت انجام دینے کی توفیق عطا فرمائے۔ آمین

میں ان کے ان دعائیہ کلمات اور تحسین کو سن کر ان کی عظمت وبڑائی کے احساسات سے لبریز ہورہا تھا، کہاں وہ بلند قامت آسمان علم کے آفتاب تاباں اور کہاں میں ان کے سامنے نوعمر ایک طالب علم جو ابھی ابھی درسگاہ سے فارغ ہوکر نکلا تھا، یہ ان کی خوردنوازی تھی جس پر فخر کیا جاسکتا ہے، لیکن یہ صرف خوردنوازی ہی نہیں تھی بلکہ حقیقت یہ ہے کہ خاندان اشرفیہ سے ان کو عقیدت ووابستگی تھی۔ اسی وجہ سے اس کے ایک ایک فرد کو محبت و شفقت اور پیار کے جملوں سے یاد کرتے تھے کیونکہ انسانی خیالات ہی ایسے ہوتے ہیں جن کی ترجمانی الفاظ کے ذریعہ کی جاسکتی ہے، یا یہ کہا جاسکتا ہے کہ الفاظ وجملے خیالات کے عکاس اور ان کی اصلی ہیئت کو واضح کرتے ہیں۔

صدر العلماء کا نایاب تحفہ:

ایک طالب علم کے لئے جو مطالعہ کا شغف رکھنے والا ہو، جس کو کتابوں کو پڑھنے کا اعلیٰ درجہ کا ذوق وشوق ہو، سب سے بڑا نذرانہ یہ ہے کہ اس کو اس کے ذوق کے مطابق کوئی کتاب نذر کی جائے۔ جب میں صدر العلما رحمۃ اللہ علیہ سے جدا ہورہا تھا تو اس وقت حضرت نے دست اقدس سے ایک نایاب تحفہ مرحمت فرمایا۔ وہ تحفہ ایسا تھا کہ جس کو پاکر میں بہت خوش ہوا یعنی اپنی حیات کا ایک نایاب تحفہ ''شرح بخاری بشیر القاری'' خود اپنے دست اقدس سے عطا فرمایا۔ روانگی کے بعد جب مجھ کو فرصت ملی تو میں اس کی ورق گردانی کرنے لگا، سفر میں اتنا موقع نہیں تھا کہ کتاب کو اپنے مطالعہ کی گرفت میں لے آتا۔ جلدی جلدی اس کتاب کے عنوانات کو پڑھنے لگا۔ پہلے اس کی فہرست کو دیکھا پھر عنوان کے تحت جو کچھ رقم کیا گیا اس کو ایک نظر دیکھا۔ جیسے جیسے عنوانات پر نگاہ پڑتی

تھی ان کی حدیث دانی کا شدت سے احساس ہوتا تھا، میں نے " انما الاعمال بالنیات" والی حدیث کو پڑھا اس کے بعد اس کا ترجمہ غور سے پڑھا پھر اس کے تحت جو عنوانات تھے ان کو دیکھنے لگا ان کو ہمارے ناظرین کرام بھی ملاحظہ فرمائیں۔

وہ یہ ہیں:

شرح بخاری کی اہم خصوصیات

اسماء الرجال:

یعنی راویان حدیث پر مکمل تبصرہ جس سے حدیث کے اصح ہونے پر دلیل قائم کی جاسکتی ہے اور اس حدیث کے پایۂ اعتبار کو پہچاننے میں کسی قسم کے شبہہ میں کوئی اہل علم مبتلا نہیں ہوسکتا ہے۔ اسماء الرجال سے یہ نہ سمجھا جائے کہ ان کے اسماذ کر کردئے گئے ہیں بلکہ رواۃ کی شخصیتوں پر گہری نظر ڈالی گئی ہے جس سے ان کی علمی شان نمایاں ہوتی ہے اور ان کی ثقاہت واضح ہو کر نگاہوں کے سامنے آجاتی ہے۔

باب اللغۃ:

باب اللغت یہ عنوان بہت اہم ہے۔ اس کے تحت اس حدیث پاک میں جتنے الفاظ اور جتنے جملے آئے ہیں ان کی تشریح مکمل جامعیت کے ساتھ کی گئی ہے۔ اس باب کے پڑھنے کے وقت ان کی ژرف نگاہی کا اندازہ ہوتا ہے کہ وہ علم اللغات پر کتنے حاوی اور فائق تھے۔ یہ باب کئی صفحات پر پھیلا ہوا ہے جس سے معلوم کیا جاسکتا ہے کہ شارح بخاری نے کتنی گہری نظر سے علم اللغات کا مطالعہ کیا ہے۔

باب النحو:

اس عنوان کے تحت جن مباحث کا ذکر ہوا ہے ان کو پڑھ لینے کے بعد قاری کو یہ اذعان و یقین کامل حاصل ہوگا کہ حقیقۃً آپ اپنے وقت کے امام النحو تھے، شاید ہی ان کے زمانہ میں ان کے معاصرین میں کوئی ایسا شخص پایا جاتا ہو جو علم نحو پر اتنی گہری نظر رکھتا ہو۔ اگر اخفش اور سیبویہ زندہ ہوتے تو حضرت صدر العلما کو تحسین وآفریں کردیتے اس عنوان کے تحت ان لوگوں کی غلطیوں کو بھی واضح کیا ہے جو اپنی ہمہ دانی کا دم بھرتے ہیں لیکن ان کو یہ احساس نہیں ہوتا کہ یہ ان کی فطری کج روی ہے جو ان کو غلط راہ پر ڈال رہی ہے۔

باب المعانی وباب البیان وباب البدیع:

علوم عربیہ میں جو پایہ علم بلاغت، علم معانی اور علم بیان کا ہے اس کا ہر اہل علم ادراک کرسکتا ہے۔ اس سے کلام کی حسن وخوبی، اس کی فصاحت وبلاغت اور اس کی معنویت پر اچھی طرح سے روشنی پڑتی ہے۔ کوئی کتنا ہی بڑا متکلم اور فلسفی کیوں نہ ہو اگر اس کے کلام میں حسن وخوبی اور جمال نہ پایا جاتا ہو، رمز وکنایات کا فقدان ہو

اور فصاحت وبلاغت کی لذت وچاشنی نہ پائی جاتی ہوتو وہ کلام اعلیٰ معیار پر فائز نہیں ہوسکتا۔ اس نقطہ نظر سے جب آپ غور فرمائیں گے تو قرآن عزیز کے بعد افصح العرب والعجم حضور سید عالم ﷺ کا کلام معانی کا کتنا بڑا بحر ذخار ہوگا اور اس میں کتنی دل فریبیاں اور رعنائیاں پائی جائیں گی؟ اس لئے ہر شارح حدیث کے اوپر لازم وضروری ہے کہ حضور اکرم نور مجسم ﷺ کی حدیث پاک کے بیان کے سلسلہ میں علم معانی وبیان اور بدیع کی روشنی میں آپ کے کلام بلاغت نظام کی طرف سامعین وقارئین کو ضرور احساس دلائے۔ چنانچہ ہمارے شارح بخاری حضرت صدر العلما رحمۃ اللہ علیہ جہاں علم نحو وعلم لغت کے مباحث کا تذکرہ شرح حدیث میں کرتے ہیں، وہیں سرکار علیہ الصلوٰۃ والتسلیم کی حدیث پاک پر تبصرہ اور اس کی شرح کے سلسلے میں علوم بلاغت ومعانی کے مباحث کا ذکر کر کے حضور ﷺ کے کلام مبارک کو ادب اور زبان کے لحاظ سے اعلیٰ معیار پر دیکھتے ہیں۔ یہ طویل الذکر بحث ہے۔ ہمارے شارح نے اپنے کمالات علمیہ کا اس میں خوب خوب مظاہرہ کیا ہے، میں اس مختصر مقالے میں صرف اس کی طرف اشارہ کر دینا کافی سمجھتا ہوں۔

حدیث انما الاعمال بالنیات سے بخاری شریف کی ابتدا امام بخاری علیہ الرحمہ نے کی ہے، اس سے اس بات پر تنبیہ کرنا چاہتے ہیں کہ علم حدیث کے متعلم کے لئے ضروری ہے کہ اس کے اندر طہارت ظاہری وباطنی دونوں پائی جائیں، وہ اخلاق عالیہ سے مرصع ہو اور اخلاق ذمیمہ سے بالکل دور ہو، دنیا کے حرص وہوس سے اپنے قلب کو پاک وصاف رکھے۔ اس اہم مضمون کا عنوان ہمارے ممدوح مکرم شارح بخاری ان الفاظ میں بیان فرماتے ہیں "حدیث مذکور کو بیان فرمانے کا باعث" اس عنوان کے تحت انہوں نے طالبان علوم اسلامیہ کو اشارۃً وکنایۃً تنبیہ فرمائی ہے۔

باب الاحکام:

بخاری شریف کے جملہ شارحین حدیث نے اس حدیث پاک کی شرح میں اپنے قلم کی جولانی خوب خوب دکھائی ہے "احکام شرعیہ کے استنباط میں اس سے بہت مدد ملی ہے اور فقہا ومحدثین کے اختلافات کو بیان کیا ہے۔ امام ابوحنیفہ اور امام شافعی کے نقطہائے نظر سے بحث کی ہے۔ علمائے حنفیہ نے علمائے شافعیہ سے اختلاف کرتے ہوئے عبادات غیر مقصودہ میں نیت کی شرط کو ساقط قرار دیا ہے، ان تمام بحثوں کو حضرت صدر العلما رحمۃ اللہ علیہ نے نہایت سلیقے سے جمع کیا ہے اور علمی انداز اتنا پر زور ہے کہ صاحبان علم اس کا مطالعہ کر کے اپنے ذہن وفکر کو منور وتاباں کر سکتے ہیں۔

الغرض خلاصہ یہ ہے کہ حضرت صدر العلماء رحمۃ اللہ علیہ نے شرح حدیث کے سلسلے میں جتنے گوشے ممکن تھے ان تمام کے اعتبار سے اپنی بحثوں کا انبار لگا دیا ہے۔ علوم عربیت سے لے کر تصوف وطریقت پر روشنی ڈالی ہے۔ چنانچہ میرے پرنانا اور اپنے مرشد سیدنا اشرف المشائخ الشاہ ابو محمد سید علی حسین اشرفی قدس سرہ القوی

سے انتہائی اظہار عقیدت فرماتے ہوئے حضرت عمر فاروق اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ والی اس حدیث پر ہر حیثیت سے روشنی ڈالنے کے بعد ایک ایسا عنوان قائم کرتے ہیں جس کے مطالعہ سے نہ صرف یہ کہ نگاہ کو روشنی ملتی ہے بلکہ دل ودماغ کو تابانی حاصل ہوتی ہے۔ عنوان یہ ہے: ''الفیض الاشرفی فی الحدیث الفاروقی'' جب میں نے عنوان کو پڑھا تو میرے اندر بے حد اشتیاق پیدا ہوا۔ اس عنوان کے تحت جن مسائل علمیہ کا بیان ہوا ان کو گہری نظر سے مطالعہ کرنا چاہیے۔ کیونکہ اس عنوان نے میرے دل و ماغ میں تاثر پیدا کیا کہ کوئی کتنا بڑا زبردست عالم ہو، فقیہ ہو اور اپنے زمانے کا متکلم ہو لیکن اگر وہ بزرگوں کے فیض روحانی سے محروم رہتا ہے تو وہ دقیق النظر نہیں ہو سکتا اور علم وعرفان کی وادی میں دربدر مارا مارا پھرتا رہے گا۔ غالباً یہی وہ نکتہ تھا کہ محض اس عنوان کی تشریح حاشیہ ذیلی میں فرماتے ہیں: ''**نسبة الیٰ سیدنا و مرشدنا اشرف المشائخ الشاہ ابو محمد السید علی حسین اشرفی قدس سرہ القوی الکچھوچھوی وطناً والفیض آبادی ضلعا والھندوستانی ملکاً صاحب مسند سلطان العارفین المخدوم محمد اشرف السمنانی قدس سرہ السامی لان ھذ التقریر فیض من فیوضہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ**''

سلسلۂ اشرفیہ سے گہری وابستگی:

جہاں تک میری معلومات کا تعلق ہے میں پورے وثوق کے ساتھ کہہ سکتا ہوں کہ امام احمد رضا بریلوی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ حضرت صدر الافاضل سید محمد نعیم الدین مرادآبادی اور فقیہ اسلام صدر الشریعہ رحمۃ اللہ علیہم سے گہری وابستگی نے صدر العلما کو اس مرتبہ پر فائز کر دیا جہاں تک آج کل کے اہل علم کا پہنچنا مشکل ترین کام ہے۔ حضرت صدر الافاضل رحمۃ اللہ علیہ سے شرف تلمذ حاصل ہونے کے بعد تفسیر قرآن پر آپ کی گہری نظر رہی اور حضرت صدر الشریعہ رحمۃ اللہ علیہ کے حلقہ درس میں داخل ہو کر آپ نے تصوف اور جملہ علوم وفنون کی تکمیل کی۔ اور حضرت شیخ المشائخ علی حسین رحمۃ اللہ علیہ کے حلقہ ارادت میں داخل ہو کر آپ نے تصوف اور سلوک کا راستہ طے کیا، اسی وجہ سے جیسا کہ میں نے بیان کیا ہے، سلسلہ اشرفیہ کے افراد سے آپ کو گہری عقیدت تھی۔ ورنہ سوچنے کی بات ہے کہ میں ان کے روبرو ایک طالب علم تھا اور اس وقت اس سے زیادہ بڑی کوئی حیثیت متعین نہیں کی جا سکتی تھی لیکن خاندان سے میرا تعلق تھا اور میں سید زادہ تھا اس لئے حضرت صدر العلما رحمۃ اللہ علیہ نے اس گہری شفقت ومحبت کا اظہار کیا جس کو زندگی کے کسی حصے میں میرے لئے فراموش کر دینا اور ان کی یاد سے اپنے دل ودماغ کو تازہ نہ رکھنا کسی حالت میں میرے لئے مناسب نہیں۔

یہ چند کلمات اپنی بے حد مصروفیات وعلالت کے باوجود ان کی بارگاہ میں نذرانہ خلوص ومحبت ہے۔ مجھے یقین ہے کہ اہل علم رہتی دنیا تک ان کے کمالات علمیہ کو یاد رکھیں گے اور ان کے بتائے ہوئے منہاج پر چل کر دین اسلام کے لئے اپنے آپ کو آمادہ اور مستعد رکھیں گے۔ جیسا کہ صدر العلما رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی

تصنیف وتالیف اور اپنے درس وتدریس سے ملت اسلامیہ کی خدمت کی ہے اور انہیں کی راہ پر چل کر تمام معتقدین ومتوسلین کو بھی دین وسنیت کی خدمت میں کوئی کوتاہی نہیں کرنا چاہئے۔ ہر شخص کو اپنے علم کے مطابق دین کا کارنامہ انجام دینا چاہئے۔

یہ چند کلمات ہیں جو اپنی بے حد مصروفیات کے باوجود حضرت مولانا محمد ایوب سلمہ ربہ کی فرمائش پر قلم بند کئے گئے اور حضرت کی ذات بابرکات اتنی بلند وبالا ہے کہ اس کے لئے دفتر درکار ہے۔ وہ گلشن اہل سنت کے ایسے شگفتہ پھول ہیں جس کی ہر پنکھڑی کتاب حیات کا سبق آموز ورق ہے اور ان کی مختصر سی فرصت زندگی عرصۂ ہست وبود کی مکمل درسگاہ ہے، مشرق کے فلسفی شاعر نے کیا خوب کہا ہے۔

گلزار ہست وبود نہ بیگانہ وار دیکھ　　ہے دیکھنے کی چیز اسے بار بار دیکھ
کھولی ہیں ذوق دید نے آنکھیں تری اگر　　ہر رہ گذر میں نقش کف پائے یار دیکھ

میں بستر علالت پر تھا، آنکھ کا آپریشن ہوا تھا، اس وقت روشنی اتنی کمزور تھی کہ حروف دکھائی نہیں دیتے لیکن مولانا محمد ایوب صاحب کے مسلسل مطالبہ واصرار کی بنا پر اپنے وعدے کے مطابق اور حضرت صدر العلماء سے انتہائی عقیدت کے سلسلہ میں صفحۂ قرطاس پر اپنی عقیدت کا اظہار کرتے ہوئے انکی بارگاہ میں اپنی نیازمندانہ حاضری کا شرف حاصل کرتا ہوں۔ لہٰذا میرے جذبات وخیالات کو قلم بند کرنے کے سلسلے میں رفیق محترم حضرت علامہ عبداللہ خان عزیزی شیخ القرآن صاحب قبلہ اوران کے شاگرد رشید عزیزم اشفاق حسین سلمہ نے املا کرنے میں ہمارا بھرپور ساتھ دیا۔ اور میرے مرید مخلص مولانا مقبول احمد مصباحی نے نظر ثانی کرنے اور کمپوزنگ کرنے میں والہانہ عقیدت کا ثبوت دیا تاکہ صفحہ کا ہر نقش تاباں ومنور ہو جائے۔

یہ میرے رب کا خصوصی فضل تھا کہ اس کی عطا کردہ یادداشت نے میرا بھرپور ساتھ دیا، میں بولتا رہا اور عزیزم مولوی اشفاق حسین سلمہ اس کا املا کرتے رہے اور میرے رفیق محترم علامہ عبد اللہ خان عزیزی (شیخ القرآن) بنظر عمیق دیکھتے رہے۔ اور اس سلسلے میں مجھے مسلسل مفید مشورد دیتے رہے اور اس طرح حضرت صدر العلما کی شخصیت کا ایک آئینہ سامنے آگیا، جس میں ان کی شخصیت کی جلوہ آرائیاں دیکھی جاسکتی ہیں۔ وصلی اللہ تعالیٰ علیٰ خیر خلقہ ونور عرشہ محمد وعلیٰ آلہ وصحبہ وسلم۔

محمد کمیل اشرف الاشرفی الجیلانی

بشیر القاری میری نظر میں

از:

شاعر ہفت زبان، تاج الشعراء، پیر طریقت، حضرت پیر سید نصیر الدین نصیرؔ قادری چشتی

(سجادہ نشین آستانہ عالیہ حضور پیر سید مہر علی شاہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ گولڑہ شریف، پاکستان)

اوائل اگست ۲۰۰۸ء میں محبِّ گرامی قدر جناب مولانا محمد ایوب اشرفی صاحب سنبھلی میری قیامگاہ پر (بلیکبرن۔ یو۔کے) برائے ملاقات آئے۔ اور حضرت صدر العلماء علامہ سید غلام جیلانی میرٹھی علیہ الرحمہ کی چند تصنیفات مجھے نذر کیں۔ اور ساتھ ہی ساتھ اپنی محنتوں، کاوشوں کا نتیجہ یعنی تقریباً تیرہ سو صفحات پر مشتمل اپنی مرتبہ کتاب ''حضور صدر العلماء محدثِ میرٹھی: حیات وخدمات'' ایک مبیضہ کی شکل میں دکھائی کہ جس کی پروف ریڈنگ ابھی جاری تھی۔ کچھ دیر جستہ جستہ بعض مقامات کو دیکھا اور دو ایک جگہ تصحیح بھی کی۔ مشہور علماء ومشائخ کے تاثرات، مضامین ومقالہجات کا یہ حسین گلدستہ دیکھکر بڑی خوشی ہوئی۔

مولانا موصوف نے خود مجھ سے بھی کچھ تأثر پیش کرنے کی خواہش کا اظہار کیا۔ میں اپنی عدیم الفرصتی کی بنا پر اسوقت اس مبیضہ کو یا بعد میں حضرت میرٹھی صاحب علیہ الرحمہ کی جملہ تصانیف کو تو نہ دیکھ سکا البتہ اس وقت بشیر القاری شرح بخاری جو حضرت علامہ سید غلام جیلانی میرٹھی علیہ الرحمہ کی ہی تصنیفِ لطیف ہے میرے پیش نظر ہے۔ اس کتاب کے مطالعہ سے حضرت مصنف کے تبحر علمی کا اندازہ ہوتا ہے۔ مشکل الفاظ کی تشریح علماء ومحدثین کی توضیحات، صرفی ونحوی ابحاث کے علاوہ جس مہارت سے حضرت علامہ موصوف بات سمجھاتے ہیں یہ انہیں کا حصہ ہے۔ رواۃ پر بحث، انکا تعارف، اور اکابر کے حوالہ جات سے زیر بحث موضوع پر سیر حاصل علمی تبصرہ آپ کی تحریر کا طرۂ امتیاز ہے۔ چونکہ میرا تعلق بھی بحمد اللہ اسی علمی دنیا سے رہا اور ہے۔ میری نظر سے اس انداز کی شرح ابھی تک نہیں گزری، جس میں اتنی خوبیاں ایک ساتھ جمع ہوں۔ میرے خیال کے مطابق آپ کی یہ تصنیف منتہی لوگوں کے لئے بہت زیادہ نافع ہے۔ اور دراصل یہی طبقہ اس بیش قیمت ذخیرۂ علمیہ سے کماحقہ مستفید ہو سکتا ہے۔ البتہ علم حدیث سے محبت وشغف رکھنے والے ہر قاری کو اس عظیم تصنیف کے مطالعہ کا حق حاصل ہے۔ میرے پاس وقت کم ہے، پابرکاب ہوں ورنہ میں حضرت علامہ کی اس مقدس کاوش پر تفصیلاً لکھنے کا شرف حاصل کرتا۔ اللہ کریم آپ کی اس تصنیف کو قبول عام اور شہرت دوام عطا فرمائے اور آپ کے درجات میں مزید بلندیاں پیدا فرمائے۔ (آمین)

خادم العلماء الراسخین سید نصیر الدین نصیر گولڑہ شریف (اسلام آباد۔ پاکستان)

نزیلِ حال برمنگھم یو۔کے ۲۵/ اگست ۲۰۰۸ء

باب ششم

فقہیات

۹۲/۸۶ء

صدر العلماء

کا طرز استدلال

حضرت مولانا مفتی محمد ابرار احمد امجدی برکاتی
مفتی دار العلوم امجدیہ گھوسی (یو۔پی)

حامداً ومصلیاً ومسلماً

ہر دور میں کچھ ایسی نابغہ روزگار و برگزیدہ شخصیتیں کائنات عالم میں نمودار ہوتی ہیں جو اپنے کردار و عمل، علم و فضل، زھد و تقویٰ کے باعث اپنے پورے عہد پر چھا جاتی ہیں، علم و فضل کے تاجدار امام النحو صدر العلماء حضرت علامہ مفتی الحاج الشاہ سید غلام جیلانی میرٹھی علیہ الرحمۃ والرضوان کی ذات بھی انھیں قدآور شخصیتوں میں سے ایک ہے جو اپنی دینی و علمی خدمات کے سبب حلقہ علم و ادب میں محتاج تعارف نہیں۔ آج ان کی علمی خدمات جلیلہ سے ایک عالم فیضیاب ہو رہا ہے۔

صدر العلماء اپنے دور کے جید عالموں سے تھے، آپ نے تصنیف و تالیف درس و تدریس، وعظ و تبلیغ کے ذریعہ جو گراں قدر خدمات انجام دی ہیں، انہیں اہل بصیرت رہتی دنیا تک یاد کرتے رہیں گے۔ حدیث، اصول حدیث، فقہ، اصول فقہ، منطق و فلسفہ اور علم معانی و بیان سارے مروجہ علوم و فنون پر آپ کو کامل دسترس حاصل تھی خصوصا علم نحو میں آپ اپنا کوئی ثانی نہیں رکھتے تھے، چنانچہ فن نحو میں بشیر الناجیہ، حدیث میں بشیر القاری شرح البخاری، احکام و شرائع میں نظام شریعت وغیرہ کئی کتابیں تصنیف فرمائیں۔ آپ کی ان مشہور زمانہ کتب و تصانیف میں بشیر القاری گو کہ چند ہی احادیث کی شرح پر مشتمل ہے مگر تحقیقات، تدقیقات نحو و صرف لغت و معانی تفسیر وعقائد جگہ جگہ فیض الباری شرح البخاری پر آپ کے تعقبات و تنقیدات اور مابین الاحادیث دفع تعارضات قابل مطالعہ ہیں جو آپ کی علمی و فنی مہارت پر مہر تصدیق ثبت کرتے ہیں۔

صدر العلماء حضرت علامہ غلام جیلانی میرٹھی علیہ الرحمۃ نے اپنی اس لافانی شاہکار کتاب میں دیابنہ، وہابیہ و دیگر فرقہائے باطلہ کے اعتراضات کا دنداں شکن جواب، مسلک امام اعظم ابو حنیفہ پر طعن و تشنیع کرنے والوں کا رد و ابطال اور مسلک حنفی کا اثبات قوی اور ٹھوس دلائل و براہین سے فرمایا، مسلک مہذب امام اعظم

ابو حنیفہ کے اثبات میں بشیر القاری سے ایک نظیر ملاحظہ ہو۔

اعمال کے لئے نیت

علما تصریح فرماتے ہیں کہ اعمال کی دو قسمیں ہیں، اول وہ جو بالذات مقصود ہوتے ہیں مثلاً نماز روزہ زکاۃ حج وغیرہ۔ دوم وہ جو بالذات مقصود تو نہیں ہوتے ہیں بلکہ عبادات مقصودہ کے لئے واسطہ اور وسیلہ ہوتے ہیں۔

اب سوال یہ پیدا ہوا کہ کیا ہر عبادت کے لئے نیت ضروری ہے تو اس امر میں احناف وشوافع کا اختلاف ہے۔ امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں۔ کہ دونوں قسم کے اعمال سے عہدہ برآ ہونے کے لئے نیت ضروری ہے، بلا نیت ادا کرنے سے شرعی مطالبہ ساقط نہ ہوگا، مثلاً کسی نے بغیر نیت وضو کیا تو امام شافعی کے نزدیک ایسے وضو سے نماز جائز نہیں۔ اور وہ اپنے اس قول کی صحت پر حدیث پاک "انما الا عما ل با لنیا ت" سے استدلال فرماتے ہیں۔

صدر العلماء حضرت علامہ غلا جیلانی میرٹھی علیہ الرحمہ نے مذکورہ حدیث پاک سے شوافع کے استدلال کو دو طریقہ سے پیش فرمایا۔

شوافع کا استدلال

"انما الا عما ل با لنیا ت" میں با لنیا ت مقام خبر میں واقع ہے اور جار مجرور مقام خبر میں واقع ہوں تو ان کا متعلق فعل عام ہوتا ہے، تاوقتیکہ خصوص پر قرینہ نہ ہو۔ لہذ التقدیر عبارت انما الا عما ل حاصلة با لنیا ت۔ یا۔ انما الاعمال تحصل با لنیا ت ہوئی، نظر برآں حدیث کے معنی یہ ہوئے کہ اعمال کا وجود نیت سے ہوتا ہے بغیر نیت نہیں ہوتا، اور یہ معنی درست نہیں اس لئے کے بہت سے اعمال بغیر نیت متحقق ہو جاتے ہیں۔ معلوم ہوا کہ حدیث کے ظاہری معنی مراد نہیں بلکہ مجازا اعمال سے حکم اعمال مراد ہے اور مقصود یہ ہے کہ اعمال کا حکم شرعی نیت کے ساتھ متحقق ہوتا ہے، بغیر نیت متحقق نہیں ہوتا۔

حکم شرعی دو قسم پر ہے اول دنیوی جیسے صحت۔ دوم اخروی جیسے ثواب۔ حکم کی ہر دو قسم مراد نہیں ہو سکتی، اس لئے کہ مجاز کے لئے امام شافعی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے نزدیک عموم نہیں ہوتا کما قیل۔ لہذ اایک ہی قسم مراد ہو گی پس یہاں پر حکم شرعی کی قسم اول صحت مراد لینا اولی ہے۔ اس لئے کے اعمال سے صحت بہ نسبت ثواب اقرب ہے کہ صحت اعمال پر مرتب ہوتی ہے۔ اور ثواب صحت پر مترتب ہوتا ہے، تو ثواب کو اعمال سے دو درجہ بعد ہوا، اور صحت کو ایک درجہ۔ پس صحت اعمال سے اقرب ہوئی اور اعمال سے عبادات مراد ہیں کہ بہت سے مباحات بغیر نیت شرعا صحیح ہوتے ہیں جیسے طلاق اور نکاح۔ پس حدیث کے معنی مراد یہ ہوئے کہ عبادت از قبیل مقاصد ہوں خواہ از قبیل وسائل نیت کے ساتھ صحیح ہوتی ہے بغیر نیت صحیح نہیں۔ لہذا ہر عبادت کی صحت کے واسطے نیت ضروری ہوئی" اھ (بشیر القاری شرح البخاری ص ۳۸)

شافعی استدلال کا جواب

شوافع کے اس استدلال سے یہ واضح ہوا کہ کوئی بھی عبادت بلانیت عبادت نہیں، اوراس سے احناف کو بھی انکار نہیں، انہیں بھی یہ تسلیم ہے کہ بغیر نیت کوئی بھی عمل عبادت نہیں ہوسکتا گو کہ وہ اعمال عبادات غیر مقصودہ وضو غسل وغیرہ ہی کیوں نہ ہوں کہ اگر یہ بغیر نیت ادا کئے جائیں تو عبادت نہ ہوں گے، مگر اس سے یہ کہاں لازم کہ بلانیت وضو نماز کے لئے وسیلہ بھی نہ بن سکے، یعنی ایسے وضو سے نماز جائز نہ ہو۔

صدر العلماء علیہ الرحمہ نے شوافع کے مذکورہ استدلال پر نہایت ہی محققانہ اور عمدہ طریقہ سے کلام فرمایا ہے چنانچہ آپ رقمطراز ہیں۔

برتقدیر صحت استدلال اس کا نتیجہ مسلم ہے کہ ہر عبادت کی صحت کے واسطے نیت واجب ہے بغیر نیت عبادت صحیح نہیں ہوتی مگر اس سے صرف اتنا لازم آیا کہ وسائل بدون نیت عبادت نہ رہیں مثلا بغیر نیت وضو کیا تو یہ وضو عبادت نہ ہوا کہ اس کی صحت کے لئے نیت ضروری تھی لیکن نزاع اس میں نہیں کہ بغیر نیت وضو عبادت ہوتا ہے یا نہیں ہوتا۔ شوافع کی طرح احناف بھی قائل ہیں کہ وضوء بے نیت عبادت نہیں۔ نزاع تو اس میں ہے بے نیت وضو نماز کے لئے وسیلہ بن سکتا ہے یا نہیں، حدیث مذکور جواز اور عدم جواز دونوں سے ساکت ہے، شوافع عدم جواز کے قائل ہیں اور احناف جواز کے۔ اس لئے کہ وضو نماز کے لئے شرط ہے اور شرط لذاتہ مقصود نہیں ہوتی بلکہ اس کی تحصیل غیر کے واسطہ وسیلہ ہوتی ہے تو جس طرح حاصل ہوگی وسیلہ بن جائے گی، پس ستر عورت اور دیگر شروط نماز کی طرح وضو بھی ہوا، کہ جیسے ان کے وسیلہ بننے میں نیت کی احتیاج نہیں، ایسے ہی وضو کے وسیلہ ہونے میں نیت کی ضرورت نہیں۔ لہذا وضوئے بے نیت سے بھی نماز ہوجائے گی۔ اھ (بشیر القاری شرح البخاری ص ۳۹)

احناف کا استدلال

صدر العلماء قدس سرہ نے مسئلہ دائرہ میں مذہب حنفی کی تائید وتوثیق اور اس کے اثبات میں جس عمدہ پیرایہ سے استدلال فرمایا ہے اس سے مسئلہ بالکل منقح ہوجاتا ہے۔ شوافع کے استدلال سے عیاں ہے کہ چند باتیں انہیں بھی تسلیم ہیں، وہ یہ کہ حدیث متدل " انما الا عمال با لنیات " میں اعمال سے مراد عبادات ہیں ، نیز اعمال کا مضاف محذوف ہے اور یہ حذف ضرورۃ رکھا گیا ہے اور یہاں نیت کا معنی شرعی ارادۂ طاعت مراد ہے لغوی معنی مراد نہیں۔ صدر العلماء علیہ الرحمہ نے اس کو چند طریقے سے ثابت فرمایا ہے، چنانچہ آپ رقم طراز ہیں:

'' نیت کے لغوی معنی دل کا پختہ ارادہ۔ شرعی معنی ارادۂ طاعت۔ یہاں پر شرعی معنی مراد ہیں لغوی مراد نہیں بچند وجوہ۔

اولاً: اس لئے کے لغوی معنی مراد لینے پر کلام منصب نبوت کے خلاف ہوجائے گا۔ کہ منصب نبوت

شرعی احکام بیان فرمانا ہے اور اس تقدیر پر کلام سے شرعی حکم مفہوم نہ ہوگا، کیونکہ معنی یہ ہوں گے کہ اعمال ارادۂ قلب کے ساتھ حاصل ہوتے ہیں۔ ظاہر ہے کہ اس میں کوئی حکم شرعی نہیں، نہ دنیوی نہ اخروی کے صحت وصواب دونوں ارادۂ طاعت پر موقوف ہیں۔

ثانیاً: اس لئے کہ نصوص میں جب لغوی اور شرعی دونوں معنیٰ کا احتمال ہو تو شرعی معنیٰ کا ارادہ متعین ہوتا ہے خصوصاً جب کہ شرعی معنیٰ کے مراد ہونے پر قرینہ ہے بھی ہو تو اس وقت تو ان کا مراد ہونا متفق علیہ ہے ۔کما بین فی الاصول ۔اور یہاں پر "فمن کانت ھجرتہ الی اللہ ورسولہ" میں معنیٰ شرعی کے مراد ہونے پر قرینہ ہجرت الی اللہ ورسولہ کے معنیٰ ہی وہ ہجرت ہے جو اللہ ورسول کے لئے ہو یعنی ارادہ طاعت سے صادر ہو اور یہ "انما الاعمال بالنیات" پر متفرع ہے اور متفرع ہونا اسی وقت درست ہوگا جبکہ اسی میں نیت سے شرعی معنیٰ ارادہ طاعت مراد ہوں۔

ثالثاً: اس لئے کہ شوافع کے نزدیک بھی اس کے کلام کے صادق ہونے کے لئے تاویل واجب ہے حالانکہ لغوی معنی مراد ہونے کی تقدیر پر تاویل کی احتیاج نہیں ہوتی پس معلوم ہوا کہ ان کے نزدیک بھی نیات سے شرعی معنی مراد ہیں لغوی معنی مراد نہیں" اھ

(بشیر القاری ص ۴۰)

جب یہ بات واضح ہوگئی کہ احناف وشوافع ہر ایک نیت سے نیت شرعی یعنی ارادہ طاعت مراد لیتے ہیں کیونکہ اس کلام کے صادق ہونے کے لئے شوافع کے نزدیک بھی تاویل واجب ہے تو اگر یہاں معنیٰ لغوی مراد ہو تو تاویل کی قطعاً کوئی حاجت ہی نہیں ہوگی ۔اور ظاہر ہے کہ تمام اعمال ارادہ طاعت کے ساتھ موجود نہیں ہوتے کیونکہ صبح وشام کثرت سے ایسے اعمال کا صدور ہم سے ہوتا ہے کہ جس سے ارادہ طاعت بالکل متعلق نہیں ہوتا تو کلام کو اپنے معنیٰ حقیقی پر رکھنا صحیح نہ ہوگا اس لئے امام اعظم علیہ الرحمہ نے اس کی تاویل ثواب الاعمال سے فرمائی ہے۔ صدر العلماء علیہ الرحمہ نے امام اعظم کے اس قول کو دلائل سے ثابت فرمایا کہ ثواب ہی مقدر ہے صحت نہیں جس کے قائل امام شافعی علیہ الرحمہ ہیں ۔ساتھ ہی صحت مقدر ماننے میں جو خرابیاں ہیں اسے بھی واشگاف فرمایا ہے۔ چنانچہ آپ رقمطراز ہیں۔

منصب رسالت شرعی حکم بیان فرمانا ہے۔ اور حکم شرع دو قسم پر ہے۔ اول دنیوی جیسے صحت ۔دوم اخروی جیسے ثواب، اسی لئے امام اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا کہ یہاں پر اخروی مراد ہے، دنیوی مراد نہیں، کلام میں مجاز بالحذف ہے، تقدیر عبارت یہ ہے "انما ثواب الاعمال بالنیات"۔

اولاً: اس لئے کہ تقدیر صحت مراد ہونے پر لازم کہ وہ ہجرت فاسد اور شرعاً نادرست ہو جو حصول دنیا یا عقد نکاح کے ارادے سے کی گئی تھی، لیکن وہ فاسد نہیں اس لئے کہ اگر فاسد ہوتی تو اشرف انبیاء محبوب کبریا صلی

اللہ تعالیٰ علیہ وسلم تجدید ہجرت کا حکم فرماتے کہ اس زمانے میں ہجرت فرض تھی۔ لیکن تجدید ہجرت کا حکم نہیں فرمایا تو معلوم ہوا کہ وہ ہجرت فاسد ونادرست نہیں ہوئی تو ثابت ہوا کہ تقدیر صحت مراد نہیں۔ جب دنیوی حکم صحت کی نفی ہوگئی تو اخروی حکم ثواب ثابت ہوا۔

ثانیاً: اس لئے کے تقدیر ثواب پر اجماع ہے جس کو ثقہ حضرات نے نقل فرمایا۔ (ایضا، ص ۴۰، ۴۱)

صدر العلماء نے اپنی اس گرانقدر تصنیف بشیر القاری شرح البخاری میں احادیث کے مفاہیم ومعانی کی وضاحت، عقائد باطلہ کے ردوابطال، دیگر شارحین کے تعاقب اور مسلک حنفی کے اثبات کے ساتھ جگہ جگہ احادیث سے مسائل فقہیہ کا استنباط بھی فرمایا ہے۔

بینک اور ڈاکخانہ کے منافع کا حکم

جب فارس کو روم پر غلبہ حاصل ہوا اور کچھ شہران کے قبضہ میں آگئے۔ تو اس خبر سے مسلمانان مکہ کو بڑا رنج ہوا اور مشرکین مکہ خوش ہوئے، وہ مسلمانوں سے کہتے کہ تم اہل کتاب رومی بھی اہل کتاب اور ہم امی اور فارس بھی امی، تو ہمارے بھائی تمہارے بھائی پر غالب آئے۔ جب کفار مکہ کی یہ گفت وشنید امیر المؤمنین حضرت سیدنا ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ تک پہنچی تو آپ نے کفار سے فرمایا کہ تمہاری یہ خوشی ناپائدار ہے کیونکہ غیب داں نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ہمیں یہ خبر مرحمت فرمائی ہے کہ بخدا اب روم فارس پر غالب ہوں گے۔ تو ابی بن خلف اسے جھٹلاتے ہوئے بولا ایسا نہیں ہوگا، تو حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ وابی بن خلف کے مابین یہ شرط قرار پائی کہ جس کی بات غلط ثابت ہوگی وہ سو اونٹ دے گا چنانچہ ایسا ہی ہوا کہ وقت شرط سے روم اور فارس میں جنگ چھڑ گئی اور فرمان رسول کے مطابق اس بار اہل روم فارس پر غالب آئے، اس طرح حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی بات صحیح ثابت ہوئی اور آپ نے یہ شرط ابی بن خلف سے جیت لی آپنے اس کے ورثہ سے سو اونٹ وصول کر کے بحکم نبوی ان کو صدقہ کر دیا۔

حضرت صدر العلما علیہ الرحمۃ والرضوان نے اس واقعہ کو تفصیل سے ذکر فرمایا اور پھر اس سے یہ مسئلہ مستنبط فرمایا کہ کافر حربی کا مال عقد فاسد سے لینا اور نفع اٹھانا جائز ودرست ہے، نیز اس مسئلہ کی بھی وضاحت فرمائی کہ اگر مسلم کی بھی شرکت نہ ہو تو ہندوستان کے بینکوں اور ڈاکخانوں میں روپیہ جمع کر کے نفع حاصل کرنا بھی جائز ہے۔ جیسا کہ آپ رقمطراز ہیں:

اس سے ثابت ہوا کہ عقد فاسد سے کافر حربی کا مال لینا جائز ہے، اگرچہ لینے والا مسلم اور دار الاسلام میں ہو، اور اگر کافر حربی بغیر اذن سلطان اسلام، دار الاسلام میں ہو تو بھی مسلم بذریعہ عقود فاسدہ جیسے ربا وغیرہ اس کا مال لے سکتا ہے کیونکہ اس کا مال معصوم نہیں کیونکہ اس کا جان اور مال دونوں مباح ہیں اور ربا کی حرمت کے لئے یہ شرط ہے کہ بدلین معصوم ہوں۔ ردالمحتار میں ہے "قال فی الشرنبلالیة: شرائط الربا عصمة

البدلين و كونهما مضمونين بالا تلاف فعصمة احدهما وعدم تقومه لا يمنع " اھ

اس بیان سے یہ مسئلہ بھی واضح ہوگیا کہ آج کل ہندوستان کے اندران بینکوں میں روپیہ جمع کر کے منافع لینا درست ہے جن میں کسی مسلم کا شیر (حصہ) نہیں وہ خالص غیر مسلم کے ہیں اور اگر ایک مسلم بھی ان میں حصہ دار ہے تو منافع سود ہیں، ان کا لینا حرام ہے یہی حکم ڈاکخانوں کا ہے اگر حکومت غیر مسلم ہے تو منافع لینا درست ہے۔ ورنہ حرام۔ واللہ تعالیٰ اعلم

(ایضاص ۱۸۲)

علاوہ ازیں حدیث مذکورہ " انما الاعمال بالنیات " سے ان مسائل کو بھی ثابت فرمایا ہے کہ اگر نابالغ ایصال ثواب کرے تو کر سکتا ہے اس میں کوئی حرج نہیں، یوں ہی متعدد نیتوں سے ایک عمل کا ثواب بھی متعدد ہو جاتا ہے اور اگر کسی عمل میں دنیوی غرض کا قصد وارادہ ہو تو بھی ثواب ملے گا بشرطیکہ غرض دنیوی امر مباح ہو۔

حضرت صدر العلماء علیہ الرحمہ کی تصانیف خصوصاً "بشیر القاری شرح البخاری" میں اس قسم کی اور بھی مثالیں آپ کو ملیں گی جو ان کی دقت نظر و وسعت فکر کی بین دلیل ہیں، اے کاش پوری صحیح بخاری کی شرح کرنے کا وقت آپ کو میسر ہوتا تو آج علم کا ایک بیش بہا خزانہ ہمارے لئے فراہم ہوتا۔ مولیٰ تعالیٰ سے دعا ہے کہ حضرت صدر العلماء علیہ الرحمہ کے ان علمی کارناموں سے رہتی دنیا تک ایک عالم فیضیاب ہوتا رہے، آمین یارب العلمین بحرمۃ النبی الکریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم۔

محمد ابرار احمد امجدی

صدر العلماء اوران کا تفقہ فی الدین

مولانا مفتی محمد اختر حسین قادری

مدرس دار العلوم علیمیہ (جمد اشاہی۔یو۔پی)

بسم اللہ الرحمن الرحیم

نحمد و نصلی علی رسولہ الکریم

امابعد!

راقم الحروف سے محب گرامی حضرت مولانا محمد ایوب اشرفی سنبھلی صاحب خطیب وامام مسجد نور الاسلام بولٹن یو۔کے اور محترم المقام حضرت علامہ مولانا محمد حنیف صاحب مدظلہ العالی صدر المدرسین جامعہ نوریہ رضویہ بریلی شریف نے باصرار یہ فرمائش کی کہ عالم اسلام کی عظیم المرتبت شخصیت صدر العلما بدر الفضلاء امام النحو حضرت مولانا سید غلام جیلانی میرٹھی قدس سرہ پر فقہ کے حوالے سے کچھ تحریر کروں۔

حضرت علامہ میرٹھی قدس سرہ کا ملت اسلامیہ خصوصا جماعت اہل سنت پر جو احسان عظیم ہے اس کا مقتضی تو یہ تھا ہی کہ اپنے اس جلیل القدر کی بارگاہ میں خراج عقیدت ومحبت پیش کیا جائے۔اور ایسے نامور عالم دین کی دینی ومذہبی، علمی اور تحقیقی خدمات اور عظیم الشان کارناموں کو ارباب علم ودانش کے سامنے لایا جائے، مگر اس پر ان دوکرم فرماؤں کی عنایتوں نے مہمیز کا کام کیا، اور کج مج تحریر لے کر حاضر ہو گیا، عنوان کی مناسبت سے فقہ اور اس کے کچھ اہم گوشے ہدیہ ناظرین کر دینا افادیت سے خالی نہیں ہوگا۔اس لئے اولا انہیں سپرد قرطاس کیا جاتا ہے۔

فقہ کا معنی

لغت میں فقہ کا معنی ہے کسی شئی کا جاننا، سمجھنا، کھولنا، اور شق کرنا، اور اصطلاح میں شرعی احکام کو ان کے تفصیلی دلائل کے ذریعہ معلوم کرنے کا نام فقہ ہے، چنانچہ درمختار میں ہے۔۔

فا لفقہ لغۃ العلم با لشئی و اصطلا حاً عند الا صو لین العلم با لا حکا م الشرعیہ الفر عیۃ المکتسب من اد لتھا التفصیلیۃ [1]

اور حضرت سیدنا امام اعظم ابوحنیفہ رضی اللہ تعالی عنہ نے فرمایا کہ حلال وحرام اور جائز وناجائز جاننے کا نام فقہ ہے، جیسا کہ درج ذیل عبارت سے واضح ہے۔

وهو معرفة النفس ما لها وما عليها هكذا نقل عن ابی حنيفه رحمه الله ۲
اورصوفیائے کرام کے نزدیک علم وعمل کے مجموعہ کا نام فقہ ہے، درمختار میں ہے:
وعند اهل الحقيقه الجمع بين العلم والعمل ۳ے

فقہ کتاب وسنت کی روشنی میں

فقہ اسلامی کوئی ایسا فن نہیں جو انسانی ذہنوں کی پیداوار اور کسی ماہر اور تجربہ کار شخصیت کا خودساختہ چند اصول وقوانین کا مجموعہ ہو، بلکہ اس کا مصدر و ماخذ اور سرچشمہ کتاب اللہ اور سنت رسول اللہ ہے اور اس کی عظیم الشان بنیاد قرآن مقدس اور احادیث نبویہ میں موجود ہے۔

چنانچہ ارشاد باری تعالی ہے:

فلو لا نفرمن كل فرقة منهم طائفة ليتفقهوا فى الدين ولينذر وا قو مهم اذا رجعو االيهم لعلهم يحذرون ۴

ترجمہ: تو کیوں نہ نکلیں ہر قبیلے سے چند آدمی تا کہ تفقہ حاصل کریں دین میں اور ڈرائیں اپنی قوم کو جب لوٹ کر آئیں ان کی طرف تا کہ وہ (نافرمانیوں) سے بچیں۔ایک مقام پر ارشاد ہے:

ومن یو ت الحکمة فقد اوتی خیرا کثیرا ۵

ترجمہ:۔اور جسے حکمت عطا کی گئی تو بلاشبہ اسے خیر کثیر سے نوازا گیا۔

اول الذکر آیت کریمہ سے معلوم ہوا کہ امت مسلمہ کے اندر ایک طبقہ ایسا ضرور ہونا چاہئے جو تفقہ فی الدین کی گراں بہا نعمت سے بہرہ مند اور فقہی بصیرت کا حامل ہو۔دین کے اسرار ورموز اور نشیب وفراز سے پوری طرح واقف ہو، اس کے اغراض ومقاصد اور حقیقی روح سے مکمل آشنا ہو، اسلامی اصول وضوابط پر گہری نظر رکھتا ہو۔اہل زمانہ کے حالات وکوائف پر مطلع ہو۔امت کے سامنے درپیش مسائل کو کتاب وسنت کی روشنی میں حل کرسکتا ہو، اور اسلام کی آفاقیت وجامعیت کو دل نشین پیرایہ بیان میں لوگوں کے سامنے پیش کرسکتا ہو۔

جب ان اوصاف وکمالات سے متصف ایک باعظمت طبقہ امت میں موجود ہوگا تو وہ اپنے علم وعرفان کی شمع سے گھر گھر اجالا پھیلائے گا۔دلوں کا تزکیہ فرمائے گا۔امت کو جائز وناجائز ، حلال وحرام اور مفید ومضر کا فرق سمجھائے گا۔

کاروان حیات کو اس کی بلند ترین منزل تک پہونچانے کے لئے کوشاں رہے گا۔اور جہاں کہیں کوئی اعتقادی اور عملی تاریکی کا سراغ ملے گا تو اپنے نور کا رخ ادھر موڑ کر تاریکی کا سینہ چاک کر کے ماحول کو بقعہ نور بنادے گا۔

قرآن مقدس کے اسی ارشاد کی برکت ہے کہ تاریخ عالم میں سیدنا محمد عربی ﷺ کے جاں نثار صحابۂ کرام

نے جولازوال نقوش چھوڑے وہ اپنی مثال آپ ہیں۔ انہوں نے جہاں اپنی عظمت و رفعت اور شان و شوکت کے پرچم لہرائے وہیں سے علم وحکمت کے چشمے پھوٹ پڑے اور کوہ ودمن۔ دشت وجبل میں جہاں کہیں وہ خیمہ زن اور فروکش ہوئے مسجد و مدرسہ کے بلند مینار معرفت و دانائی اور فضل وکمال کی تجلیاں بکھیرنے لگے۔

صحابۂ کرام میں سے بعض نے تو حضور نبی محترم ﷺ سے اس درجہ حکمت اور تدبیر وتفکر کے ساتھ تفقہ فی الدین حاصل کیا کہ امت میں انھیں سب سے زیادہ باکمال اور مقتدر فقیہ ہونے کا اعزاز حاصل ہوگیا۔ ان میں حضرت ابوبکر صدیق، حضرت عمر فاروق، حضرت عثمان غنی، حضرت علی مرتضی، حضرت عبداللہ بن مسعود، حضرت عبداللہ بن عمر، حضرت عبداللہ بن عباس، حضرت زید اور حضرت عائشہ رضی اللہ تعالی عنہم خاص طور سے قابل ذکر ہیں۔

ان نفوس قدسیہ کے قلوب واذہان میں فقہی بصیرت کی اہمیت اور تفقہ فی الدین کی عظمت خود بخود لہریں نہیں مارنے لگی تھی، بلکہ ان کے پیش نظر رسول محترم ﷺ کا یہ مبارک ارشاد جلوہ بار تھا کہ

من یرد اللہ به خیرا یفقهه فی الدین ۔ ۶

قرآن کی مذکورہ بالا آیات طیبہ اور حدیث نبوی سے مثل آفتاب یہ بات واضح ہوجاتی ہے کہ فقہ اسلامی کا مصدر وماخذ سرچشمہ ہدایت کلام ربانی اور ارشادات نبی کریم علیہ السلام ہیں اور اس شجر طوبی کی جڑیں قرآن وحدیث ہی میں موجود ہیں۔

ضرورت فقہ

قرآن وحدیث کی اس صراحت کے بعد ضرورت فقہ کے لئے اب مزید کسی منطقی اور عقلی استدلال کی حاجت نہیں رہ جاتی ہے مگر عقل پرستی کے اس دور میں اگر عقلی دلائل وشواہد سے بھی فقہ کی افادیت اور ضرورت اجاگر کردی جائے تو ممکن ہے کہ منکرین فقہ کے اندر فقہ اور ائمہ فقہ سے جو بدگمانی پائی جاتی ہے وہ ختم ہوجائے اور ان کے تاریک دلوں میں حسن ظن کا نور پھیل جائے اسی نقطہ نظر سے یہ چند سطریں حیطۂ تحریر میں لائی جارہی ہیں

ہر صاحب ایمان کا یقین ہے کہ اسلام انسانی زندگی کے جملہ شعبوں کی رہنمائی کا ضامن اور ایک مکمل دستور حیات ہے اور اسلامی اصول وقوانین کا دارومدار کتاب اللہ اور احادیث رسول پر ہے مگر یہ بھی ایک حقیقت ہے کہ انسان کی معاشرتی زندگی اتنی وسیع ہے کہ اس کے ہر ہر پہلو اور ہر ہر گوشہ کا حکم نہ تو قرآن میں صراحتا مل سکتا ہے نہ احادیث رسول میں۔

قرآن میں احکام کے صرف اصول وکلیات ہیں اور ان قرآنی احکام کی تفصیل وتشریح کیلئے حدیث نبوی کا ایک عظیم ذخیرہ ہے لیکن احادیث کے متعلق بھی یہ دعوی نہیں کیا جاسکتا ہے کہ فرائض واحکام کی تعمیل اور عبادات ومعاملات کی راہ میں شب وروز ہر ہر فرد کو قدم قدم پر جن احکام شریعت کی ضرورت پڑتی ہے اور جو

جو احوال وواقعات انہیں پیش آتے ہیں ان سب کی تفصیل اور ہر ایک کا حکم احادیث میں صراحتاً موجود ہے۔

اب ایسے نازک موڑ پر اسلام کی آفاقیت جامعیت اور عالمگیریت کو ثابت کرنا ہے اور شخصی زندگی سے لے کر اجتماعی زندگی تک کے تمام پیدا شدہ مسائل میں واضح ہدایات کرنی ہیں اور اسلام کے دعوی تبیاناً لکل شیء کو دلائل و براہین سے مزین کر کے اقوال عالم کے سامنے پیش کرنا ہے۔

اس کام کے لئے دو راستے ہیں یا تو ہر مسلمان تمام احکام کو کلیات و جزئیات اور اصول و فروع کے ساتھ سیکھے اور قرآن وحدیث کو ان کے معانی و مطالب کے ساتھ یاد رکھے اور جب کوئی مسئلہ اسے درپیش ہو تو اسے قرآن وحدیث سے اخذ کر کے اس پر عمل پیرا ہو۔ اسلامی قوانین کی بالادستی ثابت کردے۔

اور دوسرا راستہ یہ ہے کہ امت مسلمہ میں جن کو پروردگار عالم نے یہ صلاحیت ولیاقت دی ہے کہ وہ قرآن وحدیث کے حفظ وضبط کے ساتھ ان کے اسرار و رموز اور ظاہر و باطن سے کما حقہ آگاہ ہیں اور اس پُر پیچ وادی میں جس طرح کے ساز و سامان کی ضرورت ہے سب کے سب انہیں حاصل ہیں وہ اپنی خداداد قوت اجتہاد واستنباط سے کام لے کر احکام شرعیہ کا ایسا مجموعہ تیار کردیں جس میں امت کے ہر ہر فرد کے لئے منقح احکام مذکور ہوں۔

ظاہر ہے کہ پہلا راستہ اختیار کرنا کہ سب کے سب قرآنی مطالب ومفاہیم اور علم فقہ حاصل کرنے میں لگ جائیں خود ارشاد قرآنی کے منشا کے بھی خلاف ہے اور حکمت ومصلحت کے بھی بلکہ نظام عالم کے درہم برہم ہونے کا بھی سبب ہے کہ جب سب کے سب ایک کام میں مشغول ہو جائیں گے تو پھر زندگی کے دیگر شعبوں کا حشر کیا ہوگا یہ سب پر عیاں ہے۔

اس لئے اب ہمارے سامنے ارشاد باری تعالی کی روشنی میں صراط مستقیم یہی ہے کہ ملت اسلامیہ کا ایک بالغ نظر طبقہ اپنی بیدار مغزی، ذکاوت ذہانت اور خداداد اجتہادی صلاحیت کو بروئے کار لا کر کتاب وسنت سے اخذ واستنباط کر کے احکام کا مجموعہ تیار کردے اور اسلامی احکام وقوانین کی جامعیت واضح کردے اور امت اس پر عمل پیرا ہو۔

اس پہلو سے اولاً سیدنا امام الائمہ کاشف الغمہ حضرت امام اعظم رضی اللہ تعالی عنہ نے غور فرمایا اور اپنے تمام باہوش اصحاب وتلامذہ کے ساتھ مکمل ژرف نگاہی تیقظ۔ بیدار مغزی۔ حاضر دماغی مشقت وجانسوزی۔ خداداد صلاحیت وبصیرت اور کدو کاوش سے قرآن وحدیث سے ہزاروں کلیات وجزئیات کا استخراج فرمایا۔ اور اسے اکناف عالم میں نہایت ذمہ داری اور دیانت داری سے پھیلایا امت کے ان نفوس قدسیہ کے اجتہادات واستنباط کو فقہ اسلامی کا نام دیا جاتا ہے ان مجموعہ اجتہادات کے متعلق بجا طور پر کہا جا سکتا ہے کہ آج زندگی کے گوشوں کے احکام اس مجموعہ میں کسی نہ کسی صورت سے ضروری موجود ہیں۔ فقہ اسلامی کے تعلق سے علامہ سید

ظہیر احمد رحمۃ اللہ علیہ زیدی فرماتے ہیں۔
احکام فقہیہ کی خصوصیت یہ ہے کہ انسانی زندگی کے ہر پہلو کو محیط ہے۔

افعال واعمال انسانی کا کوئی فعل ایسا نہیں ہے جس کے لئے فقہ اسلامی میں جواز یا عدم جواز کا حکم نہ بیان کیا گیا ہو، اگر کسی مسئلہ اجنبی سے متعلق صراحۃً حکم نہ ملے تو ایسے اصول وقواعد ضرور ملیں گے جن کے ذریعہ وہ حکم معلوم کیا جا سکتا ہے، فقہ اسلام نے اپنے وسیع مفہوم کے ساتھ عالمی تمدن ومعاشرت پر بھی گہرے نقوش قائم کئے ہیں اور ایک بہتر وصالح اور فلاحی معاشرہ قائم کیا ہے اور دنیا کی اس کی طرف رہنمائی کی ہے۔

بہت سے غیر مسلم محققین بھی اس کا اعتراف کرنے پر مجبور ہیں اور انہوں نے اس کی جامعیت اور ہمہ گیری کا اعتراف کیا ہے۔ ۷

سطور بالا سے فقہ کی ضرورت واہمیت اور اس کی افادیت مانند آفتاب واضح ہو جاتی ہے اور یہ حقیقت کھل کر سامنے آجاتی ہے کہ فقہ اسلامی کو نظر انداز کر کے آج کوئی بھی شخص صحیح معنی میں اسلام کی شاہراہ پر ہرگز نہیں چل سکتا ہے۔

مختلف ادوار میں مشہور حنفی مصنفین ومحققین

ماسبق میں عرض کیا جاچکا ہے۔ کہ تدوین فقہ کی ضرورت سب سے پہلے سیدنا امام اعظم رحمۃ اللہ علیہ نے محسوس فرمائی، اور اپنی خداداد صلاحیت سے تدوین وترتیب کا کام انجام دیا، آپ کے رفقاء کار نے شب وروز جس جانفشانی سے آپ کا تعاون کیا تاریخ میں وہ آب زر سے لکھنے کے قابل ہے، برج فضل وکمال کے ان درخشندہ ماہ ونجوم نے قرآن وحدیث کی سطر سطر حرف حرف نقطہ نقطہ کو اپنی توجہ تدبر وتفکر کا مرکز بنایا، اور دوسری صدی کے اختتام تک قوانین اسلام کو باضابطہ مرتب ومدون فرمادیا، تدوین فقہ کے لئے اولین جدوجہد کا سہرا سیدنا امام اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ اور آپ کے لائق وفائق تلامذہ اور اصحاب کے سر جاتا ہے، اسی اولیت سے عالم اسلام میں فقہ حنفی اور فقہائے احناف کو سب سے زیادہ عروج حاصل ہوا۔ ان اولوالعزم اور جلیل القدر مجتہدین کرام کے بعد مختلف ادوار میں امت کے جن متبحر اور عبقری فضلاء نے فقہ حنفی کو اپنے خون جگر سے سینچا، ہم ان میں سے ہر ایک کا درجہ بدرجہ تذکرہ کرتے ہیں۔ (۸)

تیسری صدی ہجری

زمانۂ رسالت سے قریب ترین تیسری صدی کے مشہور حنفی فقیہ کی حیثیت سے حضرت سید امام احمد بن عمر خصاف قدس سرہ کا نام آتا ہے جنہوں نے بکثرت کتابیں تصنیف فرمائیں، ان میں سے ایک کتاب

"الاسعاف فی احکام الاوقاف" ہے، آپ نے ۲۶۱ھ میں وفات پائی۔

چوتھی صدی ہجری

اس دور کے جن فقہائے کرام نے فقہ حنفی کی ترویج واشاعت میں اپنی توانائی صرف فرمائی اور اپنی جہد مسلسل سے اسے عروج بخشا ان میں حضرت سیدنا امام احمد ابو جعفر بن محمد طحاوی مصری قدس سرہ کا اسم گرامی سر فہرست ہے۔ آپ نے تالیفات وتصنیفات کا عظیم ذخیرہ یادگار چھوڑا ہے جن میں شرح معانی الآثار معروف بہ طحاوی شریف اور مشکل الآثار مشہور ومقبول ہیں۔ آپ کی وفات ۳۲۱ھ میں ہوئی۔

اس صدی کی ایک اور عبقری شخصیت حضرت سید امام احمد بن ابو بکر جصاص قدس سرہ ہیں۔ آپ نے احکام القرآن نامی ایک معرکۃ الآراء تفسیر تصنیف فرمائی اور کتاب وسنت سے فقہ حنفی کا زبردست اثبات فرمایا، اس کتاب کے علاوہ بھی کئی اہم تصنیفات آپ کی یادگار ہیں، ۳۷۰ ہجری میں آپ نے داعی اجل کو لبیک کہا۔

پانچویں صدی ہجری

اس صدی میں بیشمار حاملین فقہ وفتاوی منصۂ شہود پر جلوہ گر ہوئے اور اپنی اپنی فقہی بصیرت سے عالم اسلام کو مستفیض فرمایا، ان میں ایک مایۂ ناز فقیہ سیدنا امام ابوالحسین احمد محمد بن بغدادی قدوری قدس سرہ ہیں، آپکے بیشمار علمی کارناموں میں مختصر القدوری بڑی مشہور ومعروف ہے یہ ایک ہزار سال کا قدیم مستند متن متین ہے جو عہد تصنیف سے آج تک پڑھا پڑھایا جارہا ہے، بلکہ یوں کہا جائے کہ اسلام کے بہترین دل ودماغ کی انتہائی عرق ریزی کا آخری منقح نتیجہ ہے اس کتاب کی بکثرت شرحیں لکھی گئیں ہیں، سیدنا امام قدوری قدس سرہ نے ۴۲۸ ہجری میں وفات پائی۔

اس عہد کے دوسرے عظیم حنفی فقیہ اور محقق شمس العلماء سیدنا امام محمد بن احمد ابو بکر سرخسی ہیں جن کی ژرف نگاہی اور تحقیق وتدقیق کا زمانہ شاہد ہے، آپ کی گراں قدر تصنیفات میں شرح سیر کبیر ہے جو مبسوط کے نام سے چاردانگ عالم میں مشہور ہے۔ یہ عظیم الشان کتاب ۳۰ جلدوں میں ہے جسے امام سرخسی نے اس حال میں املا کرایا کہ حاکم وقت کو بطور نصیحت۔ کلمہ حق کہنے کی وجہ سے ایک تاریک کنوئیں میں قید کردئے گئے تھے۔ اسلام کے اس مرد حق آگاہ اور علم وحکمت کے بحر بیکراں نے ایسے عالم میں امت مسلمہ کو سیرابی بخش کر ۴۸۳ ہجری کو اپنے رب کی بارگاہ میں حاضری دی۔

چھٹی صدی ہجری

پانچویں صدی کی طرح اس صدی کے افق پر بھی فقہ وفتاویٰ کے ان گنت مہ وخورشید جگمگاتے نظر آتے ہیں۔ اور اپنی حکمت ودانائی کے نور سے عالم اسلام کو منور کرتے ہیں۔ ان اصحاب فضل وکمال میں سیدنا ملک العلما

امام ابوبکر مسعود کاسانی قدس سرہ ہیں جن کی بے بہا تصنیف بدائع الصنائع فی ترتیب احکام الشرائع ۶ رمجلدات میں زینت بزم تفقہ ہے۔ علامہ کاسانی علیہ الرحمۃ نے ۵۸۷ ہجری میں انتقال فرمایا۔

دوسری عظیم شخصیت امام اجل فقیہ النفس حسن بن منصور معروف بہ قاضی خاں کی ہے، جن کی کثیر تالیفات میں شرح جامع صغیر اور فتاویٰ قاضی خان شہیر عرب وعجم ہیں، آپ نے ۵۹۲ ہجری میں عالم فانی کو خیرباد کہا۔

اور اسی مبارک عہد میں مرغینان کی سرزمین سے اس سرمایہ افتخار ہستی کو وجود ملا جو بلاشبہ آیۃ من آیات رب العالمین اور معجزۃ من معجزات سید المرسلین ہے۔ اور تاریخ عالم جن کی مثال پیش کرنے سے قاصر ہے۔ دنیائے اسلام اس عبقری فقیہ کو امام ابوالحسن برہان الدین علی بن ابوبکر فرغانی مرغینانی کے نام سے جانتی ہے جن کی ان گنت تصنیفات میں۔ ہدایہ مثل آفتاب وماہتاب دنیائے فقہ میں درخشندہ وتابندہ ہے۔ اس درنایاب کی اب تک چالیس شروح وحواشی لکھے جاچکے ہیں جن کے مطالعہ سے اس کشور علم وفضل کے تاجدار کی مکمل تصویر سامنے آجاتی ہے اور اس کے چہرۂ تفقہ کا ایک ایک خد وخال نمایاں ہوجاتا ہے علم وہدایت کا یہ آفتاب ۵۹۳ھ میں روپوش ہوگیا۔

ساتویں صدی ہجری

اس قرن کے مشہور حنفی مؤلفین میں امام افتخار الدین عبدالمطلب بن الفضل عباسی بلخی ثم حلبی متوفی ۶۱۶ھ ہیں یہ حلب میں فقہ کے امام سمجھے جاتے تھے ان کی تصنیفات میں شرح جامع کبیر مشہور ومعروف ہے۔

دوسرے عظیم فقیہ علامہ محمود بن احمد جمال الدین بخاری حصیری (متوفی ۶۳۷ھ ہیں اور تیسرے حضرت علامہ بدر الدین محمد بن محمود کردری۔ متوفی ۶۵۱ھ ہیں جو خواہرزادہ کے نام سے جانے جاتے ہیں ان اسلامی شخصیات نے اپنے عہد میمون میں فقہ حنفی کے حوالے سے لازوال کارنامے انجام دیئے۔

آٹھویں صدی ہجری

اس زمانے کے مشہور حنفی ائمہ میں ابوالبرکات علامہ عبداللہ بن احمد حافظ الدین نسفی قدس سرہ ہیں، متن نگاری آپ کے کلاہ افتخار کا طرہ امتیاز ہے مشہور متن کنز الدقائق۔ اس کے علاوہ متعدد گرانقدر تصنیفات آپ کے علمی شاہکار ہیں ۷۱۰ھ میں آپ نے وفات پائی۔

اسی عہد سعید میں شارح کنز الدقائق علامہ فخر الدین ابو محمد عثمان بن علی زیلعی علیہ الرحمہ نے بھی اپنی فقہی بصیرت سے امت مسلمہ کو محظوظ فرمایا اور تبیین الحقائق جیسا انمول تحفہ عالم اسلام کو عطا فرما کر ۷۴۳ھ میں داعی اجل کو لبیک کہا آپ کے علاوہ شارح وقایہ صدر الشریعہ عبید الدین مسعود قدس سرہ متوفی ۷۴۷ھ اور شیخ اکمل

الدین محمد بن محمود بابرتی متوفی ۷۸۶ھ اس صدی کے عظیم حنفی مولف گزرے ہیں۔

نویں صدی ہجری

اس عہد کی تاریخ ساز شخصیات میں صاحب بنایہ علامہ قاضی بدرالدین محمود بن احمد معروف بہ عینی قدس سرہ متوفی ۸۵۵ ہیں اور دوسرے عظیم محقق علامہ ابن الھمام کمال الدین محمد بن عبدالواحد قدس سرہ ہیں جن کی متعدد اہم علمی یادگار میں شرح ہدایہ معروف بہ فتح القدیر شرق وغرب میں مقبول ومتداول ۔ہے علامہ ابن الھمام نے ۸۶۱ میں اس دارفانی کو خیرباد فرمایا۔

دسویں صدی ہجری

اس دور میں دبستان فقہ حنفی کے گل سر سبد کا نام علامہ ابراہیم بن محمد حلبی قدس سرہ ہے جن کی حکمت وفضیلت کی عطر بیزی سے عالم اسلام مشکبار ہے آپ ہی کی کدوکاوش کا نتیجہ ملتقی الابحر ہے جس کی بہت سی شرحیں لکھی گئیں ہیں آپ نے ۹۵۶ھ میں وفات پائی۔

اور دوسرے مایہ ناز فقیہ شہیر عرب وعجم زینت بزم فقہاء علامہ زین العابدین بن ابراہیم نجیم مصری ہیں جن کے فقہی تبحر اور علمی لیاقت کا ہر کہ ومہ معترف ہے آپ کی مشہور تالیفات میں البحر الرائق شرح کنز الدقائق اور الاشباہ والنظائر ہے آپ نے ۹۷۰ھ میں وفات پائی اس صدی کے عظیم فقیہ علامہ زین الدین قاسم بن قطلو بغا متوفی ۹۷۹ بھی ہیں۔

گیارہویں صدی ہجری

اس صدی کے مایۂ ناز حنفی مصنف عمدۃ المتاخرین شیخ الاسلام محمد بن عبداللہ احمد خطیب تمرتاشی غزی ہیں ان کی بے شمار تصانیف میں تنویر الابصار سب سے زیادہ مشہور ہے اس کتاب کے متعلق علامہ حصکفی نے فرمایا ہے :میری زندگی کی قسم چمنستان فقہ کی کلیاں اسی کتاب سے کھلی ہیں۔علامہ تمرتاشی کا انتقال ۱۰۰۴ھ میں ہوا۔

اور دوسری عظیم شخصیت علامہ علاؤ الدین بن محمد علی حصکفی کی ہے جن کے فضائل وکمالات کا اعتراف ان کے معاصرین ومشائخ تک نے کیا ہے مشہور انام تصنیف درمختار آپ کا ہی زرین نقش ونگار ہے۔آپ کی رحلت ۱۰۸۸ھ میں ہوئی ان کے علاوہ علامہ ابوالاخلاص حسن بن عمار شرنبلالی مصنف نورالایضاح نے بھی اسی عہد میں اپنی فقہی دقیقہ سنجی سے عالم اسلام کو فیضیاب فرمایا۔آپ نے ۱۰۶۹ھ میں وفات پائی۔

بارہویں صدی ہجری

اس دور کے جلیل القدر فقیہ اور حنفی مفسر حضرت علامہ شیخ احمد بن ابوسعید معروف بہ ملا جیون ہیں جنہوں

نے تفسیرات احمدیہ اور نور الانوار جیسی مایہ ناز کتاب تصنیف فرما کرامت پر عظیم احسان فرمایا۔ آپ نے ۱۱۳۰ھ میں سفر آخرت فرمایا۔

تیرہویں صدی ہجری

اس صدی کے ماہرین فقہ میں حضرت سید العلماء سید طحطاوی مصری قدس سرہ کی ذات بابرکات ہے جن کی بے نظیر تحقیق حاشیہ طحطاوی کے نام سے مشہور ہے۔ آپ نے ۱۲۳۱ ہجری میں وصال فرمایا۔

اور دوسرے بے مثال فقیہ تحقیق وتدقیق کے شہسوار عقلیہ ونقلیہ کے حسین سنگم خاتم المحققین علامہ سید محمد امین ابن عمر عابدین شامی معروف بہ ابن عابدین شامی ہیں جن کی معرکۃ الآراء تصنیف ردالمحتار کو فقہ حنفی میں خاتم التصانیف کی حیثیت حاصل ہے، ائمہ مجتہدین کے عہد مبارک سے لے کر بارہویں صدی تک فقہ حنفی پر جتنی کتابیں معرض تحریر میں آئیں ردالمحتار ان سب کا عطر تحقیق اور حنفی دائرۃ المعارف ہے۔

علامہ شامی اپنے عہد کے یگانہ فرد تھے۔ سیکڑوں کتب فقہ پر کامل عبور رکھتے تھے۔ ردالمحتار کے علاوہ رسم المفتی۔ منحۃ الخالق وغیرہ آپ کی تصنیفات ہیں۔ علم وفضل کا یہ آفتاب عالم تاب ۱۲۵۲ ہجری میں غروب ہوا۔

چودہویں صدی ہجری

اس صدی نے جس عظیم محقق ومفکر مفسر وفقیہ اور جامع علوم عقلیہ ونقلیہ کو بزم کائنات میں گوہر نایاب کی حیثیت سے پیش کیا دنیا اسے امام احمد رضا کے نام سے جانتی ہے۔

امام احمد رضا علم وحکمت اور دانائی کے ایسے بحر بے کراں کا نام ہے جہاں سے بے شمار نہریں پھوٹتی ہیں وہ ہر علم وفن میں مہارت تامہ اور ید طولی رکھتے تھے۔ مگر رب قدیر نے انہیں فقہ میں جو تبحر اور گہرائی وگیرائی بخشی تھی اس میں اپنی نظیر آپ تھے۔ عرب وعجم، حل وحرم، ہندوسندھ میں جو آپ کو مرکزیت ومرجعیت حاصل تھی وہ کسی کو نصیب نہیں ہوئی۔

فقہ میں آپ کے درک وکمال اور استحصاء واستقصاء پر دورائیں نہیں۔ موافق ومخالف اپنے اور بے گانے سب ایک رائے ہیں ابوالحسن ندوی جیسے سخت مخالف نے آپ کی فقہی بصیرت پر یوں اظہار خیال کیا ہے۔

فقہ حنفی اور اس کی جزئیات پر مولانا احمد رضا خاں بریلوی کو جو عبور حاصل ہے اس کی نظیر شاید ہی کہیں ملے اس دعوی پر ان کا مجموعہ فتاوی شاہد ہے نیز ان کی تصنیف کفل الفقیہ الفاھم فی احکام قرطاس الدراھم جو انہوں نے ۱۳۲۳ ہجری میں مکہ معظمہ میں لکھی تھی۔ (۹)

حافظ کتب حرم سید اسماعیل بن خلیل مکی امام احمد رضا خاں کے نام ایک مکتوب (محررہ ۱۶/ذی الحجہ ۱۳۲۵ ہجری) میں تحریر فرماتے ہیں۔

اگرامام اعظم نعمان بن ثابت ابوحنیفہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ آپ کے
فتاوی ملاحظہ فرماتے تو ان کی آنکھیں ٹھنڈی ہوتیں اور اس کے مؤلف کو (آپ کو) اپنے خاص شاگردوں میں شامل کر لیتے ۔(۱۰)

امام احمد رضا قدس سرہ نے نصف صدی تک اپنے علم وفضل کے ایسے موتی بکھیرے جنہوں نے عالم اسلام کو روشن اور منور کر دیا اور امت مسلمہ کی ہدایت ورہنمائی کا فریضہ نہایت حسن وخوبی سے نباہ کر ۱۳۴۰ ہجری میں عالم جاودانی کی طرف کوچ فرمایا۔

اسی عہد کے دوسرے قابل صد افتخار فقیہ صدر الشریعہ علامہ مفتی امجد علی بن مولانا حکیم جمال الدین اعظمی علیہ الرحمۃ ہیں۔ آپ یگانہ عصر فقیہ ومحدث تھے۔ آج ہند وپاک میں درس وتدریس اور افتاء وتصنیف کی جتنی مسندیں بھی ہیں سب پر آپ کا فیضان ہے۔ اعلیٰ حضرت امام احمد رضا قدس سرہ نے آپ کے تفقہ فی الدین کو سراہا ۔اور اپنے وقت کا سب سے بڑا فقیہ فرمایا ہے۔

فقہ حنفی میں گرانقدر تصنیف بہار شریعت اور حاشیہ شرح معانی الآثار بہت مشہور ہے۔ عالم اسلام سے اس مایہ ناز اور عبقری فقیہ نے ۱۳۶۷ ہجری میں سفر حرمین طیبین کے دوران اپنے مالک حقیقی کی بارگاہ میں حاضری دی۔(۱۱)

چودہویں صدی کے امام اور مجدد امام احمد رضا کی اولاد واخلاف اور تلامذہ سب علم وفضل کے نجوم وکواکب اور اسلامیان ہند کے لئے باعث صدر شک اور سرمایہ افتخار تھے مگر آپ کے خصوصی فیض پانے والوں میں صدر الشریعہ بدر الطریقہ حضرت علامہ مفتی امجد علی فقیہ اعظم ہند افق فقاہت پر آج بھی مہر وماہ کی مانند جگمگا رہے ہیں۔

پھر صدر الشریعہ کی نگاہ کیمیا اثر نے جن ذروں کو رشک صد آفتاب بنایا ان میں محدث اعظم پاکستان حضرت علامہ سردار احمد قادری لائل پوری متوفی ۱۳۸۲ ہجری۔ حافظ ملت حضرت علامہ عبد العزیز مراد آبادی متوفی ۱۳۹۶ ہجری۔ مجاہد ملت حضرت علامہ حبیب الرحمٰن صاحب اڑیسوی متوفی ۱۴۰۱ ہجری شمس العلماء علامہ شمس الدین احمد جعفری جونپوری متوفی ۱۴۰۲ ہجری اور صدر العلما علامہ سید غلام جیلانی میرٹھی متوفی (۱۳۹۸ھ) علیہم الرحمۃ والرضوان اور ان کے علاوہ درجنوں علمائے فحول کے وجود سے برصغیر کا چپہ چپہ تابناک ہے اور منبر ومحراب سے لے کر درسگاہ وخانقاہ تک انہیں کی جلوہ آرائیاں ہیں۔

اگر ان بلند وبالا شخصیات کے علم وفضل، طہارت وپاکیزگی، کردار وعمل، اخلاص وللہیت، شان جلالت، تبحر علمی اور دینی وملی خدمات کے بیان کا دفتر کھولا جائے تو وقت بھی اپنی تنگ دامانی کی معذرت کرنے لگے۔

سردست صدر العلماء علامہ سید غلام جیلانی میرٹھی قدس سرہ کے متعلق ان کی فقہی بصیرت حوالے سے

کچھ تحریر ہے۔

صدر العلماء علامہ غلام جیلانی میرٹھی قدس سرہ کی شان تفقہ

حضرت صدر العلماء کو درس نظامی کے جملہ علوم پر یکساں دسترس اور مہارت تھی اور تمام مروجہ فنون عقلیہ ونقلیہ میں ید طولی حاصل تھا۔ ان کی تصنیفات تحقیقات وتنقیحات کا حسین گلدستہ ہیں جن کی خوشبو سے مشام علم وحکمت معطر ہے۔ ہم اس مختصر مقالہ میں موصوف کی فقہی بصیرت، انوکھے طرز استدلال، فقہی جزئیات کے استحضار، حالات زمانہ پر نظر، حنفی مسائل کے احقاق واثبات اور کتاب وسنت سے استخراج مسائل کی صلاحیت وقابلیت کے چند نمونے پیش کرنے کی سعادت حاصل کریں گے جن سے ہماری بات کی مکمل وضاحت ہو جائے گی۔

کیا ہندوستان سے حرمین طیبین منتقل ہونا شرعی ہجرت ہے

ہجرت کا معنی بیان فرماتے ہوئے رقمطراز ہیں۔

(ھجرۃ) لغت میں بمعنی ترک ہے۔ اور اصطلاح شرع میں بغرض طلب رضائے الہی ایک وطن کو چھوڑ کر دوسرے وطن میں مسلم کے چلے آنے کو کہتے ہیں۔ حدیث میں یہی معنی مراد ہیں ہجرت اسلام میں دو طرح واقع ہوئی (اول) دار الخوف سے دار الامان کی طرف انتقال جیسا کہ بعض صحابہ نے ابتدائے اسلام میں مشرکین مکہ کے شر وفساد کے خوف سے حبشہ کی طرف ہجرت فرمائی اور مکہ سے مدینہ کی جانب ابتدائی ہجرت بھی اسی قبیل سے تھی۔ (دوم) دار الحرب سے دار الاسلام کی جانب انتقال یہ سید عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے مدینہ منورہ میں متمکن اور مستقر ہونے کے بعد ہوئی۔ ہندوستان چونکہ دار الاسلام ہے اس لئے اگر یہاں سے کوئی شخص مکہ مکرمہ یا مدینہ طیبہ منتقل ہو جائے تو یہ شرعی ہجرت نہ ہوگی فا حفظوہ ایھا الطالبون فان الناس عنہ غافلون۔ (۱۲)

نابالغ ثواب کا ہدیہ کر سکتا ہے یا نہیں

یہ مسئلہ نہایت مشہور ہے کہ نابالغ کا اپنی جانب سے کسی کو کچھ ھبہ وھدیہ کرنا جائز نہیں علامہ حصکفی فرماتے ہیں۔

لا تصح ھبۃ صغیر یعنی نابالغ کا ہبہ درست نہیں ہے۔ (۱۳)

اب اس مسئلہ فقہیہ کی روشنی میں یہ سوال ہوتا ہے کہ اگر کوئی نابالغ بچہ قرآن کی تلاوت کر کے اس کا ثواب یا اور کوئی نیکی کسی دوسرے مسلمان کو ہدیہ کرے تو یہ جائز ہے کہ نہیں۔

علامہ میرٹھی حدیث نیت کی شرح میں جملہ وانما لامرء ما نوی کے تحت اپنے رہوار قلم کو مہمیز دیتے ہوئے میدان تحقیق میں یوں جولانی دکھاتے ہیں۔

کہ حدیث عامل کو ثواب عمل کا مستحق قرار دے کر غیر سے استحقاق کی نفی کر رہی ہے کہ ثواب عمل عامل کا حق ہے غیر کا نہیں۔ جب عامل ثواب عمل کا حقدار ٹھہرا تو ہر صاحب حق کو یہ حق حاصل ہے کہ اپنا حق جس مسلمان کو چاہے ہدیہ کر دے۔ جس طرح ہم اپنے دنیوی حقوق جیسے مملوک اشیاء ہدیہ کر سکتے ہیں اور کرتے رہتے ہیں فرق اتنا ہے کہ اخروی حق یعنی ثواب عمل غیر مسلم کو ہدیہ نہیں ہو سکتا۔ دنیوی حق بعض صورتوں میں غیر مسلم کو دینا جائز ہے۔ نیز دنیوی حق ہدیہ کرنے کے بعد ملک سے نکل جاتا ہے اور مالک کا استحقاق اس میں باقی نہیں رہتا۔ بخلاف اخروی حق کے کہ ہدیہ کرنے کے باوجود صاحب حق کے لئے باقی رہتا ہے۔ بلکہ بڑھ جاتا ہے۔ مثلاً کسی نے صدقہ کر کے اس کا ثواب اپنے عزیز واقارب کو ہدیہ کیا تو اس صدقہ کا پورا ثواب عزیز واقارب میں سے ہر ایک کو ملے گا۔ صدقہ کرنے والے کے ثواب میں اصلاً کمی نہ ہوگی۔ بلکہ انشاء اللہ تعالیٰ ان سب کے مجموعے کے برابر صدقہ کرنے والے کو ملے گا۔ لہٰذا نابالغ بھی ثواب ہدیہ کر سکتا ہے۔ بخلاف دنیوی حق کے کہ اس کا ہدیہ کرنا درست نہیں۔ (۱۴)

سنی تحقیق

جزئیت بسملہ کے مسئلہ میں فقہ حنفی کا اثبات

احناف وشوافع کا یہ اختلاف بہت مشہور ہے کہ جو بسم اللہ الرحمن الرحیم سورتوں کی ابتداء میں لکھا ہوا ہے وہ اس سورت کا جزء ہے یا نہیں۔ ائمہ احناف اسے جزء سورت نہیں مانتے ہیں شوافع اس کے قائل ہیں۔ مسلک احناف کا اثبات کرتے ہوئے علامہ میرٹھی رقمطراز ہیں:

حدیث زیر بحث سے معلوم ہوتا ہے کہ بسم اللہ سورۃ اقرأ کا جزء نہیں کیونکہ اس وقت سورۃ اقرأ کی ابتدائی آیات کا نزول بغیر بسم اللہ کے ہوا ہے۔ اسی واسطے سے جو حضرات اس بات کے قائل ہیں کہ بسم اللہ کسی سورۃ کا ابتدائی جزء نہیں وہ صرف سورتوں میں فصل کرنے کے لئے اور تبرک حاصل کرنے کے لئے نازل ہوئی ہے۔ انہوں نے فرمایا ہے کہ سورۃ اقرأ کی ابتدائی آیات نزول میں اول ہیں اور ان کے ساتھ بسم اللہ نازل نہ ہوئی۔ جیسے کہ حدیث زیر بحث اس بات پر دلالت کرتی ہے۔ پس ثابت ہوا کہ بسم اللہ سورۃ اقرأ کا ابتدائی جزء نہیں اور جب یہ بات ثابت ہوئی تو ان حضرات کے مذہب کی نفی ہوگئی جو فرماتے ہیں کہ بسم اللہ ہر سورت کا جزء ہے جیسے مکہ معظمہ اور کوفہ کے قراء وفقہائے کرام۔ امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ اور ان کے متبعین کا بھی یہی مذہب ہے۔ مدینہ طیبہ بصرہ وشام کے قراء وفقہائے عظام فرماتے ہیں کہ بسم اللہ کسی صورت کا جزء نہیں اور یہی امام اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ اور ان کے متبعین کا مذہب ہے۔ (۱۵)

ندائے یا محمد کی تحقیق

امت پر یہ لازم ہے کہ اپنے پیغمبر سیدنا محمد عربی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی توقیر اور ان کا احترام زندگی

کے ہر موڑ ہر سانس میں ملحوظ رکھے اور اپنی رفتار وگفتار سے کسی طرح بھی بے ادبی کا شائبہ تک نہ پیدا ہونے دے۔ اسی تعظیم وتکریم کے پیش نظر علمائے امت نے حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو! یا محمد: کہہ کر پکارنے سے منع فرمایا ہے۔ علامہ میرٹھی اس مسئلہ کو واضح کرتے ہوئے ارشاد ربانی یا ایہا المدثر کے تحت فرماتے ہیں۔

اس میں ہم غلاموں کے واسطے تعلیم ہے کہ مولی تعالیٰ اپنے محبوب کی کمال عظمت ظاہر کرنے کے پیش نظران کے نام پاک کے ساتھ نداء نہیں فرماتا بلکہ ان کے اوصاف اور عطا فرمودہ القاب کے ساتھ نداء فرمایا کرتا ہے۔ یا ایہا النبی ، یا ایہا الرسول طه ۔ یٰسین ۔ قرآن کریم شاہد ہے کہ نداء کا یہ انداز آپ کے ساتھ مخصوص ہے دیگر انبیاء کرام علیہم الصلوۃ والسلام کو ان کے اسماء کے ساتھ نداء فرمائی گئی جیسے یا آدم ۔ یا ابراھیم یا مو سی ۔ یا داؤ د ۔ یا عیسی ۔ شعر

یا آدم ست باپدر انبیا حظاب
یاایھا النبی حظاب محمد است

لہذا تم بھی جب کبھی حاجت روائی کے لئے یا مشکلکشائی کے واسطے ندا کرو تو یا محمد اور یا ابا القاسم کہہ کر نداء نہ کرنا کہ تمہارے لئے یہ جائز نہیں بلکہ ادب وتکریم اور توقیر وتعظیم کے ساتھ آواز نرم کر کے متواضعانہ منکسرانہ لہجے میں یوں عرض کرنا یا نبی اللہ ۔ یا رسول اللہ ۔ یا حبیب اللہ ۔ یا قا سم رزق اللہ یا زینۃ عرش اللہ ۔ یا دا فع البلا یا ۔یا شا فع الخطا یا ۔ وغیرہ القاب کے ساتھ جو ہماری بارگاہ سے عطا ہوئے ہیں اور کسی ایسے لفظ سے نداء نہ کرنا جو مفید تعظیم نہ ہو کہ یہ آداب بارگاہ نبوت کے خلاف ہے اسی واسطے صحابہ کرام کے ادب کا یہ عالم تھا کہ ماں باپ کو قربان کرنے کے بعد یوں نداء کیا کرتے تھے۔ بابی انت و امی یا رسول اللہ میرے ماں باپ آپ پر قربان ہوں کہ اے اللہ کہ رسول۔

تفسیر جلالین میں زیر آیت لا تجعلوا دعاء الرسول بینکم کد عاء بعضکم بعضاً فرمایا:

با ن تقو لوا یامحمد بل قو لوا یا نبی اللہ یا رسول اللہ فی لین و توا ضع و خفض صوت۔

اور اس کے حاشیہ صاوی میں اس آیت کے تحت فرمایا:

ای ندائہ بمعنی لا تنا دو ہ با سمہ فتقو لو ایا محمد ولا بکنیتۃ فتقو لو ا یا ابا القا سم بل نا دوہ و خا طبو ہ بالتعظیم والتکریم والتو فیر با ن تقولوا ایا رسول اللہ ۔یا نبی اللہ ۔ یا اما م المر سلین ۔ یا رسول رب العا لمین۔ یا خاتم النبین وغیر ذلك واستفید من الآ یۃ انہ لا یجو ز نداء النبی بغیر ما یفید التعظیم لافی حیا تہ ولا بعد وفاتہ

ترجمہ: علامہ صاوی فرماتے ہیں کہ اس آیت کے یہ معنی ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو ان کا نام لیکر نداء نہ کرنا اس طور سے کہ کہو" یا محمد" اور نہ ان کی کنیت کیساتھ نداء کرنا اس طرح سے کہ کہو یا ابا القا سم

بلکہ تعظیم وتوقیر کے ساتھ یوں نداء کیا کرو۔ یا رسول اللہ۔ اے اللہ کے رسول۔ یا نبی اللہ۔ اے اللہ کے نبی۔ یا امام المرسلین۔ اے رسولوں کے پیشوا۔ یا رسول رب العالمین۔ اے رب العالمین کے رسول۔ یا خاتم النبیین۔ اے آخری نبی۔ وغیرہ۔ اوراس آیت سے یہ فائدہ حاصل ہوا کہ نبی کو ایسے الفاظ سے ندا کرنا جائز نہیں جن سے تعظیم مفہوم نہ ہوتی ہو، نہ دنیوی حیات میں نہ وصال کے بعد۔ (۱۶)

ہندوستانی بینکوں کا نفع

ہندوستان کے اندر جو بینک گورنمنٹی ہیں، یا صرف کافروں کے ہیں ان میں روپیہ جمع کرنے پر جو نفع ملتا ہے ایک حدیث کی روشنی میں اس کا حکم بیان کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

بہرکیف ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ زمانہ غلبہ سے پہلے ہجرت کر کے مدینہ منورہ پہونچ چکے تھے اور وہاں رہتے ہوئے شرط کے ۱۰۰ اسو اونٹ وصول فرمائے۔ اس سے ثابت ہوا کہ بذریعہ عقد فاسد کافر حربی کا مال لینا جائز ہے اگرچہ لینے والا مسلم دارالاسلام میں ہو۔ اوراگر کافر حربی بغیر اذن سلطان اسلام دارالاسلام میں ہو تو بھی مسلم بذریعہ عقد فاسد جیسے ربا وغیرہ اس کا مال لے سکتا ہے۔ کیونکہ اس کا مال معصوم نہیں بلکہ اس کا جان اور مال دونوں مباح ہیں اور ربا کی حرمت کے لئے یہ شرط ہے کہ بدلین معصوم ہو۔

ردالمحتار میں ہے:

قال فی الشرنبلالیۃ ومن شرائط الربا عصمۃ البدلین وکونھما مضمونین بالاتلاف فعصمۃ احدھما وعدم تقومہ لا یمنع اہ۔

اس بیان سے یہ مسئلہ بھی ثابت ہوگیا کہ آج کل ہندوستان کے اندران بنکوں میں روپیہ جمع کر کے منافع لینا درست ہے۔ جن میں کسی مسلم کا شیر (حصہ) نہیں وہ خالص غیر مسلم کے ہیں۔ اوراگر ایک مسلم بھی ان میں حصہ دار ہے تو منافع سود ہیں اوران کا لینا حرام ہے۔ یہی حکم ڈاک خانوں کا ہے کہ اگر حکومت غیر مسلم ہے تو منافع لینا درست ہے ورنہ حرام واللہ تعالیٰ اعلم۔ (۱۷)

تکبیر تحریمہ کی فرضیت کا اثبات

فرائض نماز میں تکبیر تحریمہ بھی ہے۔ اس کی فرضیت پر دلیل پیش کرتے ہوئے رقمطراز ہیں:

(وَرَبَّكَ فَكَبِّرْ) فقہائے کرام رضوان اللہ تعالیٰ علیہم نے اس آیت کریمہ کو تکبیر تحریمہ کے ثبوت میں پیش کیا ہے۔ چونکہ طریقہ استدلال تک بعض شارحین کی رسائی نہ ہوسکی اس لئے دبے الفاظ میں علمائے احناف پر اعتراض کر گئے اور ایک بے نتیجہ اشتقاقی بحث کر کے نحاۃ کی بھی تغلیط کی۔ نظر برآں، ہم طریقہ استدلال کی تفصیل بیان کرتے ہیں۔ جس سے بعونہ تعالیٰ تمام شکوک واوہام کافور ہوجائیں گے۔ لغت عرب میں لفظ تکبیر کبھی بمعنی

تعظیم اور کبھی اللہ اکبر کہنے کے معنی میں آتا ہے۔ بر تقدیر معنی اول استدلال یوں کیا جائے کہ آیت مذکورہ میں فکبر صیغہ امر تکبیر بمعنی تعظیم سے ماخوذ ہے لیکن مامور بہ مطلقا تعظیم نہیں بلکہ وہ تعظیم جو تکبیر تحریمہ کے ضمن میں حاصل ہوتی ہے۔ کیونکہ اس سے تکبیر تحریمہ مراد ہونے پر اھل تفسیر متفق ہیں اور اس مراد پر اجماع بھی منعقد ہو چکا ہے۔

مراقی الفلاح اور اس کے حاشیہ طحطاوی صفحہ ۱۱۸ میں ہے" شرط بالکتاب "قال اللہ تعالیٰ وربك فكبر اجمع المفسرون على المراد به تكبير الافتتاح وعليه انعقد الاجماع۔ تکبیر تحریمہ صرف اللہ اکبر کو نہیں کہتے بلکہ اس سے مراد وہ ذکر الٰہی ہے جس کے بعد بلا فصل نماز شروع ہو جاتی ہے تو اللہ اکبر اس کا ایک فرد ہوا۔ بدائع جلد اول صفحہ ۱۳۰ میں ہے۔ والذكر الذی تتعقبه الصلوة بلا فصل وهو تكبير الافتتاح۔ پس آیت سے بطریق مسطور تکبیر تحریمہ بمعنی ذکر مذکور کی فرضیت ثابت ہوئی نہ لفظ اللہ اکبر کی۔ البتہ تکبیر تحریمہ کا اس فرد مخصوص کے ساتھ ادا کرنا واجب ہے۔ امام اعظم ابوحنیفہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ اسی کے قائل ہیں اور یہ وجوب حدیث سے مستفاد ہوتا ہے۔ لہٰذا تکبیر تحریمہ میں اگر اللہ اکبر نہ کہا بلکہ الله الاكبر یا الله رحمن وغیرہ الفاظ کہے جو تعظیم خداوندی پر دلالت کرتے ہیں تو فرضیت ادا ہوگئی مامور بہ تکبیر بمعنی تعظیم تھی جو ان الفاظ سے بھی حاصل ہوتی ہے یہاں وجوب سے بری الذمہ نہ ہوا کہ وہ محض لفظ سے متعلق تھا چنانچہ امام اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے اس مسلک کی دلیل بیان کرتے ہوئے ہدایہ میں فرمایا: لهما ان التكبير هو التعظيم لغة وهو حاصل۔ پھر امام ابن ہمام قدس سرہ نے اس دلیل اور حنفی مسلک کی وضاحت فتح القدیر میں اس طرح بیان فرمائی

قوله ان التكبير ای المذكور فی قوله تعالیٰ وربك فكبر وقوله عليه الصلاة والسلام وتحريمها التكبير معناه التعظيم وهو ايضا المذكور فيما روى مالك الحديث وهو المراد بتكبير الافتتاح فكان المطلوب بلفظ النص التعظيم وهو اعم من خصوص الله اكبر وغيره ولا اجمال فيه والثابت بالخبر اللفظ المخصوص فيجب العمل به حتى يكره لمن يحسنه تركه كما قلنا فی القراة مع الفاتحة وفی الركوع والسجود مع التعديل كذا فی الكافی وهذا يفيد وجوبه ظاهرا وهو مقتضى المواظبة التی لم تقترن بترك فينبغی ان يعول علىٰ هذا ـاه

اور بر تقدیر معنی دوم تقریر استدلال اس طرح کی جائے گی کہ فکبر صیغہ امر تکبیر بمعنی اللہ اکبر گفتن سے مشتق ہے تو اللہ اکبر کہنا مامور بہ ہوا اور امر وجوب کے لئے آتا ہے، لہٰذا اللہ اکبر کہنا واجب قرار پایا۔ چونکہ یہ امر فکبر کتاب کا جز ہونے کے باعث قطعی ہے اور امر قطعی کے مامور بہ کو اصطلاح میں فرض کہتے ہیں۔ نظر بر آں اللہ اکبر کہنا فرض ہوا اور اللہ اکبر کہنے کی فرضیت اجماعا بجز تحریمہ کہیں پر نہیں، تو ثابت ہوا کہ یہ حکم تحریمہ کے واسطے ہے۔ ورنہ نص معطل ہو جائے گی۔ اس بیان سے ثابت ہوا کہ بروقت تحریمہ خاص اللہ اکبر کہنا فرض ہے لیکن اجماع منعقد ہو چکا ہے کہ فکبر کے مامور بہ سے مراد تکبیر تحریمہ ہے تو اللہ اکبر کہنے کی طلب سے مراد تکبیر تحریمہ بجالانا ہے

جو اللہ اکبر کہنے سے عام ہے پس تقریر ہذا سے تکبیر تحریمہ کی فرضیت ثابت ہوئی۔(۱۸)

مذکورہ بالا مسائل کو بنظر غور ملاحظہ فرمائیں تو آپ پر یہ حقیقت واضح ہو جائے گی کہ بلا شبہ رب کائنات نے علامہ میرٹھی کو کتاب وسنت سے استدلال کی قوت، مسائل کے استخراج واستنباط کی صلاحیت، جزئیات فقہ پر گہری نگاہ، فقہی تبحر، اثبات مدعی کے لئے دلنشیں پیرایۂ بیان پر قدرت اور تفقہ فی الدین کی عظیم نعمت سے نوازا تھا اور اگر وہ اپنے وقت کے امام النحو کہے جاتے تھے تو آسمان فقہ کے بھی درخشندہ ستارے تھے۔

رب کریم ان کی قبر پر رحمت ونور کی بارش فرمائے اور ان کے فیض سے ایک عالم کو بہرہ یاب فرمائے۔آمین۔

ماخذ ومراجع

(۱) درمختار مع شامی ۱/۲۶

(۲) کشاف اصطلاحات الفنون ۱/۳۰

(۳) درمختار مع شامی ۱/۲۶

(۴) سورۃ التوبہ/۱۲۱

(۵) سورۃ البقرہ ۲۶۸

(۶) صحیح البخاری ۱/۱۶

(۷) آداب الافتاء ۱/۱۰

(۸) دوسری صدی سے تیرہویں تک کے حالات فقہاء تاریخ علوم وافکار اسلامی اور حالات مصنفین وغیرہ سے ماخوذ ہیں۔

(۹) نزھۃ الخواطر ۸/۴۱

(۱۰) الاجازات المتینہ لعلماء بکۃ والمدینۃ۔مشمولہ رسائل رضویہ ۱/۲۵۹

(۱۱) ماہنامہ اشرفیہ کا صدر الشریعہ نمبر

(۱۲) بشیر القاری بشرح صحیح البخاری ص ۳۰۔

(۱۳) درمختار مع شامی ۴/۵۰۸

(۱۴) بشیر القاری بشرح صحیح البخاری ۵۵

(۵۱) بشیر القاری بشرح صحیح البخاری ۱۶۶

(۱۶) بشیر القاری بشرح صحیح البخاری ۱۴۰

(۱۷) بشیر القاری بشرح صحیح البخاری ۱۸۲

(۱۸) بشیر القاری بشرح صحیح البخاری ۱۴۴

محمد اختر حسین قادری خلیل آبادی ایم،اے خادم افتاء وتدریس دار العلوم علیمیہ جمد اشاہی بستی یو۔پی

باسمه تعالیٰ

صدر العلماء کی فقہی بصیرت

(نظام شریعت کے آئینے میں)

حضرت مولانا مفتی آلِ مصطفیٰ صاحب مصباحی

مدرس جامعہ امجدیہ رضویہ (گھوسی یو۔پی)

امام النحو صدر العلماء علامہ مفتی غلام جیلانی میرٹھی علیہ الرحمۃ والرضوان کا شمار جماعت اہل سنت کے علمائے متاخرین میں امتیازی حیثیت کے حاملین میں ہوتا ہے۔ذہانت،شوق علم،تیز فہمی،طبیعت کی رسائی جیسے اوصاف نے انھیں علم وفن کے منصب بلند پر فائز کردیا تھا۔علم نحو کے تو وہ ماہر وحاذق اور نادر روزگار مسلم استاذ تھے۔اور اس جہت سے وہ جس مقام ومرتبہ کے لائق تھے انھیں بلاشبہ وہ مقام ملا۔اور اسی بنا پر انھیں بالاتفاق اس منصب کا خصوصی حامل قرار دیا گیا۔غالباً یہی وجہ ہے کہ ان کی فقہی مہارت کے جلوے نحوی شہرت کے آفاق میں کچھ ایسے گم سے ہوگئے کہ جدید نسل انھیں صرف امام النحو کی حیثیت سے یاد کرنے لگی۔

حالانکہ فقہ واصول میں ان کا شمار فقیہ اعظم حضور صدر الشریعہ علامہ امجد علی گھوسوی قدس سرہ کے قابل افتخار تلامذہ میں ہوتا ہے جن کی درسگاہ علم وفقہ کا مخصوص فیض یافتہ ہونا ہی فقہی دولت سے مالا مال اور اس میں قابل اعتبار ہونے کی سند عطا کرتا ہے فتاویٰ امجدیہ جلد چہارم کی ترتیب نو اور تحشیہ کے دوران علامہ غلام جیلانی میرٹھی کا ۱۳۶۰ھ کا مرتب کردہ استفتاء اور حضرت صدر الشریعہ قدس سرہ کا جواب نظر فقیر سے گذرا،استفتاء میں اصول فقہ کی معروف کتاب اصول الشاشی کی بحث ثالث اور بحث رابع سے متعلق دو امر کی وضاحت کی گذارش اپنے استاذ گرامی سے آپ نے کی ہے،استفتاء ہی سے فقہ واصول میں انکی دقت نظری کا اندازہ ہوتا ہے۔مناسب ہے کہ ذیل میں استفتاء اور جواب من وعن نقل کردیا جائے۔علامہ میرٹھی علیہ الرحمہ کے سوالات یہ تھے:

(۱) اصول الشاشی بحث ثالث کے اختتام پر تعارض ادلہ کے بیان میں فرمایا"وان كان بين السنتين يميل الى آثار الصحابة رضى الله تعالىٰ عنهم "جب دو سنت میں تعارض ہو تو آثار صحابہ کی جانب رجوع ہوگا،اس کی ایک مثال تحریر فرمائی جائے؟

(۲) اصول الشاشی بحث رابع میں قیاس کی حجت پر ابتداء اخبار سے استدلال فرمایا پھر ایک اثر نقل فرمایا جس کے الفاظ یہ ہیں: سئل ابن مسعود عن تزوج امراۃ ولم یسم لھا مھراً وقد مات عنھا

زوجھا قبل الدخول الخ۔ اس سے پہلے جس قدر اخبار نقل فرمائیں سب میں مقیس علیہ کا ذکر ہے، یہ تحریر فرمایا جائے کہ حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اس مسئلہ کا مقیس علیہ کس چیز کو قرار دیا؟ فتح القدیر میں ایک روایت نقل فرمائی ہے کہ جب حضرت ابن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ یہ حکم بیان فرما چکے تو ایک صاحب کھڑے ہوئے اور بیان کیا کہ ایسا ہی حکم نبی کریم ﷺ نے مساۃ بروع کے حق میں فرمایا تھا، یہ سن کر حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو بیحد مسرت ہوئی، اس سے معلوم ہوا کہ حضرت عبداللہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے مسئلہ مذکورہ کا حکم بطور قیاس نکالا اور نبی کریم ﷺ کے حکم کا علم بعد میں ہوا، لہٰذا مقیس علیہ بیان فرمایا جائے۔

ان دونوں سوالات کے جوابات حضرت صدر الشریعہ نے ان الفاظ میں عنایت فرمائے،

الجواب (۱) شرح معانی الآثار میں بہت سے مواقع پر احادیث متعارضہ میں اقوال صحابہ کی طرف توجہ کی ہے مثلاً حدیث "ان ابن عمر کان اذا سجد بدأ بوضع یدیه قبل رکبتیه و کان یقول کان النبی ﷺ یصنع ذالك و حدیث ابی هریرة "اذا سجد احدکم فلا یبرك کما یبرك البعیر ولکن یضع یدیه ثم رکبتیه " یہ دونوں حدیثیں چاہتی ہیں کہ سجدہ میں جاتے وقت پہلے ہاتھ رکھے جائیں پھر گھٹنے۔ اور حدیث وائل بن حجر رضی اللہ تعالیٰ عنہ "کان رسول اللہ ﷺ اذا سجد بدأ بوضع رکبتیه قبل یدیه" چاہتی ہے کہ پہلے گھٹنے رکھے جائیں۔ اب آثار صحابہ کی طرف نظر کی جاتی ہے تو اسود و علقمہ نے کہا "حفظنا عن عمر فی صلوته انه اتی رکوعه علی رکبتیه کما یخر البعیر ووضع رکبتیه قبل یدیه " واللہ تعالیٰ اعلم۔

الجواب (۲)

حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا یہ واقعہ بہت سی کتابوں میں مذکور ہے اور اسانید صحیحہ کے ساتھ مروی ہے مگر اس صورت کا مقیس علیہ انھوں نے کس کو قرار دیا، یہ نظر فقیر میں نہیں ہے، جو کچھ اس وقت ذہن ناقص میں ہے۔ ان کان حقا فمن اللہ وان کان غیر ذالك فمنی و من الشیطٰن ۔ وہ یہ ہے کہ مہر مسمّیٰ کی صورت میں دخول یا موت سے پورا مہر واجب ہوتا ہے اور قبل دخول طلاق ہو تو نصف مسمّیٰ واجب ہوتا ہے اور عدم تسمیہ کی صورت میں دخول سے پورا مہر مثل واجب ہوتا ہے، پہلی صورت میں دخول و موت کا ایک ہی حکم ہے، یہاں بھی ایک ہی حکم ہونا چاہئے یعنی لها مهر مثل نسائها لا وکس ولا شطط ۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔

(فتاویٰ امجدیہ جلد چہارم ص ۳۷۹۰۰)

دوسنتوں میں تعارض کے وقت آثار صحابہ کی طرف رجوع کی مثال کا معاملہ ہو۔ یا حضرت عبداللہ ابن مسعود رضی اللہ تعالیٰ کے ذکر کردہ مسئلہ میں "مقیس علیہ" کی تعیین کا معاملہ، یہ کوئی معمولی چیز نہیں، اس سے متعلق استفسار یا جواب انہیں اشخاص وافراد کے حصہ میں ہے جو فقہ اور اصول پر گہری نظر رکھتے ہیں،

میں نے یہ سوال وجواب اس لئے بھی نقل کئے ہیں تا کہ قارئین صدر العلماء کے نحوی و منطقی پہلوؤں کے ساتھ ساتھ اپنی نگاہیں ان کے فقہی واصولی گوشوں کی جانب بھی مبذول کریں۔

اس وقت فقیر راقم کے پیش نظر حضرت صدر العلماء کی کتاب ''نظام شریعت'' ہے جو تین سو بہتر صفحات پر مشتمل ہے، جس میں تین سو بہتر سے زائد ابواب وفصول کے تحت مسائل بیان کئے گئے ہیں، اور جگہ جگہ احادیث کریمہ سے بھی تائید پیش کی گئی ہے، راجح مسائل پر مشتمل ہونے کی وجہ سے یہ عوام وخواص میں بے حد مقبول ہوئی، انتہائی سلیس اور آسان زبان میں اور واضح انداز میں مسائل بیان کئے گئے ہیں تا کہ عام فہم اردو داں مسلم مرد وعورت اس سے استفادہ کرسکیں اور اپنی زندگی کو اسلامی زندگی میں ڈھال سکیں۔ کتاب کے آغاز میں مصنف علیہ الرحمہ کی یہ حقیقت مندانہ اپیل نہ صرف پڑھنے سے تعلق رکھتی ہے بلکہ کامیاب زندگی کے لئے اس پر عمل پیرا ہونا لازمی ہے۔

حضرت صدر العلماء فرماتے ہیں:

ہمیشہ باقی رہنے والی زندگی کا خیر وخوبی کے ساتھ گذرنا چونکہ دنیوی زندگی کے کامیاب ہونے پر منحصر ہے، اس لئے ہر عاقل کا فرض ہے کہ اپنی دنیوی زندگی کو کامیاب بنانے کے واسطے ہر ممکن کوشش عمل میں لائے اور ہر وقت ہر آن اس کی درستگی کی جانب متوجہ رہے، باقی رہی یہ بات کہ دنیوی زندگی کو کس طرح کامیاب بنایا جائے، تو اس سوال کا جواب یہ ہے کہ کامیابی کا صرف ایک طریقہ ہے، اس کے علاوہ جس قدر طریقے ہیں سب کے سب در حقیقت زندگی کو خراب کرنے والے ہیں، اور وہ ایک طریقہ یہ ہے کہ دنیوی زندگی میں انسان کے دو تعلق ہیں، ایک خالق سے اور دوسرا مخلوق سے، ان دونوں تعلقات کو تا زیست اس طرح قائم رکھے جس طرح سید الابرار مدنی تاجدار ﷺ نے قائم رکھا اور ان کے متعلق جو ہدایات فرمائیں ان سب کو اپنا نصب العین بنائے۔

(نظام شریعت)

نظام شریعت میں جو مسائل بیان کئے گئے ہیں ان کا تعلق حقوق اللہ سے بھی ہے اور حقوق العباد سے بھی۔ راجح اور مفتی بہ مسائل کے انتخاب کی وجہ سے یہ کتاب دیدنی ہے۔ چند مثالوں سے ہم اپنے مذکورہ دعوے پر روشنی ڈالتے ہیں۔

نماز جنازہ میں امام کے کھڑے ہونے کے تعلق سے حضرت صدر العلماء نے ''نظام شریعت'' میں یہ مسئلہ بیان فرمایا ہے:

مستحب یہ ہے کہ میت کے سینے کے سامنے امام کھڑا ہو اور میت سے دور نہ ہو، میت خواہ مرد ہو یا عورت، بالغ ہو یا نابالغ

(نظام شریعت ص ۳۵۰)

نماز جنازہ میں قیام امام کا مسئلہ مختلف فیہ ہے، امام حسن نے امام اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے جو روایت نقل فرمائی ہے اس میں یہ ہے کہ اگر جنازہ مرد کا ہے تو وسط کے مقابل کھڑا ہو، اور عورت کا ہے تو سینے کے سامنے۔ یہی قول ابن ابی لیلیٰ کا ہے لیکن ظاہر الروایۃ یہ ہے کہ جنازہ مرد کا ہو یا عورت کا، دونوں میں امام کا سینے کے سامنے کھڑا ہونا مستحب ہے، البتہ بطور اجماع مؤلف یہ بات ثابت ہے کہ تفصیل مرد وعورت میں ہے نہ کہ بالغ ونابالغ میں۔

بدائع الصنائع میں علامہ کاسانی حنفی (متوفی ۵۸۷) فرماتے ہیں:

ینبغی ان یقوم الامام عند الصلوۃ بحذاء الصدر من الرجل والمرأۃ، وروی الحسن فی کتاب صلاتہ عن ابی حنیفۃ رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ انہ قال: فی الرجل یقوم بحذاء وسطہ ومن المرأۃ بحذاء صدرھا وھو قول ابن ابی لیلی۔

پھر ظاہر روایہ کی وجہ بیان فرماتے ہوئے لکھتے ہیں:

وجہ ظاہر الروایۃ ان الصدر ھو وسط البدن، لان الرجلین والرأس من جملۃ الاطراف فیبقی البدن من العجیزۃ الی الرقبۃ، فکان وسط البدن ھو الوسط والقیام بحذاء الوسط اولیٰ لیستوی الجانبان فی الحظ من الصلوۃ، ولا ن القلب معدن العلم والحکم، فالوقوف بحیالہ اولیٰ۔ (بدائع ص ۳۹ ج ۲)

ظاہر الروایہ کی وجہ یہ ہے کہ سینہ ہی بدن کا بیچ ہے، اس لئے کہ پیر اور سر یہ تو من جملہ بدن کے اطراف سے ہیں، تو بدن سرین سے گردن تک باقی رہ جاتا ہے، تو بدن کا بیچ سینہ ہی ہوا، اور بیچ بدن کے مقابل کھڑا ہونا بہتر ہے تاکہ دونوں جانب نماز ودعا سے حصہ لینے میں برابر ہو جائیں، اور اس لئے بھی کہ قلب علم وحکمت کا مرکز ہے تو اس کے سامنے کھڑا ہونا زیادہ بہتر ہے۔ نیز اس کی تائید اس حدیث سے بھی ہوتی ہے جسے سمرہ بن جندب نے روایت کیا:

ان رسول اللہ ﷺ صلی علی ام قلابۃ ماتت فی نفاسھا فقام وسطھا۔ اخرجہ البخاری فی صحیحہ فی الجنائز۔

رسول اللہ ﷺ نے ام قلابہ کی نماز جنازہ پڑھی جن کا حالت نفاس میں انتقال ہو گیا تھا تو آپ ﷺ جنازے کے بیچ میں کھڑے ہوئے۔

نظام شریعت میں حضرت صدر العلماء قدس سرہ نے ظاہر الروایہ کو اپناتے ہوئے اس مسئلہ کو بیان فرمایا ہے جیسا کہ مذکور ہوا کہ "مستحب یہ ہے کہ میت کے سینے کے سامنے امام کھڑا ہو اور میت سے دور نہ ہو، خواہ مرد ہو یا عورت، بالغ ہو یا نابالغ۔

(نظام شریعت ص ۳۵۰)

غائب کی نماز جنازہ

نماز جنازہ میں میت سے متعلق جو سات شرائط ہیں ان میں تیسری شرط فقہائے احناف سے نقل کر کے نظام شریعت میں یہ بیان کی گئی ہے۔

جنازے کا وہاں موجود ہونا، کل یا اکثر یا نصف مع سر موجود ہونا، لہذا غائب کی نماز جنازہ نہیں ہوسکتی ہے، سید عالم ﷺ نے بعض اشخاص کی غائبانہ نماز جنازہ پڑھی تھی مگر یہ آپ کی خصوصیات سے ہے، ہمارے لئے جائز نہیں۔

(نظام شریعت ص ۳۴۶)

غائب کی نماز جنازہ کا مسئلہ ائمہ کرام کا بڑا اختلافی مسئلہ ہے، چنانچہ امام شافعی رضی اللہ تعالیٰ عنہ اس کے جواز کے قائل ہیں، جب کہ احناف اس کے عدم جواز پر متفق ہیں۔

درمختار میں ہے: شرطها حضوره فلا تصح علیٰ غائب۔

نماز جنازہ کی شرائط صحت سے جنازہ کا حاضر ہونا بھی ہے، لہذا کسی غائب پر نماز جنازہ جائز نہیں۔

متون وشروح وفتاوی کی کتابیں اس کے عدم جواز سے مالامال ہیں۔ لیکن احادیث میں تین واقعات ایسے ملتے ہیں جن کے ظاہر سے جنازہ غائب پر نماز کو جائز بتانے والے استدلال کرتے ہیں۔

ایک حضرت اصحمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ شاہ حبشہ کا۔ دوسرے معاویہ بن معاویہ مزنی۔ تیسرے امرائے جنگ موتہ۔

ان تین واقعات کے علاوہ کسی حدیث صحیح صریح سے ثابت نہیں کہ حضور ﷺ نے غائبانہ نماز جنازہ پڑھی ہو، جبکہ زمانہ اقدس میں صدہا صحابۂ کرام دوسری جگہوں پر فوت ہوئے۔ رہے یہ تین واقعات تو اس سلسلہ میں حنفیوں کی طرف سے ایک جواب یہ دیا جاتا ہے جو حضرت صدر العلما قدس سرہ نے دیا ہے کہ سید عالم ﷺ نے بعض اشخاص کی غائبانہ نماز جنازہ پڑھی تھی مگر یہ آپ کی خصوصیات سے ہے ہمارے لئے جائز نہیں۔

یہ جواب بھی بر سبیل تنزل ہے، ورنہ تو واقعات کے تجزیہ سے پتہ چلتا ہے کہ ان میں بھی جنازہ سامنے حاضر تھا، چنانچہ جب شاہ حبشہ کا حبشہ میں انتقال ہوا تو حضور ﷺ نے صحابۂ کرام کو مدینہ طیبہ میں اس کی اطلاع دی اور صحابہ کے ساتھ نماز پڑھی علامہ زیلعی نے نصب الرایہ میں صحیح ابن حبان کی روایت نقل کی ہے، روایت کا آخری ٹکڑا یہ ہے:

وهم لا يظنون الا ان جنازته بين يديه۔ (نصب الرایہ ج ۲ ص ۲۸۳)

یعنی صحابہ کرام کو یہی ظن تھا کہ حضرت اصحمہ کا جنازہ حضور اقدس ﷺ کے سامنے ہے۔

عمدۃ القاری شرح بخاری ج ۸ ص ۲۴ میں عمران بن حصین کی روایت میں ہے:

فصلینا خلفه ونحن لا نری الا ان الجنازة قدامنا۔

ہم نے حضورﷺ کے پیچھے نماز پڑھی اور ہمارا اعتقاد یہ تھا کہ جنازہ ہمارے سامنے موجود ہے۔

یہ روایت صحیح اور قوی ہے۔ پھر یہ کہ ان کی نماز جنازہ میں ضرورت تھی کہ ان کا انتقال دار الکفر میں ہوا تھا اوران کی نماز جنازہ نہیں ہوئی تھی۔ نصب الرایہ میں یہ ہے "انه من باب الضرورة۔

نیز بعض لوگوں کوان کے اسلام میں شبہ تھا تو نماز جنازہ پڑھا کر ان کے شبہ کو زائل کرنا تھا۔

دوسرا واقعہ معاویہ بن معاویہ مزنی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا ہے جن کا انتقال مدینہ طیبہ میں ہوا اور رسول اللہ ﷺ نے تبوک میں ان پر نماز پڑھی۔ اس واقعہ سے بھی استدلال درست نہیں، کیونکہ یہ حدیث ضعیف ہے، دربارۂ احکام معتبر نہیں۔ اس حدیث کا ایک راوی نوح بن عمرو ہے، ابن حبان نے اسے حدیث کا چور بتایا۔

انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی روایت طبقات ابن سعد میں دو طریق سے ہے۔ ایک طریق میں محبوب ابن ہلال مزنی ہے، امام ذھبی نے کہا یہ شخص مجہول ہے اوراس کی یہ حدیث منکر ہے۔ دوسرے طریق میں علا بن یزید ثقفی ہے، امام نووی نے خلاصہ میں فرمایا: اس کے ضعیف ہونے پر تمام محدثین کا اتفاق ہے۔ امام بخاری اور ابن عدی اور حاکم نے اسے منکر الحدیث بتایا۔ ابو حاکم اور دار قطنی نے متروک الحدیث کہا۔ امام علی ابن مدینی نے کہا کہ وہ حدیثیں گڑھا کرتا تھا۔ بفرض غلط اگر اس حدیث کو صحیح لذاتہ مان لیا جائے تو یہ حنفیوں کو مضر نہیں، نہ مجوزین کو مفید۔ کیونکہ اس روایت میں یہ بھی تصریح ہے کہ ان کا جنازہ حضور اقدس ﷺ کے سامنے حاضر تھا، طبرانی کی حدیث میں یہ بھی ہے:

ورد انه طویت له الارض حتیٰ حضره۔ (نصب الرایة ض۲ ص۲۸۳)

یعنی زمین سمیٹ دی گئی تھی اور معاویہ کا جنازہ حضور اقدس ﷺ کے سامنے تھا۔

تو یہ جنازۂ غائب کی نماز کہاں ہوئی۔ امام واقدی نے مغازی میں بیان فرمایا اور مقام موتہ کی لڑائی کا ذکر فرمایا جس میں امرائے موتہ حضرت زید بن حارثہ اور جعفر بن ابی طالب کی شہادت کا تذکرہ فرمایا اوران کو اپنی صلوۃ ودعا واستغفار سے مشرف فرمایا۔ یہ حدیث دو طریقوں سے مروی ہے اور دونوں طریق مرسل ہیں اور حدیث مرسل شوافع اور غیر مقلدین کے یہاں قابل احتجاج نہیں۔ پھر یہ کہ امام واقدی کو شوافع اور غیر مقلدین نا قابل اعتبار بتاتے اور سخت مجروح مانتے ہیں، تو پھر ان کی روایت سے تمسک "چہ معنی دارد؟

پھر یہ کہ حدیث کے الفاظ یہ ہیں "صلی علیه ودعا له" صلوۃ بمعنی نماز جنازہ ہونے پر یہاں کیا دلیل ہے، کیونکہ یہ بھی احتمال ہے کہ صلوۃ بمعنی مطلق دعا ہو اور یہ عطف تفسیری ہے، تعمیم بعد تخصیص نہیں۔ بلکہ اگر حدیث کے سیاق پر غور کیجئے تو اسی کی تائید ہوتی ہے۔ کیونکہ حدیث میں مذکور ہے کہ رسول اللہ ﷺ ان دونوں حضرات کی شہادت کے وقت منبر پر تشریف فرما تھے، منبر سے اتر کر نماز پڑھنا پھر منبر پر تشریف لے جانا مذکور نہیں

حضور اقدس علیہ السلام نے صحابۂ کرام سے نماز پڑھنے کو نہیں فرمایا اور صحابہ کا پڑھنا بھی مذکور نہیں، اگر یہ نماز جنازہ ہوتی تو اس کی بے پناہ فضیلت وارد ہونے کے سبب صحابہ پڑھتے اور "صلی علیہ" مطلق دعا روایت میں آیا ہے۔

الغرض اس روایت سے بھی استدلال درست نہیں۔ پھر اس میں یہ بھی تصریح ہے کہ

"جلس رسول الله ﷺ علي المنبر و كشف له ما بينه و بين الشام فهو ينظر الى معركته"

یعنی جب مقام موتہ میں لڑائی شروع ہوئی تو رسول اللہ ﷺ منبر پر جلوہ فرما تھے اور اللہ عزوجل نے حضور علیہ السلام کے لئے وہاں سے ملک شام تک حجابات اٹھادیئے، حضور اقدس علیہ السلام معرکہ دیکھ رہے تھے،

تو اگر صلوۃ بمعنی نماز جنازہ لیا جائے جب بھی غائب پر نماز نہ ہوئی، کیونکہ یہ دونوں شہید حضو علیہ السلام کے پیش نظر تھے الغرض جنازۂ غائب کی نماز نہ ثابت نہ جائز۔ جیسا کہ صدر العلماء نے نظام شریعت میں تحریر فرمایا۔

نیت قبلہ

یہ نیت کہ منہ میرا قبلہ کی طرف ہے شرط نہیں، البتہ یہ ضرور ہے کہ قبلہ سے اعراض کی نیت نہ ہو۔

(نظام شریعت ص ۱۰۴)

نماز میں قبلہ کی طرف رخ کرنے کے لئے نیت شرط ہے یا نہیں؟ علامہ جرجانی اور ابا بکر محمد بن فضل کا کہنا یہ ہے کہ استقبال قبلہ اس وقت درست اور صحیح مانا جائے گا جب اس کی نیت ہو ورنہ صحیح نہیں۔ بلفظ دیگر اگر استقبال قبلہ بے نیت وارادہ پایا گیا اور نماز پڑھ لی گئی تو نماز نہ ہوگی، لیکن ائمۂ فقہائے احناف اس بات کے قائل ہیں کہ اس استقبال میں نیت شرط نہیں۔ بعض حضرات نے دونوں اقوال میں تطبیق کی صورت بھی نکالی ہے، چنانچہ ان کا کہنا ہے کہ جن فقہا نے شرط لگائی ہے اس کا محمل خاص ہے۔ یعنی جب نمازی صحرا و بیابان میں نماز پڑھ رہا ہو۔ اور جن حضرات نے شرط لگائی ہے ان کی مراد محرابوں میں نماز پڑھنے کی صورت میں ہے۔

علامہ ابن نجیم مصری حنفی الاشباہ والنظائر میں فرماتے ہیں:

واما استقبال القبلة فشرط الجرجانی لصحة النية والصحيح خلافه كما فى المبسوط ،وحمل بعضهم الاول على ما اذا كان يصلى فى الصحراء والثانى على ما اذا كان يصلى الى محراب كذا فى البنايه (ج ا ص ۶۷)

علامہ حموی نے علامہ برہان الدین مرغینانی کے حوالے سے غمز العیون میں فرمایا:

لا تشترط فى الصحيح وقال بعض المشائخ ان كان يصلى الى المحاريب فكما قال الحامدى ،وان كان يصلى فى الصحراء فكما قال محمد بن الفضل۔

یعنی قول صحیح میں نیت شرط نہیں۔

بعض مشائخ نے فرمایا: کہ اگر محرابوں کی جانب نماز پڑھ رہا ہو تو حکم وہ ہوگا جو علامہ حامدی نے بتایا۔ اور

اگر بیابان میں پڑھ رہا ہو تو محمد بن فضل کے بتائے ہوئے پر عمل ہوگا۔

حضرت صدر العلماء کا ''نظام شریعت'' میں قول صحیح وراجح کو نقل فرمانا اس بات کی واضح دلیل ہے۔ کہ انہوں نے اپنی کتاب میں راجح اقوال کو درج فرمانے کا التزام کیا ہے۔

کتاب کی ایک اہم خصوصیت یہ بھی ہے۔ کہ بعض امور سے متعلق عام کتب فقہ میں جو مسائل منقول طور پر مختلف فصول میں بیان کئے گئے ہیں اس کتاب میں اکھٹے ذکر کردئے گئے ہیں۔ جس سے کتاب کی افادیت بڑھ جاتی ہے۔

افادۂ عام کے لئے یہاں چند مثالیں ذکر کی جاتی ہیں۔

(۱) مردوں کی پاکی سے متعلق طہارت کی تفصیل نظام شریعت میں یہ بیان کی گئی ہے۔

آٹھ مقام　(جن کی احتیاط مردوں پر لازم ہے)

(۱) گندھے ہوئے بال کھول کر جڑ سے نوک تک دھونا۔

(۲) مونچھوں کے نیچے کی کھال اگرچہ گھنی ہوں۔

(۳) داڑھی کا ہر بال جڑ سے نوک تک۔

(۴) انثیین کی ملنے کی سطحیں کہ بے جدا کئے نہ دھلیں گی۔

(۵) انثیین کی سطح زیریں جوڑ تک۔

(۶) انثیین کے نیچے کی جگہ جڑ تک۔۔

(۷) جس کا ختنہ نہ ہوا ہو بہت علماء کے نزدیک اس پر فرض ہے کہ کھال چڑھ سکتی ہے تو حشفہ کھول کر دھوئے۔

(۹) اس قول پر اس کھال کے اندر پانی پہنچانا فرض ہوگا، بے چڑھائے اس میں پانی ڈالے کہ چڑھنے کے بعد بند ہوجائے گی

عورتوں کی طہارت سے متعلق یہ تفصیل ذکر کی گئی ہے۔

دس مقام　(جن کی احتیاط عورتوں پر لازم ہے)

(۱۔۲) گندھی چوٹی میں ہر بال کی جڑ تر کرنی۔ چوٹی کھولنی ضروری نہیں۔ مگر جب ایسی سخت گندھی ہو کہ بے کھولے جڑیں تر نہ ہوں گی تو کھولنا لازم ہے۔

(۳۔۴) ڈھلکی ہوئی پستان وشکم کی جوڑ کی تحریر۔

(۵۔۶۔۷) فرج خارج کے چاروں لبوں کی جیبیں جڑ تک۔

(۸) گوشت پارہ بالا کا ہر پرت کہ کھولے سے کھل سکے گا۔

(۹) گوشت پارۂ زیریں کی سطح زیریں۔

(۱۰) اس پارہ کے نیچے کی خالی جگہ، غرض فرج خارج کے ہر گوشے پرزے کا خیال لازم ہے۔

آزاد عورتوں کی ستر عورت کے ذیل میں اعضاء کی تفصیل بھی قابل لحاظ ہے، کیونکہ ایک عضو میں بے احتیاطی سے نماز میں فساد پیدا ہو جاتا ہے۔

نظام شریعت میں حضرت صدر العلماء علیہ الرحمہ نے اس کی تفصیل ان الفاظ میں بیان فرمائی ہے

آزاد عوتوں کے لئے باستثناء پانچ عضو کے سارا بدن عورت ہے۔ اور وہ تیس ۳۰ اعضا پر مشتمل ہے۔ ان میں جس کی چوتھائی کھل جائے نماز کا وہی حکم ہے جو اوپر بیان ہوا۔

سر یعنی پیشانی کے اوپر سے شروع گردن تک اور ایک کان سے دوسرے کان تک، یعنی عادۃً جتنے جگہ پر بال جمتے ہیں، بال جو لٹکے ہوں، دونوں کان، گردن۔ اس میں گلا بھی داخل ہے، دونوں شانے، دونوں بازو، ان میں کہنی بھی داخل ہیں۔ دونوں کلائیاں یعنی کہنی کے بعد سے گٹون کے نیچے تک، سینہ یعنی گلے کے جوڑ سے دونوں پستان کی حد زیریں تک۔ دونوں ہاتھ کی پشت۔ دونوں پستانیں جب کہ اچھی طرح اٹھ چکی ہوں ورنہ سینے کے تابع ہیں، جدا عضو نہیں۔ پیٹ، یعنی سینے کی حد مذکور سے ناف کے کنارۂ زیریں تک، اور ناف کا پیٹ میں شمار ہے۔ پیٹھ، یعنی پیچھے کی جانب سینے کے مقابل سے کمر تک، اور دونوں شانوں کے بیچ میں جو جگہ ہے۔ بغل کے نیچے سینے کی حد زیریں تک دونوں کروٹوں میں جو جگہ ہے اس کا اگلا حصہ سینے میں اور پچھلا شانوں میں یا پیٹھ میں شامل ہے۔ اور اس کے بعد سے دونوں کروٹوں میں کمر تک جو جگہ ہے اس کا اگلا حصہ پیٹ میں اور پچھلا حصہ پیٹھ میں داخل ہے۔ دونوں سرین، فرج، دبر، دونوں رانیں، گھٹنے بھی انہیں میں شامل ہیں۔ ناف کے نیچے پیڑو، اور اس کے متصل جو جگہ ہے اور ان کے مقابل کی جانب سب ملکر ایک عورت ہے۔ دونوں پنڈلیاں ٹخنوں سمیت، دونوں تلوے۔

(نظام شریعت ص ۹۸، ۹۹)

ان اقتباسات کو اگر فقہی عبارات کے حوالوں سے مزین کیا جائے اور ہر ہر شق پر فقہائے کرام کی بحثیں نقل کی جائیں تو گفتگو بہت طویل ہو جائے گی۔ اگر عدیم الفرصتی مانع نہ ہوتی تو مذکورہ مسائل پر فقہائے احناف کی علمی بحثیں بھی نقل کرتا، تاہم میری مذکورہ گفتگو سے یہ بات عیاں ہو جاتی ہے کہ حضرت صدر العلماء ایک عظیم فقیہ تھے، اور فقہ میں ان کی نظر گہری اور دقیق تھی، ان کے فقہی افادات ان کی متعدد تصانیف میں بھی دیکھے جا سکتے ہیں۔ مولیٰ تعالیٰ ان کے علم وفکر سے ہمیں حظ وافر عطا فرمائے۔ آمین۔

آل مصطفیٰ مصباحی

خادم تدریس وافتاء جامعہ امجدیہ رضویہ گھوسی

بسم الله الرحمن الرحيم

نحمده و نصلي ونسلم علي حبيب الكريم

صدر العلماء اوران کا مسائل شرعیہ میں انداز تفہیم

(ایک مختصر جائزہ)

حضرت پروفیسر ڈاکٹر بشیر احمد صاحب صدیقی

ریسرچ اسکالر جامعۃ الکرم، نوٹنگھم۔یو۔کے

اسلام اعتدال وتوازن پر مبنی ایک کامل ومکمل، جامع اور روشن ضابطۂ حیات اور حکمت ودانش پر مبنی دین علم وبصیرت ہے، اسلام میں علم کی اہمیت کا اندازہ اس امر سے کیا جاسکتا ہے کہ رب کائنات جل شانہ معلم حقیقی اوراس کی عطا سے اس کے حبیب معلم کائنات۔حضرت آدم کی فرشتوں پر فضیلت اور سجود ملائکہ ہونے کی عظمت کی وجہ علم۔اور قرآن حکیم، کتاب علم وہدایت، قرآن کریم کا آغاز آیات علم سے ہوا، قرآن حکیم میں علما کی مدح وستائش اور قرآن حکیم میں انسان سازی کے اصول تعلیم کتاب وحکمت پر مشتمل بیان ہوتے ہیں۔

صاحب قرآن ﷺ اور قرآن حکیم نے عقیدہ وفکر کو بدلا، معاشرت کو بدلا، معیشت کو بدلا، سیاست و قانون میں تبدیلی آئی، تعلیم وتربیت میں تبدیلی آئی، روحانی اخلاقی اقدار میں تبدیلی آئی، المختصر صاحب قرآن ﷺ کے ظہور قدسی سے ایک عظیم، فقید المثال، عالمی اور آفاقی انقلاب برپا ہوا جس کی نظیر پوری تاریخ عالم میں ڈھونڈنے سے نہیں ملتی، ہم یہاں مضمون کی مناسبت سے فقط ایک علمی انقلاب کا ذکر کرتے ہیں، کہ انسانیت کے سب سے بڑے محسن اور معلم کے فیضان تربیت سے سب سے پہلے صحابہ کرام، اصحابی کالنجوم بایھم اقتدیتم اھتدیتم " کے حوالے سے علم وہدایت کے درخشندہ ستارے بن کر چمکے، اوراس کے بعد یہ نور پوری کائنات میں پھیل گیا، تاریخ اس بات پر شاہد عادل ہے کہ مسلمان آٹھ سو برس تک اس وقت کی دنیا کے معلم رہے ، یہ وہی زمانہ تھا جس میں یورپ، (Dark Ages) ازمنہ مظلمہ میں ڈوبا ہوا تھا، اور وہاں کے طلبہ نے مسلمان اساتذہ سے علوم وفنون سیکھ کر یورپ کی نشاۃ ثانیہ میں بھرپور کردار ادا کیا۔

زمانہ نے پلٹا کھایا، مسلمان کتاب وحکمت سے عاری ہوکر زوال کا شکار ہو گئے۔اور مغربی اقوام تحقیق و جستجو کے میدان میں آگے، بڑھتی چلی گئیں، لیکن اس عرصے میں بھی مختلف ادوار میں مختلف علاقوں میں، مسلمان علماء وفضلاء اگرچہ کہکشان علم وفضل کا بھرپور سماں تو پیش نہ کرسکے تاہم فرداً فرداً افق علم پر روشن ستاروں کی طرح

چمکتے ہوئے اپنی علمی تابانیوں سے طالبین علم وبصیرت اور سالکین راہ روشن وہدایت کی رہنمائی کا فریضہ احسن طور پر ادا کرتے رہے، انہیں عظیم علماء وفضلاء میں سے ایک عظیم المرتبت شخصیت امام النحو صدر العلماء علامہ مفتی سید شاہ غلام جیلانی میرٹھی علیہ الرحمہ کی ہے۔

مختصر حالات زندگی

حضرت شاہ صاحب نے قارئین کرام کو آنے والے مورخین کے رحم وکرم پر نہیں چھوڑا، بلکہ شاہ صاحب نے اپنی شاہکار تصنیف، ''بشیر القاری شرح بخاری'' کے دیباچہ میں ''حالات خود بقلم خود'' کے عنوان کے ذیل میں اپنے حالات زندگی رقم فرمائے ہیں۔ جن کا خلاصہ یہ ہے کہ آپ کی ولادت رحمتوں اور برکتوں والے مہینے رمضان المبارک میں ہوئی (۱۱ر رمضان، ۱۳۱۸ھ) سن شعور آیا تو اسلامی طریقہ کے تحت، رسم تسمیہ خوانی ادا کی گئی، اور بعد اختتام ناظرہ ایک اردو مکتب میں داخل کر دیا گیا، پرائمری اسکول میں درجہ چہارم میں کامیاب ہونے کے بعد ان کے عم محترم نے انہیں مدرسہ انجمن اہل سنت مراد آباد میں داخل کر دیا، جو آج کل ''جامعہ نعیمیہ'' مراد آباد (انڈیا) کے نام سے مشہور ومعروف ہے۔ یہاں آمد نامہ سے تعلیم کا آغاز ہوا اور چند سال میں کافیہ تک رسائی ہوئی جسے طلبہ میں بیحد اہمیت حاصل رہی ہے اور رہے گی۔ چنانچہ آپ روزانہ بعد نماز صبح کافیہ کا دور حفاظ کی طرح کیا کرتے، خوش قسمتی سے انہیں استاذ بھی ملے تو ایسے جو مسائل صرف ونحو کے حافظ تھے، استاذ محترم حضرت علامہ عبد العزیز خانصاحب فتحپوری علیہ الرحمہ کی توجہ اور شفقت سے اور اپنے میلان طبع اور علم کی تحصیل کے ذوق و شوق سے حضرت شاہ صاحب قبلہ پورے کافیہ کے حافظ ہو گئے۔ آپ نے اپنے وقت کے یگانہ روزگار اساتذہ حضرت صدر الافاضل سید شاہ علامہ نعیم الدین مراد آبادی قدس سرہ، حضرت علامہ مفتی امتیاز احمد انیٹھوی ،حضرت علامہ حکیم سید عبد المجید صاحب، حضرت علامہ عبد الحی صاحب افغانی امام النحاۃ حضرت علامہ سید امیر احمد صاحب پنجابی، سے علوم وفنون کا اکتساب کیا۔ فوقانی کتب صدر الشریعہ حضرت علامہ حکیم امجد علی صاحب سے پڑھیں، جو عظیم شخصیات آپ کے ہم سبق رہیں آپ نے ان مشہور اہل علم کی فہرست بھی دی ہے،

(تفصیل کے لئے بشیر القاری ص،۱۰،۱۱)

آپ کے جد امجد حضرت علامہ مولانا حکیم سید سخاوت حسین صاحب متبحر عالم اور اپنے دور میں علم صرف ونحو کے امام تھے، چنانچہ میلان طبع اور جد امجد کی علمی وروحانی تاثیر سے سید شاہ غلام جیلانی میرٹھی نے بھی نحو کے علم میں وہ مہارت وسبقت حاصل کی کہ آپ نے امام النحو کا اعزاز حاصل کیا۔

مولانا روم نے کیا خوب کہا ہے:

مولوی ہرگز نہ شد مولائے روم
تا غلام شمس تبریزی نہ شد

علم میں جب تک خشیت الٰہی کا حسین امتزاج نہ ہووہ۔" ان العلم نور من الله" کے درجہ تک نہیں پہونچ پاتا۔اورایک سالک راہ معرفت وحقیقت ہزار علوم ظاہری رکھنے کی باوجود بغیر کسی مرشد برحق کے ہاتھ میں ہاتھ دیئے اپنے آپ کو نامکمل ہی سمجھتا ہے۔ چنانچہ حضرت شاہ صاحب نے بھی اشرف المشائخ عارف کامل حضرت سید شاہ علی حسین علیہ الرحمۃ والرضوان، معروف بحضور اشرفی میاں، کے دست حق پرست پر شرف بیعت حاصل کر کے، اپنے آپ کو کمال درکمال منزلوں سے ہمکنار کیا۔اپنے پیرومرشد کے بارے میں حضرت شاہ صاحب خود فرماتے ہیں۔

الحمدللہ علی احسانہ کہ اس دربار گہربار سے دین بھی ملا اور دنیا بھی۔

صدر العلما میرٹھی ۴۲ر برس تک میرٹھ میں مسند صدارت پر جلوہ گر ہو کر فریضہ تدریس ادا فرماتے رہے۔آپ کی وفات، ۱۳۹۸ھ بعمر اَسّی برس ہوئی۔اور علم وفضل کا یہ آفتاب اپنی ضاپاش کرنوں کا فیضان لٹاتا ہوا اس دنیا سے روپوش ہوگیا۔

آپ کی علمی ودینی خدمات

صدر العلماء حضرت سید غلام جیلانی میرٹھی ہمہ جہت مروج ومتداول علوم وفنون پر مہارت اور دسترس رکھتے تھے،اس لئے اصل ماخذ تک رسائی حاصل تھی، چنانچہ ان کی تصانیف میں اصل ماخذ سے استفادہ کا رنگ نمایاں طور پر جھلکتا ہے، قرآن کریم کی متعلقہ اور مربوط آیات کے ذکر کے ساتھ ساتھ حدیث اور فقہ کے اہم اصول ودلائل مضامین کی زینت ہیں جس سے آپ کے تبحر علمی کا اندازہ آسانی سے لگایا جاسکتا ہے۔

عشق رسول ﷺ

علم ایک ساز ہے جس سے شیریں نغمے جنم لیتے ہیں،اور جب اس میں روحانی فیوض وبرکات کا سنوار بھی شامل ہوجائے۔تو ان نغموں میں ایک روحانی کیف وحالت پیدا ہوجاتی ہے، حضرت شاہ صاحب کو ایک طرف علمی کمال حاصل ہیں تو دوسری طرف آپ نے روحانیت کی چاشنی تحریر کی ہے یعنی حب رسول ﷺ، اطاعت رسول ﷺ کے ساتھ ساتھ حصول خوشنودی رسول ﷺ کے جذبہ کو فروغ دیا ہے۔بعض علماء اپنے علمی مقام پر فائز ہونے کے باوجود "عبوسا قمطریرا" کا منظر پیش فرماتے ہیں لیکن شاہ صاحب کی تحریر عقیدت واحترام رسول ﷺ سے معمور ہے،اور عظمت رسول ﷺ کو اجاگر کرتی نظر آتی ہے۔

اسلوب بیان

حضرت شاہ صاحب کی تصنیف میں مقصدیت کی عکاسی نمایاں ہے،آپ نے مرعوب کن عبارات کے استعمال کے بجائے قارئین کرام کی علمی سطح کو ملحوظ رکھتے ہوئے شگفتہ اور سلیس اسلوب بیان اختیار فرمایا ہے۔

مقصد یہ ہے کہ مضامین آسانی سے سمجھ میں آجائیں، زبان فنی اصطلاحات کے استعمال کے ساتھ ساتھ سلیس اور عام فہم ہے، بحیثیت مجموعی آپ کا اسلوب وانداز بیان، عالمانہ، فاضلانہ، اور محققانہ ہے۔

اصلاح احوال کا جذبہ

فقہ کے عمومی مسائل میں بھی علم ریاضی کی طرح (دو اور دو چار ہوتے ہیں) جواز وعدم جواز، ہیئت و ترکیب کی صورتوں سے بحث ہوتی ہے۔ لیکن شاہ صاحب نے فقہی مسائل میں بھی حکیمانہ انداز اختیار کیا ہے۔ مثلاً۔ قنوت اور اس کا اردو ترجمہ۔ تحریر کرنے کے بعد ایک ذیلی عنوان قائم کرتے ہیں، ''نفس کی اصلاح کا اسلامی طریقہ''

(۱) نماز میں نمازی جو کچھ پڑھے اس کا معنی سمجھتا جائے۔ معنی کو سمجھنے سے مختلف فوائد حاصل ہوسکیں گے۔ جیسے عظمت الٰہی، محبت رسول، گناہوں سے نفرت، عبادات کی طرف رغبت، حقوق عباد ادا کرنے کی توفیق، ظلم سے اجتناب اور دروغ گوئی سے پرہیز، الحاصل اوامر ونواہی بجالانے اور اخلاق فاضلہ حاصل کرنے کی توفیق نصیب ہوگی۔ اس نظریہ کے تحت مذکورہ بالا دعائے قنوت کے ہر ہر فقرے پر غور کرتا جائے، اور اس کے معنی سمجھتا جائے اور یہ دیکھتا جائے کہ میں بارگاہ الٰہی میں خداوند قدوس کو مخاطب کر کے جو کچھ عرض کر رہا ہوں وہ صحیح ہے یا نہیں اور میرے روزمرہ کے اعمال اس کے مطابق ہیں یا نہیں، اللہ تعالیٰ نے طرح طرح کی نعمتیں عطا فرمائیں، ان کا شکر یہ تو یہ تھا کہ بندہ کا کوئی قول اور کوئی فعل خدا اور سول کے حکم کے خلاف نہ ہوتا، لیکن حقوق اللہ کی ادائیگی میں کوتاہی کی اور حقوق العباد تلف کئے، دن میں سینکڑوں مرتبہ جھوٹ بولا، غیبت کی، اس کے باوجود رات کو نماز وتر میں کھڑا ہو کر اپنے معبود حقیقی کو مخاطب کر کے یوں کہتا ہے، ''نشکرك ولا نكفرك'' ہم تیرا شکر کرتے ہیں ناشکری نہیں کرتے، افسوس کہ بحالت نماز اپنے مولیٰ کو مخاطب کر کے بندہ جھوٹ بولنے کی جسارت کرتا ہے۔ حالانکہ اس کے مولیٰ پر کوئی چیز مخفی نہیں۔ پس معنی سمجھنے میں بندے کو اس بات کا احساس ضرور ہوگا کہ میں بارگاہ الٰہی میں جو کچھ عرض کر رہا ہوں میرا عمل اس کے مطابق نہیں، اور رفتہ رفتہ وہ اپنے اعمال کو اپنے قول کے مطابق کرنے کی کوشش کرے گا۔ اور اس طریقہ سے نفس کی اصلاح ہو جائے گی۔

(۲) وضو کے مسائل میں مسواک کی اہمیت محتاج بیان نہیں، لیکن حضرت شاہ صاحب نے اس کیلئے ایک دلنشیں عنوان قائم کیا ہے۔ مسواک کے شرعی اور طبی فوائد'' اور پھر اس کے تحت مسواک کی دس خوبیاں نقل فرمائیں۔ (تفصیل کے لئے نظام شریعت ص ۴۴، ملاحظہ فرمائیں)

اور اسی طرح اپنی شاہکار تصنیف بشیر القاری کے دیباچہ میں آپ نے امام بخاری علیہ الرحمۃ کے حالات بیان فرماتے ہوئے ذکر کیا کہ ان کی خوراک نہایت قلیل تھی، بھر پیٹ نہیں کھاتے تھے، ابھی اتنا بیان کر پائے تھے کہ اصلاح احوال کی ایک تجلی (Flash) افق ذہن پر نمودار ہوئی اور آپ نے تحریر فرمایا کیوں کہ مداومت کے ساتھ بھر پیٹ کھانے سے قلب مردہ ہو جاتا ہے۔ اور اس میں غفلت پیدا ہو جاتی ہے، اسی واسطے

محبوب خدا ﷺ نے فرمایا:

لا تميتوا القلوب بكثرة الطعام والشراب فان القلب كالزرع يموت اذا كثر عليه الماء۔

ترجمہ: زیادہ کھانے پینے سے قلوب کو مردہ مت کرو، کیوں کہ قلب کھیتی کی طرح ہے، جب کھیتی کو پانی زیادہ پہونچے مردہ ہوجاتی ہے۔

نیز فہم وذکا میں خلل واقع ہوجاتا ہے، عبادت کم ہوتی اور اس کی حلاوت مفقود ہوجاتی ہے۔ ام المومنین حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا فرماتی ہیں، کہ سرور انبیا حبیب کبریا ﷺ کے چشم ظاہر سے پردہ فرمانے کے بعد سب سے پہلے اس امت میں جو بدعت ظاہر ہوئی وہ پیٹ بھر کھانا ہے۔ حضرت نافع رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ حضرت ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما کی عادت کریمہ تھی کہ بغیر کسی مسکین کے تنہا کھانا تناول نہ فرماتے۔ ایک دن کسی شخص کو ہمراہ کھانے کے لئے پیش کیا گیا، اسنے پیٹ بھر کھایا، فرمایا: اے نافع آئندہ ایسے شخص کو نہ لایا جائے، میں نے رسول اللہ ﷺ کو فرماتے سنا کہ مسلمان ایک آنت میں کھاتا ہے یعنی قلیل، اور کافر ومنافق سات آنتوں میں، یعنی کثیر۔ تو بکثرت کھانے سے کفار کے ساتھ مشابہت ہوگئی اور جس شخص کو کفار سے مشابہت ہو، اس کو اپنے پاس بٹھانا گوارا نہ فرمایا۔

(فائدہ) بادشاہ کسریٰ کے پاس چار حکیم آئے، ایک عراقی، دوسرا رومی، تیسرا ہندی، چوتھا سوڈانی، ان سے دریافت کیا وہ کون سی دوا ہے جس کے بعد کوئی مرض لاحق نہ ہو۔ ہر ایک نے اپنے اپنے خیال کے مطابق کچھ نہ کچھ بتایا، سوڈانی حکیم خاموش رہے۔ بادشاہ نے کہا آپ کیا فرماتے ہیں، وہ بولے کہ جس دوا کے بعد مرض لاحق نہ ہو وہ یہ ہے کہ بغیر اشتہا نہ کھائیں اور شکم سیر ہونے سے پیشتر دست کش ہوجائیں، سب نے تائید کرتے ہوئے کہا کہ یہ سچ کہتے ہیں۔ خورد ونوش کے تین مرتبے ہیں، الخ۔

(بشیر القاری۔ ص ۲۴۲)

راہ سلوک کی فضیلت

حضرت شاہ صاحب نے اتباع سنت اور عمل میں اخلاص پیدا کرنے کے لئے شرح احادیث میں ایک عنوان قائم کیا ہے ''باب التصوف'' جس میں ایک جگہ نیت صادق کی منفعت اور فاسد کی مضرت حضرت غوث اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی عظمتیں اور ان کے بعض احوال، خواجہ غریب نواز کی شفقت، خواجہ سری سقطی کی نصیحت اور آخر میں امام اعظم علیہ الرحمۃ والرضوان کی بیس نصیحتوں کا ذکر ہے۔ حضرت شاہ صاحب قبلہ نے آپ کی انیسویں نصیحت کو ذکر کیا ہے۔ آپ فرماتے ہیں۔ مخدوم شیخ احمد کمشخانوی قدس سرہ اپنی کتاب جامع الاصول کے متممات میں ان بیس نصیحتوں کو نقل فرماتے ہیں جو سیدنا امام اعظم ابوحنیفہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اپنے صاحبزادہ حضرت حماد کو یہ کہکر فرمائی تھیں کہ اگر تم نے یاد کر کے ان پر پابندی کے ساتھ عمل کیا تو انشاء اللہ تعالیٰ مجھے تمہارے

لئے دینی سعادت کی امید ہے۔ان بیس نصیحتوں میں سے بلحاظ مقام صرف انیسویں نصیحت ترجمہ کے ساتھ هدیہ ناظرین کیجاتی ہے"

والتا سع عشرا ن تعتمد خمسة احا ديث انتخبتها الى الآ خر۔

ترجمہ:انیسویں نصیحت یہ ہے کہ ان پانچ حدیثوں پر اعتماد کرو جن کو میں نے پانچ لاکھ احادیث سے منتخب کیا ہے۔

اول:حدیث" انما الا عما ل با لنيا ت" ہے کہ تمام اعمال کا ثواب نیک نیت پر موقوف ہے۔

دوم:یہ کہ انسان کا لایعنی چیزوں کا ترک کردینا اس کے حسن اسلام کا نتیجہ ہے۔

سوم:یہ کہ تم میں کوئی شخص کامل مومن نہیں ہوتا، یہاں تک کہ اپنے بھائی کے واسطے وہ پسند کرے جو اپنے واسطے کرتا ہے

چہارم:یہ کہ حلال ظاہر ہے اور حرام ظاہر ہے اور ان دونوں کے درمیان کچھ مشتبہ چیزیں ہیں جن کو بہت سے لوگ نہیں جانتے، پس جس نے مشتبہ چیزوں سے اجتناب کیا تو اس نے اپنے دین اور عزت کو بری کرلیا اور جو مشتبہات میں واقع ہوجائے گا اس چرواہے کی طرح جو چراگاہ کے گرداگرد چراتا ہو تو قریب ہے کہ اس میں داخل ہوجائے خبردار ہر بادشاہ کے لئے حمی (چراگاہ) ہوتی ہے اور بیشک اللہ تعالی کی حمی اس کے محارم ہیں۔خبردار بیشک بدن میں گوشت کا ایک ٹکڑا ہے جب وہ درست ہو تو سارا بدن درست ہوجائے اور جب فاسد ہو تو کل بدن فاسد ہوجائے۔خبردار وہ قلب ہے۔

پنجم:یہ کہ کامل مسلمان وہ ہے جس کی زبان اور ہاتھ سے مسلمان سالم رہیں۔واللہ تعالی اعلم بالصواب (بشیر القاری ص ۶۵)

اعمال حسنہ کی ترغیب

حضرت شاہ صاحب کی تصانیف"نظام شریعت"اور"بشیر القاری"میں اگرچہ بالترتیب فقہی مسائل کی وضاحت اور بخاری شریف کی احادیث کی تشریح وتوضیح احسن طریقے سے پیش کی گئی ہے لیکن ایک خاص پہلو یہ ہے کہ ان امور کی آگہی کے ساتھ ساتھ قارئین کرام کے لئے اعمال حسنہ کی ترغیب وتحریص کا مشفقانہ اور ناصحانہ انداز اختیار کیا گیا ہے۔یہاں بشیر القاری سے فقط ایک مثال پیش کی جاتی ہے۔حدیث کے راویوں کے حالات میں حضرت عبداللہ بن مبارک کے حالات میں ان کے کمالات اور عظمتوں کا ذکر کرتے ہوئے قاسم بن محمد کے حوالے سے تحریر فرماتے ہیں۔"حضرت قاسم بن محمد فرماتے ہیں کہ ہم آپ کے ساتھ (عبداللہ بن مبارک کے ساتھ) سفر کیا کرتے تھے تو بسا اوقات میرے دل میں ایک خیال گزرتا اور میں دل ہی دل میں کہتا کہ ان کو ہم پر کس وجہ سے فضیلت حاصل ہوئی کہ لوگوں میں اس قدر مشہور ہوگئے کہ اگر یہ نماز پڑھتے ہیں تو ہم بھی پڑھتے ہیں،اور یہ روزہ رکھتے ہیں تو ہم بھی رکھتے ہیں،یہ جہاد کرتے ہیں تو ہم بھی کرتے ہیں یہ حج کرتے ہیں تو ہم بھی

کرتے ہیں، ایک مرتبہ ہم ان کے ساتھ سفر میں گھر کے اندر رات کا کھانا کھا رہے تھے کہ چراغ گل ہو گیا کہ ہما رے ایک ساتھی روشن کرنے کی غرض سے چراغ لیکر باہر گئے اور تھوڑی سی دیر میں چراغ روشن کرلائے۔ میں نے دیکھا کہ اتنی دیر میں آپ کا چہرہ اور ریش مبارک اشکوں سے تر ہوگئی، اب میں نے دل میں کہا کہ اسی خشیت الٰہی کی بنا پر ان کو ہم پر فضیلت ہے غالباً چراغ گل ہونے پر جب اندھیرا ہوا تو انہیں قیامت یاد آ گئی جس کے خوف سے اشکوں میں تربتر ہو گئے۔

ذہن میں ابھرنے والے شکوک وشبہات کا ازالہ

حضرت شاہ صاحب علیہ الرحمۃ نے بعض لوگوں کے ذہن میں ابھرنے والے شکوک وشبہات کے ازالہ کے لئے از خود سوال لکھ کر بقلم خود جواب تحریر فرمایا تا کہ ان کے شبہات کا شافی جواب دیا جائے اور عمل صالح کی اہمیت ذہن میں روشن ہو جائے نظام شریعت سے ایک مثال پیش کی جاتی ہے۔ اذان کے بعد والی دعاء ہے متعلق پہلے تو حضرت شاہ صاحب مفید معلومات تحریر فرماتے ہیں اور پھر الفاظ دعا "ات محمد ن الوسیلۃ والفضیلۃ والدرجۃ الرفیعۃ وابعثہ مقاماً محمودا" سے متعلق ایک سوال قائم کر کے خود جواب عطا فرماتے ہیں۔

سوال: اللہ تعالیٰ نے حضور پر نور کو تمام مخلوق پر فضیلت اور برتری عطا فرمائی کیونکہ ساری مخلوق آپ کے طفیل میں پیدا کی گئی ہے اور آپ کو بلند درجہ بھی عطا کیا، اس لئے کہ اللہ تعالیٰ نے آپ کو اپنا محبوب بنایا اور کسی کو محبوبیت کے مرتبہ پر فائز نہیں کیا، اسی طرح وسیلہ جو جنت میں اعلیٰ درجہ ہے آپ ہی کو ملے گا کیونکہ آپ نے فرمایا ہے کہ جس بندہ کو وہ ملے گا امید ہے کہ وہ میں ہی ہوں۔ اور مقام محمود میں بھی آپ بھیجے جائیں گے۔ اس کا وعدہ خود اللہ تعالیٰ نے قرآن کریم میں بایں الفاظ فرمایا ہے۔ عسیٰ ان یبعثك ربك مقاماً محمودا" اور یہ ممکن نہیں کہ اللہ تعالیٰ وعدہ خلافی کرے پھر وسیلہ اور فضیلت اور درجہ رفیعہ اور مقام محمود کے لئے دعا مانگنے کی کیا ضرورت رہی۔

جواب: بیشک یہ باتیں صحیح ہیں لیکن ہم کو ان کے واسطے دعا کرنے کا حکم اس لئے دیا گیا کہ ہم گنہ گار محبوب خدا کے دعا گو اور خیر اندیشوں میں داخل ہو جائیں تا کہ قرب الٰہی حاصل اور نور ایمان زائد ہو، کیونکہ محبوبان خدا کے خیر خواہ اور خیر سگال بھی نعمتوں سے نوازے جاتے ہیں۔ ابولہب محبوب خدا ﷺ کا بدترین دشمن اور سخت ترین کافر تھا یہاں تک کہ اس کی مذمت میں سورۂ تبت نازل ہوئی۔ مگر حضور پر نور ﷺ کی ولادت کی خوشی میں اس نے باندی آزاد کر دی تھی نظر بر آں اللہ تعالیٰ نے اس کو رحمت سے محروم نہیں فرمایا۔ ہر دوشنبہ کو اس کے عذاب میں تخفیف کر دیجاتی ہے جو مومن آپ کی پیدائش کی ہمیشہ خوشی منائے اور ہر اذان کے بعد آپ کی خیر خواہی میں یہ دعا مانگتا رہے وہ خداوندی اکرام وانعام سے کس طرح نوازا نہ جائے گا۔ (نظام شریعت ۸۴)

آپ کی تصانیف

آپ کی وہ شاہکار تصانیف جو راقم الحروف کی نظر سے گزریں اور آپ کے علم وفضل کا منھ بولتا ثبوت ہیں حسب ذیل ہیں۔

(۱) بشیر القاری۔ جو بخاری شریف کی کچھ احادیث کی شرح ہے۔

کاش حضرت شاہ صاحب کی عمر ساتھ دیتی اور یہ مکمل ہو جاتی تو میرے خیال میں جو حیثیت چاندنی رات میں چمکتے چاند کو درخشندہ ستاروں میں ہوتی ہے وہی حیثیت اس کو اردو شروحات میں ہوتی۔

(۲) بشیر الناجیہ۔ یہ فن نحو کی مشہور کتاب کافیہ مجرورات تک بڑی مبسوط اور تحقیقی شرح ہے۔

(۳) البشیر الکامل۔ یہ شرح ماۃ عامل کی عمدہ ترکیب نحوی کے ساتھ مکمل شرح ہے۔

(۴) البشیر۔ یہ بھی علم نحو میں نحو میر کی ایک شاندار مکمل شرح ہے۔

(۵) نظام شریعت۔ یہ فقہی مسائل واحکام کا نرالہ اور تحقیقی بیان ہے۔

المختصر حضرت شاہ صاحب علیہ الرحمۃ جیسے صاحب علم وفضل کی تصانیف علوم اسلامیہ ودینیہ کے طلبہ کے لئے ایک عظیم تحفہ ہے اور واعظین شیریں بیان کے لئے علمی وروحانی نکات کا خزینہ ہیں۔ اللہ تعالی اپنے فضل اور عمیم سے فرزندان اسلام کے ہر طبقے کو اپنی استعداد کے مطابق ان سے فیضیاب ہونے کی توفیق عطا فرمائے۔ (آمین بجاہ سید المرسلین ﷺ۔)

فقط! ڈاکٹر بشیر احمد صدیقی غفرلہ جامعۃ الکریم ایٹن ہال۔ (نوٹنگھم، یو۔ کے)

۸۷۶

صدر العلماء اور مسئلہ قیام عندحی علی الفلاح

تعارف و تبصرہ

حضرت مولانا عبدالسلام رضوی مہوا کھیڑوی،

مدرس جامعہ نوریہ رضویہ بریلی شریف

جب آدمی دنیائے فانی سے کوچ کر جاتا ہے تو اس کے بعد اسکی نیک یادگاریں اور آثار ہی اس کے ذکر خیر کا ذریعہ ہوتے ہیں۔

تلك آثار تدل علينا　　فانظروا بعدنا الى الآثار

اپنے پیچھے نیک یادگار چھوڑنے والا مرنے کے بعد بھی زندہ رہتا ہے۔ وہ دنیا کے منظر نامے سے غائب ہونے کے باوجود لوگوں کے درمیان موجود رہتا ہے، لوگ اس کے ذکر خیر میں رطب اللسان رہتے ہیں، اور اسکی بارگاہ میں گلہائے عقیدت ومحبت پیش کرتے رہتے ہیں۔

بلبل شیراز حضرت شیخ سعدی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ اپنی کتاب مستطاب بوستاں میں فرماتے ہیں:

نیاید کس اندر جہاں کو بماند　　مگر آں کزو نام نیکو بماند
نمرد آنکہ ماند پس ازوے بجائے　　پل وخانی وخوان ومہماں سرائے
ہر آنکہ نماند از پسش یادگار　　درخت وجودش نیاوردبار

(۱) اس ناپائیدار دنیا میں کوئی ایسا نہیں آیا جو یہاں رہ گیا ہو، جو بھی یہاں آیا اس کو ایک نہ ایک دن رخت سفر باندھنا پڑا ہے۔ ہاں وہ شخص ضرور یہاں رہ گیا جو اپنے پیچھے نیک نام چھوڑ گیا۔

(۲) جو شخص اپنے پیچھے رفاہ عام کی چیزیں مثلاً پل، کنواں، لنگر، یا مہمان خانہ چھوڑ جائے وہ مرنے کے بعد بھی زندہ ہے۔

(۳) جس شخص نے اپنے پیچھے کوئی یادگار نہیں چھوڑی، اس کا وجود اس درخت کی طرح ہے جس پر پھل نہیں آیا۔

عربی شاعر علی ابن جہم وفات یافتہ انسان کے ذکر خیر کو اسکی حیات نو سے تعبیر کرتا ہے:

ولا خير فى عيش امرى وهو خامل　　و ذكرا لفتى بالخير عمر مجدد
تنبه عن النوم الحسام ولا تنم　　لتبقى فما فى الارض شى، مخلد

آدمی کی زندگی میں کوئی بھلائی نہیں جبکہ وہ گمنام ہو۔اور بھلائی کے ساتھ آدمی کا ذکر اس کے حق میں ایک نئی زندگی ہے۔

لہذا خواب شیریں سے بیدار ہو، اور غفلت وکاہلی ترک کر کے مصروف عمل ہو تا کہ تجھے بقا حاصل ہو یعنی تیرا ذکر خیر باقی رہے۔ کیونکہ زمین میں کوئی شئی دائمی نہیں ہے۔(پس تیرے لئے بھی دوام نہیں ہے اور تو بھی ایک دن فنا ہو جائے گا، البتہ اگر کچھ عظیم ومفید خدمات انجام دیکر دنیا سے جائے گا تو تیرا ذکر خیر باقی رہے گا، اور اس طرح گویا تو باقی رہے گا)

صدر العلما، امام النحو، صاحب دانش برہانی ونورانی، حضرت علامہ مولانا سید غلام جیلانی علیہ الرحمۃ والرضوان نے اپنے پیچھے کئی مہتم بالشان یادگاریں چھوڑی ہیں، ان یادگاروں میں آپ کی معرکۃ الآرا تصانیف بھی ہیں۔ یہ آپ کی بڑی عظیم القدر اور محکم یادگاریں ہیں۔

تبحر عالم، نامور مدرس، باکمال انشاپرداز، مفکر ومحقق، حضرت علامہ محمد احمد صاحب قبلہ مصباحی، صدر مدرس، الجامعۃ الاشرفیہ، مبارکپور، کے الفاظ میں "یہ باقی رہنے والی اور باقی رکھنے والی ہیں"۔

(طلبہ جامعہ سے آپ کا خطاب، مطبوع، ماہنامہ اشرفیہ، ستمبر ۲۰۰۳ء)

ان شاء اللہ العزیز اہل علم ودانش کے مابین آپ کی تصانیف ہمیشہ متداول اور شائع وذائع رہیں گی۔ اوران کے ذریعہ ہر دور کے لوگ حضرت صدر العلما کی علمی عظمت وشوکت سے آگاہ ہو کر آپ کی بارگاہ اقدس میں خراج عقیدت اور گلہائے دعائے رحمت پیش کرتے رہیں گے۔

آپ کی وقیع وجلیل تصانیف میں سے ایک تصنیف "عظیم النجاح فی تحقیق القیام عند حی علی الفلاح" بھی ہے۔ موضوع نام ہی سے ظاہر ہے۔ یہ آپ کے ان فتووں پر مشتمل ہے جو آپ نے مفتی دار العلوم دیوبند کے رد میں سپرد قلم فرمائے۔

یہ ایک مختصر، غیر معروف اور نایاب رسالہ ہے۔ البشیر کا جو نسخہ، مکتبۃ الجیلانی سنبھل ضلع مرادآباد کے زیر اہتمام شائع ہوا تھا، اس کے ابتدائی صفحات میں "نشریات مکتبۃ الجیلانی ایک نظر میں" عنوان کے تحت حضرت صدر العلما کی تصانیف کی فہرست بھی دی گئی ہے، اس میں یہ رسالہ بھی مذکور ہے۔ اس فہرست کے مطابق آپ کی تصانیف مندرجہ ذیل ہیں۔

۱۔ بشیر القاری

۲۔ بشیر الناجیہ

۳۔ البشیر الکامل

۴۔ البشیر شرح نحو میر

۵۔ نظام شریعت

۶۔ تبصرہ اعجاز بر تنقید سر فراز

۷۔ عذاب آسمانی بر فتنۂ قادیانی

۸۔ صحیح النظر

۹۔ صحیح المسلک

۱۰۔ عظیم النجاح

۱۱۔ انگریزی ایجنٹ

''عظیم النجاح'' باریک اور مسلسل خط میں خورد سائز کے سولہ صفحات پر مشتمل ہے، اگر اس رسالہ کو اس خط میں لکھا جائے جو عام طور پر رائج ہے اور پیرا بندی بھی کی جائے تو میرے خیال میں صفحات دوگنے ہو جائیں گے۔

رسالۂ مذکور اگر چہ صفحات کے اعتبار سے معمولی ہے، لیکن حضرت صدر العلما کی تحریروں میں جو خوبیاں ہوتی ہیں مثلاً ٹھوس استدلال، زیر بحث مسئلے کے تمام گوشوں کا احاطہ، جزئیات کا استحضار، امعان نظر، وضوح کلام یہ سب خوبیاں اس میں بھی موجود ہیں۔ لہذا ''عظیم النجاح'' بھی آپ کی دیگر تصانیف کی طرح عظیم اور باوقعت ہے۔ اور اس بات پر شاہد عادل ہے کہ آپ کا علمی تبحر، وسعت مطالعہ، اور دقت نظر فن حدیث ونحو ہی کے ساتھ خاص نہیں بلکہ فقہ میں بھی آپ کی یہی شان ہے بلکہ حق یہ ہے کہ منقولات ہوں یا معقولات ہر علمی جولان گاہ میں آپ تبحر علمی، مہارت اور بلند شان کے حامل ہیں۔

پہلے ان فتووں کا پس منظر بیان کر دینا مناسب ہے جو اس رسالہ میں شامل ہیں، وقت اقامت امام کی حالتوں کے اعتبار سے کئی صورتیں بنتی ہیں۔

۱۔ امام داخل مسجد ہو اور اقامت کوئی دوسرا شخص کہے۔

۲۔ خارج مسجد ہو اور سامنے سے آئے۔

۳۔ خارج مسجد ہو اور صفوں کے پیچھے سے آئے۔

۴۔ امام خود اقامت کہے۔

نماز کے لئے کھڑے ہونے کے تعلق سے ہر صورت کا حکم علیحدہ ہے۔ برصغیر (ہند، پاک، بنگلہ دیش) میں بوقت اقامت عام طور پر پہلی ہی صورت پائی جاتی ہے یعنی بوقت اقامت امام اندرون مسجد مصلی پر یا صفوف میں موجود ہوتا ہے۔ دوسری صورتیں شاذ و نادر ہی وقوع میں آتی ہیں بالخصوص دوسری اور تیسری صورت

پہلی صورت کا حکم یہ ہے کہ امام ومقتدی اقامت کے شروع سے نماز کے لئے نہ کھڑے ہوں بلکہ جب مکبر " حی علی الفلاح " پر پہونچے اس وقت کھڑے ہوں، شروع سے کھڑا ہونا مکروہ ہے۔ یہ حکم فقہ کی کئی مستند کتابوں میں مذکور ہے جیسا کہ عنقریب معلوم ہوگا۔

لیکن اس کے برعکس دیوبندی گروہ کے لوگ خواص ہوں یا عوام اس صورت میں بھی شروع اقامت ہی سے کھڑے ہو جاتے ہیں، اور اس طریقہ پر بڑے التزام سے عمل کرتے ہیں حتی کہ برصغیر میں یہ طریقہ ان کا شعار اور علامت بن گیا ہے۔

میرٹھ کے ایک سنی جناب حاجی عظیم اللہ صاحب فروٹ سیلر نے دیوبند کے درالافتاء سے اس بارے میں استفتاء کیا، وہاں سے جو جواب آیا حاجی صاحب نے اس کو حضرت صدر العلما کی خدمت میں بھیجا اور سوال کیا کہ یہ جواب درست ہے یا نہیں؟ اگر درست نہیں تو اس کی غلطیوں کی نشان دہی فرمائیں اور صحیح حکم شرعی سے آگاہ فرمائیں۔ حضرت صدر العلماء نے اپنے فتوے میں ایضاح حق کے ساتھ ساتھ دیوبندی فتوے کا ابطال بھی فرمایا۔ حاجی صاحب نے چند سوالات کے ساتھ حضرت صدر العلما کا یہ فتوی دار الافتاء دیوبند بھیج دیا۔ وہاں سے جو جواب آیا حضرت صدر العلماء نے پھر اس کا جواب تحریر فرمایا۔ اور پھر انجام وہی ہوا جو حق کے مقابلہ میں باطل کا ہوتا ہے یعنی" جاء الحق وذهق الباطل ان الباطل كان ذهوقا" حق آیا اور باطل مٹ گیا بے شک باطل کو مٹنا ہی تھا۔ چونکہ حاجی عظیم اللہ صاحب سائل تھے لہٰذا اس رسالہ کو جو ان تحریرات پر مشتمل ہے "عظیم النجاح" کے ساتھ موسوم کیا گیا۔

حضرت صدر العلماء کے یہ فتوے "حی علی الفلاح " پر کھڑے ہونے کے سلسلہ میں محقق ومفصل ہیں۔ ان فتووں میں ان باتوں کا بھی مسکت جواب ہے جو دیوبندی علماء شروع اقامت میں کھڑے ہونے کے تعلق سے بیان کرتے ہیں، ان فتووں میں اور بھی بہت سی مفید اور ضروری باتیں ہیں۔ یہاں پر حضرت صدر العلماء کا پہلا فتوی بتمامہ نقل کیا جاتا ہے اور دوسرے فتوے کے کچھ حصے نقل کئے جائیں گے۔ لیکن چونکہ حضرت صدر العلماء کے فتوے میں دیوبندی مفتی کے فتوے کا رد بھی ہے لہٰذا پہلے دیوبندی مفتی کا فتوی نقل کیا جاتا ہے۔

دار الافتاء دیوبند سے استفتاء

کیا فرماتے ہیں علمائے دین دریں مسئلہ

(۱) زید کہتا ہے کہ بوقت اقامت امام اور مقتدیوں کو بیٹھے رہنا چاہئے تا وقتیکہ مکبر حی علی الفلاح پر نہ پہنچے، اس وقت کھڑا ہونا چاہے۔ اور کہتا ہے کہ کھڑے ہو کر انتظار کرنا مکروہ ہے اور خلاف سنت ہے۔

(۲) کسی شخص نے کہا کہ یہ طریقہ بریلویوں کا ہے لہٰذا اجتناب بہتر ہے، بحوالۂ کتب معتبرہ جواب صحیح تحریر فرمائیں۔ چونکہ اختلاف اشد ہے۔ بینوا توجروا المستفتی حاجی عظیم اللہ فروٹ سیلر مکان ۵۸۷/ شاہ پیر

گیٹ میرٹھ/۶۶/۶/۶

دار الافتاء دیو بند کا جواب

(۱) الجواب:- صورت مسئولہ میں زید کا قول درست نہیں ہے بلکہ اس مسئلہ میں تفصیل ہے یہ کہیں سے ثابت نہیں ہے کہ امام پہلے سے مصلی پر آکر بیٹھ جائے اور حی علی الفلاح یا حی علی الصلوۃ پر کھڑا ہو۔ اگر سامنے سے آتا ہو تو جس وقت اس پر نظر پڑے مقتدی کھڑے ہو جائیں۔ اور اگر پشت کی جانب سے حوض یا گھر سے وضو کر کے آئے تو جس صف سے گذرے وہ صف کھڑی ہوتی جائے۔ حی علی الصلوۃ پر کھڑا ہونا آداب نماز میں داخل ہے اور صفوف کا درست کرنا سنن میں داخل ہے۔ پہلے سے اگر کھڑے نہ ہوں تو صفوف کے علاوہ اور مستحبات بھی ترک ہوتے ہیں اگر کوئی شخص وظیفہ یا تسبیح خوانی میں مشغول ہے تو زیادہ سے زیادہ تاخیر حی علی الصلوۃ تک کر سکتا ہے اس سے پہلے اٹھنا ممنوع نہیں ہے بلکہ تسویہ صفوف کیلئے زیادہ ضروری ہے کیونکہ یہ آداب سے ہے۔

ولها اداب تركه لا يوجب اساءة ولا عتابا كترك سنة الزوائد ولكن فعله افضل (الدر المختار ص۷۳)

و اما اذا كان الامام خارج المسجد فان دخل المسجد من قبل الصفوف فكلما جاوز صفا قام ذلك الصف وان كان الامام دخل المسجد من قدامهم يقومون كما راؤ الامام (عالمگیری ص ۵۳)

والظاهر انه احتراز عن التاخير لا التقديم حتى لو قام اول الاقامة لا باس (طحطاوی علی الدر المختار ص ۳۳)

(۲) ہمارے نزدیک جو صورت صحیح تھی بتادی ہمیں دوسرے لوگوں سے واسطہ نہیں۔

(دستخط مفتی صاحب دیو بند ۸۶/۲/۲۲)

حضرت صدر العلماء سے استفتاء

بخدمت صدر المدرسین صاحب مدرسہ اسلامی عربی اندر کوٹ میرٹھ! السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

گذارش یہ ہے کہ ایک استفتاء در بارۂ اقامت دیو بند بھیجا تھا۔ وہاں سے جو جواب آیا وہ برائے ملاحظہ ہمرشتہ کیا جاتا ہے دریافت طلب امر یہ ہے کہ دیو بند کا جواب صحیح ہے یا نہیں؟ اگر صحیح نہیں ہے تو صحیح حکم شرعی بیان کر کے اس جواب کی غلطیوں کو بحوالۂ کتب بیان فرمایا جائے۔ المستفتی، حاجی عظیم اللہ فروٹ سیلر

حضرت صدر العلماء کا جواب

الجواب: جواب دیو بند صحیح نہیں مجیب نے نقل عبارات میں خیانت کی ہے۔ صحیح نہ ہونے کی وجہ یہ ہے کہ

کتب فقہ میں مسئلہ کی تین صورتیں مذکور ہیں، پہلی یہ کہ امام بھی مسجد میں ہو۔ اس صورت میں یہ حکم ہے کہ جب مؤذن اقامت میں " حی علی الفلاح " پر پہونچے تو امام ومقتدی دونوں کھڑے ہو جائیں۔

چنانچہ محیط میں ہے " یقوم الامام والقوم اذا قال المؤذن حی علی الفلاح عند علمائنا الثلثة هو صحیح "

ترجمہ: امام اور قوم کھڑی ہو جبکہ مؤذن حی علی الفلاح کہے۔ ہمارے تینوں علماء (یعنی امام اعظم، امام ابو یوسف، امام محمد رضی اللہ تعالیٰ عنہم) کے نزدیک یہی صحیح ہے ابتدا سے کھڑے رہنا مکروہ ہے یہاں تک کہ جو شخص مسجد میں آیا اور تکبیر ہو رہی ہے اس کے لئے حکم ہے کہ بیٹھ جائے کھڑا نہ رہے،

چنانچہ ردالمحتار وغیرہ میں ہے:

" اذا دخل الرجل عند الاقامة یکره له الانتظار قائما ولکن یقعد ثم یقوم اذا بلغ المؤذن قوله حی علی الفلاح۔

ترجمہ:۔کوئی شخص بروقت اقامت مسجد میں داخل ہو تو کھڑے رہ کر ختم تکبیر کا انتظار مکروہ ہے بلکہ بیٹھ جائے۔ پھر اس وقت کھڑا ہو جب کہ مؤذن حی علی الفلاح کہے جب بروقت اقامت داخل ہونے والے کے لئے یہ حکم ہے اور کھڑا رہنا مکروہ ہے تو جو پہلے سے موجود ہیں ان کے لئے کھڑا رہنا بدرجۂ اولیٰ مکروہ ہوا، اسی واسطے علامہ طحطاوی نے حاشیہ مراقی الفلاح ص ۱۵۱ میں فرمایا:

ویفهم منه کراهیة القیام ابتداء الاقامة والناس عنه غافلون :

ترجمہ: اور وقت اقامت داخل ہونے والے کے حکم مذکور سے مفہوم ہوتا ہے کہ ابتدا سے کھڑا رہنا مکروہ ہے اور عام لوگ اس سے غافل ہیں۔

مقام غور ہے کہ ایسے صاف حکم کے موجود ہوتے ہوئے یہ حکم دینا کہ ابتدائے اقامت میں کھڑا ہونا چاہئے کھلی ہوئی ہٹ دھرمی ہے اور اپنی بات کی پچ میں لوگوں کو خلاف شرع کا عادی بنانا ہے، دیوبندی صاحبان کی دیرینہ عادت ہے کہ اپنی غلطی سے رجوع نہیں کرتے بلکہ ان کے خلاف قرآنی آیت پیش کی جائے یا حدیث تو ان میں بھی تاویلات کیا کرتے ہیں۔ غلطی سے رجوع کرنا نصیب نہیں ہوتا۔

اب ہم صورت مذکورہ کا حکم ان کے پیشوا کی کتاب سے نقل کرتے ہیں دیکھیں ان کے متعلق کیا کہیں گے "اعلاء السنن" کے اردو ترجمہ "اطفاء الفتن" جلد چہارم ص ۳۵۸ میں ہے۔

تقریر: جب امام مسجد میں ہو تو اس وقت اس کو قد قامت الصلوۃ پر تکبیر کہہ دینا چاہئے اور حی علی الصلوۃ پر کھڑا ہو جائے جیسا کہ حاشیہ میں آثار سے ثابت کیا گیا ہے۔ اور یہی حکم مقتدی کے لئے ہے اھ۔

یہ کتاب تھانہ بھون کے مدرسہ امداد العلوم میں تصنیف کی گئی ہے غالبا اس کے مصنف مولوی اشرف علی

صاحب ہیں کتاب کے ٹائٹل پیج پر کسی مصنف کا نام تحریر نہیں کیا گیا۔

دوسری صورت یہ ہے کہ امام مسجد میں نہ ہو اب اگر سامنے سے آئے تو حکم یہ ہے کہ اس کو دیکھتے ہی سب مقتدی کھڑے ہو جائیں۔

اور تیسری صورت یہ ہے کہ اگر پیچھے سے آئے تو حکم یہ ہے کہ جس صف سے گذرے وہ کھڑی ہوتی جائے۔ مذکورہ بالا تینوں صورتوں کا حکم مذکور اس وقت ہے جبکہ اقامت کہنے والا امام نہ ہو۔

فتاوی عالمگیری جلد اول ص ۳۵ میں ان تینوں صورتوں کا بیان ایک ساتھ فرمایا۔ ہے۔ دیو بندی جواب میں دیدۂ ودانستہ خیانت کی گئی ہے کہ پہلی صورت سے متعلق عبارت نقل نہیں کی، دوسری اور تیسری صورت کے متعلق عبارت نقل کر دی ہے، اب ہم پوری عبارت ترجمہ کے ساتھ پیش کرتے ہیں:

" ان كان المؤذن غير الامام وكان القوم مع الامام فى المسجد فانه يقوم الامام والقوم اذا قال الموذن حى على الفلاح عند علمائنا الثلاثة وهو الصحيح۔ واما اذا كان الامام خارج المسجد فان دخل المسجد من قبل الصفوف فكلما جاوز صفاقام ذٰلك الصف واليه مال شمس الائمة الحلوائى والسرخسى وشيخ الاسلام خواهر زاده وان كان الامام دخل المسجد من قدامهم يقومون كما رأو الامام۔ (جلد اول ص ۳۵)

ترجمہ:- اگر مؤذن غیر امام ہو اور قوم امام کے ساتھ مسجد میں موجود ہو تو امام اور قوم اس وقت کھڑے ہوں جب مؤذن حی علی الفلاح کہے۔ یہ حکم ہمارے تینوں علماء کا مذہب ہے یعنی امام اعظم ابوحنیفہ، امام ابو یوسف، امام محمد رضی اللہ تعالیٰ عنہم، اور یہی صحیح ہے۔ اور جب کہ امام مسجد سے باہر ہو تو اگر مسجد میں صفوں کی طرف سے داخل ہو تو جس صف سے آگے بڑھے وہ صف کھڑی ہوتی جائے، اس حکم کی طرف مائل ہوئے شمس الائمہ حلوائی، امام سرخسی، شیخ الاسلام خواہر زادہ اور اگر امام مسجد میں سامنے سے داخل ہو تو فوراً اس کو دیکھتے ہی سب کھڑے ہو جائیں۔

اب ان دیو بندی مجیب صاحب سے کوئی پوچھے کہ پہلی صورت سے متعلق عبارت کو کیوں نقل نہیں کیا؟ اس سے آنکھیں کیوں بند کرتے ہیں؟ بات یہ ہے کہ اگر اس عبارت کو نقل کرتے تو ان کا جعل کھل جاتا پھر یہ نہیں کہہ سکتے تھے کہ ابتدائے اقامت میں کھڑا ہونا چاہئے۔ کیونکہ فتاوی عالمگیری میں صاف صاف الفاظ میں تحریر ہے کہ ابتدا میں بیٹھے رہیں اور حی علی الفلاح پر کھڑے ہوں۔

یہ تینوں صورتیں اس وقت تھیں جبکہ تکبیر کہنے والا غیر امام ہو، اور اگر امام تکبیر کہے تو جب تک پوری تکبیر سے فارغ نہ ہو لے مقتدی کھڑے نہ ہوں، یہ حکم اس وقت ہے جب کہ امام مسجد میں ہو، امام مسجد سے باہر کہے تو فراغ پر بھی کھڑے نہ ہوں بلکہ اس وقت جب کہ وہ مسجد میں قدم رکھے۔ چنانچہ فتاوی عالمگیری میں عبارت

مذکورہ کے بعد ہے:

"وان کان الامام والمؤذن واحدا فان اقام فی المسجد فالقوم لا یقومون ما لم یفرغ عن الاقامۃ و ان اقام خارج المسجد فمشائخنا اتفقوا علی انھم لا یقومون مالم ید خل الامام المسجد۔

ترجمہ: اور اگر مؤذن وامام ایک ہے یعنی خود امام تکبیر کہے تو اگر مسجد میں تکبیر کہے تو قوم اس وقت تک کھڑی نہ ہو جب تک کہ وہ تکبیر سے فارغ نہ ہولے اور اگر مسجد سے باہر تکبیر کہے تو ہمارے مشائخ کا اتفاق ہے کہ قوم اس وقت تک کھڑی نہ ہو جب تک کہ وہ مسجد میں داخل نہ ہولے۔

دیوبندی جواب میں دوسری خیانت یہ کی گئی ہے کہ حاشیہ طحطاوی علی الدر المختار کی عبارت کا آخری حصہ نقل نہیں کیا۔ اس کے آخر میں تھا "حر" یا تو اس کا مطلب نہیں سمجھے کہ فقہائے کرام یہ لفظ کس لئے لکھا کرتے ہیں۔ یا سمجھے تو اس لئے نقل نہیں کیا کہ پیش کردہ عبارت قابل استدلال نہیں رہتی۔ کیونکہ اس عبارت کے بعد تیسری سطر میں اس مسئلہ کے تحت تحریر فرماتے ہیں کہ:

اگر امام خود تکبیر کہے تو جب تک تکبیر سے فارغ نہ ہولے کھڑے نہ ہوں۔ای اتفاقا وربما یو خذ منہ کراھۃ تقدیم الو قوف فی البحث السابق اھ۔ یعنی یہ حکم اتفاقی ہے کہ جب امام خود تکبیر کہے تو اس سے فارغ ہونے سے پیشتر مقتدی کھڑے نہ ہوں۔ اس حکم سے (بحث سابق میں جس کو " والظاھر " سے بیان فرمایا تھا) یہ اخذ کرتے ہیں کہ حی علی الفلاح پر قیام کی تقدیم مکروہ ہے، پھر علامہ علیہ الرحمہ نے اس حکم کو حاشیۂ مراقی الفلاح میں صاف صاف بیان فرمایا جس کی عبارت اوپر ذکر کر چکے ہیں کہ ابتدائے اقامت میں کھڑا ہونا مکروہ ہے، اور عام لوگ اس سے غافل ہیں مگر دیوبندی صاحبان اس کو کیوں دیکھنے لگے وہ تو وہی غلط بات کہے جائیں گے جو ایک مرتبہ ان کے قلم سے نکل چکی ہے۔

مسلمانو! ہوشیار، ہوشیار، ابن سبا یہودی کا مشن کروڑ ہا روپے اس لئے خرچ کر رہا ہے کہ مسلمانوں کے مذہب کی تخریب کی جائے اور ان میں اختلاف پیدا کیا جائے۔ واللہ اعلم۔ دستخط صدر المدرسین صاحب، مدرسہ اسلامی عربی اندرکوٹ۔

دیوبندی مفتی نے اپنے فتوے میں لکھا ہے کہ " حی علی الصلوۃ " پر کھڑا ہونا آداب نماز میں داخل ہے اور صفوف کا درست کرنا سنن میں داخل ہے۔ پہلے سے اگر کھڑے نہ ہوں تو صفوف کے علاوہ اور مستحبات بھی ترک ہوتے ہیں، اگر کوئی شخص وظیفہ یا تسبیح خوانی میں مشغول ہے تو زیادہ سے زیادہ تاخیر حی علی الصلوۃ تک کر سکتا ہے، اس سے پہلے اٹھنا ممنوع نہیں ہے بلکہ تسویۂ صفوف کیلئے زیادہ ضروری ہے۔ (ص ۳)

دوسرے استفتا میں حاجی صاحب نے دیگر امور کے ساتھ یہ بھی دریافت کیا کہ آپ نے اپنے جواب

میں کسی فقہی کتاب سے یہ نقل نہیں کیا کہ جب امام بھی مسجد میں ہو تو تسویہ صفوف کے پیش نظر ابتدائے اقامت سے کھڑا ہونا ضروری ہے؟ لہذا برائے کرم یہ حکم فقہ کی جس کتاب میں ہو اس کی عبارت نقل فرمایئے۔

اس کے جواب میں دیو بندی مفتی نے تھانوی صاحب کی ''امداد الفتاوی'' سے یہ عبارت نقل کی'' حی علی الصلوۃ '' پر کھڑے ہونے کو'' در مختار'' قبیل فصل صفۃ الصلوۃ میں منجملہ آداب کے کہا ہے اور آداب کی صفت میں تصریح کی ہے '' تر کھا لایو جب اسائة ولا عتابا ولکن فعله افضل الخ '' اس سے معلوم ہوا کہ '' یکره له الانتظار '' میں '' یکره '' سے مراد ترک افضل ہے۔ اسکے بعد منجملہ ایسے آداب کے '' شروع الامام فی الصلوۃ اذا قیل قد قامت الصلوۃ '' کو شمار کر کے کہا ہے '' ولواخر حتی اتمها لا باس به اجماعا '' اس کے بعد اس تاخیر کو اعدل المذہب اور اصح کہا ہے، اور اصح ہونے کی دلیل رد المحتار میں یہ بیان کی ہے '' لان فیه محافظة علی فضیلة متابعة لمؤذن واعانة له علی الشروع مع الامام '' اس سے معلوم ہوتا ہے کہ جب ایک ادب کے ترک کو یعنی تاخیر شروع امام کو عارض محافظت واعانت کی وجہ سے ترجیح دی ہے، اسی طرح دوسرے ادب یعنی '' قیام عند حی علی الصلوۃ '' کے ترک کو یعنی تقدیم قیام علی الحیعلتین کو عارض تسویہ صفوف کی وجہ سے راجح کہا جائیگا اور عارض تسویہ نہایت مؤکدہ ہے اور عامۂ ناس کے عدم اہتمام وقلت مبالات کی وجہ سے مشاہدہ ہے کہ حی علی الصلوۃ پر کھڑے ہونے سے امام کی تحریمہ کے وقت تسویہ نہیں ہو سکتا بلکہ اکثر دیکھا جاتا ہے کہ پہلے سے کھڑے ہونے پر بھی اگر تسویۂ صفوف کا انتظار کیا جائے تو اقامت اور تحریمۂ امام میں فصل کی ضرورت پڑتی ہے، پس اس عارض مؤکد کے لئے اس ادب کو ترک کر دیں گے اور ادب کے ترک کا جو حکم ہے وہ اوپر بیان ہو چکا ہے۔ (امداد الفتاوی ص ۱۲۲) (عظیم النجاح ص ۷)

حاجی صاحب نے اپنے دوسرے استفتاء کے ساتھ حضرت صدر العلماء کا فتوی بھی روانہ کیا تھا جس میں دیو بندی مفتی کے فتوے کا رد تھا اور مستند کتب فقہ سے یہ ثابت کیا گیا تھا کہ امام کے مسجد میں موجود ہونے کی صورت میں یہ حکم ہے کہ امام اور قوم حی علی الفلاح پر کھڑے ہوں۔ ہمارے ائمہ ثلثہ کا یہی مذہب ہے اور یہی صحیح ہے، ایسی صورت میں دیو بندی مفتی کو چاہئے تھا کہ وہ اپنے موقف پر ایسی کتاب کا حوالہ پیش کرتے جو فریق مخالف کے نزدیک بھی لائق قبول ہو لیکن دیو بندی مفتی نے حوالہ بھی پیش کیا تو امداد الفتاوی کا۔ حضرت صدر العلماء نے اپنے دوسرے فتووں میں اس پر بھی کلام فرمایا ہے اور تھانوی صاحب نے شروع اقامت سے کھڑے ہونے کے راجح ہونے پر جو استدلال کیا ہے اس کا بھی منطقیانہ انداز میں جواب دیا ہے، آپ فرماتے ہیں:

آپ نے مفتی صاحب دیو بند سے دریافت کیا تھا کہ فقہ کی کسی کتاب کا حوالہ پیش کیجئے جس میں یہ حکم مذکور ہو کہ صورت زیر بحث میں امام ومقتدی کو ابتدائے اقامت پر کھڑا ہونا چاہئے۔ تو مفتی صاحب دیو بند کو سیکڑوں کتابوں میں سے کوئی بھی کتاب ایسی نہ ملی جس میں یہ حکم مذکور ہوتا۔ اور ملتی بھی کیسے سب میں تو یہ مذکو

رہے کہ حنفی مذہب میں حی علی الصلوۃ یا حی علی الفلاح پر کھڑا ہونا چاہئے جن میں بعض کی عبارتیں ہم پہلے جواب میں ترجمہ کے ساتھ نقل کر چکے ہیں۔ لے دیکر لے بھی تو تھانوی صاحب کی ''امداد الفتاوی'' جس کا پیش کرنا مقبول نہیں کیونکہ یہ تو ایسا ہے جیسے کوئی چور اپنی صفائی میں کسی چور کو پیش کردے جس کی شہادت قانونا بھی مقبول نہیں چہ جائیکہ شرعا۔

تھانوی صاحب کا یہ فتوی اولا بے ادبی پر مبنی ہے کہ انہوں نے اس فتوے میں امام اعظم ابوحنیفہ رضی اللہ تعالی عنہ کا مقابلہ کیا ہے، وہ فرماتے ہیں کہ امام ومقتدی کو بروقت حی علی الفلاح یا حی علی الصلوۃ کھڑا ہونا چاہئے (جیسا کہ حضرت صدر العلما نے محیط اور فتاوی عالمگیری سے اپنے پہلے فتوے میں ثابت فرمایا ہے) اور تھانوی صاحب مقلد ہوتے ہوئے کہتے ہیں: نہیں بلکہ راجح یہ ہے کہ ابتدائے اقامت پر کھڑے ہوں اور اپنی کتاب اطفاء الفتن میں ۳۵۶ میں کہتے ہیں کہ تکبیر شروع ہونے کے بعد مقتدیوں کو قیام میں توقف کرنے کی حاجت نہیں ہے بلکہ مستحب ہے کہ فورا کھڑے ہو جائیں۔

اور ثانیاً تھانوی صاحب کا یہ فتوی غلط فہمی پر مبنی ہے کہ ایک ادب کی دلیل رجحان کو ترک ادب دیگر کی دلیل تصور کر بیٹھے جس کی تفصیل یہ ہے کہ امام تکبیر کس وقت کہے؟ اس کے بارے میں دو مذہب ذکر کئے، ایک تنویر الابصار میں کہ قد قامت الصلوۃ پر اور دوسرا در مختار میں کہ ختم اقامت پر، چونکہ یہ دونوں مذہب آداب الصلوۃ میں مذکور ہیں، لہٰذا ثابت ہوا کہ اصحاب مذہب اول کے نزدیک امام کا قد قامت الصلوۃ پر تکبیر کہنا ادب ہے، اور اصحاب مذہب ثانی کے نزدیک ختم اقامت پر کہنا ادب ہے، درمختار میں اس ثانی مذہب کو اعدل اور اصح فرمایا جس کے اعدل اور اصح ہونے کی دلیل ردالمحتار میں بیان فرمائی، تو یہ دلیل ادب ثانی کی ہوئی نہ ترک ادب اول کی، اور تھانوی صاحب یہ سمجھ گئے کہ ادب اول کے ترک کی دلیل ہے، اور اسی فہم پر قیاس کر بیٹھے کہ جب مسئلہ تکبیر میں عارض مذکور کے پیش نظر ادب پر ترک ادب راجح ہے تو مسئلہ قیام بر حی علی الفلاح میں بھی عارض تسویہ صفوف کے پیش نظر ادب قیام بر حی علی الفلاح پر اس کا ترک یعنی شروع اقامت پر کھڑا ہونا راجح ہوگا، تھانوی صاحب کی یہ فہم باطل ہے اس لئے کہ ردالمحتار میں بیان کردہ دلیل مذہب ثانی کے رجحان کی ہے اگر اس کو ترک ادب کی دلیل قرار دیں تو لازم آئے گا کہ اصحاب مذہب ثانی کے نزدیک ادب تو یہ ہے کہ امام قد قامت الصلوٰۃ پر تکبیر کہے مگر عارض مذکور کی بنا پر اس کا ترک راجح ہے اور یہ لازم باطل کہ اصحاب مذہب ثانی کے نزدیک امام کا قد قامت الصلوۃ پر تکبیر کہنا ادب نہیں، ان کے نزدیک تو ادب یہ ہے کہ ختم اقامت پر تکبیر کہے اور جب لازم باطل تو ملزوم بھی باطل ہوا کہ انتفائے لازم انتفائے ملزوم کو مستلزم ہوتا ہے، پس تھانوی صاحب کا قیاس ھباء منثورا ہو گیا، وہ شاخ ہی نہ رہی جس پہ آشیانہ تھا۔ (عظیم النجاح)

تھانوی صاحب اپنی جماعت میں کوئی معمولی شخصیت نہیں تھے بلکہ علمی اعتبار سے بڑے قد آور اور

ذہین وفطین مانے جاتے تھے، یہاں تک کہ ان کو حکیم الامت کہا جاتا تھا، لیکن الحمدللہ! ہمارے اکابر علما کی وہ علمی شان ہے کہ تھانوی صاحب یا دوسرے اکابر دیوبند سب ہمارے علما کے سامنے علمی اعتبار سے بونے نظر آتے ہیں۔ یہاں بھی یہ حقیقت سامنے ہے کہ تھانوی صاحب نے اپنے فتوے میں قیام برحی علی الفلاح کے ترک اور قیام بہ ابتدائے اقامت کا راجح ہونا جس قیاس سے ثابت کیا ہے وہ بظاہر باوزن معلوم ہوتا ہے اور تھانوی صاحب کے پندار میں بھی رہا ہوگا کہ وہ اس بارے میں ایک اہم چیز لائے ہیں۔ لیکن حضرت صدر العلما نے روشن دلیل سے ثابت فرمادیا کہ تھانوی صاحب کا فتوئی غلط فہمی پر مبنی ہے اور انہوں نے درمختار اور ردالمحتار کی عبارت کی روشنی میں جس بات کو مقیس علیہ بنایا ہے وہ بات یہاں ہے ہی نہیں بلکہ تھانوی صاحب غلط سمجھ بیٹھے۔

حضرت صدر العلماء آگے فرماتے ہیں: ہمیں حیرت بالائے حیرت تھی کہ جب کتابوں میں صراحۃ مذکور ہے حتی کہ ان کتابوں میں بھی جو عربی مدارس میں پڑھائی جاتی ہیں کہ حنفی مذہب میں درصورت زیر بحث امام ومقتدی کو حی علی الفلاح پر کھڑا ہونا چاہیے تو دیوبندی مفتی صاحبان اس کے خلاف فتوی کیوں دیتے ہیں؟ اب معلوم ہوا کہ امام اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی تقلید چھوڑ کر تھانوی صاحب کی تقلید میں دیوبندی مفتی صاحبان یہ فتوی دیتے ہیں، ہم مفتی صاحب دیوبند کے شکر گذار ہیں کہ انہوں نے تھانوی صاحب کا یہ فتوی نقل کر کے اور اپنے فتوی کی صحت اس پر مبنی قرار دیکر ہماری حیرت کا ازالہ فرمادیا۔

لیکن اب ہم یہ گذارش کریں گے کہ وہ اعلان فرمادیں کہ ہمارا فتوی حنفی مذہب والوں کے لئے نہیں بلکہ تھانوی مذہب والوں کے لئے ہے اگر یہ اعلان فرمادیں تو ہمارے اور ان کے فتوے میں کوئی اختلاف باقی نہ رہیگا کیونکہ ہمارا فتوی حنفی مذہب پر ہے اور ان کا تھانوی مذہب پر، اب ہم اور وہ دونوں اس مسئلہ میں حق پر ہوئے جیسے کسی بزرگ نے فرمایا تھا کہ ایک مسئلہ میں اہلسنت اور وہابی دونوں حق پر ہیں اور ایک مسئلہ میں اہل سنت اور رافضی۔

اہل سنت کہتے ہیں کہ قیامت میں رسول اللہ ﷺ شفاعت فرمائیں گے اور وہابی اس کا انکار کرتے ہیں مگر دونوں حق پر ہیں۔ کیونکہ اہل سنت کا اقرار اپنے حق میں ہے اور وہابیوں کا انکار اپنے حق میں۔ اور شک نہیں کہ شفاعت خاص اہلسنت کے لئے ہوگی نہ کہ وہابیوں کے لئے۔ لہٰذا دونوں حق پر ہوئے۔

اسی طرح اہلسنت قیامت میں دیدار الٰہی کے قائل ہیں اور رافضی منکر مگر دونوں حق پر ہیں کیونکہ اہلسنت اپنے حق میں قائل ہیں اور رافضی اپنے حق میں منکر۔ اور شک نہیں کہ اہل سنت کو قیامت میں دیدار ہوگا نہ کہ رافضیوں کو تو دونوں حق پر ہوئے۔

الحاصل تھانوی صاحب کا یہ فتوی قطعاً غلط ہے اور حنفی مذہب والوں کے لئے قابل عمل نہیں، حنفی مذہب کی کتب فقہ خواہ متون ہوں یا شروح یا حواشی سب میں یہی مذکور ہے کہ صورت زیر بحث میں امام ومقتدی حی علی

الفلاح پر کھڑے ہوں، اور یہ سنت ہے۔ چنانچہ ملک العلماء امام علاء الدین قدس سرہ نے بدائع الصنائع جلد اول ص ۲۰۰ میں اس قیام کو از قبیل سنن نماز شمار فرمایا اور قاضی محمد ثناء اللہ صاحب پانی پتی اپنی کتاب مالا بدمنہ ص ۳۸ میں جو غالباً دیو بند میں بھی پڑھائی جاتی ہے، یوں تحریر فرماتے ہیں "وطریق خواندن نماز بروجہ سنت آں ست کہ اذان گفتہ شود واقامت ونزد حی علی الصلوۃ امام برخیزد۔ اور اس کے حاشیہ میں ہے ومقتدیاں نیز برخیزند۔ ترجمہ۔ نماز پڑھنے کا سنت طریقہ یہ ہے کہ اذان واقامت کہی جائے اور حی علی الصلوۃ پر امام کھڑا ہو۔ اور مقتدی بھی۔ اور حاشیہ زیلعی میں ہے: قال في الوجیز والسنة ان یقوم الا مام والقوم اذا قال المؤذن حی علی الفلاح اھ۔

ترجمہ: اور سنت یہ ہے کہ امام اور قوم دونوں اس وقت کھڑے ہوں جب مؤذن حی علی الفلاح پر پہونچے، ثابت ہوا کہ صورت زیر بحث میں حی علی الفلاح پر قیام سنت ہے۔ (عظیم النجاح)

تھانوی صاحب نے اپنے اس فتوی میں کہا ہے کہ "تسویہ صفوف کی اہمیت وتاکید کے پیش نظر ابتدائے اقامت میں کھڑا ہونا راجح ہوگا۔ اور قیام برحی علی الفلاح کے ادب کو ترک کردیا جائیگا۔ حضرت صدر العلماء اس کا جواب دیتے ہیں:

"تھانوی صاحب نے اپنے فتوے میں سنت مذکورہ کو ترک کرانے کے لئے تسویہ صفوف کی آڑلی ہے کہ تسویہ صفوف نہایت مؤکد ہے جو حی علی الصلوۃ پر کھڑے ہونے سے امام کی تحریمہ کے وقت تک حاصل نہیں ہو سکتا۔ پس تسویہ صفوف کی خاطر قیام برحی علی الصلوۃ کو ترک کردیں گے۔ استغفر اللہ

تسویہ صفوف کی تاکید کے یہ معنی ہیں کہ اس کی بجا آوری میں توجہ تام کی جاے یہ معنی ہرگز نہیں کہ تسویہ صفوف کو اس کے مقرر وقت سے پیشتر کیا جائے۔ رہی یہ بات کہ تسویہ کا وقت کیا ہے؟ تو ائمہ کرام اور مجتہدین عظام علیہم رحمۃ المنعام کی عبارات سے ظاہر ہے کہ اس کا وقت حی علی الفلاح پر یا حی علی الصلوۃ کے بعد ہے نہ پیشتر۔ چنانچہ امام محمد رضی اللہ تعالیٰ عنہ موطا شریف ص ۸۶ و ۸۷ میں فرماتے ہیں:" وینبغی للقوم اذا قال المؤذن حی علی الفلاح ان یقوموا الی الصلوۃ فیصفوا ویسوا الصفوف ویحاذوا بین المناکب واذا قال المؤذن حی علی الصلوۃ کبر الامام وھو قول ابی حنیفة رحمه الله " ترجمہ: لوگوں کے لئے لائق ہے کہ مؤذن کے حی علی الفلاح کہنے پر کھڑے ہوں پھر صف بندی کریں اور صفوف کو سیدھا اور کاندھوں کو مقابل، پھر جب مؤذن قد قامت الصلوۃ پر آئے تو امام تکبیر کہے اور یہی امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کا ارشاد ہے۔

دیکھئے اس عبارت میں صف بندی اور تسویہ صفوف کو "فا" عاطفہ کے بعد ذکر فرمایا ہے جو تعقیب کے لئے ہے، یعنی اس کا مابعد اس کے ماقبل سے وجود میں متاخر ہوتا ہے تو صف بندی اور تسویہ صفوف دونوں قیام برحی علی الفلاح سے متاخر ہوئے۔ اب ثابت ہو گیا کہ صف بندی اور تسویہ صفوف کا وقت قیام برحی علی الفلاح کے بعد

ہے اور یہی امام ابوحنیفہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا مذہب ہے، بلکہ تسویہ صفوف کا یہ وقت خود تھانوی صاحب کی اعلاء السنن میں عمدۃ القادری سے نقل کردہ عبارت سے بھی نکلتا ہے جس کو مفتی صاحب دیوبند اپنے اس جواب میں ذکر کر گئے ہیں، وہ عبارت یہ ہے " واذا قال حی علی الصلوۃ اعتدلت الصفوف " ترجمہ: اور جب مؤذن حی علی الصلوۃ کہے تو صفیں سیدھی ہوں۔ دیکھئے اس عبارت میں " اذا قال حی علی الصلوۃ " شرط ہے اور " اعتدلت الصفوف " جزا اور جزا شرط سے متاخر ہوتی ہے تو ثابت ہوا کہ صفوں کے سیدھا ہونے کا وقت حی علی الصلوۃ کے بعد ہے۔

تسویۂ صفوف کے مؤکد ہونے کا یہ مطلب ہرگز نہیں کہ اس کو وقت مقررہ سے پہلے کیا جائے ورنہ نمازوں کی بھی قرآن وحدیث میں بہت تاکید آئی ہے تو کیا مفتیان دیوبند شریف بر بنائے تاکید ان کو بھی وقت مقررہ سے پیشتر ادا کرنے کا فتویٰ دیں گے۔ لا حول ولا قوۃ الا باللہ العلی العظیم (عظیم النجاح ص۹ تا ۱۲)

قارئین کو یاد ہوگا کہ حضرت صدر العلماء نے اپنے فتوے میں حی علی الفلاح پر کھڑا ہونے کے بارے میں کئی مستند ومسلم کتب فقہ کی عبارات پیش کرنے کے بعد تھانوی صاحب کی تصنیف 'اطفاء الفتن'' جلد چہارم ص ۳۵۸ سے بھی اس حکم کے اثبات پر عبارت پیش کی تھی، اس پر دیوبندی مفتی نے اپنے دوسرے فتوے میں لکھا تھا۔

''اطفاء الفتن'' کا حوالہ صحیح ہے مگر معترض صاحب (یعنی حضرت صدر العلماء) سے گذارش ہے۔ اس کے صفحہ ۳۵۶ کا بھی مطالعہ کرلیں۔ اسی میں یہ تصریح موجود ہے،

تقریر: اس حدیث سے معلوم ہوا کہ بجز مؤذن کے دوسرے مقتدیوں کو جب تک کہ امام کو آتا ہوا نہ دیکھ لیں کھڑا نہ ہونا چاہئے، پس جب کہ امام مسجد ہی میں ہو تو چونکہ وہ سامنے ہوگا اس لئے تکبیر شروع ہونے کے بعد مقتدیوں کو قیام میں توقف کرنے کی حاجت نہیں ہے بلکہ مستحب ہے کہ فوراً کھڑے ہو جائیں (۷)

دیوبندی مفتی نے اپنے فتوے میں حاشیہ علامہ طحطاوی علی الدر المختار ص ۳۳ سے یہ عبارت نقل کی تھی اور والظاھر انه احتراز عن التاخیر لا التقدیم حتی لو قام اول الاقامة لا باس۔ جس سے ثابت ہوتا ہے کہ ابتدائے اقامت پر کھڑے ہونے میں کوئی حرج نہیں ہے اور حضرت صدر العلماء نے بھی اپنے فتوے میں حاشیۂ علامہ طحطاوی علی مراقی الفلاح ص ۱۵۱ سے یہ عبارت نقل فرمائی " ویفھم منه کراھیة القیام ابتداء الاقامة والناس عنه غافلون " جس سے ثابت ہوتا ہے کہ ابتداء سے کھڑا ہونا مکروہ ہے اور حضرت صدر العلماء نے دیوبندی مفتی کی حاشیہ طحطاوی علی الدر المختار سے نقل کردہ عبارت کے تعلق سے گفتگو کرتے ہوئے ایک جملہ ایسا لکھا جس سے معلوم ہوتا ہے کہ علامہ طحطاوی کے حاشیہ مراقی الفلاح کی تالیف موخر ہے اور درمختار کے حاشیہ کی تالیف مقدم ہے، وہ جملہ یہ ہے " پھر علامہ علیہ الرحمہ نے اس حکم کو حاشیہ مراقی الفلاح میں صاف صاف بیان فرمایا جس کی عبارت اوپر ذکر کر چکے ہیں کہ ابتدائے اقامت میں کھڑا ہونا مکروہ ہے اور عام لوگ اس

سے غافل ہیں (۶)

اس پر دیوبندی مفتی نے اپنے جواب میں لکھا 'اب معترض صاحب سے التماس ہے کہ اس پر بھی نظر ڈالیں طحطاوی نے حاشیہ مراقی الفلاح پر پہلے لکھا ہے یا الدر المختار پر پہلے لکھا اور مقدم ومؤخر کے متعلق قاعدہ کیا ہے؟ پہلے مراقی الفلاح کا حاشیہ لکھا گیا ہے بعد میں الدر المختار پر طحطاوی نے حاشیہ لکھا ہے اور قاعدہ ہے کہ بعد والی عبارت ماقبل کے لئے ناسخ ہوتی ہے جب ایک مصنف کی دو عبارات ہوں اور دونوں میں بظاہر تعارض معلوم ہوتا ہو تو بعد کی عبارت پر فیصلہ کیا جائیگا۔ (عظیم النجاح ص ۸)

دیوبندی مفتی کی پہلی بات کا جواب حضرت صدر العلماء نے اس طرح دیا ہے:

ہم اس صفحہ کا مطالعہ کر چکے ہیں مگر اس کی عبارت آپ کے لئے مفید نہیں کہ وہ تو آپ ہی کے بیان کردہ قاعدہ سے منسوخ اور غیر معتبر ہو چکی۔ وجہ یہ کہ آپ اس جواب میں تحریر کرتے ہیں: اور قاعدہ ہے کہ بعد والی عبارت ماقبل کے لئے ناسخ ہوتی ہے، جب ایک مصنف کی دو عبارات ہوں اور دونوں میں بظاہر تعارض معلوم ہو تا ہو تو بعد والی عبارت پر فیصلہ کیا جائے گا۔ اب بگوش ہوش سنئے، ہماری نقل کردہ عبارت اطفاء الفتن کے صفحہ تین سو اٹھاون کی ہے اور آپ کی نقل کردہ صفحہ تین سو چھپن کی۔ اور صفحہ تین سو اٹھاون بعد میں ہوتا ہے صفحہ تین سو چھپن کے، اگر یقین نہ ہو تو کسی پرائمری اسکول کے بچے سے دریافت کر لیجئے۔ تو ہماری نقل کردہ عبارت بعد والی ہوئی اور آپ کی نقل کردہ پہلی اور آپ کے بیان کردہ قاعدہ مذکور سے پہلی عبارت منسوخ اور بعد والی ناسخ۔ تو آپ کی نقل کردہ عبارت منسوخ اور منسوخ غیر معتبر، نیز آپ کے بیان مذکور کی رو سے بعد والی عبارت پر فیصلہ ہوتا ہے، تو فیصلہ ہماری پیش کردہ عبارت پر ہوا آپ کی زبان سے ہماری ڈگری ہو گئی کسی نے سچ کہا ہے کہ حق وہ ہے جو سر چڑھ کر بولے۔

الجھا ہے پاؤں یار کا زلف دراز میں ۔۔۔ لو آپ اپنے جال میں صیاد آ گیا

(عظیم النجاح ص ۱۲)

دیوبندی مفتی کی دوسری بات کا جواب کہ علامہ طحطاوی نے مراقی الفلاح پر حاشیہ پہلے لکھا ہے اور در مختار پر بعد میں لکھا ہے، اس طرح دیا ہے "معاذ اللہ ثم معاذ اللہ، یہ کذب محض ہے دروغ خالص ہے، سفید جھوٹ ہے، لوگ دنیوی امور میں جھوٹ بولتے ہیں اور مفتی صاحب دیوبند دینی امور میں، لیکن مفتی صاحب دیوبند کا جھوٹ بولنا قابل تعجب نہیں کیونکہ علمائے دیوبند یہ عقیدہ رکھتے ہیں کہ خدا جھوٹ بول سکتا ہے مگر بولتا نہیں پس اگر یہ بھی جھوٹ بول سکتے ہوں لیکن بولیں نہیں تو خدا کے برابر ہو جائیں گے، اس لئے یہ حضرات لازمی طور پر جھوٹ بولتے ہیں کہ خدا اور ان کے درمیان فرق باقی رہے۔ زبان سے اگر چہ انکار کریں مگر ان کی کتابوں سے یہی ثابت ہے۔ جس کو بوقت ضرورت ہم پیش کر سکتے ہیں"۔

جواب کے اگلے حصہ میں حضرت صدر العلما نے حاشیۂ مراقی کے موخر اور حاشیۂ دُرمختار کے مقدم ہونے پر جو استدلال فرمایا ہے وہ اسلوب سخن پر آپ کی گہری نظر اور دقائق کلام پر کمال آگاہی کا ثبوت ہے۔ آپ فرماتے ہیں:

خیر، ہم نے بفضلہ تعالیٰ دونوں حواشی کی عبارتوں کے انداز سے یہ اخذ کیا تھا کہ علامہ طحطاوی قدس سرہ کے حاشیۂ مراقی الفلاح کی تالیف مؤخر ہے اور در مختار کے حاشیہ کی تالیف مقدم ہے اور وہ اندازہ یہ ہے کہ مراقی الفلاح کے حاشیہ کی عبارت سے جزم مفہوم ہوتا ہے اور حاشیۂ درمختار کی عبارت سے عدم جزم، اور شک نہیں کہ جزم عدم جزم کے بعد ہوا کرتا ہے۔ نظر برآں اب بھی ہمیں اس پر اتنا وثوق ہے کہ مفتی صاحب دیو بند سے نجد تک کے مفتی صاحبان کو بہانگ دہل چیلنج کرتے ہیں کہ اگر وہ کسی معتبر کتاب سے حاشیۂ مراقی الفلاح کا تقدم ثابت کر دیں تو ایک ہزار روپیہ انعام۔ لیکن یہ یادر ہے کہ اس میں کسی دیو بندی مصنف کا قول معتبر نہ ہوگا کہ وہ تو جھوٹ بولنے سے پرہیز نہیں کرتے جس کا انکشاف تام موجودہ دور میں خواص تو خواص عوام پر بھی ہو چکا ہے، یہاں تک کہ ان ہی حضرات کی غلط بیانی، فریب کاری، دغابازی سے تنگ آکر کسی دل جلے کے قلم سے دیو بند کے حق میں مندرجہ ذیل اشعار نکل ہی گئے جن کو خود ماہنامہ تجلی دیو بند نے شائع کیا تھا:

دغا کی 'دال' ہے یاجوج کی ہے 'یا' اس میں وطن فروشی کا 'واؤ' بدی کی 'با' اس میں
جو اس کے 'نون' میں نار جحیم غلطاں ہے تو اس کی 'دال' سے دہقانیت نمایاں ہے

ملے یہ حرف تو بے چارہ دیو بند بنا
برے خمیر سے یہ شہر نا پسند بنا

لاحول ولاقوۃ الا باللہ (عظیم النجاح ص ۱۴/۱۳)

حضرت صدر العلماء نے فرمایا ہمیں کسی دیو بندی مصنف کا قول معتبر نہ ہوگا کہ وہ تو جھوٹ بولنے سے پرہیز نہیں کرتے راقم چاہتا ہے کہ علمائے دیو بند کی غلط بیانی وفریب کاری کے چند نمونے ذکر کر دیئے جائیں:

مولوی حسین احمد صاحب ٹانڈوی نے اپنی تصنیف "الشہاب الثاقب" میں دو کتابیں اپنے دل سے گڑھیں۔ اور اس میدان میں اتنی ترقی کی کہ ان کتابوں کے مطابع، صفحات اور عبارتیں تک اپنے ذہن سے بنا لیں، ایک گڑھی ہوئی کتاب "خزینۃ الاولیاء" ہے جس کو سیدنا حضرت شاہ حمزہ رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کی طرف منسوب کیا، دوسری "ہدایت الاسلام" ہے جس کو سرکار اعلیٰ حضرت کے جد امجد حضرت علامہ رضا علی خاں صاحب رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کی تصنیف بتایا حالانکہ ان حضرات نے ہرگز ہرگز یہ کتابیں نہیں لکھیں۔

حضرت اجمل العلماء سنبھلی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے "ردشہاب الثاقب" میں اس جعل سازی اور دیدہ دلیری پر گرفت فرمائی، لیکن علمائے دیو بند آج تک مہر بلب ہیں۔ ہاں دار العلوم دیو بند کے نامور فاضل عامر عثمانی

صاحب نے اپنے، ماہنامہ تجلی بابت فروری ومارچ ۱۹۵۹ میں اس پر یوں تبصرہ کیا تھا'' کتاب کے لب ولہجہ سے سخت وحشت زدہ ہونے کے باوجود ہم انصافا اتنا ضرور کہیں گے کہ مصنف نے مولانا مدنی پر ایک الزام بڑا بھیانک اور فکر انگیز لگایا ہے، ان کا کہنا ہے کہ جن دو کتابوں ''خزینۃ الاولیاء'' اور ''ہدایۃ الاسلام'' سے شہاب الثاقب میں بعض اقتباسات دیئے گئے ہیں وہ فی الحقیقت من گڑھت ہیں، جن مصنفوں کی طرف انہیں منسوب کیا گیا ہے انہوں نے کبھی ہرگز ہرگز یہ کتابیں نہیں لکھیں..........

تاہم یہ قیاسات ہیں بلکہ محض عقلی تک بندی پر ہیں حق یہ ہے کہ تحقیقی اور معقولی جواب یا تو مولانا مدنی کے بلند اقبال صاحبزادے مولوی اسعد طول عمرہ کے ذمہ ہے، یا پھر ان مریدین ومتوسلین کے ذمہ ہے جو بجا طور پر مولانا کی عقیدت ومحبت میں سرشار ہیں (پیش لفظ الصوارم الہندیہ ص ۳۱ تا ۳۲ از علامہ عبدالحکیم اختر شاہجہاں پوری رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ۔ الفاظ ناقل کے ہیں)

لیکن ہنوز صدائے نہ برخاست۔ آخر ایسے کھلم کھلا جھوٹ کو سچ کیسے ثابت کریں۔ یہ اس شخص کی دروغ گوئی اور فریب دہی ہے جو دیوبندی گروہ کا ''شیخ الاسلام'' اور دارالعلوم دیوبند جیسی درسگاہ کا شیخ الحدیث تھا۔

علمائے دیوبند کے نزدیک محفل میلاد کا انعقاد بہر حال ناجائز وغیر درست اور بدعت نامشروعہ ہے، اگر محفل میلاد میں صحیح روایات پڑھی جائیں کوئی لاف وگزاف نہ ہو حتی کی قیام بھی نہ ہو تب بھی ناجائز ہے، اگر یہ محفل بالکل اس طرح کی جائے جس طرح حضرت شاہ عبدالعزیز محدث دہلوی رحمۃ اللہ تعالیٰ ہر سال کرتے تھے تب بھی ناجائز ہے، جیسا کہ گنگوہی صاحب کے ان فتووں سے عیاں ہیں۔

سوال: مولود شریف اور عرس کہ جس میں کوئی بات خلاف شرع نہ ہو جیسے کہ حضرت شاہ عبدالعزیز رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کیا کرتے تھے آپ کے نزدیک جائز ہے یا نہیں اور شاہ صاحب واقعی مولود اور عرس کرتے تھے یا نہیں؟

جواب: عقد مجلس مولود اگرچہ اس میں کوئی امر غیر مشروع نہ ہو مگر اہتمام وتداعی اس میں بھی موجود ہے لہٰذا اس زمانے میں درست نہیں، وعلی ہذا عرس کا جواب ہے، بہت اشیاء ہیں کہ اول مباح تھیں پھر کسی وقت منع ہو گئیں، مجلس عرس ومولود بھی ایسا ہی ہے۔ (فتاوی رشیدیہ ص ۱۳۰)

سوال: انعقاد مجلس میلاد بدون قیام بروایت صحیح درست ہے یا نہیں؟

جواب: انعقاد مجلس بہر حال ناجائز ہے، تداعی امر مندوب کے واسطے منع ہے۔

(فتاوی رشیدیہ ص ۱۳۰)

سوال: محفل میلاد میں جس میں روایات صحیحہ پڑھی جاویں اور لاف وگزاف اور روایات موضوعہ اور کاذبہ نہ ہوں شریک ہونا کیسا ہے؟

جواب: ناجائز ہے بسبب اور وجوہ کے۔ (فتاوی رشیدہ ص ۱۳۱)

سیف یمانی مصنفہ مولوی عبد الشکور کاکوروی ومصدقہ مولوی اشرف علی تھانوی میں ہے: مجلس میلاد اگر دوسرے منکرات سے خالی ہو تب بھی صرف عقد مجلس اور اہتمام مخصوص کی وجہ سے بدعت نا مشروع ہے۔

لیکن ''المہند'' جو مولوی خلیل احمد انبیٹھوی کی تصنیف اور اکابرین علمائے دیوبند جیسے مولوی محمود الحسن، مولوی اشرف علی تھانوی، مفتی کفایت اللہ دہلوی، مولوی عاشق الٰہی میرٹھی وغیرہم کی مصدقہ ہے، اس میں علمائے حرمین شریفین کی طرف سے یہ سوال مرقوم ہے: کیا تم اس کے قائل ہو کہ جناب رسول اللہ ﷺ کا ذکر ولادت شرعاً قبیح سئیہ حرام ہے یا اور کچھ؟

اس کے جواب میں کھلا ہوا فریب دیتے ہوئے لکھتے ہیں اور ہم ذکر ولادیت شریفہ کے منکر نہیں بلکہ ان ناجائز امور کے منکر ہیں جو اس کے ساتھ مل گئے ہیں (اس کے بعد چند امور منکرہ کا ذکر کرنے کے بعد لکھتے ہیں) پس اگر مجلس مولود منکرات سے خالی ہو تو حاش کہ ہم یوں کہیں کہ ذکر ولادت شریفہ ناجائز ہے اور بدعت ہے، اور ایسے قول شنیع کا کسی مسلمان کی طرف کیونکر گمان ہوسکتا ہے۔

(المہند ص ۳۱ تا ۳۲ مطبوعہ کتب خانہ رحیمیہ دیوبند)

کیسا کھلا ہوا دروغ اور فریب ہے، یہ ان لوگوں کا کردار ہے جن میں کوئی دیوبندی گروہ کا فخر العلماء ہے، کوئی شیخ الھند ہے، کوئی حکیم الامت ہے، تو کوئی مفتی اعظم ہے، معاذ اللہ رب العالمین۔ المہند میں اس قسم کے مکاید اور اکاذیب کی بھرمار ہے۔

حضرت علامہ عبد الحکیم اختر شاہجہاں پوری علیہ الرحمہ لکھتے ہیں: حسام الحرمین اور الدولۃ المکیہ کے منظر عام پر آنے سے بوکھلا کر علمائے دیوبند نے مل جل کر ''سیف النقی'' نامی کتاب تیار کی اور اسے مدرسہ دیوبند نے شائع کیا، اس میں بھی علمائے دیوبند نے سر جوڑ کر سات کتابیں گڑھیں اور انھیں اعلیٰ حضرت کے اکابر کی طرف منسوب کیا ان کتابوں کے مطابع صفحے اور عبارتیں تک اپنے ذہنوں سے گڑھ لیں، فاضل بریلوی کے والد ماجد مولانا نقی علی خاں بریلوی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کی جعلی مہر بھی گڑھ لی اور اس پر ۱۳۰۱ھ لکھ دیا حالانکہ مولانا کا ۱۲۹۷ھ میں وصال ہو گیا تھا، گویا اپنے وصال کے چار سال بعد مولانا نقی علی بریلوی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے اپنی مہر بنوائی۔

(پیش لفظ الصوارم الہندیہ ص ۳۲)

اکابرین علمائے دیوبند کے کذب وفریب کے یہ چند نمونے ہیں، اگر علمائے دیوبند کی کذب بیانیوں، خیانتوں اور فریب کاریوں کے سب واقعات جمع کئے جائیں تو یقیناً ایک ضخیم کتاب تیار ہو جائیگی۔ اب ہم پھر اصل مقصود کی طرف رجوع کرتے ہیں۔

حضرت صدر العلماء نے اپنے فتوے میں حی علی الفلاح پر کھڑے ہونے کے بارے میں ''محیط'' سے ایک عبارت نقل کی تھی۔ اس پر دیوبندی مفتی نے اپنے دوسرے جواب میں لکھا تھا ''معترض صاحب نے یہ لکھا

کہ ''چنانچہ محیط میں ہے'' ان سے گذارش ہے کہ کیا وہ بحلف کہہ سکتے ہیں کہ انہوں نے محیط کی صورت دیکھی ہے۔(عظیم النجاح ص ۸)

حضرت صدر العلماء اس کا جواب یوں دیتے ہیں ''مفتی صاحب دیو بند کا یہ سوال اسی قبیل سے ہے کہ ''کھسیانی بلی کھمبا نوچے'' بیشک ہم نے محیط کی صورت نہیں دیکھی تو اس سے ہمارے جواب پر کیا اثر پڑا اور آپ کو کیا فائدہ پہنچا، ہاں ہمارے لئے مضر اور آپ کے لئے مفید بات یہ ہے کہ جس عبارت کو ہم نے المحیط کی طرف منسوب کیا تھا وہ اس میں نہ ہو تو آپ کہہ سکتے ہیں کہ یہ حوالہ غلط ہے، محیط میں یہ عبارت نہیں ہے، لیکن محال ہے ،ناممکن ہے کہ مفتی صاحب دیو بند حوالے کو غلط ثابت کر سکیں اور اگر غلط ثابت کر دیں تو ایک ہزار روپیہ انعام، محیط تو ہندوستان میں عنقا ہے مگر دوسری معتبر کتابوں میں اس کی عبارت کے بکثرت حوالے ہیں، اسی بنا پر اس کا حوالہ دیا جاتا ہے نظر بر آں ہمارا حوالہ اگر غلط ثابت نہ کر سکیں اور ہماری نقل کردہ عبارت محیط میں تسلیم ہو تو ایمان لے آئیں کہ مذہب حنفی پر صورت زیر بحث میں امام ومقتدی کو حی علی الفلاح یا حی علی الصلوۃ پر کھڑا ہونا چاہئے اور اپنے غلط فتوے سے رجوع کر لیں کہ خطا کا اعتراف موجب ترقی ہوتا ہے۔

مگر ہمیں یقین کامل ہے کہ وہ اس سے رجوع نہ کریں گے کیوں؟ اس لئے کہ یہ فتوی امام اعظم ابوحنیفہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے خلاف ہے اگر قاری صاحب مہتمم در العلوم دیو بند کے خلاف ہوتا تو فوراً رجوع کر لیتے جیسے کے زمانہ گذشتہ میں رجوع کر چکے ہیں، حالانکہ وہ فتوی حرف بحرف صحیح تھا۔

اس واقعہ رجوع کی تفصیل اخبار دعوت اواخر ۱۹۶۲ء میں شائع ہوئی تھی جس کا اجمال یہ ہے کہ مفتی صاحب دیو بند شریف کی خدمت میں یہ سوال بھیجا گیا۔

سوال: اگر کوئی عالم دین آیت '' فارسلنا الیھا روحنا فتمثل لھا بشرا سویا'' کی تشریح میں یہ لکھے ''یہ دعوی تخیل یا وجدان محض کی حد سے گذر کر ایک شرعی دعوے کی حیثیت میں آجاتا ہے کہ مریم عذرا کے سامنے جس شبیہ مبارک اور ''بشر سوی'' نے نمایاں ہو کر پھونک ماری وہ شبیہ محمدی تھی، اس ثابت شدہ دعوے سے بین طریق پر خود بخود کھل جاتا ہے کہ حضرت مریم رضی اللہ تعالیٰ عنہ اس شبیہ مبارک کے سامنے بمنزلۂ زوجہ کے تھیں جبکہ اس کے تصرف سے حاملہ ہوئیں۔ پس مسیح کی ابنیت کے دعوے دار ایک ہم بھی ہیں مگر ابن اللہ مان کر نہیں، بلکہ ابن احمد کہہ کر خواہ ابنیت تمثالی ہی ہو'' تو اسے لکھنے والے کا شرعا کیا حکم ہے؟

مفتی صاحب دیو بند نے جواب میں تحریر فرمایا کہ ''اس کا قائل قرآن عزیز کی آیات مین تحریف کر رہا ہے بلکہ در پردہ قرآنی آیات کی تکذیب اور انکار کر رہا ہے شخص مذکور ملحد و بے دین ہے عیسائیت وقادیانیت کی روح اس کے جسم میں سرایت کئے ہوئے ہے اور اس ضمن میں عیسائیت کے عقیدے ''عیسی ابن اللہ'' کو صحیح ثابت کرنا چاہتا ہے ایسے عقیدے والے کا بائیکاٹ کرنا چاہئے جب تک توبہ نہ کرلے۔

لیکن جب سائل نے مفتی دیو بند کو یہ بتایا کہ اس عبارت کے لکھنے والے دار العلوم دیو بند کے مہتمم قاری طیب صاحب ہیں اور انہوں نے یہ تشریح اپنی کتاب ''اسلام اور مغربی تہذیب'' میں فرمائی ہے تو مفتی صاحب دیو بند انتہائی غضبناک ہو کر سائل پر برس پڑے کہ تم نے پہلے سے نام کیوں نہیں بتایا تھا اور فوراً اپنے فتوے سے رجوع شائع کر دیا، کیوں؟ اس لئے کہ دریا میں رہ کر مگر مچھ سے بیر آسان نہیں۔ روزی کے لالے پڑ جائیں گے اور امام اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی مخالفت کرنے میں کوئی خطرہ نہیں بلکہ یہ مخالفت زیادتی رزق کی موجب ہے کیونکہ اس سے مشن ابن سبا یہودی کے مقاصد پورے ہوتے ہیں مگر

اے طائر لاہوتی اس رزق سے موت اچھی　　جس رزق سے آتی ہو پرواز میں کوتاہی۔

(عظیم النجاح ص ۱۵)

اس کے بعد حاجی صاحب نے دیو بندی مفتی کو یہ سوال روانہ کیا

بخدمت مفتی صاحب درالعلوم دیو بند بعد ماہوالمسنون

گذارش خدمت عالیہ میں یہ ہے کہ آپ کا جواب صدر مدرس صاحب مدرسہ اسلامی عربی اندر کوٹ میرٹھ کے پاس بھیجا گیا، انہوں نے آپ کے فتوے کا جواب پھر تحریر کیا ہے جس کو ہم آپ کے ملاحظہ کیلئے بھیجتے ہیں لیکن یہ گذارش ہے کہ نفس مسئلہ کے متعلق آپ کچھ تحریر نہ فرمائیں چونکہ جانبین کی تحریرات سے ہم پر مسئلہ بخوبی منکشف ہو گیا اب ضرورت اس بات کی ہے کہ جلد از جلد علامہ طحطاوی کے حاشیہ مراقی الفلاح کے حاشیہ درمختار پر مقدم ہونے کا ثبوت بھیج دیں تا کہ صدر المدرسین صاحب مذکور سے ایک ہزار روپیہ وصول کیا جائے جس کے لئے انہوں نے اپنے جواب میں چیلنج دیا۔

عظیم اللہ فروٹ سیلر شاہ پیر گیٹ میرٹھ یوپی

دار الافتاء دیو بند کا جواب

جناب عظیم اللہ فروٹ سیلر صاحب سلام مسنون

جب اصل مسئلہ آپ پر منکشف ہو گیا تو مزید بحث کی ضرورت نہیں۔ جب مولانا تھانوی بے ادب اور چور ہیں اور ''امداد الفتاوی'' قابل اعتماد نہیں تو آپ ہمارے مفتی صاحب کی طرف کیوں رجوع کرتے ہیں اپنے ہم خیال مولوی صاحب سے رجوع کریں۔ فقط والسلام

اس جواب میں گویا اس بات کا خاموش اعتراف ہے کہ دیو بندی مفتی نے جو دعویٰ کیا تھا کہ ''علامہ طحطاوی کا حاشیہ مراقی الفلاح مقدم اور حاشیہ درمختار مؤخر ہے'' ان کے پاس اس کی کوئی دلیل نہیں ہے بلکہ بس یوں ہی اپنے من سے یہ بات کہہ دی تھی۔ یہ ہے دیو بندیوں کے سب سے عظیم اور ذمہ دار دار الافتا کا حال۔

رسالہ کے آخر میں حاجی صاحب کی طرف سے یہ تحریر ہے ''افسوس صد افسوس کہ مفتی صاحب دیو بند کے

اس جواب سے ہماری امیدوں پر پانی پڑ گیا، ہم سمجھے ہوئے تھے کہ ایک ہزار روپیہ وصول کریں گے مگر ثابت ہوا کہ صدر المدرسین صاحب قبلہ حق بجانب ہیں اور ان کا جواب صحیح ہے اور مفتی صاحب دیوبند نے غلط بیانی فرمائی۔

آہ! بہت شور سنتے تھے پہلو میں دل کا
جو چیرا تو ایک قطرہ خوں نہ نکلا

المشتہر حاجی عظیم اللہ فروٹ سیلر شاہ پیر دروازہ میرٹھ ۱۶/۱۱/۶۶ء

اس تحریر پر رسالہ کا اختتام ہوتا ہے۔ یہ رسالہ برسوں پہلے حضرت صدر العلماء کے مکتبہ "کتب خانہ سمنانی اندر کوٹ میرٹھ سے شائع ہوا تھا لیکن اب نایاب ہے۔

حضرت صدر العلماء کی تصنیفات میں خواہ وہ کسی موضوع پر ہوں یہ بات قدر مشترک ہے کہ آپ ان میں گمراہوں اور بیدینوں کا رد ضرور فرماتے ہیں، ان کی طرف سے دلوں میں نفرت کا جذبہ پیدا کرنے کی کوشش فرماتے ہیں، اور محبوبان خدا کے ساتھ ادب واحترام کا درس دیتے ہیں۔

حضرت صدر العلماء کی ان عظیم الشان تصنیفات کی برکت سے آپ کا ذکر خیر جاری رہیگا، لوگ آپ کی علمی خدمات سے مستفید ہوتے رہیں گے اور برملا اس حقیقت کا اعتراف کرتے رہیں گے۔

فنا کے بعد بھی باقی ہے شان رہبری تری
خدا کی رحمتیں ہوں اے امیر کارواں تجھ پر

مولی تعالی حضرت صدر العلماء کی تربت اقدس پر ہمیشہ نور ورحمت کی بارش فرمائے، آمین بجاہ حبیبہ سید المرسلین وصلی اللہ تعالی علی خیر خلقہ وقاسم نعمہ وسیدنا ومولانا محمد وآلہ وصحبہ اجمعین۔

عبد السلام رضوی

خادم التدریس جامعہ نوریہ رضویہ باقر گنج بریلی شریف

صدر العلماء---اور "نظام شریعت"

حضرت علامہ ومولانا مفتی محمد عبد المبین نعمانی صاحب قادری
صدر المدرسین دار العلوم قادریہ، چریا کوٹ، ضلع مئو، یوپی

صدر العلماء بدر الفضلاء امام النحو حضرت علامہ سید غلام جیلانی سہسوانی ثم میرٹھی علیہ الرحمۃ والرضوان (متوفی ۱۳۹۸ھ) اپنے عہد میں علم وفضل کے جس بلند مقام پر فائز تھے، اس کی مثال ان کے ہم عصروں میں نہیں ملتی، علم نحو کے امام تو تھے ہی حدیث وفقہ اور منطق وفلسفہ میں بھی ید طولیٰ رکھتے تھے، نحو اور حدیث آپ کا خاص فن تھا، آپ کی تمام کتابیں خالص علمی رنگ لئے ہوئے ہیں، ہر ایک میں آپ تحقیقات کا دریا بہاتے چلے جاتے ہیں، البتہ آپ کی ایک کتاب "مدنی تاجدار کے لیل ونہار" معروف بہ "نظام شریعت" نہایت عام فہم اور عوام الناس کے لئے مفید ترین کتاب ہے، یہ کتاب پہلے قسط وار مضامین کی شکل میں "مدنی تاجدار کے لیل ونہار" کے عنوان سے ماہنامہ "پاسبان" الہ آباد میں چھپتی رہی، پھر بعد میں "نظام شریعت" کے عرفی نام سے کتابی شکل میں منظر عام پر آئی، غالباً اسی وجہ سے اس کی زبان نہایت آسان ہے، بظاہر پوری کتاب نماز ومتعلقات نماز کے مسائل واحکام پر مشتمل ہے، مگر ضمنی طور پر بہت سے دیگر مسائل وقواعد بھی اس میں شامل ہیں، یہ صحیح ہے کہ مسائل و احکام کا موضوع نہایت خشک شمار کیا جاتا ہے، عام طور سے لوگ مسائل واحکام کی کتابوں کو پڑھنے میں اکتاہٹ اور گھبراہٹ محسوس کرتے ہیں اور ان کتابوں کی زبان بھی بہت شیریں نہیں ہو پاتی کہ مقصد بیان مسائل ہوتا ہے نہ کہ عبارت آرائی۔ "نظام شریعت" کتب احکام میں اس حیثیت سے نمایاں مقام کی حامل ہے کہ اس میں دینی مسائل نہایت حسین اور دلچسپ پیرائے میں بیان کئے گئے ہیں، یہی وجہ ہے کہ قاری اس کو پڑھتے ہوئے اکتاہٹ نہیں محسوس کرتا بلکہ شروع کرنے کے بعد چاہتا ہے کہ پوری کتاب ختم کر کے ہی دم لے۔

کتاب کا آغاز مختصر پیش لفظ سے کیا گیا ہے، پھر سرکار دو عالم نور مجسم ﷺ کے شب وروز کے معمولات سے اصل کتاب کا آغاز کیا گیا ہے اور اسلامی بھائیوں کو سرکار نامدار مدنی تاجدار ﷺ کے اسوۂ حسنہ پر چلنے کی تلقین وتاکید کی گئی ہے۔

پیش لفظ کا ایک اقتباس ملاحظہ کریں اور اس سے کتاب کے اچھوتے اسلوب کا اندازہ لگائیں۔

برادران اسلام! انسان کی زندگی دو ہیں، ایک دنیوی جو تھوڑے زمانے تک باقی رہ کر ختم ہو جاتی ہے، خالق عالم نے جتنا زمانہ اس کے لئے مقرر فرمایا ہے اس سے ایک سیکنڈ گھٹ سکتی ہے نہ بڑھ سکتی ہے، دنیا کی بڑی سے بڑی کوئی ایسی طاقت نہیں جو اس میں کمی بیشی کر سکے۔

انسان کی دوسری زندگی اخروی ہے جو ہمیشہ ہمیشہ رہنے والی ہے، دنیوی زندگی کی طرح اس میں کوئی حد نہیں کہ وہاں پہنچ کر ختم ہو جائے، اس ہمیشہ باقی رہنے والی زندگی کا خیر وخوبی کے ساتھ گذرنا چونکہ دنیوی زندگی کے کامیاب ہونے پر منحصر ہے اس لئے ہر عاقل کا فرض ہے کہ اپنی دنیوی زندگی کو کامیاب بنانے کے واسطے ہر ممکن کوشش عمل میں لائے اور ہر وقت ہر آن اس کی درستگی کی جانب متوجہ رہے، باقی رہی یہ بات کہ دینوی زندگی کو کس طرح کامیاب بنایا جائے، تو اس سوال کا جواب یہ ہے کہ اس کا صرف ایک طریقہ ہے اس کے علاوہ جس قدر طریقے ہیں سب کے سب در حقیقت زندگی کو خراب کرنے والے ہیں اور وہ ایک طریقہ یہ ہے کہ دنیوی زندگی میں انسان کے دو تعلق ہیں ایک خالق سے۔ دوسرا مخلوق سے۔ ان دونوں تعلقات کو تا زیست اسی طرح قائم رکھے جس طرح سید الابرار مدنی تاجدار ﷺ نے قائم رکھا اور ان کے متعلق جو ہدایات فرمائیں ان سب کو اپنا نصب العین بنائے۔ یعنی اپنی زندگی کو محبوب خدا کی زندگی کے سانچے میں ڈھال کر اس طرح مطابق کر لے کہ عبادت وریاضت میں، معاشرت اور معاملات میں، گفتار اور رفتار میں، نشست وبرخاست میں، خورد و بزرگ اور احباب کی ملاقات میں، خورد ونوش اور لباس میں، انسانی ضروریات سے فراغت اور جسم کی طہارت میں، بیداری اور خواب راحت میں، الغرض جملہ اعمال اور اخلاقیات میں آپ کے نقش قدم کو اپنا پیشوا بنا لے یہاں تک کہ اسی حالت میں دار فانی سے ملک جاودانی کی طرف رخصت ہو جائے۔

پھر آگے قوم مسلم کی قومی غیرت وحمیت کو للکارتے ہوئے رقمطراز ہیں:

دنیا میں ہر قوم اپنی مذہبی معاشرت اور اپنے پیشوا کے طرز عمل کی مضبوطی سے پابند رہتی بلکہ اپنی معاشرت، اپنا تمدن، اپنے طریقے دوسری اقوام میں رائج کرنے کے لئے ہر قوم نہ صرف مالی ایثار بلکہ جانی قربانی بھی کر گزرتی ہے۔ مگر بڑے شرم کی بات ہے کہ مسلم کہلائیں اور اسلامی معاشرت، اسلامی آداب ترک کرتے جائیں، انگریز کو دشمن اسلام سمجھیں مگر معاشرت میں انگریز کو اپنے اوپر مسلط اس درجہ کر لیا ہے کہ بول چال میں انگریزی انداز مرغوب، کھانے پینے میں انگریزی طریقے محبوب، اٹھنے بیٹھنے میں انگریزی آداب مطلوب، یہاں تک کہ شکل وصورت میں انگریز نمودار، اولاد کی تعلیم وتربیت میں انگریزی اصول درکار، مستورات کے لباس اور زیب وزینت میں میم صاحبہ کے اطوار پسند ہیں۔

آہ! مقام غیرت ہے کہ زبان سے خدا اور رسول کی محبت کا دم بھریں اور عمل میں دشمنان خدا اور رسول کا ساتھ دیں، کیا اصل محبت کا یہی شیوہ ہے؟

اے پیارے بھائیو، اور اسلام کے شیدائیو! سنو، اور خوب غور سے سنو کہ شہنشاہ مدینہ نے اپنی زندگی کے لیل ونہار اس طرح گزارے کہ دنیوی مشاغل اور ضروریات زندگی کو انجام دیتے وقت بھی یاد الٰہی سے غفلت نہ ہوتی. فقیروں کی صدا ”یاد رکھ، بھولے مت“ کا مطلب یہی ہے کہ اخروی زندگی کی کامیابی اسی طریقے سے

حاصل ہوتی ہے۔(نظام شریعت از علامہ سید غلام جیلانی میرٹھی علیہ الرحمۃ ص۲ تا۴، مکتبہ الجیلانی سنبھل)

سونے کی دعا

ان مختصر تمہیدی کلمات (پیش لفظ) کے بعد سب سے پہلا عنوان ہے "سونے کا اسلامی طریقہ" اس عنوان کے تحت عام طور سے کتابوں میں وہ دعائیں درج ہوتی ہیں جو سونے کے وقت سرکار دو عالم ﷺ سے منقول ہیں، یہاں حضرت صدر العلماء میرٹھی صاحب علیہ الرحمۃ نے بھی سوتے وقت کے ان بعض معمولات اور ادعیہ کا ذکر کیا ہے جو احادیث میں مروی ہیں، مگر خاص بات جو آپ کی تصنیف میں ہے وہ یہ کہ احادیث ومعمولات کے ذکر کے بعد اس سے حاصل شدہ فوائد وثمرات اور حکمتیں بھی بیان کرتے چلے جاتے ہیں تاکہ عامل کو عمل کرنے میں مزید رغبت ہو اور اسلامی معاشرت کی خوبیاں بھی اجاگر ہو کر سامنے آتی رہیں۔ چنانچہ سونے سے پہلے پڑھی جانے والی مشہور دعا نقل فرمائی ہے

باسمك اللهم اموت واحییٰ

ترجمہ: اے اللہ تیرے ہی نام پاک کی مدد سے سوؤں گا اور تیری ہی مدد سے بیدار ہوں گا یہ ترجمہ حضرت مصنف کا ہے جب کہ ظاہر الفاظ کا ترجمہ یہ ہوگا کہ "اے اللہ تیرے ہی نام سے میں مرتا ہوں اور تیرے ہی نام سے میں زندہ ہوں گا"۔ یعنی سونے کو موت اور بیداری کو زندہ ہونے سے تشبیہ دی گئی ہے۔ اس دعا کو ذکر کر کے حضرت مصنف علام نے اس کی حکمتوں پر اس طرح روشنی ڈالی ہے۔

"ہمارے لئے اس میں یہ تعلیم ہے کہ بندہ ہر موقع پر معبود حقیقی (خدا) کی طرف متوجہ رہے اور اپنے ہر کام کو اس کے زیر قدرت اعتقاد کرے۔ نیند بھی اسی کے زیر قدرت ہے، جب چاہے طاری فرمادے اور جب تک چاہے طاری رکھے۔ چنانچہ انبیائے بنی اسرائیل میں حضرت عزیر علیہ السلام پر سو سال تک اور اصحاب کہف پر تین سو سال تک بحکم خدا نیند طاری رہی جس سے اسلامی تاریخ کا مطالعہ کرنے والے اصحاب واقف ہیں اور وہ جب چاہتا ہے نیند آنے سے روک دیتا ہے۔

روزمرہ کا مشاہدہ ہے کہ ہم بستر پر پڑے پڑے کروٹیں بدلتے رہتے ہیں اور چاہتے ہیں کہ نیند آجائے مگر نہیں آتی ہے کیوں؟ اس لئے کہ وہ نہیں چاہتا، اور جب چاہتا ہے آجاتی ہے نیند بھی ایک قسم کی موت ہے کہ بدن کے تمام اعضاء اس کے آنے کے بعد اپنے اپنے کاموں سے معطل ہو جاتے ہیں اور نیند سے بیدار کرنا حیات سابق کا واپس فرمانا ہے۔ تو معلوم ہوا کہ جو معبود حقیقی اس پر قادر ہے وہ یقیناً مارنے کے بعد بھی جلانے پر قدرت رکھتا ہے۔

پس اسی کو پیش نظر رکھنے کے بعد ہر عاقل اسی نتیجے پر پہونچے گا کہ اسلام کا پیش کردہ عقیدہ قطعاً صحیح ہے کہ دنیوی زندگی ختم ہونے کے بعد بنی نوع انسان کو پھر زندہ کیا جائے گا تاکہ دنیا میں رہ کر جو اعمال کئے ہیں ان

کی وہاں پر جزا پائیں۔

اور دوسرے مذہب والوں کا یہ کہنا ہے کہ زندگی صرف دنیا ہی کی زندگی ہے، اس کے ختم ہونے کے بعد پھر زندہ ہونا نہیں ہے' یقیناً خلاف عقل بات ہے اور اپنے احوال میں غور وفکر نہ کرنے پر مبنی۔ (نظام شریعت ص ۴،۵)

اس مختصر سی تحریر دل پذیر میں نصیحت وحکمت کے کتنے موتی پنہاں ہیں وہ ہر قاری بآسانی محسوس کر سکتا ہے مزید یہ کہ اسی نیند اور بیداری سے عقیدۂ آخرت پر استدلال کر کے مصنف نے اسلامی عقیدے کی تبلیغ اور مخالف کی تر دید کا بھی فریضہ انجام دے دیا۔

واقعہ تسبیحات فاطمہ

رات کو سوتے وقت تسبیحات فاطمہ پڑھنے کی حدیث پاک میں تاکید ہے یوں ہی بعد نماز بھی۔ سونے کے اسلامی طریقے بیان کرتے ہوئے ان تسبیحات کا بھی ذکر کیا ہے مگر انداز اتنا دلنشیں ہے کہ شاید ہی اس کی مثال کہیں اور ملے پہلے ایک واقعہ کے ضمن میں ان تسبیحات کا شان ورود بیان کیا ہے پھر ان سے حاصل ہونے والے فوائد اور اصل واقعہ سے مستنبط شدہ مسائل ونکات پر بھی بڑے اچھے انداز میں روشنی ڈالی ہے، یہ پورا مضمون عام فہم ہوتے ہوئے بھی علمی وتحقیقی ہو گیا ہے۔ اصل واقعہ اور اس سے حاصل ہونے والے فوائد ونکات حضرت امام النحو ہی کی زبانی ملاحظہ کریں اور زبان وبیان کا بھی لطف اٹھائیں، موصوف رقم طراز ہیں:

مرکز ہدایت، قاسم ولایت، مولائے مشکل کشا، حضرت علی مرتضی رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ رب العالمین کی نعمتیں تقسیم فرمانے والے آقا ﷺ کی خدمت میں ایک مرتبہ کچھ باندیاں لائی گئیں چکی پیسنے سے مالک کونین کی صاحبزادی حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہ کے ہاتھوں میں چونکہ چھالے پڑ گئے تھے اس لئے میں نے ان سے کہا کہ حضور کی خدمت میں حاضر ہو کے گھر کے کام کاج کے لئے باندی طلب کر لیجئے، چنانچہ وہ تین مرتبہ حاضر ہوئیں مگر ملاقات نہ ہو سکی، بعد نماز عشاء جب حضور مکان میں تشریف لائے تو حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہ نے ان کی آمد کا تذکرہ کیا آپ اسی وقت ہمارے یہاں تشریف لائے، بعد اجازت مکان میں داخل ہوئے ہم دونوں ہی بستر پر لیٹ چکے تھے، میں نے بستر سے اٹھنا چاہا مگر اس شب میں سردی چونکہ شدید تھی، اس لئے اٹھنے سے روک دیا اور فرمایا جیسے لیٹے ہو ویسے ہی لیٹے رہو پھر اپنی صاحبزادی سے فرمایا کہ آج ہمارے یہاں کس ضرورت سے جانا ہوا تھا؟ عرض کیا یا رسول اللہ چکی پینے سے بڑی تکلیف ہوتی ہے اور میرے دونوں ہاتھوں میں چھالے پڑ گئے ہیں تو میں اسی لئے حاضر ہوئی تھی کہ باندی عطا فرمادی جائے۔ ارشاد فرمایا کیا اس سے بہتر چیز نہ بتائیں؟ عرض کیا ہاں۔ ارشاد فرمائیے۔ فرمایا: جب بستر پر لیٹو تو چونتیس (۳۴) بار اللہ اکبر اور تینتیس (۳۳) بار سبحان اللہ اور تینتیس (۳۳) بار الحمد للہ پڑھ لیا کرو، جو چیز تم نے طلب کی تھی اس سے بہتر یہ ہے۔ (نظام شریعت صفحہ ۵،۶)

اس واقعے کو بیان کرنے کے بعد حضرت مصنف نظام شریعت اس کے فوائد پر روشنی ڈالتے ہوئے درس وحکمت کے موتی یوں بکھیرتے ہیں۔

ہدایات وفوائد

مسلم خواتین خصوصیت کے ساتھ اس واقعہ پر غور کریں کہ ان کی دنیوی زندگی کے لئے اس میں بہترین ہدایات ہیں۔

(۱) شوہر کی مالی حالت اگر خادمہ رکھنے کی اجازت نہ دیتی ہو تو بیوی کا فرض ہے کہ گھر کے کام کو انجام دے، شوہر سے بے جا مطالبات نہ کیئے جائیں، جیسا کہ حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہ نے عمل کر کے بتایا کہ سب کام اپنے ہاتھ سے انجام دئے، یہاں تک کہ چکی بھی پیسی۔

(۲) گھر کے کام کرنے سے تکلیف ہوتی ہو یہاں تک کہ ہاتھوں میں چھالے پڑ جانے کی بھی نوبت آجائے تو عالی ظرف بیبیاں زبان پر حرف شکایت بھی نہیں لاتیں چہ جائیکہ روٹھ کر کام کاج چھوڑ دیں، جس سے شوہر کو تکلیف پہونچے، بلکہ ایسے وقت کو صبر وسکون سے گذار دیتی ہیں جیسا کہ سرکار عرب وعجم ﷺ کی چہیتی صاحبزادی نے عمل کر کے دکھایا۔

(۳) شوہر کا بھی فرض ہے کہ بیوی کی آسائش وراحت کا خیال رکھے اور اس کی تکالیف دور کرنے کے لئے مناسب تدابیر اختیار کرتا رہے، جیسا کہ شیر خدا حضرت علی مرتضی رضی اللہ عنہ نے اپنے عمل سے بتایا کہ باندیوں کے آنے کی اطلاع پا کر حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا کو مشورہ دیا کہ حاضر ہو کر باندی کے لئے درخواست پیش کریں تاکہ تکالیف سے نجات ملے۔

(۴) موجودہ زمانے میں تعلیم یافتہ خواتین چکی پیسنے کو عیب سمجھتی ہیں ان کو اس واقعہ سے سبق لینا چاہئے کہ اگر عیب ہوتا تو شہنشاہ کونین ﷺ اپنی صاحبزادی کے لئے کس طرح گوارہ فرماتے۔

(۵) اس واقعہ سے یہ بھی سبق ملا کہ جسمانی راحت کے سوال کو کسی مصلحت کے تحت پورا نہ کرتے ہوئے اگر کوئی اچھی بات تعلیم کی جائے تو شان ادب یہی ہے کہ اس کو بے چون وچرا تسلیم کرلیں اور اپنے سوال کو پورا کرنے پر اصرار نہ کریں جیسا کہ خاتون جنت حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا نے عمل کر کے دکھایا۔"

(۶) راقم الحروف نعمانی قادری عرض کرتا ہے کہ اس واقعے میں اس بات کا بھی درس ہے کہ اہل ایمان کے لئے دنیاوی منفعت کے مقابل دینی اور اخروی منفعت زیادہ قابل توجہ اور لائق تسلیم ہے کہ آخرت کا فائدہ ابدی ہے جب کہ دنیاوی فائدہ عارضی، افسوس! کہ آج ہمارا مطمح نظر یہ بنتا جارہا ہے کہ آخرت کا چاہے نقصان ہو جائے دنیاوی منفعت ہاتھ سے نہ جائے اس تحریر پر تنویر میں کس قدر دلپذیری اور اثر انگیزی کا جوہر پوشیدہ ہے اور اخلاص دروں وجذبہ خیر خواہی کی آنچ کس قدر تیز ہے وہ ہر ذی عقل خود محسوس کر سکتا ہے۔

شب بیداری اور خواب

مذکورہ بالا دونوں اوراد کے بعد باوضو سونے کے فضائل کا بیان ہے اور اسی ضمن میں خوفناک خوابوں کا علاج بھی بتایا گیا ہے، پھر شب میں بیداری کے وقت پڑھنے کی دعائیں رقم فرمائیں اور ان کے فوائد و برکات بیان کئے گئے ہیں اس کے بعد شب قدر کی دعا اور اچھا برا خواب دیکھنے پر کیا کرے اس کا بیان ہے، اور جھوٹے خواب کی مذمت بھی، پھر سرکار دوعالم ﷺ کے مبارک خواب شریف کا تذکرہ ہے اس کے بعد ہی سوکر بیدار ہو تو کیا پڑھے؟ کون سی دعا کرے؟ اس کا بیان ہے جس میں سوکر اٹھنے کے بعد پڑھی جانے والی دعا" الحمد لله الذی احیا نا بعد ما اما تنا والیه النشور"

ترجمہ: سب خوبیاں اللہ تعالیٰ کے لئے جس نے موت (خواب) کے بعد ہمیں حیات (بیداری) عطا فرمائی اور روز قیامت اعمال کی جزاء کے واسطے اسی کی بارگاہ میں حاضر ہونے کے لئے مردوں کو زندہ کر کے قبر سے نکالا جائے گا''

(نظام شریعت ۱۹)

دعا کے ان الفاظ کو سامنے رکھتے ہوئے حضرت صدر العلماء میرٹھی صاحب علیہ الرحمۃ نے پانچ نکات وفوائد تحریر فرمائے ہیں اور عجیب عجیب نکتوں کو بیان کر کے اس دعا کے اسرار و رموز سے پردہ اٹھایا ہے، صرف چوتھے نمبر کے ایک فائدے کا خلاصہ ملاحظہ کریں اور دیگر فوائد کو اسی پر قیاس کریں اور خدا شوق دے تو اصل کتاب مطالعے میں لائیں۔

عربی زبان میں لفظ'' نا'' جمع کی ضمیر ہے جب متکلم اپنے ساتھ کسی حیثیت سے اوروں کو شریک کرنا چاہتا ہے تو اس وقت جمع کی ضمیر استعمال کی جاتی ہے، مثلاً بندہ مولیٰ تعالیٰ سے دعا کرتا ہے" اھدنا الصراط المستقیم" ہم کو سیدھا راستہ چلا۔ یعنی سیدھے راستے کی طلب میں بندے نے اپنے دوسرے دینی بھائیوں کو بھی شریک کرلیا۔ اسی واسطے اھدنا میں ضمیر جمع ذکر کی اور اگر کسی حیثیت سے دوسروں کو شریک کرنا مقصود نہ ہوتا تو اھدنی الصراط المستقیم کہا جاتا ہے جس کا ترجمہ یہ ہوتا'' مجھ کو سیدھا راستہ چلا''

اور کبھی دوسروں کو اپنے ساتھ ثواب میں شرک کرنے کے لئے متکلم جمع کی ضمیر استعمال کرتا ہے مثلاً مسلم نے کہا نحمد الله ہم اللہ کی حمد کرتے ہیں'' چونکہ اللہ کی حمد میں جو کلمہ مسلم کی زبان سے نکلتا ہے اس پر ثواب ملتا ہے اس لئے یہاں جمع کی ضمیر استعمال کرنے سے مقصد یہ ہے کہ ان کلمات کے ثواب میں دوسروں کو شریک کرلیا جائے۔ اگر یہ مقصود نہ ہوتا تو واحد کی ضمیر لائی جاتی اور احمد الله کہا جاتا اور ترجمہ یہ ہوتا، میں اللہ کی حمد کرتا ہوں'' پس نظر برآں رحمت عالم ﷺ نے مذکورہ بالا کلمات شکر جمع کی ضمیر کے ساتھ'' احیانا'' اور'' اماتنا'' فرما کر ان کے ثواب میں اپنے ساتھ اپنی امت کو بھی شریک فرمایا لیا۔ تو ہمیں اس عمل نبوی سے یہ تعلیم حاصل ہوئی کہ مسلم کا

اخلاقی اور مذہبی فرض ہے کہ اپنے دینی بھائیوں کی ہمدردی اور خیر خواہی میں فروگزاشت نہ کرے، ان کو ہر ممکن طریقے سے نفع پہنچانے کی سعی، عمل میں لائے حتی کہ کلمات حمد وشکر میں بھی ان کو شریک کرلے، ایصال ثواب کا ایک طریقہ یہ بھی ہے، اسی واسطے سید عالم ﷺ بروقت بیعت یہ شرط بھی فرمالیتے کہ بیعت ہونے والا ہر مسلم کے ساتھ خیر خواہی کرے گا۔

بخاری شریف میں ہے جریر بن عبداللہ بجلی نے فرمایا کہ میں نے حبیب خدا ﷺ کے مبارک ہاتھوں پر اس شرط سے بیعت کی تھی کہ نماز پڑھتا رہوں گا، زکوۃ دیتا رہوں گا اور ہر مسلمان کی خیر خواہی کرتا رہوں گا۔

چنانچہ حضرت جریر بن عبداللہ رضی اللہ عنہ دیگر شرطوں کے ساتھ تازیست اس شرط کو بھی کامل طور پر پورا فرماتے رہے۔ ایک مرتبہ اپنے غلام کو گھوڑا خریدنے کے واسطے حکم فرمایا غلام نے ایک گھوڑا تین سو روپے میں خریدا اور گھوڑے والے کو لیکر واپس آیا تاکہ اس کو قیمت دلوادی جائے حضرت جریر رضی اللہ عنہ نے گھوڑے والے سے فرمایا کہ تمہارا گھوڑا تین سو روپے سے زائد قیمت کا ہے اس کو چار سو روپے میں فروخت کرتے ہو۔ اس نے کہا آپ مختار ہیں، آپ قیمت بڑھاتے گئے وہ راضی ہوتا گیا یہاں تک کہ اس کو آٹھ سو روپے میں خرید فرمایا۔ لوگوں نے کہا آپ نے یہ کیا کیا؟ جب وہ تین سو میں دے چکا تھا پھر قیمت بڑھانے کے کیا معنی، آپ نے فرمایا، میں نے رحمت عالم ﷺ کے دست مبارک پر اس شرط سے بیعت کی تھی کہ ہر مسلمان کی خیر خواہی کروں گا تو اس کو پورا کر رہا ہوں۔

سبحان اللہ! ایں کار از تو آید و مرداں چنیں کنند

برادران اسلام! اس واقعہ کو پڑھنے یا سننے کے بعد ہر مسلم مرد اور ہر مسلم خاتون کا فرض ہے کہ اپنے اپنے دل کے گوشوں پر گہری نظر ڈال کر معلوم کریں کہ ان میں کسی اپنے مسلمان بھائی کی بدخواہی کا ارادہ یا اس کو ضرر پہنچانے کا خیال تو پوشیدہ نہیں۔ اگر ہو تو فوراً قلب سے اس کو پاک کرلیں اور حضور قلب کے ساتھ بارگاہ الٰہی میں عرض کریں۔

یارب محمد ! شب معراج کے دولہا کا صدقہ

یارب محمد ! کشور رسالت کے بادشاہ کا صدقہ

یارب محمد ! سبز گنبد والے آقا کا صدقہ

حضرت جریر کی طرح ہمارے دلوں کو بھی مسلمان بھائیوں کی خیر خواہی کے جذبات سے لبریز فرمادے اور ان کی طرح تازیست اس پر عامل رہنے کی توفیق عطا فرما۔ آمین نظام شریعت ۲۰،۲۲

آخر میں "والیہ النشور" سے عقیدۂ آخرت پر بھی استدلال فرمایا ہے کہ جو نیند کے بعد بیدار فرمانے پر قادر ہے وہ مرنے کے بعد اٹھانے پر بھی ضرور قادر ہے، لہٰذا مسلمانوں کا عقیدہ بعث ونشر حق ہے اور بالکل عقل

وفہم سے قریب بھی۔

سونے کے بعد اٹھ کر پڑھنے کی یہ ایک دعا تھی، بظاہر اس کا نقل کرنا ہی کافی تھا مگر حضرت امام النحو علیہ الرحمۃ نے اس کو صرف نقل ہی نہیں فرمایا، اس کے ترجمہ کے ساتھ اس کے فوائد ونکات پر ایسی دلنشیں تقریر فرمادی کہ وجدان جھوم جھوم جاتا ہے۔اور ہر مسلم اپنے کو عمل پر مجبور پاتا ہے۔

اس کے ہر ہر لفظ سے ایسے ایسے رموز واسرار واشگاف فرمائے کہ ایک مختصر دعا ایک طویل مضمون کا درجہ اختیار کر گئی پھر اپنے ناصحانہ کلمات سے عمل کی ایسی بجلی بھر دی کہ کوئی قاری متاثر ہوئے بغیر نہیں رہ سکتا، یہ وہ خصوصیت ہے جو نظام شریعت کا ہی حصہ ہے اور پوری کتاب میں اس کے جلوے بکھرے پڑے ہیں۔

دولت تہجد پانے کے شرائط

اس کے بعد تہجد کا بیان ہے اور وہ بھی دلچسپی سے بھر پور، پہلے نماز تہجد کے فضائل اور شب بیداری کے فوائد و برکات پر ایک آیت اور سات حدیثیں ذکر فرمائیں پھر شب بیداری کے بعض عبرت آموز واقعات بیان فرمائے اس کے بعد دولت تہجد پانے کے شرائط کا ذکر ہے اصل مضمون تو اصل کتاب میں ملاحظہ فرمایا جائے، یہاں صرف شرائط والا حصہ اختصار کے ساتھ نقل کیا جاتا ہے۔

شب میں بیدار ہو کر عبادت میں مشغول ہونا بہت دشوار ہے، مگر جو لوگ مندرجہ ذیل شرائط کے پابند ہوتے ہیں ان کو ہر شب یہ دولت حاصل ہوتی ہے اس کے حصول کے واسطے چار شرطیں ظاہری ہیں اور چار باطنی ہیں

(۱) کم کھانا، کہ زیادہ کھانے سے پانی زیادہ پیا جائے گا، جس سے نیند غالب ہوگی اور شب میں اٹھنا گراں ہو جائے گا

(۲) دن میں اس قدر شاق (مشکل) کام نہ کرے جس سے اعضا میں ماندگی اور اعصاب میں کمزوری پیدا ہو جائے اس لئے کہ اس سے بھی نیند کا غلبہ ہوتا ہے۔

(۳) دن میں قیلولہ ترک نہ کرے کہ قیام شب میں مدد پہنچانے کے واسطے مسنون ہے۔

(۴) تمام شرطوں سے اہم شرط یہ ہے کہ گناہوں کا ارتکاب نہ کرے کہ اس سے قلب میں قساوت پیدا ہوتی ہے جو بندے اور اسباب رحمت کے درمیان حائل ہو جاتی ہے امام ثوری رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ میں ایک گناہ کے باعث پانچ مہینے تک قیام شب (شب بیداری کی عبادت) سے محروم رہا، لوگوں نے دریافت کیا کہ وہ گناہ کیا تھا فرمایا میں نے ایک شخص کو روتے دیکھ کر یہ کہا کہ یہ ریاکار ہے۔

باطنی شرطیں (قیام شب کی) یہ ہیں

(۱) قلب کینۂ مسلم سے پاک اور فضول افکار دنیوی سے صاف رکھے ورنہ بیداری نصیب بھی ہوئی تو

بحالت نماز یہی خیالات قلب میں آئیں گے (اور شب بیداری کی حقیقی برکتوں سے محروم رہے گا)۔

(۲) قلب میں خوف الٰہی کے ساتھ آرزوؤں کی کمی ہو۔

(۳) آیات قرآنی واحادیث نبوی اور اسلاف کے مقالات (اقوال) سے قیام شب کی فضیلت معلوم کرے تاکہ رغبت مستحکم ہوجائے۔

(۴) حب الٰہی (خدا کی محبت) اور یہ اعتقاد رکھے کہ میں اپنے رب سے مناجات کررہا ہوں اور وہ میرے احوال پر مطلع ہے۔ یہ باطنی شرطوں میں سب سے اہم شرط ہے۔ (نظام شریعت ۲۸،۲۹)

چونکہ نیند سے بیدار ہونے کے بعد عبادت میں مشغولیت ہو یا کسی کام کے لئے کہیں جانا ہو تو آدمی کپڑے زیب تن کرتا ہے اس لئے سوکر اٹھنے کے بعد کی دعاؤں میں کپڑے پہننے کی دعا کا ذکر فرمایا اور ضمناً کپڑے پہننے اور اتارنے کا اسلامی طریقہ کیا ہے؟ اسے بھی بیان کردیا اور پھر کپڑا اتارنے کی دعا بھی رقم فرمادی یوں ہی نیا کپڑا پہننے کی دعا بھی، ذیل میں ان کو ملاحظہ کیا جائے۔

"کپڑے پہنے تو بارگاہ الٰہی میں مندرجہ ذیل کلمات بطور شکر یہ ادا کرے سید عالم ﷺ فرماتے ہیں (ایسا کرنے سے) اگلے پچھلے سب گناہ معاف ہوجائیں گے۔

الحمد لله الذی کسانی هذا ورزقنیه من غیر حول منی ولا قوة

ترجمہ: سب خوبیاں اللہ کے لئے ہیں جس نے مجھ کو یہ کپڑا پہنایا اور میری قوت وطاقت کے بغیر مجھکو یہ عطا کیا۔ کپڑے اتارے تو یہ پڑھے۔ بسم الله الذی لا اله الا هو

یعنی اللہ تبارک وتعالیٰ کے نام پاک کی مدد سے کپڑا اتارتا ہوں جس کے سوا کوئی معبود نہیں سید عالم ﷺ نے ارشاد فرمایا، مسلم کپڑے اتارنے کا ارادہ کرے تو بدن کے جن حصوں کا چھپانا فرض ہے ان حصوں اور جنوں کی نگاہوں کے درمیان ان کلمات کے پڑھنے سے پردہ پڑجاتا ہے پھر جنوں کو وہ حصے نظر نہیں آتے اس لئے مسلمان ان کے ضرر سے محفوظ ہوجاتا ہے۔

نیا کپڑا پہنے تو یہ پڑھے۔

اللهم لك الحمد کما کسوتنیه اسئلك من خیره وخیر ما هو له واعوذبك من شره وشر ما هوله

ترجمہ: اے اللہ تیرے لئے حمد ہے کہ تو نے مجھ کو یہ نیا کپڑا پہنایا میں تجھ سے اس کی خیر اور جس کام کے لئے یہ ہے اس کی خیر مانگتا ہوں اور اس کی شر سے اور جس کے لئے یہ ہے کہ اس کی شر سے تیری پناہ طلب کرتا ہوں۔

اب ان دعاؤں سے کیا تعلیم اور کیسا سبق ملتا ہے مصنف نظام شریعت ہی کے الفاظ میں ملاحظہ ہو۔

تعلیمات

(۱) جس طرح دنیا کی دوسری چیزوں میں خیر اور شر دونوں ہوتے ہیں کپڑے میں بھی خیر وشر دونوں ہوتے ہیں کہ آرام پہنچائے تکلیف دہ چیزوں سے محفوظ رکھے، شر یہ ہے کہ اس سے کسی قسم کی تکلیف پہنچے مثلا کپڑے میں پاؤں الجھا اور ٹھوکر کھا کر گر پڑا۔

جس مقصد کے لئے کپڑا پہنا ہے اس میں بھی خیر وشر دونوں ہوتے ہیں یہ کپڑے بدن کو چھپانے، یا زیب وزینت کی نیت سے استعمال کیا تو یہ خیر ہے اور اگر تکبر اور ریا کاری کی نیت سے استعمال کیا تو یہ شر ہے۔

(۲) اس نبوی ارشاد سے ہمیں یہ تعلیم بھی حاصل ہوئی کہ مسلم کا تعلق اپنے معبود حقیقی کے ساتھ اتنا قوی ہونا چاہئے کہ زندگی کی ہر چھوٹی سے چھوٹی ضرورت انجام دیتے وقت توجہ اس کی جانب رہے یہاں تک کہ کپڑے پہنتے وقت بھی اس سے غافل نہ رہے۔

(۳) یہ تعلیم بھی حاصل ہوئی کہ نعمت ملنے پر پہلے مولیٰ تعالیٰ کی بارگاہ میں اعلیٰ درجے کا شکر یہ ادا کرے تا کہ حسب وعدہ الٰہی مزید نعمتوں کے پانے کا مستحق بنے پھر دوسری حاجتوں کے طلب کرنے کی طرف متوجہ ہو۔

(نظام شریعت ۳۰، ۳۱)

اس کے بعد کپڑوں کے مسائل کا بیان ہے، ساتھ ہی بزرگان دین کے کپڑوں اور آثار تبرک کے فضائل پر بھی روشنی ڈالی گئی ہے پھر جوتے پہننے اتارنے کا اسلامی طریقہ بیان کیا گیا ہے اور یہ کہ زرد رنگ کے جوتے پہننا پسندیدہ ہے کہ اس سے افکار میں کمی ہوتی ہے جب کہ سیاہ جوتے افکار پیدا کرتے ہیں۔

لباس کے مسائل کے ضمن میں "قومی امتیاز" کے عنوان سے ایک بڑا ہی عمدہ مضمون سپرد قلم فرمایا ہے چونکہ لباس ہی سے امتیاز اور قومی تشخص قائم ہوتا ہے اس لئے اس مضمون کو بطور خاص ہدیہ قارئین کیا جارہا ہے۔

قومی امتیاز:

قوم مسلم کی پستی کا ایک اہم سبب یہ بھی ہے کہ اس نے اپنے قومی امتیاز کو ختم کر دیا ہے دوسروں کو اپنے اندر جذب کرنے کے بجائے (یہ قوم) خود ان کے اندر جذب ہوگئی ہے۔

ہر قوم کی بقا اس کے امتیازات کے ساتھ وابستہ ہے، امتیازات کے ختم ہونے سے قوم فنا ہو جاتی ہے، دوسری اقوام کی نگاہوں میں اس کی وقعت باقی نہیں رہتی، اسی نکتہ پر متنبہ کرنے کے لئے سید عالم ﷺ نے ارشاد فرمایا "من تشبه بقوم فهو منهم" یعنی جو شخص جس قوم کے ساتھ مشابہت اختیار کرے گا وہ اسی قوم میں شمار کیا جائے گا خواہ مشابہت اعمال میں ہو یا اخلاق میں یا لباس میں یا کسی اور چیز میں۔ ابھی ابھی گزرا کہ قومی امتیاز کی اہمیت ملحوظ رکھتے ہوئے یہ گوارہ نہ فرمایا کہ مسلم غیر مسلم کے ساتھ عمامہ باندھنے میں بھی مشابہت ہو۔ اور صاف صاف فرمادیا کہ عمامے کے بارے میں ہمارا قومی امتیاز یہ ہے کہ ٹوپی پر باندھا جائے تا کہ مسلم قوم اپنے

لباس میں بھی غیر مسلم سے ممتاز رہے۔

عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ مجھے سید عالم ﷺ نے دو کپڑے پہنے ہوئے دیکھا جو گلاب کے زیرے میں رنگے ہوئے تھے" یعنی زرد تھے تو فرمایا بیشک یہ کافروں کا لباس ہے، آئندہ نہ پہننا، انہیں حضور کی ناگواری کا احساس ہوا مکان پر واپس آئے اور ان دونوں کپڑوں کو جلا دیا۔ دوسرے دن خدمت میں حاضر ہوئے، دریافت فرمایا، وہ کپڑے کیا ہوئے؟ عرض کیا ان کو جلا دیا، فرمایا اپنے گھر کی عورتوں میں سے کسی کو دے دیتے کہ عورتوں کے لئے زرد کپڑے پہننے میں کوئی حرج نہیں۔

آہ! مقام غور ہے سید عالم ﷺ نے رنگ میں بھی کفار سے مشابہت گوارہ نہ فرمائی اور آج ہماری حالت اس قدر ناگفتنی ہوگئی ہے کہ غیروں کی معاشرت، وضع قطع اور لباس میں ڈوب گئے ہیں اسلامی طریقے چھوڑتے چلے جارہے ہیں۔

(نظام شریعت ص ۳۲، ۳۳)

انھیں حالات سے متاثر ہو کر اقبال نے کہا تھا

کس کی نظروں میں سمایا ہے شعار اغیار ہوگئی کس کی نگاہ طرز سلف سے بیزار
وضع میں تم ہو نصاریٰ تو تمدن میں ہنود یہ مسلماں ہیں جنھیں دیکھ کے شرمائیں یہود
قلب میں سوز نہیں روح میں احساس نہیں کچھ بھی پیغام محمد کا تمہیں پاس نہیں
یوں تو سید بھی ہو مرزا بھی ہو افغان بھی ہو تم سبھی کچھ ہو بتاؤ کہ مسلمان بھی ہو

اس کے بعد بیت الخلاء جانے آنے کا اسلامی طریقہ اور اس وقت پڑھی جانے والی دعاؤں کا بیان ہے اور پیشاب کی چھینٹوں سے بچنے کی تاکید بھی اس سلسلے میں دو قبروں میں عذاب ہونے والے واقعہ کا ذکر کر کے سرکار دوعالم ﷺ کی بینائی اور آنکھوں کی خصوصیت پر بھی روشنی ڈالی گئی ہے پھر سرکار اقدس ﷺ کے بول وبراز کی خصوصیت اور احکام کا بھی ذکر ہے۔

اس کے بعد وضو کے تاریخی حالات، وضو کے فضائل وبرکات اور وضو سے گناہ دھل جانے کا تذکرہ ہے اور یہ بھی کہ اولیاء اللہ اپنی آنکھوں۔ سے گناہ دھلتے ہوئے دیکھتے ہیں اور یہ بھی پہچانتے ہیں کہ وضو کرتے وقت کون سا گناہ دھل رہا ہے۔ چونکہ وضو میں مسواک کی بھی بڑی اہمیت ہے اس لئے مسواک کے طبی وشرعی فوائد کو بھی بیان کردیا ہے۔

وضو کے بعد غسل کا اسلامی طریقہ اور غسل کی احتیاطوں کا بیان ہے ضمن میں یہ بھی تحریر ہے کہ امہات المؤمنین اور انبیائے کرام کو اللہ تعالیٰ نے احتلام جیسی شیطانی مداخلت سے محفوظ رکھا ہے۔

دعائے صبح

اس کے بعد صبح صادق کی سرخی لگائی ہے چونکہ تہجد کے بعد نماز فجر ادا کرنی ہے اس لئے صبح صادق کا طلوع ضروری ہے کہ اس سے وقت فجر شروع ہوتا ہے۔ اس عنوان کے تحت ام المؤمنین حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا سے ایک روایت نقل کی کہ محبوب دوجہاں ﷺ صبح کے وقت یہ دعا مانگتے۔

اللهم انی اسئلك علما نافعا ورزقا طيبا وعملا متقبلا۔

ترجمہ: اے اللہ میں تجھ سے فائدہ دینے والے علم اور پاکیزہ رزق اور مقبول عمل کا سائل ہوں۔

اس دعائے نبوی میں تین چیزوں کا سوال ہے۔ علم نافع، رزق طیب، اور عمل متقبول کا، اس کو نقل کر کے حضرت میرٹھی صاحب علیہ الرحمۃ نے تینوں عنوانات پر علیحدہ علیحدہ روشنی ڈالی ہے اور بڑی دلنشیں اور عام فہم بحث کی ہے اور عبرت ونصائح کے قیمتی موتی سپرد قلم فرمائے ہیں ذیل میں ہر ایک کا خلاصہ ہدیہ ناظرین ہے۔

علم نافع:

علم نافع وہ ہے جس کی تحصیل کرنے والوں کے حق میں محبوب کبریا ﷺ نے ارشاد فرمایا:

"جو شخص ایسے بندوں کو دیکھنا چاہے جن کو اللہ تعالیٰ نے نار دوزخ سے آزاد فرمایا ہے تو وہ علم دین کے طلبہ کو دیکھ لے، اس ذات کی قسم جس کے قبضۂ قدرت میں میری جان ہے بسلسلہ تحصیل علم جب طالب علم کی کسی عالم کے پاس آمد ورفت ہوتی ہے تو ہر قدم پر ایک سال کی عبادت کا ثواب اس کے واسطے لکھا جاتا ہے اور جنت میں ہر قدم کے بدلے اس کے لئے ایک شہر تعمیر ہوتا ہے زمین پر چلتا ہے تو زمین اس کے لئے دعائے مغفرت کرتی ہے صبح وشام اس کے لئے دعائے مغفرت ہوتی رہتی ہے"

جن حضرات کو علم نافع حاصل ہوتا ہے ان کو علماء ربانی کہتے ہیں جو اپنے لیل ونہار مخلوق کی علمی خدمات میں صرف کرتے ہیں ان کی علامت یہ ہے کہ اسلامی مفادات کے خلاف اغیار کے ہاتھوں پر کسی قیمت میں فروخت نہیں ہوتے بلکہ اپنے سچے عمل سے اغیار کو اسلام کا خادم بنا دیتے ہیں ایسے علماء کا مرتبہ ظاہر کرنے کے لئے ایک مرتبہ سید عالم ﷺ نے ارشاد فرمایا:

"والد کے چہرے کی طرف نظر کرنا عبادت ہے اور عالم کے چہرے کو دیکھنا عبادت ہے (مگر عالم کی یہ خصوصیت ہے کہ) اسکے حق میں یہ بھی ارشاد فرمایا کہ جس نے عالم کی زیارت کی تو گویا اس نے میری زیارت کی اور جس نے عالم سے مصافحہ کیا گویا اس نے مجھ سے مصافحہ کیا اور جو عالم کے پاس بیٹھا تو گویا وہ میرے پاس بیٹھا اور جو دنیا میں میرے پاس بیٹھا اللہ تعالیٰ قیامت کے دن بھی اس کو میرے پاس بٹھائے گا"۔ (روح البیان)

مقام غور ہے کہ جس علم کے سیکھنے سکھانے والوں کی بارگاہ الٰہی میں یہ عزت ومنزلت ہے اس کی جانب سے قوم مسلم بالخصوص طبقہ رؤسا نے کیسی شدید غفلت اختیار کی ہے، الامان والحفیظ۔

چونکہ یہ طبقہ فکر معاش سے سبکدوش ہوتا ہے نظر برآں اس کا اولیں فرض تھا کہ اپنی اولاد کو اسی علم کے سیکھنے کے واسطے پیش کرتا یا کم از کم اس علم کے سیکھنے سکھانے والوں کی ضروریات کو محسوس کرتے ہوئے مخصوص طور پر ان کی اعانت میں حصہ لیتا تو آج یہ منحوس دن دیکھنا نصیب نہ ہوتا کہ علماء کے ایک گروہ نے اگر چہ وہ قلیل ہی سہی دشمنان اسلام کے دوش بدوش ہو کر اسلامی مفاد کے خلاف اقدام کیا اور کر رہا ہے جس سے دینی اور دنیوی ہر اعتبار سے قوم مسلم کو وہ ٹھیس لگی ہے جو سخت دردناک ہونے کے باعث زبان سے بیان کی جاسکتی ہے نہ تحریر میں لائی جاسکتی ہے اگر چہ یہ ٹھیس تو اسی گروہ نے لگائی مگر بایں معنی اس میں (رؤسا) بھی شریک ہیں کہ دینی علوم سے انہوں نے شدید بے توجہی برتی جس کا نتیجہ اس شکل میں ظاہر ہوا۔

دینی علوم کی طرف سے غفلت اور دشمنان اسلام کے علوم کی طرف رغبت کا یہ عالم کہ اپنی اولاد، اپنی دولت کو ان کے لئے وقف کر دیا اور اپنی اولاد کو انہیں علوم کی تعلیم دلانا فخر محسوس کرتے ہیں۔ دولت کو ان پر صرف کرنا حصول معراج کا واحد ذریعہ تصور کرتے ہیں۔

اگر اب بھی غفلت کے پردے نہ اٹھے اور یہی لیل ونہار رہے تو نہ معلوم کیسے شدید عذاب نازل ہو جائیں گے عاقل وہ ہے جو حوادث روزگار سے عبرت حاصل کر کے جلد سے جلد اپنے عمل کی اصلاح کی طرف متوجہ ہو جائے لہٰذا اگر ہم چاہتے ہیں کہ موجودہ مصائب سے رہائی ملے اور آئندہ آنے والی ہولناک آفتوں سے محفوظ رہیں تو فوراً نامشروع (خلاف شرع) اعمال سے تائب ہو کر (دینی) علوم کی خدمت شروع کر دیں اور بچوں کو دینی علوم کی تعلیم دلائیں اپنی دولت سے دینی علوم کی خدمت کریں۔

(نظام شریعت ص ۵۲)

رزق طیب

غذا وغیرہ ہر وہ چیز جس سے انتفاع (فائدہ حاصل کرنے) پر جاندار قادر ہو اس کو رزق کہتے ہیں، حلال وہ ہے جس کو شریعت جائز فرمائے طیب وہ ہے جس پر قلب مطمئن ہو، غذا کو انسانی اعمال واخلاق میں کافی دخل ہے جس طرح پھلوں کا خوش ذائقہ اور بدذائقہ ہونا تخم سے متعلق ہے جیسا تخم ہوگا ویسا ہی پھل اسی طرح ہمارے اخلاق واعمال کا حسن وقبح ہماری روزمرہ کی غذا سے وابستہ ہے کہ نامشروع غذا سے قلب وقالب دونوں کی تخریب ہوتی ہے، بے حیائی بزدلی، قساوت وغیرہ مذموم اخلاق قلب میں پیدا ہوتے ہیں زنا، چوری، قمار بازی، سود خوری وغیرہ معاصی کا صدور اعضاء سے ہوتا ہے مشروع غذا سے قلب میں حیاء شجاعت، رقت، انکساری وغیرہ اخلاق حسنہ پیدا ہوتے ہیں اعضاء سے اعمال صالحہ صادر ہوتے ہیں، طاعات کی ادائیگی سے گرانی نہیں محسوس ہوتی بلکہ عبادات کے لئے اعضاء نرم منقاد (فرماں بردار) ہو جاتے ہیں جس طرح جَو بونے سے گیہوں کی امید رکھنا خیال خام ہے اسی طرح نامشروع غذا استعمال کر کے پاکیزہ اخلاق اور نیک اعمال کی توقع کرنا سلیم العقل

انسان کا کام نہیں چونکہ نیک اعمال پاکیزہ غذا سے پیدا ہوتے ہیں غذا ان کے لئے بمنزلۂ تخم ہے اس لئے سید عالم ﷺ نے مذکورہ بالا دعا میں غذا کو اعمال پر مقدم ذکر فرمایا۔

(نظام شریعت ص ۵۳)

اب اس کے بعد صدیقی تقویٰ کے عنوان سے امیر المومنین حضرت سیدنا ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ کی غذا کے سلسلے میں آپ کے ایک تقوی کا ذکر فرمایا کہ غلام ایک مرتبہ کھانا لایا آپ نے عجلت میں بے پوچھے کہ کہاں سے لایا ہے اس میں سے ایک لقمہ تناول فرمایا پھر دریافت سے معلوم ہوا کہ وہ صحیح نہ تھا تو آپ نے قے فرمادی یوں ہی حضرت فاروق اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا ایک واقعہ ذکر فرمایا کہ آپ کو ایک شخص نے صدقہ کے اونٹوں کا دودھ دیا جسے بغیر معلوم کئے آپ نے نوش فرمایا پھر معلوم ہونے پر قے فرمادی، پھر ان دونوں واقعات کے بعد حضرت علامہ میرٹھی صاحب علیہ الرحمہ فرماتے ہیں۔

حضور سید عالم ﷺ نے دعائے مذکور میں علم نافع، رزق طیب، عمل مقبول ان تینوں چیزوں کا ذکر فرما یا، وجہ یہ ہے کہ نفس انسانی کا کمال، علم وعمل پر موقوف ہے جب تک یہ دونوں حاصل نہ ہوں بندہ اخلاق الٰہی کا کما حقہ مظہر نہیں ہوسکتا، عمل مقبول سے پیشتر رزق طیب کو اس لئے ذکر فرمایا کہ عمل مقبول اس کا نتیجہ ہے۔ عمل مقبول وہ ہوتا ہے جو طیب ہو اور طیب وہ ہوتا ہے جو محض اللہ کے لئے کیا جائے اور عامل ممنوعات سے مجتنب (بچتا) ہو۔

اس کے بعد صحابی رسول حضرت معاذ رضی اللہ عنہ کی ایک حدیث قبولیت اعمال کے ضمن میں ذکر فرمائی ہے جسے حضرت معاذ نے آبدیدہ ہو کر بیان فرمایا ہے جس کا خلاصہ یہ ہے کہ پہلے آسمان سے لیکر ساتوں آسمان تک پھر عرش اعظم تک ایسے عاملین کے اعمال پیش ہوتے ہیں جن کو رد کردیا جاتا ہے۔

پہلے آسمان پر جو فرشتہ مقرر ہے وہ غیبت کرنے والے کے اعمال کو رد فرمادیتا ہے اور اعمال پیش کرنے والے فرشتے کراما کاتبین سے کہتا ہے کہ انہیں عامل کے منہ پر ماردو۔

دوسرے آسمان سے ان کے اعمال رد ہوتے ہیں جو دنیا کمانے کے لئے نیکیاں کرتے ہیں تیسرے آسمان سے تکبر کرنے والے کے اعمال رد ہوتے ہیں۔

چوتھے آسمان سے ان کے اعمال واپس ہوتے ہیں جو خود بینی کے شکار ہوتے ہیں یعنی جو ان اعمال پر گھمنڈ کرتے ہیں۔

پانچویں آسمان سے ان کے اعمال رد ہوتے ہیں جو اللہ کے نیک بندوں سے حسد کرتے ہیں اور ان کے حق میں برے کلمات نکالا کرتے ہیں۔

چھٹے آسمان سے ان عاملین کے اعمال رد ہوتے ہیں جو قساوت قلبی میں مبتلا ہوتے ہیں اور بندگان خدا کو مصیبت میں دیکھ کر خوش ہوتے ہیں۔

پھر ساتویں سے اس کے اعمال رد ہوتے ہیں جو شہرت و ناموری کے لئے عمل کیا کرتا ہے اور پھر عرش سے اس کے اعمال واپس ہوتے ہیں اور وہ لعنت کا بھی مستحق ہوتا ہے۔ جو ریاکاری یعنی لوگوں کے دکھاوے کے لئے اعمال کیا کرتا ہے خدا کی رضا کے لئے نہیں کرتا۔ (ملخصا)

اصل حدیث تفصیل کے ساتھ کتاب کے صفحات ۵۶ تا ۵۸ میں ملاحظہ کریں اور ایمان تازہ کریں، اعمال پر گھمنڈ کرنے والے حضرات کے لئے خاص طور سے یہ حدیث تازیانہ عبرت ہے۔ اب اس کے بعد مصنف علام نے تیمم کا بیان سپرد قلم فرمایا ہے، تیمم کے بعد غسل، اس کے بعد نجاستوں کی تفصیلات دے کر نجس کو پاک کرنے کا طریقہ تحریر فرمایا ہے، وضو غسل اور تیمم کے بعد اذان کی تاریخ اور اسکے آغاز کا بیان ہے، ضمناً یہ بھی بیان فرما دیا ہے کہ اذان نماز کے علاوہ کن کن مواقع پر کہی جاسکتی ہے۔ اور اسکے کیا کیا فوائد و برکات ہیں، پھر اذان کے مسائل و احکام اور اذان کے بعد کی دعائے وسیلہ کا ذکر ہے اور تفصیل سے وسیلہ و شفاعت کا ذکر ہے، اذان کے بعد اقامت اور پھر نماز کے شرائط و فرائض اور مسائل کا بیان ہے۔ چونکہ نماز اور دیگر تمام اعمال خیر اور عبادات اسی وقت قبول ہوتے ہیں جب کہ ان کی ادائیگی میں اخلاص عمل کو بنیاد بنایا گیا ہو۔ لہٰذا نماز کے ذکر میں اخلاص عمل کے فوائد و ثمرات بھی بیان کردیئے ہیں تاکہ عبادت کی جان اخلاص کو فراموش نہ کیا جائے۔

ساتھ ہی اخلاص کو کھا جانے والی چیز ریاکاری کے نقصانات پر مشتمل مضمون شامل کتاب کر کے مصنف نے بڑا اچھوتا کارنامہ انجام دیا ہے۔

نماز کے تفصیلی احکام و مسائل کے ساتھ نماز کی دعاؤں کے ترجمے اور تشریح نیز دیگر فوائد و نکات پر بھی روشنی ڈال دی گئی ہے جس سے نماز کا بیان نہایت دل نشیں ہو گیا ہے یوں ہی سورۂ فاتحہ "قل هو الله احد" اور فلق و ناس کی مختصر تفسیر بھی بڑے عمدہ انداز سے پیش کی گئی ہے اس کے علاوہ سورۂ نصر، تبت یدا، زلزال اور سورۂ قدر کی مختصر تفسیریں بھی ہیں۔ آخر میں جنازے کی نماز، موت، ایصال ثواب، اور قبر کے احکام و مسائل بھی دیئے گئے ہیں۔ نماز اور اس سے متعلق ضروری احکام اور دیگر ضمنی بہت سے مسائل و فضائل پر مشتمل نظام شریعت اپنے انداز کی بالکل منفرد اور آسان کتاب ہے جسے پڑھنے والا از خود سمجھتا جاتا ہے۔

نظام شریعت دیکھنے کے بعد حضرت مصنف علیہ الرحمہ ایک پر سوز داعی و مبلغ اور دردمند مصلح نظر آتے ہیں جب کہ دیگر صرف و نحو کی کتابوں اور شرح بخاری کی سیر کی جائے تو معلوم ہوتا ہے کہ آپ امام النحو اور سید المحد ثین والمفسرین ہیں کہیں تو زبان بالکل عالمانہ اور جہاں ضرورت محسوس کی وہاں بالکل عام فہم اور آسان پیش کی ہے۔ ضروری ہے کہ اس کتاب کو گھر گھر عام کیا جائے تاکہ اس کے مندرجات و مضامین میں سے زیادہ سے زیادہ اہل ایمان فائدہ حاصل کریں۔

چند یادیں چند باتیں

راقم الحروف نعمانی قادری نے حضرت میرٹھی صاحب علیہ الرحمہ کی چند بار زیارت کا شرف حاصل کیا ہے اور دار العلوم اشرفیہ مبارکپور میں دوران تعلیم ایک کتاب ''تفسیر مدارک شریف'' کے امتحان کی بھی سعادت پائی ہے، بریلی شریف عرس اعلیٰ حضرت میں آپ ہر سال ضرور تشریف لاتے اور کتب خانہ لگا کر خود بیٹھتے اور اس وقت کے اجلہ علماء کرام ملاقات کی غرض سے وہاں تشریف لاتے اور آپ کی زیارت سے شاد کام ہوتے، ناچیز کو بھی متعدد بار اسی موقع پر شرف نیاز حاصل ہوا، آپ کی اس عادت کریمہ میں آج کل کے علماء کے لئے درس عبرت ہے کہ اتنے بڑے امام النحو ہو کر بھی حضرت میرٹھی صاحب علیہ الرحمہ نے اپنی کتابیں فروخت کرنے میں عار نہیں محسوس کی جب کہ آج بہت سے لوگ اس میں عار محسوس کرتے ہیں حتی کی بعض علماء جلسوں میں دینی کتابوں کے اعلان کرنے میں بھی تکلف محسوس کرتے ہیں۔ حالانکہ یہ ایک طرف تجارت ہے تو دوسری طرف دین کی خدمت بھی۔ آپ نے بہت سی نادر و نایاب کتابیں بھی چھپوائیں۔ کتب خانہ سمنانی، اندرکوٹ میرٹھ کے نام سے باضابطہ کتب خانہ قائم فرمایا، اور دینی، اصلاحی اور درسی کتابیں بھی شائع کریں۔ اعلیٰ حضرت امام احمد رضا قدس سرہ کی ''الکلمۃ الملھمۃ'' فلسفہ قدیمہ کے رد میں ہے اس کو بھی پہلی بار قلمی نسخہ سے آپ ہی نے شائع کیا، یوں ہی فتاوی رضویہ جلد دوم جو نایاب تھی اس کو اور قاضی فضل احمد لدھیانوی علیہ الرحمہ کی مشہور و معروف کتاب ''انوار آفتاب صداقت'' بھی حضرت میرٹھی صاحب نے ہی شائع کی جو عرصہ دراز سے نایاب تھی اور اب پھر یہ اہم کتاب مارکیٹ سے غائب ہے۔ رد وہابیہ میں یہ نہایت عمدہ اور مدلل کتاب ہے۔ جس پر اعلیٰ حضرت کی تقریظ بھی ثبت ہے۔

اپنی بعض کتابوں کو اکابر اہل سنت کے نام معنون بھی فرمایا ہے جس سے ان بزرگوں کے ساتھ حضرت میرٹھی صاحب علیہ الرحمۃ کی عقیدت کا اندازہ ہوتا ہے باوجودیکہ آپ حضرت سیدنا سید شاہ علی حسین اشرفی میاں کچھوچھوی علیہ الرحمۃ سے بیعت تھے مگر تاجدار اہل سنت سرکار مفتی اعظم ہند علامہ شاہ محمد مصطفیٰ رضا خان قادری بریلوی علیہ الرحمۃ سے بھی بے پناہ عقیدت ومحبت فرماتے حضرت سے ملاقات کے وقت نہایت تواضع کا ثبوت دیتے اپنی عظیم وجلیل کتاب ''البشیر الکامل بحل شرح مأۃ عامل'' جو فن نحو کی مشہور کتاب شرح مأۃ عامل کی نہایت معرکۃ الآرا شرح ہے، اس کا انتساب سرکار مفتی اعظم قدس سرہ کے نام ان جملوں اور القاب وآداب میں فرمایا۔

پیشکش:

زمانہ قدیم سے آج تک معمول ہے کہ ارباب علم اپنی تصانیف کو قدر شناس سلاطین اور علم دوست اہل دول کی خدمت میں پیش کرتے ہیں تاکہ علمی انکشافات منصۂ شہود پر آ کر ہر خاص وعام کے لئے جلوہ ریز ہوں اور سلسلہ تالیف جاری رہ کر علوم وفنون ترقی پاتے رہیں مگر فقیر اپنی اس علمی خدمت کو شہریار علم وہدایت، تاجدار اہل

سنت، مفتی اعظم بھارت، ملجائے جوازم ونواصب، ماوائے افاضل، جلیل المراتب، حضرت مولانا شاہ مصطفیٰ رضا خاں صاحب زیب سجادۂ رضوی دام ظلہ السنو ی کی خدمت بابرکت میں پیش کرنے کا شرف حاصل کرتے ہوئے ،درخواست کرتا ہے کہ جلوات وخلوات کی مخصوص دعاؤں میں اپنے اس دیرینہ نازمند کو پیش نظر رکھیں کہ

گر قبول افتدز ہے عز وشرف — نگاہ لطف کے امیدوار ہم بھی ہیں

طالب دعا! فقیر سید غلام جیلانی صدر المدرسین مدرسہ اسلامی عربی اندرکوٹ، میرٹھ

واضح رہے کہ البشیر الکامل کے اندرونی ٹائٹل پر نہایت اہتمام سے خوبصورت باڈر لگا کر اس مضمون کو شائع کیا تھا، مگر اب نئے ایڈیشن میں ناشرین نے قصداً یا کفایۃ اس مضمون کو حذف کر دیا ہے۔ جو قابل افسوس ہے۔

حضرت میرٹھی صاحب علیہ الرحمہ نے تقریباً چالیس اہم کتابیں اپنے کتب خانے سے شائع کیں جن میں آپ کی جملہ تصانیف بھی شامل ہیں۔

حضرت میرٹھی صاحب علیہ الرحمہ اپنے احباب درس کا بہت خیال واحترام فرماتے ان کے نام بڑے ادب سے لیتے۔ اپنی کتاب بشیر القاری شرح بخاری کے مقدمے میں بطور خاص اپنے احباب درس کا ذکر خیر کیا ہے۔ جس میں حضرت مجاہد ملت علیہ الرحمہ کا ذکر سب سے طویل سات سطروں میں ہے جب کہ دیگر احباب کا مختصر القاب ومناصب کے ساتھ۔ حضور حافظ ملت استاذ العلما، جلالۃ العلم، مولانا حافظ عبدالعزیز مرادآبادی قدس سرہ سے متعلق حضرت میرٹھی صاحب علیہ الرحمہ فرمایا کرتے تھے ”حافظ صاحب کے اجمیر مقدس میں تعلیم کے دوران صرف تین کام تھے، درسی کتابوں کا مطالعہ، قرآن کی تلاوت اور صدر الشریعہ کی خدمت، کوئی کام نہیں ملتا تو در و دیوار، برتن بکس وغیرہ ہی کی صفائی میں لگ جاتے“

یہ چند باتیں اول عنوان سے علیحدہ تھیں جنھیں میں نے اس لئے سپرد قلم کر دیا کہ محفوظ ہو جائیں۔

فقط

محمد عبد المبین قادری

دار العلوم قادریہ چریا کوٹ ضلع مئو ۲۷۶۱۲۴

صدر العلماء اور علم فقہ

حضرت مولانا مفتی نثار احمد رضوی ہاشمی ایم،اے
شیخ الحدیث دار العلوم محمدیہ (حسینپور، یو۔پی)

باسمہ تعالیٰ

صدر العلماء رحمۃ اللہ علیہ کا فقہی مقام بیان کرنا درحقیقت اس آدمی کا کام ہے جو آپ کی فقہی کاوشوں اور آپ کے معاصرین اور متقدمین فقہا کے کارناموں کا وسیع مطالعہ رکھتا ہو۔ مجھ جیسے ہیچ مداں انسان کو جسے اپنی علمی بے بضاعتی کا پوری طرح احساس واعتراف ہے، صدر العلماء علیہ الرحمۃ والرضوان کے فقہی مقام کے تعلق سے لکھنے کا مکلّف قرار دینا یقیناً میرے منصب سے کہیں بالاتر ہے۔ تاہم امام النحو سے مجھے جو عقیدت ومحبت ہے وہ مجھے یہ گستاخانہ جرأت وہمت دلا رہی ہے کہ میں بھی اپنے ٹوٹے پھوٹے الفاظ میں صفحات قرطاس میں اپنی محبت وعقیدت کا اظہار کرسکوں۔ سچ ہے کہ ہوش کا جیب ودامن شوق کے ہاتھوں کبھی سلامت نہیں رہا۔

صدر العلماء کے فقہی مقام پر کچھ سپرد قلم کرنے سے قبل ضروری معلوم ہوتا ہے کہ اختصار کے ساتھ علم فقہ کی تعریف، موضوع وغرض وغایت، تدوین فقہ کا تاریخی پس منظر، طبقات مسائل اور طبقات فقہا وغیرہ کا بیان کیا جائے تاکہ قارئین کرام اس کی روشنی میں صدر العلماء کے فقہی مقام کا کچھ اندازہ کرسکیں۔

علم فقہ

علم کی دو مشہور قسمیں ہیں شرعی اور غیر شرعی۔ علم شرعی چار ہیں: علم تفسیر، علم حدیث، علم عقائد، علم فقہ۔

باعتبار افعال مکلفین علم فقہ کی ضرورت بنسبت اور علوم کے عام طور سے زیادہ ہے کیونکہ دنیوی اور اخروی منافع اور نقصانات اسی کے جاننے اور اسی کے موافق عمل کرنے سے حاصل ہوتے ہیں۔ اس اعتبار سے یہ اشرف العلوم کہا جاسکتا ہے۔ اسی لئے اکابر مجتہدین وائمہ دین اور فقہائے کرام رحمہم اللہ، اس کے ساتھ مشغول رہے۔ جس کا یہ نتیجہ ہے کہ آج ہم اہل اسلام حلال وحرام، فرض وواجب، سنت اور مستحب وغیرہ احکام بے تکلف کتب فقہ سے حاصل کرلیتے ہیں۔

لغوی معنی

باب سمع سے "فقہ یفقہ فقھا الکلا م اوالشیء" سمجھنا۔ فقیہ بجائے اسم فاعل بولا جاتا ہے، جیسے سمیع بمعنی سامع، اور باب کرم سے "فقہ یفقہ فقاھۃ" علم فقہ میں ماہر ہونا۔ "فقہ یفقہ فقھاالرجل" علم میں غا

لب ہونا۔"تفقه الر جل "علم فقہ سیکھنا۔"فقه وافقه فلا نا" سکھانا۔"فا قه فلا نا" فقہ میں غالب ہونا۔ (مصباح اللغات)

اصطلاحی معنی

اصطلاح اہل شرع میں فقہ کی مشہور تعریف ہے۔"الفقه هو العلم بالا حكا م الشرعية الفرعية من ادلتها التفصيلية" یعنی فقہ اس علم کو کہتے ہیں جس میں احکام شرعیہ فرعیہ اپنے دلائل مفصلہ سے حاصل ہوں۔احکام کی اولاً دو قسمیں ہیں۔

اصلی: جس کا تعلق اعتقاد سے ہوتا ہے۔

فرعی: جس کا تعلق عمل سے ہوتا ہے۔

احکام کی ادلۂ مفصلہ چار ہیں: قرآن مجید، حدیث، اجماع اور قیاس۔

تعریف مذکور دو جزوں پر مشتمل ہے، ایک "العلم بالاحکام الشرعية الفرعية" اس جزء کے پیش نظر احکام اعتقادیہ، جیسے توحید باری تعالیٰ، رسالت رسول، قیامت، آخرت اور جنت و دوزخ وغیرہ فقہ کی اصطلاحی تعریف سے خارج ہیں۔جزءدوم "بالادلة التفصيليه" کا مطلب یہ ہے کہ قضایا فرعیہ عملیہ میں سے ہر قضیہ کی تفصیلی دلیل کا علم ہو، مثلاً جب کہا جائے کہ باطل طریقہ سے لوگوں کا مال ہڑپ کرنا حرام ہے تو آیت کریمہ "لا تاكلوا اموالكم بينكم بالباطل" پیش کی جائے گی، اسی طرح جب کہا جائے گا نماز میں قبلہ رو ہونا شرط نماز ہے تو آیت "فول وجهك شطر المسجد الحرام" پیش کی جائے گی۔جب کہا جائے گا نماز میں کپڑوں کا پاک ہونا شرط ہے تو آیت "وثيابك فطهر" پیش کی جائیگی۔اسی طرح کہا جائے کہ خرید وفروخت حلال ہے اور سود حرام ہے تو آیت "احل الله البيع و حرم الربوا" پیش کی جائیگی وغیرہ۔

سراج الامۃ حضرت امام ابوحنیفہ فرماتے ہیں "الفقه معرفة النفس مالها وماعليها"، یعنی فقہ نفس انسانی کا اپنے حقوق اور ذمہ داریوں کی معرفت حاصل کرنا ہے۔صوفیہ کرام کے یہاں فقہ علم وعمل کی جامعیت کا نام ہے، ایک عارف وقت کا قول ہے کہ اھل اللہ کے نزدیک فقیہ وہ ہے جو اپنے مولا کے سوا کسی سے نہ ڈرے اور اس کے سوا کسی کی دھن نہ ہو، نہ اس کے سوا کسی کی طرف متوجہ ہو، نہ اس کے غیر سے طالب خیر ہو، ہاں اس کی تلاش میں پرند کی طرح اڑتا رہے"

حضرت حسن بصری رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ فرماتے ہیں فقیہ وہی شخص ہے جو دنیا سے روگرداں ہو، امورِ اخرویہ میں رغبت کرنے والا اور اپنے ذاتی عیوب کا دانا بینا ہو۔

فقہ کی اس تعریف سے معلوم ہوا کہ حقیقتاً فقیہ ومفتی اس مجتہد کو کہیں گے جو دلائل سے احکام جانتا ہو اور استنباط کر سکتا ہو آج کے دور کے علماء جو حافظ مسائل ہیں وہ حقیقتاً مفتی وفقیہ نہیں ہیں انکو مجازاً مفتی کہا جاتا ہے، وہ

صرف ناقل مسائل ہیں۔ایک خیال یہ بھی ہے کہ اصولیین کے نزدیک مجتہد ہی کو فقیہ کہتے ہیں جبکہ اصطلاح فقہاء میں حافظ مسائل پر فقیہ ومفتی کا اطلاق حقیقی ہے امام احمد رضا علیہ الرحمہ فرماتے ہیں "الفتویٰ حقیقةً وعرفية فالحقيقة هو الافتاء عن معرفة الدليل التفصيلي واولئك الذين يقال لهم اصحاب الفتوىٰ الخ

والعرفية اخبار العالم باقوال الامام جاهلا عنها تقليد اله من دون تلك المعرفة الخ

(فتاوی رضویہ ص ۱۰۹/بحر الرائق اول)

علم فقہ کا موضوع

علم فقہ کا موضوع مکلف انسان کا فعل ہے، جس کے احوال سے اس علم میں بحث کی جاتی ہے، مثلاً اس کا صحیح ہونا یا صحیح نہ ہونا، فرض ہونا یا نہ ہونا، حلال یا حرام ہونا یا نہ ہونا وغیرہ۔ مکلف سے مراد عاقل وبالغ انسان ہے، لہٰذا مجنون اور نابالغ بچہ کے افعال علم فقہ کے موضوع سے خارج ہیں، نابالغ بچوں کو طہارت نماز وغیرہ کا حکم کرنا ان کو عادی بنانے کیلئے ہے تاکہ بعد بلوغ آسانی کے ساتھ ان احکام پر عمل پیرا رہیں نہ کہ وہ اوامر ونواہی کے مخاطب ہیں۔

ماخذ

فقہ کا ماخذ، قرآن مجید، احکامی احادیث، اجماع وقیاس ہے۔اقوال صحابہ کرام حدیث کے ساتھ ملحق ہیں۔

غرض وغایت

سعادت دارین حاصل کرنا، جہالت کی کھائیوں سے نکل کر رضاء الٰہی کے مطابق زندگی گزار کر اور دوسروں کو بھی حقوق اللہ اور حقوق العباد کی تعلیم دیکر مراتب عالیہ حاصل کرنا، نعیم جنت سے مالا مال ہونا کہ اس سعادت کے حصول کے بعد بدبختی ہرگز نہیں ہوسکتی۔

علم فقہ اگرچہ قطعی الثبوت ہے کہ اس کا ماخذ کتاب وسنت ہے۔ لیکن اسکا اکثر حصہ ظنی الدلالۃ ہے، اسی لئے اس میں اجتہاد کی گنجائش ہوئی، اسی وجہ سے کسی مجتہد کے مذہب کے موافق عمل کرنا جائز ہے۔

علمائے متقدمین میں بہت سے لوگ مقام اجتہاد پر فائز تھے اور وہ اپنے علم وفہم کے مطابق نئی صورت حال کے بارے میں کتاب وسنت میں غور خوض کر کے حکم شرع بیان کرتے ہیں، عام لوگ جس مجتہد تک آسانی سے رسائی پاتے اس کے بیان کے مطابق حکم شرع پر عمل کرتے تھے۔

زمانہ کے گزرنے کے ساتھ اجتہادی شان والے علماء پیدا ہونے بند ہوگئے، مجتہدین سابقین کے مذاہب پر عمل بھی متروک ہوتا چلا گیا، یہاں تک کہ آج صرف ائمہ اربعہ ابوحنیفہ، مالک، شافعی اور ابن حنبل علیہم

الرحمہ کے مذاھب ہی باقی ہیں جو تمام دنیا میں پھیلے ہوئے ہیں، ان شاء اللہ تعالیٰ تا قیامت اسی آب وتاب کے ساتھ جاری رہیں گے ہزار سال سے امت کا اس پر اجماع ہے کہ اب اجتہادی شان کے علماء پیدا نہیں ہوتے، لہٰذا حق صرف ان چار مذاھب میں ہے جو ان سے نکلا وہ گمراہ و بد مذہب ہے۔

فضیلت علم فقہ

صحیحین میں نبی کریم ﷺ کا ارشاد گرامی ہے "من یرد اللہ بہ خیراً یفقھہ فی الدین "اللہ تعالیٰ جس بندے کے ساتھ بھلائی کا ارادہ فرماتا ہے اس کو علم دین عطا فرماتا ہے۔

بیہقی اور دار قطنی میں روایت کیا ہے کہ نبی کریم ﷺ نے ارشاد فرمایا "الفقیہ الواحد اشد علی الشیطان من الف عابد" بیشک ایک فقیہ ہزار عابدوں سے زیادہ شیطان پر بھاری ہے، کیونکہ عابد کی عبادت بلا بصیرت ہوتی ہے، اسلئے شیطان کو بہت آسان ہے کہ اس کو گمراہی کے گڈھے میں ڈھکیل دے اور شکوک وشبہات کے جال میں پھنسا دے، نیز عابد کی عبادت اسکی حد تک رہتی ہے دوسرے کو اس کا نفع نہیں پہنچتا جبکہ عالم کتنوں ہی کی تعلیم وتربیت اور ھدایت کا ذریعہ بنتا ہے۔

بخاری میں حضرت عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا "تفقھوا قبل ان تسودوا" سردار بننے سے پہلے علم فقہ سیکھ لو۔

مدون علم فقہ

اسلامی علوم کی ابتداء اگر چہ اسلام کے ساتھ ساتھ ہوئی۔ اور نزول وحی کے زمانہ ہی سے تفسیر، حدیث ،عقائد اور فقہ کی تعلیم شروع ہو چکی تھی ،مگر چونکہ خاص ترتیب وانداز کے ساتھ زمانہ نبوت علی صاحبہا الصلاۃ والسلام اور دور خلافت میں یہ علوم مدون نہ ہوئے تھے اور نہ ان کو فنی حیثیت حاصل تھی۔ اس لئے خیر القرون یعنی پہلی صدی میں وہ کسی کی طرف منسوب نہ ہو سکے۔ جب دوسری صدی میں ترتیب وتدوین کا کام شروع ہوا تو جن حضرات نے جن خاص علوم کی نئے انداز فکر کے ساتھ ترتیب کی وہ ان علوم کے مدون وبانی کہلائے۔

چنانچہ بانی فقہ کا لقب امام ابو حنیفہ رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کو ملا اور وہ حقیقت میں اس لقب کے حقدار ہیں ،امام اعظم کی علمی زندگی کا بڑا کارنامہ فقہ ہی ہے، اس لئے میں چاہتا ہوں کہ مختصر طور پر علم فقہ کی تاریخ پیش کردی جائے جس سے ظاہر ہو کہ یہ علم کب شروع ہوا؟ کیونکر شروع ہوا؟ خاص کر یہ کہ امام اعظم نے جب اس کو پایا تو جب اسکی کیا حالت تھی۔

تدوین فقہ کا تاریخی پس نظر

اس سلسلہ میں شاہ ولی اللہ صاحب نے جو کچھ لکھا ہے اسکا اختصار اس جگہ پیش کیا جاتا ہے۔ رسول اللہ

ﷺ کے زمانہ میں احکام کی قسمیں نہیں پیدا ہوئیں تھیں، حضور ﷺ صحابہ کے سامنے وضو فرماتے اور کچھ نہ بتاتے تھے کہ یہ رکن ہے، یہ واجب ہے، یہ مستحب ہے، صحابہ آپ کو دیکھ کر اسی طرح وضو کرتے تھے۔ نماز کا بھی یہی حال تھا، یعنی صحابہ واجب وغیرہ کی تفصیل نہیں کیا کرتے تھے، جس طرح رسول اللہ ﷺ کو نماز پڑھتے دیکھا خود بھی پڑھ لی۔ حضرت عبد اللہ ابن عباس فرماتے ہیں کہ میں نے کسی قوم کو رسول اللہ ﷺ کے اصحاب سے بہتر نہیں دیکھا، انھوں نے رسول اللہ ﷺ کی تمام زندگی میں تیرہ مسئلوں سے زیادہ نہیں پوچھے، وہ سب کے سب قرآن میں موجود ہیں، البتہ جو واقعات غیر معمولی طور پر پیش آتے تھے ان میں لوگ آنحضرت ﷺ سے استفتاء کرتے اور حضور ﷺ جواب دیتے، اکثر ایسا بھی ہوتا کہ لوگوں کو کوئی کام کرتے ہوئے دیکھا اور آپ نے اس پر تحسین کی یا رضامندی ظاہر کی۔ اس قسم کے واقعات اکثر عام مجمعوں میں ہوتے تھے۔ اور لوگ آپکے اقوال کو محفوظ رکھتے تھے۔

رسول اللہ ﷺ کے دنیا سے پردہ فرما جانے کے بعد فتوحات کو نہایت وسعت ہوئی، اور تمدن کا دائرہ وسیع ہوتا گیا، واقعات اس کثرت سے پیش آئے کہ اجتہاد و استنباط کی ضرورت پڑی، اور اجمالی احکام کی تفصیل پر متوجہ ہونا پڑا۔ مثلاً کسی شخص نے غلطی سے نماز میں کوئی عمل ترک کر دیا، اب بحث یہ پیش آئی کہ نماز ہوئی یا نہیں؟ اس بحث کے پیدا ہونے پر یہ تو ممکن نہ تھا کہ نماز میں جس قدر اعمال تھے سب کو فرض کہہ دیا جاتا، صحابہ کو تفریق کرنی پڑی کہ نماز میں کتنے افعال فرض وواجب ہیں؟ کتنے مسنون اور مستحب؟ اس تفریق کے لئے جو اصول قرار دئے جا سکتے تھے ان پر تمام اصحاب کی رایوں کا متفق ہونا ممکن نہ تھا، اس لئے مسائل میں اختلاف آرا ہوا اور اکثر مسئلوں میں صحابہ کی مختلف رائیں قائم ہوئیں۔ بہت سے ایسے واقعات پیش آئے کہ رسول اللہ ﷺ کے زمانے میں انکا عین واثر بھی پایا گیا۔ صحابہ کو ان صورتوں میں استنباط، تفریع، حمل النظیر علی النظیر اور قیاس سے کام لینا پڑا۔ ان اصول کے طریقے یکساں نہ تھے، اس لئے ضروری اختلاف پیدا ہوئے، غرض صحابہ ہی کے زمانہ میں احکام ومسائل کا ایک دفتر بن گیا، جدا جدا طریقے قائم ہو گئے، صحابہ میں سے جن لوگوں نے اجتہاد و استنباط سے کام لیا وہ مجتہد اور فقیہ کہلائے، ان میں سے چار بزرگ نہایت ہی ممتاز تھے: حضرت عمر، حضرت علی، حضرت عبد اللہ ابن مسعود، حضرت عبد اللہ ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہم۔ حضرت علی وحضرت عبد اللہ ابن مسعود زیادہ تر کوفہ میں رہے، اس لئے ان کے مسائل واحکام کی ترویج زیادہ تر وہیں ہوئی، اس تعلق سے کوفہ فقہ کا دار العلوم بن گیا، جس طرح کہ حضرت عمر وحضرت عبد اللہ ابن عباس کے تعلق سے حرمین شریفین کو دار العلوم کا لقب حاصل ہوا۔

حضرت علی

حضرت علی کرم اللہ وجہہ الکریم نے بچپن ہی سے رسول اللہ ﷺ کی آغوش تربیت میں پرورش پائی تھی، ان کو رسول اللہ ﷺ کے افعال واقوال سے مطلع ہونے کا جس قدر موقع ملا تھا کسی اور کو نہیں ملا، ایک شخص نے ان

سے پوچھا کہ آپ اور صحابہ کی نسبت کثیر الروایت کیوں ہیں؟ فرمایا کہ "میں رسول اللہ ﷺ سے کچھ دریافت کرتا تھا تو بتاتے تھے اور جب چپ رہتا تھا تو خود ابتداء فرماتے تھے" اس کے ساتھ ذہانت، قوت استنباط، ملکۂ استخراج ایسا بڑھا ہوا تھا کہ عموماً صحابہ کرام اعتراف کرتے تھے۔ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا عام قول تھا کہ "خدا نہ کرے کہ کوئی مشکل مسئلہ آن پڑے اور علی موجود نہ ہوں" حضرت عبداللہ ابن عباس خود مجتہد تھے مگر کہا کرتے تھے کہ جب ہم کو علی کا فتویٰ مل جائے تو کسی اور چیز کی ضرورت نہیں"۔

حضرت عبداللہ ابن مسعود

عبداللہ ابن مسعود بھی حدیث وفقہ دونوں میں کامل تھے۔ رسول اللہ ﷺ کے ساتھ جس قدر جلوت وخلوت میں ہمدم وہمراز رہے تھے کم لوگ رہے ہونگے۔ صحیح مسلم میں ابوموسیٰ اشعری سے روایت ہے کہ ہم یمن سے آئے کچھ دنوں تک مدینہ میں رہے، ہم نے عبداللہ بن مسعود کو رسول اللہ ﷺ کے پاس اس کثرت سے آتے جاتے دیکھا کہ ہم ان کو رسول اللہ ﷺ کے اہل بیت سے گمان کرتے رہے، عبداللہ ابن مسعود کا دعویٰ تھا کہ قرآن مجید میں کوئی آیت ایسی نہیں ہے جس کی نسبت یہ نہ جانتا ہوں کہ کس باب میں اتری ہے، وہ کہا کرتے تھے کہ اگر کوئی شخص قرآن مجید کا مجھ سے زیادہ عالم ہوتا تو میں اس کے پاس سفر کر کے جاتا"۔ صحیح مسلم میں ہے کہ انہوں نے ایک مجمع میں دعویٰ کیا کہ تمام صحابہ جانتے ہیں کہ میں قرآن کا سب سے زیادہ عالم ہوں، شقیق اس جلسہ میں موجود تھے وہ کہتے ہیں کہ اس واقعہ کے بعد میں اکثر صحابہ کے حلقوں میں شریک ہوا مگر کسی کو عبداللہ بن مسعود کے دعویٰ کا منکر نہیں پایا۔

حضرت علقمہ

عبداللہ بن مسعود باقاعدہ طور پر حدیث وفقہ کی تعلیم دیتے تھے اور ان کی درسگاہ میں بہت سے تلامذہ کا مجمع رہتا تھا جن میں سے چند اشخاص یعنی اسود، عبیدہ، حارث، علقمہ نہایت نامور ہوئے۔ حضرت علقمہ رسول اللہ ﷺ کی زندگی میں پیدا ہوئے تھے اور حضرات عمر، عثمان، علی، عائشہ، سعد، حذیفہ، خالد بن ولید، خباب اور بہت سے صحابہ سے حدیثیں روایت کیں، خاص کر عبداللہ بن مسعود کی صحبت میں اس التزام سے رہے تھے اور ان کے طور طریقے کے اس قدر قدم بقدم چلتے تھے کہ لوگوں کا قول تھا کہ "جس قدر علقمہ کی معلومات ہیں ہماری معلومات اس سے زیادہ نہیں ہیں"۔ اس سے زیادہ کیا ہوگا کہ صحابہ ان سے مسائل دریافت کرنے آتے تھے، عبداللہ بن مسعود کے شاگردوں میں دوسرے درجہ کا علم اسود کو حاصل تھا۔

حضرت ابراھیم نخعی

علقمہ اور اسود کے انتقال کے بعد ابراھیم نخعی مسند نشیں ہوئے اور فقہ کو بہت کچھ وسعت دی، یہاں تک

کہ ان کو فقیہ عراق کا لقب ملا، علم حدیث میں انکا پایہ اتنا بلند تھا کہ صیر فی الحدیث کہلاتے تھے، امام شعبی نے جو علامۃ التابعین کے لقب سے ممتاز تھے ان کی وفات کے وقت کہا کہ ابراھیم نے کسی کو نہیں چھوڑا جوان سے زیادہ عالم اور فقیہ ہو، اس پر ایک شخص نے تعجب سے پوچھا کہ کیا حسن بصری اور ابن سیرین بھی نہیں ہیں؟ شعبی نے کہا: حسن بصری اور ابن سیرین پر کیا ختم ہے، بصرہ، کوفہ، شام، حجاز میں کوئی شخص ان سے زیادہ عالم نہیں رہا۔

حضرت حماد

ابراھیم نخعی کے عہد میں مسائل فقہ کا ایک مختصر مجموعہ تیار ہو گیا تھا جس کا ماخذ حدیث نبوی اور حضرت علی اور عبداللہ بن مسعود کے فتاوے تھے یہ مجموعہ گو مرتب طور پر قلم بند نہیں کیا گیا لیکن ان کے شاگردوں کو اس کے مسائل زبانی یاد تھے، سب سے زیادہ یہ مجموعہ حضرت حماد کے پاس جمع تھا۔ جو حضرت ابراھیم نخعی کے تلامذہ میں نہایت ممتاز تھے، چنانچہ انکے انتقال کے بعد فقہ کی مسند خلافت بھی انہیں کو ملی، حضرت حماد نے گو فقہ کو چنداں ترقی نہیں دی، لیکن وہ ابراھیم کے مجموعہ فقہ کے بہت بڑے حافظ تھے، انکا انتقال ۱۲۰ھ میں ہوا اور لوگوں نے ان کی جگہ امام ابوحنیفہ کو فقہ کی مسند پر بٹھایا۔

امام اعظم علیہ الرحمۃ کے زمانے تک اگر چہ فقہ کے معتد بہ مسائل مدون ہو چکے تھے، لیکن اولاتو یہ تدوین صرف زبانی روایت تھی، دوسرے جو کچھ تھا فن کی حیثیت سے نہ تھا، نہ استنباط واستدلال کے قواعد قرار پائے تھے، نہ احکام کی تفریع کے اصول وضوابط تھے، نہ حدیث میں امتیاز مراتب تھا، نہ شبہ النظیر علی النظیر کے قاعدے مقرر تھے، مختصر یہ کہ فقہ جزئیات مسائل کا نام تھا اور اسکو قانون کے مرتبہ تک پہونچانے کیلئے بہت سے زینے باقی تھے، تاریخ سے اس بات کا پتا لگانا مشکل ہے کہ امام اعظم کو خاص کس وجہ سے فقہ کی تدوین کا خیال پیدا ہوا۔ بہر حال یہ امر تاریخوں سے ثابت ہے کہ تدوین فقہ کا خیال اپنے استاد حماد کے انتقال پر تقریبا ۱۲۰ھ میں پیدا ہوا، یہ وہ زمانہ ہے کہ اسلام کا تمدن نہایت وسیع ہو چکا تھا، عبادات ومعاملات کے متعلق اس کثرت سے واقعات پیدا ہو گئے تھے اور ہوتے جاتے تھے کہ ایک مرتب مجموعہ قانون کے بغیر کسی طرح کام نہیں چل سکتا تھا۔ نیز سلطنت کی وسعت اور دوسری قوموں کے میل جول سے تعلیم وتعلم نے اس قدر وسعت حاصل کر لی تھی کہ زبانی سند روایت اس کا تحمل نہیں کر سکتی تھی، ایسے وقت میں قدرتی طور پر لوگوں کے دلوں میں یہ خیال آیا ہو گا کہ ان جزئیات کو اصول کے ساتھ ترتیب دیکر ایک فن بنا دیا جائے۔

امام ابوحنیفہ کی طبیعت مجتہدانہ اور غیر معمولی طور پر متفقہانہ واقع ہوئی تھی، اس کے ساتھ تجارت کی وسعت اور ملکی تعلقات نے ان کو معاملات کی ضرورتوں سے خبردار کر دیا تھا، اطراف وبلاد سے ہر روز جو سیکڑوں ضروری استفتا آتے تھے، ان سے ان کو اندازہ ہوتا تھا کہ ملک کو اس فن کی کس قدر حاجت ہے، قضاۃ اور حکام فصل قضایا میں جو غلطیاں کرتے تھے وہ اپنی آنکھوں سے دیکھتے تھے، غرض کہ یہ اسباب ووجوہ تھے جنہوں نے ان

کواس فن کی تدوین وترتیب پر آمادہ کیا۔

امام صاحب نے جس طریقہ سے فقہ کی تدوین کا ارادہ کیا وہ نہایت ہی وسیع اور پر خطر کام تھا، اس لئے انہوں نے اتنے بڑے کام کو اپنی ذاتی رائے اور معلومات پر منحصر نہیں رکھنا چاہا بلکہ اسکے لئے انہوں نے اپنے ایک ہزار شاگردوں میں سے چالیس نامور اشخاص منتخب کئے جن میں سے اکثر خاص خاص فنون میں جو تکمیل فقہ کے لئے ضروری تھے استاذ زمانہ تسلیم کئے جاتے تھے۔ مثلاً ابی ابن زائدہ، حفص بن غیاث، قاضی ابو یوسف، داؤد الطائی، حدیث وآثار میں نہایت ہی کمال رکھتے تھے، امام زفر قوت استنباط میں مشہور تھے، قاسم بن معن اور امام محمد کو ادب اور عربیت میں کمال تھا۔ امام اعظم نے ان لوگوں کی شرکت سے ایک مجلس مرتب کی اور باقاعدہ طور سے فقہ کی تدوین شروع ہوئی، امام طحاوی نے بسند متصل اسد بن فرات سے روایت کی ہے کہ ابو حنیفہ کے تلامذہ جنہوں نے فقہ کی تدوین کی چالیس تھے، امام طحاوی نے یہ بھی روایت کی ہے کہ لکھنے کی خدمت یحییٰ سے متعلق تھی۔ اور وہ تیس برس تک اس خدمت کو انجام دیتے رہے۔ اگر چہ یہ صحیح ہے کہ اس کام میں کم وبیش تیس برس کا زمانہ صرف ہوا۔ یعنی ۱۲۰ھ سے ۱۵۰ھ تک جو امام ابو حنیفہ کی وفات کا سال ہے لیکن یحیی شروع سے اس کام میں شریک نہیں تھے ۱۲۰ھ میں ان کی پیدائش ہوئی، اس لئے وہ شروع سے کیونکر شریک ہو سکتے تھے۔

طریقۂ تدوین

تدوین کا طریقہ یہ تھا کہ کسی خاص باب کا کوئی مسئلہ پیش کیا جاتا تھا، اگر اس کے جواب میں سب لوگ متفق الرائے ہوتے تھے تو اسی وقت وہ قلم بند کرایا جاتا تھا۔ ورنہ نہایت آزادی سے بحثیں شروع ہوتیں، کبھی کبھی بہت دیر تک بحث قائم رہتی، امام صاحب غور اور تحمل کے ساتھ سب کی تقریریں سنتے اور بالآخر ایسا جچا تلا فیصلہ کرتے کہ سب کو تسلیم کرنا پڑتا، کبھی ایسا بھی ہوتا کہ امام صاحب کے فیصلہ کے بعد بھی لوگ اپنی اپنی رایوں پر قائم رہتے، اس وقت وہ سب مختلف اقوال قلم بند کر لئے جاتے۔ اس کا التزام یہ تھا کہ جب تک تمام شرکاء مجلس جمع نہ ہولیں کسی مسئلہ کو طے نہ کیا جائے۔

جواہر مضیئہ کے مصنف نے عافیہ بن یزید کے تذکرہ میں اسحاق سے روایت کی ہے کہ امام ابو حنیفہ کے اصحاب کسی مسئلہ میں بحث کرتے ہوتے اور عافیہ موجود نہ ہوتے تو امام صاحب فرماتے کہ عافیہ کو آلینے دو، جب وہ آلیتے اور اتفاق کر لیتے تب وہ مسئلہ درج کیا جاتا، اس طرح تیس برس کی مدت میں یہ عظیم الشان کام انجام کو پہنچا۔ امام صاحب کی اخیر عمر قید خانہ میں گزری وہاں بھی یہ برابر جاری رہا۔

یہ چالیس حضرات وہ تھے جو باقاعدہ تدوین فقہ کے کام میں ذمہ دارانہ حصہ لیتے تھے، اس کے علاوہ دوسرے محدثین وفقہاء بھی اکثر اوقات حدیثی وفقہی بحثوں کو سنتے اور اس میں اپنے اپنے علم وصوابدید کے موافق کہنے سننے کا برابر حق رکھتے تھے۔

ترتیب مجموعہ

اس مجموعہ کی ترتیب جیسا کہ حافظ ابولمحاسن نے بیان کی ہے یہ تھی:

اول باب الطہارۃ، باب الصلاۃ، باب الصوم، عبادات کے ابواب۔ اس کے بعد معاملات۔ سب سے آخر میں باب المیراث۔

تعداد مسائل

امام اعظم کی اس مجلس علمیہ کا مرتب کردہ یہ مجموعہ بہت ضخیم تھا۔ جیسا کہ شمس الائمہ کردری نے لکھا ہے کہ یہ مسائل چھ لاکھ تھے۔ اور قلائد عقود الجمان کے مصنف نے کتاب الصیانۃ کے حوالہ سے لکھا ہے کہ "امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ نے جس قدر مسائل مدون کئے انکی تعداد بارہ لاکھ نوے ہزار سے کچھ زیادہ ہے۔" یہ خاص تعداد شاید صحیح نہ ہو لیکن اس میں کچھ شبہ نہیں کہ انکی تعداد لاکھوں سے کم نہیں تھی، امام محمد رحمۃ اللہ علیہ کی جو کتابیں آج موجود ہیں ان سے اس کی تصدیق ہوسکتی ہے۔

ترویج مجموعہ وقبول عام

امام اعظم کی زندگی ہی میں اس مجموعہ نے وہ حسن قبول حاصل کیا کہ اس وقت کے حالات کے لحاظ سے مشکل سے قیاس میں آسکتا ہے۔ جس قدر اس کے اجزاء تیار ہوتے جاتے تھے۔ ساتھ ہی ساتھ تمام ملک میں اس کی اشاعت ہوتی جاتی تھی۔ امام اعظم کی درسگاہ ایک قانونی مدرسہ تھا جس کے طلبہ نہایت کثرت سے ملکی عہدوں پر مامور ہوئے اور ان کے آئین حکومت کا یہی مجموعہ تھا۔ تعجب یہ ہے کہ جن لوگوں کو امام اعظم سے ہمسری کا دعویٰ تھا وہ بھی کتاب سے بے نیاز نہ تھے، امام سفیان ثوری نے بڑے لطائف الحیل سے کتاب الرھن کی نقل حاصل کی اور اس کو اکثر پیش نظر رکھتے تھے۔ زائد کا بیان ہے کہ میں نے ایک دن سفیان کے سرہانے ایک کتاب دیکھی جس کا وہ مطالعہ کررہے تھے، ان سے اجازت مانگ کر میں اس کو دیکھنے لگا تو ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کی کتاب الرہن نکلی، میں نے تعجب سے پوچھا کہ "آپ ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کی کتابیں دیکھتے ہیں"

بولے: کاش انکی سب کتابیں میرے پاس ہوتیں۔ (عقود الجمان باب العاشر)

یہ بھی کچھ تعجب کی بات نہیں کہ باوجود یہ کہ بڑے بڑے مدعیان فن موجود تھے اور ان میں بعض امام ابو حنیفہ سے مخالفت بھی رکھتے تھے۔ تاہم کسی کو اس کتاب کی ردوقدح کی جرأت نہیں ہوئی۔

امام رازی مناقب الشافعی میں لکھتے ہیں: ان اصحاب الرای اظھر وامذھبھم و کانت الدنیا مملوۃ من المحدثین ورواۃ الاخبار فلم یقدر احد منھم فی اقاویل اصحاب الرائی۔ یعنی اصحاب الرائے (ابوحنیفہ اور ان کے تلامذہ) نے اپنے مسائل جس زمانے میں ظاہر کئے دنیا محدثین اور راویان اخبار سے بھری ہوئی تھی تاہم کسی کو یہ قدرت نہ ہوئی کہ ان کے اقوال پر اعتراض کرتا۔

وسعت مجموعہ

یہ مجموعہ اس زمانہ کا بہت بڑا مجموعہ قوانین تھا۔ گو زمانہ مابعد میں آپ کے تلامذہ اور دوسرے مجتہدین نے اپنے اصول پر تدوین کے کام کو وسعت دی، اس پر بہت کچھ اضافہ کیا، اور جزئیات کی تفریع کے ساتھ اصول فن کو نہایت ہی ترقی دی، اور دوسری صدی سے لیکر ساتویں صدی تک علم فقہ میں توسیع کا سلسلہ جاری رہا۔ بے شمار کتابیں تصنیف ہوئیں اور تمدن انسانی کے ساتھ ساتھ وسعت کا یہ سلسلہ آج تک جاری ہے اور جاری رہے گا، انشاء اللہ۔ لیکن ایجاد کے زمانے میں جس قدر کسی فن کی حالت ہوسکتی ہے وہ اس سے زیادہ نہیں ہوسکتی جو امام اعظم ابوحنیفہ کے عہد میں فقہ کو حاصل ہو چکی تھی، اس مجموعہ میں عبادات کے علاوہ دیوانی، فوجداری، تعزیرات، لگان، مالگزاری، شہادت، معاہدہ، وراثت، وصیت اور بہت سے قوانین شامل تھے، اس کی وسعت اور خوبی کا اندازہ اس سے ہوسکتا ہے کہ ہارون رشید اعظم کی وسیع سلطنت جو کہ سندھ ایشیائے کوچک تک پھیلی ہوئی تھی انہیں اصول پر قائم تھی، اور اس عہد کے تمام واقعات ومعاملات انہیں قواعد کی بنا پر فیصل ہوتے تھے۔

امام اعظم کا مرتب کردہ مجموعہ معدوم ہوگیا

اگر چہ اس میں کسی طرح شبہ نہیں ہوسکتا کہ امام اعظم ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کی زندگی ہی میں فقہ کے تمام ابواب مرتب ہو گئے تھے، رجال وتاریخ کی کتابوں میں اس کا ثبوت ملتا ہے جس کا انکار گویا تواتر کا انکار ہے لیکن افسوس ہے کہ وہ مجموعہ ایک مدت سے ضائع ہوگیا ہے اور دنیا کے کسی کتب خانہ میں اس کا پتہ نہیں چلتا، امام اعظم کی تصنیفات ناپید ہو چکیں، امام اعظم کی تصنیفات کا ضائع ہو جانا کچھ محل تعجب نہیں، کیونکہ اس عہد کی ہزاروں کتابوں میں سے آج ایک کا بھی وجود نہیں، امام اوزاعی، ابن جریج، ابن عروبہ، حماد ابن ابی معمر، ان کی تالیفات عین اسی زمانہ میں شائع ہوئیں جب ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کا دفتر فقہ مرتب ہو رہا تھا۔ تاہم ان کی کتابوں کا نام بھی کوئی نہیں جانتا، لیکن امام ابوحنیفہ کی تصنیفات کی گمشدگی میں ایک خاص وجہ ہے، امام اعظم کا مجموعۂ فقہ اگر چہ بجائے خود بڑا مرتب اور خوش اسلوب تھا، لیکن قاضی ابو یوسف وامام محمد نے انہیں مسائل کو اسی توضیح وتفصیل سے لکھا اور ہر مسئلہ پر استدلال وبرہان کے ایسے حاشئے اضافہ کئے کہ انہیں کو رواج عام ہوگیا، اور اصل ماخذ سے لوگ بے پرواہ ہو گئے۔ ٹھیک اسی طرح جس طرح کہ متاخرین نحویوں کی تصنیفات کے بعد فراء، کسائی، خلیل، اخفش، ابوعبیدہ کی کتابیں دنیا سے بالکل ناپید ہو گئیں حالانکہ یہ لوگ فن نحو کے بانی اور مدون اول ہیں۔ امام اعظم کے مسائل کا آج جو ذخیرہ دنیا میں موجود ہے وہ امام محمد اور قاضی ابو یوسف کی تصنیفات کے ذریعہ باقی ہے۔

تاریخ تدوین فقہ کو علمائے محققین نے اختصار کے ساتھ استعارہ کی زبان میں یوں بیان فرمایا ہے کہ: حضرت عبد اللہ ابن مسعود نے فقہ کا کھیت بویا، حضرت علقمہ نے اس کی آبپاشی کی۔ حضرت امام نخعی نے اس کھیت کو کاٹا۔ حضرت حماد نے گاہ کرناج صاف کیا حضرت امام ابوحنیفہ نے اس کا آٹا پیسا۔ حضرت امام ابو یوسف نے

آٹا گوندھا اور حضرت امام محمد نے اس کی روٹیاں پکائیں۔ رحمۃ اللہ علیہم اجمعین۔ اب تمام امت ان روٹیوں سے شکم سیر ہو رہی ہے۔

ع　　خدا رحمت کند ایں عاشقان پاک طینت را

دنیائے علم کے عجائبات میں سب سے بڑا عجوبہ فقہ الاسلام ہے

تعلیمات اسلام کی روشنی میں علماء اسلام نے دنیا کو جن علوم سے آشنا کیا ان میں سے علم حدیث، علم اسماء الرجال اور علم فقہ وہ علوم ہیں جن کی کوئی مثال ونظیر نہیں، ان علوم کی تدوین میں محققین اسلام نے جو محنتیں اور کاوشیں کیں، دور و دراز منزل کی جو مشقتیں برداشت کیں، اور جس طرح خدمت دین کو اپنی زندگی کا نصب العین بنایا اور خالصاً لوجہ اللہ دن ورات اسی میں لگے رہے، یہ بھی اپنی نظیر آپ ہے۔ احکام فقہ کی خصوصیت یہ ہے کہ یہ انسانی زندگی کے ہر پہلو کو محیط ہے۔ افعال واعمال انسانی کا کوئی فعل ایسا نہیں ہے جس کے لئے فقہ اسلام میں جواز یا عدم جواز کا حکم نہ بیان کیا گیا ہو، اگر کسی مسئلہ اجنبی سے متعلق صراحۃً حکم نہ ملے تو ایسے اصول وقواعد ضرور ملیں گے جن کے ذریعہ وہ حکم معلوم کیا جا سکتا ہے، فقہ اسلام نے اپنے وسیع مفہوم کے ساتھ عالمی تمدن ومعاشرت پر بھی گہرے نقوش قائم کئے ہیں، اور ایک بہتر وصالح اور فلاحی معاشرہ قائم کیا ہے، اور دنیا کی اس کی طرف راہنمائی کی ہے، بہت سے غیر مسلم محققین بھی اس کا اعتراف کرنے پر مجبور ہیں اور انہوں نے اس کی جامعیت اور ہمہ گیری کا اعتراف بھی کیا ہے، جن غیر مسلم اہل علم اور قانون داں محققین نے فقہ اسلامی کی عظمت، جامعیت اور ہمہ گیری کا اعتراف کیا ہے ان میں سے کچھ کے نام یہ ہیں۔

(۱) فرانسیسی پروفیسر لانبیر

(۲) پروفیسر یسوئی اوکان، یہ پیرس کے کالج میں استاد تھے۔

(۳) ڈاکٹر انتر یکوانسایا

(۴) پروفیسر بیوار کازیللی

(۵) عظیم عیسائی رہنما فارس الخوری۔

(۶) مشہور مستشرق سانتیلانا

(۷) لبنان کے عیسائی عالم سلیم باز

(۸) جرمن کے مشہور قانونداں جوزف کوسلر

(۹) وائنا یونیورسٹی کے لاء کالج کے پرنسپل شیرل

(۱۰) پرفیسر ومبری۔

(۱۱) امریکن ہارورڈ یونیورسٹی میں فلسفہ کے پروفیسر ہوکنگ، اپنی کتاب میں ایک مقام پر لکھتے ہیں

:میں اپنے آپ کو حق وصداقت پر محسوس کرتا ہوں، جب یہ اندازہ لگاتا ہوں کہ اسلامی شریعت میں وہ تمام اصول ومبادیات موجود ہیں جو ترقی کے لیے ضروری ہیں'' یہ کتاب عربی میں ترجمہ ہوکر روح السیاسۃ العالیہ کے نام سے شائع ہوئی۔

(فقہ الاسلامی مصنفہ حسن احمد الخطیب باب ہفتم فصل ہفتم)

کیا اسلامی فقہ رومی قوانین سے متاثر یا ماخوذ ہے

بعض مستشرقین نے اسلام دشمنی کے اندھے تعصب کا شکار ہوکر یہ الزام تراشا کہ اسلامی فقہ رومی قانون سے ماخوذ ہے'' اس قسم کے خیالات کا اظہار گولڈزیہر، سانتلانا، شیوان اور ایموس کی تحریروں میں کیا گیا ، بعد میں دیگر غیر مسلم عیسائی مصنفوں نے بھی اس کو ہوا دی اور اس دعویٰ کو دوراز کار بے سروپا دلائل سے ثابت کرنے کی کوشش کی گئی، انھوں نے اس سے یہ تو فائدہ حاصل کیا کہ عیسائی رائے عامہ کو گمراہ کیا لیکن کاغذ کی ناؤ دیر تک باقی نہیں رہ سکتی اور دیر تک چل نہیں سکتی، بہت جلد اس دعویٰ کی قلعی کھل گئی اور حقیقت صادقہ صاف سامنے آگئی۔

(ا) ''رومی قوانین'' بقول پروفیسر گین اپنے دور اول میں صرف بارہ تختیوں کی تدوین پر مشتمل تھے پھر یہ وقتاً فوقتاً شہنشاہوں کی خواہشات کے مطابق مختلف ادوار میں تبدیل ہوتے رہے، ارتقاء رومی قانون کے مؤرخین نہایت صراحت کے ساتھ بیان کرتے ہیں کہ رومی شہنشاہ جستنیاں کے دور میں اس پر زوال آیا اور اس شہنشاہ کی وفات ۵۶۵ء کے بعد تو یہ بدترین اضمحلال کا شکار ہوا اور پھر اس کا چراغ ہی بجھ گیا۔اس کے بعد یہ رومی قانون کلیساؤں میں محدود ہوکر رہ گیا، خود اہل یورپ بھی اس سے آشنا نہ رہے، تقریباً ساڑھے چار سو سال کے بعد پھر اس کی نشاۃ ثانیہ ہوئی۔ (کتاب مبادی قانون روما)

یعنی قانون روما چھٹی صدی عیسوی کے نصف آخر سے لے کر گیارہویں صدی کے ربع اول تک گوشہ گمنامی میں رہا، جبکہ فقہ اسلامی کی ابتداء ساتویں صدی عیسوی کی دوسری دہائی سے ہوئی اور دسویں صدی عیسوی تک اپنے عروج کو پہنچ کر مکمل ہوگئی اس سے صاف ظاہر ہوگیا کہ جو زمانہ رومی قانون کے اضمحلال اور گوشہ گمنامی میں رہنے کا ہے، عین وہی زمانہ فقہ اسلامی کی ابتداء نشوونما اور عروج وکمال تک پہنچنے کا ہے۔لہٰذا فقہائے اسلام کا رومی قانون سے واقف ہونے اور استفادہ کرنے کا کوئی سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔اس کے برعکس ایسے تاریخی شواھد موجود ہیں کہ رومی قانون کے علماء نے اس کی نشاۃ ثانیہ کے دور میں فقہ اسلامی سے استفادہ کیا، اور اسکی چھاپ رومی قانون میں صاف دکھائی دیتی ہے۔

جرمن مؤرخ موسیم اپنی کتاب 'تاریخ کلیسا' میں لکھتا ہے'' کہ پاپائے روم ہربرٹ فرانسیسی اپنی تعلیم میں اندلس کے عربوں کی کتابوں اور ان کے مدارس کا مرہون منت ہے، وہ ۱۰۳۵ء میں حاصل کرنے کے لیے

ہسپانیہ گیا، اور وہاں قرطبہ اور اشبیلیہ میں عرب علماء کا شاگرد رہا۔ تفصیلات بیان کرتے ہوئے وہ آگے لکھتا ہے لہٰذا انھوں نے یعنی پوپ ہربرٹ اور اس کے ساتھ اندلس عرب علماء سے علم حاصل کرنیوالے عیسائیوں نے اسوقت جو دیوانی یا فوجداری قوانین فقہ اسلامی سے اخذ کئے یہ وہی قوانین تھے جنھیں انھوں نے جدید رومی قانون سے موسوم کیا تھا۔ (فقہ اسلام بحوالہ تاریخ کلیساء)

(۲) ہدایہ کی شرح ''النہایہ'' کے حواشی میں ابوالولید عبداللہ نے جو بیان کیا ہے اس سے بھی اس کی تائید ہوتی ہے اور یہی ثابت ہوتا ہے کہ رومی قوانین فقہ اسلامی سے مستفاد نہیں۔ ابوالولید اس حاشیہ میں بیان کرتے ہیں کہ یورپ کے طلباء جو اندلس کے شہر غرناطہ میں تحصیل علم کے لئے آتے تھے فقہ اسلامی کو اپنی زبان میں منتقل کرنے کے لئے بہت سرگرمی کا اظہار کرتے تھے، کیونکہ چوتھی و پانچویں صدی ہجری میں ان کے ملکی قوانین بہت خراب تھے، اس لئے وہ چاہتے تھے کہ اسلامی قوانین ان کے ممالک میں رائج ہوں۔ اس مقصد کے لئے انھوں نے فقہ اسلامی کو اپنے طور پر مرتب کرلیا تھا اور اپنے ملک کے حالات کے مطابق اس میں تبدیلی کرلی تھی۔

(فقہ الاسلام صفحہ ۵۲۸)

(۳) ملل وادیان کا تقابلی مطالعہ کرنے والے علماء مذاہب عالم، مؤرخین اور اہل دانش خوب جانتے ہیں کہ قانون روما کوئی مکمل قانون نہیں ہے، دور اول میں وہ صرف بارہ تختیوں پر تحریر تھا، گیارھویں صدی کی چوتھی دہائی کے بعد اس کی نشاۃ ثانیہ میں اسلامی اثرات سے اس میں توسیع کی گئی، رفتہ رفتہ اس کی ضخامت میں اضافہ ہوا پھر بھی وہ جملہ حقوق انسانی اور اس کی قانونی ضرورتوں کا کفیل نہ ہوسکا، نہ آج تک اس میں اتنی وسعت پیدا ہوسکی کہ وہ انسانی معاشرہ کی جملہ انواع واقسام اور عدل وانصاف کے جملہ تقاضوں کو پورا کرسکے، اور انفرادی واجتماعی حقوق انسانی کا تحفظ کرسکے، وہ ایک محدود دائرے میں محدود ہے جس میں انسانی زندگی وسیع تر ضرورتیں پوری نہیں ہوسکتیں، اس کے مقابلے میں فقہ اسلامی ایک بحر ناپیدا کنار ہے جس میں انسانی زندگی کے جملہ امور ومعاملات خواہ انفرادی ہوں یا اجتماعی، حیات سے متعلق ہوں یا موت سے، صحت وتندرستی سے متعلق ہوں یا امراض واسقام اور ادویات ومعالجات سے، حکومت ومملکت سے متعلق ہوں یا رعایا اور محکوموں سے، جنگوں سے متعلق ہوں یا صلح وامن سے، مفاد عامہ سے ان کا تعلق ہو یا شخصی وذاتی سے، طہارت جسم، طہارت نفس اور طہارت فکر وخیال سے۔ غرض ہر شئی کے فقہ اسلامی میں احکام بیان کئے گئے ہیں اور کسی بھی چیز کو چھوڑا نہیں گیا، یہ خصوصیت وامتیاز قوانین روما کو کہاں سے حاصل ہے۔ یہ امر بھی قابل توجہ ہے کہ قرآن وحدیث کی ایک اپنی زبان ہے، اپنا مخصوص انداز بیان ہے، اپنی اصطلاح ہے جو کسی دوسرے سے نہ مستعار ہے نہ مستفاد، رومی قوم قانون اور قوانین کا لفظ استعمال کرتی ہے جبکہ قرآن وحدیث اس لفظ کو استعمال نہیں کرتے، قرآن کریم اور احادیث شریفہ میں کہیں یہ الفاظ استعمال نہیں کئے گئے، بلکہ اس کے بجائے وہ اپنی اصطلاح بیان کرتا ہے، اور وہ

احکام امر ونہی، حرام وحلال، اثم ومعصیت اور حدود وشعائر وشرائع وغیرہا۔ فقہ اسلامی نے بھی قرآن واحادیث کی ان ہی اصطلاح کو استعمال کیا ہے، یہ سب کچھ اس امر کا بین ثبوت ہے کہ فقہ اسلامی قوانین روما سے قطعاً مستفاد نہیں، یہ مستشرقین کا خود ساختہ خیال ہے اور اس خیال کے پردے میں وہ اپنی چوری اور کمزوری کی پردہ پوشی کرنا چاہتے ہیں۔

مذاہب اربعہ کی چند مشہور اور معتمد کتابیں

مولفات فقہ مالکی

(۱) الاستیعاب — از شیخ ابو عمر احمد بن عبد الملک اشبیلی دس جلدیں (م ۴۰۱ھ)

(۲) کافی از شیخ خالد بن عبد البر قرطبی پندرہ جلدیں (م ۴۶۳ھ)

(۳) الجواہر الثمینہ از شیخ ابو محمد عبد اللہ (م ۶۱۶ھ)

(۴) جامع الامہات — از شیخ ابو عمرو عثمان بن حاجب (م ۶۴۶ھ)

(۵) مبسوط — از شیخ محمد بن محمد معروف با بن عروبہ (م ۸۰۳ھ)

(۶) ذخیرہ — از شیخ شہاب الدین ابو عباس

(۷) شامل — از شیخ بہرام بن عبد اللہ دمیری (م ۸۰۵ھ)

(۸) مدونۃ — از شیخ ابو عبد اللہ عبد الرحمٰن بن قاسم،

وهی من اجل الكتب فی مذهب مالك ـ

مؤلفات فقہ حنبلی

(۱) جامع صغیر — از قاضی ابو یعلی محمد بن حسین بن محمد بغدادی (م ۴۵۸ھ)

(۲) جامع کبیر — 〃 〃 〃 〃 〃

(۳) عمدۃ الحاضر وکفایت المسافر — از ابو الحسن علی معروف بآمدی چار جلدیں (م ۴۶۷ھ)

(۴) البلغہ — از ابو الفرج عبد الرحمٰن بن علی بن الجوزی (م ۵۹۷ھ)

(۵) مذہب فی المذہب — از ابن الجوزی

(۶) خلاصہ — از قاضی وجیہ الدین اسعد بن المنجا دمشقی (م ۶۰۶ھ)

(۷) کافی — از شیخ موفق الدین عبد اللہ بن احمد مقدسی (م ۶۲۰ھ)

(۸) الاحکام — از شیخ ضیاء الدین محمد بن عبد القوی طوفی (م ۷۱۰ھ)

(۹) نافع من عجائب الدہر

(۱۰) فروع — از شمس الدین ابو عبد اللہ محمد بن مفلح (م ۷۶۳ھ)

مؤلفات فقہ شافعی

(۱) الکتاب الکبیر از امام محمد بن ادریس الشافعی ۱۵ جلدیں (م۲۰۴ھ)

(۲) مبسوط از ابو عاصم محمد بن احمد عبادی (م۲۴۴ھ)

(۳) المختصر از شیخ اسمٰعیل بن یحیٰ مزنی (م۲۶۴ھ)

(۴) فروع از شیخ ابو بکر محمد بن احمد معروف با بن الحدادی مصری، (م۳۴۵ھ)

انتہائی عجیب وغریب کتاب ہے۔

(۵) محاسن الشریعۃ از ابو بکر محمد بن علی معروف بالقتال (م۳۶۵ھ)

(۶) ذخیرہ از قاضی ابو علی حسن بن عبد اللہ البند نیجی بغدادی (م۴۲۵ھ)

(۷) ایحادی الکبیر از قاضی ابوالحسن علی بن محمد بن ماوردلی بصری (م۴۵۰ھ)

عظیم ترین کتاب ہے۔۳۰ جلدوں میں بتائی جاتی ہے فقہ شافعی میں اس جیسی اور کوئی تالیف نہیں۔

(۸) التنبیہ از شیخ ابو اسحٰق ابراہیم بن شیرازی (م۴۷۶ھ)

یہ کتاب شوافع کے یہاں بکثرت متداول کتب خمسہ مشہورہ میں سے ایک ہے۔

(۹) الابانۃ از شیخ ابوالقاسم عبدالرحمان بن محمد فورانی مروزی (م۴۶۱ھ)

شوافع کے یہاں مشہور ومعروف کتاب ہے۔

(۱۰) شامل از ابو نصر عبدالمسید بن محمد معروف با بن الصباغ (م۴۷۷ھ)

بقول ابن خلکان کتب شوافع میں اصح اور عمدہ ترین کتاب ہے۔

(۱۱) وجیز از حجۃ الاسلام ابو حامد محمد بن غزالی (م ۵۰۵ھ)

مذھب شافعی کی جلیل الشان اور عمدہ کتاب ہے۔

(۱۲) الفوائد الکبری از شیخ عز الدین بن عبدالعزیز بن عبدالسلام شامی (م۶۶۰ھ)

کہا گیا ہے کہ اس جیسی کسی کی کتاب نہیں۔

(۱۳) جمع الجوامع از سراج الدین عمر بن الملقن ایک سو جلدیں (م۸۰۴ھ)

مؤلفات فقہ حنفی

(۱) مبسوط از امام محمد بن حسن شیبانی (م۱۸۷ھ)

اس میں آپ نے امام ابو یوسف کے جمع کردہ مسائل کو خوب وضاحت کے ساتھ یکجا کیا ہے یہ کتاب "اصل" کے نام سے بھی یاد کی جاتی ہے۔

(۲) جامع صغیر: اس میں آپنے امام ابو یوسف کی روایت سے امام اعظم کے تمام اقوال قلم بند کئے

ہیں جن کی تعداد بقول علامہ بزدوی (۱۵۳۲) ہے جن میں سے (۱۷۰) مسائل میں اختلاف رائے بھی کیا ہے، اور بڑا کمال یہ ہے کہ پوری کتاب میں بجز دو مسئلوں کے اور کہیں قیاس واستحسان کو ذکر نہیں کیا۔

(۳) جامع کبیر: اس میں امام صاحب کے اقوال کے ساتھ امام زفر کے اقوال درج کئے ہیں۔ اس میں ہر مسئلہ کی دلیل بھی لکھتے ہیں۔ یہ کتاب متون وروایات پر مشتمل اور جامع سے کہیں زیادہ دشوار ہے۔

(۴) زیادات: جامع کبیر کی تصنیف کے بعد جو فروع یاد آتے رہے وہ اس کتاب میں درج کئے ہیں اس لئے اس کو زیادات کہتے ہیں۔

(۵) الجامع: از اسماعیل بن حماد بن ابی حنیفہ (م ۲۱۲ھ)

اس کے مسائل بشر بن کی روایت سے ہیں۔

(۶) البیان: از ابو اسحٰق اسماعیل بن سعید طبری حنفی (م ۲۳۰ھ)

(۷) تجرید: از محمد بن شجاع ثلجی حنفی (م ۲۲۶ھ)

(۸) کافی: از حاکم شہید محمد بن محمد (م ۳۳۴ھ)

امام محمد رحمتہ اللہ کی مبسوط، جامع صغیر اور کبیر کے مسائل کو جمع کیا ہے۔ نقل مذہب کے سلسلہ میں یہ کتاب نہایت معتمد ہے۔

(۹) مختصر۔ از ابوالحسن عبیداللہ بن حسین بن دلال بن دلہم الکرخی (م ۳۴۰ھ)

(۱۰) جامع کبیر۔ از ابوالحسن کرخی مذکور

(۱۱) حصر المسائل۔ از ابواللیث نصر بن محمد بن محمد سمرقندی (م ۳۷۳ھ)

(۱۲) عیون المسائل۔ از ابواللیث مذکور

(۱۳) مبسوط۔ از ابواللیث مذکور

(۱۴) الاجناس۔ از شیخ ابوالعباس بن محمد بن محمد عمر الناطفی (م ۴۴۶ھ)

(۱۵) الاحکام۔ از شیخ ابوالعباس مذکور

اس میں مسائل کو اٹھائیس بابوں میں ترتیب کے ساتھ جمع کیا ہے۔

(۱۶) روضہ۔ از شیخ ابوالعباس مذکور،

اسمیں فروع غریبہ کو جمع کیا ہے صغیر الحجم ہونے کے باوجود کثیر الفوائد ہے۔

(۱۷) خزانۃ الواقعات:۔ از شیخ ابوالعباس مذکور۔

(۱۸) مبسوط۔ از شیخ الاسلام محمد بن حسین بخاری معروف بخواہر زادہ یہ پندرہ جلدوں میں ہے۔ (م ۴۸۳ھ)

(۱۹) مبسوط۔ از شمس الائمہ محمد بن احمد ابی سہل سرخسی (م ۴۸۳ھ)

پندرہ جلدیں

(۲۰) الحاوی۔ از شیخ محمد بن ابراہیم بن انوس العصیری تلمیذ شمس الائمہ سرخسی (م ۵۰۰ھ)

یہ کتاب کتب حنفیہ میں اصل الاصول ہے۔ اس میں مشائخ کے بہت سے فتاویٰ مذکور ہیں۔ نہایت قابل اعتماد کتاب ہے۔

(۲۱) خزانۃ الواقعات۔ از شیخ طاہر بن احمد عب الرشید بخاری (م ۵۴۲ھ)

(۲۲) تحفۃ الفقہاء۔ از شیخ علاء الدین ابوبکر محمد بن احمد ابی احمد سمرقندی

(۲۳) بدائع الصنائع فی ترتیب الشرائع۔ از شیخ ابوبکر بن مسعود کاشانی تلمیذ شیخ علاء الدین م ۵۸۷ھ)

تحفۃ الفقہاء کی نہایت ہی عجیب وغریب شرح ہے اور ترتیب وتہذیب میں لاجواب کتاب ہے۔

(۲۴) زبدۃ الاحکام فی اختلاف مذاہب الائمۃ الاربعۃ الاعلام۔ از شیخ سراج الدین ابوحفص عمر بن اسحاق ہندی غزنوی (م ۷۷۳ھ)

اختلاف مذاہب پر بہت عمدہ کتاب ہے۔

(۲۵) درر البحار۔ از شیخ شمس الدین ابوعبداللہ محمد بن یوسف بن الیاس قونوی دمشقی (م ۷۰۸ھ)

مشہور متن ہے، سنہ تالیف ۷۴۹ ہے اور مدت تالیف صرف ڈیڑھ ماہ۔

نقشہ سنہ پیدائش وانتقال ائمہ اربعہ مع ذکر عمر ومزار

نمبر شمار۔	نام	پیدائش۔	وفات۔	مزار۔
۱	امام اعظم ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ	سنہ ۸۰ھ	سنہ ۱۵۰ھ	دار الاسلام بغداد
۲	امام مالک رحمۃ اللہ علیہ	سنہ ۹۰ھ	سنہ ۱۷۹ھ 89	دار الہجرۃ مدینہ منورہ
۳	امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ	سنہ ۱۵۰ھ	سنہ ۲۰۴ھ	مصر
۴	امام احمد رحمۃ اللہ علیہ	سنہ ۱۶۴ھ	سنہ ۲۴۱ھ	بغداد

طبقات مسائل

علمائے احناف کے نزدیک فقہ حنفی کے مسائل قوت وصحت میں چار قسم کے ہیں:

(۱) مسائل الاصول: ان کو ظاہر الروایہ بھی کہتے ہیں ہے یہ وہ مسائل ہیں جو اصحاب مذہب یعنی امام اعظم اور ان کے تلامذہ سے مروی ہیں ظاہر الروایہ کا مشہور تر اور اغلب اطلاق حضرت امام محمد رحمہ اللہ تعالیٰ علیہ کی ان چھ کتابوں پر ہوتا ہے۔

(۱) مبسوط (۲) جامع صغیر
(۳) جامع کبیر (۴) زیادات
(۵) سیر صغیر (۶) سیر کبیر

ان کو ظاہر الروایہ اس لئے کہا جاتا ہے کیونکہ یہ کتابیں حضرت امام محمد رحمۃ اللہ تعالی علیہ سے ثقہ راویوں نے روایت کی ہیں اس لئے یہ آپ سے بہ تواتر ثابت یا مشہور ہیں۔

(۲) مسائل نوادر: یہ وہ مسائل ہیں جن کے راوی تو مذکورہ بالا اصحاب ہی ہیں لیکن یہ مسائل مذکورہ بالا چھ کتابوں میں نہیں ہیں جن کو ظاہر الروایہ کے نام سے موسوم کیا گیا ہے، بلکہ یہ مسائل یا تو امام محمد علیہ الرحمہ کی دوسری کتابوں میں مذکور ہیں، جیسے ہارونیات، جرجانیات، اور رقیات۔ ان کتابوں کو غیر ظاہر الروایہ کہنے کی وجہ یہ ہے کہ یہ کتابیں امام محمد علیہ الرحمہ سے ایسی روایات صحیحہ ثابتہ اور ظاہرہ سے مروی نہیں ہیں جیسی کہ پہلی چھ کتابیں ہیں، یا پھر وہ مسائل ان کتابوں کے علاوہ دوسری کتابوں میں مذکور ہیں، جیسے حسن بن زیاد کی ''المحرر'' وغیرہا، اور کتب الامالی جو حضرت امام ابو یوسف علیہ الرحمہ نے املا کرائی تھیں۔

(۳) الفتاوی: طبقات مسائل کی یہ تیسری قسم ہے۔ یہ وہ مسائل ہیں جن کو بعد کے مجتہدین نے مرتب ومؤلف فرمایا جو امام ابو یوسف اور امام محمد کے تلامذہ یا ان کے تلامذہ کے تلامذہ ہیں ان کی بہت بڑی تعداد ہے صاحبین (امام ابو یوسف اور امام محمد) کے تلامذہ میں عصام بن یوسف، ابن رستم، محمد بن سماعہ، ابوسلیمان جرجانی، ابو حفص البخاری وغیرھم ہیں اور انکے بعد کا گروہ محمد بن سلمہ، محمد بن مقاتل، نصیر بن یحی ابونصر القاسم بن سلام وغیرھم پر مشتمل ہے۔ کبھی ایسا ہوا ہے کہ ان حضرات نے اپنے قوی دلائل واسباب کی بنا پر اصحاب مذہب کے خلاف کسی مسئلہ کو ثابت کیا ہے ان کے فتاوی میں سب سے پہلے جو کتاب منظر عام پر آئی وہ کتاب النوازل ہے جو فقیہ ابواللیث سمرقندی کی ہے، ان کے بعد دیگر فقہاء نے بہت سے مجموعے مرتب فرمائے، جیسے مجموع النوازل، وواقعات الناطقی اور واقعات صدر الشہید وغیرھا۔ فتاویٰ کو الواقعات بھی کہتے ہیں۔

(۴) مخلوط فتاویٰ: پھر بعد کے فقہاء نے ان تینوں قسم کے مسائل کو مخلوط طور پر بیان فرمایا، اور بعض فقہاء نے ان کے درمیان ترتب وغیرہ کو بھی مخلوط رکھا ہے: جیسے رضی الدین کی کتاب المحیط۔ انہوں نے اس میں اولاً مسائل الاصول بیان فرمائے پھر نوادر پھر فتاویٰ کو ذکر کیا۔ اکثر فقہاء نے مخلوط غیر ممیز طور پر مسائل بیان فرمائے جیسے فتاویٰ قاضی خان، الخلاصہ، عالمگیری، درمختار، شامی، فتاوی رضویہ، بہار شریعت، قانون شریعت اور نظام شریعت از صدر العلماء وغیرہ وغیرہ۔

ترجیح بوقت اختلاف

تلامذہ امام اعظم علیہ الرحمہ امام ابو یوسف وامام محمد وغیرہما خود منصب اجتہاد پر فائز تھے مگر ہمیشہ امام

اعظم کے اصول کی پیروی کرتے رہے اور انہی کے اصول پر بطور خود تفریع مسائل کرتے تھے، اس لئے بہت سے مسائل میں اختلاف بھی کیا ہے۔

(۱) بوقت اختلاف کس کے قول پر عمل کیا جائے؟ اس سلسلے میں فیصلہ یہ ہے کہ علمائے احناف روایات ظاہرہ کے جن مسائل میں متفق ہیں فتوی یقیناً انہیں پر ہوگا، اگر روایات ظاہرہ میں اتفاق نہیں ہے تو اصح یہ ہے کہ فتوی امام اعظم کے قول پر ہوگا۔ لیکن امام اعظم سے اس مسئلہ میں کوئی روایت نہ ملے تو پھر فتوی امام ابو یوسف کے قول پر دیا جائے گا۔ اگر ان سے بھی کوئی قول نہ ملے تو فتوی امام محمد کے قول پر دیا جائے گا۔ امام محمد کے بعد پھر امام زفر کے قول پر فتوی دیا جائے گا۔ اور پھر امام حسن بن زیاد کے قول پر (درمختار)۔

''الحاوی القدسی'' میں اس امر کی تصحیح فرمائی ہے کہ اگر ان میں سے کسی کے قول کی تائید میں قوۃ مدرکہ یعنی قوی دلیل موجود ہو تو ایسی صورت میں وہ قول اختیار کیا جائے ورنہ یہی ترتیب قائم رکھی جائے۔ اسی وجہ سے علمائے احناف کبھی کبھی حضرت امام اعظم کے قول پر ان کے اصحاب کے قول کو ترجیح دیتے ہیں جب کہ اس کی تائید میں قوی دلیل موجود ہوتی ہے۔ جیسا کہ مسائل ذوالارحام میں فتوی قول امام محمد پر ہے اور مسائل قضاء میں اور بقول بعض مسائل شہادت میں بھی فتوی امام ابو یوسف کے قول پر ہوگا، اور صرف سترہ مسائل میں فتوی قول امام زفر پر ہے، جو مقام خود مصرح ہیں۔

(۲) جب کسی مسئلہ میں امام اعظم یا ان کے اصحاب سے کوئی روایت نہ ملے تو دیکھئے متاخرین کا اس میں کیا قول ہے؟ اگر متاخرین ایک ہی قول پر متفق ہیں تو اس قول کو اختیار کرے اور اگر متاخرین میں اختلاف ہے تو جس قول پر اکثر مشہور اکابرین جیسے امام ابو حفص، امام ابو جعفر، ابو اللیث اور امام طحاوی وغیرہ نے اعتماد کیا ہو اس کو اختیار کرے اگر مسئلہ ایسا ہے جس پر نہ کوئی نص ملتی ہو نہ قول مجتہد نہ اقوال متاخرین تو پھر مفتی وقت خود ہی اس پر علم شریعت کی روشنی میں غور فکر کرے اور تدبر سے کام لے حتی الوسع کوشش کرے کہ اس کا حکم نکل آئے تا کہ اپنی ذمہ داری سے سبکدوش ہو، لیکن جزاف یعنی اٹکل اور بے تکی باتوں سے کام نہ لے، اللہ سے ڈرتا رہے، گہری غورو فکر کرے کیونکہ عظیم ذمہ داری ہے اس میں جسارت وہی کرسکتا ہے جو نرا جاہل اور بد بخت ہے۔

(ردالمحتار جلد ا ص ۴۸)

(۳) مجموعہ رسائل ابن عابدین ص ۱۳۱ میں مرقوم ہے کہ مفتی کیلئے یہ مناسب نہیں کہ وہ صرف انہیں امور کو سامنے رکھے جو کتب ظاہر الروایہ میں منقول ہیں اور زمانہ واہل زمانہ کے حالات کو نگاہ میں نہ رکھے۔ اگر وہ ایسا کریگا تو اس سے بہت سے حقوق ضائع ہو جائیں گے اور اس کا نقصان نفع سے کہیں زیادہ ہوگا۔

اس دور میں جب کہ علم کا زوال اور علما کمیاب ہیں، بے علم لوگ قرآن وحدیث کا اردو ترجمہ پڑھ کر اصول وقواعد کا علم حاصل کئے بغیر، بلکہ کچھ لوگ محض اپنی عقل کی بنیاد پر بڑی بے باکی سے حکم شرع بیان کرنے

لگتے ہیں اور اللہ واحد قہار کا خوف ان کے دل میں نہیں آتا، اپنا دین اور عاقبت برباد کرتے ہیں اللہ اس بلا سے اپنی امان میں رکھے۔ آمین۔

فہرست کتب غیر معتبرہ:

یہاں کتب غیر معتبرہ کی ایک فہرست پیش کی جاتی ہے جن سے فتوی دینا منع کیا گیا ہے۔ اور ہر غیر معتبر کتاب کے مقابل اسی سطر میں اس کے مصنف کا نام بھی لکھدیا ہے اور مانعین علماء کا نام بھی درج کردیا گیا تاکہ فتوی نویس لوگ تامل کے بعد فتوی نقل کریں اور دھوکا نہ کھائیں۔ وما علینا الا البلاغ۔

نمبر شمار	نام کتاب	نام مصنف کتاب	نام مانعین
۱	قنیہ	ابوالرجا نجم الدین مختار بن محمود زاہدی معتزلی	ابن وہبان برکلی شامی طحطاوی
۲	حاوی	ایضاً	ابن عابدین شامی
۳	جامع الرموز	شمس الدین محمد خراسانی قہستانی	مولانا عصام الدین
۴	السراج الوہاج	ابوبکر بن علی بن محمد حدادی	مولانا برکلی
۵	مشتمل الاحکام	فخر الدین رومی	ایضاً
۶	کنز العباد	علی بن احمد غوری	جمال الدین ملا علی قاری
۷۔	مطالب المومنین	بدر الدین بن تاج بن عبد الرحیم لاھوری	ابن عابدین شامی
۸۔	خزانۃ الروایات	قاضی جکن حنفی ساکن قصبہ کن ضلع گجرات	ایضاً
۹	شرعۃ الاسلام	رکن الاسلام امام زادہ محمد بن ابوبکر چوغی	ابن عابدین شامی
۱۰	الفتاوے الصوفیہ	فضل اللہ محمد بن ایوب	مولانا برکلی ابن کمال پاشا
۱۱	فتاوی طوری	-------	ابن عابدین شامی
۱۲	فتاوے	قاضی شہاب الدین ملک العلماء	مولانا عبدالقادر بدایونی
	ابراہیم شاہی	نظام الدین گیلانی	-------
۱۳	خلاصۃ الکیدانی	لطف اللہ نسفی	مولانا عبدالحی لکھنوی
۱۴	فتاوے ابن نجیم	زین العابدین مصری	ابن عابدین شامی
۱۵	شرح کنز	ملا مسکین	ایضاً
۱۶	شرح مختصر الوقایہ	ابوالمکارم	ایضاً

طبقات فقہاء

ایک مفتی کے لئے جس طرح طبقات المسائل اور معتبر و مستند کتب فقہیہ اور فتاوی کا علم ہونا ضروری ہے

اسی طرح اس کے علم میں یہ بات بھی ہونی چاہیئے کہ طبقات الفقہاء کتنے ہیں اور کس فقیہ کا درجہ کیا ہے، تا کہ اسے یہ معلوم ہو سکے کہ کس فقیہ کا قول معتبر اور قابل استناد ہے اور کون درجہ اعتبار میں نہیں، اس لئے ہم طبقات الفقہاء کا بیان کرنا بھی ضروری خیال کرتے ہیں، علمائے ماہرین فقہ شریعت نے فقہاء کے سات طبقات بیان فرمائے ہیں۔

(۱) طبقۃ المجتہدین فی الشرع: جیسے ائمہ اربعہ (امام اعظم ابوحنیفہ، امام مالک، امام شافعی، امام احمد بن حنبل رضی اللہ تعالیٰ عنہم) یہ وہ لوگ ہیں جنہوں نے خود ہی قواعد واصول مقرر کئے اور ان کے ذریعہ ادلۂ اربعہ (قرآن پاک، احادیث، قیاس، اور اجماع) سے احکام فرعیہ کا استنباط کیا، اصول وفروع میں یہ کسی اور کی تقلید نہیں کرتے ہیں۔

(۲) طبقۃ المجتہدین فی المذہب: جیسے امام ابو یوسف، امام محمد اور جملہ تلامذۂ امام ابوحنیفہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم، یہ حضرات اس امر کی قدرت رکھتے تھے کہ ادلۂ اربعہ سے اپنے استاد حضرت امام ابوحنیفہ کے متخرجہ قواعد واصول کے مطابق احکام شریعہ کا استخراج کرسکیں۔

(۳) طبقات المجتہدین فی المسائل: یہ وہ حضرات ہیں جو ایسے مسائل کا استنباط جن کے بارے میں کوئی روایت صاحب المذہب سے نہیں ملتی اپنے ائمہ کرام کے مقرر کردہ قواعد واصول کے مطابق کرتے ہیں جیسے۔

علامہ خصاف رحمۃ اللہ علیہ (م ۲۶۱ء) علامہ ابوجعفر طحاوی رحمۃ اللہ تعالی علیہ (م ۳۳۱ء)
حضرت ابوالحسن کرخی (م ۳۴۰ء) حضرت شمس العلماء حلوائی رحمۃ اللہ علیہ (م ۴۵۶ھ)
حضرت شمس الائمہ السرخسی (م ۵۰۰ھ) حضرت فخر الاسلام بزدوی (م ۴۸۲ھ)
حضرت علامہ فخر الدین قاضی خاں (م ۵۹۳ھ) وغیرہم۔
یہ حضرات امام کی مخالفت نہیں کرتے نہ اصول میں نہ فروع میں۔

(۴) طبقۃ اصحاب التخریج من المقلدین: جیسے امام رازی (م ۳۷۰ء) وغیرہ۔ یہ حضرات اجتہاد پر بالکل قادر نہیں، لیکن چونکہ یہ جملہ قواعد کے ماخذ سے پوری واقفیت رکھتے تھے، اس لئے ان میں یہ صلاحیت تھی کے ایسے امور کی تفصیل بیان کردیں جہاں امام مذہب سے ایسا قول مروی ہو جو مجمل ہیں، اور اس میں دو صورتیں نکل رہی ہوں۔ یا کوئی ایسا قول جو دو چیزوں کا محتمل ہو اور وہ صاحب مذہب سے یا ان کے تلامذہ مجتہدین میں سے کسی ایک سے مروی ہے، اس کی تشریح وتفصیل اصول وقیاس اور امثال ونظائر کی روشنی میں بیان کردیں، صاحب ہدایہ نے جہاں کہیں بھی کہا ہے کذا فی تخریج الکرخی۔ یا کذا فی تخریج الرازی، اس کا یہی مطلب ہے جو ابھی بیان کیا گیا ہے۔

(۵) طبقۃ اصحاب الترجیح من المقلدین:۔ جیسے ابوالحسن قدوری (م ۴۲۸ء)۔ صاحب الھدایہ

۔(م ۵۹۳ء) وغیرہ۔ان کا مقام یہ ہے کہ یہ حضرات بعض روایات کو بعض پر تفضیل دینے کی اہلیت رکھتے تھے، جیسے وہ کسی روایت کی تفضیل میں فرماتے ہیں: ھذا اولی یا ھذا اصح ۔ یا ھذا موافق للقیا س وغیرھا ۔

(۶) طبقۃ المقلدین القادرین علی التمیز :۔ جیسے صاحب کنز، صاحب المختار، صاحب الوقایہ صاحب المجمع اور اصحاب المتون المعتبرہ۔ان کا درجہ یہ ہے کہ یہ حضرات اپنی کتابوں میں ضعیف ومردود اقوال بیان نہیں کرتے اور روایات میں قوی وضعیف، ظاہر الروایہ، ظاہر المذہب اور روایت نادرہ میں امتیاز وغیرہ کرنے کے اہل ہیں۔

(۷) طبقہ المقلدین الذین لایقدرون علی ماذکر:۔ یہ حضرات کھرے کھوٹے، کمزور وقوی اور دائیں بائیں میں امتیاز کرنے کی صلاحیت نہیں رکھتے بلکہ انہیں جہاں سے بھی جو مل جاتا ہے اسے جمع کرتے ہیں اور اندھیرے میں ٹاپک ٹوئیاں مارتے ہیں، یہ لوگ ہرگز ہرگز اس قابل نہیں کہ ان کی تقلید کی جائے یا ان سے مسائل میں رجوع کیا جائے۔

(شرح عقود رسم المفتی المنظوم لابن عابدین الشامی ص ۱۱ درالمختار ص ۵۲-۵۱ ج ۱)

صدر العلماء کا تبحر علمی

صدر العلماء علیہ الرحمۃ والرضوان (۱۹۰۰-۱۹۷۸) جملہ علوم درس نظامی میں نہ صرف مہارت رکھتے تھے بلکہ تبحر علمی کے اس اعلیٰ مقام پر فائز تھے جو بہت کم علماء کے نصیب میں آتا ہے۔ ع

ایں سعادت بزور بازو نیست تانہ بخشد خدائے بخشندہ

آپ کے اس تبحر علمی پر روشن دلیل متعدد علوم پر آپ کی تصانیف جلیلہ ہیں، ان کتب کی تحقیقی عظمت کے آگے آج بھی محبین ومخالفین عجز کے ساتھ سر تسلیم خم کئے ہوئے ہیں۔صدر العلماء نے علم صرف، نحو، عقائد، فقہ ،تفسیر اور حدیث میں مخالفین کی جن کوتاہیوں اور فاحش غلطیوں کی گرفت فرمائی تھی وہ آج تک انکی صفائی پیش کرنے سے عاجز ہیں۔بمصداق پھل سے درخت پہچانا جاتا ہے" صدر العلماء کے تبحر علمی کا نظارہ کرنا ہو تو ان کے تلامذہ کو دیکھئے، جواہرات کی طرح خود چمکے اور دنیا کو چمکا رہے ہیں۔کوئی میدان معقولات کا شہسوار ہے تو کوئی بحر صرف ونحو کا غواص ہے، کوئی علم تفسیر کی گتھیاں سلجھا رہا ہے تو کوئی علم حدیث کے گوہر لٹا رہا ہے، کوئی انتظام وانصرام اور فکر وتدبر کے گل کھلا رہا ہے تو کوئی ردوہابیہ میں اپنا لوہا منوا رہا ہے، غرض کہ ہر گلے را رنگ وبوئے دیگر است۔

صدر العلماء اور آج کا تعلیمی انحطاط

مدارس اسلامیہ کے کتنے ہی فارغین معقولات پڑھنے کا شوق وولولہ دل میں لیکر بارگاہ صدر العلماء میں حاضر ہوتے تھے لیکن انکی بنیادی علمی کمزوری دیکھ کر پڑھنے کے لئے ان کے ہاتھ میں میزان ونحو میر دیدی جاتی تھی، از سر نو مستعدی سے پڑھنے کیلئے تیار ہو جاتے تھے، کامیاب بھی ہوتے تھے اور جو فارغین اپنی کسر شان سمجھتے

تھے وہ بے نیل مرام واپس چلے جاتے تھے، صدر العلماء مدارس کا معیار تعلیم دن بدن گرتا ہوا دیکھ کر سخت ذہنی اذیت محسوس فرماتے تھے، اور چاہتے تھے کہ یہ تعلیمی انحطاط کسی طرح دور ہو جائے، اس لئے صرف ونحو کی تعلیم پر جو اصل اور بنیادی تعلیم ہے، بہت زور دیتے تھے اور فرماتے تھے جس کا صرف ونحو اور ادب مضبوط ہو گیا وہ آگے بڑھکر عالم ہو جائیگا، لیکن جسکو صرف ونحو ہی نہیں آتا وہ آگے چل کر کچھ نہیں سمجھ سکتا۔ صدر العلماء کے نزدیک درس و تدریس کس انداز سے ہونی چاہیے؟ اس سلسلہ میں البشیر الکامل میں اساتذہ کے لئے ہدایات بغور مطالعہ فرمائیں اور دیکھیں صدر العلماء کے طریقہ تعلیم اور آج کے طریقہ تعلیم میں بعد المشرقین ہے۔

صدر العلماء کی فقاہت:

صدر العلماء کو جملہ علوم میں تبحر کے باوجود زمانہ طالب علمی سے ہی نحو سے انتہائی والہانہ لگاؤ رہا اور اپنے شفیق اساتذہ سے نحو کی غیر درسی کتب کا بھی درس لیا۔ علم نحو سے یہ شغف تا حیات رہا اور دنیا کو البشیر الکامل اور بشیر الناجیہ جیسی گراں قدر تحقیقی کتب عطا فرمائیں جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ دنیا نے آپ کو امام النحو اور شہنشاہ نحو سے یاد کیا۔

علم نحو میں ان عظیم خدمات کا ایک منفی اثر یہ ہوا کہ علم فقہ وغیرہ دوسرے علوم میں آپ کی خدمات لوگوں کی نگاہوں سے اوجھل ہو گئیں، جبکہ ابتدائی چند سالوں کو چھوڑ کر ساری زندگی مدرسہ اسلامیہ عربیہ اندرکوٹ میرٹھ میں منصب صدرات وافتاء پر فائز رہے۔ زندگی بھر زبانی استفتاؤں کے جواب میں فقہی گوہر لٹاتے رہے، مگر افسوس دنیا اس احسان کو فراموش کر چکی ہے، اسی طرح بے شمار فتاوے لکھے۔ مگر انکی نقول کا اہتمام نہیں کیا گیا، آج ہمارے پاس انکا ریکارڈ نہیں، اس لئے آپکی فقہی خدمات پر علم وآگہی کی روشنی میں تبصرہ کرنا کم از کم مجھ جیسے بے بضاعت عدیم الفرصت کی لئے دشوار گزار ہو گیا۔

صدر العلماء اور نظام شریعت

ہاں "نظام شریعت" علم فقہ میں صدر العلماء کی شاہکار زمانہ تصنیف ہے۔

پہلی صدی ہجری کے بعد سے مسلمانوں میں علمی کوتاہی اور علم دین کے حصول سے بے رغبتی قرن بقرن اور روز بروز بڑھتی چلی آرہی ہے، مگر تاریخ اس بات کی شاہد ہے کہ علمائے کرام بھی ان پست ہمتوں کے لئے جامع سے جامع تر، سہل سے سہل تر کتابیں تصنیف فرماتے رہے ہیں۔ جب ہندوستان میں عربی جاننے والے کم ہو گئے تو علمائے کرام نے عام فہم زبان فارسی میں دینی علوم منتقل کر دیئے، پھر جب ۱۸۳۰ء کے بعد فارسی کی جگہ اردو سرکاری زبان قرار پائی اس میں بھی دینی علوم پر تصنیف وتالیف کا سلسلہ شروع ہو گیا اور امام احمد رضا علیہ الرحمۃ والرضوان نے "العطایا النبویہ فی الفتاویٰ الرضویہ" کے نام سے فقہی انسائکلوپیڈیا دنیا کو عطا فرمائی۔ مگر جلد ہی فتاویٰ رضویہ کا تفصیلی وعلمی انداز بیان بھی لوگوں کو مشکل معلوم ہونے لگا، لہذا صدر الشریعہ علیہ الرحمہ نے بہار

شریعت کے نام سے ایک دوسری فقہی انسائکلو پیڈیا قوم کو پیش فرمائی۔اس کتاب میں صرف نفس مسائل عام فہم اردو میں بیان کیے گئے ہیں، اختصار وسہولت کے پیش نظر دلائل ذکر نہیں کیے گئے ہیں۔

صدر العلماء نے دیکھا کہ مرورزمانہ کے ساتھ اب بہار شریعت کی زبان بھی لوگوں کو مشکل معلوم ہوتی ہے اور ایک عنوان کے تحت بہت سے مسائل میں سے اپنا مطلوبہ مسئلہ تلاش کرنا بھی دشوار ہوتا ہے، لہذا ایک مزید سہل ترین کتاب کی ضرورت تھی، اس دینی ضرورت کے تحت نظام شریعت جیسی کتاب تصنیف فرمائی۔

محاسن نظام شریعت

نظام شریعت میں بنیادی طور پر کتاب الطہارت اور کتاب الصلوٰۃ کا بیان ہے، اور اس کی ضخامت چھوٹے سائز میں تقریباً پونے چارسو صفحات ہے، لیکن گوناگوں خوبیوں پر مشتمل ہے جس کا اجمالی خاکہ پیش خدمت ہے۔

(۱) فقہی کتابیں کتب وابواب پر مشتمل ہوتی ہیں۔ایک کتاب کے تحت بہت سے ابواب ہوتے ہیں اور ایک باب کے تحت بہت سے مسائل ہوتے ہیں۔آج سہولت پسند لوگوں کو پورا باب پڑھنا اور مطلوبہ مسئلہ نکالنا دشوار معلوم ہوتا ہے، صدر العلماء نے تمام اہم مسائل کو الگ الگ عنوان کے تحت بیان فرمایا ہے اور پونے چارسو صفحات کی مختصر کتاب میں تقریباً ساڑھے چارسو عنوان قائم فرمائے ہیں۔اس طرح مسئلہ کی تلاش انتہائی آسان ہو گئی، معمولی اردوخواں چند منٹوں میں مطلوبہ مسئلہ تلاش کرسکتا ہے۔

(۲) وہ اہم مسائل جن کی طرف لوگوں کی توجہ نہیں جاتی، یا جن سے غفلت برتتے ہیں ان میں سے کسی مسئلہ کو بیان کرنے سے قبل "بہت ضروری مسئلہ" ضروری مسئلہ جن سے لوگ غافل ہیں" یادرکھئے"" خوب یادرکھئے"" کبھی نہ بھولئے"" ایک بہت ضروری بات" اشد ضروری مسئلہ" وغیرہ تنبیہات میں سے کسی تنبیہ کو بطور عنوان قائم کرکے نفس مسئلہ بیان فرماتے ہیں، اس طرح تنبیہ کرنے پر وہ مسئلہ خاص طور پر ذہن نشین ہو جاتا ہے۔

مثلاً ص ۲۴۱ پر رقم طراز ہیں:

خوب یادرکھئے: کہ سید عالم ﷺ نے ارشاد فرمایا" جب بادل کی گرج سنو تو اللہ تعالیٰ کی تسبیح کرو تکبیر نہ کہو۔

ص ۲۴۷ پر فرماتے ہیں:

اشد ضروری مسئلہ

قضا نمازیں نوافل سے اہم ہیں۔یعنی جس وقت نفل پڑھتا ہے انہیں چھوڑ کر ان کے بدلے قضائیں پڑھے تاکہ بری الذمہ ہو جائے۔البتہ تراویح اور بارہ رکعتیں سنت موکدہ کی نہ چھوڑے۔ص ۲۷۱ پر فرماتے ہیں:

کبھی نہ بھولیے گا

کہ معصوم ہونا نبی اور فرشتے کا خاصہ ہے،ان کے سوا کوئی معصوم نہیں۔

اکثر لوگ بچوں کو معصوم کہہ دیا کرتے ہیں۔بچوں پر اس لفظ کے بولنے سے اجتناب کرنا چاہئے۔

ص ۲۲۵ پر ارشاد فرماتے ہیں

ایک بہت ضروری بات

جس کی طرف عام لوگوں کو بالکل توجہ نہیں۔یہ ہے کہ جمعہ کو اور نمازوں کی طرح سمجھ رکھا ہے،جس نے چاہا نیا جمعہ قائم کرلیا اور جس نے چاہا پڑھا دیا۔یہ بات ناجائز ہے۔اس لئے کہ جمعہ قائم کرنا بادشاہ اسلام یا اس کے نائب کا کام ہے۔اور جہاں اسلامی سلطنت نہ ہو وہاں جو سب سے بڑا عالم سنی صحیح العقیدہ ہو وہ احکام شرعیہ جاری کرنے میں سلطان اسلام کے قائم مقام ہے لہذا وہی جمعہ قائم کرے،بغیر اس کی اجازت کے نہیں ہوسکتا۔اور یہ بھی نہ ہو تو عام لوگ جس کو امام بنائیں اور عالم کے ہوتے ہوئے عوام بطور خود کسی کو امام نہیں بنا سکتے ہیں،نہ یہ ہوسکتا ہے کہ دو چار شخص کسی کو امام مقرر کرلیں۔

امید ہے کہ قارئین کرام نے اچھی طرح سمجھ لیا ہوگا،یہ تنبیہات کتنی برمحل ہیں اور ان کے تحت بیان کئے گئے مسائل کتنی اچھی طرح ذہن نشین ہوگئے۔

(۳) آج کل نمازیوں کا حال یہ ہے کہ زبان سے تو اللہ تعالی کی حمد کر رہے ہیں،کھوئے ہوئے ہیں اپنے اچھے برے خیالات میں۔کیوں کہ وہ جو کچھ پڑھ رہے ہیں ان کو اس کا مطلب معلوم نہیں،بس ایک پریکٹس اور روانی ہے جس کے تحت پڑھتے چلے گئے۔مطلب سے ان کو کوئی مطلب نہیں۔

عربی زبان تو ہر مسلمان نہیں سیکھ سکتا،مگر اتنا تو کرسکتا ہے کہ الحمد سمیت چار چھوٹی سورتوں اور التحیات وغیرہ نماز میں پڑھے جانے والے وظائف کا ترجمہ یاد کرلے اور ترجمہ پر غور کرتے ہوئے نماز پڑھے۔فقہی کتابوں میں عموماً ان کا ترجمہ نہیں ہوتا۔صدر العلماء نے اپنی اس کتاب میں التحیات،الحمد اور چاروں قل یعنی سورۂ کافرون،سورۂ اخلاص،سورۂ فلق اور سورہ ناس" وغیرہ کا سلیس ترجمہ بھی مع انکی تاثیرات بیان فرمادیا ہے،تاکہ ان ترجموں کا یاد ہونا حضور قلب کے ساتھ نماز پڑھتے میں معاون ہو

(۴) صدر العلماء علیہ الرحمہ نے موضوع کتاب کی مناسبت سے طہارت اور نماز کے مسائل تو بیان فرمائے ہی ہیں،اس کے ساتھ ہی دوسرے مختلف موضوعات میں سے ایسے ایسے لاجواب افاضات نافعہ رقم فرمائے جو دین ودنیا کی کامیابی کی کنجیاں ہیں۔یہ افاضات نافعہ بڑی بڑی کتب کے طویل مطالعہ کے بعد ہی حاصل ہوسکتے ہیں۔قربان جایئے مسلمانوں کے حق میں صدر العلما کی خیرخواہی پر کہ مسلمان آسانی کے ساتھ اس کتاب سے تھوڑے وقت میں بہت کچھ حاصل کرسکتے ہیں۔یہ کتاب اپنی ضخامت میں مختصر ہے اور فوائد میں

مطولات کے ہم پلہ۔

افاضات کے چند عنوان پیش خدمت ہیں:

(۱) بسم اللہ شریف کی برکت۔

(۲) امہات المؤمنین کی خصوصیت۔

(۳) نبوی آنکھوں کی خصوصیت۔

(۴) علم نافع۔

(۵) نبوی بول و براز۔

(۶) علماء ربانی۔

(۷) اولیاء آنکھوں سے گناہ دھلتے ہوئے دیکھتے ہیں۔

(۸) نماز کے علاوہ اور کن چیزوں کے لئے اذان؟

(۹) آنکھیں دکھنے کا علاج اور بینائی کی گارنٹی۔

(۱۰) شفاعت کے اقسام۔

(۱۱) جماہی روکنے کا مجرب اسلامی طریقہ۔

(۱۲) شیطان سے محفوظ رہنے کا اسلامی طریقہ۔

(۱۳) صالح اولاد پیدا ہونے کا اسلامی طریقہ۔

(۱۴) دعا قبول کرانے کا اسلامی طریقہ۔

(۱۵) محبوب خدا کی محبت و تعظیم نماز سے زیادہ اہم ہے۔

(۱۶) دانت مضبوط رکھنے کا اسلامی طریقہ وغیرہ۔

یہ افاضات کتاب کے مطالعہ سے ہی حاصل ہو سکتے ہیں، ہاں بطور مشتے نمونہ خروارے، دو ایک افاضے یہاں پر پیش کئے جاتے ہیں۔

صفحہ ۱۷۵ پر فرماتے ہیں:

چوروں سے محفوظ رہنے کا اسلامی طریقہ:

حدیث مولائے مشکل کشا حضرت علی مرتضی رضی اللہ تعالی عنہ فرماتے ہیں:

میں نے رسول ﷺ کو اس منبر پر فرماتے ہوئے سنا: لیٹتے وقت جو اسے (آیت الکرسی) پڑھے اللہ تعالی اس کے پڑوسی کے گھر کو اور آس پاس کے گھر والوں کو شیطان اور چور سے امن دے گا۔

صفحہ ۱۰۵ پر تحریر فرماتے ہیں:

نیت کے اقسام:

تمام عبادات کے مقبول ومردود ہونے کا دارومدار نیت پر ہے، رضائے الٰہی کے ارادے سے عبادت کرنے کو اخلاص اور دنیوی غرض کے ارادے سے عبادت کرنے کو ریا کہتے ہیں۔ اخلاص کے ساتھ عبادت کی جائے تو مقبول ہوتی ہے اور ریا کے ساتھ کی جائے تو مردود ہے۔ نماز، روزہ، حج، زکوۃ میں ہی عبادت منحصر نہیں بلکہ خور دونوش، پوشاک وخواب، رفتار وگفتار، لین دین، شادی وغم کی جملہ تقریبات مسلم کے لئے عبادت ہیں۔ بشرطیکہ ان کو اخلاص کے ساتھ کرے۔ نمائش، دکھاوے، نام وری، طمع نفسانی وغیرہ دنیوی اغراض فاسدہ مقصود نہ ہوں۔ نظر برآں عاقل وہی ہے جو اپنے اعمال واقوال میں اخلاص کو مدنظر رکھکر ان کو برباد ہونے سے بچائے۔ اور احمق وہی ہے جو ریا کے ہاتھوں ان کو برباد کرتا ہے۔

(۵) آزادی کے بعد حکومت نے اردو کو نہ صرف سرکاری زبان ہونے کے حق سے محروم کر دیا بلکہ روزگار سے بھی اس کا تعلق منقطع کر دیا، نتیجہ یہ ہوا کہ عام لوگوں میں اردو خواں حضرات کی شرح تعداد گھٹتی چلی جارہی ہے، جو اردو خواں ہیں بھی وہ معمولی لکھے پڑھے، اب بہار شریعت کی اردو پڑھنا سمجھنا بھی مشکل معلوم ہوتا ہے۔

اس کمزوری کو دیکھتے ہوئے صدر العلماء نے نظام شریعت میں بہت عام فہم اور سلیس زبان کا استعمال کیا ہے۔ حالانکہ جن لوگوں نے آپ کی دیگر تصنیفات کا مطالعہ کیا ہے وہ اچھی طرح جانتے ہیں کے آپ کے جملوں میں کثرت سے عربی اور فارسی الفاظ کا استعمال ہوتا ہے اور آپ ادق جامع اور مختصر جملوں میں اظہار مطلب فرماتے ہیں، دونوں انداز بیان میں زمین آسمان کا فرق ہے جو مختلف اسلوب نگارش پر آپ کی مکمل قدرت کا مظہر ہے۔ دونوں اسلوب بیان ایک نظر میں ملاحظہ فرمائیے۔

بشیر الناجیہ کے دیباچہ ص ۲ پر فرماتے ہیں "چنانچہ اصرار مذکور پر اولاً رمضان شریف کی تعطیل میں پورے کافیہ کی ترکیب تحریر کی۔ ثانیاً شرح کو شروع کیا لیکن کثرت کار، لحوق امراض کے باعث شرح کی تالیف مسلسل نہ رہی، کبھی مہینوں، کا التواء، ہوا، کبھی سالوں کا، پھر بھی لکھتے لکھتے بفضلہ تعالی مجرورات تک پہنچ گیا فی الوقت یہی حاضر ہے۔

البشیر ص ۸ پر فرماتے ہیں کہ

"ان دونوں فاضلان دیوبند کا حال یہ ہے کہ مصنف علیہ الرحمہ پر افتراء نحویوں کی طرف نسبت ناروا۔ مسائل کے بیان میں تضاد۔ نہ نحو میر میں لکھا سمجھے۔ نہ اپنا لکھا یاد۔ کتابی مثالوں کے ترجمے غلط سلط۔ خود ساختہ مثالوں میں خبط بر خبط۔ اصطلاحات پر وقوف ناتمام۔ اور ترکیب میں تو خام در خام۔ یہ ہیں نحو میر کی شروح۔ یا ہیں دیوبندی قروح؟ نعوذ باللہ السبوح"

اب نظام شریعت کا انداز بیان وزبان ملاحظہ فرمائیں ص ۳۴

بزرگان دین کے کپڑے

''اپنے پاس رکھنا حصول برکت کے لئے مفید ہے، انہیں دھوکر پانی اگر مریضوں کو استعمال کرایا جائے تو شفاء حاصل ہوتی ہے، حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالی عنہ کی صاحبزادی حضرت اسماء نے ایک جبہ نکالا اور فرمایا کہ یہ رسول اللہ ﷺ کا جبہ ہے جو حضرت عائشہ کے پاس تھا۔ جب انکا وصال ہوا تو میرے پاس آیا، اب ہم بغرض حصول شفاء اسے دھوکر مریضوں کو پلاتے ہیں۔

بہار شریعت کی فقیہانہ، عالمانہ زبان کے مقابلہ میں عوام کے پیش نظر نظام شریعت کے اختصار اور سلاستِ زبان کا ایک نمونہ پیش خدمت ہے۔

بہار شریعت: ص ۶/ ج ۲۔ فرض اعتقادی! جو دلیل قطعی سے ثابت ہو (یعنی ایسی دلیل سے جس میں کوئی شبہ نہ ہو) اس کا انکار کرنے والا ائمہ حنفیہ کے نزدیک مطلقاً کافر ہے اور اگر اس کی فرضیت دین اسلام کا عام خاص پر روشن واضح مسئلہ ہو جب تو اس کے منکر کے کفر پر اجماع قطعی ہے۔ ایسا کہ جو اس منکر کے کفر میں شک کرے خود کافر ہے۔ اور بہر حال جو فرض اعتقادی کو بلا عذر صحیح شرعی قصداً ایک بار بھی چھوڑے مرتکب کبیرہ و مستحق عذاب نار ہے جیسے نماز، رکوع، سجود، وغیرہ۔

نظام شریعت: ص ۱۷۳۔ فرض کی تعریف: فرض وہ فعل ہے کہ اس کے بغیر نماز ہوتی ہی نہیں۔

بہار شریعت: ص ۷/ ج ۲: واجب اعتقادی! وہ کہ دلیل ظنی سے اس کی ضرورت ثابت ہو۔ فرض عملی وواجب عملی اس کی دو قسمیں ہیں اور وہ انہیں دو میں منحصر۔

واجب عملی: وہ واجب اعتقادی کہ بے اس کے کئے بھی بریٔ الذمہ ہونے کا احتمال ہو۔ مگر ظن غالب اس کی ضرورت پر ہے۔ مجتہد دلیل شرعی سے واجب کا انکار کرسکتا ہے اور کسی واجب کا ایک بار بھی قصداً چھوڑنا گناہ صغیرہ ہے اور چند بار ترک کرنا گناہ کبیرہ۔

نظام شریعت: ص ۱۷۳۔ واجب کی تعریف! واجب وہ فعل ہے کہ اس کا قصداً ترک کرنا گناہ اور ترک کرنے سے نماز دوبارہ پڑھنا ضروری ہوتا ہے۔ اور سہواً ترک ہو تو سجدۂ سہو لازم ہے۔ اس کا ایک بار قصداً چھوڑنا گناہِ صغیرہ ہے اور چند بار گناہ کبیرہ ہے۔

بہار شریعت: ص ۷/ ج ۲۔ سنت مؤکدہ! وہ جس کو حضور اقدس ﷺ نے ہمیشہ کیا ہو، البتہ بیانِ جواز کے لیے کبھی ترک بھی فرمایا ہو یا وہ کہ اس کے کرنے کی تاکید فرمائی ہو مگر جانب ترک بالکل مسدود نہ فرمادی ہو۔ اس کا ترک اسائت اور کرنا ثواب اور نادراً ترک پر عتاب اور اس کی عادت پر استحقاق عذاب۔

نظام شریعت ص ۱۷۳۔ سنت مؤکدہ! وہ فعل ہے کہ اس کا ترک کرنا برا ہو اور کرنا ثواب اور نادراً ترک پر عتاب اور ترک کی عادت پر استحقاق عذاب ہو۔

(۶) بہار شریعت اپنی تفصیل اور جامعیت میں ایک لاثانی کتاب ہے، اس کے باوجود بعض مسائل ایسے ہیں جن کو صدر الشریعہ علیہ الرحمہ نے بیان نہیں فرمایا اور صدر العلماء نے لوگوں کی ضرورت کو محسوس فرماتے ہوئے ان کو ذکر فرمادیا ہے۔

مثلاً نمازی کے آگے سے گزرنے کے سلسلہ میں بہار شریعت میں مسجد کبیر اور مسجد صغیر کے حکم کے درمیان فرق بیان کیا ہے لیکن صغیر وکبیر کی تعریف نہیں کی۔ یہاں پڑھنے والے کے ذہن میں سوال پیدا ہوتا ہے کون سی مسجد کو صغیر کہیں اور کون سی مسجد کو کبیر، صدر العلماء قاری کے ذہن میں پیدا ہونے والے اس سوال کے جواب میں فرماتے ہیں کہ

بڑی مسجد وہ ہے جس کا طول چالیس ہاتھ یا زیادہ ہو، اور چھوٹی مسجد وہ ہے جس کا طول چالیس ہاتھ سے کم ہو۔ (ص ۱۳)

(۷) صدر العلماء اور نظام شریعت کے تعلق سے یہ چند خوبیاں جو اس خاکسار قلیل البضاعت کے خیال ناقص میں آئیں پیش کردیں۔ اس سے زیادہ وقیع وموثر الفاظ میں صدر العلماء رحمۃ اللہ علیہ کی تعریف وتوصیف اور اظہار حقیقت مجھ جیسے ہیچ مداں کے لئے کیسے ممکن ہے؟ ہند وپاک کی یگانہ روزگار علمی ہستیوں نے آپ کو اپنے وقت کا نابغہ روزگار اور عظیم النظیر محقق تسلیم کیا ہے۔

نظام شریعت کا پورا نام مدنی تاجدار ﷺ کے لیل ونہار

معروب بہ

نظام شریعت

ہے۔ اور سرورق پر صدر العلماء بارگاہ مدنی تاجدار ﷺ میں بایں الفاظ عرض گزار ہیں:

مجھے اے شہ دو عالم ہو عطا وہ چشم بینا
کہ جدھر نگہ اٹھاؤں نظر آئے بس مدینہ

محمد نثار احمد ہاشمی رضوی
حسن پوری۔ یوپی

باب ہفتم

نحویات

صدر العلماء اور ان کا علمی وفنی انداز تعاقب

حضرت علامہ مفتی محمد ایوب مظہر کانگی
لکھنؤ، یو۔ پی

غالبا یہ ۱۹۶۵ء یا ۱۹۶۶ء کی بات ہے کہ میں اپنے ضلع ''پورنیہ'' کی معروف درس گاہ ''دار العلوم مصطفائیہ چمنی بازار شریف''، تحصیل علوم کے لئے حاضر ہوا، اس وقت صوبہ بہار میں اس ادارہ کے تعلیمی معیار کا طوطی بول رہا تھا۔ حضرت صدر الشریعہ قدس سرہ کے فیض یافتہ حضرت علامہ مولانا ابو الصالح غلام محمد یٰسین صاحب پورنوی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ خانقاہ رشیدیہ جون پور شریف کے مختار عام ومعتمد وامین ہونے کے ساتھ ساتھ دار العلوم مصطفائیہ کے سربراہ اعلیٰ بھی تھے، ان کی شخصیت عبقری تھی، مطالعہ بہت وسیع اور علم بڑا گہرا اور پختہ تھا، ان کے تبحر علمی کا یہ حال تھا کہ شارح بخاری حضرت مفتی شریف الحق صاحب امجدی اور شیخ المعقولات حضرت علامہ معین الدین خاں اعظمی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہما جیسے اکابر انکے آگے دبے لچے رہتے تھے (یہ دونوں حضرات دار العلوم مصطفائیہ میں تدریسی خدمات انجام دے چکے ہیں) استاذ زمن حضرت علامہ حسن بریلوی کے صاحبزادۂ گرامی وقار اور فاضل بریلوی قدس سرہ کے خویش وبرادر زادہ حضرت علامہ حسنین رضا خاں صاحب رحمۃ اللہ علیہ فرمایا کرتے تھے: مولانا غلام یٰسین صاحب بڑے بلند پایہ عالم ہیں، ان کا تصوف کا مطالعہ بھی اعلیٰ درجہ کا ہے، بہت سے علمائے کرام کے ساتھ میری نشست وبرخاست رہی ہے لیکن ایسی جامعیت جو مولانا میں ہے، بہت کم دیکھنے میں آئی۔

حضرت مولانا غلام محمد یٰسین صاحب رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کا معمول تھا کہ تعلیمی سال کے آغاز میں وہ نو وارد طلبہ کا جائزہ لیتے تھے اور ہدایتیں ارشاد فرماتے تھے، ایک دن آپ نے مجھے یاد فرمایا: چچا ادھر تشریف لائیے، (حضرت کی عادت کریمہ تھی کہ وہ نوعمر طلبا کو ''چچا'' کہہ کر نوازتے تھے) میں لپکتا ہوا حاضر خدمت ہوا تو فرمایا: چچا کیا پڑھ کر آئے ہیں؟ اور کیا پڑھنا چاہتے ہیں؟ عرض کیا: حضرت! شرح جامی پڑھ کر آیا ہوں، یہ سنتے ہی آپ نے اپنے مخصوص انداز میں فرمایا: ''جی جناب کیا کہا آپ نے؟ (جی جناب) طلباء سے بات کرتے وقت ان کی گفتگو کا ایک خاص انداز ہوتا تھا) میں نے جھجکتے ہوئے دوہرایا، شرح جامی پڑھ کر آیا ہوں۔ حکم ہوا جایئے شرح جامی لے کر آیئے، کتاب لے کر حاضر ہوا تو ایک صفحہ نکال کر فرمایا: یہاں سے پڑھئے'' میں نے ڈرتے سہمتے

پڑھنا شروع کیا، میری عبارت خوانی بہت اچھی تھی، چھ سات سطریں پڑھ چکا تو حضرت نے فرمایا: کتاب بند کیجئے اور خواجہ صاحب کو میرا سلام کہئے (استاذ گرامی مرتبت حضرت علامہ خواجہ مظفر حسین صاحب قبلہ مدظلہ اس وقت دار العلوم مصطفائیہ میں درجات عالیہ کے مدرس تھے) میں نے خواجہ صاحب کو سلام پہونچایا تو وہ حضرت کی خدمت میں حاضر ہوئے، حضرت نے میری طرف اشارہ کر کے خواجہ صاحب سے فرمایا ''خواجہ صاحب آپ اس بچہ کو صدر العلماء علامہ میرٹھی صاحب کی کتاب ''البشیر الکامل'' کوئی مناسب وقت نکال کر ضرور پڑھا دیجئے'' یہی وہ لمحہ تھا جب میرے کان حضرت صدر العلماء کے ذکر سے اور نام سے آشنا ہوئے اور جب اعلیٰ تعلیم کے لئے دار العلوم مظہر اسلام بریلی شریف حاضری ہوئی تو سالانہ امتحان کے موقع پر میں نے ایک وجیہ باوقار پرکشش اور مسحور کن شخصیت دیکھی بے ساختہ زبان پر آیا:

نگاہ برق نہیں چہرہ آفتاب نہیں
وہ آدمی ہے مگر دیکھنے کی تاب نہیں

استفسار پر معلوم ہوا کہ آپ ہی صدر العلماء حضرت علامہ میرٹھی ہیں۔

حضرت صدر العلماء قدس سرہ گرچہ ملک کی مشہور ومعروف درسگاہوں سے نسبۃً کم معروف درس گاہ ''مدرسہ اسلامیہ عربیہ میرٹھ'' کی مسند صدارت کی زیب وزینت رہے لیکن ان کی درسگاہ کا بڑا غلغلہ اور شہرہ رہا، ملک کے مختلف صوبوں اور گوشوں سے طلبہ ان کی بارگاہ سے فیضیاب ہوئے اور جن بخت آوروں نے ان کے طریقۂ تدریس سے خود کو ہم آہنگ کر لیا وہ گوہر آبدار بن کر نکلے۔

حضرت صدر العلماء قدس سرہ کو لفظوں کا گوشت پوست اتار کر بال کی کھال نکالنے اور تہہ در تہہ چھپے معنی کی پرتیں اتارنے میں بڑی مہارت حاصل تھی، اس لئے ان کی درسگاہ میں کمیت سے زیادہ کیفیت ہوا کرتی تھی، جیسا کہ حضرت کے صاحبزادہ والاتبار مولانا حافظ سید محمد یزدانی رقم طراز ہیں:

''آپ بخاری شریف کا درس دینے میں بھی ہمیشہ ''کیف'' کا لحاظ فرماتے تھے ''کم'' کے کم ہونے کی پرواہ نہیں کرتے تھے، علامہ بدر الدین عینی رحمۃ اللہ علیہ نے جس انداز میں بخاری شریف کی شرح فرمائی اسی انداز پر بخاری شریف کا درس ہوتا تھا، ایک ایک حدیث کا درس ہفتہ ہفتہ بھر، اور دس دس روز جاری رہتا تھا، کسی روز صرف ونحو پر گفتگو ہو رہی ہے تو کسی روز صرف بلاغت پر، کسی روز صرف مسائل فقہیہ پر گفتگو ہو رہی ہے تو کسی روز صرف تصوف پر، کسی روز اس حدیث سے مذہب اہل سنت کے احقاق پر کلام ہو رہا ہے تو کسی روز اس حدیث شریف سے متعلق بدمذہبوں کی تقریر کا رد ہو رہا ہے۔ (البشیر شرح نحو میر صفحہ ۲)

شروح وحواشی اور تعلیقات کی روایت بہت پرانی ہے، دیگر علماء وفضلاء کی طرح ہندوستانی علمائے کرام نے بھی اس میدان میں قابل فخر کارنامہ انجام دیا ہے۔

مخدوم گرامی ڈاکٹر سید محمد امین برکاتی مارہروی تحریر فرماتے ہیں:

علوم شرعیہ، علوم ادبیہ، علوم حکمیہ اور سماجی علوم کی تدوین وتشکیل کے بعد مسلمانوں نے مذکورہ تمام علوم کی اساسی اور بنیادی کتابوں کی شروح وحواشی کا سلسلہ شروع کیا، طاش کبری زادہ کی ''مفتاح السعادۃ'' اور شیخ محمد اعلیٰ کی ''کشاف اصطلاحات الفنون'' میں اس سلسلہ کی تفصیلات محفوظ ہیں، اسلامی دنیا کے دوسرے ممالک کی طرح ہندوستانی علماء نے بھی ہر دور میں اسلامی علوم وفنون کی ترویج واشاعت، نیز تصنیف وتالیف میں قابل ذکر نمایاں خدمات انجام دی ہیں، منقولات ومعقولات کے ہر شعبہ میں مستقل تصانیف کے علاوہ صدہا شروح وحواشی بھی ان فضلائے عظام سے یادگار ہیں''

(سخنہائے گفتنی بر مطبوعات مجلس البرکات مبارک پور)

ان تمام تر خدمات کے باوجود برصغیر کے علمی دائروں میں طلبہ کو سہل انگاری سے محفوظ رکھنے اور ان کی صلاحیتوں کو جلا دینے کے لئے اس امر کا اہتمام والتزام ہوتا تھا کہ طلبہ کتابوں کا مطلب اخذ کرنے کے لئے شروح وحواشی کی مدد نہ لیں، بلکہ دماغ پر زور ڈال کر از خود کتابوں کی عبارتوں کا مطلب نکالنے کی عادت ڈالیں، جب تک یہ اہتمام والتزام رہا ان درسگاہوں میں بڑے بڑے افاضل واماثل پیدا ہوئے جن کے زور بیان اور قوت استدلال کے سامنے دوسرے ماند پڑ جاتے تھے، لیکن انحطاط وزوال کا دور آیا تو رفتہ رفتہ یہ پابندی اور بندش اٹھتی چلی گئی۔

بیسویں صدی کی پچھلی دہائیوں میں بعض ستم ایجادوں نے سستی شہرت حاصل کرنے اور عام مسلمانوں پر اثر انداز ہونے کے لئے شروح وحواشی کی طباعت واشاعت میں اپنی علامتی فنکارانہ چابکدستی کا مظاہرہ کیا اور بڑے گھپلے اور گھوٹالے کئے، اور ان ستم شعاروں نے گروہی جذبہ مسابقت میں انجام سے بے خبر ہو کر وہ ظلم بھی ڈھایا کہ اردو زبان میں شروح وحواشی لکھنے اور چھاپنے کا سلسلہ شروع کر دیا اور درسی کتابوں پر اعراب لگانے کی بدعت شنیعہ بھی ایجاد کی جس کا افسوسناک نتیجہ یہ ہوا کہ طلبہ کی صلاحیتیں زنگ آلود ہو گئیں اور مدارس کی تعلیم میں مکمل زوال آ گیا، اور طرہ یہ کہ دینی علوم اور درسی نظام پر اتنا ستم ڈھانے کے باوجود ان بیدادگروں نے فخر وتعلّی کے ساتھ ڈھنڈورا پیٹنا شروع کیا کہ پوری ملت اسلامیہ میں ہمارے سوا اور کون ہے جو دین اور علوم دین کی خدمات انجام دے رہا ہے۔

ڈاکٹر سید محمد امین برکاتی مارہروی لکھتے ہیں:

''پھر جب کچھ نئے فرقے اور مدرسے وجود میں آئے تو انھوں نے بھی یہ کام شروع کیا، بعد میں انہوں نے یہ ستم ڈھایا کہ بہت سی کتابوں سے سنی مصنفین ومحشین کے نام اڑا کر چھاپنا شروع کیا تا کہ ناظرین کو یہ گمان ہو کہ مصنفین ومحشین بھی ناشر ہی کی جماعت کے ہوں گے، کچھ نئے حواشی بھی لکھے گئے جن میں اہل سنت

کے سابقہ حواشی وشروح کی عبارتیں بعینہ نقل کی گئیں مگر ان کا حوالہ بھی نہ دیا گیا، یہ سارا کام تجارتی منفعت اور دنیوی نام آوری کی غرض سے کیا گیا، لیکن بعد میں بد مذہب ناشرین نے اس تجارتی نفع اندوزی اور سرقہ ونام آوری کے عمل کو اپنے طبقہ کی ایک علمی ودینی خدمت کے روپ میں شہرت دینا اور یہ پروپیگنڈہ کرنا شروع کیا کہ درسیات کی تحریر واشاعت کا سہرا صرف ہمارے سر ہے، اہل سنت کا اس میدان میں کوئی حصہ نہیں"

(سخن ہائے گفتنی بر مطبوعات مجلس البرکات مبارک پور)

اور حضرت صدر العلماء قدس سرہ نے "البشیر شرح نحو میر" کے دیباچہ میں تحریر فرمایا ہے:

"قاری محمد طیب صاحب مہتمم دار العلوم دیو بند کے صاحبزادے جوان کے ولی عہد بہادر ہیں ان کا نام ہے سالم، ان ولی عہد بہادر نے ایک معتمد علیہ سے فرمایا کہ (بریلویوں کو علم سے کیا نسبت)۔

علمائے دیو بند کی انہیں عیاریوں اور تعلیوں کے پیش نظر جب صدر العلماء نے بعض درسیات کی اردو شرح لکھنے کی جانب توجہ مبذول فرمائی تو ایسی داد تحقیق دی اور علم وفن کے ایسے جوہر دکھائے کہ بڑے بڑے چغادری بغلیں جھانکنے لگے اور دیو بندی علماء جن کو اپنے شروح وحواشی اور تصنیفات وتالیفات پر بڑا غرا تھا ان کو اپنی اصلیت معلوم ہوگئی اور طلبہ پر ان کا بھرم کھل گیا کہ یہ شیخی خورے کتنے بے بضاعت وبے مایہ اور کم پایہ وفرومایہ ہیں۔

حضرت صدر العلماء نے "بشیر الناجیہ شرح کافیہ" کے دیباچہ میں تحریر فرمایا:

"دیو بندی صاحبان کہا کرتے ہیں کہ علماء دیو بند نے قوم کی خدمت کی ہے اور علوم کی بھی، مختلف علوم کی کتب کے حواشی اور شروح بھی لکھے ہیں۔ قوم کی خدمت کی ہے، اس کو تو قوم جانے۔ علوم کی خدمت میں شروح کا یہ حال ہے جس سے ناظرین بالانصاف اندازہ لگا سکتے ہیں کہ یہ خدمت ہے یا تخریب، طلبہ ان سے ہدایت پائیں گے یا گمراہ ہو کر دوسروں کو بھی گمراہ کریں گے۔ حقیقت یہ ہے کہ علمائے دیو بند عقائد میں بھی صحیح راستہ سے بہک گئے اور علوم میں بھی"

علمائے دیو بند نے علوم میں جو گمراہیاں پھیلا رکھی ہیں انھیں جاننے کے لئے حضرت صدر العلماء قدس سرہ کی شروح وتالیفات کا براہ راست مطالعہ بڑا سود مند ہوگا، یہاں "مشتے از خروارے" بطور نمونہ پیش کئے جا رہے ہیں، بنظر غائر ملاحظہ فرمائیں

میرے سامنے حضرت صدر العلماء قدس سرہ کی تصنیفات میں سے "البشیر شرح نحو میر" "البشیر الکامل شرح شرح مائۃ عامل" "اور بشیر الناجیہ شرح کافیہ" ہے "البشیر" کے دیباچہ میں حضرت تحریر فرماتے ہیں:

"نحو میر کی دیو بندی شروح صرف دو دستیاب ہو سکیں اول "مصباح المنیر" جس کے ٹائٹل پیج پر لکھا ہے "تالیف استاذ الاساتذہ حضرت مولانا سید حسن صاحب ابن امام النحو حضرت مولانا نبیہ حسن صاحب مدرس

دار العلوم دیو بند'' دوم ''مہر منیر'' اس کے ٹائٹل پیج پر لکھا ہے ''تالیف مولانا عمر احمد عثمانی تھانوی'' دونوں طلبہ کے لئے گمراہی کا پاور ہاؤس ہیں، ان دونوں فاضلان دیو بند کو علم نحو کی ابتدائی کتابوں کے مسائل متحضر نہیں، بلکہ خود نحو میر بھی سمجھنے سے قاصر ہیں، ان دونوں فاضلان دیو بند کا حال یہ ہے کہ مصنف علیہ الرحمۃ پر افترا، نحویوں کی جانب نسبت ناروا، مسائل کے بیان میں تضاد، نہ نحو میر میں لکھا سمجھے نہ اپنا لکھا یاد، کتاب کی مثالوں کے ترجمے غلط سلط، خود ساختہ مثالوں میں شطط بر شطط، اصطلاحات پر وقوف ناتمام، اور ترکیب میں تو خام در خام۔ یہ ہیں نحو میر کی شروح، یا دیو بندی قروح، نعوذ باللہ السبوح۔ انہیں وجوہ بالا کی بنیاد پر دونوں صاحبان سے یہ اغلاط کثیرہ صادر ہوئیں جن کی تعداد سینکڑوں تک پہونچتی ہے، ہم نے صرف ان اغلاط کو بعنوان ''تنبیہ'' بیان کیا ہے جن کو مبتدی طلبہ سمجھ لیں اور ان دونوں شروح کی گمراہی سے محفوظ ہو جائیں۔ ایسے اغلاط کی تعداد دو سو ساٹھ ہے''

حضرات دیو بند کی جہالتیں جو ان کی شرحوں میں اہلے گہلے پھر رہی ہیں اس کی صرف ایک مثال ملاحظہ کیجئے:

تنبیہ: ۳۶، المصباح صفحہ ۴۷، اور مہر منیر صفحہ ۴۴ میں قدرے اختلاف لفظی کے ساتھ ہے ''اور بھی بہت سے اسمائے افعال ہیں جو امر حاضر کے معنوں میں استعمال ہوتے ہیں مثلاً تعال کہ ایتِ (تو آ کے معنی میں ہے)

اقول: یہ غلط ہے کہ تعال اسم فعل نہیں بلکہ یہ باب تفاعل سے امر حاضر معروف کا صیغہ واحد مذکر ہے جس کو بمعنی ایت استعمال کرتے ہیں، یہ اصل میں تعالی تھا بروزن تقابل، بوجہ وقف اس کا ضمہ گر کر لام ساکن ہو گیا اور اس کی یا گری تو تعال رہ گیا، حالت وقف میں تعال بسکون لام کہتے ہیں''

ان نامرادوں نے اگر لغت کی کتابوں کو ہی سامنے رکھا ہوتا تو انہیں یہ لکھا ہوا مل جاتا:

المنجد میں ہے تعال فعل امر بمعنی ھلم مطلقا۔ اور مصباح اللغات میں ہے تعال آجا (فعل امر) مگر بات وہی ہے جو صدر العلما قدس سرہ نے تحریر فرمائی ہے:

''غلط بیانی دیو بندی صاحبان کے یہاں کا برائن کا بر چلی آرہی ہے، عقائد کے بیان میں غلط بیانی کرتے رہے، اب لغت عرب وغیرہ میں غلط بیانی شروع کر دی''

(البشیر صفحہ ۵۱)

اور ''البشیر الکامل'' شرح شرح مأۃ عامل کے آغاز دیباچہ میں فرماتے ہیں:

''اس سے پیشتر شرح مأۃ کی اردو تراکیب بہت سی شائع ہوئیں، سب کی سب نحوی معیار سے گری ہوئی ہیں اور کسی سے مقصود ترکیب حاصل نہیں ہوتا، بالخصوص ایضاح العوامل وہ تو اغلاط کی پوٹ اور طلبہ کو گمراہ کرنے والی ہے، ٹائٹل پیج پر اس کی خصوصیات میں پہلی خصوصیت یہ بیان کی گئی ہے کہ دار العلوم دیو بند جیسی عظیم المرتبت درسگاہ میں درجہ علیا کے مدرس مولانا ظہور احمد کی تصنیف ہے، کتاب کا مطالعہ کرنے سے ظاہر ہوتا ہے کہ درجہ

علیا کے ان مدرس صاحب کو صرف میر اور ہدایۃ النحو کے مسائل بھی مستحضر نہیں اور شان الوہیت وشان رسالت میں سوء ادبی تو آپ کو دیوبندی اکابر کے ترکہ میں پہونچی ہے''۔

(البشیر الکامل دیباچہ صفحہ۲)

اور دیباچہ کے اخیر میں فرماتے ہیں:

''ناظرین مقام غور کہ (ایضاح العوامل میں) صفحہ۶ سے ترکیب نحوی شروع ہو کر ص:۱۱۱ پر ختم ہوئی تو کتاب کے کل صفحات ترکیب ۱۰۵ ہوئے، جس میں ۱۸۶ غلطیاں ہیں اور وہ بھی موٹی موٹی جن کو دیکھ کر مبتدی بھی انگشت بدنداں رہ جائیں، کتاب کا کوئی صفحہ غلطی سے خالی نہیں، ہم نے کل اغلاط بالاستیعاب بیان نہیں کیں ورنہ اغلاط کی تعداد کئی سو تک پہونچتی۔ یہ ہے دارالعلوم دیوبند میں درجۂ علیا کے مدرس مولانا ظہور احمد صاحب کی نحودانی'' (البشیر الکامل دیباچہ صفحہ۲۹)

اس کتاب سے بھی دیوبندی جہالت کے دو نمونے ملاحظہ فرمائیں:

پہلا نمونہ:

''(ایضاح العوامل کے) صفحہ ۷ پر ﴿وجعل الجنة مثواه﴾ کی ترکیب میں فرماتے ہیں'''جعل، فعل افعال قلوب میں سے ہے۔

اقول: ﴿استغفر الله ثم استغفرا الله کبرت کلمة تخرج من افواههم﴾ سید عالم ﷺ نے ایسے ہی اشخاص کے حق میں فرمایا تھا: بیشک بندے کی زبان سے کبھی بے خیالی میں ایسا کلمہ نکل جاتا ہے جن کے سبب وہ نار دوزخ میں پڑ جائے (بخاری) اس'' جعل '' کو افعال قلوب سے قرار دینا اسی قبیل سے ہے، کیونکہ اس میں مستتر ضمیر کا فاعل اسم جلالت ہے اور جس'' جعل '' کو افعال قلوب سے شمار کرتے ہیں وہ بمعنی اعتقاد غیر مطابق آتا ہے اور اعتقاد غیر مطابق صفت نقص ہے، اسی کو جہل مرکب کہتے ہیں اور ﴿جعل الجنة مثواه﴾ جملہ دعائیہ تو ان چاروں باتوں کے پیش نظر اس کا مفہوم جناب باری عز اسمہ کے حق میں صفت نقص کے حصول کی دعا ہوا جو شان الوہیت میں کھلی ہوئی بے ادبی ہے، اسی واسطے ہم نے کہا تھا کہ سوء ادبی آپ کو کابراً عن کابرٍ ترکہ میں پہونچی ہے بلکہ یہ ''جعل'' افعال تصییر سے ہے جو متعدی بدو مفعول ہوتے ہیں: ﴿کما فی همع الهوامع شرح جمع الجوامع للسیوطی علیه الرحمة﴾

(البشیر الکامل دیباچہ صفحہ۳)

دوسرا نمونہ

''اسی صفحہ پر (یعنی ایضاح العوامل کے صفحہ ۷ پر) ﴿واللفظیة منها علی ضر بین﴾ کی ترکیب میں فرماتے ہیں: ﴿اللفظیة﴾ ذوالحال یا موصوف، من حرف جار ہا ضمیر مجرور، جار مجرور مل کر متعلق کائنۃ کے ہو

کر حال ہوا ذوالحال کا یا صفت ہوئی موصوف کی۔

اقول: سبحان اللہ کائنۃ صفت نکرہ اور اللفظیۃ موصوف معرفہ، یہ ہیں دار العلوم دیوبند شریف میں درجہ علیا کے مدرس نحوداں جنکی اس ترکیب پر تہلیل پر قربان ہوں وہاں کے جملہ مبتدیان نحو میر خواں۔ ناظرین ہم نے یوں ہی کہا تھا کہ ان مدرس صاحب کو ہدایۃ النحو کے مسائل محفوظ نہیں، لیکن اب ترکیب مذکور سے ظاہر ہوا کہ ذات شریف کو نحو میر بھی یاد نہیں ہے، کیونکہ اس میں بھی اس بات کی تصریح کردی گئی ہے کہ موصوف اگر معرفہ ہو تو صفت کا معرفہ ہونا شرط ہے اور یہ ذات شریفہ کائنۃ نکرہ کو اللفظیۃ معرفہ کی صفت قرار دے رہے ہیں"

(البشیر الکامل دیباچہ صفحہ ۴۷۳)

اور بشیر الناجیہ شرح کافیہ کے دیباچہ میں تحریر کرتے ہیں:

"آج کل عموماً اردو کی وہ شروح مل رہی ہیں جن کو دیوبندی علماء نے تالیف کیا، یہ شروح اغلاط کثیرہ پر مشتمل ہیں، چنانچہ اس وقت اردو کی شروح میں سے ہمارے پاس صرف ایک شرح ہے جس کا نام ہے "سعیدیہ" یہ مولانا محمد حیات صاحب سنبھلی صدر مدرس مدرسہ امدادیہ مراد آباد کی تصنیف ہے جو دیوبندی مسلک رکھتے ہیں، علمائے دیوبند کی دیگر شروح کی طرح یہ بھی اغلاط پر مشتمل ہے جس کو پڑھ کر طلبہ گمراہ ہو رہے ہیں"

(بشیر الناجیہ دیباچہ صفحہ ۴)

"ان شارح کی یہ شرح ۲۱۲ صفحات پر مشتمل ہے جس میں تقریباً ڈیڑھ سو سے زیادہ اغلاط ہیں"

(دیباچہ صفحہ ۶)

حضرت صدر العلماء قدس سرہ نے "سعیدیہ" کی بے شمار غلطیوں میں سے دس غلطیوں کی نشاندہی کر کے یہ ثابت کردیا ہے کہ "اس لنکا میں سب باون گز کے ہیں" ان دس غلطیوں میں سے ایک غلطی بطور نمونہ آپ بھی ملاحظہ کریں۔

"علم کی تعریف عربی الفاظ میں یوں کی گئی تھی ﴿علم باصول یعرف بہا احوال اواخر الکلم من حیث الاعراب والبناء﴾ جس کا ترجمہ (ص ۱) پر اردو میں مولانا موصوف (مولانا محمد حیات سنبھلی) اس طرح فرماتے ہیں: یعنی علم نحو ایسے قواعد کے جاننے کا نام ہے کہ جن کے ذریعہ کلموں کے اخیر کا حال معرب اور مبنی ہونے کے اعتبار سے جانا جائے۔ اقول: اس مقام پر "علم" کا "جاننا" ترجمہ کرنا صحیح نہیں کہ "جاننا" معنی مصدری ہیں اور معنی مصدری انتزاعی اور نحو وغیرہ علوم انتزاعی نہیں ہوتے بلکہ حسب تصریح علماء منقول ومعقول ہر علم تصدیقات مخصوصہ سے عبارت ہوتا ہے، یا ملکہ مخصوصہ سے، ان میں سے کوئی بھی معنی مصدری نہیں۔ شاید مولانا موصوف کو قطبی میر قطبی ملاحظہ فرمانے کا اتفاق نہیں ہوا، ورنہ ایسا ترجمہ نہیں فرماتے، صحیح ترجمہ یہ ہے کہ "علم نحو" ایسے اصول کی تصدیقات (کو کہتے) ہیں جن سے اواخر کلمات کے اعرابی اور بنائی احوال پہچانے جائیں"

(بشیر الناجیہ دیباچہ صفحہ ۴)

علمائے دیوبند نے شروح وحواشی کے نام پر اس طرح کی جہالتوں اور ضلالتوں کا جا بجا مظاہرہ کیا ہے یہاں تک کہ بخاری شریف بھی ان ظالموں کی لغویات وہذیانات سے محفوظ نہیں رہ سکی ہے۔

حضرت صدر العلماء فرماتے ہیں:

''اسی دار العلوم کے تین صدر مدرس مولانا محمود حسن صاحب، مولانا انور شاہ صاحب، مولانا حسین احمد صاحب کی حدیث دانی کا نمونہ ہم اپنی کتاب ''بشیر القاری بشرح صحیح البخاری'' میں پیش کر چکے ہیں جس سے ظاہر ہوتا ہے کہ ایں خانہ ہمہ آفتاب است، اسی پر بعض ناعاقبت اندیش دیوبندی صاحبان بغلیں بجا بجا کر فرماتے ہیں: کہ ہم نے علمی خدمات انجام دی ہیں، شروح لکھیں، حواشی لکھے۔ ناظرین پر منکشف ہو گیا کہ ان حضرات کے شروح وحواشی کا یہ حال ہے کہ اسلاف واخلاف سب کے سب بدترین اغلاط میں گرفتار ہیں، انھیں بخاری شریف پڑھنے اور برسہا برس تک پڑھانے کے باوجود اس کے پہلے باب کا سمجھنا نصیب نہ ہوا اور ان ذات شریف (ایضاح العامل کے مصنف مولانا ظہور احمد صاحب مدرس دار العلوم دیوبند) کو نحو کی ابتدائی کتاب شرح مأۃ عامل کی ترکیب نہ آئی'' (البشیر الکامل دیباچہ صفحہ ۲۹)

اور بقول حضرت صدر العلماء قدس سرہ اس کی وجہ یہ ہے:

''یہ پھٹکار ہے اس بے ادبی اور گستاخی کی جو ان اکابر سے عارف باللہ حضرت حاجی امداد اللہ شاہ قدس سرہ کی جناب میں صادر ہوئی کہ علم شریعت میں اپنے آپ کو ان سے زیادہ سمجھا، اور مولانا رشید احمد گنگوہی صاحب نے تو بے ادبی کی انتہا کر دی کہ ان کے مرید ہوتے ہوئے اپنے عقائد کے خلاف ہونے کی وجہ سے ان کی کتاب 'ہفت مسئلہ'' کو خواجہ حسن نظامی صاحب سے آگ میں جلوایا جس کو خود خواجہ حسن نظامی صاحب نے ماہنامہ'' منادی نئی دہلی'' جلد ۳۹ شمارہ ۱۲ میں صفحہ ۲۲ پر تفصیل کے ساتھ بیان کیا۔ بعد والے حضرات چونکہ اس بے ادبی کو بنظر استحسان دیکھتے رہے اور اس سے اظہار بیزاری نہ کیا نظر برآں وہ بھی اس پھٹکار میں داخل ہو گئے، اسی کا نتیجہ ہے کہ ہر میدان میں قدم قدم پر بھٹکتے ہیں اور فہمائش پر سمجھتے نہیں، کیونکہ مرشد برحق کی شان میں بوجہ بے ادبی ثم لا یعودون کی مہر لگ چکی ہے'' (بشیر الناجیہ دیباچہ صفحہ ۶)

(مفتی) محمد ایوب مظہر کانگی

امام النحو اور علم نحو

فاضلِ جلیل علامہ مولانا محمد زبیر عالم صاحب صدیقی

پرنسپل محمدیہ عربک کالج (پورنیہ، بہار)

امام النحو شارح بخاری صدر العلماء حضرت العلام الحاج الشاہ سید غلام جیلانی میرٹھی علیہ الرحمۃ والرضوان کی جامع کمالات شخصیت پر قلم اٹھانے کے لئے بڑے علم اور جسارت کی ضرورت ہے، کچھ لکھدینا اور بات ہے امام النحو صدر العلماء کے ساتھ انصاف کرنا اور بات ہے، حضرت کی شخصیت اور ان کے دینی کردار اور علمی خدمات کو سمجھنے کے لئے سب سے پہلے انسان کو بحر العلوم بننا پڑے گا، ان کی پہلو دار شخصیت کا احاطہ ایک مشکل کام ہے۔ جو کسی ایک فرد کے بس کی بات نہیں بلکہ ایک پوری جماعت کی ضرورت ہے۔

موجودہ دور میں بلا واسطہ یا بالواسطہ جتنے بھی مشہور ومعروف علماء ہیں سب امام النحو شارح بخاری صدر العلماء میرٹھی علیہ الرحمۃ والرضوان کے شاگرد ہیں، پھر بھی آج تک نہ صدر العلماء امام النحو علیہ الرحمۃ کے نام سے سیمینار کیا گیا نہ کوئی کانفرنس، نہ مقالات پیش کئے گئے، نہ کوئی سوانح عمری سامنے آئی، نہ کسی محفل میں ان کے نام سے خراج عقیدت پیش کیا گیا، نہ کوئی ادارہ ان کے نام منسوب کیا گیا، بلکہ علماء نے فراموش کر کے بڑی بے انصافی کی ہے جب کہ آپ کی علمی خدمات مسلم ہیں، علماء دیوبند نے جب یہ شور مچانا شروع کیا کہ علم کی خدمت جو ہم لوگوں نے کی کسی مسلک والوں نے نہیں کی بلکہ ہماری شروحات کو دیکھ کر بریلوی مسلک کے طلبہ تو طلبہ اساتذہ استفادہ کر رہے ہیں۔ علم تفسیر ہو یا علم حدیث، علم فقہ ہو کہ اصول فقہ، علم صرف ونحو ہو کہ منطق وفلسفہ ،غرضیکہ ہر علم وفن پر ہماری شرحیں موجود ہیں، اب صحیح علم کے وارث ہم لوگ ہیں، ایسے موقع پر حضرت امام النحو علیہ الرحمۃ نے شرح مأۃ عامل کی شرح البشیر الکامل بحل شرح مأۃ عامل تحریر فرما کر دیوبندی شروحات کے اغلاط کی نشاندہی کی تو طلبہ وعلماء دیوبند دنگ رہ گئے۔ آپ نے فرمایا بتاؤ! تم لوگوں نے علم کی خدمت کی ہے یا طلبہ کو گمراہ کیا ہے۔ حضرت فرماتے ہیں:

اس سے پیشتر شرح مأۃ عامل کی اردو تراکیب بہت سی شائع ہوئیں سب کی سب نحوی معیار سے گری ہوئیں ہیں اور کسی سے مقصود ترکیب حاصل نہیں ہوتا، بالخصوص ایضاح العوامل وہ تو اغلاط کی پوٹ اور طلبہ کو گمراہ کرنے والی ہے، ٹائٹل پیج پر اس کی خصوصیات میں پہلی خصوصیت یہ بیان کی گئی ہے کہ دار العلوم جیسی عظیم المرتبت درسگاہ میں درجہ علیا کے مدرس مولانا محمد ظہور احمد صاحب کی تصنیف ہے، کتاب کے مطالعہ کرنے سے ظاہر ہوتا ہے کہ درجہ علیا کے ان مدرس صاحب کو صرف میر اور ہدایۃ النحو کے مسائل بھی مستحضر نہیں اور شان الوہیت وشان

رسالت میں سوءادبی تو آپکو دیوبندی اکابر کے ترکہ میں پہونچی ہے۔

(دیباچہ البشیر الکامل ص ۲)

فوراًاسی کے بعد ص ۳/پر آپ نے ایضاح العوامل کے ص ۷/کا حوالہ دے کرفرماتے ہیں:

(وجعل الجنة مثواه) کی ترکیب میں (جعل) فعل کوافعال قلوب میں سے بتایا ہے۔

اقول: ﴿استغفر الله کبرت کلمة تخرج من ﴾افواهم ،سید عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے ایسے ہی اشخاص کے حق میں فرمایا تھا: ﴿ان العبد لیتکلم با لکلمة من سخط الله لا یلقیٰ لها بالا یهوی بها فی نار جهنم﴾ ۔ترجمہ: بیشک بندے کی زبان سے بے خیالی میں ایسا کلمہ نکل جاتا ہے جس سے وہ ناردوزخ میں پڑ جائے (بخاری) اس (جعل) کوافعال قلوب سے قرار دینا اسی قبیل سے ہے، چنانچہ اس میں مستترضمیر فاعل کا مرجع اسم جلالت ہے۔اور جس (جعل) کوافعال قلوب سے شمار کرتے ہیں وہ بمعنی اعتقاد غیر مطابق آتا ہے۔ چنانچہ رضی شرح کافیہ میں ہے: ﴿ویستعمل عد وجعل لا عتقاد کون الشیء علیٰ صفة اعتقادا غیر مطابق فا ذا ولیتهما الا سمیة نصبا جزئیها نحو کنت اعده فقیراً فبان غنیا وقال تعالیٰ وجعلو ا لملائکة الذین هم عباد الرحمٰن انا ثا ای اعتقد وا فیهم الا نو ثة الخ﴾

اوراعتقاد غیر مطابق صفت نقص ہے اسی کو جہل مرکب کہتے ہیں اور (جعل الجنة مثواه) جملہ دعائیہ ،توان چاروں باتوں کے پیش نظر اس کا مفہوم جناب باری عز اسمہ کے حق میں صفت نقص کے حصول کی دعا ہوا جو شان الوہیت میں کھلی ہوئی بے ادبی ہے، اسی واسطے ہم نے کہا تھا سوءادبی آپ کو کابر اًعن کابر ترکہ میں پہونچی ہے، بلکہ یہ (جعل) افعال تصییر سے ۔ ہے، جومتعدی بدومفعول ہوتے ہیں: ﴿کمافی همع الهوامع شرح جمع الجوامع للسیوطی علیه الرحمة﴾

(دیباچہ البشیر الکامل)

نحوی ترکیب میں دیوبندی بدعت

ایضاح العوامل کے ص ۱۲ پر ﴿من وهی لا بتد اء لغایة﴾ کی ترکیب میں (من) کومعطوف علیہ اور (و) کوحرف عطف اور (هی) کومعطوف قرار دیا ہے۔

امام النحو صدر العلماء علیہ الرحمۃ والرضوان اس کے رد میں ارشادفرماتے ہیں:

اقول: اس واؤ کوحرف عطف قرار دینا دیوبندی بدعت ہے جو شریعت نحو میں سیئہ ہے کیونکہ صحت عطف کے لئے واجب ہے کہ معطوف کی اقامت معطوف علیہ کی جگہ صحیح ہو اور یہاں پر (هی) کو (من) کی جگہ رکھنا صحیح نہیں ورنہ اضمار قبل الذکر لازم آئے گا جو باطل ہے،قول کافیہ و المعطوف فی حکم المعطوف علیه الخ کی شرح کرتے ہوئے شارح رضی نے فرمایا: "فالمقصو دان المعطوف یجب ان یکون بحیث لو

حذف المعطوف علیه جاز قیامه مقامه" (ترتیب ابوسعیدی)

بلکہ (من) مبتدائے اول ہے اور (ھی) مبتداء ثانی جو اپنی خبر 'لا بتداء الغایة' سے ملکر مبتداء اول کی خبر ہے اور یہ (و) زائد ہے عاطفہ نہیں، جیسا کہ ان ذات شریف نے لکھ مارا۔

(دیباچہ البشیر الکامل)

دیوبندی علما کا سرقہ

ایضاح العوامل کے ص ۴۴ پر ﴿ وان کان مو نثا فنقول احد عشرة امرأة ﴾ کی ترکیب میں فرماتے ہیں: شرط اپنی جزا سے مل کر جملہ اسمیہ خبریہ معطوفہ ہوا، امام النحو علیہ الرحمۃ والرضوان اس کا رد کررہے ہیں۔

اقول: یہ غلط ہے، کیونکہ زمخشری اور ان کے متبعین کے نزدیک شرط وجزا کا مجموعہ جملہ شرطیہ کہلاتا ہے، اور باقی نحات کے نزدیک جملہ فعلیہ، کمافی الھمع ص ۱۳ جلد اول، اور خود ذات شریف نے اسی کتاب ایضاح العوامل کے مقدمہ میں ص ۲ر پر باقی نحات کے قول کو بطور سرقہ اپنی تحقیق قرار دے کر فرمایا: (اور اگر تدقیق نظر کی جائے تو قول تحقیق یہی ہوگا کہ اصل اصول صرف دو قسمیں ہیں، ایک اسمیہ دوسرا فعلیہ، اس لئے کہ ظرفیہ در حقیقت یا تو فعلیہ ہوتا ہے یا اسمیہ، جیسا کہ بصری کوفی اور نحویوں کا قول ہے، اسی طرح شرطیہ اصل میں جملہ فعلیہ ہے حرف شرط داخل ہو جانے سے اخفش نے اس کو ایک مستقل قسم شرطیہ بنادیا۔

اے سبحان اللہ! آپ اور تدقیق نظر، اور وہ بھی باوجود ضعف بصر، ماشاء اللہ جب کہ نحو میر اور صرف میر تک محفوظ نہ ہو وہ تدقیق نظر کرے، استغفر اللہ، ایں خیال است ومحال ست وجنون۔ اگر باور نہ ہو تو سنئے آپ فرماتے ہیں کہ ظرفیہ در حقیقت یا تو فعلیہ ہوتا ہے یا اسمیہ جیسا کہ بصری اور کوفی نحویوں کا قول ہے۔

اولاً: اگر یہ تسلیم کرلیا جائے کہ بصری اور نحویوں کا قول ہے تو ذات شریف کی تدقیق نظر نے کیا تیر مارا۔ اس سے کیا نئی بات پیدا ہوئی، یہ تو پہلے سے ان کا قول تھا، صدہا سال پیشتر جو بات کہی گئی تھی اس کو اپنی تحقیق قرار دے رہے ہیں اسی کا نام تدقیق نظر ہے ﴿لا حول ولا قوة الا باالله العلی العظیم﴾ مگر ہمیں اس پر بھی تعجب نہیں کہ دارالعلوم دیوبند میں پہلے سے یہی ہوتا چلا آرہا ہے کہ سابقہ حواشی وشروح کو طبع کروا کر اپنی جانب منسوب کرتے رہے ہیں تاکہ ناواقف سمجھیں کہ دارالعلوم میں درسی کتب کی خدمات انجام دی جارہی ہیں، چنانچہ دارالعلوم دیوبند کے شیخ الادب مولوی اعزاز علی صاحب نے کتب ادب پر جو حواشی چڑھائے ہیں سب کے سب بلفظہ سابقہ حواشی موجود ہیں مگر آخر میں تحریر کردیا۔ اعزاز علی غفرلہ، جس سے مفہوم ہوتا ہے یہ حضرت کی ذہنی کاوش کا نتیجہ ہے، حالانکہ جناب کا کچھ بھی نہیں۔

ثانیاً: اگر بصری اور کوفی نحویوں نے کہا تھا کہ ظرفیہ اصل میں فعلیہ یا اسمیہ ہے تو انھوں نے جملہ فعلیہ، اسمیہ، ظرفیہ، تین قسمیں کیوں قرار دیں، دو پر اختصار کیوں نہیں کیا، کیا آپ کی طرح ان کے سر میں پھوڑا نکلا تھا

کہ قسیم شئ کو اصل میں شی ء قرار دیجئے، استغفر اللہ۔ حقیقت یہ ہے کہ یہ ذات شریف جملہ ظرفیہ کے معنی ہی نہیں سمجھے۔اب ہم سے سنئے! مغنی اللبیب جلد دوم ص ۴۰ رمیں ہے:﴿(والظرفية) المصدرة بظرف او بجار و مجرور نحوا عندك زيد ا و فی الدار زيد ای اذا قدر ت زید اً فاعلاً بالظرف والجار والمجرور لا با لاستقرار المحذوف و لا مبتداء مخبرا عنه بهما﴾ یعنی ظرفیہ وہ جملہ ہے جس کے شروع میں ظرف ہو یا جار مجرور، جیسے ''اعندك زيد '' اور﴿افی الدار زيد﴾ جب کہ ان مثالوں میں زید کا رافع ظرف اور جار مجرور کو قرار دیں نہ استقرار محذوف کو، ورنہ فعلیہ ہو جائے گا اگر استقر فعل مقدر مانا، اور اب اصل عبارت یوں ہوگی:

﴿ااستقر عندك زيد﴾ اس صورت میں زید کا رافع فعل 'استقر' ہے، یا اسمیہ ہو جائے گا اگر 'مستقر' اسم فاعل مقدر مانا، اور اب اصل عبارت یوں ہوگی ﴿أمستقر عندك زيد﴾ اس صورت میں زید کا رافع 'مستقر' اسم فاعل ہے اور یہ جملہ اسمیہ اس لئے ہوا کہ مثال مذکور میں (مستقر) مبتداء کی قسم ثانی ہے، اور (زید) فاعل قائم مقام خبر، ورنہ زید کو مبتدا مؤخر اور ظرف یا جار مجرور کو خبر مقدم قرار دیں، ورنہ جملہ اسمیہ ہوگا نہ ظرفیہ (چونکہ بصریہ کے نزدیک ظرف اور جار مجرور کا عمل اعتماد کے ساتھ مشروط ہے کہ ان سے پیشتر استفہام یا نفی یا موصوف یا موصول یا مسند الیہ یا ذو الحال ہو، نہ کوفیہ کے نزدیک اور نہ اخفش کے نزدیک جو نحات بصریہ سے ہیں۔نظر برآں دونوں مثالوں میں ہمزہ استفہام ذکر فرمایا تا کہ مثالیں اتفاقی ہو جائیں۔اب تو ایمان لے آیئے کہ ظرفیہ اصل میں نہ فعلیہ نہ اسمیہ بلکہ قسم مستقل ہے۔

ثالثاً: جملہ شرطیہ کے اضافہ کی نسبت اخفش کی جانب غلط ہے، اس کے موجد آپ کے دینی مورث اعلیٰ علامہ زمخشری معتزلی ہیں بایں معنی کہ دیوبندیت کا جنم بطن اعتزال سے ہوا ہے۔خیر یہ اخفش زمخشری سے کئی سو سال مقدم ہیں، ان کی وفات ۲۱۵ھ میں ہوئی اور زمخشری کی ۵۳۸ھ میں، اور امام سیوطی علیہ الرحمہ ھمع الھوامع جلد اول ص ۳ رمیں فرماتے ہیں:﴿وزاد زمخشری وغیره فی الجمل الشر طية﴾ اور زمخشری وغیرہ نے جملوں میں شرطیہ کا اضافہ کیا۔اگر اضافہ کرنے والے یہ اخفش تھے تو زمخشری کی جانب نسبت امام ہرگز نہ فرماتے جس کا زمانہ کئی صدی متاخر ہے۔علاوہ ازیں اتنا نہیں سوچا کہ یہ اخفش نحات بصریین سے تھے جن کے نزدیک جملہ کی صرف تین قسمیں ہیں۔اسمیہ۔فعلیہ۔ظرفیہ۔جس کو زمخشری نے شرط کے ساتھ موسوم کیا۔وہ ان کے نزدیک فعلیہ کہلاتا ہے۔یہ تسمیہ ان کی اصطلاح کے بعد حادث ہوا، اسی واسطے امام سیوطی علیہ الرحمہ نے ھمع الھوامع میں بعد عبارت مذکورہ فرمایا:﴿والصواب انها فعلية﴾ تا کہ اقسام جملہ میں بے ضرورت اضافہ نہ ہو، ورنہ﴿لا مشاجة فی الا صطلا ح﴾ کے پیش نظر زمخشری کا تخطیہ درست نہ ہوگا، تخطیہ کے باوجود ترکیب میں یہی اصطلاح حادث رائج ہوگئی۔چنانچہ الفوائد الشافیہ میں اسی پر عمل فرمایا اور ان کی اتباع میں ہم نے بھی اسی کو اختیار کیا ہے۔الغرض جب یہ تسمیہ بصریین کی اصطلاح کے بعد حادث ہوا تو نام نہاد تدقیق میں یہ کہنا کس

طرح درست ہوگا کہ (حرف شرط داخل ہو جانے سے اخفش نے اس کو ایک مستقل قسم شرطیہ بنا دیا ﴿لا حول ولا قوۃ الا باللہ العلی العظیم﴾

حضور صدر العلماء اگرچہ امام النحو مشہور تھے مگر آپ تمام علوم وفنون پر دسترس رکھتے تھے، بخاری کی شرح بشیر القاری (جو حضرت نے تحریر فرمائی ہے) اس پر شاہد ہے۔ اور آج جو بھی بخاری کی شرح سامنے آئی وہ بشیر القاری ہی سے ماخوذ ہے کیونکہ آپ نے جن احادیث کی شرح کی ہے وہاں تک تو سب کر گئے مگر اس کے بعد سیر حاصل گفتگو نہ کر سکے۔ کافیہ کی شرح بشیر الناجیہ جب آپ نے تحریر فرمائی تو اس کے بعد بھی ایک شرح سامنے آئی مگر وہ بھی شرح بشیر الناجیہ سے ماخوذ ہے، اور اس شرح میں بھی وہیں تک طویل گفتگو کی گئی ہے جہاں تک حضرت نے سیر حاصل گفتگو کی ہے۔ اس کے بعد مکمل کتاب کی شرح چند صفحات میں ختم کر دی گئی۔

آج ضرورت ہے کہ حضرت کے نام پر سیمینار ہو اور علم دین کے احیا کے لئے حضرت کے نام سے کوئی ادارہ قائم کیا جائے۔ الحمد للہ! اس کام کے لئے حضرت ہی کے صاحبزادے حضرت علامہ حافظ وقاری الحاج الشاہ سید غلام یزدانی صاحب قبلہ مدظلہ العالی نے جیلانی عربک کالج کے نام سے سنبھل ضلع مراد آباد یوپی میں ایک عظیم ادارہ قائم فرمایا ہے جس کی فلک بوس تین منزلہ عمارت دور ہی سے تمام ناظرین کو دعوت نظارہ دیتی ہے۔ اور جب آپ جیلانی گیٹ سے اندر داخل ہونگے تو آپ محسوس کریں گے کہ میں کسی عصری کالج میں داخل ہو رہا ہوں۔ گیٹ کے بازو میں آفس کا ڈیکوریشن قابل دید ہے۔ اس کے بعد صحن پھر درسگاہ مدرسین کے لئے روم، سامنے سجدہ گاہ، تہہ خانہ میں کمپیوٹر روم، جب آپ دوسرا گیٹ عبور کریں گے تو ادھر حمام، وضو خانہ، استنجا خانہ وغیرہ اس گیٹ سے جب آپ آگے بڑھیں گے تو پیچھے ڈائننگ ہال۔ پھر آپ دوسری منزل پر جب تشریف لے جائیں گے تو دیکھیں گے کہ سنگ مرمر اپنی خوبصورتی کے ساتھ آپ کے استقبال میں بچھا ہے، آپ کے قدم کا انتظار کر رہا ہے۔ وہ مکمل منزل دار الاقامہ ہے۔ جس میں بچوں کے لئے بہت بہترین انتظام ہے۔ تیسری منزل دیکھنے کے قابل ہے۔ غرضیکہ جیلانی عربک کالج مکمل اپنے وجود کے ساتھ نمودار ہو چکا ہے۔ اللہ تعالیٰ ان کو اور ان حضرات کو کہ جنہوں نے دست وبازو بن کر ان کا ساتھ دیا سب کو تادیر قائم ودائم رکھے تاکہ صدر العلماء علیہ الرحمہ والرضوان کا کماحقہ تعارف ہو سکے اور تعلیم دین کا احیاء جیلانی عربک کالج سنبھل سے ہوتا رہے۔ ﴿آمین بجاہ سید المرسلین صلی اللہ علیہ وسلم﴾ فقط

محمد زبیر عالم صدیقی
پرنسپل محمدیہ عربک کالج پورنیہ (بہار)

صدر العلماء کی نحوی بصیرت
بشیر الناجیہ کی روشنی میں

حضرت مولانا صدر الوریٰ قادری
مدرس الجامعۃ الاشرفیہ (مبارکپور، یو۔پی)

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

نحمدہ ونصلی علی رسولہ الکریم

ساتویں صدی ہجری میں علوم عربیہ میں جن علما نے نمایاں مقام حاصل کیا اور ان کی ذکاوت وفطانت اور جلالت علمی دیکھ کر فضلائے روزگار نے ان کے آگے زانوئے تلمذ تہ کیا ان میں صاحب کافیہ علامہ جمال الدین ابو عمر ابن الحاجب سر فہرست ہیں۔

علامہ ابن الحاجب جہاں ایک ممتاز فقیہ، مناظر، مفتی تھے وہیں علوم عربیہ اور علم القرأت میں ایک زبردست امام کی حیثیت رکھتے تھے، خلق خدا کے دلوں میں آپ کی وہ عظمت تھی کہ بڑے بڑے افاضل روزگار نے اکتساب فیض کر کے بڑے فخر کے ساتھ آپ کے تلامذہ کی فہرست میں اپنے کو شامل کیا اور ذکاوت وفطانت کا وہ عالم تھا کہ آپ کے معاصرین داد تحسین دیئے بغیر نہ رہ سکے۔

علامہ ابو العباس شمس الدین بن محمد بن ابی بکر بن خلکان رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ (۶۰۸-۶۸۱ھ) جن کی علمی ہمہ گیری اور وسعت فکری خود مسلم الثبوت ہے ان کی مایۂ ناز تصانیف پر اجلۂ علماء ومشائخ اعتماد ہی نہیں بلکہ انھیں سند کے طور پر لاتے ہیں، وہ بآں جلالت شان علامہ ابن الحاجب کے بارے میں یوں اظہار خیال کرتے ہیں:

﴿وصنف فی اصول الفقه و کل تصانیفه فی نهایة الحسن والافادة ، وخالف النحاة فی مواضع واورد علیهم اشكا لات والزامات تبعد الاجا بة عنها و کان من احسن خلق الله ذهنا وجاء نی مرارا بسبب اداء شهادات وسألته عن مواضع فی

العربية مشكلة فاجاب ابلغ اجابة بسكون كثير وتثبت تام﴾

اصول فقہ میں تصنیف کی اور ان کی ساری تصانیف نہایت عمدہ ومفید ہیں، کئی مقامات میں نحویوں سے اختلاف کیا اور ان پر ایسے اشکالات اور الزامات وارد کئے جن کا جواب دینا مشکل ہے، وہ خلق خدا کے ذہین ترین لوگوں میں سے تھے، میرے پاس گواہیاں دینے کے لئے متعدد بار آئے اور میں نے ان سے عربی میں کچھ مشکل جگہوں کے بارے میں دریافت کیا تو بڑے سکون اور پورے اذعان ویقین کے ساتھ بلیغ ترین جواب دیا

علامہ طاش کبریٰ زادہ صاحب مفتاح السعادۃ اس طرح رقم طراز ہیں:

﴿كان من اذكياء العالم واكب الفضلاء على الأخذ عنه﴾

دنیا کے ذہین لوگوں میں سے تھے، فضلائے روزگار اکتساب فیض کے لئے ان پر ٹوٹ پڑے۔

مفتاح السعادۃ ج ۱ ص ۱۳۳

یوں تو سارے ہی علوم وفنون میں آپ کی مہارت وکمال آپ کی تصانیف سے ظاہر وباہر ہے مگر ان سب میں علوم عربیہ بلکہ نحوی رنگ غالب تھا، اسی لئے نحوی ہی کی حیثیت سے آپ کا تذکرہ ہوتا ہے۔

علامہ ابن خلکان فرماتے ہیں:

﴿وتبحر في الفنون وكان الاغلب عليه علم العربيه﴾

اور فنون میں تبحر حاصل کیا اور ان پر علم عربیت کا غلبہ تھا۔

علامہ طاش کبریٰ زادہ فرماتے ہیں:

﴿وكان الاغلب عليه النحو﴾

اور ان پر نحو کا غلبہ تھا۔

یہی وجہ ہے کہ اور بھی علوم وفنون میں آپ کی متعدد تصانیف ہیں، مگر علم نحو میں کافیہ اور علم صرف میں شافیہ کو جو شہرت ملی وہ دیگر تصانیف کو نہ مل سکی، اور کیوں نہ ہو جب کہ علم نحو میں کافیہ وہ عظیم الشان کتاب ہے جس میں نہایت اختصار اور جامعیت کے ساتھ فن کے سارے مسائل جمع کر دیئے گئے ہیں، اسی بنا پر اسے وہ قبولیت حاصل ہوئی کہ سارے مدارس عربیہ میں یہ داخل نصاب ہے، اور جس کثرت کے ساتھ علما نے اس کی شرحیں لکھی ہیں وہ یقیناً نایاب ہے، اتنی بڑی مقدار میں شروح اور حواشی کسی بھی متن کے نظر نہیں آتے، عربی، فارسی، اردو، تینوں ہی زبانوں میں بے شمار شرحیں لکھی گئیں۔

علامہ طاش کبری زادہ فرماتے ہیں:

"والناس قد اعتنوا بكتاب الكافية اشد الاعتناء بحيث لا يمكن احصاء شروحها وهي حقيق بذالك"

اور لوگوں نے ''کافیہ'' پر بڑی توجہ دی ہے کہ اس کی شرحوں کو شمار کرنا ممکن نہیں اور یہ کتاب اس کے لائق ہے۔ (مفتاح السعادۃ ج اص ۱۷۰)

یہ خیال ہے علامہ طاش کبریٰ زادہ کا جو اپنے زمانے تک کافیہ کی شروح کے بارے میں اظہار خیال فرما رہے ہیں کہ کافیہ کی شرحوں کا شمار ناممکن ہے۔ ان کے عہد کے بعد بھی مختلف زبانوں میں شرحیں لکھنے کا سلسلہ جاری رہا، اپنے غیر سب اس متن پر طبع آزمائی کرتے رہے۔

ادھر ماضی قریب میں اردو زبان میں اپنے علمائے اہل سنت نے جو شرحیں لکھی ہیں ان میں ''بشیر الناجیہ'' کو ایک امتیازی مقام حاصل ہے، اسے صدر العلماء بدر الفضلاء، شارح بخاری علامہ سید غلام جیلانی میرٹھی علیہ الرحمہ نے اپنے قلم فیض رقم سے تحریر فرمایا، علامہ میرٹھی کو گو سارے ہی علوم متداولہ میں تبحر وکمال حاصل تھا مگر آپ پر بھی نحوی رنگ غالب تھا جس پر علم نحو میں آپ کی تصانیف ''بشیر الناجیہ، البشیر الکامل، البشیر'' شاہد عدل ہیں، ان تمام شرحوں میں آپ نے شرح کا حق ادا کر دیا، عبارت کا ترجمہ کیا تو انتہائی سلیس زبان استعمال کی کہ اول نظر میں اس کا اجمالی مفہوم سامنے آجائے، تشریح کی تو متن میں مخفی اسرار ورموز کھول کر رکھ دیئے، عبارت کی ترکیب پر اتر آئے تو کوئی لفظ ترکیب کی گرفت سے باہر نہ ہو سکا۔

ان تمام امور کے ساتھ دیوبندی شروح کی خامیاں اور علمائے دیوبند کی گمراہیاں بھی اجاگر کر کے طلبہ کے سامنے رکھ دیں تاکہ طلبہ ان کی فریب کاریوں سے ہمیشہ کے لئے نجات میں رہیں، اسی کے ساتھ جابجا وہ اضافی فوائد بھی ذکر کیے جو سینکڑوں صفحات کی ورق گردانی کے بعد ہی فراہم ہو سکتے ہیں۔

ترجمہ ''بشیر الناجیہ'' کا مطالعہ کرنے کے بعد یہ محسوس ہوتا ہے کہ اس شرح میں ان تمام امور کا لحاظ کیا گیا جو ایک جامع شرح کے لئے درکار ہیں، متن کا ترجمہ انتہائی دلنشیں انداز میں ثبت فرمایا، زبان بڑی ہی سلیس، اضح استعمال کی، مطلب خیز ترجمہ پر کافی توجہ دی۔

پہلے متن کافیہ کا ایک مختصر سا اقتباس پیش کرتے ہیں، اس پر ایک عبوری نظر ڈالتے چلیں۔

علامہ ابن الحاجب فرماتے ہیں:

﴿فمنه الفاعل وهو ما اسند اليه الفعل او شبهه وقدم عليه على جهة قيامه به مثل قام زيد وزيد قائم ابوه والاصل ان يلى الفعل فلذلك جاز ضرب غلامه زيدو امتنع ضرب غلامه زيدا﴾

حضرت صدر العلماء علیہ الرحمہ اس کا ترجمہ کرتے ہوئے رقم طراز ہیں:

چنانچہ اسی قبیل سے فاعل ہے وہ ایسا اسم مرفوع ہے جس کی جانب فعل کی نسبت ہو یا شبہ فعل کی درآنحالیکہ یہ اس پر مقدم ہوں بطور قیام فعل یا شبہ فعل اس کے ساتھ جیسے (زید) قام زید (میں) اور (ابوہ) زید قائم ابوہ (میں) اور فاعل کا مقتضائے طبعی یہ ہے کہ فعل کے بعد بلا فصل مذکور ہو پس اسی واسطے جائز ہے (ترکیب

)ضرب غلامہ زیداورنا جائز ہے(ترکیب)ضرب غلامہ زیداً'' (ص ۰۷)

یہ ترجمہ اختصار مگر سلاست کے ساتھ کتنی خوبیوں کا حامل ہے، اس کا اندازہ اس وقت ہوگا جب کہ شروح کافیہ پر نظر ڈالی جائے، بلاشبہ اس کی سلاست ومعنی خیزی سے وہ رموز واسرار منکشف ہورہے ہیں جو کتب مطولات کی سطور کی بیچوں میں، پنہاں ہیں، ذیل میں ہم بعض پر روشنی ڈال رہے ہیں ملاحظہ فرمائیں۔

(۱) شروح کافیہ میں عام طور پر شارحین کا رجحان مذکور ہے کہ '' وقدم ''میں واو عاطفہ ہے اور قدم علیہ الخ جملہ حالیہ ہے۔

بشیر الناجیہ میں ترجمہ کا وہ انداز اختیار کیا گیا ہے کہ ترجمہ ہی سے یہ ظاہر ہوجاتا ہے کہ یہ جملہ حالیہ ہے، چنانچہ فرماتے ہیں:

''درانحالیکہ یہ اس پر مقدم ہوں''

(۲) اصل کا لغوی معنی ہے ﴿ما یبتنی علیہ غیرہ﴾ یعنی جس پر کسی شئی کی بنیاد ہو، پھر دوسرے معانی میں بھی اس کا استعمال ہونے لگا، مثلا راجح، قاعدہ کلیہ، دلیل وغیرہ، یہاں اصل بول کر مصنف کی کیا مراد ہے، اس سلسلے میں صاحب فوائد ضیائیہ ملا عبدالرحمن جامی رحمۃ اللہ علیہ رقمطراز ہیں:

﴿والاصل فی الفاعل ای ما ینبغی ان یکون الفاعل علیہ ان لم یمنع مانع﴾

اور فاعل میں اصل یعنی جس پر فاعل کو ہونا چاہئے بشرطیکہ کوئی مانع نہ ہو۔

جس کا حاصل حاشیہ نگاروں نے یوں بیان کیا:

﴿والحاصل ان الفاعل من حیث ھو فاعل یقتضی قربہ من الفعل ای طبیعۃ الفاعل تقتضی قربتھا بالفعل وھو الظاھر من کلامہ ولکن قد یزول ذلك الاقتضاء بعارض یقتضی رجحان البعد او وجوبہ ونظیر ذلك ان طبیعۃ الماء لا تقتضی الاالبرودۃ لکن قد تزول لمانع ھو الشمس اوالنار﴾

اور حاصل یہ ہے کہ فاعل من حیث ہو فاعل یہ چاہتا ہے کہ فعل سے قریب ہو یعنی فاعل کا مقتضائے طبعی یہ ہے کہ فعل سے قریب ہو، یہی شارح کے کلام کا ظاہر ہے، لیکن کبھی وہ اقتضاء زائل ہوجاتا ہے کسی ایسے عارض کی وجہ سے جو فعل سے دوری کے راجح ہونے یا اس کے واجب ہونے کا تقاضا کرتا ہے، اور اسکی نظیر یہ ہے کہ پانی کی طبیعت برودت ہی چاہتی ہے لیکن کبھی کسی مانع مثلا دھوپ یا آگ کی وجہ سے برودت زائل ہوجاتی ہے۔

اس عبارت سے یہ مسئلہ روز روشن کی طرح عیاں ہوگیا کہ کافیہ کی عبارت میں اصل سے مراد اس کا معنی لغوی نہیں ہے بلکہ معنی عرفی یعنی مقتضائے طبعی مراد ہے۔

اب ذرا حضرت میرٹھی صاحب علیہ الرحمہ کے ترجمہ پر بھی ایک طائرانہ نظر ڈالیں تو آپ کو محسوس ہوگا

کہ جس گہرائی کی طرف عام طور سے طلبہ کا ذہن نہیں جاتا بلکہ اس پر توجہ بھی نہیں ہوتی کہ یہاں اصل سے کیا مراد ہے، یہ کہہ کر طلبہ آگے بڑھ جاتے ہیں کہ فاعل میں اصل یہ ہے اور اس میں پڑنے کی ضرورت بھی نہیں محسوس کر تے ہیں کہ کتابوں کی چھان بین کر کے یہ متعین کریں کہ اصل سے معنی لغوی مراد ہے یا معنی عرفی ؟ ظاہر ہے کہ کافیہ کے متن میں یہ مذکور نہیں بلکہ کتب مطولات کی ورق گردانی کے بعد ہی یہ معلوم کیا جا سکتا ہے کہ یہاں مصنف کی کیا مراد ہے۔ حضرت میرٹھی صاحب علیہ الرحمہ نے متن کے ترجمہ میں ہی اس کا لحاظ فرمایا اور یہ واضح فر ما دیا کہ اصل سے یہاں معنی لغوی مراد نہیں ہے بلکہ اس کا معنی عرفی یعنی مقتضائے طبعی مراد ہے۔ رقم طراز ہیں:

اور فاعل کا مقتضائے طبعی یہ ہے:

(۳) " یلی " یہ " ولی " سے بنا ہے جس کا معنی لغت میں ہے "بعد میں ہونا" مگر یہ متعین نہیں کہ بعدیت بلا فصل و بلا واسطہ ہوگی یا فصل کے ساتھ، اس سلسلے میں شارحین کی رائے یہ ہے کہ یہاں بلا فصل بعدیت مراد ہے، یعنی اصل یہ ہے کہ فاعل بلا فصل فعل کے بعد ہو، بیچ میں فعل کے کسی اور معمول کا فصل نہ ہو، حضرت میرٹھی صاحب علیہ الرحمہ نے ترجمہ میں اس کا لحاظ فرمایا اور یہ واضح کر دیا کہ اس عبارت میں بعدیت بلا فصل مراد و متعین ہے۔ رقم طراز ہیں:

"مقتضائے طبعی یہ ہے کہ فعل کے بعد بلا فصل مذکور ہو"

یہ ہیں چند وہ رموز و اسرار جو متن کافیہ کی بیچ میں پنہاں ہیں جن کا انکشاف مطولات کی طرف مراجعت کے بغیر نہیں ہو سکتا، بشیر الناجیہ میں ترجمہ میں ہی انھیں معرض تحریر میں لا کر ظاہر و باہر کر دیا، یہ ہے سلسلہ ترجمہ کی ایک کڑی جو مترجم کی نحوی بصیرت پر دلیل بین ہے۔

تشریح:

اب آیئے تشریح کے گلشن کی بھی سیر کریں، اس کے دلکش مناظر کا نظارہ کریں اور حضرت صدر العلماء علیہ الرحمہ کی دستکاریوں کو ملاحظہ فرما کر دل و جان کو فرحت و انبساط بخشیں۔ کافیہ کے ایجاز و اختصار، عبارت کی پیچیدگی، معانی و مطالب کے اعضال و ابہام سے ہر شخص بخوبی واقف ہے، حضرت میرٹھی صاحب علیہ الرحمہ نے پہلے اس کی پر پیچ عبارت کی انتہائی عام فہم انداز میں ایسی تشریح فرمائی کہ جو معانی و مفاہم پہلے پردہ خفا میں تھے، عام آدمی کی فہم سے کافی دور تھے، وہ اس طرح واضح ہو گئے کہ اس شرح کے مطالعہ کے بعد طالب علم کو یہ محسوس ہی نہیں ہوتا کہ ہم کسی ژولیدگی میں مبتلا تھے، اور اسی پر بس نہیں بلکہ دوران تشریح جا بجا سوال و جواب کا ایسا سلسلہ قائم کیا ہے جس سے ایک طرف اگر شکوک و شبہات دور ہوتے ہیں تو دوسری طرف قاری کے اندر جذبۂ بحث، نکتہ آفرینی، توقد طبع، انشراح صدر و، ذہنی انجلا کا مادہ بھی بیدار ہوتا ہے۔

اب اپنے دعویٰ کی تائید کے لئے ہم کافیہ کا ایک مختصر سا اقتباس نذر قارئین کرنے کے بعد صدر العلماء

کی تشریح کا ایک حصہ پیش کرتے ہیں، پہلے اقتباس ملاحظہ فرمالیں:

﴿فان اعملت الثانی اضمرت الفاعل فی الاول علی وفق الظاهر دون الحذف خلا فالکسائی وجاز خلا فاللفراء وحذفت المفعول ان استغنی عنه والااظهرت﴾

یہ عبارت تنازع فعلین کی بحث سے متعلق ہے، تقریباً ہر مبتدی کو یہ معلوم ہوگا کہ تنازع فعلین کی چار صورتیں ہیں،

ا: دونوں فعل اسم ظاہر کو اپنا فاعل بنانا چاہیں،

جیسے ﴿ضربنی واکرمنی زید﴾

۲: دونوں فعل اسم ظاہر کو اپنا مفعول بنانا چاہیں،

مثلا ﴿ضربت واکرمت زیدا﴾

۳: پہلا فعل اسم ظاہر کو فاعل بنانا چاہے جب کہ دوسرا فعل اسے اپنا مفعول بنانا چاہے،

جیسے ﴿ضربنی واکرمت زید﴾

۴: پہلا فعل اسم ظاہر کو مفعول بنانا چاہے اور دوسرا فعل اسے فاعل بنانا چاہے،

مثلا: ﴿ضربت واکرمنی زید﴾

اس بارے میں نحات کوفہ اور نحات بصرہ کے درمیان نفس جواز میں تو کوئی اختلاف نہیں مگر راجح ومختار ہونے میں اختلاف ہے، نحات کوفہ فعل اول کو عمل دلانا راجح واولیٰ قرار دیتے ہیں جب کہ نحات بصرہ فعل ثانی کو عمل دلانا اولیٰ تصور کرتے ہیں، اب اس کے تناظر میں مندرجہ بالا اقتباس میں ﴿جاز خلافا للفراء﴾ کے جملہ پر غور فرمائیں کہ یہ حصہ کس قدر ایجاز پر مبنی ہے اس کا بظاہر معنی ہوگا "جائز ہے برخلاف فراء" اب کیا جائز ہے یہ بڑا مبہم سا معلوم ہوتا ہے۔

اب اس پر صدر العلما علامہ میرٹھی علیہ الرحمہ کی تشریح دیکھیں وہ رقم طراز ہیں:

یہ جملہ اعتراضیہ مذہب فراء بیان کرنے کے لئے ہے، جس کا حاصل یہ ہے کہ بصری نحات کے نزدیک فعل ثانی کو عمل دینا جائز ہے درآنحالیکہ فعل اول فاعل کا مقتضی ہو بخلاف فراء کہ ان کے نزدیک اس صورت میں فعل ثانی کو عمل دینا جائز نہیں بلکہ فعل اول کو عمل دینا متعین ہے، کیونکہ اس صورت میں اگر فعل ثانی کو عمل دیا جائے تو اضمار قبل الذکر لازم آئے گا، یا حذف فاعل، اور دونوں ممنوع، پھر صورت مذکورہ میں اگر فعل ثانی فاعل کا مقتضی ہو، جیسے ﴿ضربنی واکرمنی زید﴾ تو اس میں ضمیر فاعل قرار دی جائے گی جس سے اضمار قبل الذکر لفظاً لازم آئے گا نہ رتبۃً، اور یہ جائز ہے، اور اگر فعل ثانی مفعول کا مقتضی ہو، جیسے ﴿ضربنی واکرمت زیداً﴾ تو اس کے مفعول کو محذوف قرار دیا جائے گا، یا اس کی بھی ضمیر لائیں اور یوں کہیں ﴿ضربنی واکرمته زید﴾ اس

مسلک پر کوئی بھی محذور لازم نہیں آتا۔

یہ ہے تشریح کا تھوڑا سا اقتباس وہ بھی ایک مختصر سے جملہ پر، اس تشریح سے اس جملہ کا مفہوم اس طرح واضح ہو گیا کہ اب اس میں کوئی پوشیدگی رہ ہی نہ گئی، اور یہیں سے یہ بھی معلوم ہو گیا کہ نحات بصرہ ونحات کوفہ کا اختلاف صرف اولویت میں ہے، یعنی فعل اول کا عمل دینا اولیٰ ہے یا فعل ثانی کو، نفس جواز میں کوئی اختلاف نہیں، حتی کہ نحات بصریہ کے نزدیک بھی فعل اول کو عمل دینا جائز ہے اور نحات کوفہ کے نزدیک بھی فعل ثانی کو عمل دینا جائز ہے۔

مگر فراء کا اختلاف اولویت میں نہیں ہے بلکہ جواز میں ان کا اختلاف ہے اور یہ اختلاف پہلی اور تیسری صورت میں ہے، یعنی فعل اول جب فاعل کا مقتضی ہو خواہ فعل ثانی بھی فاعل کا مقتضی ہو یا وہ مفعول کا مقتضی ہو، بہر حال ان کے نزدیک فعل اول کو عمل دینا واجب ہے، فعل ثانی کو عمل دینا جائز نہیں، ورنہ دو خرابیوں میں سے ایک خرابی لازم آئے گی، اضمار قبل الذکر لفظا ورتبۃً اگر جمہور کا مذہب اختیار کیا جائے، یعنی فعل اول کے لئے فاعل کی ضمیر لائی جائے۔ یا حذف فاعل اگر امام کسائی کا مذہب اپنائیں، یعنی اضمار قبل الذکر سے بچنے کے لئے فعل اول کا فاعل حذف کر دیں۔

اس کے برخلاف اگر ان دونوں صورتوں میں فعل اول کا عمل دلایا جائے تو نہ اضمار قبل الذکر لازم آئے گا نہ حذف فاعل۔

اس تشریح کے بعد نفسیاتی طور سے یہ سوال ابھر کر سامنے آتا ہے کہ جب فراء کے مذہب پر کوئی محذور لازم نہیں آتا اور نحات بصرہ کا مذہب بہر حال محذور سے خالی نہیں، پھر کیا وجہ ہے کہ مذہب فراء ترک کر کے مذہب نحات بصرہ اختیار کیا گیا، اور ہر صورت میں فعل ثانی کو ہی عمل دینا اولیٰ وارجح ٹھہرایا گیا؟

حضرت میرٹھی صاحب علیہ الرحمہ اس اشکال کو حل کرتے ہوئے رقم طراز ہیں:

''اس لئے کہ استعمال عرب مذہب بصریہ کے موافق ہے اور مسلک فراء کے مخالف جیسے مندرجہ ذیل شعر میں:

﴿جری فوقها واستشعرت لون مذهب﴾

کہ اس میں شاعر نے فعل ثانی (استشعرت) کو اسم ظاہر (لون مذهب) میں عمل دیا حالانکہ فعل اول

(جری) فاعل کا مقتضی ہے ﴿كذا فى حاشيه العلامه محمد بن موسىٰ بسنوى رحمه الله القوى على شرح الجامى﴾ (ص ۸۲)

ترکیب: بشیر الناجیہ میں عبارت کی تشریح کے ساتھ ساتھ اس کی ترکیب کا بھی بھرپور التزام کیا گیا

ہے، چھوٹا سے چھوٹا جملہ ہو یا بڑا سے بڑا، کوئی جملہ بھی ترکیب کی گرفت سے باہر نہیں ہو سکا، اور ترکیب بھی اجمالی نہیں بلکہ ایسی تفصیلی ہے کہ مرکب تو مرکب مفردات کی بھی تحلیل اور اس کا تجزیہ کر کے رکھ دیا ہے ضمیر ہے تو کیسی ضمیر ہے مرفوع ہے؟ منصوب ہے؟ مجرور ہے؟ بہرصورت متصل ہے یا منفصل؟ پھر اس کا مرجع کیا ہے؟ فعل ہے تو کون سا فعل ہے ماضی؟ یا مضارع؟ یا امر؟ پھر کونسا صیغہ ہے؟ معرب ہے یا مبنی؟ مبنی ہے تو کس علامت پر مبنی ہے؟ اسم اگر معرف باللام ہے تو اس پر الف لام کیسا ہے؟ اور معرف باللام نہیں ہے تو منصرف ہے یا غیر منصرف؟ منصرف صحیح ہے یا جاری مجری صحیح یا پھر کونسا اسم ہے؟ لاَّ، جیسے کلمہ کی تحلیل کہ یہ ان اور لا سے مرکب ہے، اب اس میں ان، کیسا ہے؟ لا نافیہ ہے تو اس کا منفی کیا ہے؟ اور اگر حروف آ گئے تو اسکی تحقیق کونسا حرف ہے مثلاً حرف جار ہے؟ مشبہ بالفعل ہے؟ نفی ہے؟ استفہام ہے؟ شرط ہے؟ تمنی ہے؟ تحقیق ہے؟ تقلیل ہے؟ تکثیر ہے۔ پھر اگر حرف جار ہے تو پھر اس کی تعیین کہ کس معنی کے لئے یہاں اس کا استعمال ہوا، مثلاً باء ہے تو تعدیہ کے لئے یا الصاق کے لئے؟ یا کس معنی کے لئے؟ عن ہے تو بعد کے لئے؟ یا مجاوزت کے لئے؟ یا کس معنی کے لئے؟ علی ہے تو استعلا کے لئے یا مصاحبت کے لئے؟ یا پھر کس معنی کے لئے؟ حرف مشبہ بالفعل ہے تو برائے تحقیق ہے؟ یا کس معنی کے لئے؟۔ حرف نفی ہے تو زمان ماضی میں نفی کے لئے ہے؟ یا حال میں یا مستقبل میں؟۔ پھر منفی کیا ہے؟ استفہام ہے تو طلب تصور کے لئے یا طلب تصدیق کے لئے؟ بہرصورت استفہام تقریری ہے یا انکاری یا کس معنی کے لئے؟۔ تمنی ہے تو بعید الوقوع کی طلب مقصود ہے؟ یا متعذر الوقوع کی؟۔ فعل پر اگر قد کہیں نظر آیا تو اس کی تحقیق کہ برائے تحقیق ہے یا تقلیل یا تکثیر؟۔ حتی کہ میرٹھی صاحب علیہ الرحمہ کی تحقیق وتفتیش، تحلیل وترکیب کی گرفت سے کلام وجملہ تو درکنار کلمات مفردہ تک باہر نہیں ہوتے۔ اسم، فعل، حرف ہر ایک کی تحقیق کر ڈالی، اب ذیل میں ترکیب کا بھی ایک اقتباس دیکھتے چلیں کافیہ کی عبارت ہے:

الجمع شرطه صيغة منتهى الجموع بغير هاء

اپنی سہولت کے لئے ہم نے ایک مختصر سا جملہ بطور تمثیل دیا ہے، اب اس پر ترکیب ملاحظہ فرمائیں، رقم طراز ہیں:

"قوله الجمع شرطه الخ (ال) حرف تعریف برائے عہد خارجی مبنی بر سکون (جمع) مفرد منصرف صحیح مرفوع لفظاً مبتدائے اول (شرط) مفرد منصرف صحیح مرفوع لفظاً مضاف (ھا) ضمیر مجرور متصل مضاف الیہ مجرور محلاً مبنی بر ضم راجع بسوئے مبتدائے اول۔ شرط، مضاف اپنے مضاف الیہ سے مل کر مبتدائے دوم۔ (صیغة) مفرد منصرف صحیح مرفوع لفظاً مضاف (منتهى) اسم مقصور مجرور تقدیراً مضاف الیہ مضاف، مصدر میمی یا اسم ظرف۔ (ال) حرف تعریف برائے عہد خارجی مبنی بر سکون (جموع) جمع مکسر منصرف مضاف الیہ مجرور لفظاً مرفوع محلاً بنا بر فاعلیت جب کہ (منتهى) مصدر میمی ہو، منتهی، مضاف اپنے مضاف الیہ سے مل کر مضاف الیہ ہوا

صیغہ مضاف کا، صیغہ مضاف اپنے مضاف الیہ سے مل کر ذوالحال، (با) حرف جار برائے الصاق مبنی بر کسر (غیر) مفرد منصرف صحیح مجرور لفظا مضاف (ھاء) یا (ھا) بغیر ہمزہ دونوں جائز ہیں

﴿ کما فی الفوائد الشافیة نقلا عن حواشی الکشاف للسید قدس سرہ ﴾

بر تقدیر اول مفرد منصرف صحیح مجرور لفظا مضاف الیہ، بر تقدیر ثانی اسم مقصور مجرور تقدیرا مضاف الیہ، غیر مضاف اپنے مضاف الیہ سے ملکر مجرور جار مجرور سے مل کر ظرف مستقر ہوا '' ثابتۃ '' مقدر کا، ثابتۃ مفرد منصرف صحیح منصوب لفظا اسم فاعل صیغہ واحد مونث غائب، اس میں (ھـی) ضمیر مرفوع متصل پوشیدہ فاعل مرفوع محلا مبنی بر فتح یا بر کسر راجع بسوئے ذوالحال، ثابتۃ اسم فاعل اپنے فاعل اور ظرف مستقر سے مل کر حال ﴿ وفیہ اقوال اخر کما فی الفوائد الشافیة ﴾ ذوالحال اپنے حال سے مل کر خبر، مبتداے دوم اپنی خبر سے مل کر جملہ اسمیہ خبریہ صغریٰ ہو کر خبر مرفوع محلا، مبتدائے اول اپنی خبر سے مل کر جملہ اسمیہ خبریہ کبریٰ ذات وجہ مستانفہ ہوا۔ جس کے لئے محل اعراب نہیں۔

مسائل کلامیہ: بشیر الناجیہ اگر چہ علم نحو کی کتاب ہے جس میں عادتا مسائل نحویہ ہی کا بیان ہونا چاہئے، مگر اس کتاب کی ایک بہت بڑی خصوصیت یہ بھی ہے کہ جہاں ضرورت پڑی وہاں مسائل کلامیہ پر بھی بھر پور بحث کی گئی ہے، اشاعرہ کا مذہب خوب واشگاف کیا گیا، معتزلہ ودیگر فرق باطلہ کا جم کر رد کیا گیا، مثلا یہ مسئلہ اشاعرہ اور معتزلہ کے درمیان مختلف فیہ ہے کہ بندوں کے افعال اختیار یہ کا خالق اللہ تبارک وتعالیٰ ہے یا بندے خود اپنے افعال کے خالق ہیں، اس سلسلے میں مذہب اشاعرہ مذہب اہل سنت وجماعت یہ ہے کہ اللہ تبارک وتعالیٰ ہی افعال عباد کا بھی خالق ہے، بندے اپنے افعال کے خالق نہیں ہو سکتے۔ معتزلہ کا مذہب یہ ہے کہ بندے خود اپنے افعال کے خالق ہیں۔ والعیاذ باللہ تعالیٰ۔

﴿ما اضمر عامله علی شریطة التفسیر﴾ کی بحث میں کافیہ میں تین طرح کے مقامات بیان کئے گئے۔

۱: وہ مقامات جہاں رفع مختار ہے۔

۲: وہ مقامات جہاں نصب مختار ہے۔

۳: وہ مقامات جہاں نصب اور رفع دونوں برابر ہیں۔

ثانی الذکر کی بحث میں ایک مقام یہ بھی بیان کیا گیا کہ جہاں صفت کے ساتھ مفسر کے التباس کا خوف ہو وہاں بھی نصب مختار ہے، اور اسکی مثال دی ہے ﴿ انا کل شئی خلقناہ بقدر ﴾

حضرت میرٹھی صاحب علیہ الرحمہ نے اس مقام کی تشریح وتوضیح کے ساتھ اس مسئلہ میں علم کلام کا جو مسئلہ چھیڑا ہے وہ پڑھنے سے تعلق رکھتا ہے خلق افعال کے مسئلہ میں مذہب اہل سنت وجماعت کی ترجمانی فرمائی،

معتزلہ کا مذہب ذکر کر کے اس کا ایسا رد بلیغ فرمایا جسے پڑھتے وقت یہ محسوس ہوتا ہے کہ ہم علم کلام کی دنیا میں ہیں، اور اس پر کمال یہ ہے کہ نحوی رنگ اترا نہیں بلکہ علم نحو اور علم کلام کا ایسا حسین امتزاج ہے جو قارئین کے دلوں کو فرح وسرور کیف وانبساط بخشتا ہے۔ اب کافیہ کی عبارت ملاحظہ فرمالیں علامہ ابن الحاجب فرماتے ہیں:

﴿یختار النصب عن خوف لیس المفسر بالصفة مثل انا کل شئی خلقناه بقدر﴾

اس پر علامہ میرٹھی صاحب علیہ الرحمہ رقم طراز ہیں:

یہ آٹھویں صورت کا بیان ہے کہ جب مفسر کے التباس کا صفت کے ساتھ خوف ہو تو نصب مختار ہوتا ہے، جیسے ﴿انا کل شئی خلقناه بقدر﴾ اس سے مراد ہر وہ ترکیب جس میں اسم مذکور اگر بفعل مقدر منصوب ہو تو ترکیب معنی صحیح کا افادہ کرے اور اگر اسم مذکور کو مبتدا ہونے کی بنا پر مرفوع قرار دیں تو مابعد میں دو احتمال ہوں۔

اول یہ کہ وہ اسم مذکور مبتدا ہو اور مابعد کل کا کل اس کی خبر، اس تقدیر پر ترکیب معنی صحیح کا افادہ کرے، جیسے کہ بر تقدیر نصب کرتی تھی۔

دوم یہ کہ وہ اسم مذکور مبتدا ہو اور مابعد قریب صفت اور مابعد بعید اس کی خبر، اس تقدیر پر ترکیب سے معنی فاسد مستفاد ہوں، تو ایسی ترکیب میں نصب مختار ہوتا ہے، کیوں کہ تقدیر نصب معنی فاسد کے احتمال سے خالی ہے اور تقدیر رفع پر معنی فاسد کا احتمال موجود اور کلام کو ایسے طریقے پر محمول کرنا جس میں معنی فاسد کا احتمال نہ ہو اس طریقہ پر محمول کرنے سے اولیٰ ہے جس میں معنی فاسد کا احتمال ہو، چنانچہ آیت مذکورہ اسی قبیل سے ہے کہ (کل شئی) اسم مذکور ہے، اگر اس کو بفعل مقدر منصوب قرار دیں تو صحیح معنی مستفاد ہوتے ہیں کہ شئی بمعنی موجود ہے ﴿کما ھو مذھب اھل السنة﴾ تو معنی یہ ہوئے کہ بیشک ہم نے ہر موجود کو ایک اندازہ پر (حسب اقتضائے حکمت) پیدا فرمایا۔ (شئی) بمعنی موجودات باری عز اسمہ اور اس کی صفات کو بھی شامل کہ وہ بھی موجود ہیں لیکن بقرینۂ عقل یہاں پر (شئی) سے دونوں خارج اور ان دونوں کے ماسوا تمام موجودات (شئی) میں داخل خواہ جواہر ہوں یا اعراض، عباد ہوں یا ان کے افعال، سب کے سب اندازہ کے ساتھ مخلوق ہیں۔ اور اگر (کل شئی) کو مبتدا ہونے کی بنا پر مرفوع قرار دیں تو مابعد میں دو احتمال ہیں۔ اول یہ ہے کہ مابعد کل کا کل خبر تو بھی آیت کریمہ سے یہی معنی مستفاد ہوتے ہیں کہ ہر موجود کو ہم نے ایک اندازہ پر پیدا فرمایا ہے۔ دوم یہ کہ مابعد قریب یعنی (خلقناه) صفت (شئی) ہو، اور مابعد بعید یعنی (بقدر) خبر، تو چوں کہ (شئی) نکرہ ہے اور نکرہ کی صفت مخصصہ ہوتی ہے، نظر برآں خارج سے نظر قطع کرتے ہوئے نفس کلام سے یہ معنی مستفاد ہوں گے کہ جس شئی یعنی جس موجود کو ہم نے پیدا کیا وہ ایک اندازہ پر ہے، اس سے بنظر صفت مخصصہ یہ مفہوم ہوا کہ بعض موجودات اللہ تعالیٰ کے پیدا کردہ نہیں، جیسے کہ معتزلہ کا مذہب ہے کہ افعال عباد مخلوق عباد ہیں نہ مخلوق الٰہی، حالانکہ

یہ باطل ہے۔

عقلا بایں طور کہ افعال عباد کا خالق نہ ہونا یا تو بوجہ عدم قدرت ہوگا، تو عجز لازم آیا، یا بوجہ عدم علم تو جہل لازم ،اور دونوں باطل۔

نقلا بایں طور کہ قرآن کریم میں فرمایا: ان اللہ خالق کل شئی ۔تو بر تقدیر رفع احتمال دوم پر چوں کہ معنی فاسد مفہوم ہوتے ہیں، نظر برآں تقدیر نصب مختار ہوئی کہ وہ معنی فاسد کے احتمال سے خالی ہے اور آیت کریمہ میں اسم مذکور (کل شئی) کا نصب مختار ہوا۔

ذاتی تحقیقات: حضرت میرٹھی صاحب علیہ الرحمہ نے بشیر الناجیہ میں جا بجا اپنی ذاتی تحقیقات بھی رقم فرمائیں، کہیں قول منقح پیش کیا تو کہیں علمائے نحو پر تعقب کیا، کہیں مزید ایسے احتمالات بھی ذکر کئے جو عام طور پر کتب متداولہ میں نہیں ملتے ، انھیں دیکھ کر ایسا محسوس ہوتا ہے کہ وقت کا کوئی اخفش ہے جو اپنی نادر تحقیقات وتدقیقات سے لوگوں کو حیرت واستعجاب میں ڈال رہا ہے، اب اس تعلق سے مناسب معلوم ہوتا ہے کہ تفریح طبع کے لئے ایک نظیر سامنے رکھی جائے۔

تمیز کا ایک عام حکم یہ ہے کہ تمیز اپنے عامل پر مقدم نہیں ہوتی، خواہ عامل اسم مفرد ہو یا فعل ہو یا شبہ فعل ہو۔اسم مفرد ہونے کی صورت میں مقدم نہ ہونا تو متفق علیہ ہے کسی کا بھی اس میں اختلاف نہیں، مثلا ﴿عندی درھما عشرون﴾ یا ﴿عندی زیتا رطل﴾ نہیں کہا جائے گا۔ کیوں کہ اسم مفرد محض اسی وجہ سے عمل کرتا ہے کہ وہ فعل سے مشابہت رکھتا ہے اور یہ مشابہت چوں کہ ضعیف ہے اس بنا پر یہ عامل ضعیف ہوا اور عامل ضعیف معمول مقدم میں عمل نہیں کرتا۔

مگر عامل جس وقت فعل یا شبہ فعل ہو تو اس صورت میں تمیز کا تقدم جائز ہے یا نہیں؟ اس سلسلے میں مذہب اصح مذہب جمہور یہ ہے کہ اس وقت بھی تمیز کی تقدیم جائز نہیں کیونکہ رفع ابہام میں تمیز اس نعت کے مشابہ ہے جو برائے ایضاح ہو، تو جس طرح نعت اپنے عامل پر مقدم نہیں ہوتی اسی طرح تمیز بھی اپنے عامل پر مقدم نہیں ہوگی۔

امام مازنی اور امام مبرد کا مذہب یہ ہے کہ جب عامل فعل یا اسم فاعل یا اسم مفعول ہو تو تمیز کا تقدم عامل پر جائز ہے کیونکہ یہ تینوں عامل قوی ہیں، اور عامل قوی اپنی قوت کی بنیاد پر معمول مقدم میں عمل کر سکتا ہے۔اس کے برخلاف عامل اگر اسم تفضیل یا صفت مشبہ یا مصدر وغیرہ ہو تو تمیز کی تقدیم جائز نہیں کیونکہ یہ سب عامل ضعیف ہیں اور عامل ضعیف معمول مقدم میں عمل نہیں کرتا ان حضرات کی دلیل ذیل کا شعر ہے:

﴿اتھجر سلمی بالفراق حبیبھا ☆ وما کاد نفسا بالفراق تطیب﴾

اس شعر میں (نفسا) تمیز نسبت ہے جو اپنے عامل تطیب پر مقدم ہے، اور (کاد) میں ضمیر شان ہے اس کا معنی یہ ہے۔

کیا سلمیٰ اپنے عاشق سے قطع تعلق کرسکتی ہے جب کہ اس کا دل فراق ہی کو پسند نہیں کرتا۔

اس شعر سے امام مازنی اور امام مبرد اپنے قول پر سند لاتے ہیں، علامہ میرٹھی صاحب علیہ الرحمہ اس سند پر کلام کرتے ہوئے رقم طراز ہیں:

اقول اس سند کی صحت (کاد) میں مستتر ضمیر (ھو) کے ضمیر شان ہونے پر مبنی ہے اور اس کا ضمیر شان ہونا درست نہیں، کیونکہ ضمیر شان کا مرجع جملہ مابعد میں مذکور ہوتا ہے اور جملہ مابعد میں کوئی لفظ مذکر ایسا نہیں جو مرجع بن سکے نظر برآں شعر قابل استناد نہ رہا، ﴿ھذا ما خطر بالبال واللہ تعالیٰ اعلم بحقیقہ الحال﴾ اس سے یہ بھی ظاہر ہوگیا کہ ضمیر (کاد) کے ضمیر شان نہ ہونے کی تقدیر پر روایت صحیح بصیغہ مذکر ہے نہ بصیغہ مونث اور اس تقدیر پر (کاد) کی ضمیر کا مرجع (حبیب) ہے، اسی طرح ضمیر (یطیب) کہ اب معنی یہ ہوں گے کہ سلمی محبوبہ قطع تعلق نہیں کرسکتی اس بنا پر کہ میں اس سے دور ہوں جب کہ میرا دل دوری سے خوش ہونے کے قریب بھی نہیں چہ جائیکہ خوش ہو کیونکہ یہ دوری بدرجہ مجبوری ہے۔ برتقدیر اول شعر میں صرف محبوبہ کا حال مذکور ہوا اور برتقدیر دوم محبوبہ اور محب دونوں کا، نیز محبت محبوبہ کی پختگی کا اظہار ہوا کہ میرے دور ہونے کے باوجود باقی ہے، زائل ہونے والی نہیں، اور اپنے دل کے لئے تسلی ہوئی کہ مطمئن رہو کیونکہ میری دوری اس کی محبت کو زائل نہیں کرسکتی۔ اور بعض حضرات نے فرمایا کہ روایت صحیح یوں ہے:

﴿وما کاد نفسی بالفراق یطیب﴾ بریں تقدیر شعر مذکور مانحن فیہ سے نہیں۔

(بشیر الناجیہ ص ۲۶۴)

افادات: حضرت میرٹھی صاحب علیہ الرحمہ نے جا بجا اس کا بھی التزام رکھا ہے کہ حسب موقعہ اضافی فوائد کا بھی ذکر کیا۔ وہ فوائد کیا ہیں؟ کتب مطولات کی بحثوں کا حاصل اور نچوڑ جو سینکڑوں صفحات کی ورق گردانی کے بعد ہی حاصل ہوسکتے ہیں، یہ کمال ہے صاحب کتاب کا جنھوں نے طویل ابحاث کے دریائے موجزن کو ایک کوزہ میں سمیٹ کر رکھ دیا ہے کہ ہر طالب علم کے لئے اس کی تحصیل آسان ہوگئی۔

حذف فعل کی بحث میں صاحب کافیہ نے فرمایا کہ کبھی فعل جوازاً حذف کیا جاتا ہے کبھی وجوبا، وجوبا کی مثال یہ دی ہے ﴿وان احد من المشرکین استجارک﴾

اس پر علامہ میرٹھی علیہ الرحمہ فائدہ کا عنوان قائم کرکے رقم طراز ہیں:

(احد) کا فعل محذوف کے لئے فاعل ہونا مذہب جمہور ہے، جو اس بات پر مبنی ہے کہ حرف شرط کا دخول فعل کے ساتھ مخصوص ہے، فعل خواہ لفظاً ہو یا تقدیراً، اور اس بات پر کہ فاعل کی تقدیم فعل پر جائز نہیں۔ اور اخفش کے نزدیک جملہ اسمیہ کا شرط ہونا جائز ہے بشرطیکہ اس کی خبر فعل ہو، تو ان کے نزدیک یہ بھی جائز ہے کہ (احد من المشرکین) مبتدا ہو اور (استجارک) خبر اور جملہ اسمیہ شرط اور بعض کوفیہ کے نزدیک فعل پر فاعل کی

تقدیم جائز ہے تو ان میں یہ بھی جائز ہے کہ: ﴿احد من المشرکین﴾ فاعل مقدم ہو ﴿استجارك﴾ مذکور کا، ان دونوں احتمال پر آیت مذکورہ مسئلہ بحث کی مثال نہ رہے گی۔ (بشیر الناجیہ ص ۷۷)

دیو بندی شروح پر تعقب:

شرح کافیہ میں قابل توجہ امور کے علاوہ اس کے مقدمہ میں میرٹھی صاحب علیہ الرحمہ نے دیو بندیوں کی شروح کافیہ پر زبردست تعقب بھی کیا ہے، اور بڑی ہی خود اعتمادی کے ساتھ ان کی غلطیوں اور فریب کاریوں کو اس طرح آشکارا کیا ہے کہ پوری دیو بندی برادری سے آج تک اس کا جواب نہ بن پڑا، بلکہ قوم دیو بندیت کا ہر شخص حتی کہ ان شروح کی خامہ فرسائی کرنے والے شارحین بھی ان ایرادات کے آگے انگشت بدنداں رہے اور جواب دینے سے قاصر رہے، اس طرح کی غلطیاں، علمائے دیو بند کی شرحوں میں بے شمار ہیں، مگر بعض اعذار کی بنیاد پر صاحب بشیر الناجیہ نے صرف دس خامیاں بیان فرمائیں کہ شاید اتنی مقدار سے دیو بندی برادری کچھ غور وفکر کرکے اپنے علماء اور ان شرحوں کے بارے میں کوئی فیصلہ لے یا پھر کوئی جواب بنانے کی کوشش کرے۔

یہ ہیں دیو بندی جماعت کے مولانا محمد حیات سنبھلی جو مدرسہ امدادیہ مراد آباد کے صدر مدرس بھی رہ چکے ہیں ان کی تصنیف ہے "سعیدیہ" یہ کافیہ کی شرح ہے اس میں مولوی صاحب سے بیشمار غلطیاں ہوئی ہیں۔ جنھیں یہاں پر حیطۂ تحریر میں نہیں لایا جا سکتا، آنجناب مبتدا کی تعریف میں ﴿المجرد عن العوامل اللفظية﴾ پر اعتراض وجواب بیان کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

"اگر کوئی اعتراض کرے کہ المجرد کا لفظ تقاضا کرتا ہے کہ پہلے عامل لفظی تھا پھر اس کو حذف کر دیا حالانکہ یہ ضروری نہیں تو جواب یہ ہے کہ یہاں یہ معنی نہیں ہیں کہ پہلے عامل تھا پھر دور کر دیا بلکہ "لم یوجد" کے معنی میں یعنی لازم بول کر ملزوم مراد لیا ہے کیونکہ نہ پائے جانے کے لئے تجرید لازم ہے"

حضرت میرٹھی صاحب علیہ الرحمہ اس پر ریمارک لگاتے ہوئے فرماتے ہیں:

اقول: وہی رفتار بے ڈھنگی جو پہلے تھی سو اب بھی ہے۔ پہلے کی طرح اب بھی الٹا فرما رہے ہیں، نہ پائے جانے کے لئے تجرید لازم نہیں بلکہ تجرید کو نہ پایا جانا لازم ہے، تو تجرید ملزوم ہوئی اور نہ پایا جانا لازم، نظر بر آں ملزوم بول کر لازم مراد لیا نہ لازم بول کر ملزوم۔ دیکھئے ﴿ان زیدا قائم﴾ سے (ان) کو دور کر کے (زید قائم) کہا تو تجرید متحقق ہوئی اور نہ پایا جانا بھی متحقق کہ (ان) کا وجود نہ رہا، اور ابتداء (زید قائم) کہا تو عامل لفظی کا نہ پایا جانا متحقق ہے اور تجرید نہیں۔ (ص ۶)

اخیر میں علمائے دیو بند کی کارستانیوں پر مہر تغلیط ثبت کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

دیو بندی صاحبان کہا کرتے ہیں کہ علماء دیو بند نے قوم کی خدمت کی ہے اور علوم کی بھی، مختلف علوم کی کتب کے حواشی اور شروح لکھے ہیں، قوم کی خدمت کی ہے اس کو تو قوم جانے۔ علوم کی خدمت میں شروح کا یہ حال ہے جس

سے ناظرین بانصاف اندازہ لگا سکتے ہیں کہ یہ خدمت ہے یا تخریب؟ طلبہ ان سے ہدایت پائیں گے یا گمراہ ہو کر دوسروں کو بھی گمراہ کریں گے؟ حقیقت یہ ہے کہ علمائے دیوبند عقائد میں بھی صحیح راستہ سے بہک گئے اور علوم میں بھی۔

یہ بشیر الناجیہ کے چند گوشے ہیں جنھیں ہم نے ھد یہ، ناظرین کیا ان کے علاوہ ابھی بیشمار لعل وگہر ہیں جو اس کی سطور میں روشن وتاباں ہیں، انھیں دیکھ کر حضرت علامہ میرٹھی صاحب علیہ الرحمہ کی فنی گہرائی وگیرائی، وسعت فکر، دقت نظر، نحوی بصیرت کثرت معلومات، تبحر علمی کا بھرپور اندازہ لگایا جاسکتا ہے۔ اللہ تعالیٰ ہم سب کو ان کے فیوض وبرکات سے مالا مال فرمائے آمین۔

صدر الوریٰ قادری

استاذ جامعہ اشرفیہ مبارک پور

اعظم گڑھ یوپی انڈیا

۹۲/۷۸۶

امام النحو اور مختلف شروح پر آپ کی تحقیقی تنقیدات

حضرت مولانا عبد السلام صاحب رضوی مہوا کھیڑ وی
مدرس جامعہ نوریہ (بریلی شریف، یو۔ پی)

صدر العلماء امام النحو حضرت علامہ سید غلام جیلانی صاحب میرٹھی قدس سرہ العزیز، صدر الشریعہ کے تلامذہ کی اس کھیپ سے تعلق رکھتے ہیں جس کا ہر فرد اپنی اپنی جگہ دنیائے علم وفضل میں آفتاب وماہتاب کی حیثیت رکھتا تھا۔ اسی کھیپ کی چند مشہور ومعروف شخصیات حضور محدث اعظم پاکستان، حضور حافظ ملت، حضور شمس العلماء، حضور مجاہد ملت اور حضور مفتی اعظم کانپور بھی ہیں رحمۃ اللہ علیہم اجمعین۔

حضرت امام النحو تمام متداول علوم عقلیہ ونقلیہ میں کامل دست گاہ اور ید طولی رکھتے تھے۔ آپ مفسر، محدث، فقیہ، متکلم، مناظر، منطقی، نحوی اور صرفی سب کچھ تھے۔ آپ کی تصنیفات عالیہ اس حقیقت پر شاہد عدل ہیں۔

لیکن علم نحو میں آپ کو امتیازی شان حاصل تھی۔ اس فن کی تدریس پر آپ بڑی توجہ صرف فرماتے اور اپنے تلامذہ کو کتب نحو میں زیادہ سے زیادہ محنت صرف کرنے کی ہدایت فرماتے تھے۔ کیونکہ اس کے بغیر قرآن وحدیث کو سمجھنا دشوار ہے۔ حتی کہ فقہائے کرام نے اسی مقصد کے لئے تعلیم نحو کو بدعات واجبہ میں شمار فرمایا۔ اسی لئے علما وفضلاء عصر نے آپ کو "امام النحو" کے لقب سے یاد کیا۔ اور آپ بلاشبہ اس لقب کے سزاوار تھے۔

حضرت امام النحو کو نحو کی نصابی کتابوں پر تو دسترس تھی ہی نحو کی دوسری بہت سی بلند پایہ اور اہم ترین کتابوں پر بھی آپ کی گہری نظر تھی۔ مندرجہ ذیل اقتباس سے اس امر پر کافی روشنی پڑتی ہے۔ یہ اقتباس نحو میر کی ایک عبارت سے متعلق ہے لہذا پہلے اس کو ذکر کیا جاتا ہے۔

نحو میر میں حروف غیر عاملہ کی اقسام کے بیان میں ہے "ہفتم۔ حروف استفہام۔ وآں سہ است ما وہمزہ وھل۔ یہاں 'ما' کو بھی حروف استفہام میں شمار کیا گیا ہے۔ حالانکہ یہ بات دیگر کتب نحو کے خلاف ہے۔ بقول حضرت امام النحو نحو میر کے محشی صاحبان جیسے کہ مولانا عبد العلی صاحب مدراسی، مولانا انور علی صاحب مولانا ہادی علی صاحب رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہم نے بھی اس طرف توجہ نہیں فرمائی۔ (البشیر ص ۲۴۵) بلکہ انہوں نے ہمزہ اور ہل کے ساتھ ساتھ "ما" حرفیہ استفہامیہ کی مثال بھی ذکر فرمائی، جو درست نہیں۔ لیکن یہ حضرت امام النحو کی دقت نظر اور مسائل نحو پر استحضار تھا کہ آپ اس پر آگاہ ہوئے۔ اور آپ نے اس گتھی کو سلجھانے کے لئے دو

جواب ارشاد فرمائے۔ یہاں صرف دوسرا جواب نقل کیا جاتا ہے کہ یہی اس وقت مقصود ہے۔

''یایوں کہا جائے کہ اصل عبارت یوں تھی ''وآں دو است۔ ھمزہ وہل'' ناسخین نے دو کی جگہ ''سہ'' کر دیا، اور''ما'' بڑھادیا۔ اب دیگر کتب سے مخالفت نہ رہے گی۔ ناسخین کی طرف منسوب کرنے کی وجہ یہ ہے۔ کہ ھدایۃ النحو، کافیہ اور اس کی شروح شرح جامی، جامع الغموض، غایۃ التحقیق، تسہیل الکافیہ، محرم آفندی، وافیہ حتی کی شرح رضی میں بھی نہیں ملا کہ ''ما'' حرفیہ برائے استفہام آتا ہے۔ نہ شرح رضی کے حاشیہ میر سید شریف میں نہ شرح جامی کے حواشی حاشیہ ملا عبد الغفور، حاشیہ ملا عبد الحکیم موسوم بہ تکملہ، حاشیہ ملا عصام، حاشیہ ملا جلال، حاشیہ سوال با سولی، حاشیہ سوال کابلی، وغیرہ میں بلکہ نہ علامہ ابن ہشام کی ''مغنی اللبیب'' میں نہ ''ہمع الھوامع شرح جمع الجوامع للسیوطی میں، نہ الفیہ ابن مالک کی شرح ''اشمونی'' میں، نہ اس کے حاشیہ ''الصبان'' میں بلکہ 'ما' حرفیہ کی کل چار قسمیں مذکور ہیں۔ اول نافیہ، دوم کافہ، سوم مصدریہ، چہارم زائدہ۔ (البشیر ص ۲۴۴)

بشیر الناجیہ کے دیباچہ میں ان کتابوں کا ذکر کیا گیا ہے جن سے تالیف میں استعانت کی گئی ہے۔ اس فہرست میں مذکورہ بالا کتب کے علاوہ یہ کتابیں بھی ہیں۔ تحریر سنبٹ، حاشیہ ملا نور محمد مدقق، حاشیہ محمد ابن موسیٰ بانسوی، حاشیہ خادمیہ، حاشیہ الامیر۔ (ص ۲)

حضرت امام النحو کی تصنیف کردہ شروح علمی دنیا میں بڑی عظمت واہمیت کی حامل اور آپ کے تبحر وکمال علمی کا جیتا جاگتا ثبوت ہیں جن کے نام یہ ہیں۔

☆ بشیر القاری شرح صحیح البخاری

افسوس کہ حضرت امام النحو اس کی تکمیل نہ فرما سکے۔ یہ صرف سات احادیث کی شرح ہے۔ بہت مفصل اور مبسوط ہے اگر یہ مکمل ہو جاتی تو بلاشبہ اردو کی ''عین'' کہلاتی۔

☆ البشیر الکامل بحل شرح مائۃ عامل۔ ☆ البشیر شرح نحو میر

☆ بشیر الناجیہ بشرح کافیہ (تا بحث مجرورات)

یہ شروح نحوی تحقیقات وتدقیقات، متون کی اعلیٰ تشریحات، متون میں مذکورہ امور کے علاوہ بھی دیگر اہم افادات، امثلہ میں مذکورہ امثال واشعار کے پس منظر اور توضیحات، تحقیق لغات، اعتراضات اور ان کے شافی جوابات اور اصطلاحات کی نپے تلے الفاظ میں جامع ومانع تعریفات پر مشتمل ہیں نیز ان میں بہت سی شخصیات کے تراجم بھی ہیں، حضرت امام النحو نے ان شروح میں مذکورہ کتابوں کی دیوبندی شروح پر نقد وتبصرہ بھی فرمایا ہے۔

دیوبندیوں کو اس بات پر بڑا غرہ ہے کہ انہوں نے درسی کتابوں کی شروح وحواشی لکھ کر عظیم علمی خدمت انجام دی ہے۔ حضرت علامہ محمد عبد الحکیم شرف صاحب مدظلہ العالی فرماتے ہیں: پاکستان کے ایک دیوبندی عالم

ضیا، القاسمی نے اپنی تقریر میں کہا تھا: ہمارے علماء نے تصنیف وتالیف کے میدان میں وہ کام کیا ہے کہ بریلوی مدارس میں بھی وہ کتابیں پڑھائی جاتی ہیں جن پر ہمارے علماء کے شروح وحواشی ہیں۔

(تذکار شرف ص ۱۳۰)

اور انہیں یہ پندار اور خوش فہمی بھی ہے کہ ''ہچوں من دیگرے نیست'' جیسا کہ امام النحو تحریر فرماتے ہیں کہ قاری محمد طیب صاحب مہتمم دار العلوم دیو بند کے صاحبزادے محمد سالم صاحب نے ایک معتمد علیہ سے کہا: بریلویوں کو علم سے کیا نسبت۔

(دیباچہ البشیر ص ۹)

درسی کتابوں پر بہت سے حواشی جو علمائے دیو بند سے منسوب سمجھے جاتے ہیں ان کی اصلیت وہ ہے جو حضور امین ملت صاحب قبلہ مارہروی مدظلہ العالی نے بیان فرمائی ہے۔آپ رقم طراز ہیں: اہل سنت کے دینی مدارس میں رائج درسی کتابوں پر حواشی بالعموم اہل سنت ہی کے تھے جن کی طباعت واشاعت کا کام بھی اہل سنت کرتے تھے۔ انیسوی صدی کے نصف آخر میں بعض غیر مسلموں نے بھی یہ کام شروع کیا جن میں منشی نولکشور کا نام سرفہرست ہے۔ظاہر ہے کہ ان کا مقصد تجارتی نفع تھا نہ کہ دینی خدمت۔ پھر جب کچھ نئے فرقے اور مدارس وجود میں آئے تو انہوں نے بھی یہ کام شروع کیا۔ بعد میں انہوں نے یہ ستم ڈھایا کہ بہت سی کتابوں سے مصنفین ومحشین کے نام اڑا کر چھاپنا شروع کر دیا تا کہ ناظرین کو یہ گمان ہو کہ مصنفین اور محشین بھی ناشر ہی کی جماعت کے ہونگے۔ کچھ نئے حواشی بھی لکھے گئے جن میں اہل سنت کی سابقہ شروح وحواشی کی عبارتیں بعینہ نقل کی گئیں۔مگر ان کا حوالہ بھی نہ دیا گیا۔ یہ سارا کام تجارتی منفعت اور دنیاوی ناموری کی غرض سے کیا گیا لیکن بعد میں بد مذہب ناشرین نے اس تجارتی نفع اندوزی اور سرقہ وناموری کے عمل کو اپنے طبقہ کی ایک علمی ودینی خدمت کے روپ میں شہرت دینا اور یہ پروپیگنڈہ کرنا شروع کیا، کہ درسیات کی تحریر واشاعت کا سہرا صرف ہمارے سر ہے۔اہل سنت کا اس میدان میں کوئی حصہ نہیں۔ اس مسلسل پروپیگنڈے کے باعث نئے سنی طلبہ اور عام قارئین غلط فہمی کا شکا ہونے لگے۔ اب ضرورت تھی کہ ان ناشرین کے چہرے سے تلبیس کی چادر ہٹائی جائے، اور یہ عیاں کر دیا جائے کہ انہوں نے کس چابک دستی سے اہل سنت کی خدمات کو اپنے خانے میں ڈال لیا۔ اسی احساس کے تحت خانقاہ برکاتیہ مارہرہ مطہرہ اور اس کے متوسلین نے اہل سنت وجماعت کے ممتاز ترین مرکزی ادارے الجامعۃ الاشرفیہ مبارک پور کو اس طرف متوجہ کیا۔ مقام مسرت ہے کہ اس تحریک کے جواب میں اشرفیہ کی طرف سے لبیک کا آوازہ بلند ہوا۔ (ماہنامہ اشرفیہ شمارہ رمضان المبارک ۱۴۲۲ھ ص ۴)

رہ گئیں ان کی اپنی شروح، تو ان کا حال یہ ہے کہ جب حضرت امام النحو کی تنقیدات کی روشنی میں ان کا مطالعہ کیا جاتا ہے تو ان کی اس عظیم خدمت کی پول کھل جاتی ہے۔ اور یہ حقیقت کھل کر سامنے آجاتی ہے کہ یہ

شروح جو یان علم وحکمت کے لئے ذریعۂ ہدایت نہیں بلکہ موجب ضلالت ہیں۔

حضرت امام النحو نے البشیر میں دیوبندی شروح ''المصباح المنیر'' اور ''مہر منیر'' کی دوسو ساٹھ اغلاط کا بیان فرمایا ہے، اور یہ تعداد بھی ان شروح کی اغلاط کا بعض ہی ہے، ان میں اول ایک استاذ الاساتذہ کی تصنیف ہے اور دوسری کی حیثیت یہ ہے کہ مذکورہ استاذ الاساتذہ نے بھی اس سے بھرپور استفادہ کیا ہے۔

حضرت امام النحو رقم طراز ہیں ''نحو میر کی شروح صرف دو دستیاب ہوسکیں اول ''المصباح المنیر'' جس کے ٹائٹل پیج پر لکھا ہے ''تالیف لطیف استاذ الاساتذہ حضرت مولانا سید حسن صاحب ابن امام النحو حضرت مولانا نبیہ حسن صاحب مدرس دار العلوم دیوبند'' دوم مہر منیر اس کے ٹائٹل پیج پر لکھا ہے ''تالیف مولانا عمر احمد عثمانی تھانوی ''۔اول کا سن اختتام تالیف محرم الحرام ۱۳۷۷ھ ہے اور دوم کا دس ذی الحجہ ۱۳۶۵ھ ہے۔جس سے ظاہر ہوتا ہے اول موخر اور دوم مقدم ۔ دونوں کے مضامین یکساں ہیں حتی کے الفاظ میں بھی اتحاد ۔ کہیں کہیں اقل قلیل اختلاف پایا جاتا ہے، اس سے یہ بات معلوم ہوتی ہے کہ اول نے دوم کا چربہ اتارا ہے اور دوم کی عبارات بجنسہ نقل کردی ہیں ۔ بہرکیف دونوں طلبہ کے لئے گمراہی کا پاور ہاوس ہیں ۔ان دونوں فاضلان دیوبند کو نحو کی ابتدائی کتابوں کے مسائل بھی مستحضر نہیں بلکہ خود نحو میر بھی سمجھنے سے قاصر ہیں، ان دونوں فاضلان دیوبند کا حال یہ ہے کہ مصنف علیہ الرحمہ پر افترا، نحویوں کی جانب نسبت ناروا، مسائل کے بیان میں تضاد، نہ نحو میر میں لکھا سمجھے نہ اپنا لکھا یاد، کتابی مثالوں کے ترجمے غلط سلط، خود ساختہ مثالوں میں خطط بر خطط ، اصطلاحات پر وقوف نا تمام اور ترکیب میں تو خام در خام، یہ ہیں نحو میر کی شروح یا ہیں دیوبندی قروح ،نعوذ باللہ السبوح ۔انہیں وجوہ بالا کی بنا پر دونوں صاحبان سے یہ اغلاط کثیرہ ظاہر ہوئے جنکی تعداد سینکڑوں تک پہونچتی ہے۔ہم نے صرف ان اغلاط کو بعنوان تنبیہ بیان کیا ہے، جن کو مبتدی طلبہ بھی بخوبی سمجھ لیں ۔اور ان دونوں کی گمراہی سے محفوظ رہیں، ایسے اغلاط کی تعداد دوسو ساٹھ ہے ۔ درآنحالیکہ ''المصباح المنیر'' کے صفحات ایک سو چونسٹھ ہیں اور مہر منیر کے ایک سو باون ۔ان اغلاط کو ملاحظہ کرنے کے بعد ناظرین باانصاف یہ فیصلہ کرنے پر مجبور ہوں گے کہ جو ہم نے لکھا ہے وہ حرف بحرف صحیح ہے۔ (دیباچہ البشیر ۸)

یہاں صرف چند تنبیہات نقل کی جاتی ہیں ۔ یہ تنبیہات ذکر اغلاط کے ساتھ ساتھ نوع بنوع مفید اور اہم معلومات پر بھی مشتمل ہیں۔

تنبیہ:۳

المصباح المنیر ص ۶ اور مہر منیر ص ۷ میں ہے کہ ''عالمین'' عالم کی جمع ہے۔اور عرف عام میں ہر ماسویٰ اللہ کو عالم کہتے ہیں۔

اقول: یہ غلط فاحش ہے۔ ماسوی اللہ کے ہر فرد کو عالم نہیں کہتے ۔ ورنہ لازم آئے گا کہ زید کو عالم کہیں

کیونکہ وہ بھی ماسوی اللہ ہے حالانکہ زید کو عالم نہیں کہا جاتا۔ فصول اکبری کی شرح نوادر میں ہے کہ ”در عرف عام عبارت است از جمیع ماسوی اللہ نہ فردے از افراد۔ لہٰذا عالم زید وبکر را نمی گویند“ (نوادر ص ۴) ہاں ہر جنس پر بھی عالم کا اطلاق ہوتا ہے۔ اسی میں ہے ”ہر جنسے را از آن نیز گفتہ اند۔ مثل عالم افلاک وعناصر۔ (البشیر ص ۸)

تنبیہ: ۴

جس جملہ کا جزءاول اسم ہو اس کو اسمیہ اور جس کا جزءاول فعل ہو اس کو فعلیہ کے ساتھ موسوم کرنے کی وجہ حضرت امام النحو نے یوں بیان فرمائی ہے ”جملہ کو اسمیہ وفعلیہ کے ساتھ موسوم کرنا از قبیل: ﴿نسبة الکل الیٰ اسم جزئه الاول﴾ ہے اس کے بعد تنبیہ میں فرماتے ہیں: نحو میر کی شروح المصباح المنیر (ص ۱۳) اور مہر منیر (ص ۱۵) میں اسمیہ اور فعلیہ کے ساتھ جملہ کے تسمیہ کو تسمیة الکل با سم اول الجزء قرار دیا ہے۔ اقول: یہ غلط ہے جس سے طلبہ گمراہ ہو رہے ہیں۔ جملہ کو اسمیہ اور فعلیہ کے ساتھ موسوم کیا گیا ہے اور اسمیہ فعلیہ جزءاول کے نام نہیں۔ پھر یہ تسمیة الکل با سم اول الجزء کیسے ہوگیا۔ (ص ۱۰)

تنبیہ: ۵

المصباح المنیر ص ۲۰ر میں استفہام کی تعریف بایں الفاظ کی ہے ”وہ جملہ انشائیہ ہے جس سے کسی واقعہ گزرے ہوئے یا موجودہ یا آئندہ سے سوال ہو اور اس میں حرف استفہام شروع میں داخل ہو“ اور مہر منیر ص ۱۹ر میں بایں الفاظ ”جملہ استفہامیہ اصطلاح میں اس جملہ کو کہتے ہیں جس میں ناواقف آدمی کسی واقف کار مخاطب سے کسی نامعلوم چیز کو سمجھنے کی کوشش کرے اور اپنی خواہش کے اظہار میں استفہام کا کوئی حرف لائے“ اقول: یہ دونوں تعریفیں جامع نہیں اور اصطلاحی کہنا افتراء، کیونکہ ”من ابوک؟“ بالاجماع جملہ استفہامیہ ہے۔ حالانکہ اس میں حرف استفہام نہیں، نہ شروع میں، نہ بیچ میں، نہ آخر میں، نہ مذکور، نہ مقدر۔ (ص ۱۳)

تنبیہ: ۱۲

المصباح المنیر ص ۲۷ر میں خاصہ کی دو قسم شاملہ اور غیر شاملہ کر کے دوسری قسم یعنی غیر شاملہ کی تعریف کرتے ہوئے فرمایا۔ اور ایک وہ جو تمام افراد میں نہ پائی جائے بلکہ بعض میں پائی جاتی ہے، جیسے بالفعل لکھنا کہ بہت سے لکھے پڑھے بعض اوقات اس صفت سے متصف نہیں ہوتے۔ لیکن اس کے باوجود انسان کے سوا دوسری نوع میں یہ خاصہ نہیں پایا جاتا اقول: اور قرآن کریم نے کہا کہ انسان کے سوا دوسری نوع میں یہ خاصہ پایا جاتا ہے۔ سورہ یونس شریف میں ہے: ﴿ان رسلنا یکتبو ن ما تمکرون﴾ ترجمہ بیشک ہمارے فرشتے تمہارے مکر لکھ رہے ہیں۔ اور اس میں شک نہیں کہ فرشتہ انسان کے سوا نوع ہے۔ تو قرآن کریم میں انسان کے سوا دوسری نوع میں بالفعل لکھنے کا اثبات فرمایا۔ اور آپ اس کی نفی کرتے ہیں پس آپ کے اس قول سے مذکورہ آیت کی تکذیب لازم آئی۔ اب دیوبندی دار الافتاء سے دریافت کیجئے کہ ایمان رہا یا گیا۔ ﴿استغفر الله العظیم﴾ لزوم تکذیب کی

وجہ یہ کہ آپ نے کتابت کو انسان کے لئے خاصہ حقیقیہ قرار دیا۔ جس کے معنی ہیں کہ وہ شے کے کسی غیر میں نہ پایا جائے۔ اور آپ نے یہی کہا کہ انسان کے سوا کسی نوع میں یہ خاصہ نہیں پایا جاسکتا''۔ حالانکہ کتابت انسان کے لئے خاصہ اضافیہ ہے جس کے معنی یہ ہیں کہ وہ شے کے بعض اغیار میں نہیں پایا جائے اور بعض میں پایا جائے۔ اور کتابت ایسی ہی ہے کہ انسان کے بعض اغیار میں نہیں پائی جاتی جیسے شجر حجر، اور بعض میں پائی جاتی ہے، جیسے فرشتے جن۔ یہ الزام عارف جامی قدس سرہ السامی پر وارد نہ ہوگا کہ انہوں نے خاصہ حقیقی ہونے کی تصریح نہیں کی جیسے ان حضرت نے کی ہے۔ (ص ۲۵)

تنبیہ ۲۴

مصنف علیہ الرحمہ نے علامات اسم میں بیان فرمایا کہ یا مثنی باشد، یعنی اس میں علامت تثنیہ ہو۔ یا مجموع باشد، یعنی یا اس میں علامت جمع ہو۔ اس پر یہ اعتراض وارد ہوا کہ فعل بھی تثنیہ وجمع ہوتا ہے۔ تو علامت تثنیہ وجمع علامت اسم نہ ہوئی۔ اس کا جواب دیا کہ فعل کو تثنیہ وجمع مجازاً کہتے ہیں حقیقۃً اس کا فاعل تثنیہ وجمع ہوتا ہے۔ یہاں تک تو بات صحیح ہے لیکن اس کے بعد المصباح المنیر ص ۲۹ میں تحریر کیا جس کو مہر منیر ص ۲۹ میں بھی تسلیم کیا ہے۔ ''ضربوا'' میں 'ھم' ضمیر جمع ہے اور 'تضربون' میں 'انتم' ضمیر جمع فاعل ہے۔

اقول یہ غلط فاحش ہے۔ جو صرف میر اور نحو میر یاد نہ ہونے پر مبنی ہے، اس لئے کہ صرف میر میں فعل ماضی کے صیغہ جمع مذکر کا فاعل واو کو بتایا ہے جو بارز ہے، نہ یہ کہ اس میں 'ھم' ضمیر پوشیدہ فاعل ہے۔ چنانچہ فرماتے ہیں: کہ واو در نصروا علامت جمع مذکر ضمیر فاعل است۔ اسی طرح 'تضربون' میں 'انتم' ضمیر پوشیدہ کو فاعل کہنا غلط ہے۔ کہ اس میں ضمیر فاعل واو ہے نہ انتم پوشیدہ، اسی صرف میر میں ہے کہ 'تا' در 'تنصرون' علامت خطاب است وحرف استقبال، وواو ضمیر جمع مذکر الخ۔ اور نحو میر میں بھی اعراب مضارع کے بیان میں آرہا ہے کہ تثنیہ اور جمع مذکر میں ضمیر بارز فاعل ہوتی ہے نہ پوشیدہ۔ نحو میر بھی یاد نہیں جس کی شرح تحریر فرمارہے ہیں۔ (ص ۲۵)

تنبیہ ۲۵

المصباح المنیر ص ۳۶ میں تعریف ضمیر کرتے ہوئے فرماتے ہیں ''ضمیر یا مضمر وہ اسم ہے جو ایسے متکلم یا مخاطب یا غائب پر دلالت کرے جس کا ذکر اس سے پہلے حقیقۃً یا حکماً آچکا ہو۔ دیوبندی صاحبان کی گھٹی میں تنقیص داخل ہے۔ اسی لئے ان سے کسی چیز کی صحیح تعریف نہیں ہوتی۔ ضمیر غائب کا ماقبل میں تذکرہ یعنی مرجع ہوا کرتا ہے۔ نہ ضمیر متکلم ومخاطب کا۔ پوری شرح اسی قسم کے اباطیل پر مشتمل ہے جس سے طلبہ گمراہ ہورہے ہیں۔ (ص ۳۵)

البشیر الکامل کے دیباچہ میں حضرت امام النحو نے دیوبندی شرح ایضاح العوامل کا جائزہ لیا ہے۔ یہ بھی اغلاط واسقام میں المصباح المنیر اور مہر منیر سے پیچھے نہیں ہے۔ حضرت امام النحو تحریر فرماتے ہیں:

اس سے پیشتر شرح مائۃ کی اردو تراکیب بہت سی شائع ہوئی ہیں۔ سب کی سب نحوی معیار سے گری ہو

ئی ہیں۔اور کسی سے مقصود ترکیب حاصل نہیں ہوتا۔ بالخصوص ایضاح العوامل تو اغلاط کی پوٹ اور طلبہ کو گمراہ کرنے والی ہے۔ ٹائٹل پیج پر اس کی خصوصیات میں پہلی خصوصیت یہ بیان کی گئی ہے کہ'' دار العلوم دیو بند جیسی عظیم المرتبت درسگاہ میں درجہ علیا کے مدرس مولانا ظہور احمد صاحب کی تصنیف ہے'' کتاب کا مطالعہ کرنے سے ظاہر ہوتا ہے کہ درجہ علیا کے ان مدرس صاحب کو صرف میر اور ہدایۃ النحو کے مسائل بھی مستحضر نہیں۔

(دیباچہ البشیر الکامل ص۲)

حضرت امام النحو نے اس کتاب کی موٹی موٹی ترکیبی خامیاں صفحہ وار بیان فرمائی ہیں۔ان میں سے صرف چند کا ذکر کیا جاتا ہے۔

صفحہ ۷ پر ﴿وجعل الجنة مثواه﴾ کی ترکیب میں فرماتے ہیں: جعل فعل افعال قلوب میں سے ہے۔

اقول: ﴿استغفر الله ثم استغفر الله كبرت كلمة تخرج من افواهم﴾ سید عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے ایسے ہی اشخاص کے بارے میں فرمایا: کہ بیشک بندے کی زبان سے کبھی بے خیالی میں ایسا کلمہ نکل جاتا ہے جس کے سبب وہ نار دوزخ میں پڑ جائے (بخاری) اس "جعل" کو افعال قلوب سے قرار دینا اسی قبیل سے ہے۔۔ کیونکہ اس میں مستتر ضمیر فاعل کا مرجع اسم جلالت ہے۔اور جس" جعل "کو افعال قلوب سے شمار کرتے ہیں وہ بمعنیٰ ''اعتقاد غیر مطابق'' آتا ہے۔

چنانچہ رضی شرح کافیہ میں ہے: ﴿ويستعمل "عدّ" و "جعل" لاعتقاد كون الشيء علىٰ صفةاعتقاد اغير مطابق فا ذا وليتهما الا سمية نصبا جزئيها ۔ نحو كنت اعده فقيراً فبان غنيا﴾۔ وقال تعالیٰ ﴿وجعلوا الملائكة الذين هم عباد الرحمٰن اناثا "اى اعتقدوا فيهم الانوثه اه﴾ اور اعتقاد غیر مطابق صفت نقص ہے اور "جعل الجنة مثواه" جملہ دعائیہ ہے۔تو ان چاروں باتوں کے پیش نظر اس کا مفہوم جناب باری عز اسمہ کے حق میں صفت نقص کے حصول کی دعا ہوا جو شان الوہیت میں کھلی ہوئی بے ادبی ہے۔اسی واسطے ہم نے کہا تھا کہ سوئے ادبی آپ کو ﴿کابراً عن کا بر﴾ ترکہ میں پہنچی ہے۔

بلکہ یہ "جعل'' افعال تصییر سے ہے جو متعدی بدو مفعول ہوتے ہیں ﴿كما فى همع الهوامع شرح جمع الجوامع للسيوطى عليه الرحمة﴾ (دیباچۂ البشیر الکامل ص۳)

اسی صفحہ پر ﴿فا للفظية منها علىٰ ضربين﴾ کی ترکیب فرماتے ہیں:''اللفظية" ذوالحال یا موصوف "من"، حرف جار "ھا"، ضمیر مجرور، جار مجرور مل کر متعلق كائنة کے ہو کر حال ہوا ذوالحال کا یا صفت ہوئی موصوف کی۔

اقول: سبحان اللہ " كائنة "صفت نکرہ اور "اللفظية "موصوف معرفہ۔ یہ ہیں دار العلوم دیو بند شریف میں درجہ علیا کے مدرس نحوداں، جن کی اس ترکیب پر تصلیل پر قربان ہو جائیں وہاں کے مبتدیان نحو میر خواں۔

صفحہ۸ پر''فقط'' کی شرط مقدر ﴿اذا جررت بها الاسم﴾ بیان کر کے اس کی ترکیب میں فرماتے ہیں' اذا "حرف شرط۔

اقول:﴿لا حول ولاقوة الا بالله العلی العظیم﴾۔ یہ ہیں دارالعلوم دیو بند جیسی عظیم درس گاہ میں درجہ علیا کے مدرس جو اسم کو حرف بتارہے ہیں، صفحہ۱۴ پر بھی ﴿اذا قمتم الی الصلوٰة﴾' کی ترکیب میں اذ کو حرف شرط ہی بتایا ہے۔اس سے مذکورہ بالا قول کی تائید ہوتی ہے کہ ان ذات شریف کو نحو میر تک یاد نہیں۔کیونکہ اسمیں''اذا'' کے اسمائے ظروف سے ہونے کی تصریح ہے۔ (دیباچہ البشیر الکامل ص۴)

صفحہ۱۲ پر''من وهی لا بتداء الغاية''کی ترکیب میں''من ''کو معطوف علیہ اور''و''کو حرف عطف اور'' ھی'' کو معطوف قرار دیا ہے۔

اقول: اس واو کو حرف عطف قرار دینا دیو بندی بدعت ہے جو شریعت نحو میں سیئہ ہے۔کیونکہ صحت عطف کے لئے واجب ہے کہ معطوف کی اقامت معطوف علیہ کی جگہ صحیح ہو۔اور یہاں پر''ھی'' کو''من'' کی جگہ رکھنا صحیح نہیں ورنہ اضمار قبل الذکر لازم آئیگا جو باطل ہے۔قول کافیہ﴿والمعطو ف فی حکم المعطوف علیه الخ﴾ کی شرح کرتے ہوئے شارح رضی نے کہا:﴿فا لمقصود ان المعطو ف یجب ان یکو ن بحیث لو حذف المعطو ف علیه جا ز قیا مه مقا مه﴾

(ترکیب ابوسعیدی)

بلکہ من مبتدائے اول ہے اور ''ھی ''مبتدائے ثانی جو اپنی خبر'' لا بتداء الغاية '' سے ملکر مبتدائے اول کی خبر ہے۔اور یہ واو، زائدہ ہے عاطفہ نہیں۔جیسا کہ ان ذات شریف نے لکھ مارا۔چنانچہ مولوی الٰہی بخش صاحب مرحوم نے بھی من کو مبتدائے اول قرار دینے کی صورت میں واو کو زائدہ تحریر فرمایا۔

(دیباچہ البشیر الکامل ص۵)

صفحہ۱۵ پر ﴿ سرت البلد حتی السوق ﴾کی ترکیب میں 'البلد' کو مفعول بہ قرار دیا ہے۔

اقول: یہ غلط ہے، کیونکہ 'سرت' فعل متعدی نہیں حتی کہ مفعول بہ کا مقتضی ہو۔یہ مفعول فیہ ہے۔

(دیباچہ البشیر الکامل ص۷)

صفحہ۱۷ پر''نحو مررت علیه بمعنی مررت به'' کی ترکیب میں 'مررت علیه '' کو جملہ قرار دیکر ذوالحال بنایا ہے

اقول: یہ غلط ہے۔کیوں کہ ذوالحال ہونا اسم کے خواص میں سے ہے۔اور جملہ اسم نہیں ہوتا۔پھر ذو الحال کیسے ہوگا؟۔جس کو نحو میر تک یاد نہ ہو اس کی رسائی یہاں تک کیسے ہوسکتی ہے۔ہم سے سنئے اور یاد رکھئے۔ حاشیہ ملا عبدالحکیم سیالکوٹی بر حاشیہ ملا عبدالغفور قدس سرہما زیر بحث خواص اسم ص۸۰ میں ہے:﴿ومن جملتها

تـاء التـا نیـث الـمتـحـر کة ویـاء الـنسبة وکو نه فا علا ومفعولا وموصوفا وذاحا ل وتمیزا ومثنی ومجمو عا ومنا دی ومصغرا ومکبرا ﷺ اھ۔ (دیباچہ البشیر الکامل ص ۷)

ایضاح العوامل پر حضرت امام النحو کا پورا تبصرہ پڑھنے کے لائق ہے،۔ کہ اس کے ذریعہ بہت سی بیش بہا معلومات حاصل ہوتی ہیں۔ ذکر اغلاط کے خاتمہ پر فرماتے ہیں۔

ناظرین! مقام غور ہے کہ صفحہ چھ سے ترکیب نحوی شروع ہو کر صفحہ ۱۱۱ پر ختم ہوئی، تو کتاب کے کل صفحات ترکیب ۱۰۵ ہوئے۔ جن میں ۱۸۶ غلطیاں ہیں، اور وہ بھی موٹی موٹی جن کو دیکھ کر مبتدی بھی انگشت بدنداں رہ جائیں ۔ کتاب کا کوئی صفحہ غلطی سے خالی نہیں۔ ہم نے کل اغلاط بالاستیعاب بیان نہیں کیں۔ ورنہ اغلاط کی تعداد کئی سو تک پہونچ جاتی۔ یہ ہے دار العلوم دیوبند میں درجہ علیا کے مدرس مولانا ظہور احمد صاحب کی نحو دانی،۔ اسی دار العلوم کے تین صدر مدرس مولانا محمود حسن صاحب، مولانا انور شاہ صاحب، اور مولانا حسین احمد صاحب کی حدیث دانی کا نمونہ ہم اپنی کتاب ''بشیر القاری شرح بخاری'' میں پیش کر چکے ہیں جس سے ظاہر ہوتا ہے کہ ایں خانہ ہمہ آفتاب است۔ اسی پر بعض ناعاقبت اندیش دیوبندی صاحبان بغلیں بجا بجا کر فرماتے ہیں کہ ہم نے علمی خدمات انجام دی ہیں۔ شروح لکھیں، حواشی لکھے۔

ناظرین پر منکشف ہو گیا کہ ان حضرات کے حواشی اور شروح کا یہ حال ہے کہ اسلاف واخلاف سب کے سب بدترین اغلاط میں گرفتار ہیں، انہیں بخاری شریف پڑھنے اور برسہا برس پڑھانے کے باوجود اس کے پہلے باب کا سمجھنا نصیب نہ ہوا، اور ان ذات شریف کو نحو کی ابتدائی کتاب شرح مأۃ عامل کی ترکیب نہ آئی۔

(دیباچہ البشیر الکامل ص ۲۹)

بشیر الناجیہ میں مولانا محمد حیات سنبھلی کی ''سعیدیہ'' شرح کافیہ پر تبصرہ فرمایا۔ تحریر فرماتے ہیں: ''آج کل عموماً اردو کی وہ شروح مل رہی ہیں جن کو دیوبندی علماء نے تالیف کیا ہے۔ یہ شروح اغلاط کثیرہ پر مشتمل ہیں۔ چنانچہ اس وقت اردو کی شروح میں سے ہمارے پاس صرف ایک شرح ہے جس کا نام ہے سعیدیہ۔ یہ مولانا محمد حیات سنبھلی صدر مدرس مدرسہ امدادیہ مراد آباد کی تصنیف ہے جو دیوبندی مسلک رکھتے ہیں۔ علمائے دیوبند کی دیگر شروح کی طرح یہ بھی اغلاط پر مشتمل ہے۔ جس کو پڑھ کر طلبا گمراہ ہو رہے ہیں۔ مناظر اہل سنت حضرت مولانا مفتی محمد حسین صاحب سنبھلی سلمہ اللہ القوی کی فرمائش کے پیش نظر بوجہ قلت وقت اس کی بعض اغلاط کے بیان پر اکتفا کرتا ہوں۔ (دیباچہ بشیر الناجیہ ص ۴)

حضرت امام النحو نے اس شرح میں ڈیڑھ سو سے زیادہ اغلاط بتائی ہیں، جن میں سے آپ نے دس کا بیان فرمایا ہے۔ یہاں پر صرف دو نقل کی جاتی ہیں۔

''الـکـلـمة'' کے لام تعریف پر کلام کرتے ہوئے فرماتے ہیں کہ اس کو عہد خارجی قرار دے کر نحات کا

اصطلاحی کلمہ مراد لینا ضعیف ہے۔ وجہ ضعف میں ارشاد فرمایا: اول اس وجہ سے کہ تعریف ماھیت کی ہوتی ہے نہ کسی خاص قسم کی۔

اقول: کوئی حضرت سے پوچھے جب تعریف خاص قسم کی نہیں ہوتی تو علامہ ابن حاجب علیہ الرحمہ نے، اسم کی، فعل کی، حرف کی تعریف کیوں فرمائی۔ یہ بھی تو کلمہ کی خاص قسمیں ہیں۔ بات یہ ہے کہ علامہ عصام علیہ رحمۃ المنعام نے وجہ ضعف یوں بیان فرمائی تھی کہ لام کی قسم عہد خارجی مراد لینے کی تقدیر پر اس کے مدخول کے مفہوم کی قسم خاص کی طرف اشارہ ہوگا۔ اور نجات کا اصطلاحی کلمہ مدخول کے مفہوم کی قسم نہیں بلکہ عین ہے، مولانا موصوف اس کو سمجھ نہ سکے اور لکھ مارا کہ خاص قسم کی تعریف نہیں ہوتی (ص ۴)

خبر مبتدا کی بحث میں ﴿فلا بد من عائد﴾ کی شرح کر کے فرماتے ہیں۔ فائدہ کبھی عموم سے عائد کا کام لیتے ہیں جیسے اس آیت میں ﴿ان الذین آمنوا وعملوا الصالحات انا لا نضیع اجر من احسن عملا﴾ کہ اس میں "احسن" کا عموم مفید ربط ہے۔

اقول: یہ غلط ہے 'احسن' میں عموم کہاں۔ البتہ "من احسن" میں عموم ہے۔ تسہیل الکافیہ میں فرمایا: ﴿بل عموم من احسن یربط ھذہ الجملۃ مع اسم ان الاول﴾ (ص ۶)

ذکر اغلاط کے آخر میں حضرت امام النحو فرماتے ہیں: ان شارح کی شرح دو سو بارہ صفحات پر مشتمل ہے۔ جس میں تقریباً ڈیڑھ سو سے زیادہ اغلاط ہیں۔ عدیم الفرصت ہونے اور کاغذ وطباعت کی ہوش ربا گرانی کے باعث بطور نمونہ یہ دس پیش کر دی گئیں۔ دیوبندی صاحبان کہا کرتے ہیں کہ علماء دیوبند نے قوم کی خدمت کی ہے اور علوم کی بھی۔ مختلف علوم کی کتب کے حواشی اور شروح لکھے ہیں۔

قوم کی خدمت کی ہے اس کو تو قوم جانے۔ علوم کی خدمت میں شروح کا یہ حال ہے۔ جس سے ناظرین با انصاف اندازہ لگا سکتے ہیں کہ یہ خدمت ہے یا تخریب۔ طلبہ ان سے ہدایت پائیں گے یا ان سے گمراہ ہو کر دوسروں کو بھی گمراہ کریں گے۔

حقیقت یہ ہے کہ علمائے دیوبند عقائد میں بھی صحیح راستے سے بہک گئے اور علوم میں بھی۔ یہ پھٹکار ہے اس بے ادبی اور گستاخی کی جو ان کے اکابر سے عارف باللہ حضرت حاجی امداد اللہ شاہ قدس سرہ کی جناب میں صادر ہوئی۔ کہ علم شریعت میں آپ کو ان سے زیادہ سمجھا۔ اور مولانا رشید احمد صاحب گنگوہی نے تو بے ادبی کی انتہا کر دی۔ کہ ان کے مرید ہوتے ہوئے اپنے عقائد کے خلاف ہونے کی وجہ سے ان کی کتاب ''فیصلہ ہفت مسئلہ'' کو خواجہ حسن نظامی صاحب سے آگ میں جلوایا۔ جس کو خود خواجہ حسن نظامی صاحب نے ماہنامہ ''منادی'' نئی دہلی جلد ۳۹ شمارہ ۱۲ میں ص ۲۲ پر تفصیل کے ساتھ بیان کیا تھا۔ جب مرشد برحق کے ساتھ ایسی بے ادبی کی جائے تو مرید کا ٹھکانا کہاں ہوگا۔ بعد والے حضرات چونکہ اس بے ادبی کو بنظر استحسان دیکھتے رہے اور اس سے اظہار بے

زاری نہ کیا۔ نظر براں وہ بھی اس پھٹکار میں داخل ہو گئے۔　(ص ۶)

بشیر القاری میں بھی مولانا انور شاہ کشمیری کے افادات پر مشتمل "فیض الباری" پر جگہ جگہ ایرادات قائم کیے ہیں اور خامیاں بیان کی ہیں۔ شاہ صاحب علمائے دیوبند کے نزدیک علم حدیث میں بڑے بلند و بالا مقام کے حامل ہیں۔

تفصیل کے لئے اسی مجلہ میں فاضل جلیل مؤلف جامع الاحادیث حضرت علامہ محمد حنیف خاں صاحب قبلہ مدظلہ العالی پرنسپل جامعہ نوریہ بریلی شریف کا مضمون مطالعہ کریں۔

حضرت امام النحو کی ان تنقیدات اور تبصروں سے جہاں دیوبندی علماء کی علمی لیاقت و کیفیت آشکارا ہوتی ہے اور مولانا محمد سالم اور مولانا قاسمی صاحبان کے دعووں کی حقیقت سامنے آتی ہے وہیں حضرت امام النحو کی دقت نظر، تبحر علم، وسعت معلومات اور مسائل کا استحضار بھی ثابت ہوتا ہے۔

یہ ان شروح کا حال ہے جو دیوبندی دنیا کے عظیم المرتبت علماء کی ہیں۔ جن میں کوئی استاذ الاساتذہ ہے، کوئی دار العلوم جیسی عظیم المرتبت درسگاہ میں درجہء علیا کا مدرس ہے۔ اور کوئی عظیم الشان محدث ہے۔ تعجب ہے کہ اس استعداد اور مبلغ علم پر یہ بلند بانگ دعوے۔ کسی نے سچ کہا ہے۔۔۔

﴿کرتے ہیں تہی مغز ثنا آپ اپنی﴾　﴿جو ظرف کہ خالی ہو صدا دیتا ہے﴾

عبد السلام رضوی مہوا کھیڑوی
خادم التدریس جامعہ نوریہ رضویہ،
باقر گنج بریلی شریف

امام النحو، امام النحو کیوں؟

علامہ ومولانا مفتی محمد مطیع الرحمٰن صاحب رضوی پورنوی
شیخ الجامعہ الجامعۃ الرضویۃ، پٹنہ بہار

ایک شخص نے کسی اعرابی سے پوچھنا چاہا کہ تمھارے اہل وعیال کیسے ہیں؟ جس کے لئے اسے عربی میں "کیف اھلُكَ" (لام پر پیش کے ساتھ) کہنا چاہیئے تھا، لیکن علم نحو سے کما حقہ واقف نہ ہونے کی بنا پر "کیف اھلُكَ" کے بجائے "کیف اھلِكَ" (یعنی لام کے زیر کے ساتھ) کہدیا، جس سے معنی بدل گئے، یعنی میں کیسے مروں؟ اعرابی نے اس سے یہی سمجھا اور غصہ میں جواب دیا "صلبـاً" پھانسی لگا کر مر جاؤ۔ [البیان والتبسین للجاحظ]

ایک شخص نے آیت کریمہ "اَنَّ اللّٰہَ بَرِیٓءٌ مِّنَ الْمُشْرِکِیْنَ وَ رَسُوْلُہٗ" (کہ اللہ بیزار ہے مشرکوں سے اور اس کا رسول) میں لام پر پیش کے بجائے زیر کے ساتھ 'رسولِہ' پڑھ دیا جس سے معنی بدل کر یوں ہو گئے (کہ اللہ بیزار ہے مشرکوں اور اپنے رسول سے) تو حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے نحوی قاعدے کے پیش نظر اس کی تصحیح کی اور ارشاد فرمایا "تعلموا النحو کما تعلمون السنن والفرائض (جس طرح فرائض اور سنن سیکھتے ہو اسی طرح نحو بھی سیکھو۔ [ظفر المحصلین]

ایک دن کی بات ہے کہ حضرت امام النحو ثعلب نے ابو بکر بن مجاہد مقری سے بڑے حسرت بھرے لہجے میں کہا:

مفسرین نے تو تفسیریں لکھکر قرآن کریم کی خدمت کی، محدثین نے احادیث روایت کر کے دوسروں تک پہنچائیں، ان کی شرحیں کیں اور خدمت حدیث سے مشرف ہوئے۔ فقہا نے مسائل شرعیہ کا استنباط کر کے فقہ وشرع کی خدمت کی اور آخرت میں اپنا مقام بنایا، اور میں؟ میں تو علم نحو میں مشغول رہکر زید عمرو کرتا رہ گیا، ہائے افسوس! آخرت میں میرا کیا حال ہوگا؟ حضرت ابو بکر مقری فرماتے ہیں کہ رات ہوئی تو حضور ﷺ نے مجھے اپنی زیارت سے مشرف فرمایا اور حکم دیا کہ

جاؤ! ثعلب سے ہمارا سلام کہو اور اس کو بتادو کہ ﴿انت صاحب العلم المستطیل﴾ تم تو دراز علم والے ہو۔ [دیباچہ "البشیر" ص ۱۹/۲۰]

ایک مرتبہ محرر فقہ حنفی امام محمد نے اپنے خالہ زاد بھائی امام نحو کسائی سے فرمایا کہ "تم فقہ کی تحصیل میں

کیوں نہیں لگ جاتے؟'' امام کسائی نے جواب دیا کہ آدمی جب ایک علم میں دسترس حاصل کر لیتا ہے تو دوسرے علوم اس کہ لئے خود ہی حل ہو جاتے ہیں'' اس پر امام محمد نے فرمایا کہ ''پھر تم میرے ایک فقہی سوال کا جواب نحوی قاعدے سے استخراج کر کے بتاؤ'' امام کسائی نے فرمایا پوچھئے''! امام محمد نے استفسار فرمایا کہ ''نمازی سجدۂ سہو میں بھول جائے تو کیا کرے؟ امام کسائی نے تھوڑی دیر سوچنے کے بعد جواب دیا کہ اس پر اس سہو کی بنا پر سجدۂ سہو نہیں ہے'' امام محمد نے پوچھا کہ تم نے کس نحوی قاعدے سے یہ مسئلہ استخراج کیا ؟ امام کسائی نے جواب دیا: ''اس قاعدے سے کہ تصغیر کی تصغیر نہیں آتی ہے''۔ [بحرالرائق ص ۱۶۴/ ج ۲]

اپنے زمانے کے امام الائمہ مجدد ملت' امام احمد رضا کے شاگرد رشید اور خلیفۂ اجل صدرالشریعہ امجد علی مصنف ''بہار شریعت'' اگر چہ جامع علوم وفنون تھے' مگر فقہ سے خصوصی تعلق کی بنا پر آپکی شہرت فقیہ اعظم کی حیثیت سے ہے۔ کچھ ایسی ہی مثال آپ کے تلمیذ حضرت غلام جیلانی رحمۃ اللہ علیہ کی بھی ہے کہ اگر چہ وہ اپنے استاد کی نگاہ کرم کے طفیل تقریبا تمام علوم وفنون میں یکتائے روزگار تھے۔

اس مختصر مقالہ میں ان سب کے بیان کی گنجائش کہاں ؟ صرف چند ذیلی عناوین کے تحت امام النحو حضرت مولانا سید غلام جیلانی علیہ الرحمہ کے عظیم الشان کارناموں کی کچھ جھلکیاں ہدیہ ناظرین ہیں:

قواعد نحو سے اسلامی عقاید پر استدلال اور تفسیر قرآن کی وضاحت

(الف) نحو میر کے آخر میں کسی صاحب نے مستثنی کی بحث کا اضافہ کیا تو لا الہ الا اللہ میں لفظ ''الا'' کو صفت کے معنی میں بتایا۔

بداں کہ لفظ غیر موضوع است برائے صفت وگاہ برائے استثنا آید۔ چنانکہ الا برائے استثنا موضوع است وگاہ درصفت مستعمل شود چوں قولہ تعالی لو کان فیھما آلھۃ الا اللہ لفسدتا'' یعنی'' غیر اللہ'' ہم چنیں ''لا الہ الا اللہ''۔ (۱)

لفظ 'الا' صفت کے معنی میں ہو تو اس کلمہ سے براہ راست اور بیک وقت وجود الہی کا اثبات اور معبودان دیگر کے وجود کا بطلان نہیں ہوگا' بلکہ صرف اللہ کے مغایر معبودان دیگر کے وجود کی نفی ہوگی۔ اور اس وہم کی گنجائش باقی رہے گی کہ دوسرے الہ تو موجود ہیں مگر وہ اللہ کے مغائر نہیں بلکہ عین ہیں۔

اس سلسلے حضرت امام النحو نے نحوی قاعدے سے اس وہم کا ازالہ فرمایا اور ثابت کیا کہ اس کلمہ سے براہ راست اللہ کے وجود کا اثبات اور معبودان دیگر کے وجود ہی کی نفی ہو رہی ہے، کیونکہ 'الا' یہاں صفت کے معنی میں نہیں' بلکہ اپنے حقیقی معنی استثنا کیلئے ہے۔ تمام تر تفاصیل کے ساتھ فرماتے ہیں:

لفظ ﴿ ''الا'' لا الہ الا اللہ ﴾ میں بمعنی 'غیر' نہیں۔ یہ بحث مستثنی اضافہ کنندہ بزرگ کی لغزش ہے ، اور یہ لغزش انہیں کے ساتھ مخصوص نہیں بلکہ دیگر ارباب تصنیف سے بھی صادر ہوئی ہے۔ وجہ یہ ہے کہ ﴿ لا الہ

الا اللہ﴾ کے کلمہ توحید ہونے پر اجماع ہے، چنانچہ تلویح ص ۵۵ میں ہے ﴿قولنا لا الہ الا اللہ کلمۃ توحید اجماعا﴾ اور توحید کے معنی ہیں 'اللہ تعالی کے وجود کا بیان اور دیگر الہ کے وجود کی نفی'۔ چنانچہ صفحہ مذکورہ پر ہے ﴿التوحید بیان وجود و نفی الہ غیرہ﴾ اور اس کلمۂ توحید کے معنی ہیں: اللہ تعالی کے سوا "الہ" سے وجود کی نفی' نہ اللہ تعالی کے مغائر ہونے کی نفی ہر 'الہ' سے۔ چنانچہ اسی صفحہ پر ہے ﴿المعنی نفی الوجود عن الھۃ سوی اللہ تعالی لا علی نفی مغایرۃ اللہ عن کل الہ﴾۔ نظر بر آں اگر کلمۂ توحید میں الا بمعنی "غیر" لیا گیا تو اللہ کے مغائر ہونے کی نفی ہوگی ہر الہ سے' جو اجماع کے خلاف ہے اور جو اجماع کے خلاف ہو وہ باطل ہے۔ لہذا کلمہ توحید میں الا کو بمعنی 'غیر' لینا باطل ہوا۔ اور برائے استثنا ہونا متعین کہ اسی تقدیر پر اجماعی معنی حاصل ہوتے ہیں۔ [البشیر ص۲۸۲]

استثنا کے لئے اتنا کافی ہے کہ مستثنی منہ باعتبار مفہوم مستثنی سے عام ہو، جیسے کلمہ توحید ﴿لا الہ الا اللہ﴾ میں کہ 'الہ' سے مراد معبود برحق ہے جو باعتبار صدق اگرچہ مستثنی میں منحصر ہے مگر باعتبار مفہوم عام ہے۔ اور اگر الہ سے مطلقا معبود مراد ہو جو حق و باطل دونوں کو شامل' تو نفی خلاف واقع ہو جائے گی کیونکہ معبودان باطل بکثرت موجود ہیں۔ [بشیر الناجیہ ص۶۲]

کلمہ طیبہ کی (ترکیب) یوں ہوگی 'لا' برائے نفی جنس مبنی بر سکون، 'الہ' نکرہ مفردہ مبنی بر فتح منصوب باعتبار محل قریب' مرفوع باعتبار محل بعید مبدل منہ، 'الا' حرف استثنا مبنی بر سکون۔ اسم جلالت مفرد منصرف صحیح مرفوع لفظا بدل البعض۔ مبدل منہ اپنے بدل البعض سے ملکر اسم۔ موجود مقدر مفرد منصرف صحیح مرفوع لفظا اسم مفعول صیغہ واحد مذکر، اس میں 'ھو' ضمیر مرفوع متصل پوشیدہ نائب فاعل مرفوع محلا' مبنی بر فتح راجع بسوئے الہ، اسم مفعول اپنے نائب فاعل سے ملکر خبر۔ 'لا' اپنے اسم اور خبر سے ملکر جملہ اسمیہ خبریہ ہوا۔ ترجمہ اللہ کے سوا کوئی معبود حقیقی موجود نہیں۔ [بشیر الناجیہ ص۲۸۳]

﴿لا الہ الا اللہ﴾ اس میں 'لا' برائے نفی جنس ہے۔ اور الہ نکرہ مفردہ اس کا اسم جو مبنی بر فتح منصوب باعتبار محل قریب' مرفوع بابتداء باعتبار محل بعید، "الا" برائے استثنا، اسم جلالت مرفوع کیونکہ 'الہ' سے باعتبار محل بعید، بدل البعض ہے، اس لئے کہ بعد 'الا' بدل البعض ہی واقع ہوتا ہے۔ کما فی غایۃ التحقیق صفحہ۲۱۱۔ لفظ الہ سے بدل قرار دے کر مفتوح پڑھنا درست نہیں کہ اسم جلالت مفرد معرفہ ہے جو بعد 'لا' مبنی پر فتح نہیں ہوتا بلکہ مرفوع ہوا کرتا ہے اور تکریر لا واجب کما سیاتی۔ اور محل قریب سے بدل اعتبار کر کے منصوب قرار دینا بھی جائز نہیں کیونکہ مبدل منہ کا عامل بدل کا عامل ہوتا ہے تو 'لا' کا اسم جلالت میں عامل ہونا لازم آئیگا جو مفرد معرفہ ہے' اور لا مفرد معرفہ میں عمل نہیں کرتا۔ یہ کلام غیر موجب ہے' مستثنی منہ 'الہ' مذکور۔ ایسی صورت میں مابعد کا بدل ہونا مختار' اور بر بنائے مستثنی منصوب ہونا خلاف مختار جائز ہوتا ہے۔ مگر یہاں پر درست ہی نہیں۔ وجہ یہ کہ عامل

مستثنی بر مسلک محققین فعل متقدم بواسطہ 'الا' ہوتا ہے، یا معنی فعل بواسطہ "الا"۔ ﴿کما فی الفوائد الشافعیہ صفحہ ۱۳۹﴾۔

اور معنی فعل سے مراد ہر وہ لفظ ہے جس سے معنی حدث مستنبط ہوں، جیسے ہائے تنبیہ، حرف ندا، اسم اشارہ وغیرہ، "کما فی التکملة صفحہ ۵۳۰"۔

یہاں پر ماقبل میں فعل نہیں بلکہ معنی فعل اور وہ "لا" ہے، تو یہی عامل ہوگا، اور اس کا عامل ہونا درست نہیں کہ یہ بوجہ نفی عمل کرتا ہے اور وہ 'الا' سے ٹوٹ گئی، تو مستثنی میں عامل بھی نہ رہا پس اسم جلالت کا منصوب با ستثنا ہونا بھی باطل ٹھہرا، یہیں سے ظاہر ہوا کہ اسم جلالت کا بنا بر خبریت مرفوع ہونا بھی باطل۔ اور موجود محذوف کی ضمیر مرفوع مستتر سے مستثنی قرار دے کر منصوب پڑھنا بھی درست نہیں، کہ اس تقدیر پر مستثنی منہ محذوف ہے تو یہ مستثنی مفرغ ہوا۔ اور اس کا اعراب وہی ہوتا ہے جو مستثنی منہ کا، اور مستثنی منہ 'موجود' کی ضمیر مستتر ہے جو بنا بر نائب فاعلیت مرفوع محلاً تو اسم جلالت بھی مرفوع ہوگا نہ منصوب۔

استاد معظم حضرت مولانا سید امیر صاحب پنجابی علیہ الرحمہ اللہ الہادی نے کلمہ توحید کی ترکیب میں ایک مختصر رسالہ تالیف فرمایا جو "تجزیہ کلمة التوحید" کے ساتھ موسوم ہے، اتفاق پریس اجمیر شریف نے اس کو ۱۳۴۸ھ میں طبع کیا تھا، ہم بنظر افادہ یہاں پر اس کو نقل کرتے ہیں۔ ﴿بسم اللہ الرحمن الرحیم، اعلم ان القول المقبول عند الفحول فی بیان ترکیب کلمة التوحید اعنی "لا اله الا الله" ان 'لا' لنفی الجنس و'اله' اسمها المبنی علی فتح لکونه نکرة مفردة تلیها وخبرها محذوف وهو 'موجود' و'الا' استثنائية والاستثناء متصل و'الله' مستثنیٰ مرفوع علی بدلية من اسمها حملا علی محلها البعيد علی ما هو المختار ويجوز نصبه علی الاستثناء ولكنه ضعيف بل اضعف والمشهور امتناعه واختيار الرفع وجواز النصب لانه بعد 'الا' فی كلام غير موجب والمستثنی منه مذكور وهو 'اله' بمعنی الذات المستحق للعبادة فی نفس الامر كلی متعدد جزئياته بحسب التصور والموجود منها واحد هو الله سبحانه وتعالی فصح الاستثناء لانه من قبيل استثناء الجزئی من حكم جزئياته علی طريقة ما جائنی احد الا زيد فصار المعنی لا مستحق للعبادة فی نفس الامر موجود الا الله ای هذا الجزئی المخصوص المعبود بالحق لنا فاندفع ما قيل انه يلزم استثناء الشئی من نفسه وما قيل انه علی هذا التقدير لا يلزم نفی امكان الشريك ولم يثبت التوحيد بكلا جزئيه لان التوحيد عبارة عن نفی وجود الشريك ونفی امكانه فمدفوع بان التوحيد فی نفسه وان كان عبارة عما قلت الا ان الكلمة الطيبة ليست بكافلة له لان المقصود منها رد اعتقاد المشركين القائلين بوجود الشريك فهذا القدر كاف لردهم اما امكان الشريك مع

عد م و جو د ہ فلیس بمعتقد ھم وان کا ن معتقدا نفیه لتکمیل التو حید فا لکلمة الطیبة دا لة علی التو حید الوجو د ی ولذا تسمی کلمة التو حید ،اما التو حید الا مکا نی فیثبت ببدا ھة العقل لا ن ممکن الوجو د ما لا یلزم من وجو د ہ محا ل و بشر یك البا ری تعا لی یلز م من و جو دہ المحال کما ید ل علیه بر ھا ن التما نع ١٥۔

اقو ل: قو له قدس سر ہ "با ن التو حید فی نفسه وان کا ن عبا رة عما قلت "علی سبیل التنز ل کما فی التلو یح (و لا ن التو حید ھو بیا ن و جو د ہ ونفی اله غیر ہ لا بیا ن امکا نه و عدم امکا ن غیر ہ) و ید ل علیه قو له قدس سر ہ ا خر (وان کا ن معتقدا نفیه لتکمیل التو حید) حیث جعل اعتقا د نفی الامکا ن مکملا لا دا خلا فی التو حیدفا ستقم ﴾(١)

(۱)بشیر الناجیہ صفحہ۱۲۶،۱۲۷۔

(ب)علامہ جامی نے شرح ماۃ عامل میں ایک دعائیہ جملہ لکھا ہے ﴿سقی اللہ ثراہ وجعل الجنة مثوا ہ ﴾ اس میں لفظ 'جعل' استعمال ہوا ہے جس کا فاعل اسم جلالت ہے۔اور بالعموم کتابوں میں لفظ 'جعل' کو فعل قلب لکھا ہے جس کے معنی ہیں 'واقع کے برخلاف کا اعتقاد' اصطلاحا اسی کو جہل مرکب کہا جاتا ہے اس طرح اس دعا کا مطلب یہ ہوگا کہ اللہ تعالی واقع کے برخلاف جنت کو مصنف کا ٹھکانا سمجھے۔یعنی معاذ اللہ خدائے پاک جہل مرکب سے متصف ہوجائے۔

دار العلوم دیوبند میں درجہ علیا کے مدرس مولانا ظہور احمد نے ایضاح العوامل کے نام سے شرح ماۃ عامل کی شرح لکھی ہے تو اس میں اس دعائیہ مقام پر لفظ 'جعل' کو فعل قلب ہی قرار دیا ہے۔اس سے یہ نتیجہ نکلتا ہے کہ نعوذ باللہ حضرت جامی نے اللہ تعالی کی جہل مرکب سے متصف ہونے کی دعا کی ہے۔اس نازک مقام پر حضرت امام النحو نے نحوی قاعدے سے ثابت فرمایا کہ ایسا ہرگز نہیں ہے۔فرماتے ہیں:

اقو ل: ﴿استغفر الله ثم استغفر الله ،کبرت کلمة تخر ج من افوا ھھم﴾ سید عالم ﷺ نے ایسے ہی اشخاص کے حق میں فرمایا تھا: ﴿ان العبد لیتکلم بالکلمة من سخط الله لا یلقیٰ لھا با لا یھو ی بھا فی نا ر جھنم ﴾

(ترجمہ) بیشک بندے کی زبان سے کبھی بے خیالی میں ایسا کلمہ نکل جاتا ہے جس کے سبب وہ نار دوزخ میں پڑجائے (بخاری)

اس 'جعل' کو افعال قلوب سے قرار دینا اسی قبیل سے ہے ،کیونکہ اس میں ضمیر مستتر فاعل کا مرجع اسم جلالت ہے اور جس 'جعل' کو افعال قلوب سے شمار کرتے ہیں وہ بمعنی اعتقاد غیر مطابق آتا ہے، چنانچہ رضی شرح کافیہ میں ہے: ﴿ویستعمل عد و جعل لا عتقا د کو ن الشی علی صفة اعتقادا غیر مطا بق فا

ذاولیتهما الا سمیة نصبا جز ئیها نحو کنت اعده فقیراً فبا ن غنیاً وقا ل تعا لی: وجعلوا الملئکة الذین هم عبا د الرحمن انا ثاًای اعتقدوافیهم الا نوثةاه﴾

اوراعتقادغیر مطابق صفت نقص ہے اسی کوجہل مرکب کہتے ہیں۔اور' جعل الجنة مثوا ہ'جملہ دعائیہ،توان چاروں باتوں کے پیش نظراس کامفہوم جناب باری عزاسمہ کے حق میں صفت نقص کے حصول کی دعا ہواجوشان الوہیت میں کھلی ہوئی بے ادبی ہے،اسی واسطے ہم نے کہاتھا کہ سوءادبی آپ کوکابراً عن کابر ترکہ میں پہونچی ہے، بلکہ یہ 'جعل' افعال تصیير سے ہے جومتعدی بدومفعول ہوتے ہیں:﴿'کما فی همع الهوا مع شرح جمع الجوا مع للسیو طی علیه الر حمة﴾(۱)

(ج)اردوزبان میں جس طرح جواب کے لئے''ہاں''اور''کیوں نہیں''الگ الگ معنوں میں آتے ہیں۔عربی میں بھی اسی طرح 'نعم'اور'بلی' الگ الگ معنوں میں آتے ہیں، جملہ مثبتہ خبریہ ہویاانشائیہ اس کاجواب اردو میں''ہاں''اورعربی میں 'نعم' سے آتا ہے۔جیسے کوئی خبردے کہ زید مدرسہ گیا﴿ ذهب زید الی المدرسة﴾ توجواب ہوگا:ہاں !(نعم)یاکوئی سوال کرے کہ تم نے نماز پڑھ لی؟(اصلیت؟) توجواب ہوگا' ہاں!پڑھ لی۔(نعم)اسی طرح جملہ منفیہ چاہے خبریہ ہویاانشائیہ جواب میں اسکی نفی کوختم کرنے کے لئے اردو میں''کیوں نہیں!''اورعربی میں'بلی '' آتا ہے۔جیسے کوئی خبردے کہ کل تم نے روزہ نہیں رکھاتھا۔(ما صمت امس)۔توجواب ہوگا' کیوں نہیں' رکھاتھا(بلی)۔یاکوئی سوال کرے کہ تم نے حج نہیں کیا؟(اما حججت؟) توجواب ہوگا۔' کیوں نہیں' کرلیا۔(بلی)

قرآن مجید میں ہے کہ اللہ تعالیٰ نے روز میثاق روحوں سے استفسارفرمایاتھا﴿الست بر بکم﴾ ؟کیا میں تمھارارب نہیں ہوں؟توجواب میں روحوں نے عرض کی تھی (بلی) کیوں نہیں'ضرورتوہمارارب ہے۔

اب اگرارشادخداوندی''الست بر بکم قالوا بلی '' میں'بلی' کاترجمہ''ہاں'' کیاجائے تومطلب یہ ہوگا کہ روحوں نے یہ کہا کہ'ہاں !توہمارارب نہیں ہے۔جوسراسراسلامی عقیدے کے خلاف ہے۔افسوس کہ ایک دیوبندی عالم مولاناعمراحمد تھانوی نے مہرمنیر کے نام سے نحومیر کی شرح لکھی تواس میں لفظ'بلی' کاترجمہ'' ہاں'' سے ہی کردیاہے۔جس سے وہی خرابی لازم آتی ہے جس کاذکرابھی کیاگیا۔چنانچہ امام النحو نے نحوی قاعدے کی روشنی میں اسکی تردیدفرمائی۔آپ رقمطراز ہیں:

اقول:یہ ترجمہ ہویاحاصل مطلب دونوں غلط ہیں۔کیوں کہ''ہاں'' سے کلام سابق کااقرارہوتاہے ،جیسے'نعم' سے۔جس کوخود'نعم' کی بحث میں بیان کیاہےاور'ہاں' کو'نعم' کاترجمہ قراردیاہے۔پس''الست بر بکم'' کے جواب میں جو'بلی' کہاگیاتھااگراس کاترجمہ''ہاں'' ہوتوکلام سابق کااقرارہوگا۔اورکلام سابق نفی ہے تونفی کااقرارہوا۔کیونکہ'ہاں' کہنے سے نفی ٹوٹتی نہیں بلکہ تسلیم ہوتی ہے'جیسے'نعم'میں،بس'ہاں' کہنے سے معنیٰ یہ

ہوئے کہ تو ہمارا رب نہیں۔ یہ معنی باطل ہیں۔ بلکہ 'بلیٰ' کا مطلب ہے ''کیوں نہیں'' یا صرف ''نہیں'' کہ یہ دونوں نفی پر دلالت کرتے ہیں، اور سابق میں بھی نفی تھی تو جب نفی پر نفی وارد ہوئی تو سابق کی نفی ٹوٹ گئی۔ جب سابق کی نفی ٹوٹ گئی تو اثبات ہوگیا۔ اب معنی یہ ہوئے کہ تو ہمارا رب ہے۔ یہ معنی صحیح ہیں۔ یہ فاضل دیوبند اردو بھی نہیں سمجھتے پھر نحو میر سمجھنا چہ معنی دارد۔(۱)

(د) قرآن کریم میں ہے کہ کفار نے اپنے اپنے زمانے میں رسولوں سے کہا تھا "لنخرجنکم من ارضنا او لتعودن فی ملتنا"۔

دیوبندی جماعت کے عظیم پیشوا مولانا اشرف علی تھانوی نے اسکا ترجمہ کیا ہے ''ہم تم کو اپنی زمین سے نکال دینگے یا یہ ہو کہ تم ہمارے مذہب میں پھر آجاؤ''۔

اسی جماعت کے ایک دوسرے پیشوا مولانا محمود الحسن صاحب نے ترجمہ کیا ''ہم نکال دینگے تم کو اپنی زمین سے یا لوٹ آؤ ہمارے دین میں''۔[ترجمہ قرآن: مولانا اشرف علی تھانوی و مولانا محمود الحسن دیوبندی]

اردو زبان میں ''پھر آجاؤ'' یا ''لوٹ آؤ'' کہنے سے یہ ظاہر ہوتا ہے کہ جن سے کہا جارہا ہے وہ پہلے اسی دین میں داخل تھے۔ اس طرح نعوذ باللہ آیت مترجمہ کا یہ مطلب نکل آئیگا کہ رسولان عظام علیہم السلام پہلے کفار کے دین پر تھے۔ حالانکہ یہ سراسر اسلامی عقیدے کے منافی ہے۔ چنانچہ اس غلطی کی گرفت کرتے ہوئے امام النحو نے نحوی قاعدے کی روشنی میں واضح فرمایا کہ آیت کے ترجمہ میں ''پھر آجاؤ' کہنا، یا ''لوٹ آؤ'' کہنا دونوں ہی غلط ہیں۔ لکھتے ہیں:

'عاد' فعل ناقص بمعنی 'صار' آتا ہے، جیسے 'عاد زید غنیا'' ''زید مالدار ہوگیا۔ اور فعل تام بھی ہے بمعنی 'رجع' جیسے 'عاد زید'' زید لوٹ گیا۔ آیت کریمہ ﴿وقال الذین کفرو الرسلھم لنخرجنکم من ارضنا او لتعودن فی ملتنا﴾ میں 'لتعودن'' مضارع اسی 'عاد' ناقص کا ہے۔ دیوبندی امت کے حکیم معنوی حضرت مولانا اشرف علی صاحب تھانوی اور ہندی دیوبندی صاحبان کے شیخ الہند حضرت مولانا محمود الحسن صاحب سابق صدر المدرسین دار العلوم دیوبند وغیرہ قرآن کریم کا اردو ترجمہ کرنے والوں سے اس مقام پر خطائے عظیم صادر ہوئی کہ اس "لتعودن" کو 'عاد' فعل تام کا مضارع سمجھ کر فعل تام کا ترجمہ کر گئے' جس سے رسولوں پر کفر کی تہمت لگ گئی۔ حالانکہ یہ پاک ہستیاں کفر سے اجماعاً منزہ ہوتی ہیں۔ چنانچہ ملاحظہ ہو۔ تھانوی صاحب کا ترجمہ یہ ہے ''اور ان کفار نے اپنے رسولوں سے کہا کہ ہم تم کو اپنی زمین سے نکال دینگے یا یہ ہو کہ تم ہمارے مذہب میں پھر آجاؤ''۔ ''اس پھر آجاؤ'' سے یہی مفہوم ہوتا ہے کہ وہ رسول پہلے کفار کے مذہب پر تھے اور ان کا مذہب کفری تھا۔ العیاذ باللہ۔ تف بریں ترجمہ ناپاک وبریں گندہ خیال۔ اور دیوبندی شیخ الہند صاحب کا ترجمہ یہ ہے ''اور کہا کافروں نے اپنے رسولوں کو کہ ہم نکال دیں گے تم کو اپنی زمین سے یا لوٹ آؤ ہمارے دین

میں ''اس لوٹ آؤ'' سے بھی یہی مفہوم ہوا کہ رسول پہلے ان کے دین میں تھے۔اوران کا دین کفری تھا،تو رسول پہلے کفری دین میں تھے۔معاذ اللہ خاکش بدہن یہ خطائے عظیم ان سے کیوں سرزدہ ہوئی؟ اس لئے کے ان حضرات کونحو میر متحضر نہ تھی، نیز یہ صاحبان رسولوں کو اپنا جیسا بشر سمجھتے تھے کہ کافروں کا بھی یہی عقیدہ تھا۔صحیح ترجمہ وہ ہے جو مجدد ماۃ حاضرہ مؤید ملت طاہرہ اعلی حضرت، عظیم البرکت، مولانا شاہ احمد رضا خاں قدس سرہ القوی نے فرمایا: ''اور کافروں نے اپنے رسولوں سے کہا ہم ضرور تمہیں اپنی زمین سے نکال دینگے یا تم ہمارے دین پر ہو جاؤ'' (۱) [البشیر ص ۲۷۱]

(۲) قواعد نحویہ سے احادیث رسول کی تشریح اور فقہی مسائل کا استنباط

(الف) حضور نبی کریم ﷺ پر جب پہلی وحی نازل ہوئی تو آپ غار حرا میں تھے، حضرت جبرئیل امین نے ایک ریشمی کپڑا جس پر سورہ ''اقرأ'' کی آیتیں لکھی ہوئی تھی، پیش کر کے عرض کی: 'اقرأ' (پڑھیے!)

بخاری شریف میں حضرت عائشہ رضی اللہ تعالی عنہ سے مروی ہے کہ حضور ﷺ نے فرمایا: ﴿فقلت ما انا بقاری قال فاخذ نی فغطنی حتی بلغ منی الجهد ثم ار سلنی فقا ل اقرأ فقلت ما انا بقا ری فا خذ نی فغطنی الثا نیة حتی بلغ منی الجهد ثم ار سلنی فقا ل اقرأ فقلت ما انا بقا ری قا ل فا خذنی فغطنی الثا لثة حتی بلغ منی الجهد ثم ار سلنی فقا ل اقرأ با ،مم ربك﴾

عام طور پر ترجمہ نگاروں نے اس کا ترجمہ یوں کیا ہے ''پڑھیے! حضور نے جواب دیا: ''میں پڑھا ہوا نہیں ہوں''۔ تو جبرئیل نے مجھے پکڑ کر دبوچا یہاں تک کے میری قوت برداشت جاتی رہی۔ پھر جبرئیل نے مجھے چھوڑ دیا اور کہا: ''پڑھیے!'' تو میں نے کہا: ''میں پڑھا ہوا نہیں ہوں۔'' اس پر جبرائیل نے مجھے پکڑ کر پھر دوسری بار اسی طرح دبوچا کہ میری قوت برداشت جاتی رہی۔ پھر چھوڑ کر کہا: ''پڑھیے!'' میں نے جواب دیا ''میں پڑھا ہوا نہیں ہوں''۔ اس پر جبرئیل نے مجھے پھر پکڑ کر دبوچا، جس سے اس تیسری بار بھی میری قوت برداشت جاتی رہی۔ اب جبرئیل نے چھوڑ دیا اور کہا ﴿اقرأ باسم ربك﴾ اپنے رب کے نام سے پڑھیے۔ اس حدیث پاک میں ''ما انا بقاری'' کا ترجمہ بعض مترجمین نے ''میں پڑھا ہوا نہیں ہوں'' کی بجائے ''میں کیا پڑھوں'' بھی کیا ہے۔

اس حدیث پاک میں جو واقعہ بیان ہوا ہے اس کے تناظر میں ''ما انا بقاری'' کا ترجمہ یا تو ''میں پڑھا ہوا نہیں ہوں'' کیا گیا ہے یا پھر ''میں کیا پڑھوں؟'' کیا گیا ہے۔ اسی طرح ''حتی بلغ منی الجهد'' کا ترجمہ ''میری قوت برداشت جاتی رہی'' کیا گیا ہے۔ جس میں قائل کی حیثیت اور مقام سے صرف نظر کر لیا گیا ہے۔ حضرت امام النحو نے نحوی قواعد سے ثابت فرمایا ہے کہ اس مقام پر ''حتیٰ بلغ منی الجهد'' کا صحیح ترین ترجمہ یہ ہے کہ ''جبرئیل نے مجھے پکڑ کر اپنی پوری قوت سے دبوچا''۔ چنانچہ آپ فرماتے ہیں:

"جھد" بروزن "قفل" بمعنی طاقتور "جھد" بروزن فلس بمعنی غایت اجتہاد "کما فی قولہ تعالیٰ: ﴿واقسموا باللہ جھد ایمانھم﴾ یہاں پر دونوں طرح مروی ہے۔لیکن بر تقدیر اول مرفوع کہ بلغ کا فاعل ہے اور مفعول بہ مقدر۔یعنی ﴿بلغ منی الجھد مبلغہ﴾ غالباً اس تقدیر کے قائلین کے نزدیک "منی" میں "من" برائے بیان ہے جو "الجھد مبین" پر مقدم ہے۔نظر برآں ترجمہ یہ ہوا کہ جبرئیل امین علیہ الصلوۃ والتسلیم نے مجھ کو پکڑ کر اتنا دبوچا کہ میری طاقت اپنی انتہا کو پہنچ گئی۔اور بتقدیر ثانی منصوب کہ "بلغ" کا مفعول بہ ہے اور "بلغ" میں ضمیر مستتر اس کا فاعل ہے۔جو "غط" کی طرف عائد ہو رہی ہے۔اس تقدیر پر بھی "من" برائے بیان ہے۔اب ترجمہ یہ ہوا کہ جبرئیل امین علیہ الصلوۃ والتسلیم نے مجھ کو پکڑ کر اس قدر دبوچا کہ ان کا دبوچنا میری انتہائی وسعت کو پہنچ گیا۔ظاہر ہے کہ دونوں تقدیروں میں معنوی حیثیت سے اصلا فرق نہیں۔دونوں کا حاصل یہ ہے کہ مجھکو میری طاقت بھر دبوچا۔چنانچہ علامہ ابو الفضل ابن حجر عسقلانی قدس سرہ السامی نے اپنی شرح فتح الباری میں ان دونوں تقدیروں کی تفسیر جن الفاظ سے فرمائی وہ اتحاد مآل پر روشن دلیل ہیں۔زیر قول نبوی "الجھد" فرمایا: ﴿روی بالفتح والنصب ای بلغ الغط منی غایۃ وسعی و روی بالضم والرفع ای بلغ منی الجھد مبلغہ﴾

اقول "بلغ" سے پیشتر دو فعل ہیں "اخذ" اور "غط" اور اسکے بعد بھی دو فعل ہیں "ارسل" اور "قال"۔ان چاروں فعلوں کی ضمیر فاعل کا "مرجع" جبرئیل امین علیہ الصلوۃ والتسلیم ہیں۔لہذا بر تقدیر ثانی انسب یہ ہے کہ "بلغ" کی ضمیر کا مرجع بھی بجائے "غط" انہیں کو قرار دیں تا کہ انتشار ضمائر لازم نہ آئے۔اور "منی" میں "من" برائے تعلیل ہے کما فی قولہ تعالیٰ مما خطیئتھم اغرقوا اور مضاف مقدر ہے۔یعنی "من غطی" اس لئے کہ ذات کسی فعل کے واسطے علت نہیں بنتی۔اور "الجھد" پر الف لام برائے عہد ہے، جس سے "جھد جبرئیل علیہ الصلوۃ والتسلیم" مراد ہے۔اب معنی یہ ہوں گے کہ جبرئیل امین علیہ الصلوۃ والتسلیم نے مجھ کو پکڑ کر دبوچا یہاں تک کہ مجھ کو دبوچنے کے باعث اپنی انتہائی وسعت کو پہنچ گئے۔اور بر تقدیر اول یہ معنی ہوں گے کہ مجھ کو دبوچنے کے باعث ان کی طاقت اپنی انتہا کو پہنچ گئی۔اب بھی دونوں تقدیروں کا حاصل ایک ہی ہوا اور وہ یہ کہ جبرئیل امین علیہ الصلوۃ والتسلیم نے اپنی پوری طاقت کے ساتھ آپ کو دبوچا تھا۔(۱)

(بشیر القاری صفحہ ۱۱۰،۱۱۱)

اسی طرح "میں پڑھا ہوا نہیں ہوں" میں تکرار، اور "میں کیا پڑھوں؟" میں تکرار کے ساتھ ساتھ عربی گرامر کے لحاظ سے نحوی تخالف بھی لازم آتا ہے۔حضرت امام النحو نے نحوی قواعد کی روشنی میں ثابت فرمایا کہ بہترین ترجمہ ہے "میں نہیں پڑھتا" لکھتے ہیں:

﴿ما انا بقاری﴾ حضرت جبرئیل امین علیہ الصلوۃ والتسلیم نے جب اس نوشتے کو پیش کر کے تین

مرتبہ قرأت کی درخواست کی توجوابا یہ کلمات ارشاد فرمائے۔ ان کلمات میں لفظ ''ما'' برائے نفی مشابہ "بلیس" ہے، استفہامیہ نہیں۔ ورنہ خبر پر "با" داخل نہ ہوتی کہ "ما" استفہامیہ کے بعد خبر پر "با" کی زیادت اہل عرب سے مسموع نہیں۔ ہاں "ھل" کے بعد خبر پر آتی ہے، جیسے ﴿الاھل اخو عیش لذیذ بدائم﴾ کافیہ میں ہے: ﴿وزائدة فی الخبر فی الاستفھام﴾ اس پر شرح جامی میں فرمایا: ﴿بھل لامطلقا نحو ھل زید بقائم فلا یقال أزید بقائم﴾ اس سے معلوم ہوا کہ خبر پر ''با'' کی زیادت استفہام میں 'ھل'' کے ساتھ مخصوص ہے۔ اور یہ بائے زائدہ تاکید نفی کے لئے ہے۔ بریں تقدیر ان کلمات کی تفسیر یہ ہوگی ﴿ما احسن القرأة﴾ (ترجمہ) مجھے قرأت اچھی طرح نہیں آتی۔ مذکورہ بالا جوابی کلمات کے بجائے دوسری روایت میں ﴿ما احسن ان اقرأ﴾ وارد ہوا، جس سے تفسیر مذکور کی تائید ہوتی ہے۔ محبوب خدا ﷺ نے جب نوشتہ مذکور پیش کرنے پر تینوں مرتبہ تواضعا یہی فرمایا کہ مجھے قرأت اچھی طرح نہیں آتی۔ تو جبرئیل امین علیہ الصلاۃ والتسلیم نے عرض کیا: ﴿اقرأ باسم ربك الذی خلق o خلق الانسان من علق o اقرأ و ربك الاکرم o الذی علم بالقلم o علم الانسان ما لم یعلم o﴾

یعنی اس نوشتے کو نہ اپنی قوت سے پڑھئے نہ اپنی معرفت سے، کہ امی ہونے کی حیثیت سے عادۃ قرأت مکتوب کی قوت و معرفت حاصل نہیں ہوتی بلکہ اپنی رب کی قوت واعانت سے پڑھئے! کیونکہ اس کی اعانت سے خوارق عادات بھی واقع ہو جاتے ہیں، تو وہی آپ کو خرق عادت کی طور پر قرأت مکتوب سکھائے گا۔ جس طرح اسی نے خوارق عادات کے ساتھ آپ کی تخلیق فرمائی کہ ولادت باسعادت کے وقت اور اس سے پیشتر اور اس کے بعد سے خوارق ظہور میں آئے۔ اور اسی نے خرق عادت کے طور پر بچپن میں سینہ چاک کر کے اس سے خون بستہ حصہ شیطان دور فرمایا تھا۔ اور اسی نے آپ کی امت کو کتابت کی تعلیم فرمائی کہ قلم سے لکھنے لگی۔ حالانکہ اس سے پیشتر لکھنا نہ جانتی تھی ﴿ھذا تفصیل ما ذکرہ السھیلی رحمہ اللہ تعالی﴾

محدث ابو شامہ علیہ الرحمہ نے فرمایا کہ صورۃ یہ جملہ واحد ہے اور معنوی حیثیت سے متعدد۔ اس لئے کہ اول ﴿ما انا بقاری﴾ فرمانے سے مقصود قرأت مکتوب سے انکار ہے۔ اس تقدیر پر ترجمہ یہ ہوگا ''میں تو نہیں پڑھتا'' اور دوم میں مقصود اپنی ذات سے قرأت مکتوب کے انتفاء کی خبر دینا ہے۔ اب ترجمہ یوں کرینگے ''مجھے قرأت ہی نہیں آتی'' اور سوم سے مقصود استفہام ہے، اب ترجمہ یہ ہوگا۔ ''میں کیا پڑھوں؟'' 'ما' کے استفہامیہ ہونے کی دوسری روایات سے تائید بھی ہوتی ہے، چنانچہ ابو الاسود نے اپنے مغازی میں عروہ سے ﴿ما انا بقاری﴾ کی جگہ ﴿کیف اقرأ﴾ اور ابن اسحاق نے بروایت ابن عبید بن عمیر ﴿ما ذا اقرأ﴾ روایت کیا ہے، جس میں غیر استفہام کا احتمال ہی نہیں۔ اور امام نحو اخفش کے نزدیک 'ما' استفہامیہ کے بعد خبر پر 'با' کی زیادت جائز ہے۔ عمدۃ القاری میں ہے: ﴿لان الاخفش جوز ذلك﴾

اقول: الفاظ حدیث پر ان دونوں تقریروں کے منطبق ہونے میں قدرے خفا ہے۔

اولاً! اس لئے کہ پہلی تقریر میں ''ما انا بقا ری'' کی تفسیر ''ما احسن القر اۃ'' کے ساتھ ظاہر نہیں۔ اسی طرح روایت مذکورہ سے تائید بھی غیر ظاہر، کیونکہ ﴿ما انا بقا ری﴾ میں نفی نفس قرأت کی جانب متوجہ ہے بخلاف اس تفسیر اور روایت مذکورہ کے کہ ان دونوں میں حسن قرأت کی جانب متوجہ ہو رہی ہے، پھر ظاہر ہے کہ نفی اگر صفت امیت کے لحاظ سے ہے تو نفس قرأت کی ہی ہونی چاہئے، اور اگر بنظر تواضع ہے تو بنسبت حسن قرأت ، نفس قرأت کی نفی کامل تواضع کی مظہر ہے۔ لہذا نفس قرأت کی نفی اختیار کرنا انسب ہوا' جو سید التواضعین علیہ ﷺ کی شان کے لئے زیبا ہے: ﴿اللھم الا ان یقا ل ان النفی فیھما متو جه الی المطلق و المقید کلیھما﴾

ثانیاً! اس لئے کے دوسری تقریر میں 'ما' کو استفہام پر محمول کیا گیا ہے جس کے لئے خبر پر بائے زائدہ کا دخول مساعدت نہیں کرتا۔ عمدۃ القاری میں اگر چہ اس کا جواب اخفش کی جانب منسوب فرمایا لیکن اس مسئلہ کا محل بیان کتب نحو ہے، وہ سب کی سب اس مسئلہ جزئیہ کے ذکر سے خاموش ہیں۔ ان میں 'ہل' کی خصوصیت مذکور ہے کما مر۔ یا یہ کہ کلام موجب میں اخفش کے نزدیک خبر پر 'با' کی زیادت جائز ہے، چنانچہ کتاب مستطاب ''جمع الجوامع'' جو تقریباً سو کتابوں کے مسائل پر مشتمل ہے، اس کی شرح ﴿ھمع الھوا مع﴾ میں امام سیوطی علیہ الرحمہ نے فرمایا: ﴿و جو ز الا خفش زیا د ۃ البا ء فی کل مو جب نحو زید بقا ئم و استد ل بقو له تعا لی جز اء سیئة بمثلھا و او له الجمھو ر﴾

''علی حذ ف الخبرای و اقع''

رضی شرح کافیہ میں ہے: ﴿و تزا د شا ذا فی خبر مبتدا ء المو جب عند الا خفش﴾۔ اصطلاح نحات میں موجب وہ کلام ہے جس کے شروع میں نہی' نفی' استفہام نہ ہو۔ اور دوسری تقریر میں 'ما' کو جب استفہامیہ قرار دیا گیا جو قاری کا مفعول بہ مقدم ہے، تو شروع میں استفہام آنے کے باعث ﴿انا بقا ری﴾ کلام موجب نہ رہا حتی کہ ہر دو کتب مذکورہ کی تصریح کے مطابق مذہب اخفش پر دخول 'با' جائز ہو جائے۔ ﴿اللھم الا ان یقا ل ان ما مبتدا ء والجملة بعد ہ خبر له فا لجملة الصغری کلا م مو جب والکبری غیر مو جب وذلك لا نه حینئذیلزم خلو الصغر ی عن العا ئد و ھو کما تری﴾ غالباً اسی خفاء کی بنا پر استاد معظم صدر الشریعہ حضرت مولانا حکیم ابو العلی محمد امجد علی اعظمی قدس سرہ القوی اپنی تقریر میں ﴿ما انا بقاری﴾ کو تینوں جگہ مفید انکار فرماتے تھے۔ جو اول کی طرح باقی دونوں جگہ بھی بلا تاویل مفہوم ہوتا ہے۔ جملہ کی اسمیت، مسند الیہ کی تقدیم اور 'با' کی زیادت اس پر شاہد ہے کہ اگر صرف اخبار بالنفی مقصود ہوتا تو ان تاکیدات کی چنداں ضرورت نہ تھی۔ اس تقدیر پر تینوں انکار کے وجوہ مختلف قرار دینے سے نبوی جوابات میں تکرار بھی باقی نہیں رہتی، جس سے بچنے کے لئے محدث ابو شامہ علیہ الرحمہ نے ان کے ظاہر پہلو کو ترک کر کے غیر

ظاہر اختیار فرمایا۔اور کوئی خفا بھی لازم نہیں آتا۔الفاظ جواب اپنے ظاہر پر رہتے ہیں۔وجوہ انکار کی تفصیل یہ ہے کہ سید عالم ﷺ غار حرا میں ذکر الٰہی سے لذت اندوز ہو رہے تھے قلب مبارک پر عالم کیف طاری تھا۔اچانک جبرئیل امین علیہ الصلوٰۃ والتسلیم خدمت اقدس میں حاضر ہوئے اور عرض کیا کہ مژدہ باد! میں جبرئیل ہوں مجھ کو خدمت والا میں یہ پیغام پہنچانے کے لئے بھیجا گیا ہے کہ حضور اس امت کے واسطے اللہ تعالیٰ کے رسول ہیں۔پھر وہ نوشتہ دست مبارک میں دے کر" کما فی سفر السعادۃ " اس کے پڑھنے کی استدعا کرتے ہوئے عرض کیا ۔اقرأ: اس کو پڑھیے! آپ چونکہ محبوب حقیقی کی یاد میں سرشار تھے، یہ گوارہ نہ ہوا کہ دوسرے کی جانب توجہ مبذول کی جائے۔اسلئے انکار کرتے ہوئے فرمایا ''ما انا بقاری'' میں تو نہیں پڑھتا کیونکہ حلاوت ذکر کا غلبہ دوسری جانب متوجہ ہونے کی اجازت نہیں دیتا، جبرئیل علیہ السلام نے اس غلبہ کو فرو کر کے اپنی جانب متوجہ کرنے کی غرض سے پوری طاقت کے ساتھ دبوچ کر چھوڑ دیا اور پھر اس نوشتہ کو پڑھنے کی درخواست کرتے ہوئے عرض کیا: اقرأ اس کو پڑھیے! جبرئیل امین علیہ الصلوٰۃ والتسلیم جیسے شدید القویٰ فرشتے کے اپنی پوری طاقت کے ساتھ دبوچنے سے اگر چہ وہ استغراقی کیفیت جاتی رہی مگر قلبی اقتضاء یہی تھا کہ ذکر محبوب سے لطف اندوز ہونے کے لئے پھر اسی طرف متوجہ ہو جائیں۔اس لئے ایک ظاہر عذر کے پیش نظر قرأت مکتوب سے انکار کرتے ہوئے فرمایا:" ما انا بقاری " میں تو نہیں پڑھتا۔اس لئے کہ امی ہوں اور امی کو نہ لکھنا آتا ہے نہ پڑھنا، جبرئیل امین علیہ الصلاۃ والتسلیم نے جسم مبارک میں مخصوص انوار داخل کرنے کے لئے دوبارہ اپنی پوری طاقت سے دبوچا اور چھوڑ کر پھر اس نوشتے کو پڑھنے کی درخواست پیش کرتے ہوئے عرض کیا: اقرأ" اس کو پڑھیے! اس مرتبہ آپ نے اس نوشتے کو پڑھنے کا ارادہ فرمایا مگر مولیٰ تعالیٰ نے مشاہدہ ملکوت عطا کرنے کے باوجود اس نوشتے کے نقوش نظر مبارک سے اس وقت پوشیدہ فرما دیئے تا کہ اظہار عجز اور حول وقوت سے تبری حاصل ہو جو شان عبدیت کے واسطے زیبا ہے۔﴿کما فی سفر السعادہ﴾ اس لئے انکار کرتے ہوئے فرمایا: ﴿ما انا بقاری﴾' میں تو نہیں پڑھتا، کیونکہ اس نوشتے کے نقوش ہی نظر نہیں آتے جبرئیل علیہ السلام نے بغرض موانست سہ بارہ اپنی پوری طاقت سے دبوچا اور پھر چھوڑ کر سورۂ اقرأ کی ابتدائی آیتوں کو "ما لم یعلم" تک پڑھا جو سید عالم ﷺ کو محفوظ ہو گئیں۔

﴿وبما ذکرنا ظهر عليك سخافة ما فی فیض الباری صفحه ٢٤ من ان قول جبرئیل علیه السلام : (اقرأ ليس من باب التكليف بل من باب التلقين والتلقی لما يقوله كما اذ يحضر الصبی قبل المعلم و كتابه معه فيقول له استاذه اقرأ لا يريد بذلك تكليفه بالقراة ولكن يكون تلقينا له ان اقرأ كما اقرأ لك الآن)﴾

﴿اما اولا: فلانه جعل حمل قوله علیه السلام ما انا بقاری فی المرأت الثلث على الاخبار بالنفی راجحا بل ارجح حيث قال بعيد هذا والارجح عندی انها كلها نافية وترجمته﴾

۔میں وہ شخص نہیں جس سے قرأت ہوسکے۔﴿وھذا الحمل ینا فی کون اقرأ من باب التلقین اذا لممتنع من الامی عادۃ ھو قرأۃ المکتوب بنفسہ لا باقرأء الغیر فلو کان اقرأ من باب التلقین حسبما قالہ لما استقام فی جوابہ نفی القرأۃ عن نفسہ بقولہ ما انا بقاری لا سیما اذا کان الاقراء بلغۃ القاری کیف والقرأۃ باقرأ الغیر مقدورۃ لکل امی من العجم فضلا عن افصح الفصحاء من العرب سید العالم ﷺ﴾

﴿واما ثانیا: فلان التشبیہ بقولہ کما اذ یحضر الصبی الخ خارج عن دیدن المتادبین کما یحکم بہ ذوق الایمان والیقین فاحفظہ و کن من الشاکرین﴾

﴿واما ثالثا: فلان قولہ لیس من باب التکلیف الخ مشعر بان اقرا امر وقد علمت ان الامر لیس کذلک فتامل ولا تکن من المسرعین﴾ ۔(۱)

(ب) اسلامی تاریخ شاہد ہے کہ مسلمان ہر زمانے میں علمائے کرام اور اولیائے عظام کے مقابر ومزارات کی زیارت کے لئے دوردراز کے سفر کرتے رہے اور فیوض وبرکات پاتے رہے، خاص کر حضور نبی کریم ﷺ کے روضہ اقدس کی زیارت تو بالاتفاق احب المندوبات سمجھی جاتی رہی، مگر اس توارث کے برخلاف سب سے پہلے آٹھویں صدی ہجری میں ابن تیمیہ نامی ایک نہایت پڑھے لکھے مگر گمراہ شخص نے حدیث نبوی ﴿لا تشد الرحال الا الی ثلثۃ مساجد المسجد الحرام ومسجدا لرسول ومسجد الاقصی﴾

(مسجد حرام مسجد نبوی اور مسجد اقصیٰ ان تین مسجدوں کے علاوہ کہیں کے لئے سفر نہ کیا جائے) کے پیش نظر اس کو ممنوع قرار دیا، پھر تیرہویں صدی میں محمد بن عبدالوہاب نجدی نے شدومد سے ابن تیمہ کے اس باطل عقیدہ کا پرچار کیا اور اب ان کی پیروی کرتے ہوئے غیر مقلدین اور دیوبندی حضرات یہی راگ الاپ رہے ہیں۔

حضرت امام النحو نے نحوی قواعد کے ذریعہ واضح فرمایا کہ اس حدیث کا وہ مفہوم ہرگز نہیں ہے جو ابن تیمیہ اور ان کے مقلدین نے سمجھ رکھا ہے، آپ فرماتے ہیں:

امام بخاری علیہ رحمۃ الباری کے مزار مقدس پر اللہ تعالیٰ بے شمار انوار نازل فرمائے کہ انہوں نے حدیث مذکور کو باب فضل الصلاۃ میں بیان کرکے اس کے صحیح مطلب کی جانب رہنمائی فرمادی، اور طویل بحثوں کو ایک اشارہ میں ختم کردیا: وہ یہ کہ حدیث مذکور مطلقا ہر سفر کے بارے میں وارد نہیں بلکہ اس سفر کے حق میں وارد ہے جو فضل نماز کی خاطر کیا جائے، اس کے بعد حدیث مذکور میں دو احتمال ہیں۔

اول: یہ کہ مستثنیٰ منہ مقدر عام ہو، تو مطلب یہ ہوگا کہ ہر سہ مقامات مذکورہ کے سوا کسی مقام کا سفر اس نیت سے نہ کیا جائے کہ وہاں پر نماز پڑھی جائے گی، تاکہ ثواب زیادہ ملے کہ زیادت ثواب صرف ان تین مساجد

کے ساتھ مخصوص ہے کیونکہ مسجد حرام میں ایک نماز پر ایک لاکھ کا ثواب ملتا ہے اور مسجد نبوی میں پچاس ہزار کا اور مسجد بیت المقدس میں پانچ سو کا۔اس احتمال پر بزرگان دین کے آستانے حدیث مذکور کی ممانعت میں داخل نہیں ہوئے۔ کیونکہ ان آستانوں کا سفر اس نیت سے نہیں ہوتا کہ وہاں پر نماز ادا کرنے پر ثواب زیادہ ملے گا بلکہ مقصود زیارت ہوتی ہے۔

دوم: احتمال یہ کہ مستثنیٰ منہ مقدر خاص لفظ مسجد ہو اور یہی راجح ہے، تو حدیث مذکور کا مطلب یہ ہوگا کہ کسی مسجد کی طرف اس نیت سے سفر نہ کیا جائے کہ وہاں پر نماز ادا کرنے میں زیادہ ثواب ملے گا بجز ان تین مساجد کے، مسجد حرام، مسجد نبوی، مسجد بیت المقدس۔اس احتمال پر بھی بزرگان دین کے آستانے حدیث مذکور کی ممانعت میں داخل نہیں ہوئے کیونکہ ممانعت مستثنیٰ منہ مقدر کے سفر کی ہے، آستانے اس میں داخل نہیں، امام بخاری علیہ رحمۃ الباری کے بیان کردہ مطلب کی وضاحت وہ روایت کرتی ہے جس کو امام احمد قدس سرہ نے اپنی مسند میں بایں الفاظ ذکر کیا ہے:﴿ قال رسول اللہ ﷺ لا ینبغی للمصلی ان یشد رحالہ الی مسجد تبتغی فیہ الصلاۃ غیر المسجد الحرام والمسجد الاقصی ومسجدی ﴾

(ترجمہ) نمازی کو مناسب نہیں کہ کسی مسجد کی جانب نماز ادا کرنے کی نیت سے سفر کرے بجز ان تین مساجد کے، مسجد حرام اور مسجد بیت المقدس اور میری مسجد۔اس روایت سے احتمال دوم کی تائید بھی ہوگئی کہ حدیث مذکور میں مستثنیٰ منہ مقدر عام نہیں بلکہ لفظ مسجد ہے۔ کیونکہ مستثنیٰ منہ کے لئے ضروری ہے کہ مستثنیٰ سے اقرب ہو۔ اور یہ حدیث مذکور میں لفظ مسجد کی تقدیر کے بغیر حاصل نہیں۔

فواتح الرحموت شرح مسلم الثبوت صفحہ ۲۷۶'' میں ہے:﴿فاعلم ان المستثنی منہ ما یکون اقرب الی المستثنی ولعل ھذا ظاھر لمن لہ ادنی استقراء﴾۔اسی واسطے علامہ قسطلانی قدس سرہ النورانی نے حدیث مذکور کی شرح میں احتمال دوم کو اختیار فرمایا پھر اس پر ارشاد الساری شرح صحیح البخاری جلد دوم صفحہ ۳۲۹ و ۳۳۰ میں مذہب ابن تیمیہ کے ابطال کو متفرع کرتے ہوئے فرماتے ہیں: جس نے حدیث مذکور میں مستثنیٰ منہ مقدر کو عام لیکر کہا تھا کہ رسول اللہ ﷺ کے روضہ پاک کی زیارت کے لئے سفر کرنا حرام ہے، اسی ابن تیمیہ کی فضلہ خواری میں ہندوستان کے وہابی اور غیر مقلد صاحبان بزرگان دین کے آستانے پر حاضری دینے کے لئے سفر کرنے کو منع کرتے ہیں:﴿ وقد بطل بما مر من التقدیر بلا تشد الرحال الی مسجد للصلوۃ فیھا المعتضد بحدیث ابی سعید المروی فی مسند احمد باسناد حسن مرفوعا لا ینبغی للمصلی ان یشد رحالہ الی مسجد تبتغی فیہ الصلوۃ غیر المسجد الحرام والاقصی ومسجدی ھذا قول ابن تیمیہ حیث منع من زیارۃ قبر النبی ﷺ وھو من ابشع المسائل المنقولۃ عنہ﴾ یعنی حدیث مذکور لا تشدالرحال الاالی ثلثۃ مساجد کے مستثنیٰ منہ کی تقدیر میں ہم نے یہ کہا کہ:﴿لا تشدالرحال الی مسجد

الا الی ثلثة مساجد﴾ جس کی تائید اس حدیث ابوسعید سے ہوتی ہے، جس کو امام احمد نے باسناد حسن مرفوعاً اپنی مسند میں بایں الفاظ بیان فرمایا ہے: ﴿لا ینبغی للمصلی ان یشدر حاله الی مسجد تبتغی فیه الصلاة غیر المسجد الحرام والاقصیٰ ومسجدی هذا﴾ حدیث مذکور میں اس تقدیر مستثنیٰ منہ سے ابن تیمیہ کا یہ کہنا باطل ہو گیا کہ نبوی قبر شریف کی زیارت کے لئے سفر کرنا ممنوع ہے، کیونکہ اس کا یہ قول حدیث مذکور میں مستثنیٰ منہ کو عام لینے پر مبنی ہے، جس کے باطل ہونے میں شک نہیں اس لئے کہ عام ہونے کی صورت میں مستثنیٰ سے اقرب نہیں ہوتا۔ حالانکہ یہ ضروری ہے، اور زیارت قبر نبوی کی یہ ممانعت ان قبیح ترین اقوال سے ہے، جو ابن تیمیہ سے منقول ہیں۔ اسی حدیث مذکور پر بحث کرتے کرتے آخر میں علامہ ابن حجر عسقلانی قدس سرہ النورانی بخاری کی شرح فتح الباری جلد سوم صفحہ ۵۴ میں فرماتے ہیں: ﴿قال بعض المحققین قوله الا الی ثلثة مساجد المستثنی منه محذوف فاما ان یقدر عاما فیصیر لا تشد الرحال الی مکان فی ای امر کان الا الی الثلثة او اخص من ذلك لا سبیل الی الاول لافضائه الی سد باب سفر التجارة وصلة الرحم وطلب العلم وغیرها فتعین الثانی والاولی ان یقدر ما هو اکثر مناسبة وهو لا تشد الرحال الی مسجد للصلاة فیها الا الی الثلثة فیبطل قول من منع شد الرحال الی زیارة القبر الشریف وغیره من قبور الصالحین۔ والله اعلم﴾

یعنی بعض محققین نے فرمایا کہ حدیث مذکور میں ﴿الا الی ثلثة مساجد﴾ سے پیشتر مستثنیٰ منہ محذوف ہے، پس یا عام مقدر مانا جائے تو تقدیر عبارت یوں ہوگی ﴿لا تشد الرحال الی مکان فی ای امر کان الا الی الثلثة﴾ (ترجمہ) سفر نہ کیا جائے کسی مکان کی طرف کسی کام کے لئے مگر تین مساجد کی جانب۔ یا مستثنیٰ منہ اس سے خاص مقدر مانا جائے۔ عام مقدر ماننے کی جانب کوئی سبیل نہیں۔ کیونکہ وہ مفضی ہے اس بات کی جانب کہ تجارت کیلئے صلہ رحم کیلئے، طلب علم وغیرہ امور کے لئے دروازۂ سفر مسدود ہو جائے تو ثانی احتمال متعین ہو گیا، کہ مستثنیٰ منہ مقدر خاص ہے۔ اور بہتر یہ ہے کہ مستثنیٰ منہ ایسی چیز مقدر مانی جائے جس میں مناسبت زیادہ ہو۔ اور وہ لفظ مسجد ہے۔ اور اس حدیث مذکور کی عبارت اس مستثنیٰ منہ کی تقدیر کے بعد یوں ہوگی ''لا تشد الرحال الی مسجد للصلاة فیہ الا الی الثلثة'' سفر نہ کیا جائے کسی مسجد کی جانب اس میں نماز پڑھنے کی نیت سے مگر تین مساجد کی جانب۔ جب حدیث مذکور کا مطلب یہ ہوا تو ان لوگوں کا قول باطل قرار پایا جنہوں نے نبوی قبر شریف کی اور قبور صالحین کی زیارت کے لئے حدیث مذکور کے پیش نظر سفر کرنے کو ممنوع قرار دیا۔ واللہ اعلم۔

پھر حدیث مذکور کا ایک اور مطلب نقل فرماتے ہیں: ﴿قال السبکی الکبیر لیس فی الارض بقعة لها فضل لذاتها حتی تشد الرحال الیها غیر البلاد الثلثة ومرادی بالفضل ما شهد الشرع باعتبار هو رتب علیه حکما شرعیا واما غیرها من البلاد فلا تشد الیها لذاتها بل لذاته ای جها

د او علم او نحو ذالك من المندوبات و المباحات قال وقدالتبس ذالك على بعضهم فزعم ان شدالرحال الى الزيارة لمن فى غير الثلثة داخل فى المنع و هو خطاء. لان الاستثناء انما يكون من جنس المستثنى منه فمعنى الحديث لا تشد الرحال الى مسجد من المساجد او الى مكان من الامكنة لاجل ذلك المكان الا الى الثلثة المذكورة و شد الرحال الى زيارة او طلب علم ليس الى مكان بل الى من فى ذلك المكان والله اعلم ﴾

یعنی امام سبکی کبیر قدس سرہ نے فرمایا کہ روئے زمین میں کوئی جگہ ایسی نہیں جس کیلئے لذاتہ فضیلت ہو، سوائے ان تین مقامات مذکورہ کے۔ اور فضیلت لذاتہ سے میری مراد یہ ہے کے شریعت نے اعتبار کر کے اس کے لئے مخصوص حکم شرعی رکھا۔ اور ان تین کے علاوہ دوسرے مقامات کی جانب بایں معنی لذاتہ سفر نہیں کیا جاتا، بلکہ زیارت، جہاد، علم وغیرہ مندوبات یا مباحات کے لئے کیا جاتا ہے۔ اور بیشک اس بات کا سمجھنا بعض پر مشکل ہو گیا تو یہ کہہ بیٹھے کہ ہر سہ مقامات مذکورہ کے سوا کسی مقام کا زیارت کیلئے سفر کرنا حدیث مذکور کی ممانعت میں داخل ہے۔ ان کا یہ کہنا غلط ہے کیونکہ مستثنیٰ کے لئے ضروری ہے کہ مستثنیٰ منہ کی جنس سے ہو تو حدیث مذکور کے معنی یہ ہوئے کہ سفر نہ کیا جائے کسی مسجد کی جانب یا کسی مکان کی جانب اس کی لذاتہ فضیلت کے خیال سے مگر مذکورہ بالا تین مساجد کی جانب کہ ایک لاکھ، پچاس ہزار، پانسو کا مخصوص حکم شرعی انہیں کے واسطے ہے اور کسی کے لئے نہیں۔ اور زیارت یا طلب علم کے لئے سفر کسی مکان کی جانب نہیں ہوتا بلکہ مکین کی طرف ہوتا ہے۔ واللہ اعلم [البشیر القاری]

(۳) قواعد نحویہ سے مسلک اہلسنت کی تائید اور بد مذہبوں کی تردید

(الف) حضور نبی کریم ﷺ کو لفظ یا سے نداء کرتے ہوئے "یارسول اللہ یا حبیب اللہ" کہنا زمانہ صحابہ سے مسلسل جاری ہے مگر اب محمد ابن عبدالوھاب نجدی کے عقائد کے زیر اثر کچھ لوگ، خاص کر ہندستان میں غیر مقلدین اور دیوبندی حضرات اس طرح ندائے رسول سے منع کرتے ہیں ان کا کہنا ہے کہ نبی کریم کو لفظ 'یا' کے ذریعہ پکارنے کا مطلب ہے ان کو اپنے قریب اور حاضر سمجھنا، جو سراسر شرکیہ عقیدہ ہے۔

جہاں تک نبی کریم ﷺ کو قریب اور حاضر وناظر سمجھنے کا تعلق ہے تو یہ عقیدہ ہرگز شرک نہیں۔ بلکہ قرآن و حدیث کے نصوص، صحابہ وتابعین کے تعامل اور ائمہ فقہاء کے ارشادات کی روشنی میں یہ ماضی قریب تک تمام مسلمانوں کا عقیدہ رہا ہے۔ اور آج بھی بحمدہ تعالی باقی ہے اور کیوں نہ ہو کہ قرآن کریم میں ہے: ﴿النبی اولى بالمومنين من انفسهم﴾ (نبی مسلمانوں سے ان کی جان سے بھی زیادہ قریب ہیں)

دسویں صدی کے مشہور فقیہ حضرت ملا علی قاری نے لکھا ہے:

﴿ان روح النبی علیه السلام حاضر فی بیوت اهل الاسلام﴾۔ نبی کریم ﷺ کی روح

پاک مسلمانوں کے گھروں میں موجود ہے۔ [شرح شفاء]

گیارہویں صدی کے مشہور شارح حدیث اور محقق حضرت شیخ عبدالحق محدث دہلوی فرماتے ہیں: با چندیں اختلاف وکثرت مذاہب کہ درعلماے امت ہست یک کس را دریں مسئلہ اختلاف نیست کہ آں حضرت علیہ السلام بحقیقت حیات بے شائبہ مجاز وتو ہم تاویل دائم وباقی است وبراعمال امت حاضروناظراست ومر طالباں حقیقت راومتوجہاں آنحضرت رامفیض ومربی اگرچہ علماء امت کے درمیان بہت مسائل میں اختلافات ہیں لیکن اس مسئلہ میں کسی کا بھی اختلاف نہیں کہ حضورﷺ حقیقی حیات کے ساتھ دائم وباقی ہیں، اس میں نہ تو مجاز کا شائبہ ہے نہ تاویل کا توہم اور آپ امت کے اعمال پر حاضروناظر ہیں نیز طالبان حقیقت اور متوجہان بارگاہ کے لئے فیض رساں اور مربی۔ [اقرب السبل الی سید مرسل]

مگر حضرت امام النحو نے بطور تنزل نحوی قاعدے سے ثابت فرمایا ہے کہ حضورﷺ کے حاضروناظر ہونے کا عقیدہ کوئی نہ رکھے تو بھی آپ کو لفظ 'یا' کے ذریعے ندا کرنا اور "یارسول اللہ، یا حبیب اللہ" کہنا درست ہے، فرماتے ہیں:

حرف ندا 'یا' عام ہے کہ اس کو قریب اور بعید دونوں کے لئے استعمال کرتے ہیں، اس سے ظاہر ہوا کہ بعض دیوبندی مولوی صاحبان کا یہ کہنا باطل ہے کہ 'یا' صرف قریب کے لئے آتا ہے، اسی واسطے 'یارسول اللہ' کہنا درست نہیں کہ وہ تو ہزارہا میل کے فاصلہ پر مدینہ منورہ میں ہیں، باطل اسلئے ٹھہرا کہ نحو میر کی اس تصریح کے خلاف ہے۔ [البشیر ص ۱۲۲]

(ب) علمائے اہل سنت اور معتزلہ ہی نہیں بلکہ ان کے معنوی اتباع کرنے والے غیر مقلدیں اور دیو بندی حضرات کے درمیان یہ مسئلہ مختلف فیہ رہا کہ آدمی اپنے عمل کا ثواب دوسرے کو ہدیہ کرسکتا ہے یا نہیں ، دوسرے لفظوں میں یوں کہئے کہ ایصال ثواب جائز ہے یا نہیں؟ معتزلہ اور پھر ان کی اتباع میں غیر مقلدین و دیوبندی حضرات یہ کہتے ہیں کہ ایصال ثواب جائز نہیں اس لئے کہ قرآن کریم میں ہے ﴿وان لیس للانسان الا ما سعی﴾ (اور بے شک آدمی نہ پائیگا مگر اپنی کوشش) حدیث پاک میں ہے: ﴿انما لامرء ما نوی﴾ احناف کے نزدیک حدیث کا ترجمہ یہ ہے 'آدمی کو اسی کی نیت کا ثواب ملے گا"۔

اہل سنت نے ایصال ثواب کے جواز پر قرآن وحدیث سے بے شمار دلائل دیئے ہیں جیسا کہ اس موضوع کی کتابوں سے ظاہر ہے مگر حضرت امام النحو نے خاص نحوی قاعدے سے اس مسئلہ میں معتزلہ اور ان کے اتباع میں غیر مقلدین اور دیوبندی حضرات کی تردید کی ہے اور ثابت فرمایا کہ ایصال ثواب جائز ہے۔ تحریر فرماتے ہیں:

مذہب احناف میں قلبی، بدنی، مالی، فرض، واجب مستحب، ہر عبادت کا ثواب زندہ، میت، ہر مسلمان کو

پہنچانا درست ہے۔ اسی واسطے عاشقان رسول ہر زمانے میں حسب توفیق اعمال صالحہ کا ہدیہ سید انبیا محبوب کبریا ﷺ کی خدمت میں پیش کرتے چلے آئے۔ جلیل القدر صحابی حضرت عبد اللہ بن عمر رضی اللہ تعالی عنہ عمرے کر کے ان کا ثواب ہدیہ کیا کرتے۔ قدوۃ العاشقین حضرت ابن الموفق رحمۃ اللہ علیہ نے ستر حج کر کے انکا ثواب ہدیہ کیا۔ سند المشتاقین حضرت ابن سراج رحمۃ اللہ علیہ نے دس ہزار سے زائد ختم قرآن کر کے اور اتنی ہی قربانیاں کر کے ان کا ثواب ہدیہ کرنے کی سعادت حاصل کی۔ اور ام المومنین حضرت صدیقہ رضی اللہ تعالی عنہا نے بہت سے بردے آزاد فرما کر ان کا ثواب اپنے برادر عبد الرحمٰن رضی اللہ تعالی عنہ کو پہنچایا۔ عہد رسالت میں حضرت سعد بن عبادہ رضی اللہ تعالی عنہ نے باجازت نبوی ایک باغ صدقہ کر کے، بردہ آزاد کر کے، کوآں بنوا کر، ان سب کا ثواب اپنی شفیق ماں کو پہنچایا۔ بلکہ خود نور مجسم رحمت عالم ﷺ نے قربانی کر کے زندہ، میت، قیامت تک پیدا ہونے والی اپنی تمام امت کو ایصال ثواب فرمایا۔ حدیث، مذہب اہل سنت کے مخالف نہیں، نہ مذہب معتزلہ کے لئے مثبت۔ اس لئے کہ: انما لامرء مانوی ہیں ''لام'' برائے استحقاق ہے جیسے الحمد للہ میں۔

روز روشن کی طرح ظاہر ہوگیا کہ حدیث عامل کو ثواب عمل کا مستحق قرار دے کر غیر سے استحقاق کی نفی کر رہی ہے کہ ثواب عمل عامل کا حق ہے غیر کا حق نہیں۔ جب عامل ثواب عمل کا حقدار ٹھہرا تو ہر صاحب حق کو یہ حق حاصل ہے کہ اپنا حق جس مسلمان کو چاہے ہدیہ کردے۔ جس طرح ہم اپنے دنیوی حقوق جیسے مملوک اشیاء ہدیہ کر سکتے ہیں اور کرتے رہتے ہیں، فرق اتنا ہے کہ اخروی حق یعنی ثواب عمل غیر مسلم کو ہدیہ نہیں ہوسکتا۔ دنیوی حق بعض صورتوں میں غیر مسلم کو دینا جائز ہے، نیز دنیوی حق ہدیہ کرنے کے بعد ملک سے نکل جاتا ہے اور مالک کا استحقاق اس میں باقی نہیں رہتا بخلاف اخروی حق کے کہ ہدیہ کرنے کے باوجود صاحب حق کے لئے باقی رہتا ہے بلکہ بڑھ جاتا ہے۔ مثلاً کسی نے صدقہ کر کے اس کا ثواب اپنے عزیز واقارب کو ہدیہ کیا تو ان کے صدقے کا پورا ثواب ان عزیز واقارب میں سے ہر ایک کو ملے گا، صدقہ کرنے والے کے ثواب میں اصلا کمی نہ ہوگی بلکہ انشاء اللہ تعالی ان سب کے مجموعہ کے برابر صدقہ کرنے والے کو ملیگا۔ لہذا نابالغ بھی ثواب ہدیہ کرسکتا ہے۔ بخلاف دنیوی حق، کہ اس کا ہدیہ کرنا درست نہیں۔ چونکہ ہدیہ کرنے والے کے ثواب میں کمی نہیں ہوتی بلکہ بفضلہ تعالی بیشی کی امید ہے۔ اس لئے مستحب ہے کہ بروقت ایصال ثواب مخصوص اصحاب کے ساتھ ساتھ باقی ماندہ جملہ مومنین و مومنات کی نیت بھی کرلیا کریں۔ بلکہ ہر ایصال ثواب کے موقع پر پہلے اس ثواب کو مالک کونین، سرکار دارین، سردار انبیا، محبوب کبریا ﷺ کی خدمت میں پیش کریں پھر بطفیل آپ کے جملہ انبیائے کرام علیہم الصلاۃ والسلام وخلفائے راشدین اہل بیت طاہرین اصحاب عظام وامہات المومنین وتابعین ومجتہدین وتمام اولیا وعلماء دین وبزرگان جملہ سلاسل خصوصا حضور پرنور سیدنا مولانا غوث اعظم شیخ عبد القادر جیلانی قدس سرہ اور سلطان الہند غریب نواز حضور خواجہ معین الدین چشتی قدس سرہ پھر ان حضرات کی نیت کر کے جملہ مومنین ومومنات کے

لئے ایصال ثواب کیا کریں۔ یہ جواب ان آیات میں بھی جاری ہوتا ہے جن کو معتزلہ اپنے مذہب کے اثبات میں پیش کرتے ہیں،

جیسے سورۂ نجم میں: ﴿و ان لیس للا نسا ن الا ما سعی﴾

اور سورہ بقرہ میں بھی: ﴿لہا ما کسبت ولکم ما کسبتم﴾

ان میں بھی 'لام' برائے استحقاق ہے۔ ﴿ھذا الجواب مما تفردت بہ بفضل اللہ الصمدلارأیتہ فی کتاب ولا سمعتہ من احد﴾(۱)

(۴) قواعد نحویہ سے فضائل نبوی کا اثبات

اللہ تبارک وتعالیٰ نے مسلمانوں کو حکم دیا ہے کہ وہ نبی کریم ﷺ پر درود وسلام بھیجیں ﴿یا ایھا الذین ا منو ا صلّوا علیہ و سلموا تسلیماً﴾ (اے ایمان والوان پر درود اور سلام خوب بھیجو) یہاں تک کہ نماز جیسی خالص عبادت بھی درود سے خالی نہیں ﴿السلا م علیك ایھا البنی ،اللھم صل علی محمد﴾

مگر سوال یہ ہے کہ ہم جب درود وسلام بھیجتے ہیں تو اسے حضور اقدس ﷺ سنتے ہیں یا نہیں؟ اہلسنت وجماعت کا عقیدہ ہے کہ اللہ تبارک وتعالیٰ نے حضور ﷺ کو دور ونزدیک ہر جگہ سے سننے کی قوت عطا فرمائی ہے۔ اس لئے آپ ہمارے درود وسلام کو سنتے ہیں۔

دور ونزدیک کے سننے والے وہ کان　　　کان لعل کرامت پہ لاکھوں سلام

اہلسنت کے اس عقیدہ پر قرآن وحدیث کے نصوص، صحابہ وتابعین کے ارشادات، ائمہ فقہا کے اقوال ہی شاہد عدل نہیں۔ بلکہ حضرت امام النحو نے نحوی قاعدے سے اس عقیدے پر مزید برآں استدلال فرمایا ہے وہ آپ ہی کا حصہ ہے اور پڑھنے سے تعلق رکھتا ہے۔

بیشک سرور کائنات، فخر موجودات، تاجدار انبیاء، محبوب کبریا ﷺ ہر امتی کا درود وسلام بگوش خود سنتے ہیں، خواہ وہ زمین کے کسی گوشے میں بسنے والا ہو، یا فلک کے کسی حصے میں، خواہ خشکی اور دریا میں رہتا ہو یا زمین آسمان کی درمیانی فضا میں۔ غرض کہ عالم کے کسی حصے میں بھی ہو اس کا درود وسلام بگوش خود سنتے ہیں۔ پھر درود وسلام پر انحصار نہیں بلکہ ہر مخلوق کی آواز سنتے ہیں۔ اور ہر مخلوق کو بچشم خود دیکھتے بھی ہیں۔

دلیل اول: ایک مرتبہ مجمع صحابہ میں سرور کونین، محبوب رب المشرقین والمغربین ﷺ نے تحدیث بنعمۃ اللہ کے طور پر اپنی جہانگیر قوت بصر اور عالمگیر قوت سماع کا انکشاف کرتے ہوئے فرمایا کہ تمام وہ مبصرات جن تک تمہاری نظروں کی رسائی نہیں ہوتی میں ان کو دیکھتا ہوں، اور تمام وہ مسموعات جن سے تمہارے کان آشنا نہیں ہوتے، میں ان کو سنتا ہوں۔ چنانچہ اس واقعہ کو مورخین اسلام اور محدثین کرام امام ترمذی، امام ابن ماجہ، امام ابو نعیم جلیل القدر صحابی ابوذر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے بایں الفاظ نقل رماتے ہیں: ﴿قا ل رسو ل اللہ ﷺ انی اری

ما لا ترون واسمع ما لا تسمعون﴾ (ترجمہ) رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ میں ہر اس شیٔ کو دیکھتا ہوں جس کو تم نہیں دیکھتے، اور ہر اس آواز کو سنتا ہوں جس کو تم نہیں سنتے۔

اس حدیث سے اثبات مدعیٰ بایں طور ہوتا ہے کہ "اسمع ما لا تسمعون" میں کلمۂ 'ما' عام ہے اور تخصیص پر کوئی قرینہ نہیں۔ اس 'ما' میں دو احتمال ہیں 'ما' موصولہ ہو یا 'ما' نکرہ۔ اول تقدیر پر تو عموم ظاہر ہے کہ 'ما' موصولہ کلمات عموم سے ہے۔ اور دوسری تقدیر پر چونکہ چیز نفی میں ہے، اس لئے عام ہو گیا۔ کیونکہ نکرہ تحت نفی عام ہو جاتا ہے۔ نظر برآں ہر وہ آواز اس میں داخل ہے، جس کو مخاطبین نہیں سنتے، خواہ وہ عالم کے کسی گوشے سے اٹھے۔ کرۂ زمین کی ہو یا کرۂ آب کی۔ کرۂ ہوا کی ہو یا کرۂ نار کی۔ کرۂ سموات کی ہو، یا کرۂ عرش کی، خواہ انسان کی آواز ہو یا حیوانات کی، نباتات کی ہو یا جمادات کی، جنات کی ہو یا فرشتوں کی، یا ایسی مخلوق کی آواز ہو جس کو ہم نہیں جانتے، خواہ وہ آواز از روئے شرع محمود ہو، جیسے حمد کی آواز یا درود و سلام کی آواز، یا مذموم ہو جیسے گالی گلوچ کی آواز یا الفاظ کفر و شرک کی، یا نہ محمود ہو نہ مذموم، جیسے مباح باتوں کی آواز۔ غرض کہ تمام عالم کی جملہ آواز پر یہ کلمہ مشتمل ہے۔ درود و سلام کی آوازیں بھی ان میں داخل ہوئیں۔

پس بحمدہ تعالیٰ آفتاب نیمروز سے زیادہ روشن طریقہ پر خود نبوی ارشاد مذکور سے ثابت ہو گیا کہ ہمارے آقا و مولیٰ، مالک کونین، شہنشاہ دارین، جناب احمد مجتبیٰ، محمد مصطفےٰ ﷺ اپنے امتی کا درود و سلام خواہ وہ عالم کے کسی حصے میں ہو بگوش خود سنتے ہیں (۱)

تمہیدی سطور سے لیکر ابتک، گزشتہ اوراق میں جو کچھ کہا گیا ہے وہ اگر چہ بظاہر حوالہ جات کی کثرت اور اقتباسات کی طوالت سے پر ہے۔

لیکن اس کے باوجود بھی ہمیں کہنے دیجئے کہ یہ چند نکات فی الواقع نفس موضوع کی وسعت اور مناسبت سے "مشتے نمونہ از خروارے" کے مصداق ہیں۔ کیونکہ جن لوگوں نے امام النحو حضرت سید غلام جیلانی علیہ الرحمہ کی زندگی اور ان کی بلند پایہ علمی و تحقیقی کارناموں کا تھوڑا سا بھی مطالعہ کیا ہے وہ بخوبی تمام جانتے ہیں کہ انہوں نے گزشتہ صدی میں کس طرح اپنی خداداد ذہانت ولیاقت اور اپنے علم وقلم سے نحوی اصول وقواعد کے ذریعہ علم دین، خصوصاً علم کلام وعقائد کے گوناگوں، بیش بہا اور تاریخ ساز خدمتیں انجام دی ہیں۔ بلاشبہ وہ اس لحاظ سے بیسویں صدی کے امام کسائی کہلانے کے مستحق ہیں کہ کسی مخصوص علم وفن کے چمن میں ایسا دیدہ ور، صدیوں کی راہ دیکھنے کے بعد بھی بڑی مشکل سے پیدا ہوتا ہے۔

حضرت امام النحو کا یہ کارنامہ یقیناً ناقابل فراموش ہے کہ خالص علمی کساد بازاری، عام بدعقیدگی اور دیار ہند میں عربی زبان وقواعد سے دوری کے عہد میں انہوں نے ایک نابغہ روزگار کی حیثیت سے علم نحو کی فضیلت وافادیت عملاً واضح کی۔ اور نہایت ہی خوب صورتی، استحکام اور متانت کے ساتھ بتایا کہ بیشک دین کی باتوں کو صحیح رخ سے سمجھنے اور سمجھانے میں یہ علم "علم مستطیل" کا درجہ رکھتا ہے۔ اور ان ہی تاثیر کے لحاظ سے نہایت کامیاب

ہے۔ اس طرح حضرت امام النحو نے اس علم شریف کے اصول قواعد کی مدد سے، کبھی کلمہ توحید کے مفہوم کی جا معیت کو کم ہونے اور اسے بدلنے سے بچایا۔ کبھی اصول نحویہ کی روشنی میں خدائے پاک کے لئے جہل مرکب سے متصف ہونے والے عقیدۂ باطلہ کی بیخ کنی کی، کبھی آیت میثاق میں "قالوا بلی" کے صحیح مفہوم کو بدلنے اور بگڑنے کے امکانات کا سد باب کیا، کبھی علم نحو کے مسلمہ اور مبینہ اصول وقواعد کی مدد سے عصمت انبیا کے عقیدۂ صحیحہ کی صیانت میں کامیاب علمی حصہ لیا، کبھی احادیث صحیحہ میں ٹھوکر کھانے والوں کو تنبیہ کی اور زیارت مقابر کے اسفار کی اباحت اور اس پر اجر وثواب کے عقیدے کا تحفظ فرمایا، کبھی نہایت ہی عالمانہ نحوی ژرف بینی کے ساتھ، مقام رسالت سے صرف نظر کرنے والوں کی برجستہ گرفت کی، اور اس امر کی کامیاب نشاندہی فرمائی کہ ان کے تراجم میں کس طرح باریک علمی سلوٹیں آگئی ہیں۔

حضرت امام النحو کا یہ بڑا علمی وتحقیقی فیضان ہے کہ انہوں نے تاریخی اور عصری تناظر میں اسلامی علوم و عقائد کی تشریح وتفہیم کے لئے علم نحو کے اصول وضوابط سے اس طرح برجستہ کام لیا، اور بیشتر نازک علمی مقامات کی اس طرح وضاحت کی کہ شاید محض منطقی استدلال سے ایسی توضیح ممکن نہ تھی۔ اس سلسلے میں حضرت والا نے کبھی معتزلہ اور عہد حاضر کے بدعقیدہ علما کے افکار وخیالات اور ان کے نام نہاد مبلغ علم وفضل کا پردہ چاک کیا۔

اور حضور پاک ﷺ کے تعلق سے مسئلہ ندائے رسول کا کافی وشافی اثبات فرمایا، اور کبھی ایصال ثواب کے سلسلے میں فرقہ معتزلہ کے نام نہاد فلسفیانہ افکار اور دور جدید میں ان کے معنوی پیروکاروں کے گمراہ کن خیالات ونظریات کی تردید کی کبھی فضائل نبویہ کے باب میں اصول نحو کے توسط سے اس عقیدے کا اثبات فرمایا کہ اللہ کے پیارے نبی ﷺ کو دور و نزدیک کی ہر جگہ سے اپنے امتیوں کی پکار اور ان کے درود وسلام سننے کی قوت عطا ہوئی ہے۔

اس طرح کہا جاسکتا ہے کہ عام بدعقیدگی کے ماحول میں عقائد صحیحہ اور خصوصا مسلک اعلحضرت کو زیادہ سے زیادہ روشن اور مبرہن بنانے میں حضرت امام النحو نے علم نحو کے اصولی نکات سے وہ کام لیا جو بسا اوقات اتنی خوبی اور خوبصورتی کے ساتھ محض منطقی دلائل سے بھی شاید کہ ممکن العمل، اور اس حد تک صریح الفہم اور سریع التاثیر نہ ہوتا۔ بیشک امام النحو کی یہ خاص علمی خدمتیں صرف اسلامی افکار وعقائد اور مسلک اہلسنت کی برجستہ وبرمحل تفہیم و تشریح کے اعتبار سے ہی گوناگوں اہمیت وافادیت اور علمی وعصری معنویت کی حامل نہیں۔ بلکہ انکا یہ اہم پہلو بھی حد درجہ قابل ستائش اور لائق التفات ہے کہ اس طرح امام النحو کی علمی باقیات اور ان کے بیشتر نحوی شذرات نے متعلقہ مباحث میں مخالفین کے لئے مسکت جواب فراہم کیا، اور اسلامیات کے متعلق عربی عبارات کے اردو تراجم کے باب میں ذی صلاحیت مترجمین کو بھی زیادہ سے زیادہ حزم واحتیاط اور غور وفکر کی طرف مائل کر دیا، حضرت امام النحو نے اپنی تحریروں کے توسط سے بتایا کہ "ہزار نکتہ باریک تر ز مو ایں جا است" اور اتنا ہی نہیں

بلکہ اپنی علمی ونحوی تشریحات کی وساطت سے، ترجمہ نگاری کے فن کو نوع بنوع فروغ بخشا اور مترجمین کو اصل عبارت، اس کے سیاق وسباق اور اس کے تراجم میں کما حقہ نحوی تطابق کے اصول وآداب سکھائے، اور ان لوگوں کے لئے علمی وادبی مسرت وبصیرت اور تسکین طبع کے سامان مہیا کردئے جو محض منطقی استدلال سے مطمئن نہیں ہو سکتے تھے۔

اس طرح حضرت امام النحو کی تحریروں سے کئی مفید مطلب باتیں سامنے آئیں۔ آپ نے جو کچھ لکھا اس طرح لکھا کہ برجستہ نحوی نکات سے نفس موضوع بھی اجاگر ہو جائے اور پڑھنے والوں کو اس علم سے مزید شغف بھی حاصل ہو اور متعلقہ مباحث کے اصولی جواز سے خود بھی مطمئن ہوں اور اسے دوسروں تک پہنچانے میں بھی علمی محاذ پر اس طرح کامیاب نظر آئیں کہ ان کی باتوں کا اثر وحدت زمان ومکان کے لحاظ سے منتشر نہ ہو، اور پڑھنے والوں یا سننے والوں کی توجہ بالآخر ایک ہی نکتہ پر بار بار مرکوز ہوتی رہے۔ مزید یہ کہ اس طرح امام النحو کے علمی مباحث سے عربی اور اردو زبان کے طلبا کو بھی تشکیلات زبان کے متعدد باریک ترین مسائل اور نازک ترین رموز ونکات کو وافر مثالوں کے ساتھ سمجھنے کے مواقع ملے۔ ان کے سامنے نئے نئے انفس آفاق روشن ہوتے چلے گئے، اور ان میں تحقیق کی پرخار وادیوں سے سلامتی کے ساتھ گزرنے کا حوصلہ اور اس کا ہنر بھی آ گیا

بیشک آج کے دور میں جب کہ ترقی یافتہ ممالک میں علم لسانیات وقواعد کے مختلف شعبوں کی تدریس وتعلیم پر خصوصی توجہ دی جارہی ہے اور تحقیقی مقاصد کے لئے بہت سارے علمی مباحث ومسائل میں بین اللسان تفہیم سے خصوصی مدد لینے کا رجحان بڑھتا جارہا ہے، امام النحو کے علمی کارنامے مجموعی طور پر ہمارے لئے تحقیق کے کام اور ان طریقوں کو آسان، دل پزیر، موثر اور مفید بنانے میں بے حد معاون ثابت ہو سکتے ہیں، بس شرط یہ ہے کہ ہم امام النحو جیسے اکابرین علم وفن کے سچے اور صحیح مقتدی وپیروکار بننے کی صلاحیت پیدا کرنے میں خلوص کے ساتھ تمام تر امکانی جدو جہد جاری رکھیں اور ''نام نیک رفتگاں ضائع مکن'' کے مقولہ پر عمل پیرا رہیں۔

فقیر محمد مطیع الرحمٰن رضوی غفرلہ

امام النحو میرٹھی، طلباء وعلماء دونوں کے رہنما ومحسن

حضرت مولانا محمد موسی طاہر صاحب
ناظم الجامعۃ الاسلامیہ انوار المدینہ منکیرہ (بھکر، پاکستان)

صدر العلماء امام النحو سید غلام جیلانی میرٹھی قدس سرہ

تیرے گل میں جو بو ہے وہ کسی گل میں نہیں

علم نحو علوم عربیہ میں بنیادی اور کلیدی حیثیت کا حامل علم ہے اس علم کے بغیر دیگر فنون عربیہ تک رسائی ناممکن ہے، یہ علم اپنی اہمیت کے باوصف ادق اور پیچیدہ مسائل پر مشتمل ہے مدارس عربیہ میں شامل نصاب کتب میں نحو میر، شرح مائۃ عامل، کافیہ وغیرہ اپنی جامعیت میں تو بیمثال ہیں لیکن متون ہونیکی وجہ سے حل طلب ضرور تھیں، انکی شروحات لکھنے کے لئے کئی لوگوں نے خامہ فرسائی کی بالخصوص اردو زبان میں بعض علماء نے متعدد شروحات لکھیں لیکن یہ شروحات اس معیار کی نہیں تھیں جن سے ایک طالبعلم اپنی علمی پیاس بجھا سکے، ایسی کتب علمی استعداد تو کیا پیدا کریں گی بلکہ ایسی اغلاط کا مجموعہ واقع ہوئی ہیں کہ ابتدائی طلباء کی گمراہی کے اسباب مہیا کرتی ہیں یہ وہ علم ہے جس میں غلط باتیں ذہن نشیں ہو جائیں تو آدمی تادم آخر ٹھوکریں کھاتا رہتا ہے اور عربی دانی میں مہارت حاصل نہیں کر سکتا۔

خشت اول چوں نہد معمار کج
تا ثریا می رود دیوار کج

ابتدائی طالبعلمی کے زمانہ میں اکثر سننے میں آتا تھا کہ درس نظامی کے نصاب میں شامل درسی کتب کی شروحات دیوبندیوں کی تالیف کردہ ہیں تو بندہ کو شدت سے اس بات کا احساس ہوتا کہ کاش علماء اہلسنت تصنیف وتالیف کی طرف توجہ فرماتے لیکن جونہی شرح مائۃ عامل سبقاً شروع کی تو اسکی چند شروحات کے مطالعہ کا موقعہ ملا بالخصوص ایضاح العوامل اور حضرت صدر العلماء سید غلام جیلانی میرٹھی رحمہ اللہ کی تالیف البشیر الکامل کو بالاستیعاب پڑھا اور دونوں شروحات کے مابین اپنے طور پر اور قبلہ صدر العلماء کے دیباچہ کی روشنی میں تقابلی جائزہ لیا تو ان نام نہاد شروحات کی قلعی کھل گئی۔ امام النحو قدس سرہ نے ان نام نہاد محققین اور سند المدرسین کی علمیت کا بھانڈہ پھوڑا تو بندہ میں اس بات کا احساس پیدا ہوا کہ اپنے اسلاف کے کارناموں سے آگہی ہماری بنیادی ضرورت ہے ان کے کارناموں کو یاد رکھنا اور عملی زندگی میں ان سے استفادہ کرنا احسان شناسی بھی ہے اور علم دوستی بھی، امام النحو علیہ الرحمہ نے شرح مائۃ عامل کی عبارات وتراکیب کو ایسے احسن طریقہ سے حل فرمایا ہے کہ مبتدی طلباء سے لیکر علماء تک کیلئے راہنما ثابت ہوئی۔ البشیر الکامل کو نحو کا انسائیکلوپیڈیا کہا جائے تو بے جا نہ ہوگا،

البشیر شرح نحومیر دیکھنے میں تو بالکل ابتدائی کتاب کی شرح ہے لیکن صدر العلماء نے اس ابتدائی کتاب میں رضی، ھمع الھوامع، اشمونی شرح الالفیہ، الفوائد الشافیہ، جیسی کتب نحو کی ابحاث ذکر فرمائی جس سے یوں لگتا ہے کہ آپ منتہی دارسین سے مخاطب ہیں لیکن اتنے سہل انداز میں وضاحتیں فرمائیں کہ مبتدی ومنتہی سب کیلئے یکساں مفید ثابت ہوئی اور ایک باصلاحیت طالبعلم ان قوانین واصول کو ازبر کر لینے کے بعد ھدایۃ النحو وکافیہ وغیرہ سے مستغنی ہو جاتا ہے

الغرض آپکی تمام تصانیف جہاں آپکے تبحر علمی اور دقت نظر کی عکاس ہیں وہاں مسلک حق اہلسنت وجماعت کیلئے سرمایہء افتخار بھی ہیں، بلاشبہ اصحاب علم وفضل آپکی علمی، دینی اور تصنیفی خدمات کو بڑی قدر کی نگاہ سے دیکھتے ہیں دعا ہے اللہ تبارک وتعالی اپنے حبیب کریم ﷺ کے توسط سے جملہ تشنگان علم کو آپکے علمی ذخائر سے مستفیض فرمائے آمین

صدر العلماء............''البشیر الکامل'' کے آئینے میں

حضرت مولانا ناظم علی مصباحی
استاذ دار العلوم اشرفیہ (مبارک پور یوپی)

دنیائے اسلام کو جن قدسی صفات بزرگوں پر فخر وناز ہے انہیں برگزیدہ ہستیوں میں سے محقق جلیل، مدقق نبیل، سرخیل فضلائے عصر، شمس الفضلاء، صدر العلما، امام النحو، شارح بخاری حضرت علامہ مفتی شاہ سید غلام جیلانی میرٹھی علیہ الرحمہ کی ذات ستودہ صفات ہے، جو علم وفضل، کردار وعمل، حسن اخلاق اور زہد وتقوی کے پیکر جمیل تھے۔ آپ نے درس وتدریس کے ذریعہ ایسے ایسے لعل وجواہر اور ایسی ایسی عظیم الشان شخصیتیں پیدا فرمائیں جو اپنے اپنے میدان میں گوئے سبقت لے گئے اور علم وفن میں اپنی شناخت قائم کی، اور علم وفن کے افق پر کہکشاں بن کر آپ کی عظمت میں چار چاند لگاتے رہے۔ آپ مختلف علوم وفنون میں دست گاہ تام رکھتے تھے، تدریس اور اس کے علاوہ تحقیقی اور تصنیفی کاموں میں روز وشب مصروف رہتے، جس موضوع پر قلم اٹھاتے محققانہ بحث فرماتے تھے، آپ کی علمی عبقریت اور فنی مہارت آپکے ارشد تلامذہ اور گراں قدر تصانیف سے ظاہر وباہر ہے۔ تحقیق وتدقیق آپکی قلمی خصوصیات ہیں۔ آپ اپنے عصر میں علم صرف ونحو کے امام تھے، آپ کے رشحات قلم اس پر شاہد عدل ہیں۔ آپ کی تحریر میں تحقیق کا جمال بھی نظر آتا ہے اور تدقیق کا کمال بھی، آپکی گراں قدر تصانیف کے مطالعہ سے یہ انکشاف ہوتا ہے کہ صرف فن نحو ہی نہیں بلکہ دیگر فنون میں بھی آپ غایت کمال رکھتے تھے، آپکی قلمی جولانیت کا اندازہ آپ کی تصانیف سے بخوبی کیا جا سکتا ہے۔ تدریسی انہماک اور دیگر اہم مصروفیات کے باوجود قرطاس وقلم کا ایسا بیش بہا سرمایہ چھوڑا ہے جو معدوم النظیر ہے۔ آپنے صحیح بخاری شریف کی ابتداء میں چند حدیثوں کی ایسی شرح فرمائی جو اپنی مثال آپ ہے۔ علامہ ابن حاجب علیہ الرحمہ کی مشہور زمانہ کتاب 'کافیہ' کی لاجواب شرح فرمائی۔ محقق علامہ میر سید شریف جرجانی علیہ الرحمہ کی مقبول ومتداول کتاب ''نحو میر'' کی معرکۃ الآرا شرح فرمائی۔ عارف باللہ شیخ عبد الرحمن جامی قدس سرہ السامی کی شرح مائۃ عامل کی ایسی عظیم الشان شرح فرمائی جس سے آنکھوں کو ٹھنڈک اور دلوں کو روشنی حاصل ہوتی ہے۔ اس آخر الذکر کتاب کا نام آپنے 'البشیر الکامل' رکھا جو یقیناً ارباب علم وفضل کے لئے مکمل بشارت ہے۔ میرا مقصود تحریر آخر الذکر کتاب 'البشیر الکامل' کے علمی اور تحقیقی اہم مباحث کا تعارف ہے تاکہ آپ کی علمی شخصیت روز روشن سے بھی زیادہ آشکارا ہو

جائے۔لیکن اس سے پیشتر کہ اصل شرح پر کچھ خامہ فرسائی کریں، مناسب یہ معلوم ہوتا ہے کہ اس شرح کے دیباچہ کا مختصر تعارف پیش کریں جو تحقیقات کا بیش بہا خزانہ ہے۔ (دیباچہ البشیر الکامل)

آپ نے البشیر الکامل کا ایک جامع و تحقیقی دیباچہ رقم فرمایا اور دیوبندی شرحوں کا تحقیقی و علمی محاسبہ فرمایا اور یہ واضح فرمایا کہ دیوبندی شارحین کا مبلغ علم کیا ہے، آپ خود فرماتے ہیں:

اس سے پیشتر شرح مائۃ عامل کی اردو تراکیب بہت سی شائع ہوئیں، سب کی سب نحوی معیار سے گری ہوئی ہیں، اور کسی سے مقصود ترکیب حاصل نہیں ہوتا، بالخصوص 'ایضاح العوامل' یہ تو اغلاط کی پوٹ اور طلبہ کو گمراہ کرنے والی ہے۔

ٹائٹل پیج پر اس کی خصوصیات میں اس کی پہلی خصوصیت یہ بیان کی گئی ہے کہ دار العلوم دیوبند جیسی عظیم المرتبت درس گاہ میں درجہ علیا کے مدرس مولانا ظہور احمد صاحب کی تصنیف ہے۔ کتاب کے مطالعہ سے ظاہر ہے کی درجہ علیا کے ان مدرس صاحب کو صرف میر اور ہدایۃ النحو کے مسائل بھی متحضر نہیں اور شان الوہیت اور شان رسالت میں سوء ادبی تو آپ کو دیوبندی اکابر کے ترکہ میں پہونچی ہے۔ (دیباچہ البشیر الکامل ص۲)

جعل کی تحقیق

''جعل، افعال قلوب سے ہے یا تصییر سے؟ یہ حقیقت دیوبندی شارح صاحب ایضاح العوامل پر مخفی ہے جیسا کہ انہوں نے خطبہ کتاب میں واقع عبارت ﴿جعل الجنة مثواه﴾ میں جعل کو افعال قلوب سے قرار دیکر اپنی نحودانی کو خود ظاہر کیا۔

آپ (صدر العلماء) نے اس مقام کی تحقیق فرمائی اور یہ واشگاف فرمایا کہ اس مقام پر ''جعل'' افعال قلوب سے نہیں بلکہ تصییر سے ہے، امام سیوطی علیہ الرحمہ کی ''ھمع الھوامع شرح جمع الجوامع'' سے اس کی تائید فرمائی جیسا کہ آپ رقم طراز ہیں:

ایضاح العوامل ص ۷ پر ﴿وجعل الجنة مثواه﴾ کی ترکیب میں فرماتے ہیں: کہ ''جعل'' افعال قلوب سے ہے۔

اقول: ﴿استغفر الله ثم استغفر الله﴾ ﴿كبرت كلمة تخرج من افواههم﴾ سید عالم صلی اللہ تعالی علیہ وسلم نے ایسے ہی اشخاص کے حق میں فرمایا تھا ﴿ان العبد ليتكلم با لكلمة من سخط الله لا يلقى لها بالا يهوى بها في نار جهنم﴾ بے شک بندے کی زبان سے کبھی بے خیالی میں ایسا کلمہ نکل جاتا ہے کہ اس کے سبب وہ نار دوزخ میں پڑ جائے (بخاری) اس جعل کو افعال قلوب سے قرار دینا اسی قبیل سے ہے، کیوں کہ اس میں مستتر ضمیر فاعل کا مرجع اسم جلالت ہے اور جس ''جعل'' کو افعال قلوب سے شمار کرتے ہیں وہ بمعنی اعتقاد غیر مطابق آتا ہے، چنانچہ رضی شرح کافیہ میں ہے: ﴿ويستعمل عد وجعل لا عتقاد كون الشئ

علی صفة اعتقادا غیر مطابق فاذا ولیتهما الاسمیة نصباً جزئیها نحو کنت اعده فقیرا فبان غنیا وقال تعالیٰ: و جعلو الملائکة الذین هم عباد الرحمن اناثا ای اعتقد وافیهم الانوثة اھ﴾ اوراعتقاد غیر مطابق صفت نقص ہے اسی کو جہل مرکب کہتے ہیں اور "جعل الجنة مثواه" جملہ دعائیہ، توان چاروں باتوں کے پیش نظر اس کا مفہوم جناب باری تعالیٰ عز اسمہ کے حق میں صفت نقص کے حصول کی دعا ہوا جو شان الوہیت میں کھلی ہوئی بے ادبی ہے۔ اسی واسطہ ہم نے کہا تھا کہ سوئے ادبی آپکو کا براعن کابر ترکہ میں پہونچی ہے۔ بلکہ یہ "جعل" افعال تصییر سے ہے جو متعدی بدو مفعول ہوتے ہیں: "کما فی همع الهوامع شرح جمع الجوامع للسیوطی علیه الرحمة" (مقدمۃ البشیر الکامل ص ۳)

جملہ کی طرف اضافت

"نحو به داء" کی ترکیب میں "به داء" مراد اللفظ مضاف الیہ ہے یا جملہ، اس سلسلہ میں دیوبندی شارح نے "به داء" کو جملہ قرار دیکر مضاف الیہ قرار دیا ہے مگر آپ کی تحقیق اس کے برخلاف ہے اس لئے کہ لفظ "نحو" ان الفاظ سے نہیں جو جملہ کی طرف مضاف ہوتے ہیں، آپ تحریر فرماتے ہیں کہ "ص ۹" پر "نحو به داء" کی ترکیب میں "به داء" کو جملہ قرار دیکر نحو کا مضاف الیہ قرار دیا ہے۔

اقول: یہ صحیح نہیں ہے کیونکہ "به داء" اس مقام پر مراد اللفظ ہے تو ترکیب یوں کی جائے گی کہ "نحو" مضاف اور "به داء" مراد اللفظ مضاف الیہ پھر بر تقدیر ارادۂ معنی ترکیب معروف کر کے جملہ قرار دیا جائیگا، چنانچہ صاحب الفوائد الشافیہ علیہ الرحمہ نے کافیہ میں ایسے مقامات پر یوں ہی ترکیب فرمائی ہے، وجہ یہ ہے کہ "به داء" کو جملہ قرار دیکر مضاف الیہ قرار دیں تو لازم آئیگا کہ لفظ نحو جملہ کی طرف مضاف ہو جائے حالانکہ یہ ان الفاظ سے نہیں جو جملہ کی طرف مضاف ہوتے ہیں، جملہ کی طرف مضاف ہونے والے الفاظ حسب بیان مغنی اللبیب صرف آٹھ ہیں (۱) اسمائے زمان (۲) حیث (۳) لفظ آیت بمعنی علامت (۴) ذو (۵) لدن (۶) حیث (۷) قول (۸) قائل۔

ساری کتاب میں ان بزرگ نے ایسے مقامات پر یہی تحلیل فرمائی ہے، اگر الفوائد الشافیہ پر نظر ہوتی تو شاید تحلیل مذکور میں مبتلا نہ ہوتے۔ (مقدمۃ البشیر الکامل ص ۴)

حرف جر زائد

حرف جر زائد فعل یا شبہ فعل سے متعلق ہوتا ہے یا نہیں، اس سلسلہ میں دیوبندی شارح نے ص ۷ پر آیت مذکورہ "ولا تلقوا بایدیکم الی التهلکه" میں بائے زائدہ کو "لا تلقوا" فعل سے متعلق قرار دیا ہے مگر آپ نے اس کی تحقیق نفیس فرمائی کہ حرف جر زائد فعل یا شبہ فعل سے متعلق نہیں ہوتا ہے اور اس کی وجہ بھی بیان فرمائی اور امام سیوطی علیہ الرحمہ کے ارشاد سے دلیل قائم فرمائی جیسا کہ رقمطراز ہیں:

اقول: یہ غلط اور بائے زائدہ کے معنی نہ سمجھنے پر مبنی ہے، وجہ یہ ہے کہ حرف جر زائد فعل یا شبہ فعل سے متعلق نہیں ہوا کرتا اس لئے کہ فعل یا شبہ فعل کا تعلق بایں وجہ ہوتا ہے کہ یہ اس کے معنی مدخول تک پہونچاتا ہے اور حرف جر زائد پہونچاتا نہیں تو متعلق بھی نہ ہوگا، نحوی مسائل سمجھنے کیلئے شیٔ لطیف کی ضرورت ہے، اسی واسطہ کسی نے کہا تھا کہ نحویاں را مغز باید چوں شہاں، تسکین خاطر کے لئے امام سیوطی علیہ الرحمہ کا ارشاد سن لیجئے جس میں تعلق کو غلط قرار دے رہے ہیں۔

ھمع الھوامع شرح جمع الجوامع ص ۱۰۸ ج دوم میں ارشاد فرمایا: ﴿(ولا یتعلق) من حروف الجر (زائد) کالباء ومن فی کفی باللہ شہیدا وھل من خالق غیر اللہ وذالک لان معنی التعلق الارتباط المعنوی والاصل ان افعالا قصرت عن الوصل الی الاسماء فا عینت علی ذالک بحروف الجر والزائدفانما دخل فی الکلام تقویة وتوکیدا ولم یدخل للربط(الااللام المقویة) فانھا تتعلق بالعام المقوی نحو"مصدقا لما معھم" و "فعال لما یرید "و"ان کنتم للرؤیا تعبرون " لان التحقیق لیست زائدة مختصة لما تخیل فی العامل من الضعف الذی نزل منزلة القاصر ولا معدیة محضة لاطراد صحة اسقاطھا فلھا منزلة بین منزلتین(وقول الحوفی)فی اعرابه (ان الباء فی)الیس اللہ باحکم الحاکمین متعلق وھم) ای غلط نشاعن ذھول﴾ ان ذات شریف نے یہی تحللیل اسی صفحہ پر "ردف لکم " کی ترکیب میں فرمائی ہے جولام زائدہ کی مثال ہے اور مزید یہاں یہ کہ "ردف " کا فاعل (ھو) ضمیر مستتر فرمایا ہے حالانکہ وہ لفظ 'بعض' ہے جو قرآن کریم میں موجود ہے، سورہ نحل شریف میں پوری آیت یوں ہے ﴿قل عسی ان یکون ردف لکم بعض الذی تستعجلون﴾

جملہ نائب فاعل نہیں ہوتا

جملہ نائب فاعل ہوتا ہے کہ نہیں؟ دیوبندی شارح کو یہ بھی معلوم نہیں ﴿فلا یقال لعل الشباب یعود﴾ میں دیوبندی شارح نے ﴿لعل الشباب یعود﴾ کو جملہ انشائیہ بتا کر لا یقال کا نائب فاعل قرار دیا مگر امام النحو صدر العلماء علیہ الرحمہ نے دیوبندی شارح کی نحو دانی کا زبردست تعاقب فرمایا اور دلیلوں سے واضح فرمایا کہ جملہ نائب فاعل نہیں ہوتا کیونکہ نائب فاعل ہونا اسم کا خاصہ ہے، آپ رقم طراز ہیں:

اسی صفحہ (۲۹) پر ﴿فلا یقال لعل الشباب یعود﴾ کی ترکیب میں ﴿لعل الشباب یعود﴾ کو بایں طور جملہ انشائیہ بنا کر کہ "الشباب "اسم لعل اور "یعود "خبر لا یقال کا نائب فاعل قرار دیا ہے۔

اقول: یہ بدو وجہ غلط ہے

اولا: اس لئے کہ جملہ نائب فاعل نہیں ہوتا کیونکہ نائب فاعل ہونا اسم کے خواص سے ہے۔

ثانیا: اس لئے کہ جب یہ استعمال درست نہیں تو نہ اس کے معنی مراد ہو سکتے ہیں نہ اس کے اجزاء کو اسم

وخبر قرار دیا جائیگا، پھر ترکیب کیسی، صرف یہ کہیں گے کہ لفظ ﴿لعل الشباب یعود﴾ نائب فاعل۔ اگر یقیں نہ ہو تو ہم سے سنئے:

(الفوائد الشافیہ ص ۴) میں کافیہ کے قول زیر بحث مرفوعات ''وامتنع ضرب غلامہ زیداً'' کی ترکیب کرتے ہوئے فرمایا کہ: وعاطفه امتنع ماضی، ضرب غلامه زیدا مرادا للفظ مرفوع تقدیرًا فاعل امتنع، وهو معه جملة فعلية لا محل لها عطف علی جملة جاز ولما كان هذااللفظ ممتنع القول لا يراد معناه ولا يعرب اجزائها كما توهمه بعض الطلبه "

(دیباچہ البشیر الکامل ص ۱۰)

الف لام عوض تنوین نہیں

الف لام عوض تنوین ہوتا ہے یا نہیں؟ دیوبندی شارح نے ایضاح العوامل کے ص ۴۷ پر ﴿وعلی هذا القياس﴾ کی ترکیب دوم میں عجیب گل کھلایا کہ الف لام کو عوض تنوین بتایا، حضرت صدر العلما علیہ الرحمہ نے دیوبندی شارح کے اس زعم فاسد کا رد بلیغ فرمایا اور یہ واشگاف فرمایا کہ الف لام تعریف کے لئے ہوتا ہے اور تنوین تنکیر کیلئے، اور دونوں میں
منافات ہے پھر ایک دوسرے کا عوض کیونکر ہوگا۔

آپ رقم طراز ہیں کہ اسی صفحہ ۴۷ پر ''وعلی هذا القياس'' کی ترکیب دوم میں ''القياس'' پر الف لام عوض تنوین بتایا ہے۔

اقول: یہ بھی غلط، کیونکہ الف لام تعریف کے لئے ہوتا ہے اور تنوین تنکیر کے لئے اور دونوں میں منافات پھر ایک دوسرے کا عوض کیونکر ہو جائیگا، البتہ الف لام کبھی اسم ظاہر مضاف الیہ کا عوض ہوتا ہے جیسے ''وعلم آدم الاسماء كلها'' میں 'الاسماء' پر الف لام ''المسميات'' مضاف الیہ کے عوض ہے۔ اور کبھی ضمیر مضاف الیہ کے عوض، جیسے ''واشتعل الرأس شيبا'' میں 'الرأس' پر الف لام 'یا' ضمیر مضاف الیہ کے عوض ہے۔

بیضاوی شریف صفحہ ۶۱ میں فرمایا: ﴿اذالتقدير اسماء المسميات فحذف المضاف اليه لدلالة المضاف عليه وعوض عنه اللام كقوله تعالى واشتعل الراس شيبا﴾ اور کبھی زائدہ۔ جیسے اسماء موصولہ پر اور کبھی استفہام کے لئے جیسا کہ قطرب نے حکایت کیا ''ا ل فعلت'' بمعنی ''هل فعلت'' (دیباچہ البشیر الکامل ص ۱۵)

ضمیر بارز فاعل ہے

ضمیر بارز فعل کا فاعل ہے یا اور کوئی شی؟ صرف میر وغیرہ میں اس امر کی تصریح ہے کہ ''نصروا'' میں

واؤ ضمیر بارز فاعل ہے نہ کہ ''ھم'' فاعل جیسا کہ صرف میر صفحہ ۹ پر ہے کہ واؤ درنصروا علامت جمع مذکر و ضمیر فاعل است'' مگر دیوبندی شارح نے یہاں بھی عجیب گل کھلایا اور ﴿کم رجل ضربت﴾ کی ترکیب میں فاعل ''انا'' کو قرار دیا، آپ اس زعم فاسد کا رد بلیغ فرماتے ہوئے رقم طراز ہیں۔

(صفحہ ۴۹ پر) ﴿کم رجل ضربت﴾ کی ترکیب میں فرماتے ہیں ''ضربت'' فعل ضمیر واحد متکلم ''انا'' اسکا فاعل۔

اقول: یہ غلط ہے ''ضربت'' میں تا ضمیر بارز فاعل ہے ''انا'' فاعل نہیں، ذات شریفہ کی تضلیل اس پر مبنی ہے کہ دار العلوم دیوبند جیسی عظیم المرتبت درسگاہ میں درجہ علیا کے مدرس صاحب کو صرف میر یاد نہیں، سنئے صرف میر صفحہ ۱۰ پر ''وتائے مضموم درنصرت'' ضمیر واحد متکلم ست خواہ مذکر خواہ مؤنث ''فاعل فعل است''۔

(دیباچہ البشیر الکامل ص ۱۰۱)

افعال ناقصہ مع اسم وخبر

افعال ناقصہ اپنے اسم وخبر سے مل کر جملہ فعلیہ ہوتے ہیں یا اسمیہ؟ صاحب ایضاح العوامل نے ﴿وھی قد تکون زائدۃ﴾ کی ترکیب میں ﴿قد تکون زائدۃ﴾ کو جملہ اسمیہ خبریہ قرار دیا ہے۔ حضرت صدر العلما قدس سرہ نے مغنی اللبیب کے حوالے سے یہ انکشاف فرمایا کہ جملہ اسمیہ نہیں فعلیہ ہوتے ہیں جیسا کہ رقم طراز ہیں۔

اقول: یہ غلط ہے بلکہ افعال ناقصہ اپنے اسم وخبر سے مل کر جملہ فعلیہ ہوتے ہیں اگر یقین نہ ہو تو سنئے۔ مغنی اللبیب جلد دوم ص ۴۰ر پر ہے ﴿والفعلیة ھی اللتی صدرھا فعل کقام زید وضرب اللص وکان زید قائما وظننته قائما ویقوم زید وقم۔ (دیباچہ البشیر الکامل ص ۱۷)

تمام افعال مقاربہ انشائیہ نہیں

تمام افعال مقاربہ اپنے اسم وخبر سے ملکر جملہ انشائیہ ہوتے ہیں یا نہیں؟ دیوبندی شارح پر یہ حقیقت غیر واضح ہے، انہوں نے ایضاح العوامل صفحہ ۶۸ر پر ﴿کاد زید یجیء﴾ کو ترکیب میں جملہ فعلیہ انشائیہ قرار دیا ہے، حضرت صدر العلما علیہ الرحمہ نے اس کو واشگاف فرمایا کہ جملہ انشائیہ صرف وہ افعال مقاربہ ہوتے ہیں جن کی وضع رجاء کے لئے ہے اور وہ صرف تین ہیں ﴿عسی و حری واخلولق﴾ آپ اس عقدہ کو کشا فرماتے ہوئے رقم طراز ہیں۔

''عسی میں چونکہ معنی رجاء ہے اسلئے وہ اپنے اسم وخبر سے مل کر جملہ فعلیہ انشائیہ ہوتا ہے، اور ''کاد'' برائے رجا موضوع نہیں پھر وہ کیوں جملہ انشائیہ ہوگا۔ اگر یاد نہ ہو تو سنئے: کافیہ اور شرح جامی صفحہ ۳۵۷ر میں ہے (والثانی) ﴿ای ماوضع لدنو الخبر دنو حصول کاد تقول کاد زید یجی) فتخبر عن دنو الخبر

لعلمك باشرافه على الحصول للفاعل فی الحال﴾

دیکھئے ''فتخبر '' باآواز بلند پکار پکار کہہ رہا ہے کہ ''كـاد زيد يجى '' جملہ خبریہ ہے انشائیہ نہیں، مولوی الٰہی بخش صاحب مرحوم بھی اس کو جملہ انشائیہ قرار دے گئے ہیں جو قابل اتباع نہیں، اور اگر اس غلط فہمی کا سبب مختصر المعانی صفحہ ۲۱۹ رکی یہ عبارت ہے ﴿ فـالانشـاء ان لم يكن طلبا كافعال المقاربة﴾ تو اس کو یوں زائل فرمالیجئے کہ عبارت تقدیر مضاف پر محمول ہے اور مراد بعض افعال مقاربہ ہیں چنانچہ علامہ دسوقی علیہ الرحمہ کے حاشیہ جلد اول ص ۶۲۹ میں ہے: ﴿اى كبـعض افعال المقا ربة ''اذاالانشـاء انما يظهر فى افعال الرجاء وهى عسى وحرى واخلولق ولايظهرفى غيرها من افعال الشروع والمقاربة۔

(دیباچہ البشیر الکامل ص ۲۰)

جملہ من حیث الجملہ مفرد سے بدل نہیں ہوتا

جملہ من حیث الجملہ مفرد سے بدل ہوتا ہے یا نہیں؟ آپ نے واضح فرمایا کہ مسلک جمہور یہی ہے کہ جملہ من حیث الجملہ مفرد سے بدل نہیں ہوتا، البتہ زمخشری، ابن مالک وابن جنی جواز کے قائل ہیں، جواز کے قائلین بطور استشہاد ایک شعر اور ایک آیت کو پیش کرتے ہیں، آپ نے جواز کے قائلین کی دلیلیں ذکر فرمانے کے بعد امام سیوطی علیہ الرحمہ کا قول محکم ذکر فرمایا اور مسلک جمہور کی تائید دلیلوں سے فرمائی اور دیوبندی شارح کا رد فرمایا کہ انہوں نے ﴿ وهى سبعة ثلاثة منها للشك وثلاثة لليقين وواحدة منها مشترك فيهما﴾ کی ترکیب میں سبعۃ کو مبدل منہ اور جملہ ﴿ثلاثة منهاللشك ﴾ کو بدل قرار دیا ہے، آپ رقمطراز ہیں:

مفرد سے جملہ من حیث الجملہ بدل نہیں ہوتا، زمخشری ابن مالک، ابن جنی جواز کے قائل ہیں جس پر استشہاد میں ایک شعر اور ایک آیت پیش کی گئی ہے۔ شعر یہ ہے:

﴿الى الله اشكو بالمد ينة حاجة۔ وبالشام اخرى كيف يلتقيان﴾

''حاجة وآخرى'' مبدل منہ اور '' كيف يلتقيان'' جملہ بدل۔

اور آیت یہ ہے:

﴿مَايُقَالُ لَكَ اِلَّا مَاقَدْ قِيْلَ لِلرُّسُلِ مِنْ قَبْلِكَ اِنَّ رَبَّكَ لَذُوْ مَغْفِرَةٍ وَّذُوْ عِقَابٍ اَلِيْمٍ﴾

''ما'' نافیہ مبدل منہ اور ''ان ربك الاية'' بدل۔

امام سیوطی علیہ الرحمہ ہمع الھوامع جلد ثانی صفحہ ۱۲۸ رمیں استشہاد مذکور تحریر کرنے کے بعد فرماتے ہیں: ﴿ والجمهور لم يذكر واذالك﴾ جمہور نے جملہ کا مفرد سے بدل ہونا ذکر نہیں کیا۔ پھر استشہاد مذکور پر ابوحیان سے بایں الفاظ رد نقل فرماتے ہیں:

﴿قـال ابوحيـان وليس كيف يلتقيان بدلا بل استينافاللاستبعاد وكذا ان ربك الأية لئلا

یودی الی اسناد الفعل الی الجملة وھو ممنوع﴾

اسی طرح شعر مذکور میں بدل قرار دینے سے جملہ کا مفعول بہ ہونا لازم آئے گا جو صحیح نہیں، کہ مفعول بہ ہونا خاصہ اسم ہے، اسی واسطے قول اشمونی ﴿ ابدالھا من المفرد ﴾ پر حاشیۃ الصبان جلد سوم صفحہ ۱۰۱ر میں فرمایا :﴿انما صح ذلک لرجوع الجملة فی تقدیر الی المفرد کما فی التصریح﴾ تو ثابت ہوا کہ جملہ من حیث الجملہ بدل نہیں ہوتا پس یہ جملہ اس کی صفت ہے اور جملہائے مابعد بھی باعتبار عطف اس کی صفت ہیں۔

(دیباچہ البشیر الکامل ص ۲۳)

جملہ مستثنیٰ و مستثنیٰ منہ نہیں ہوتا

مستثنیٰ و مستثنیٰ منہ اسم کا خاصہ ہیں یا دونوں جملہ بھی ہوتے ہیں؟ صاحب ایضاح العوامل پر یہ حقیقت پوشیدہ ہے، انہوں نے ایضاح العوامل صفحہ ۱۰۵ر پر ﴿واما اشتراط الاعتماد فمعتبر فیھا الا ان الاعتماد علی الموصول لایتاتی فیھا﴾ کی ترکیب میں ﴿اشتراط الاعتماد فمعتبر فیھا﴾ جملہ کو مستثنیٰ منہ قرار دیا ہے اور "الا" کو حرف استثناء اور ﴿ان الاعتماد علی الموصول الخ﴾ جملہ کو مستثنیٰ۔

حضرت صدر العلما قدس سرہ نے اس امر کو واشگاف فرمایا کہ جملہ نہ مستثنیٰ منہ ہوتا ہے نہ مستثنیٰ، اس لئے کہ دونوں اسم کا خاصہ ہیں، اس لئے "الا" کا ماقبل و مابعد جملہ مستثنیٰ و مستثنیٰ منہ نہیں اور "الا" بھی برائے استثنا نہیں بلکہ برائے استدراک ہے اور 'لکن' برائے عطف ہو یا برائے استدراک اس کا مابعد جملہ نحویوں کی اصطلاح میں مستثنیٰ نہیں کہلاتا،

نحو کی مستند کتابوں کے حوالجات سے مزین فرماتے ہوئے رقمطراز ہیں:

اقول: یہ سب غلط بقول شخصے انشا غلط، املا غلط، مضمون غلط، کیوں کہ جملہ نہ مستثنیٰ منہ ہوتا ہے نہ مستثنیٰ، اس لئے کہ مستثنیٰ منہ اور مستثنیٰ ہونا اسم کا خاصہ ہے۔ اگر باور نہ ہو تو ہم سے سنئے:

حاشیہ ملا عبد الحکیم سیالکوٹی بر حاشیہ ملا عبد الغفور قدس سرہ صفحہ ۸۰ میں خواص اسم کا شمار کرتے ہوئے فرمایا :﴿[۱] من جملتھا تاء التانیث المتحرکہ [۲] و یاء النسبة [۳] و کونہ فاعلا [٤] و مفعولا [٥] و موصوفا [٦] و ذا حال [۷] وتمیزا [۸] ومثنی [۹] ومجموعا [۱۰] ومنادی [۱۱] ومصغرا [۱۲] ومکبرا [۱۳] ومنسوبا [١٤] ومستثنی [١٥] ومستثنی منہ [١٦] ومرجعا للضمیر بلاتاویل [۱۷] ومنصرفا [۱۸] وغیر منصرف [۱۹] وابدال اسم [۲۰] صریح منہ والاخبار بہ مع مباشرة الفعل نحو کیف کنت والقیام اذا خرجت [۲۱] والتنکیر [۲۲] والتعریف [۲۳] والتذکیر [٢٤] والتانیث﴾ اور جب "الا" کے جملہ ماقبل اور جملہ مابعد کا مستثنیٰ منہ اور مستثنیٰ ہونا باطل تو "الا" بھی برائے استثنا نہ رہا بلکہ "الا" یہاں پر بمعنی "لکن" برائے استدراک ہے اور "لکن" خواہ برائے عطف ہو

خواہ برائے استدراک دونوں کا مابعد جملہ اصطلاحا مستثنیٰ نہیں کہلاتا، چنانچہ کافیہ میں مستثنیٰ متصل کی بیان کردہ تعریف کے بعد شرح جامی ص ۲۷ ار پر "بالاواخواتہا" ﴿احترز به عن نحوجاء نی القوم الازید وما جاء نی القوم لکن زید جاء﴾ اس سے ظاہر ہوا کہ "لکن" عاطفہ کے مابعد جملہ کو مستثنیٰ نہیں کہتے اور اس عبارت کے بعد متصلا محرم آفندی ص ۲۰۸ ر پر ہے: ﴿او بلکن الاستدراکیة نحو جاء نی القوم لکن زیدا لم یجی،﴾ اس سے معلوم ہوا کہ لکن استدراکیہ کے مابعد جملہ کو بھی مستثنیٰ نہیں کہتے علاوہ ازیں اس سے پیش تر مستثنیٰ کے اسم ہونے کی بایں طور تصریح فرمائی کہ تعریف مستثنیٰ متصل میں واقع "المخرج" کی تفسیر میں فرمایا: ﴿ای الاسم الذی اخرج﴾ اور مستثنیٰ منقطع کی تعریف میں واقع "المذکور" کی تفسیر محرم آفندی صفحہ مذکور میں بایں طور فرمائی ﴿ای الا سم الذی ذکر﴾ اب روز روشن کی طرح ظاہر ہوگیا کہ مستثنیٰ متصل ہو یا منقطع دونوں اسم ہوتے ہیں، نظر برآں ان ذات شریف کا "الا" کو برائے استثنا قرار دے کر جملہ ماقبل کو مستثنیٰ منہ اور جملہ مابعد کو مستثنیٰ قرار دینا درست نہیں، نیز مستثنیٰ منہ بھی اسم ہی ہوتا ہے کیونکہ وہ ایسے اسم سے عبارت ہے جس کے حکم افراد یا اجزا سے مستثنیٰ کو خارج کیا جاتا ہے۔ پھر فرماتے ہیں کہ مستثنیٰ منہ اپنے مستثنیٰ سے مل کر جملہ خبر یہ استثنائیہ ہوا، اس ارشاد کو از قبیل (کریلے اور نیب چڑھے) سمجھیے، کہ یہاں پر "الا" کے جملہ ماقبل اور جملہ مابعد کو مستثنیٰ منہ اور مستثنیٰ قرار دینا ہی درست نہ تھا، اس پر مزید یہ کہ مستثنیٰ اور مستثنیٰ منہ کو ملا کر جملہ بنا دیا جو غلط بر غلط کا مصداق بن گیا، کیونکہ جملہ بغیر اسناد متحقق نہیں ہوتا اور مستثنیٰ منہ اور مستثنیٰ میں اسناد مفقود پھر دونوں مل کر جملہ کیسے ہو جائیں گے۔ (دیباچہ البشیر الکامل ص ۲۸)

دیباچہ "البشیر الکامل کے اختتام پر دیوبندی شارح کا علمی محاسبہ فرمانے کے بعد رقمطراز ہیں:

یہ ہے دار العلوم دیوبند میں درجہ علیا کے مدرس مولانا ظہور احمد صاحب کی نحودانی، اس دار العلوم کے تین صدر مدرسین مولانا محمود حسن صاحب، مولانا انور شاہ صاحب، اور مولانا حسین احمد صاحب کی حدیث دانی کا نمونہ ہم اپنی کتاب "بشیر القاری بشرح صحیح البخاری" میں پیش کر چکے ہیں جس سے ظاہر ہوتا ہے کہ "ایں خانہ ہمہ آفتاب است"

اسی پر بعض ناعاقبت اندیش دیوبندی صاحبان بغلیں بجا بجا کر فرماتے ہیں کہ ہم نے علمی خدمات انجام دی ہیں، شرحیں لکھیں اور حواشی لکھے۔ ناظرین پر منکشف ہوگیا کہ ان حضرات کے حواشی اور شروح کا یہ حال ہے کہ اسلاف واخلاف سب کے سب بدترین اغلاط میں گرفتار ہیں، انہیں بخاری شریف پڑھنے اور برسہا برس تک پڑھانے کے باوجود اس کے پہلے باب کا سمجھنا نصیب نہ ہوا اور ان ذات شریفہ کو ابتدائی کتاب شرح مأۃ عامل کی ترکیب نہ آئی۔ (دیباچہ البشیر الکامل ص ۲۹)

دیباچہ کی تحقیقی بحثوں کے مطالعہ سے دیوبندی شارحین کا مبلغ علم، ان کی شرحوں کا حال خوب واضح

ہو جاتا ہے، اب ہم اصل کتاب ''البشیر الکامل'' کا ایک تحقیقی جائزہ پیش کرنا ازبس لازم وضروری سمجھے ہیں کہ آپ کی یہ کتاب گوناگوں خصوصیات کا حسین مرقع اور آپ کا علمی گراں قدر شاہکار ہے، نحوی مسائل کی تشریح، مطالب کی توضیح کے ساتھ ساتھ علم لغت، علم صرف، معانی وبیان وبدیع، حدیث واصول حدیث وتفسیر کی جا بجا چاشنی پائی جاتی ہے، منطقی طرز استدلال بھی خوب ہے، نحوی قوانین کی قرآن پاک کی آیتوں، حدیثوں، مستند ارباب شعروادب کے کلام سے استشہاد اور کتب نحاۃ سے استناد، نحات کی تحقیق 'اختلاف نحات کی تفصیل' ان میں قول راجح کی ترجیح، اور مرجوح کی تضعیف 'لغزش پر تنبیہ اور عربی عبارت کی ترکیب اس شرح کی نمایاں خصوصیات ہیں، اسلوب تحریر شگفتہ شستہ، ابہام واغلاق، ژولیدگی وپیچیدگی سے پاک ہے۔ قارئین کرام اس شرح کی محققانہ بحثوں اور اسلوب تحریر وتفہیم کے پاکیزہ جلوے دیکھ کر بے ساختہ یہ کہتے ہوئے نظر آتے ہیں کہ:

داماں نگہ تنگ و گل حسن تو بسیار
گل چین جمال توزد اماں گلہ دارد

اسم جلالت اللہ علم ہے

اسم جلالت 'اللہ' لفظ مرکب ہے یا مفرد، مشتق ہے یا غیر مشتق، اس سلسلے میں ارباب علم ودانش اور اصحاب فکر ونظر نے تفصیلی بحثیں کی ہیں مگر اس سلسلہ میں قول محقق وراجح کیا ہے، مجدد اعظم امام احمد رضا محدث بریلوی قدس سرہ کے قول محقق سے استناد فرماتے ہوئے رقمطراز ہیں:

''قولہ'' اللہ 'سیبویہ کے نزدیک اس کی اصل 'لاہ' ہے، بعد دخول الف لام العباس اور الحسن کی طرح علم کے قائم مقام ہوگیا (اس تقدیر پر مشتق ہوگیا) اور بعض کے نزدیک مشتق نہیں بلکہ ایسا علم ہے جس میں واجب تعالی منفرد ہے اور غیر شریک نہیں باین طور کہ قرآن کریم میں ارشاد فرمایا: ھل تعلم لہ سمیا 'ای ھل تعلم احدا غیرہ یسمی باللہ

'مجدد مأۃ حاضرہ اعلحضرت عظیم البرکت مولانا شاہ احمد رضا خاں بریلوی قدس سرہ القوی کے ملفوظات موسوم بنام تاریخی ''الملفوظ حصہ چہارم صفحہ ۶۹'' پر ہے:

عرض: اللہ کا لفظ مرکب ہے یا مفرد؟

ارشاد: مشہور یہ ہے کہ الف لام تعریف اور '' الہ'' سے مرکب ہے، ہمزہ کی حرکت لام کو دے کر اس کو حذف کردیا۔ اور پھر بعد حذف حرکت لام کو لام میں ادغام کردیا 'اللہ' ہوگیا۔ مگر مجھ کو دوسرا قول پسند ہے کہ لفظ اللہ مرکب نہیں بلکہ بہیئت کذائیہ علم ہے ذات باری کا کہ جس طرح اس کی ذات غیر مرکب ہے اسی طرح اس کا نام بھی غیر مرکب ہونا چاہیے، اور اس کا مؤید اس کا طرز استعمال بھی ہے کہ وقت ندا اس کا الف لام نہیں گرتا۔'' یا اللہ 'میں ایسا نہیں ہوتا کہ ہمزہ اور الف گر کر ''یا'' لام میں مل جائے، اگر لام تعریف ہوتا تو ضرور ایسا ہوتا کہ

اس کا ہمزہ وصلی ہوتا ہے اور منادی بیا معرف باللام کے پہلے "ایھا" زیادہ کرتے ہیں، اور یہاں حرام ہے۔ اور اگر معنی کا تصور کر کے ہو تو کفر ہے۔ 'ایھا' کے معنی ہوتے ہیں ایک مبہم ذات جس کا بیان آگے ہے، وہاں ابہام کیسا وہ تو اعرف المعارف ہے، ہر شئی کو تعیین تو عطاوہیں سے ہوتی ہے۔ (البشیر الکامل ص ۲)

اسم رسالت 'محمد' کی توضیح

رسول اکرم سید عالم ﷺ کے اسم پاک محمد کی خصوصیا ت کیا ہیں اس کو بیان فرمایا، اس کو ایک مقررہ ضابطہ اور احادیث پاک سے واضح فرمایا اور حدیث کے اصول بھی رقم فرمائے تا کہ شکوک وشبہات زائل ہو جائیں جیسا کہ رقم طراز ہیں:

یہ محبوب خدا ﷺ کے اسمائے شریفہ میں مشہور تر ہے، اس نام پاک کی خصوصیات میں سے ایک خصوصیت یہ ہے کہ یہ ہر نام کی اصل ہے جس طرح اس کا مسمی بحکم حدیث "و کل الخلائق من نوری" سارے عالم کی اصل ہے شعر۔

وہی جلوہ شہر بشہر ہے وہی اصل عالم ودہر ہے — وہی بحر ہے وہی لہر ہے وہی پاٹ ہے وہی دھ
وہ نہ تھا تو باغ میں کچھ نہ تھا وہ نہ ہو تو باغ ہو سب فنا — وہ ہے جان، جان سے ہے بقا وہی بن ہے بن ہی سے

اس کی قدرے تفصیل یہ ہے کہ جس طرح فرع کا تجزیہ کرنے سے اصل باقی رہ جاتی ہے اسی طرح ہر نام کے اعداد کا بقاعدۂ ذیل تجزیہ کرنے سے نام پاک کے اعداد ۹۲ رہ جاتے ہیں، تو یہ نام پاک ہر نام کی اصل ہوا۔

وہ قاعدہ یہ ہے کہ جس نام کو چاہیں اس کے اعداد کو چوگنا کریں پھر حاصل میں دو جمع کریں پھر حاصل کو پانچ گنا کریں پھر حاصل کو بیس پر تقسیم کریں پھر باقی کو نو گنا کر کے اس میں دو جمع کر دیں تو حاصل بانوے (۹۲) ہوگا جو نام پاک کے اعداد ہیں۔

مثلاً اس کتاب کا نام "شرح مأۃ عامل" ہے، بحساب ابجد اس کے اعداد چھ سو پچانوے (۶۹۵) ہوتے ہیں، ان کو چوگنا کیا تو دو ہزار سات سو اسی (۲۷۸۰) حاصل ہوئے، اس میں دو جمع کرنے سے حاصل دو ہزار سات سو بیاسی ہوا (۲۷۸۲)، پھر اس کو پانچ گنا کیا تو تیرہ ہزار نو سو دس (۱۳۹۱۰) حاصل ہوئے، اس کو بیس پر تقسیم کرنے سے دس باقی بچے، ان کو نو گنا کر کے دو جمع کئے تو بانوے (۹۲) حاصل ہوتے ہیں، اس نام پاک کی خصوصیت یہ بھی ہے کہ دنیا میں جو مومن اس نام کے ساتھ موسوم ہیں وہ جنت میں بغیر حساب داخل ہوں گے۔

سیرت حلبی جلد اول صفحہ ۹۹ میں ہے:

﴿وفی حدیث معضل اذا کان یوم القیامة نادی منادیا یا محمد قم فادخل الجنة بغیر حساب فیقوم کل من اسمه محمد یتوهم ان النداء له فلکرامة محمد ﷺ لا یمنعون﴾

ترجمہ: اور حدیث معضل میں ہے جب قیامت کا دن آئے گا تو ایک منادی ندا کرے گا اے محمد کھڑے ہو جاؤ جنت میں بغیر حساب داخل ہو جاؤ تو ہر شخص کھڑا ہو جائے گا جسکا نام محمد ہے یہ خیال کر کے کہ بلاو امیرے لئے تھا پس محمد ﷺ کی بزرگی کے پیش نظر ان کو روکا نہ جائے گا۔

یہ یادر ہے کہ نام پاک محمد کے ساتھ تسمیہ فضائل اعمال سے ہے جن میں حدیث ضعیف بھی بالا جماع معتبر ہے چہ جائیکہ معضل، آپ کو اس نام کے ساتھ بالہام خداوندی موسوم کیا گیا اور آپ سے پیشتر کوئی اس نام کے ساتھ موسوم نہ ہوا، لفظ محمد کا اشتقاق تحمید سے ہے، جو باب تفعیل سے آتا ہے، اور تفعیل کا خاصہ تکثیر ہے تو بنظر اشتقاق اس کے معنی ہوئے وہ ذات جسکے فضائل محمودہ کثیر ہوں، اور آپ کے فضائل کی کثرت کا یہ عالم جس کو محقق علی الاطلاق شیخ عبدالحق محدث دہلوی قدس سرہ القوی نے مدارج النبوۃ شریف میں بایں الفاظ بیان فرمایا شعر۔

ہر مرتبہ کہ بود در امکان بروست ختم ہر نعمتے کہ داشت خدا شد بروتمام

(البشیر الکامل ص ۲۔۳)

یہ آپ کا وہ علمی کمال اور تحقیق وتدقیق کا جمال ہے جس سے دیوبندی شروح خالی ہیں، تنقیص رسالت جن کی گھٹی میں پلا دی گئی ہو اور جن کا یہ عقیدہ ہو کہ ”جس کا نام محمد یا علی ہے وہ کسی چیز کا (مالک ومختار) نہیں“ انہیں ایسی تحقیق کی کیا حاجت جو باطل سوز اور کفر کش ہو، ایسی شرح خرمن باطل پر ایک صاعقہ ہے جس سے ان کے سارے کفری تار و پود سوختہ ہو جاتے ہیں، درحقیقت یہ آپ کا تصلب فی الدین ہے جس کا رنگ ہر فن میں نظر آتا ہے۔

معنی اختصاص کی تحقیق

حرف جر لام اختصاص کے لئے آتا ہے مگر اختصاص کا معنی کیا ہے اس کی تحقیق فرماتے ہوئے رقمطراز ہیں:

﴿قولہ للاختصاص﴾ بعض کے نزدیک اس کے معنی ہیں کہ لام کے مدخول کے ساتھ کسی چیز کا مخصوص ہونا، اور تحقیق یہ ہے ﴿کمافی التکملة لمولانا عبدالحکیم السیالکوتی﴾ کہ اختصاص بمعنی مذکور نہیں بلکہ بمعنی ارتباط ہے، یعنی مدخول لام کے ساتھ کسی چیز کا تعلق، یہ تعلق خواہ بصورت ملک ہو جبکہ دو ذاتوں کے درمیان واقع ہو اور ایک دوسرے کی مالک ہو جیسے ﴿المال لزید﴾ یا بصورت تملیک جیسے ﴿جعلت لزید دینارا﴾ یا نسبت جیسے "الابن لزید" یا استحقاق جبکہ ایک معنی اور ذات کے درمیان واقع ہو جیسے الحمد للہ، یا اختصاص جب کہ دو ذاتوں کے درمیان واقع ہو اور ایک دوسری کی مالک نہ ہو جیسے ﴿الجل للفرس﴾

مخفی نہ رہے کہ اختصاص بمعنی ارتباط جس کو مقسم قرار دیا گیا ہے وہ اس اختصاص سے عام ہے،” حاشیہ علی الغاز ابن ہشام“ صفحہ ۳ میں ہے ﴿ولام الاختصاص ھی الواقعة بین ذاتین احدھما لاتملك

کالجل للفرس﴾ اس سے پیشتر اسی میں ﴿لام الاستحقاق هی الواقعة بین معنی وذات﴾ اھ۔
(البشیر الکامل ص ۱۲)

لام معاقبت کی تشریح

حرف جر لام برائے معاقبت کی شرح فرماتے ہوئے اولاً معنی معاقبت کی تشریح وتوضیح فرمائی اور اس کے مختلف ناموں کی وضاحت فرمائی اور عربی شاعر کے کلام سے استشہاد فرمایا پھر "لام جــر" کے معانی کثیرہ کا افادہ فرمایا اور مثالوں کے ذریعہ اس کی توضیح فرمائی جیسا کہ رقمطراز ہیں:

"وللمعاقبة" اس کے لغوی معنی ہیں کسی کے پیچھے آنا، یہاں پر مراد یہ ہے کہ لام اس پر دلالت کرتا ہے کہ اس کے مجرور کا حصول جو مطلوب نہیں فعل مذکور کے بعد ہوا پس مثال مذکور کے معنی یہ ہوئے کہ فلاں نے شر یعنی بدعملی کی اور بدوں کی صحبت کا التزام کیا، تو اس التزام کے بعد بدنصیبی حاصل ہوئی جو مطلوب نہیں اور اس لام کا نام لام صیرورت اور لام مآل اور لام تعقیب بھی ہے، قول شاعر:

﴿للموت تغذو الوالدات سخالها کمالخراب الدور تبنی المساکن﴾

میں یہی لام ہے، لام تعلیل نہیں کہ موت اور ویرانی، پرورش اور تعمیر کے بعد حاصل ہوتی ہے اور یہ مطلوب نہیں۔

مذکورہ معانی کے علاوہ میں بھی آتا ہے، بمعنی "علی" جیسے ﴿تلهٔ للجبین ای علی الجبین﴾ اور کبھی بمعنی "الیٰ" جیسے ﴿ان ربك اوحی لها ای الیها﴾ بمعنی "فی" جیسے ﴿قدمت لحیاتی ای فی حیاتی﴾ بمعنی بعد جیسے ﴿صوموا لرویته ای بعد رویته﴾۔ بمعنی "عند" جیسے ﴿کتبه لخمس خلون ای عند خمس خلون﴾ بمعنی "من" ﴿سمعت له صراخا ای منه﴾ برائے تعجب جو قسم سے مجرور ہو، جیسے یاللماء۔ بمعنی تبلیغ جو اسم سامع پر داخل ہو، جیسے قلت لك،۔ برائے نفع جیسے لها ما کسبت۔ برائے استغاثہ، جیسے یالله للمومنین۔ برائے تہدید جیسے "یالزید لاقتلنك۔ بمعنی وقت جیسے ﴿المستحاضة تتوضأ لکل صلوة﴾۔ بمعنی من بعد قول جیسے ﴿قال الذین کفروا للذین امنوا﴾۔ برائے تقویت عمل فعل یا شبہ فعل جیسے ﴿ان کنتم للرؤیا تعبرون﴾ اور ﴿ان ربك فعال لما یرید﴾۔ برائے تبیین یہ تین قسم پر ہے۔

(۱) وہ جو بروقت التباس اپنے مدخول کی مفعولیت بیان کرے۔ یہ اس وقت ہوتا ہے جب کہ ایسے فعل تعجب یا اسم تفضیل کے بعد واقع ہو جو حب یا بغض کے معنی کا افادہ کرتے ہوں جیسے ﴿ما احبنی لزید﴾ اس لام نے بتایا کہ اس کا مدخول حب کا مفعول ہے تو یائے متکلم فاعل ہوئی، اب معنی یہ ہوئے کہ زید مجھ کو کیسا محبوب ہے، پس متکلم محب ہوا اور زید محبوب۔ ﴿زید احب الی﴾ اس لام نے بتایا کہ متکلم محبوب ہے تو زید محب ہوا اور معنی یہ ہوئے کہ زید کے نزدیک میں محب تر ہوں۔ یہ لام فعل یا شبہ فعل مذکور کا ظرف لغو ہوتا ہے۔

(۲) وہ جو اپنے مدخول کی فاعلیت کو بیان کرے، جو مفعولیت کے ساتھ ملتبس نہ ہو جیسے "تبا لزید" "تبا"، فعل محذوف "تب" کا مفعول مطلق ہے اور اس کی ضمیر فاعل راجع بسوئے غائب ہے، جس کا بیان لام نے اپنے مدخول سے کیا "تب"، فعل لازم ہے اس لئے مدخول لام میں مفعولیت کا احتمال نہیں "لزید" ظرف مستقر ہوکر "ارادتی" مبتدا محذوف کی خبر ہے، نظر براں "تبالزید" دو جملے ہوئے، اول فعلیہ، دوم اسمیہ۔

(۳) وہ جو اپنے مدخول کی مفعولیت کو بیان کرے جس کا فاعلیت کے ساتھ التباس نہ ہو جیسے ﴿سقیا لزید﴾ یہ "سقیت"، فعل محذوف کا مفعول مطلق ہے اور چونکہ یہ فعل متعدی ہے اس لئے مدخول لام میں فاعلیت کا احتمال نہیں، سابق کی طرح یہ بھی دو جملوں پر مشتمل ہے، اول فعلیہ دوم اسمیہ "والتفضیل فی المغنی"

(البشیر الکامل ص ۱۴)

اسی طرح دیگر حروف جارہ کے معانی کے مقام پر معانی کی تفصیل فرمائی ہے ہم نے صرف ایک حرف جار کو پیش کیا ہے قیاس کن زگلستان او بہارش را

کاف اسمی وحرفی

کاف تشبیہ کے مقام پر انکشاف فرمایا کہ کاف کی دو قسم ہے، اسمی وحرفی۔ اسمی کی علامت اور نحویوں کے اختلاف کے اعتبار سے اس کا حکم واضح فرمایا اور کاف حرفی کی حرفیت کی دلیل ذکر فرمائی اور مثالوں سے واضح فرمایا اور اس پر وارد ہونے والے شکوک وشبہات کا ازالہ بھی فرمایا جیسا کہ رقمطراز ہیں،

"قولہ والکاف"، دو قسم ہے:

(۱) اسمی: بمعنی مثل اپنے مدخول کی طرف مضاف ہوتا ہے، سیبویہ اور دوسرے نحوی شعر میں بضرورت جائز رکھتے ہیں، اس کی علامت یہ ہے کہ حرف جار اس پر داخل ہو

جیسے: ﴿بیض ثلاث کنعاج جم یضحکن عن کالبرد المنھم﴾

نعاج جمع نعجہ بمعنی بقر وحشی اور جم جمع جماء بمعنی شاخ، یعنی جن کے سینگ نہ ہوں "منھم" اسم فاعل بمعنی "ذائب" اخفش اور دوسرے نحوی نثر میں بھی جائز رکھتے ہیں چنانچہ "زید کالاسد" میں کاف کو محل رفع میں بنا بر خبریت اور زید کو مجرور باضافت کہتے ہیں۔ شارح علیہ الرحمہ نے اسمی کو اس لئے ذکر نہیں فرمایا کہ مقصود یہاں حرف جارہ کا بیان ہے، یا اس لئے کہ اسمی مضاف ہوتا ہے اور مضاف عوامل قیاسیہ سے ہے جس کا بیان آئندہ آرہا ہے۔

(۲) حرفی: مقصود بالبیان یہی ہے اور اس کی حرفیت کی دلیل یہ ہے کہ اسم موصول کا صلہ واقع ہوتا ہے جس کا جملہ ہونا ضروری ہے تو "ثبت"، فعل مقدر کا ظرف مستقر ہوگا اور اس طرح صلہ جملہ ہو جائے گا، جیسے

﴿ما یرتجی وما یخاف جمعا فھو الذی کاللیث والغیث معا﴾

ما مصدر یہ ہے اور دونوں فعل مجہول ہیں، ما مصدر یہ اپنے صلہ سے مل کر مفعول بہ مقدم ہے 'جمع' فعل کا جس کی ضمیر ممدوح کی طرف راجع ہے، یعنی ممدوح امید وبیم کا جامع ہے، تو خوف میں لیث کے مانند ہے اور امید میں غیث کے مانند ہے۔

سوال: مثال مذکور میں کاف بمعنی مثل لیں تب بھی صلہ جملہ ہو سکتا ہے کہ اس کو مبتدائے محذوف "ھو" کی خبر قرار دیں "ای الذی ھو کالغیث الخ"

جواب: صلہ میں مبتدا کی تقدیر صرف 'ای" میں ہوتی ہے اور وہ بھی قلیل ہے، بخلاف تقدیر "ثبت" کہ کثیر ہے اور کثیر الاستعمال کے ہوتے ہوئے قلیل الاستعمال پر محمول کرنا جائز نہیں، (رضی وغیرہ۔)

(البشیر الکامل ص ۲۶)

ظرفیت حقیقی ومجازی

کلمہ "فی" ظرفیت حقیقی ومجازی دونوں میں مستعمل ہوتا ہے مگر ظرفیت حقیقی ومجازی کی حد کیا ہے آپ نے اولاً دونوں کی حد ذکر فرمائی اور فرمایا کہ اس تعریف کی بنا پر لازم آتا ہے کہ شارح علیہ الرحمہ کی کتاب میں پیش کردہ مثال ﴿نظرت فی الکتاب﴾ ظرفیت مجازی کی نہ ہو، اس لئے ظرفیت حقیقی ومجازی کی حد کی تحقیق فرمائی اور واشگاف فرمایا کہ مثال مذکور کی ظرفیت مجازیہ ایک دوسری تعریف پر مبنی ہے فلا اشکال، آپ رقمطراز ہیں:

﴿قولہ فی للظرفیة﴾ یعنی اس پر دلالت کرنے کیلئے کہ مدخول "فی" کسی چیز کے واسطے محل ہے، اگر حقیقة ہو بایں طور کہ مکان ہے یا زمان تو ظرفیہ حقیقة مکانی جیسے "المال فی الکیس" یا زمانی جیسے ﴿وھم سیغلبون فی بضع سنین﴾ اور اگر مدخول "فی" حقیقة محل نہیں بایں طور کہ مکان ہے نہ زمان تو ظرفیت مجازیہ ہے جیسے ﴿تفکرت فی العلم﴾ کہ اس میں مدخول "فی" یعنی علم نہ مکان ہے نہ زمان، لیکن اس تعریف پر لازم آتا ہے کہ شارح علیہ الرحمہ کی پیش کردہ مثال ﴿نظرت فی الکتاب﴾ ظرفیت مجازی کی نہ ہو، کیونکہ کتاب از قبیل مکان ہے، اور اس تعریف میں مظروف کی طرف نظر نہیں کی گئی تو غالباً اسکا ظرفیت مجازی کی مثال ہونا اس تعریف پر مبنی ہے جس میں مظروف کا بھی لحاظ ہے، چنانچہ علامہ یٰسین نے فرمایا کہ حقیقی ظرفیت صرف مکانیہ ہے زمانیہ حقیقی نہیں ہوتی کیوں کہ حقیقی ظرفیت اس وقت ہوتی ہے جب کہ مظروف ذی حیز شئی ہو، اور ظرف ذی احتوا۔ دونوں باتیں مفقود ہوں یا ایک تو ظرفیت مجازی ہوگی، جیسے ﴿فی علمہ نفع﴾ اس میں دونوں مفقود ہیں کہ علم کے لئے نفع پر احتوا نہیں اور نفع ذی حیز نہیں ہے، اور جیسے ﴿زید فی سعة﴾ کہ اس میں مظروف یعنی زید اگر چہ ذی حیز ہے مگر ظرف یعنی " سعة" ذی احتوا نہیں، اور اسی قبیل سے ہے ﴿زید فی یوم کذا﴾ کہ اس میں مظروف زید اگر چہ ذی حیز ہے مگر ظرف یعنی یوم ذی احتوا نہیں، کیوں کہ احتوا محسوسات کی صفات سے ہے اور زمانہ محسوس نہیں۔ اور ﴿فی صدرہ علم﴾ کہ اس میں ظرف یعنی صدر اگر چہ ذی احتوا ہے مگر مظروف یعنی

علم ذی حیز نہیں، اسی قبیل سے ہے شرح کی پیش کردہ مثال ﴿نظرت فی الکتاب﴾ حاشیہ الصبان۔
(البشیر الکامل ص ۲۴)

رُبَّ جارہ

(رُبّ) جارہ برائے تقلیل موضوع ہے یا برائے تکثیر اس سلسلے میں آٹھ اقوال ہیں جنہیں امام سیوطی علیہ الرحمہ نے ہمع الھوامع شرح جمع الجوامع میں بالتفصیل بیان فرمایا، حضرت صدر العلماء قدس سرہ ان اقوال کی تفصیل فرماتے ہوئے رقمطراز ہیں:

ربّ کے معنی میں آٹھ اقوال ہیں جن کو امام سیوطی علیہ الرحمہ نے ہمع الھوامع شرح جمع الجوامع میں بیان فرمایا ہے۔

(۱) یہ کہ برائے تقلیل دائما: یہ قول اکثرین ہے۔

(۲) برائے تکثیر دائما: یہ ابن دستور یہ وغیرہ کا قول ہے۔

(۳) برائے تقلیل غالباً اور برائے تکثیر نادراً، اس کو امام سیوطی علیہ الرحمہ نے ابونصر فارابی کی موافقت میں مختار قرار دیا۔

(۴) برائے تکثیر غالباً اور برائے تقلیل نادراً، اس کو ابن ہشام نے مغنی اللبیب میں اختیار کیا

(۵) برائے ہر دو علی السویہ، یہ بعض متاخرین کا قول ہے۔

(۶) برائے اثبات ہے، نہ تقلیل پر دلالت کرتا ہے نہ تکثیر پر دونوں خارج سے مفہوم ہوتی ہیں، یہ ابوحیان کا مختار ہے۔

(۷) برائے تکثیر مقام افتخار میں، جیسے:

﴿فیارب یوم قد لھوت ولیلۃ بآنسۃ کانھا خط تمثال﴾

اور اس کے ماسوا میں برائے تقلیل، یہ اعلم اور ابن السید کا قول ہے۔

(۸) عدد مبہم کی تقلیل وتکثیر کا افادہ کرتا ہے، یہ ابن الباذش اور ابن الطاہر کا قول ہے۔ (البشیر الکامل ص ۲۹)

ربّ کا مدخول

رب جارہ کا مدخول مجرور کا نکرۂ موصوفہ ہونا ضروری ہے جب کہ "رب" کے علاوہ باقی حروف جارہ کے معانی کا تعلق نکرہ ومعرفہ میں سے کسی ایک کے ساتھ مخصوص نہیں۔ آپ اس کی علت بیان فرماتے ہوئے رقمطراز ہیں:

"رب کے مدخول کے لئے نکرہ ہونا اس لئے ضروری ہے کہ "رب" جنس کی نوع مبہم کی تفصیل پر دلالت کرتا ہے، تو اس تفصیل پر دلالت کرنے میں نوع مبہم کی طرف محتاج ہوا، کیوں کہ نوع مبہم اس تفصیل کا

متعلق ہے اور حروف اپنے معانی پر دلالت کرنے میں متعلقات معانی کے ذکر کی طرف محتاج ہوتے ہیں، کیوں کہ بغیر ذکر تعلق معانی مفہوم نہیں ہوتے جیسے "مــــن" کے معنی ابتدائے جزئی جب تک بصرہ وغیرہ ذکر نہ کریں مفہوم نہ ہوں گے، اس لئے کہ غیر مستقل بالمفہومیۃ ہیں، اسی طرح 'رب' کے معنی نوع مبہم کی تقلیل، جب تک نوع مبہم ذکر نہ کریں مفہوم نہ ہوگی، پس ثابت ہوا کہ 'رب' اپنے معنی پر دلالت کرنے میں نوع مبہم کا محتاج ہے جو اس کا مدخول بنے گی اور نوع مبہم نکرہ ہوتی ہے معرفہ نہیں، لہذا رب کا مدخول نکرہ ہوگا نہ معرفہ، حاصل یہ کہ 'رب' کا مدلول وہ تقلیل نہیں جو امر معین سے متعلق ہو، لہذا معرفہ پر دخول ممتنع ہوا، تو نکرہ پر واجب، پس ظاہر ہوا کہ "رب" کے مدخول کا نکرہ ہونا ضروری ہے بخلاف دیگر حروف جارہ کہ ان کے معانی کا تعلق نکرہ اور معرفہ میں سے کسی ایک کے ساتھ مخصوص نہیں، اسی واسطے وہ دونوں پر داخل ہوتے ہیں۔ اور اس نکرہ کا موصوف ہونا بھی ضروری ہے تا کہ وہ تقلیل مفہوم ہو سکے جو 'رب' کا مدلول ہے یعنی جنس کی نوع مبہم کی تقلیل، کیونکہ نکرہ جنس پر دلالت کرے گا اور صفت اس کی تخصیص کرے گی تو وہ جنس نوع مبہم ہو جائے گی اور رب اسی کی تقلیل کا افادہ کرتا ہے۔ (البشیر الکامل ص ۲۹)

جواب قسم کی تحقیق

منفی بلن وبلم جواب قسم ہوتا ہے کہ نہیں، مصنف علیہ الرحمہ نے منفی بلن کے جواب قسم ہونے کی تصریح فرمائی اور اس کی شرط بھی تحریر فرمائی، مگر شیخ رضی نے اس کے خلاف تصریح کی اور کہا کہ منفی بلن جواب قسم نہیں ہوتا، حضرت صدر العلماء قدس سرہ نے شارح علیہ الرحمہ کی تائید اور شیخ رضی کے قول کی تردید فرمائی اور یہ انکشاف فرمایا کہ شیخ رضی کا قول مذکور صحیح نہیں، کیوں کہ حضرت مولائے مشکل کشا علی مرتضی کرم اللہ تعالیٰ وجہہ الکریم کا قول اس کی تردید کر رہا ہے، یوں ہی اس امر کی بھی توضیح فرمائی کہ منفی بلم جواب قسم نہیں ہوتا، اصمعی نے اعرابی کا جو قول نقل کیا ہے اس کا آپ نے شافی جواب رقم فرمایا ہے، آپ رقمطراز ہیں:

رضی نے کہا کہ جواب قسم منفی بلن نہیں ہوتا مگر یہ صحیح نہیں، مولائے مشکل کشا حضرت علی مرتضی کرم اللہ تعالیٰ وجہہ الکریم کا یہ شعر رد کے واسطے کافی ہے جو بارگاہ رسالت میں عرض کیا تھا

﴿واللہ لن یصلوا الیك بجمعھم حتی اوسد فی التراب دفینا﴾

سوال: جواب قسم کبھی منفی بلم آتا ہے جیسے اصمعی نے ایک اعرابی سے نقل کیا کہ جب اس سے کہتے "ألك بنون" کیا تمہارے بیٹے ہیں تو جواب میں کہتا "نعم وخالقھم لم تقم عن مثلھم منجبة أی امرأة ولدت نجیبا" تو مصنف نے اس کو ذکر کیوں نہیں کیا؟۔

جواب: لم تقم کا جواب قسم ہونا یقینی نہیں بلکہ جواب قسم "ان لی بنین" بقرینہ 'نعم' محذوف ہے کہ وہ "ألك بنون" کے جواب میں آیا ہے، تو اصل عبارت یہ ہے "نعم لی بنون" بقرینہ سوال بنون کو حذف کر دیا

اور لم تقم الخ ابناء کا حال بیان کرنے کے لئے جملہ مستانفہ ہے، البتہ ان نافیہ کا ذکر ضروری تھا کہ وہ فعل مضارع پر بکثرت آتا ہے جب کہ وہ جواب قسم واقع ہو، جواب قسم میں یہ تفصیل اس وقت ہے جب کہ وہ جملہ شرطیہ امتناعیہ نہ ہو، ورنہ "لولا" کے ساتھ تقدیر ہوگی، جیسے:

فوالله لو لا الله تخشى عواقبه لزعزع من هذا السرير جوانبه (البشیر الکامل ص۳۶)

حرف ندا کی وضع

"یـــا" حرف ندا صرف قریب کے لئے موضوع ہے یا قریب وبعید دونوں کے لئے یا قریب، بعید اور متوسط تینوں کے لئے؟۔ اس سلسلے میں آپ نے اقوال کی تفصیل فرمائی اور یہ واضح فرمایا کہ ان اقوال ثلاثہ میں سے قول سوم اظہر ہے اور قول دوم مختار مصنف قدس سرہ ہے، مگر عبارت کتاب بطریق تاویل قول سوم اظہر پر محمول ہوسکتی ہے، امام سیوطی علیہ الرحمہ کی ہمع الھوامع شرح جمع الجوامع سے استناد فرمایا کہ "یـا" کا صرف ندائے قریب کے لئے آنا خرق اجماع ہے، اس لئے یہ قول غیر معتبر ہے اور اس قول غیر معتبر پر بنا کر کے ندائے یارسول اللہ ویانبی اللہ کو نادرست قرار دینا باطل محض ہے۔

ملا عبدالحکیم سیالکوٹی قدس سرہ کے حروف ندا کے مابین بیان فرمودہ فرق اور انکشاف نکتہ سے بھی اس کی تائید فرمائی جیسا کہ اس حقیقت کو واشگاف فرماتے ہوئے رقمطراز ہیں:

"یا" اسکی وضع میں تین قول ہیں:

(۱) یہ کہ ندائے بعید کے واسطے موضوع ہے، مگر بعید عام ہے حقیقۃً ہو یا حکماً، جیسے سونے والا کہ وہ اگرچہ قریب ہو لیکن سونے کی وجہ سے بعید شمار کیا جاتا ہے۔

(۲) یہ کہ قریب اور بعید دونوں کی ندا کے واسطے موضوع ہے، مصنف نے اسی کو اختیار کیا ہے۔

(۳) یہ کہ قریب وبعید اور متوسط تینوں کے لئے موضوع ہے، قاله ابن البرهان كمافى الاشمونى، اور یہی قول اظہر ہے کہ تینوں میں استعمال برابر ہے کمافی شرح الشرح۔

امام سیوطی علیہ الرحمہ نے " همع الهوامع " میں فرمایا: ذكر ابن الخباز عن شيخه أن ياللقريب وهو خرق للاجماع، تو یہ معتبر قول نہیں کہ "یا" صرف قریب کے واسطہ موضوع ہے، لہذا ہندوستان کے بعض جاہلوں کا یہ قول باطل ٹھہرا کہ "یـانبی الله، یارسول الله" بغرض ندا کہنا اسلئے درست نہیں کہ "یا" صرف ندائے قریب کے لئے آتا ہے اور سرکار دوعالم ﷺ مدینہ منورہ میں تشریف فرما ہیں جو یہاں سے سیکڑوں میل کے فاصلہ پر ہے، باطل اس لئے ٹھہرا کہ "یا" زبان عرب میں قریب کی ندا کے واسطے مخصوص نہیں جس طرح قریب کے لئے استعمال کرتے ہیں اسی طرح بعید کے لئے، دونوں استعمال میں اصلا فرق نہیں، ملا عبدالحکیم سیالکوٹی قدس سرہ نے تکملہ میں حروف ندا کے باہمی فرق پر ایک عجیب نکتہ ارشاد فرمایا جس کی توضیح یہ ہے کہ بعید کی ندا میں رفع صوت

درکار ہے اور رفع صوت ہوتا ہے کثرت حروف اور مد سے، اور مد الف سے ہوتا ہے، أیا اور ھیا میں کثرت حروف اور مد دونوں پائے جاتے ہیں، کیوں کہ ہر ایک دو متحرک حرف پر مشتمل اور ممدودہ ہے، لہذا یہ دونوں بعید کے واسطے ہوئے۔ أی اور ہمزہ میں نہ کثرت حروف نہ مد، ہمزہ میں کثرت حقیقۃً نہیں اور ای میں حکما، کیوں کہ ساکن متحرک سے اخف ہوتا ہے لہذا کالمعدوم، تو یہ بعید کے واسطے نہ ہوئے بلکہ ''ای'' دو حرفی ہونے کی وجہ سے قریب کے لئے اور ہمزہ ایک حرفی ہونے کی وجہ سے اقرب کے لئے، اور (یا) میں کثرت حروف نہیں بلکہ مد ہے، لہذا وہ قریب اور بعید دونوں کے لئے ہوا، کتاب کی عبارت کو قول سوم پر اس طرح محمول کریں کہ قریب سے مراد ماسوائے بعید ہے یا بعید سے مراد ماسوائے قریب ہے، ان دونوں تاویل پر متوسط کو بھی شامل ہو سکے گا۔

(البشیر الکامل ص ۵۲)

منادی مفرد

اسم منادی اگر مفرد ہو یعنی حقیقۃً مضاف ہو نہ حکما بلفظ دیگر جو مضاف اور مشابہ مضاف نہ ہو مبنی علی الضم ہوتا ہے مگر شارح قدس سرہ نے ''ترفع الاسم ان لم یکن مضافا'' فرمایا جبکہ رفع، نصب و جر حروف اور حرکات اعرابیہ کو کہتے ہیں اور ضم، فتح و کسر حرکات بنائیہ کو اور ضمہ، فتحہ و کسرہ مشترک ہیں، شارح قدس سرہ نے فرمایا اس عبارت میں دو مجاز ہیں، مجاز استعارہ و مجاز عقلی، اور دونوں مجاز کو علم معانی و بیان کی روشنی میں واضح فرمایا جیسا کہ رقمطراز ہیں:

''قولہ وترفع الاسم'' رفع، نصب، جر حروف اور حرکات اعرابیہ کو کہتے ہیں اور ضم، فتح، کسر حرکات بنائیہ کو اور ضمہ، فتحہ، کسرہ مشترک ہیں، نظر بر آں عبارت میں دو مجاز ہیں:

(۱) یہ کہ منادی مفرد معرفہ کی حرکت کو رفع سے تعبیر کرنا حالانکہ وہ حرکت بنائی ہے۔

(۲) یہ کہ ان حروف کو عامل اور اس حرکت کو ان کا اثر قرار دینا حالانکہ حرکت بنائی عامل کا اثر نہیں ہوتی اول مجاز استعارہ ہے کہ معنی ضم کو معنی رفع کے ساتھ تبعیت اور عروض میں تشبیہ دی جس طرح رفع مرفوع کو عارض اور اسکے تابع ہوتا ہے اسی طرح ضم بھی مضموم کو عارض اور اس کے تابع ہوتا ہے تو معنی رفع مشبہ بہ اور معنی ضم مشبہ ہوئے پھر اسم مشبہ بہ کے لئے استعارہ کر کے اس سے ''ترفع'' فعل مشتق کیا لہذا استعارہ تبعیہ ہو گیا کہ مشتق میں ہے، اور دوم مجاز عقلی ہے جس کی تفصیل یہ ہے کہ منادی مفرد معرفہ اس لئے مبنی ہوتا ہے کہ اس کو کاف خطاب حرفی کے ساتھ بالواسطہ مناسبت ہے، کیوں کہ منادی مفرد معرفہ کاف اسمی کے ساتھ بایں معنی مناسبت رکھتا ہے کہ اس کی جگہ واقع ہوتا ہے، اسلئے کہ منادی مفرد معرفہ ''ادعوك'' میں جو کاف ضمیر منصوب متصل ہے اس کی جگہ واقع ہے اور یہ کاف اسمی ہے اور کاف اسمی کو لفظا اور معنی کاف حرفی کے ساتھ مناسبت ہے، لفظا تو یہ کہ دونوں مفرد ہیں اور معنی یہ کہ دونوں خطاب کے لئے ہیں اور مناسب مناسب شی مناسب شی ہوتا ہے، لہذا منادی مفرد معرفہ

کاف خطاب حرفی کے ساتھ مناسب ہوا اور کاف خطاب حرفی مبنی اصل ہے، اور مبنی اصل کے ساتھ مناسبت موجب بنا ہے، لہذا امنادی مفرد معرفہ مبنی ہوا، لیکن یہ بنا ان حروف کے بعد واقع ہونے کی وجہ سے حاصل ہوئی تو یہ حروف فی الجملہ سبب ہوئے نظر براں "ترفع" میں اسناد الی السبب ہوئی جواز قبیل مجاز عقلی ہے جیسے " یاھامان ابن لی صرحا" میں بنا کی اسناد مخاطب ہامان کی جانب اسناد الی السبب ہونے کی بنا پر مجاز عقلی ہے۔

(البشیر الکامل ص۵۴)

شرط وجزا کی تفسیر

شرط وجزا کی تفسیر کیا ہے؟۔ شارح قدس سرہ نے انکشاف فرمایا کہ اکثر نحویوں نے شرط کی تفسیر سبب اور جزا کی مسبب کے ساتھ کی ہے، خود شارح علامہ جامی قدس سرہ نے برمسلک اکثر نحات نوع سابع میں اس تفسیر کو ذکر فرمایا مگر اس تفسیر پر شیخ رضی نے اعتراض کیا، اس لئے شرط وجزا کی تفسیر یہ ہے کہ اول ملزوم ہو اور ثانی لازم، خود شارح علیہ الرحمہ نے فوائد ضیائیہ میں اس کو اختیار فرمایا ہے، اس کے بعد اہل میزان کی تفسیر شرط وجزا مزید ایضاح کے لئے ذکر فرمائی اور یہ واشگاف فرمایا کہ اہل میزان وشیخ رضی کی تفسیریں بظاہر متفق نہیں ہوتی ہیں، اس لئے کہ اہل میزان کی تفسیر لزومیہ اور اتفاقیہ دونوں کو شامل ہے اور شیخ رضی کی تفسیر بظاہر اتفاقیہ کو شامل نہیں مگر شرح الشرح میں شارح رضی کی تفسیر کا جو مقصود مذکور ہے اس کے اعتبار سے دونوں تفسیریں متفق ہو جاتی ہیں، آپ اس مقام کی تحقیق فرماتے ہوئے رقمطراز ہیں:

اکثر نحویوں نے شرط کی تفسیر سبب اور جزا کی مسبب کے ساتھ کی ہے، چنانچہ شارح علیہ الرحمہ نے نوع سابع میں برمسلک نحات اس تفسیر کو ذکر فرمایا لیکن شیخ رضی نے اس پر اعتراض کیا کہ اول کا سبب ہونا ضروری نہیں کبھی اول سبب ہوتا ہے جیسے " ان کانت الشمس طالعة فالنهار موجود " میں کہ طلوع شمس وجود نہار کے واسطے سبب ہے اور کبھی اول سبب نہیں ہوتا بلکہ شرط ہوتا ہے جیسے " ان کان لی مال فحججت" میں کہ وجود مال حج کے لئے سبب نہیں بلکہ شرط ہے اور کبھی اول نہ سبب ہوتا ہے نہ شرط جیسے "ان کان زید ابی فکنت ابنہ" میں، کہ ابوۃ زید بنوت متکلم کے لئے نہ سبب ہے نہ شرط کیونکہ سبب اپنے مسبب پر اور شرط اپنے مشروط پر مقدم ہوتی ہے اور ابوۃ زید متکلم کی بنوت پر مقدم نہیں کہ دونوں متضایفین ہیں اور متضایفین میں معیت ہوتی ہے تقدم وتاخر نہیں ہوتا، یا یہ جیسے "ان کان النهار موجودا فالشمس طالعة" میں کہ وجود نہار طلوع کے واسطے نہ سبب ہے نہ شرط بلکہ طلوع شمس وجود نہار کے لئے سبب ہے، بلکہ شرط وجزا کی تفسیر یہ ہے کہ اول ملزوم ہو اور ثانی لازم۔ شارح علیہ الرحمہ نے "فوائد ضیائیہ" میں اسی کو اختیار فرمایا ہے۔ اور اہل میزان کے نزدیک تفسیر یہ ہے کہ ثانی کا بروقت صدق اول صادق آنا، یہ تفسیر لزومیہ اور اتفاقیہ کو شامل نہیں۔ شرح الشرح میں فرمایا کہ شارح رضی کی مراد ملزوم اور لازم سے صرف وہ نہیں جو قضیہ لزومیہ میں ہوتے ہیں بلکہ جو لزومیہ اور اتفاقیہ دونوں کو عام ہوں،

نظر بر آں شیخ رضی اور اہل میزان کی تفسیریں متفق ہوجاتی ہیں۔ تکملہ میں فرمایا کہ نحات کی مراد سببیت سے مجرد اتصال ہے جو اعتقاد متکلم میں ہوخواہ فی الواقع یا ادعا، جیسے "ان تشتمنی اکرمك" تو اس تقدیر پر تینوں تفسیریں مآلاً ایک ہوجاتی ہیں۔ واللہ تعالیٰ اعلم (البشیر الکامل ص ۶۲)

مہما شرطیہ کی تحقیق

"مھما" اسم شرط کا کیا معنی ہے یہ بمعنی "ما" ہے یا "متی" یا "ان" کے معنی میں ہے؟۔ شارح قدس سرہ نے اقوال کی تفصیل فرمائی اور مصنف پر تعجب کا اظہار فرمایا کہ انہوں نے "مھما تذھب اذھب" کی تفسیر "ای ان تذھب الیوم اذھب الیوم وان تذھب غدا اذھب غدا" سے فرمائی جب کہ اس معنی کا ثبوت نحویوں کے یہاں نہیں ملتا، پھر اقول سے تحقیق مرام فرمائی جیسا کہ رقمطراز ہیں:

قوله ومهما۔ یہ بمعنی "ما" آتا ہے جیسے "مھمن" بمعنی "من" جیسا کہ کوفیہ نے عرب سے نقل کیا ہے اور "مھما" بمعنی "متی" نہیں آتا، اسی بنا پر ایک آیت "مھما تاتنا به من ایة" میں اس کی تفسیر "من ایة" واقع ہوئی ہے۔ اور بعض نحویوں نے بمعنی "متی" کہا ہے۔ اور گذشتہ حاشیہ ا میں مذکور شعر سے استدلال کیا، زمخشری نے اس قول پر شدید انکار کرتے ہوئے کہا کہ یہ ان کلمات میں سے ہے جن میں ایسے لوگوں نے تحریف کی ہے جنھیں عربیت میں مہارت نہیں، چنانچہ اسی خیال باطل میں آیت مذکورہ میں "مھما" کی تفسیر "متی" کے ساتھ کر گئے، یہ شخص آیت قرآنی میں الحاد کرتا ہے نظر بر آں سخت تعجب ہے کہ مصنف نے ایسے معنی ذکر کئے جن کا ثبوت نہیں اور معنی مستعمل فیہ کو ذکر نہیں کیا۔

اقول: قاموس میں ہے کہ "مھما" تین معنی میں آتا ہے

(۱) بمعنی "ما" شرطیہ جیسے "مھما تا تنابه من اية الآية"

(۲) ظرف زمان متضمن معنی شرط اس وقت محل شرط کا مفعول فیہ ہوتا ہے، جیسے "وانك مهما تعط بطنك سولة و فر جك نا لا منتهى الذم اجمعا۔

(۳) برائے استفہام، جیسے حاشیہ میں آنے والا شعر

﴿مهما لی اللیلة مهما لیه﴾ ﴿اودی بنعلی و سر با لیه﴾

اب ظاہر ہوا کہ زمخشری کا انکار برمحل نہیں کیونکہ صاحب قاموس لغوی ہیں اور لغوی سے زیادہ مہارت عربیت میں کس کو ہوگی، جب لغت سے معلوم ہوا کہ 'مھما' بمعنی 'متی' بھی آتا ہے تو تعجب مذکور زائل ہوگیا۔ البتہ اس شخص مذکورہ پر زمخشری کا یہ مواخذہ درست ہے کہ آیت مذکورہ میں 'مھما' بمعنی 'متی' نہیں بلکہ 'ما' شرطیہ ہے۔ (البشیر الکامل ص ۷۸)

صرف جزا مضارع ہو

اگر صرف جزاء مضارع ہو نہ کہ شرط تو مضارع میں جزم ورفع دونوں وجہیں جائز ہیں۔ حضرت صدر العلماء قدس سرہ نے جزم ورفع کے جواز پر تین وجہیں ذکر فرمائی ہیں۔ پہلی وجہ سیبویہ سے منقول ہے، اور دوسری جہ کوفیوں اور مبرد سے مروی ہے۔ پھر یہ بحث فرمائی کہ جزم اور رفع میں مساوات ہے یا اول احسن اور دوسری حسن ہے، تو فرمایا کہ اشمونی کی شرح الفیہ میں دوسرے کو اختیار فرمایا ہے، تنزیل قرآن اسی پر ہے، اور رفع کیلئے بجز اشعار کوئی شاہد نہیں۔ آپ رقمطراز ہیں: "قوله و الرّفع"

اس کی تین وجہیں ہیں:

(۱) یہ کہ مضارع مذکور دلیل بر جزا ہے جزا نہیں، وہ تو محذوف ہے تو یہ حکما مقدم ہوا کہ دلیل بر جزا حکما جملۂ مقدم ہوا کرتا ہے،"ای اکتب اذ ما کتبت"۔ لہذا مضارع مذکور پر معطوف مجزوم نہ ہوگا اور مضارع مذکور ایسے ناصب کا مفسر بن سکے گا جو کلمہ شرط پر مقدم ہو، جیسے "زیداً اذ ما اتانی اکرمه" یہ "اکرم زیدا" سے پیشتر مقدر "اکرم" کی تفسیر ہے۔ یہ وجہ سیبویہ سے منقول ہے۔

(۲) یہ کہ مضارع مذکور بتقدیر "فا" ہے،" ای فاکتب" اور 'فا' افادہ ربط میں قائم مقام جزم جزا ہوتی ہے، اسی واسطے مضارع "فا" کے بعد کبھی مجزوم نہیں ہوتا خواہ شرط ماضی ہو، جیسے "ومن عاد فینتقم الله منه" خواہ مضارع جیسے "فمن یومن بربه فلایخاف بخسا ولا رهقا" اس وجہ پر مضارع مذکور جزا ہے، اور اس پر معطوف کا مجزوم ہونا جائز ہوگا اور مضارع مذکور کا تفسیر ہونا ممتنع، اس لئے کہ مابعد "فا" کی ماقبل کلمہ شرط پر تسلیط ممکن نہیں ورنہ کلمہ شرط کی صدارت رخصت ہو جائے گی اور تفسیر بننے کے لئے جواز تسلیط شرط ہے اور جب تسلیط ممکن نہیں تو مضارع مذکور ایسے ناصب کی تفسیر نہیں بن سکتا جو کلمہ شرط پر مقدم ہو، یہ وجہ کوفیین اور مبرد سے مروی ہے۔

(۳) یہ کہ مضارع مذکور نہ حکما مقدم نہ بتقدیر "فا" بلکہ مضارع مذکور اور کلمہ شرط کے درمیان ماضی کے حائل ہو جانے سے کلمہ شرط کا عمل ضعیف ہو گیا کہ جب شرط میں لفظا عمل نہیں کیا جو قریب تھی تو جزا میں کیسے کرے گا، حالانکہ وہ بعید ہے، اس وجہ پر مضارع مذکور جزا ہے اور اس پر معطوف میں جزم جائز اور مضارع مذکور کا تفسیر بنا ممتنع جیسے وجہ دوم پر دونوں باتیں تھیں۔ رہی یہ بات کہ جزم اور رفع میں مساوات ہے یا اول کو احسن اور دوسرا حسن ہے تو "اشمونی فی شرح الفیه" میں دوسرے احتمال کو اختیار فرمایا کہ تنزیل قرآن اسی پر ہے، جیسے "من کان یرید الحیاة الدنیا وزینتها نوف الیهم" "من کان یرید حرث الاخره نزدله فی حرثه" اور رفع کے لئے بجز اشعار کوئی شاہد نہیں جیسے "ولا بالذی ان بان عنه حبیبه، یقول ویخفی الصبرانی لجازع"۔

(البشیر الکامل ص ۸۲)

کم استفہامیہ

کم کی دو قسمیں ہیں، ایک استفہامیہ اگر معنی استفہام کو متضمن ہو اور یہ تمیز کو نصب کرتا ہے جیسے "کم رجلا ضربته" اور دوسری قسم خبریہ ہے۔ اگر معنی استفہام کو متضمن نہ ہو اور یہ تمیز کو نصب کرتا ہے اگر ان دونوں کے مابین فاصلہ ہو، جیسے "کم عندی رجلا" اور اگر ان دونوں کے درمیان فاصلہ نہ ہو تو تمیز مضاف الیہ ہونے کے سبب مجرور ہوتی ہے جیسا کہ "کم رجل ضربته" و "کم غلمان اشتریت"۔ حضرت صدر العلماء قدس سرہ کم استفہامیہ کی تمیز کے منصوب اور کم خبریہ کی تمیز کبھی مفرد مجرور اور کبھی مجموع مجرور کی وجہ ذکر فرماتے ہوئے رقمطراز ہیں:

وجہ یہ ہے کہ کم استفہامیہ عدد پر دلالت کرتا ہے اور عدد باعتبار تمیز تین قسم پر ہے۔

(۱) ثلاثۃ تا عشرۃ اس کی تمیز مجموع مجرور ہوتی ہے۔

(۲) احد عشر تا تسعۃ وتسعون' اس کی تمیز مفرد منصوب ہوتی ہے۔

(۳) مائۃ اور مافوق اس کی تمیز مفرد مجرور ہوتی ہے۔

قسم اول اور سوم کو طرفین سے تعبیر کرتے ہیں اور قسم دوم کو وسط کے ساتھ، تو کم استفہامیہ کو تمیز کے بارے میں عدد وسط پر محمول کیا گیا کہ اس کی تمیز بھی منصوب قرار دی گئی کیوں کہ احد الطرفین پر محمول کرنے میں ترجیح بلا مرجح لازم آتی ہے کہ طرفیت میں دونوں متساوی ہیں بخلاف اوسط، کہ اس پر محمول کرنے میں ترجیح بلا مرجح لازم نہیں آتی، کیونکہ اوسط کے لئے وسطیت میں کوئی مساوی نہیں اور اس میں خیریت بھی ہے، کہ "خیر الامور اوساطھا" یا یہ وجہ ہے کہ طرفین جب متعارض ہوئیں تو متساقط ہو گئیں کہ "اذا تعارضا تساقطا" پس وسط باقی رہ گیا تو کم استفہامیہ کو تمیز کے بارے میں اسی کے تابع کر دیا۔ تکملہ مولانا عصام الدین علیہ الرحمہ نے فرمایا کہ اوجہ یہ ہے کہ کم خبریہ کو تمیز کے بارے میں جب طرفین پر محمول کرنے میں التباس لازم آتا، نظر برآں کم استفہامیہ کو وسط پر محمول کیا گیا کہ اس کی تمیز کبھی مفرد مجرور ہوتی ہے اور کبھی مجموع مجرور، تاکہ ترجیح بلا مرجح لازم نہ آئے تو کم استفہامیہ کو طرفین پر یا احد الطرفین پر محمول کیا گیا، برعکس نہیں کیا گیا کہ کم استفہامیہ کو طرفین پر محمول کرتے ہیں، خبریہ کو وسط پر کیوں کہ کم خبریہ استفہامیہ پر مقدم ہے، اس لئے کہ استفہام خبر کی فرع ہے اور طرفین بھی وسط پر مقدم ہوتے ہیں، لہذا کم خبریہ کو طرفین پر محمول کیا گیا اور استفہامیہ کو وسط پر۔ (البشیر الکامل ص ۹۲)

وجہ مذکور کے علاوہ ایک اور وجہ انسب بیان فرماتے ہوئے رقمطراز ہیں:

"قولہ مجرور بالاضافۃ' وجہ وہی ہے جو پیش تر بیان کر دی گئی کہ کم خبریہ کو طرفین پر محمول کیا گیا اور ان کی تمیز مجرور بالاضافۃ ہوتی ہے، تو کم خبریہ کی تمیز بھی مجرور بالاضافت ہوئی، رہی یہ بات کہ طرفین پر محمول کیوں کیا گیا تو اس کی وجہ یہ ہے کہ کم استفہامیہ اور کم خبریہ دونوں عدد پر دلالت کرتے ہیں اور عدد کی دو قسمیں ہیں

(۱) مضاف تمیز کی جانب جیسے طرفین۔

(۲) ممیز بالمنصوب یعنی جس کی تمیز منصوب ہو۔

تو کم استفہامیہ اور کم خبریہ میں یوں فرق کردیا گیا کہ استفہامیہ کو عدد ممیز بالمنصوب پر محمول کیا جو وسط کہلاتا ہے اور خبریہ کو عدد مضاف پر جس کو طرفین کہتے ہیں، لہذا استفہامیہ اپنی تمیز کے لئے ناصب ہوا اور خبریہ جار، دونوں میں فرق بالعکس نہیں کیا، اس لئے کہ کم خبریہ استفہامیہ پر مقدم ہے، کیوں کہ خبر اصل ہے اور استفہام فرع، اور اصل کو فرع پر تقدم حاصل ہوتا ہے اور طرفین بھی وسط پر مقدم ہوتے ہیں۔ نظر برآں خبریہ کو طرفین پر محمول کرنا مناسب ہوا۔ اور بعض حضرات نے کم خبریہ کی تمیز کے مجرور بالاضافۃ ہونے کی وجہ یوں بیان فرمائی کہ کم خبریہ چونکہ تکثیر پر دلالت کرتا ہے اس لئے تمیز کے بارے میں عدد کثیر پر محمول کیا گیا جو مأۃ اور مافوق کو کہتے ہیں، اور اس کی تمیز مجرور بالاضافہ ہوتی ہے، بخلاف ''ثلاثۃ تاعشرۃ'' کہ ان کی تمیز بھی مجرور ہوتی ہے مگر یہ عدد قلیل ہیں اور بخلاف ''احد عشر تاتسعۃ وتسعون'' کہ یہ عدد وسط ہیں، اور ان کی تمیز مجرور بھی نہیں ہوتی بلکہ منصوب ہوتی ہے یہ وجہ انسب ہے کیونکہ اس میں مؤنت کم ہے۔ (البشیر الکامل ص ۹۴)

اسمائے افعال کے لئے محل اعراب نہیں

اسمائے افعال کے لئے محل اعراب ہے یا نہیں، اس سلسلے میں حضرت صدر العلما علیہ الرحمہ نے افادہ فرمایا کہ اسمائے افعال کے لئے محل اعراب نہیں۔ بعض نے اس قول کی نسبت جمہور کی طرف کی ہے اور بعض نحویوں نے بنا بر مصدریت منصوب محلا قرار دیا ہے اور بعض نے بنا بر مبتدا مرفوع محلا قرار دیا ہے۔ شارح رضی نے اخیر کے دونوں قولوں کو پسند نہیں کیا اور اس کا رد کیا آپ اس کی تفصیل فرماتے ہوئے فائدہ کے تحت رقمطراز ہیں:

فائدہ:

اسمائے افعال کے واسطے محل اعراب نہیں، کیوں کہ یہ بجائے فعل ماضی یا فعل امر ہوتے ہیں، اور ان دونوں کے لئے محل اعراب نہیں۔ بعض نے اس قول کی نسبت جمہور کی جانب کی ہے۔ اور بعض نحویوں نے بنا بر مصدریت منصوب محلا قرار دیا ہے۔ لیکن شارح رضی نے اس قول کو پسند نہیں کیا، اس لئے کہ اگر بنا بر مصدریت منصوب ہوں گے تو ان سے پیشتر افعال ناصبہ مقدر ہوں گے، تو ان کا قائم مقام افعال ہونا درست نہ رہے گا اور مبنی بھی نہ رہیں گے، کہ مبنی ہونے کی وجہ یہی تھی۔ اور بعض نے کہا کہ بنا بر مبتدا مرفوع محلا ہوتے ہیں اور ان کے لئے خبر نہیں ہوتی، جیسے ''أ قائم زید'' میں 'قائم' مبتدا ہے جس کے لئے خبر نہیں، ان کے بعد آنے والا فاعل قائم مقام خبر ہوتا ہے، فاعل کبھی اسم ظاہر ہوتا ہے، جیسے ''ھیھات زید'' اور کبھی ضمیر مستتر جیسے ''صہ'' کہ بمعنی ''اسکت'' ہے، اور فاعل ضمیر مستتر ہے۔ شارح رضی نے اس قول کو بھی رد کردیا، کیوں کہ 'قائم' مذکور پر قیاس

درست نہیں کہ وہ اگر چہ مشابہ فعل ہے لیکن اسمی معنی رکھتا ہے، یعنی بمعنی ذو قیام ہے تو مبتدا واقع ہونا صحیح ہے۔ بخلاف اسم فعل کہ اس کے لئے اسمی معنی نہیں اور لفظ کا اعتبار نہیں، جیسے " تسمع بالمعيد ى خيرمن ان تراه " میں 'تسمع' لفظاً فعل ہے مگر معنی چونکہ اسمی ہیں کہ بتاویل مصدر ہے، لہذا مبتدا واقع ہونا درست ہو گیا۔

(البشیر الکامل ص ۱۰۴)

صار ناقصہ و تامہ

"صار" فعل ناقص اور تام دونوں ہوتا ہے، ایک حقیقت سے دوسری حقیقت کی جانب انتقال کے لئے ہو، یا ایک صفت سے دوسری صفت کی جانب تو ناقصہ کہلاتا ہے اور ایک مکان سے دوسرے مکان کی طرف یا ایک ذات سے دوسری ذات کی طرف جانے کے لئے ہو تو تامہ ہوتا ہے حضرت صدر العلما قدس سرہ وجہ بیان فرماتے ہوئے رقمطراز ہیں:

"قوله من مكان الى مكان"

یعنی ایک مکان سے دوسرے مکان کی طرف جانے کے لئے جیسے مثال کتاب میں "صار زيد من بلد الى بلد' یا ایک ذات سے دوسری ذات کی طرف جانے کے لئے جیسا کہ 'صار زيد من بكر الىٰ خالد' جبکہ 'صار' ایک حقیقت سے دوسری حقیقت کی جانب انتقال کے لئے ہو یا ایک صفت سے دوسری صفت کی جانب تو ناقصہ ہوتا ہے، اور جب ایک مکان سے دوسرے مکان کی طرف جانے کے لئے ہو یا ایک ذات سے دوسری ذات کی طرف جانے کے لئے ہو تو تامہ ہوتا ہے، اس کی وجہ یہ ہے کہ انتقال بدو معنی اول حقیقت ثانیہ یا صفت ثانیہ کے حصول بعد العدم کو مستلزم ہے، اسی واسطے بدون ذکر حقیقت ثانیہ یا صفت ثانیہ تام نہیں ہوتا۔ لہذا ناقصہ ہوا اور انتقال بدو معنی ثانی حصول مکان بعد العدم کو یا حصول ذات بعد العدم کو مستدعی نہیں بلکہ انتقال اس مکان سے یا ذات سے عدم تعلق کے بعد متعلق ہوا تو اس وقت صار سے مقصود یہ ہوتا ہے کہ اس کے فاعل کا انتقال اس مکان یا ذات سے متعلق ہو جائے۔ دیگر افعال تامہ کی طرح کہ ان میں بھی یہی مقصود ہوتا ہے کہ حدث کی اسناد فاعل کی طرف اور تعلق مفاعیل کے ساتھ، اور دونوں میں یوں فرق بیان کرنا احسن ہے کہ صار اصل میں بمعنی انتقل ہے، نظر برآں تامہ مستعمل ہونا چاہئے یوں کہ مصدر خبر کی جانب متعدی بالی ہو، جیسے " صار الى الغنى " لیکن اس میں "كان بعد ان لم يكن " کے معنی کی تضمین کی گئی، پس جب بایں تضمین استعمال کیا جائے گا تو ناقصہ ہوگا، بریں تقدیر "صار الطين خزفا" کے معنی ہوئے "كان الطين خزفا بعد ان لم يكن كذلك" اور "صار زيد غنيا" کے معنی ہوئے "كان زيد غنيا بعد مالم يكن غنيا" اور جب اصل وضع کے اعتبار سے مستعمل ہوگا جو قلیل ہے تو تامہ ہوگا۔

(البشیر الکامل ص ۱۱۲)

مزید آگے رقمطراز ہیں:

صار تامہ کبھی انتقال مکانی کے لئے ہوتا ہے، جیسے مثال کتاب اور کبھی انتقال ذاتی کے لئے، جیسے "صار زید من بکر الی خالد" اور کبھی انتقال صفت کے لئے، جیسے "صار زید من الشر الی الحسنی" اسی قبیل سے ہے "فصرنا الی الحسنی ورق کلامنا" (البشیر الکامل ص ۱۱۲)

مزید آگے فرماتے ہیں:

"فاضل مصری نے اس انتقال ذاتی کو انتقال مکانی میں داخل کر کے مثال مذکور کے معنی بیان فرمائے "صار زید من مکان بکر الی مکان خالد "یا" من صفة الی صفة کمامر"۔

(البشیر الکامل ص ۱۱۲)

اصبح، اضحیٰ وامسیٰ کی دلالت

مصنف قدس سرہ نے ان کلمات ثلاثہ کے متعلق فرمایا "فهذه الثلاثة لا قتران مضمون الجملة باوقاتها التی هی الصباح والضحی والمساء" اس سے متبادر ہوتا ہے کہ یہ افعال ثلاثہ صرف ان اوقات کے ساتھ مضمون جملہ کے اقتران کے لئے ہیں جن اوقات پر اپنے مادہ کے اعتبار سے دلالت کرتے ہیں۔ حضرت صدر العلما قدس سرہ نے واشگاف فرمایا کہ جن اوقات پر اپنے مادہ کے اعتبار سے دلالت کرتے ہیں مضمون جملہ ان کے ساتھ مقترن ہے اور جن اوقات پر اپنی ہیئت کے اعتبار سے دلالت کرتے ہیں مضمون جملہ ان سے بھی مقترن ہوتا ہے بوجہ عدم خفا مصنف قدس سرہ نے ان کا ذکر نہیں کیا، شارح رضی نے اس پر تنصیص کی ہے، آپ فرماتے ہیں:

"لاقتران مضمون الجملة " الخ یعنی اس لئے کہ جن اوقات پر اپنے مادہ کے اعتبار سے دلالت کرتے ہیں مضمون جملہ ان کے ساتھ مقترن ہے اور وہ اوقات صباح وضحیٰ ومساء ہیں۔ اور جن اوقات پر اپنی ہیئت کے اعتبار سے دلالت کرتے ہیں یعنی زمانہ گذشتہ ماضی کے صیغوں میں اور حال واستقبال مضارع کے صیغوں میں، بوجہ عدم خفا مصنف علیہ الرحمہ نے ان کا ذکر نہیں کیا، نہ اس لئے کہ یہ افعال ان اوقات پر دلالت نہیں کرتے کہ یہ خلاف واقع ہے، کیونکہ "اصبح زید امیرا " کے معنی ہیں کہ زید کی امارت وقت صبح کے ساتھ زمانہ ماضی میں مقترن ہوئی، اور "یصبح زید امیرا" کے معنی ہیں کہ زید کی امارت وقت صبح کے ساتھ زمانہ حال میں مقترن ہوتی ہے یا زمانہ استقبال میں مقترن ہوگی۔ شارح رضی نے اس پر تنصیص کی ہے۔

(البشیر الکامل ص ۱۱۴)

مخصوص کی شرط اور شیخ رضی کی تصریح

مخصوص کی شرط کیا ہے، مصنف علیہ الرحمہ فرماتے ہیں "وشرط المخصوص ان یکون مطابقا

للفاعل فی الافراد والتثنیة والجمع والتذکیر والتانیث الخ' عبارت مذکورہ سے یہ انکشاف ہوتا ہے کہ افراد، تثنیہ، جمع، تذکیر اور تانیث میں مخصوص کا فاعل کے مطابق ہونا شرط ہے، نیز اس کتاب کے بعض نسخوں میں" التذکیر والتانیث " کے بعد" والتعریف والتنکیر " مذکور ہے، جس سے یہ انکشاف ہوتا ہے کہ تعریف وتنکیر میں بھی مطابقت شرط ہے۔ حضرت صدرلعلماء قدس سرہ فرماتے ہیں کہ علامہ رضی کی تصریح اس کے برخلاف اور قرآن کریم کی آیت مقدسہ بطور استشہاد ذکر کی ہے، اس لئے اولی یہ ہے کہ تذکیر وتانیث میں مطابقت شرط قرار نہ دی جائے، رہا کتاب کے بعض نسخوں کے مطابقت تعریف وتنکیر کی مطابق تو یہ صحیح نہیں۔ آپ رقمطراز ہیں:

"قوله والتذکیر والتانیث " مصنف کے اس کلام سے معلوم ہوتا ہے کہ" نعمت الانسان هند " فاعل اور مخصوص کی تذکیر وتانیث میں مطابقت نہ ہونے کے باعث جائز نہیں حالانکہ رضی نے بایں الفاظ اس کے جواز کی تصریح کی ہے" وقد یونث نعم وبئس وان کان فاعلها مذکرا لکون المخصوص مونثا نعمت الانسان هند وکذا یونث الفعل وان کان الممیز مذکرا لتانیث المخصوص" کقوله تعالیٰ " انها ساء ت مستقرا ومقاما" ترجمہ: اور کبھی نعم وبئس سے تائے تانیث متصل ہوتی ہے اگر چہ فاعل مذکر ہو، بایں وجہ کہ مخصوص مونث ہوتا ہے جیسے "نعمت الانسان هند " اور ایسے ہی کبھی یہ فعل مونث ہوتا ہے اگر چہ تمیز مذکر ہو بایں سبب کہ مخصوص مونث ہوتا ہے، جیسے اللہ تعالیٰ کا قول انها ساء ت مستقرا ومقاما ، لہذا اولیٰ یہ ہے کہ تذکیر وتانیث میں مطابقت شرط نہ قرار دی جائے بلکہ یوں کہا جائے کہ شرط مخصوص یہ ہے کہ فاعل یا تمیز فاعل کا اطلاق اس پر صحیح ہو، چنانچہ یہ شرط دونوں مثالوں میں پائی جاتی ہے، مخفی نہ رہے کہ بعض نسخوں میں" والتذکیر والتانیث " کے بعد" والتعریف والتنکیر " مذکور ہے، یہ صحیح نہیں، تعریف میں مطابقت کی شرط اس لئے صحیح نہیں کہ رضی نے بیان کیا ہے کہ فاعل کے ساتھ تعریف میں مطابق ہونا مخصوص کی شرط نہیں بلکہ شرط یہ ہے کہ مخصوص بہ نسبت فاعل خاص ہو، کیوں کہ مخصوص فاعل کے ابہام کو رفع کرتا ہے، نظر برآں" نعم الانسان بشر" جائز نہیں، ہاں اگر بشر کی صفت لائی جائے جو ابہام کو دور کردے جیسے "نعم الانسان بشر صالح" جائز ہے اور تنکیر میں مطابقت کی شرط اس لئے صحیح نہیں کہ اگر یہ شرط رکھی جائے تو یہ مفہوم ہوگا کہ فاعل ومخصوص کبھی نکرہ بھی ہوتے ہیں حالانکہ فاعل کبھی نکرہ نہیں ہوتا بلکہ معرف بلام عہد ذہنی ہوتا ہے، یا معرف بلام کی طرف مضاف، یا ضمیر جس کی تمیز نکرہ منصوبہ ہو معرف باللام عہد ذہنی اور ضمیر اگر چہ از روئے معنی نکرہ ہیں مگر صورتا معرفہ۔

(البشیر الکامل ص ۱۵۰)

اسم فاعل کے عمل کی شرط اور تحقیق شارح

اسم فاعل کے عمل کی شرط کیا ہے، مصنف علیہ الرحمہ نے تحریر فرمایا" و شرط عمله ان یکون بمعنی

الحال او الا ستقبال" کہ اسم فاعل کے عمل کی شرط بمعنی حال یا استقبال ہوتا ہے۔ حضرت صدر العلما قدس سرہ فرماتے ہیں یہ بھی شرط ہے کہ مصغر نہ ہو اور موصوف نہ ہو اور اس کے شرط ہونے پر دلیل قائم فرمائی، پھر فرمایا کہ شارح علیہ الرحمہ کے ظاہر کلام سے یہ مفہوم ہوتا ہے کہ بمعنی حال یا استقبال ہونا مطلقا عمل کے لئے شرط ہے خواہ وہ عمل نصب ہو یا رفع لیکن تحقیق اس کے برعکس ہے، آپ رقمطراز ہیں:

قولہ وشرط عملہ، یہ بھی شرط ہے کہ مصغر نہ ہو اور موصوف نہ ہو، کیونکہ مصغر اور موصوف ہونا علامت اسم ہے، جس کی وجہ سے فعل مضارع کے ساتھ اسم فاعل کی مشابہت کمزور پڑ جاتی ہے اور اسم فاعل کا عمل اسی مشابہت پر مبنی ہے، لیکن مصغر اور موصوف نہ ہونا اس اسم فاعل کے عمل کے واسطے شرط ہے جو الف لام اسمی سے مجرد ہو، معرف بالف لام اسمی کے لئے شرط نہیں وہ مصغر اور موصوف ہونے کے باوجود عمل کرے گا کیونکہ وہ فی الحقیقۃ فعل ہے، صیغہ اسم کی جانب عدول اس لئے ہوا کہ فعل پر الف لام اسمی کا دخول اہل عرب مکروہ سمجھتے ہیں، کیونکہ وہ صورتا الف لام حرفی کے مشابہ ہے جو فعل پر داخل نہیں ہوتا۔ شارح علیہ الرحمہ کے ظاہر کلام سے یہ مفہوم ہوتا ہے کہ بمعنی حال یا استقبال ہونا، مطلقا عمل کے لئے شرط ہے خواہ وہ عمل نصب ہو یا رفع، لیکن تحقیق یہ ہے کہ بمعنی حال یا استقبال ہونا مفعول بہ کو نصب دینے کے لئے شرط ہے، مفعول فیہ، جار مجرور، مفعول مطلق، مفعول لہ، مفعول معہ وغیرہ میں عمل کرنے کے لئے شرط نہیں اور رفع فاعل کے بارے میں اختلاف ہے، ابن جنی اور شلوبین نے کہا کہ فاعل ظاہر کو رفع دینے کے لئے شرط ہے، ابن عصفور نے اختیار کیا کہ شرط نہیں، یہی سیبویہ کے کلام سے ظاہر ہوتا ہے۔ امام سیوطی نے فرمایا کہ یہی اصح بھی ہے لیکن اعتماد شرط ہے، اسی پر جمہور ہیں اور فاعل مضمر مستتر کو رفع دینے کے لئے بالاتفاق بمعنی حال یا استقبال ہونا شرط نہیں، فاعل مضمر بارز میں اختلاف ہے ابن طاہر وابن خروف کے نزدیک شرط ہے دوسروں کے نزدیک شرط نہیں بلکہ ابن عصفور نے عدم شرط پر اتفاق نقل کیا ہے۔ (البشیر الکامل ص ۱۹۶)

مزید آگے مصنف علیہ الرحمہ کے قول " و ان کان اسم الفاعل معرفا باللام یعمل فی مابعدہ فی کل حال سواء کان بمعنی الماضی او الحال اوالاستقبال وسواء کان معتمدا علی احدالا مورا لمذکورۃ او غیر معتمد " کے تحت فرماتے ہیں:

جب اسم فاعل متعدی پر الف لام اسمی داخل ہو تو وہ مفعول بہ کو نصب دیتا ہے اگر چہ بمعنی ماضی ہو، اس وقت مفعول بہ کو نصب دینے کے لئے نہ اعتماد شرط ہے، نہ بمعنی حال یا استقبال ہونا، بمعنی ماضی ہو جب بھی نصب دیتا ہے، بمعنی حال یا استقبال ہو جب بھی مفعول بہ کو نصب دیتا ہے، ابو علی نے کہا کہ جب بمعنی ماضی ہو تو مفعول بہ کو نصب دیتا ہے اور جب بمعنی حال یا استقبال ہو تو نصب نہیں دیتا، کیونکہ کلام عرب میں مفعول بہ کا ناصب وہی اسم فاعل پایا گیا جو معرف باللام بمعنی ماضی ہے اور معرف باللام بمعنی حال یا استقبال کی کوئی نظیر نہیں ملتی۔ اخفش

نے کہا ایسے اسم فاعل کا مابعد مفعول بہ کے ساتھ مشابہ ہونے کی بنا پر منصوب ہوتا ہے نہ مفعول بہ ہونے کی بنا پر، دمامینی نے کہا کہ اس مسلک پر الف لام حرف تعریف ہوگا نہ اسم موصول، ورنہ مابعد مفعول بہ ہونے کی بنا پر منصوب ہوگا۔اور بعض نے کہا کہ مابعد کا ناصب فعل مضمر ہے نہ اسم فاعل۔ الحاصل اسم فاعل متعدی معرف باللام میں چار مذہب ہوئے:

(۱) یہ کہ الف لام اسمی ہے اور مابعد مفعول بہ ہونے کی بنا پر منصوب ہوتا ہے خواہ اسم فاعل بمعنی ماضی ہو یا بمعنی حال یا استقبال، وجہ یہ ہے کہ صلہ واقع ہونے کی وجہ سے مقام فعل میں ہے جس کا عمل کسی مخصوص زمانہ کے ساتھ مشروط نہیں تو اس کے لئے بھی کوئی مخصوص زمانہ شرط نہ ہوگا۔

(۲) یہ کہ ایسے اسم فاعل کا عمل نصب زمانہ ماضی کے ساتھ مخصوص ہے۔

(۳) یہ کہ ایسے اسم فاعل کا مابعد مفعول بہ کے ساتھ مشابہ ہونے کی وجہ سے منصوب ہے اور الف لام حرف تعریف نہ اسم موصول۔

(۴) مابعد کا ناصب فعل مضمر ہے نہ اسم فاعل۔ (البشیر الکامل ص ۲۰۲)

گذشتہ بحثوں کہ مطالعہ سے یہ حقیقت الم نشرح ہو جاتی ہے کہ آپ کی شرح کا ہر پہلو

کرشمہ دامن دل می کشد کہ جا ایں جاست

کی پرکشش اور دلآویز تصویر ہے۔ نیز حضرت شارح قدس سرہ کی شان جلالت، علمی عبقریت، نحوی مہارت، دقیقہ رسی، نکتہ سنجی، ژرف نگاہی، اور قلم کی روانی روز روشن سے زیادہ واضح ہے۔

محمد ناظم علی مصباحی
دا العلوم اشرفیہ (مبارکپور، یو۔پی)

حامدا مصلیا و مسلما

البشیر شرح نحو میر ایک مطالعہ

حضرت مولانا نفیس احمد صاحب مصباحی

استاذ الجامعۃ الاشرفیہ (مبارکپور، یو۔ پی)

صدر العلماء، امام النحو حضرت علامہ سید غلام جیلانی میرٹھی علیہ الرحمۃ والرضوان کی شخصیت اہل علم کے حلقوں میں محتاج تعارف نہیں، ۱۱ر رمضان المبارک ۱۳۱۸ھ کو ریاست دادوں ضلع علی گڑھ، یوپی کے ایک علمی گھرانے میں آپ کی ولادت ہوئی، بچپن ہی سے آپ کی پیشانی پر زیرکی، ہوشمندی اور ذہانت وفطانت کے آثار ہویدا تھے۔

بالائے سرش زہوش مندی می تافت ستارۂ سربلندی

(شیخ سعدی)

متعدد علمی ودینی درس گاہوں میں صدر الافاضل علامہ سید محمد نعیم الدین مرادآبادی، مولانا عبد العزیز فتحپوری، صدر الشریعہ علامہ محمد امجد علی اعظمی اور دیگر اساتذہ کرام سے مروجہ علوم وفنون کی تکمیل کے بعد دار العلوم منظر اسلام بریلی شریف سے دستار فضیلت سے سرفراز ہوئے اور ہندوستان کے سپہر علم وفضل پر نیر تاباں بن کر اپنی روشنی بکھیرنے لگے۔ اور اپنے انوار وتجلیات سے اس کے خطوں کو مستفیض ومستنیر کرنے لگے۔ اور تادم واپسیں مسند ارشاد وتدریس کی زینت اور منصب تعلیم وتربیت کا وقار آپ کی ذات سے قائم رہا۔

یوں تو آپ تمام علوم متداولہ اور فنون مروجہ میں ید طولی رکھتے تھے، مگر میلان طبع علم نحو کی جانب تھا، اسی لئے آپ کے قلم سے اس فن میں کئی کتابیں معرض وجود میں آئیں، اور دیگر فنون کی تصنیفات میں بھی یہ رنگ صاف جھلکتا ہے۔ علم نحو سے قلبی لگاؤ اور ذوق وشوق آپ کو اپنے جد امجد حضرت مولانا حکیم سید سخاوت حسین قدس سرہ سے ورثہ میں ملا تھا جو اپنے عہد میں علم صرف ونحو کے امام تھے۔ فن مناظرہ میں انہیں ملکہ تامہ حاصل تھا، جب بھی کسی وہابی سے مناظرہ ہوتا تو حسن تدبیر سے مسائل صرف ونحو میں لاکر اسے زیر فرمالیا کرتے تھے۔

یوں تو بشیر القاری شرح صحیح البخاری، بشیر الناجیہ شرح کافیہ، البشیر الکامل شرح شرح مائۃ عامل اور البشیر شرح نحو میر میں سے ہر ایک اپنی جگہ لاجواب ہے، مگر ان میں آخر الذکر تصنیف ایک نمایاں اور ممتاز مقام کی حامل ہے جسے آپ نے بعض باذوق طلبہ کے بیحد اصرار اور مولانا رحمت اللہ صاحب بلرام پوری کے تقاضائے

فراواں کی بنا پر آخری عمر میں لکھنا شروع کیا، بحمدہ تعالیٰ یہ مبارک تصنیف ۱۶ر محرم الحرام، دسمبر ۱۹۷۷ء بروز چہار شنبہ پایہ تکمیل کو پہونچ گئی۔ تصنیف سے فراغت کے بعد مقدمۂ کتاب لکھنا شروع فرمایا جو ۱۱ر صفر ۱۳۹۸ھ مطابق ۲۱ر جنوری، ۱۹۷۸ء بروز شنبہ تکمیل آشنا ہوا۔ مگر افسوس کہ ۲۹ر جمادی الاولیٰ ۱۳۹۸ھ مطابق ۸ر مئی ۱۹۷۸ء بروز دوشنبہ سہ پہر چار بج کر دس منٹ پر آپ کا پیک اجل آن پہنچا اور آپ اللہ تعالیٰ کے جوار قدس میں تشریف لے گئے، جب کہ یہ کتاب ابھی زیور طبع سے آراستہ ہوکر منظر عام پر نہ آسکی تھی۔

آہ در چشم زدن صحبت یار آخر شد　　　روے گل سیر نہ دیدم کہ بہار آخر شد

اس لحاظ سے یہ آپ کے سلسلۂ تصانیف کی آخری کڑی ہے جو آپ کی زندگی بھر کی علمی وفنی تحقیقات کا مظہر اور سالہا سال کے تدریسی تجربات کا عطر مجموعہ ہے۔ اس کتاب کی اہمیت کے لئے یہی بس ہے کہ یہ اس وقت آپ کے قلم سے معرض وجود میں آئی جب کہ آپ کی فنی مہارت اور علمی لیاقت اپنے ذروہ کمال پر تھی اور سونے پر سہاگہ یہ کہ آپ نے اس کی تالیف میں البشیر الکامل، اور بشیر الناجیہ سے زیادہ اہتمام، توجہ اور ذہنی کاوش صرف فرمائی ہے۔ دراصل آپ کے پیش نظر یہ نکتہ تھا کہ نحو میر علم نحو کی ابتدائی کتاب ہے، جس کا طلبہ کی صلاحیت سازی کے سلسلے میں کلیدی کردار رہا ہے۔ اگر کوئی طالب علم یہاں گمراہ ہوگیا تو قوی اندیشہ ہے، کہ وہ ہمیشہ تاریکیوں میں رہے گا۔ اور آخر تک اس کی علمی صلاحیت خام اور ناقص ہی رہے گی۔ بڑے پتے کی بات کہی ہے حضرت شیخ سعدی نے۔

خشت اول چوں نہد معمار کج　　　تا ثریا می رود دیوار کج

کتاب کا پہلا ایڈیشن مکتبۃ الجیلانی، محلہ کوٹ، غربی سنبھل مرادآباد یوپی سے حضرت مصنف علیہ الرحمہ کے فرزند ارجمند مولانا سید محمد یزدانی کے زیر اہتمام منصۂ شہود پر آیا۔ اور تادم تحریر اس کے متعدد ایڈیشن شائع ہو چکے ہیں۔ جو کتاب کی مقبولیت کا روشن ثبوت ہے۔ پیش نظر نسخے میں ایک دیباچہ، ۲۶۰ تنبیہات، اور ۲۸۴ صفحات ہیں۔

یہ نحو میر کی اردو زبان میں محققانہ اور عالمانہ شرح وترجمانی ہے جس میں شارح علام نے علم وتحقیق کے دریا بہادئے ہیں۔ اور نحوی اصول وقوانین کی علمی وفنی، عملی وتطبیقی تحقیقات کا حق ادا کردیا ہے۔ کتاب کیا ہے نحوی علوم ومعارف کا دائرۃ المعارف ہے۔ کتاب کا انتساب آپ نے اپنے استاذ محترم مولانا شاہ عبد العزیز خان فتح پوری کے نام سے کیا ہے۔ جس کا متن کچھ اس طرح ہے۔

"فقیر اپنی اس علمی کاوش کو اپنے استاذ معظم حضرت مولانا شاہ عبد العزیز خان صاحب فتح پوری دام بالمجد والکرم کی خدمت فیض درجت میں پیش کرتا ہے، یہ درخواست کرتے ہوئے کہ جلوات وخلوات کی دعاؤں میں اپنے اس دیرینہ نیاز مند کو یاد رکھیں۔

گر قبول افتدز ہے عزوشرف

فقیر سید غلام جیلانی، صدر المدرسین مدرسہ اسلامی عربی، اندر کوٹ، میرٹھ

شرح کا اسلوب

حضرت صدر العلماء علیہ الرحمہ نے اس کتاب میں محققانہ اور عالمانہ اسلوب اختیار فرمایا ہے۔ اور موضوع کا پورا پورا حق ادا فرمایا ہے۔ آپ پہلے نحو میر کی فارسی عبارت کا سلیس، واضح، شستہ اور مطلب خیز ترجمہ فرماتے ہیں، جس میں محاورے کی رعایت کے ساتھ الفاظ سے ترجمے کا رشتہ ٹوٹنے نہیں پاتا۔ پھر کبھی سوال و جواب کے انداز میں اور کبھی یونہی عبارت متن کی شاندار علمی اور تحقیقی تشریح فرماتے ہیں، اس کے بعد عربی جملوں کی ترکیب نحوی کی منزل آتی ہے تو آپ ایسی چشم کشا اور تحقیقی ترکیب فرماتے ہیں کہ دم زدن میں علم نحو کے ہفت کشور کی سیر کراتے ہوئے منزل مقصود تک پہونچا دیتے ہیں پھر تنبیہ کا عنوان قائم کر کے دیوبندی شارحین کی فنی لغزشوں پر ایسی علمی گرفت فرماتے ہیں کہ ان کی نحودانی کے سارے تار و پود بکھرتے ہوئے نظر آتے ہیں، اور ان کے علم وفن کا شیش محل چکنا چور ہوتا ہوا محسوس ہوتا ہے۔ اس ضمن میں ایسی بصیرت افروز نکتہ سنجی فرماتے ہیں کہ قارئین عش عش کہہ اٹھتے ہیں اور ان کے قلب و ذہن میں یہ حقیقت جاگزیں ہو جاتی ہے کہ آج تک دیگر علوم و فنون کی طرح علم نحو کی وراثت علمی بھی انہیں علمائے ربانیین کے پاس ہے جو اہل سنت و جماعت کے علماء ہیں اور روح علم سے صحیح معنوں میں یہی حضرات آشنا ہیں۔ حقیقت بھی یہ ہی ہے کہ روح علم کا اجتماع بدعقیدگی، کج فکری، اور ضلالت و گمراہی کے ساتھ کبھی نہیں ہو سکتا، سچ فرمایا ہے امام محمد بن ادریس شافعی علیہ الرحمۃ والرضوان نے۔

فان العلم نور من اله	و نور الله لا يعطى لعاصى
کیوں کہ علم اللہ تعالیٰ کا نور ہے	اور نور الٰہی کسی عصیاں شعار کو نہیں ملتا

ردوہابیہ

اعیان وہابیہ اور دیابنہ نے شان الوہیت اور شان رسالت میں کھلی گستاخیاں کی ہیں اور ان کے پیروکار انہیں حق پر جانتے، انہیں مومن مانتے، اور افکار و عقائد اور اعمال و احکام میں ان کی پیروی کرتے ہیں۔ اس لئے ان کی پیروی کی نحوست سے یہ بھی روح علم سے محروم ہو گئے۔ اور جا بجا ایسی ایسی ٹھوکریں کھائیں ہیں جن پر طفل مکتب کو بھی بیساختہ ہنسی آجاتی ہے۔ زیر تبصرہ کتاب اگرچہ فن نحو میں ہے مگر حضرت صدر العلماء علیہ الرحمہ نے اس میں بھی دیابنہ اور وہابیہ کا سنجیدہ علمی رد فرمایا ہے۔ اور حقائق واقعیہ کی صحیح ترجمانی فرمائی ہے۔

ذیل میں زیر نظر کتاب ''البشیر'' سے کچھ نمونے پیش کئے جا رہے ہیں، جن سے وہابیہ و دیابنہ کے تعقب میں آپ کے اشہب قلم کی برق رفتاری دیکھنے سے تعلق رکھتی ہے۔

(۱) نحو میر کی شرح لکھنے سے پہلے آپ نے کچھ دیوبندی شروح تلاش کروائیں تلاش بسیار کے بعد

صرف دو شرحیں دست یاب ہوئیں ۔(۱) المصباح المنیر (۲) مہر منیر۔اس تلاش وجستجو کا مقصد صرف یہ تھا کہ انہیں مطالعہ کرنے کے بعد البشیر شرح نحو میر لکھنے کے دوران قارئین کے لئے ان مقامات کی نشان دہی کر دی جائے جہاں ان شارحین کے قلم نے ٹھوکریں کھائی ہیں اور طالبان علوم ومتلاشیان حق کو گمراہ ہونے سے بچایا جائے۔ان کے مطالعے کے بعد آپ کس نتیجے پر پہونچے اسے خود انہیں کی زبان سے سنئے،فرماتے ہیں۔

نحو میر کی شروح صرف دو دستیاب ہوسکیں،اول ''المصباح المنیر '' جس کے ٹائٹل پیج پر لکھا ہے'' تالیف لطیف استاذ العلماء حضرت مولانا سید حسن صاحب ابن امام النحو حضرت مولانا نبیہ حسن صاحب، مدرس دار العلوم دیو بند، دوم ''مہر منیر'' اس کے ٹائٹل پیج پر لکھا ہے۔'' تالیف مولانا عمر احمد عثمانی تھانوی'' اول کا سن اختتام تالیف محرم الحرام ۱۳۷۷ھ ہے، اور دوم کا دس ذی الحجہ ۱۳۶۵ھ ہے جس سے ظاہر ہوتا ہے کہ اول موخر ہے اور دوم مقدم۔دونوں کے مضامین یکساں ہیں حتی کہ الفاظ میں بھی اتحاد۔کہیں کہیں اقل قلیل اختلاف پایا جاتا ہے اس سے یہ بات معلوم ہوتی ہے کہ اول نے دوم کا چربہ اتارا ہے اور دوم کی عبارات بجنسہ نقل کر دی ہیں، بہر کیف دونوں طلبہ کیلئے گمراہی کا پاور ہاؤس ہیں، ان دونوں فاضلان دیو بند کو علم نحو کی ابتدائی کتابوں کے مسائل بھی متحضر نہیں، بلکہ خود نحو میر بھی سمجھنے سے قاصر ہیں، ان دونوں فاضلان دیو بند کا حال یہ ہے کہ مصنف علیہ الرحمہ پر افترا نحویوں کی جانب نسبت ناروا، مسائل کے بیان میں تضاد، نہ نحو میر میں لکھا سمجھے، نہ اپنا لکھا یاد، کتابی مثالوں کے ترجمے غلط سلط، خود ساختہ مثالوں میں شطط بر شطط ، اصطلاحات پر وقوف ناتمام، اور ترکیب میں تو خام در خام، یہ ہیں نحو میر کی شروح یا دیوبندی قروح، نعوذ باللہ السبوح، انہیں وجوہ بالا کی بناء پر دونوں صاحبان سے یہ اغلاط کثیرہ صادر ہوئے جن کی تعداد سینکڑوں تک پہونچتی ہے، ہم نے صرف ان اغلاط کو بعنوان ''تنبیہ'' بیان کیا ہے۔،جن کو مبتدی طلبہ بخوبی سمجھ لیں اور ان دونوں شروح سے محفوظ ہو جائیں۔

(مقدمۂ البشیر ص ۸)

اب چشمان بصیرت سے اس مدعا کے دوسرے دلائل وشواہد بھی ملاحظہ کیجئے۔

(۲) حضرت صدر العلماء قدس سرہ نے اپنی اس تصنیف میں فاضلان دیو بند کی دونوں شروح سے دوسو ساٹھ اغلاط کی نشان دہی فرمائی ہے۔جب کہ المصباح المنیر کے صفحات ایک سو چونسٹھ اور مہر منیر کے صفحات ایک سو باون ہیں، اس کے باوجود مولانا ہدایت علی صبوحی نے مہر منیر پر تقریظ میں اور کتب خانہ امدادیہ دیو بند نے شرح جامی کی اردو شرح ''مصباح المعانی'' کی پشت پر المصباح المنیر کی تعریف اور اس کی خصوصیات شمار کرنے میں وہ مبالغہ آرائی کی ہے جسے پڑھنے کے بعد متنبی کے مبالغے ہیچ معلوم ہوتے ہیں، حضرت صدر العلماء علیہ الرحمۃ نے ''تحسین ناشناس'' کے عنوان کے تحت ان دونوں کی زبردست علمی تردید فرمائی ہے، لکھتے ہیں۔

''مہر منیر'' پر جناب ادیب اریب تحریر زمانہ فاضل یگانہ مولانا سید ہدایت علی صاحب صبوحی اورینٹل ٹیچر،

پنجابی اسلامیہ ہائر سیکنڈری اسکول دہلی نے تقریظ تحریر فرمائی ہے جس میں بایں طور رقم طراز ہیں کہ ''میں نے زیر نظر شرح کو اکثر مقامات سے دیکھا اور اس کا دوسری شروح سے کہیں کہیں مقابلہ بھی کیا اس لئے میں پورے وثوق کے ساتھ کہہ سکتا ہوں کہ یہ شرح سابقہ شروح پر ایک معتد بہ اضافہ ہی نہیں بلکہ زبان و بیان کے لحاظ سے بھی بدر جہا بہتر ہے۔ دعا ہے کہ مولانا کی سعی مشکور ہو اور خداوند عالم انہیں علمی خدمات کی بیش از بیش توفیق عطا فرمائے۔ آمین۔

اقول: اس زمانے میں یہ دستور عام ہو گیا ہے کہ کتاب پر تقریظ لکھنے والے حضرات کتاب کی تعریف میں محض دوستانہ تعلقات کی بنا پر یا ''من ترا حاجی بگویم تو مرا حاجی بگو'' کے ماتحت خلاف واقع باتیں تحریر فرما دیتے ہیں۔ واقعیت کا انکشاف نہیں فرماتے، چنانچہ صبوحی صاحب بھی تقریظ مذکور میں اسی راستے پر گامزن ہوئے ہیں، جس کتاب میں دو سو ساٹھ اغلاط ہوں اس کے اکثر مقامات دیکھنے کے بعد اسکی تعریف میں صبوحی صاحب کے مذکورہ الفاظ تعجب خیز ہیں۔ اگر صبوحی صاحب علم نحو سے واقف نہیں تو یہ الفاظ از قبیل ''تحسین ناشناس'' ہوئے اور اگر واقف ہیں اور اغلاط پر مطلع ہونے کے باوجود یہ تقریظ تحریر فرما دی تو مذکورہ بالا دو وجہ میں سے کسی ایک پر مبنی، علاوہ ازیں، یہ شرعاً جرم بھی ہے، کہ اس سے ضلالت کو تقویت پہنچی جو ہدایت علی کے مخالف و منافی، آئندہ احتیاط فرمائیں، کافی در کافی اور المصباح المنیر کی تعریف میں تو کتب خانہ امدادیہ نے ''مصباح المعانی شرح اردو ملا جامی'' کے آخر میں وہ تعلیاں کی ہیں، جو ایک تاجر اپنے مال کی نکاسی اور اپنی تجارت کو فروغ دینے کے لئے کیا کرتا ہے، اس شرح کی بارہ خصوصیات بیان کی ہیں جن میں اکثر و بیشتر کو واقعیت سے اصلاً تعلق نہیں، جو شرح ڈھائی سو سے زیادہ اغلاط پر مشتمل ہو اس سے طلبہ کو علم نحو کی پوری واقفیت ہوگی یا قعر ضلالت میں گریں گے۔ ہماری تنبیہات مطالعہ کرنے کے بعد ہر نحوداں انصاف پسند پکار اٹھے گا کہ ان دونوں کی تعریف و توصیف میں جو کچھ لکھا گیا ہے وہ از قبیل ''تحسین ناشناس'' ہے یا دوستانہ تعلقات پر مبنی اور تاجرانہ مفاد پر محصور ان دونوں کا ''المصباح المنیر اور مہر منیر کیساتھ تسمیہ از قبیل ''برعکس نہند نام زنگی کافور''

(مقدمۂ البشیر ص ۱۶/۱۷)

(۳) دیوبندی سوسائٹی میں اس وقت یہ وبا پھیلی ہوئی ہے کہ اللہ تعالیٰ کا ذکر صیغہ جمع سے کیا جاتا ہے۔ مثلاً اللہ صاحب فرماتے ہیں، اللہ میاں حکم دیتے ہیں، اللہ صاحب اس کام سے ناراض ہوتے ہیں، اور عوام تو عوام خواص بھی اس بلا میں پوری طرح گرفتار ہیں، بسم اللہ الرحمٰن الرحیم'' کا ترجمہ یوں کیا جاتا ہے ''شروع کرتا ہوں میں اللہ کے نام سے جو بہت مہربان اور نہایت رحم والے ہیں'' (مہر منیر ص ۷)

حضرت صدر العلماء علیہ الرحمہ اس بدعت سیئہ کا رد بلیغ فرماتے ہوئے رقم طراز ہیں:

''خود اللہ تعالیٰ نے اپنے حق میں صیغہ واحد استعمال کرنے کی سورہ فاتحہ میں بندوں کو تعلیم فرمائی کہ

یوں کہو۔ ''ایاک نعبد و ایاک نستعین'' اس میں ''ایاك'' صیغہ واحد ہے جس کا مخاطب خداوند قدوس ہے۔ پھر فرمایا یوں کہو۔ اھدنا الصراط المستقیم'' اس میں بھی ''اھد'' واحد کا صیغہ ہے جس کا مخاطب اللہ عزوجل، اللہ تعالیٰ نے اپنے حبیب ﷺ سے فرمایا ''قل رب زدنی علما'' اس میں بھی ''زد'' واحد کا صیغہ ہے اور مخاطب اللہ تعالیٰ، انبیائے کرام علیہم الصلاۃ والسلام نے جب بھی اللہ عزوجل کا ذکر کیا تو اس کیلئے واحد کا صیغہ استعمال کیا ہے، پورے قرآن پاک اور تمام احادیث میں واحد ہی کا صیغہ وارد ہے۔ حضرت آدم، حضرت نوح، حضرت عیسی، علیہم السلام اور خود محبوب کبریا ﷺ نے اللہ تعالیٰ کو واحد کے صیغہ سے ہی یاد کیا ہے۔ بلکہ تمام صحابہ، تابعین، تبع تابعین، ائمہ مجتہدین، حتی کہ علمائے شریعت بلکہ عام مومنین بھی صیغہ واحد استعمال کرتے رہے۔ یہاں تک کہ جب مولوی اسماعیل صاحب دہلوی کا زمانہ آیا جنہوں نے دشمن اسلام انگریز سے ساز باز کر کے افغانی مسلمانوں پر جہاد کیا تھا اور اسی میں مارے گئے تھے، تو انہوں نے ابن سبا یہودی کے مشن کے ایما پر جناب باری عز اسمہ کے حق میں صیغہ جمع استعمال کرنا شروع کیا۔ مشن مذکور کا مقصد یہ تھا کہ ایک دو صدی گزرنے کے بعد مسلمانوں کو توحید سے بایں طور ہٹایا جاسکے گا کہ قرآن کے ترجمے میں علمائے اسلام نے اللہ تعالیٰ کے لئے لفظ ''ہیں'' استعمال کیا ہے جو صیغہ جمع ہے تو قرآن سے ثابت ہوا کہ خدا چند ہیں، خدا ایک ہوتا تو ترجمہ میں ایک کے لئے ''ہیں'' استعمال نہ کرتے، کیوں کہ ایک کے لئے تو ''ہے'' استعمال کیا جاتا ہے۔ آتش پرست دو خدا مانتے ہیں، ایک خالق خیر اور ایک خالق شر، وہ بھی اسی دلیل سے مسلمانوں کے دل سے عقیدہ توحید نکال سکیں گے، کہ علمائے اسلام نے قرآن کے ترجمے میں خدا کے لئے لفظ ''ہیں'' استعمال کیا ہے۔ جو ایک کے لئے نہیں آتا، بلکہ دو یا زیادہ کے واسطے استعمال ہوتا ہے۔ تو کم سے کم خدا دو ہیں۔ اگر ایک ہوتا تو لفظ ''ہیں'' کے ساتھ ترجمہ نہ کرتے، پس معلوم ہوا کہ وہ بھی کم سے کم دو خدا مانتے تھے، اور ان کے نزدیک قرآن سے یہی ثابت تھا، انہی مولوی اسماعیل صاحب دہلوی کی اتباع میں دیوبندی مولوی صاحبان لفظ ''ہیں'' استعمال کرتے ہیں، اور عوام کو بھی اس کی تعلیم دی جاتی ہے، چنانچہ عوام میں بھی یہ وبا پھیلتی جارہی ہے، لیکن تعجب بالائے تعجب یہ ہے کہ جملہ اختلافی مسائل جیسے میلاد شریف، قیام، تیجہ، دسواں، بیسواں، چہلم، وغیرہ کو یہ حضرات اس لئے بدعت کہتے ہیں کہ یہ امور قرون ثلثہ یعنی صحابہ، تابعین، تبع تابعین کے زمانہ میں نہ تھے، تو جناب باری عز اسمہ کے حق میں صیغہ جمع کے استعمال کو بھی بدعت کہنا چاہیے کیونکہ یہ بھی تو قرون ثلثہ میں نہ تھا، بلکہ اس کو ''ڈبل بدعت'' کہنا چاہیے، کہ یہ تو قرون ثلثہ کے عمل کے خلاف ہے کہ انہوں نے صیغہ واحد استعمال کیا ہے نہ صیغہ جمع، اس استعمال میں یہ لوگ آنکھ میچ کر مولوی اسماعیل دہلوی کے مقلد ہیں بلکہ قرون ثلثہ سے پہلے انبیائے کرام کے بھی خلاف ہے کہ حضرت آدم کے زمانے سے عہد نبوی تک جملہ انبیائے کرام صیغہ واحد استعمال فرماتے رہے۔ اور قرون ثلثہ کے بعد سے، بجز مولوی اسماعیل صاحب اور ان کے مقلدین، اب تک جملہ محدثین، تمام مجتہدین، کل اولیا، سب علماء،

حتی کہ عام مسلمین نے بھی صیغہ واحد استعمال کیا اور کر رہے ہیں، نظر برآں ثابت ہوا کہ جناب باری عز اسمہ کے حق میں صیغہ جمع استعمال کرنا مہابدعت ہے، ہاں قرآن پاک کی صرف ایک سورہ مومنون میں اللہ عزوجل کے حق میں جمع کا صیغہ آیا ہے۔ یعنی "رب ارجعون" میں "ارجعوا" صیغہ جمع ہے اور مخاطب اللہ تعالیٰ لیکن یہ کافر کی زبان سے ہے مومن کی زبان سے نہیں، مسلمان کی یہ شان نہیں کہ کافر کی اتباع کرے اور انبیاء ملائکہ اولیا، صحابہ مجتہدین، محدثین کی اتباع چھوڑ دے۔ اور الٰہی تعلیم کردہ صیغہ واحد اختیار نہ کرے۔ استعمال کرنے والے حضرات یہ وجہ بیان فرماتے ہیں کہ صیغہ جمع استعمال کرنے میں تعظیم ہے جس کو ہر عام ذہن بآسانی قبول کر لیتا ہے۔ لیکن یہ وجہ وسوسہ سے زیادہ حیثیت نہیں رکھتی، ہم پوچھتے ہیں کہ باری عز اسمہ کیلئے صیغہ واحد استعمال کرنے میں تعظیم ہے یا نہیں۔ اگر کہیے کہ نہیں تو لازم آتا ہے کہ باری تعالیٰ نے بندوں کو سورہ فاتحہ میں ایسے صیغے سے خطاب کرنے کی تعلیم دی جس میں تعظیم نہیں۔ اور تعظیمی صیغہ ترک فرمادیا۔ اور انبیائے کرام وغیرہ حضرات عمر بھر اس کو ایسے صیغے سے یاد کرتے رہے جس میں تعظیم نہ تھی، دراں حالیکہ تعظیمی صیغہ موجود تھا اور یہ لازم باطل ہے اور اگر کہیے کہ صیغہ واحد میں بھی تعظیم ہے تو تین حال سے خالی نہیں، برابر ہے، یا کم یا زیادہ، اگر برابر ہے تو تعلیم الٰہی کے متعلق بصیغۂ واحد ہونے اور انبیائے کرام وغیرہ کے صیغہ واحد اختیار فرمانے سے صیغہ واحد راجح ہوا اور صیغہ جمع مرجوح، عاقل کی شان نہیں، کہ مرجوح اختیار کرے، اور راجح کو ترک کردے، اور اگر کم ہے تو لازم آیا کہ کم تعظیمی صیغہ کے ساتھ خطاب کرنے کی تعلیم دی گئی اور انبیائے کرام وغیرہ حضرات تمام عمر کم تعظیمی صیغہ کے ساتھ خطاب کرتے رہے۔ اور یہ انبیائے کرام کی شان کے لائق نہیں، اور یہ صیغہ استعمال کرنے والے حضرات تعظیم خداوندی بجالانے میں انبیائے کرام سے بڑھ گئے "استغفر اللہ ثم استغفر اللہ" خاکش بدہن، تعظیم خداوندی میں انبیائے کرام کے کوئی برابر نہیں ہوسکتا، چہ جائے کہ بڑھ جائے "وہ پاک ذوات ہم گندہ صفات" چہ نسبت خاک را با عالم پاک" اور اگر صیغہ واحد میں تعظیم زیادہ ہے یا صیغہ واحد ہی میں تعظیم ہے صیغہ جمع میں نہیں تو وہی اختیار کرنا چاہیے تاکہ تعلیم الٰہی کے خلاف نہ ہو اور اپنا عمل انبیائے کرام کے مطابق رہے، اور ان کی سنت کے ترک کا الزام عائد نہ ہونے پائے اور مسلمانوں کو توحید سے برگشتہ کرنے کا خطرہ بھی باقی نہ رہے۔

(البشیر ص ۴ تا ۶)

(۴) صاحب نحو میر نے اسم غیر متمکن کی قسم چہارم کے تحت اسمائے افعال کی دو قسمیں اور ان کے کچھ صیغے شمار کرائے ہیں، اس کی شرح میں المصباح المنیر (ص ۴۰) اور مہر منیر (ص ۴۴) میں قدرے اختلاف لفظی کیساتھ یہ مضمون موجود ہے۔ اور بھی بہت سے اسمائے افعال ہیں جو امر حاضر کے معنوں میں استعمال ہوتے ہیں مثلاً تعال کہ (ائت) تو آ، کے معنی میں ہے۔

اس پر حضرت صدر العلماء کی عالمانہ تنقید اور پھر وہابیت اور دیوبندیت کی تردید کا تیور قابل دید ہے

فرماتے ہیں،

اقول: یہ غلط ہے کہ تعال اسم فعل نہیں بلکہ یہ باب تفاعل سے امر حاضر معروف کا صیغہ واحد مذکر ہے، جس کو بمعنی (ایت) استعمال کرتے ہیں، یہ اصل میں (تعالی) تھا بروزن ''تقابل'' بوجہ وقف اس کا ضمہ گر کر لام ساکن ہو گیا اور اسکی ''یا'' گری تو 'تعال' رہ گیا۔ وقف میں تعال بسکون لام کہتے ہیں، غلط بیانی دیوبندی صاحبان کے یہاں کا براعن کابر چلی آرہی ہے۔ عقائد کے بیان میں غلط بیانی کرتے رہے اور اب لغت وغیرہ میں غلط بیانی شروع کردی، اور دونوں صاحبان کی اردوئے معلّیٰ ملاحظہ ہو کہ فرماتے ہیں، ''امر حاضر کے معنوں میں ''ایسی زبان پر دعوی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے علماء دیوبند سے اردو سیکھی، لکھنؤ کی ٹکسالی زبان چھوڑ کر سیکھنے کے لئے دیوبندکی اردو رہ گئی تھی، جہاں روٹی کو ''رٹی'' اور گاڑی کو ''گڈی'' بولتے ہیں۔

''تف بریں مذہب ناپاک وبریں گندہ خیال''

(ارے بے ادبو! وہ تو اس سیکھنے سے پاک تھے، ان کو سب کچھ اللہ عزوجل نے ہی سکھایا،

تعلیم جبرئیل امیں تھی برائے نام   حضرت وہیں سے آئے تھے لکھے پڑھے ہوئے

ان دیوبندی شروح کو دیکھ کر طلبہ کے علم میں ترقی ہوگی یا جہل میں؟

سچ ہے کہ

بہ ہمی مکتب وہمی ملا   حال طفلاں زبوں شدہ است

(البشیر ص ۵۱،۵۲)

(۵) ندائے یارسول اللہ پر زمانہ خیر القرون سے آج تک خوش عقیدہ مسلمانوں کا عمل رہا ہے، وہ نہ صرف اسے جائز سمجھتے رہے بلکہ مصائب کی گھڑیوں میں اس تعبیر کے ذریعے سے استغاثہ اور خطاب کرکے اپنی مشکلات کے حل کا سامان کرتے رہے۔ مگر اس پر وہابیہ زمانہ اور گروہ دیابنہ کو یہ اعتراض ہے کہ یا صرف ندائے قریب کے لئے ہے تو حضور اقدس ﷺ کو اس کے ذریعے پکارنا، اور یارسول اللہ ﷺ کہنا بے جا، غلط اور خلاف اصول ہے، کیوں کہ وہ تو یہاں سے ہزاروں میل کی دوری پر مدینہ منورہ میں ہیں تو 'یا' کے ذریعے ان کو خطاب کرنا اور یارسول اللہ کہنا کیوں کر درست ہو سکتا ہے۔ حضرت صدر العلماء نے حروف ندا کے معانی پر کلام فرماتے ہوئے دیوبندیوں کے اس اعتراض کا جو دنداں شکن تسلی بخش تحقیقی جواب عنایت فرمایا ہے وہ انہیں کا حصہ ہے ملاحظہ ہو۔

''منادی قریب کے لئے ہمزہ مفتوحہ اور 'ای' استعمال کرتے ہیں، اور بعید کیلئے، 'ایا' اور 'ہیا' اور 'یا' عام ہے کہ اس کو قریب اور بعید دونوں کے لئے استعمال کرتے ہیں، اس سے معلوم ہوا کہ بعض دیوبندی مولوی صاحبان کا یہ کہنا باطل ہے کہ ''یا'' صرف قریب کے لئے آتا ہے، اسی واسطے یارسول اللہ کہنا درست نہیں، کہ وہ تو

ہزار ہا میل کے فاصلہ پر مدینہ میں ہیں، باطل اس لئے ٹھہرا کہ نحو میر کی اس تصریح کے خلاف ہے اور خود ان کے پیر دستگیر حقیقت آگاہ حضرت حاجی امداد اللہ شاہ قدس سرہ کے عمل کے بھی مخالف ہے وہ ہندوستان میں رہتے ہوئے ہزار ہا میل کے فاصلے سے بارگاہ رسالت میں عرض کرتے ہیں۔

ذرا چہرے سے پردے کو اٹھاؤ یا رسول اللہ
مجھے دیدار تو اپنا کراؤ یا رسول اللہ

کرو روئے منور سے مری آنکھوں کو نورانی
مجھے فرقت کی ظلمت سے بچاؤ یا رسول اللہ

اٹھا کر زلف اقدس کو ذرا چہرۂ مبارک سے
مجھے دیوانہ اور وحشی بناؤ یا رسول اللہ

شفیع عاصیاں تم ہو وسیلہ بیکساں تم ہو
تمہیں چھوڑ اب کہاں جاؤں بتاؤ یا رسول اللہ

مجھے بھی یاد رکھنا، ہوں تمہارا امت عاصی،
گنہ گاروں کو جب تم بخشواؤ یا رسول اللہ

جہاز امت کا حق نے کر دیا ہے آپ کے ہاتھوں
بس اب چاہو تراؤ یا ڈباؤ یا رسول اللہ

پھنسا ہوں بے طرح گرداب غم میں ناتواں ہو کر
مری کشتی کنارے پر لگاؤ یا رسول اللہ

اگرچہ ہوں میں عصیاں کار پر امید ہے تم سے
کہ پھر مجھ کو مدینے میں بلاؤ یا رسول اللہ

حبیب کبریا تم ہو امام انبیا تم ہو
ہمیں بہر خدا حق سے ملاؤ یا رسول اللہ

خدا کے واسطے رحمت کے پانی سے مرے آکر
تپ ہجراں کی آتش کو بجھاؤ یا رسول اللہ

پھنسا کر اپنے دام عشق میں امداؔد عاجز کو
بس اب قید دو عالم سے چھڑاؤ یا رسول اللہ

لیکن دیوبندی صاحبان اپنے پیر دستگیر سے منحرف ہیں اور ان کی جناب میں گستاخ کما ذکرنا فی بشیر القاری اسی واسطے مذہبی، سیاسی اور علمی ہر میدان میں رسوائی نصیب ہورہی ہے۔

(البشیر ص ۱۲۲، ۱۲۳)

(۶) افعال ناقصہ میں ایک فعل 'عاد' ہے جو فعل تام کے طور پر بھی استعمال ہوتا ہے، فعل ناقص ہونے کی صورت میں 'صار' کے معنی میں آتا ہے، اور فعل تام ہونے کی صورت میں "رجع" کا معنی دیتا ہے، دونوں معنوں میں زمین وآسمان کا فرق ہے، قرآن کریم میں بھی یہ فعل وارد ہوا ہے، اب اگر اس کا ترجمہ کرتے وقت مذکورہ بالا فرق کو نظر انداز کر دیا جائے تو آیت کا مفہوم کیا سے کیا ہو جائے گا، بہت سے اردو مترجمین کے سامنے یہ فرق نہ رہا اور اس پر مرتب ہونے والے اثر تک ان کی نگاہیں نہ پہنچیں جس کی بنا پر انہوں نے ترجمہ میں سخت ٹھوکر کھائی، اور ایسا ترجمہ کر گئے جو روح قرآن سے کسی طرح ہم آہنگ نہیں۔

حضرت صدر العلماء قدس سرہ نے افعال ناقصہ کی بحث میں لفظ "عاد" کی تشریح کرتے ہوئے ایسے مترجمین کی خوب خبر لی ہے، اور علمی گرفت فرما کر ان کا سارا پانی اتار لیا ہے، اس ضمن میں ان کے رہوار قلم کی برق رفتاری دیکھنے کے لائق ہے۔ فرماتے ہیں۔

"عاد"، فعل ناقص بمعنی، صار آتا ہے، جیسے، صار زید غنیا" زید مالدار ہو گیا۔ اور فعل تام بھی ہے بمعنی "رجع" جیسے "عاد زید" زید لوٹ گیا۔ آیہ کریمہ

" وَقَالَ الَّذِیْنَ کَفَرُوْا لِرُسُلِهِمْ لَنُخْرِجَنَّكُمْ مِّنْ اَرْضِنَآ اَوْ لَتَعُوْدُنَّ فِیْ مِلَّتِنَا، میں 'لتعودن' مضارع اسی "عاد" ناقص کا ہے۔ دیوبندی امت کے حکیم معنوی حضرت مولانا اشرفعلی صاحب تھانوی اور ہندی دیوبندی صاحبان کے شیخ الہند مولانا محمود الحسن صاحب سابق صدر المدرسین دار العلوم دیوبند وغیرہ قرآن کریم کا اردو ترجمہ کرنے والوں سے اس مقام پر خطائے عظیم صادر ہوئی۔ کہ اس "لتعودن" کو "عاد" فعل تام کا مضارع سمجھ کر فعل تام کا ترجمہ کر گئے، جس سے رسولوں پر کفر کی تہمت لگ گئی، حالانکہ یہ پاک ہستیاں کفر سے اجماعا منزہ ہوتی ہیں، چنانچہ ملاحظہ ہو تھانوی صاحب کا ترجمہ یہ ہے "وہ اور ان کفار نے اپنے رسولوں سے کہا کہ ہم تم کو اپنی زمین سے نکال دیں گے یا یہ ہو کہ تم ہمارے مذہب میں پھر آجاؤ۔ اس پھر آجاؤ سے یہی مفہوم ہوتا ہے کہ وہ رسول پہلے کفار کے مذہب پر تھے، اور ان کا مذہب کفری تھا، العیاذ باللہ۔

"تف بریں ترجمہ ناپاک وبریں گندہ خیال"

اور دیوبندی شیخ الہند صاحب، کا ترجمہ یہ ہے کہ اور کہا کافروں نے اپنے رسولوں کو کہ ہم نکال دیں گے، تم کو اپنی زمیں سے یا لوٹ آؤ ہمارے دین میں" اس لوٹ آؤ سے بھی یہی مفہوم تو ہوا کہ رسول پہلے ان کے دین میں تھے، اور ان کا دین کفری تھا، تو رسول پہلے کفری دین میں تھے۔ معاذ اللہ۔

خاکش بدہن

یہ خطائے عظیم ان سے کیوں سرزد ہوئی؟ اسلئے کہ ان حضرات کو نحو میر مستحضر نہ تھی، نیز یہ صاحبان، رسول کو اپنا جیسا بشر سمجھتے تھے، جیسے کہ کافروں کا بھی یہی عقیدہ تھا، صحیح ترجمہ وہ ہے جو مجدد ماۂ حاضرہ موید ملت طاہرہ اعلیٰ حضرت عظیم البرکت مولانا شاہ احمد رضا خان بریلوی قدس سرہ القوی نے فرمایا وہ یہ ہے۔

اور کافروں نے اپنے رسولوں سے کہا ہم تمہیں ضرور اپنی زمین سے نکال دیں گے یا تم ہمارے دین پر ہو جاؤ۔

(البشیر ص۱۷۲/۱۷۳)

(۷) سارے نحویوں کا اس بات پر اجماع ہے کہ مبتدا خبر سے ملکر جملہ اسمیہ ہوتا ہے، اور یہ وہ مسلمہ نحوی قانون ہے جس میں آج تک کسی نحوی کا اختلاف نہیں، البتہ المصباح المنیر (۱۱۸/۱۱۹) اور مہر منیر، (ص۱۰۹/۱۱۰) پر "نعم الرجل زید" کی ترکیب میں متبدا خبر کے مجموعہ کو جملہ فعلیہ انشائیہ قرار دیا گیا ہے۔ جس پر حضرت صدر العلماء کا قلم جوش میں آتا ہے، اور متعدد علمی وفنی وجوہ سے اس پر کلام فرمانے کے بعد رقم طراز ہیں:

"غرض کہ مبتدا خبر کو ملا کر جملہ فعلیہ کہنا ایسی غلط بیانی ہے جو دیوبندی صاحبان کے سوا کسی اور سے نہیں سنی گئی، نہ اس دور میں نہ سنین ماضیہ میں۔ اب ناظرین خود غور کریں کہ یہ ہر دو فاضلان دیوبند حدیث ذیل کی زد میں آتے ہیں یا نہیں۔

﴿یکون فی آخر الزمان د جالون کذا بون یاتونکم من الاحادیث بمالم تسمعوا انتم ولا ابائکم فایاکم و ایاھم لا یضلونکم ولا یفتنونکم﴾

ترجمہ۔ آخری زمانے میں دھوکے باز غلط بیانی کرنے والے ہوں گے، تمہارے پاس ایسی باتیں لائیں گے جو تم نے سنیں نہ تمہارے آباء نے، تو تم اپنے آپ کو ان سے دور رکھنا، اور ان کو اپنے آپ سے۔ وہ تمہیں گمراہ نہ کردیں اور تمہیں فتنے میں نہ ڈال دیں۔ (البشیر ص۱۸۱)

نحوی بصیرت

حضرت صدر العلماء قدس سرہ جملہ علوم متداولہ وفنون مروجہ میں مہارت کے ساتھ علم نحو میں ناقدانہ بصیرت اور مجتہدانہ شان رکھتے تھے، علم نحو میں آپ کی تصانیف اس دعوی پر شاہد عدل ہیں، فقیر راقم السطور نے آپ کی نحوی تصنیفات میں بشیر الناجیہ شرح کافیہ، بشیر الکامل شرح شرح مائۃ عامل اور البشیر شرح نحو میر کا مطالعہ کیا تو جا بجا ان کے سپہر قرطاس پر آپ کی فنی بصیرت کے ماہ ونجوم جگمگاتے پائے۔ اس فن میں آپ کی تحریریں نہ صرف تحقیقی بلکہ بصیرت افروز پائیں۔ اس وقت میرا موضوع سخن صرف "البشیر شرح نحو میر" کے مختلف گوشوں پر

گفتگو کرنا ہے اس لئے اسی کتاب سے چند شواہد ہدیہ ناظرین کرتا ہوں۔ تاکہ میرے ساتھ وہ بھی آپ کے فکر و فن کے گلشن کی کچھ سیر کرلیں۔ اور اس کی بہاروں سے فرحت قلب وذہن کا سامان کرلیں۔

(۱) صاحب نحو میر علامہ سید شریف جرجانی رحمۃ اللہ علیہ نے توابع کی پانچویں قسم عطف بیان کی مثال میں "اقسم باللہ ابو حفص عمر" پیش فرمایا ہے جو ایک اعرابی کے اشعار کا ایک مصرع ہے۔ واقعہ یہ ہے کہ ایک اعرابی خلیفہ دوم سیدنا فاروق اعظم عمر بن خطاب رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی خدمت میں حاضر ہوا اور یہ کہہ کر سواری طلب کرنے لگا کہ میری اونٹنی لاغر ہے، اس کے سم گھس گئے ہیں، اور پشت زخمی ہوگئی ہے، آپ نے اس کے اس بیان کو غلط سمجھ کر فرمایا، بخدا تیری اونٹنی کے نہ سم گھسے ہیں نہ پشت زخمی ہوئی ہے، اپنی اونٹنی پر سوار ہو کر جا، تجھے ہم سے سواری طلب کرنے کی ضرورت نہیں ہے، وہ اعرابی مایوس ہو کر واپس چلا گیا، راستے میں اپنی اونٹنی کے پیچھے پیچھے چلتے ہوئے کہنے لگا،

اقسم بالله ابو حفص عمر ما مسها نقب ولا دبر

اغفر له اللهم ان كان فجر

یعنی ابو حفص عمر نے اللہ کی قسم کھائی کہ نہ اونٹنی کے سم گھسے ہیں نہ پشت زخمی ہوئی ہے، اے اللہ ان کی مغفرت فرما، اگر ان کی قسم غلط بات پر ہو،

سامنے سے حضرت فاروق اعظم تشریف لا رہے تھے، جب اس کا یہ قول سنتے 'اغفرله ان كان فجر' تو فرماتے، اللهم صدق صدق "یعنی اے اللہ بیان مذکور میں اس کے صدق کو ظاہر فرمادے۔ یہاں تک کہ آپ اس اعرابی تک پہنچ گئے تو آپ نے حکم دیا، اپنی اونٹنی سے سامان اتارو، جب سامان اترا تو دیکھا کہ پشت زخمی ہے اور اونٹنی لاغر ہے۔ یہ دیکھ کر آپ نے اسے سواری بھی عنایت فرمائی اور زاد راہ بھی دیا اور کپڑے بھی مرحمت فرمائے۔

مہر منیر اور المصباح المنیر کے مولفین نے "اغفر له اللهم ان كان فجر" کا ترجمہ کیا ہے، خدایا ان کو بخش دے اگر انہوں نے جھوٹی قسم کھائی ہو۔ اس پر حضرت صدر العلماء قدس سرہ نے جو تنقید فرمائی ہے اس سے آپ کی فنی گہرائی اور نحوی بصیرت اور سوجھ بوجھ کا اندازہ ہوتا ہے۔ ریمارک انہیں کے الفاظ میں ملاحظہ فرمایئے، لکھتے ہیں:

"یہ ترجمہ یہاں پر غیر مناسب ہے کہ قسم جھوٹی نہیں ہوتی، وجہ یہ ہے کہ قسم جملہ انشائیہ ہوتی ہے اور جملہ انشائیہ میں نہ صدق کا احتمال ہوتا ہے نہ کذب کا، مصنف علیہ الرحمہ شروع نحو میر میں بیان فرما چکے ہیں کہ قسم جملہ انشائیہ کی قسم ہے، کہنا یوں تھا، اگر انھوں نے جھوٹ پر قسم کھائی ہو، کیوں کہ قسم جواب قسم پر کھائی جاتی ہے وہ جھوٹا ہوسکتا ہے بشرطیکہ جملہ خبریہ ہو۔

مگر یہ فاضلان دیوبند امکان کذب کے قائل ہو کر جھوٹ سے اتنے مانوس ہو گئے ہیں کہ جس میں جھوٹ کی صلاحیت ہی نہیں ہوتی اس کی جانب بھی جھوٹ منسوب کر دیتے ہیں۔ (ص ۲۳۱)

مذکورہ بالا اقتباس میں آپ کی فنی دسترس، ناقدانہ بصیرت اور علمی گہرائی و گیرائی کا جوہر پورے کمال کے ساتھ درخشاں نظر آتا ہے۔ اور اس سے واضح ہو جاتا ہے کہ آپ کا قلب و دماغ فن نحو کی روح سے کامل طور پر آشنا تھا، قارئین کرام اس اقتباس کے آخری خط کشیدہ جملے پر غور کریں تو محسوس ہوگا کہ آپ بہترین طنز نگار بھی تھے، اور اس فن میں بھی آپ کا پایہ بہت بلند تھا۔

(۲) صاحب نحو میر نے عطف بیان کی دوسری مثال "جاء نی زید ابو عمرو" سے دی ہے۔ اس جملہ کی ترکیب نحوی کرتے ہوئے صاحب مہر منیر نے ص ۱۳۵ اور صاحب المصباح المنیر نے ۱۴۶ پر "ابو عمرو" کو مرکب اضافی قرار دیا ہے، اس پر حضرت صدر العلماء کے ناقدانہ ریمارک کو دیکھ کر ان کی فنی عظمتوں اور فکری شعور کو سلام عقیدت پیش کرنے کو جی چاہتا ہے، فرماتے ہیں:۔

''پھر دونوں نے مذکورہ صفحات پر مثال ثانی کی ترکیب میں "ابو عمرو" کو مرکب اضافی قرار دیا ہے۔ یہ بھی غلط ہے کیوں کہ "ابو عمر" کنیت ہے اور کنیت علم کی قسم ہے اور علم معرفہ کی قسم ہے، اور معرفہ اسم کی قسم ہے اور اسم کلمہ کی قسم ہے، اور کلمہ میں افراد معتبر ہے تو کلمہ مفرد ہوا، پس اس کی قسم اسم بھی مفرد اور اس کی قسم معرفہ بھی مفرد، اور معرفہ کی قسم علم بھی مفرد، اور علم کی قسم کنیت بھی مفرد، لہٰذا مرکب اضافی کہنا باطل ہوا۔ اتنا بھی نہ سوچا کہ مرکب اضافی کا جز معنی مقصود کے جز پر دلالت کیا کرتا ہے، ورنہ وہ سرے سے مرکب ہی نہ ہوگا۔ کہ مرکب میں جز ولفظ کی دلالت جز و معنی مقصود پر معتبر ہے۔ جس کو مبتدی طلبہ بھی جانتے ہیں۔ اب یہ فاضلان دیوبند بتائیں کہ بحالت کنیت، "ابو عمرو'' اگر مرکب اضافی ہے اور اس کے جز دو ہی ہیں "ابو" اور "عمرو" تو "ابو'' معنی مقصود کے کون سے جز پر دلالت کرتا ہے اور ''عمرو'' کون سے جز پر؟ سچ ہے کہ

یہ ہمی مکتب وہمیں ملا کار طفلاں زبوں شدہ است

(ص ۲۳۲)

(۳) علامہ سید شریف جرجانی رحمۃ اللہ علیہ صاحب نحو میر افعال تعجب کے بیان میں لکھتے ہیں کہ افعال تعجب کے دو صیغے ہوتے ہیں، (۱) ما افعله (۲) افعل به ۔جیسے احسن بزید۔ پھر دوسرے صیغے کے بارے میں لکھتے ہیں

''صیغہ امر است بمعنی خبر، تقدیرش احسن زید ای صار ذاحسن۔

ترجمہ۔ یہ امر کا صیغہ ہے خبر (یعنی ماضی) کے معنی میں، اس کی اصل ہے، احسن زید بمعنی صار ذا حسن۔ اس کی تشریح کرتے ہوئے فاضل دیوبند مولانا سید حسن نے المصباح المنیر (ص ۱۲۰) پر لکھا۔ یہ صیغہ اگر چہ امر

حاضر کا ہے مگر معنی کے لحاظ سے ماضی کے معنی دیتا ہے۔ جیسا کہ صاحب نحو میر نے فرمایا کہ احسن بزید معنی میں احسن زید کے ہے۔ لہذا احسن صیغہ امر جملہ انشائیہ احسن فعل ماضی جملہ خبریہ کے معنی دیتا ہے۔"

اس پر حضرت امام النحو قدس سرہ کا قلم حقیقت نگار جوش میں آتا ہے اور صفحات قرطاس پر علم وفن اور تحقیق وتدقیق کے گوہر آب دار بکھیرنے لگتا ہے۔ جس سے فکر وفن کی ظلمتیں کافور اور جہالت وکج فہمی کے اندھیرے دور ہونے لگتے ہیں۔ اور حقانیت وصداقت کا آفتاب اپنی تمام تر تابانیوں کے ساتھ جگمگاتا ہوا نظر آتا ہے۔ ملاحظہ ہووہ بصیرت افروز ناقدانہ ریمارک:۔

"یہ بھی غلط ہے کیوں کہ جب وہ جملہ خبریہ کے معنی دیتا ہے، تو "احسن بزید" جملہ انشائیہ نہ ہوا، حالانکہ مصنف علیہ الرحمہ شروع کتاب میں اس کو جملہ انشائیہ کی مثال میں بیان فرما چکے ہیں۔ اول فاضل دیوبند کی طرح یہ فاضل دیوبند بھی نہیں سمجھے، بات دراصل یہ ہے کہ تعجب اس چیز پر ہوا کرتا ہے جو زمانہ ماضی میں متحقق ہو چکی ہوتی ہے۔ اور مستمر بھی ہوتی ہے۔ کما فی التکملۃ۔ ص ۵۲۶)

نظر برآں اَحسِنْ کو باعتبار اصل بمعنیٰ "اَحسَنَ" لیا گیا تا کہ انشائے تعجب گزشتہ مستمر پر ہو نہ یہ کہ تعجب میں استعمال ہونے کے وقت جملہ خبریہ کے معنی دیتا ہے جیسے کہ یہ فاضل دیوبند سمجھ بیٹھے۔ (البشیر ص ۱۸۴)

ناظرین غور فرمائیں کہ حضرت امام النحو قدس سرہ کے اس بیان میں دقت نظر، باریک بینی ژرف نگاہی کے کتنے آفتاب و ماہتاب ضوفشاں ہیں۔ اور میں سمجھتا ہوں کہ ان کی نحوی بصیرت کے ثبوت میں یہی چند شواہد کافی ووافی ہیں جب کہ پوری کتاب میں اس طرح کے فنی تحقیقات وتدقیقات کے دریا جگہ جگہ موج زن نظر آتے ہیں۔ مگر بخوف طوالت اسی پر اکتفا کرتا ہوں۔

علمی طنز ومزاح

حضرت صدر العلماء کی تحریروں میں علمی تحقیق، فنی تدقیق، فکری شعور، ناقدانہ بصیرت اور عالمانہ ژرف نگاہی کے ساتھ طنز ومزاح کا عنصر بھی ملتا ہے۔ مگر یہ طنز سطحی یا عامیانہ نہیں ہوتا بلکہ اس میں بھی آپ کی عالمانہ شان وشوکت، فاضلانہ آن بان اور محققانہ رعب وجلال کی تابانیاں پورے طور پر جلوہ گر نظر آتی ہیں۔ اور طنز ومزاح کے پیرائے میں بھی گفتگو کرتے وقت کبھی آپ متانت وسنجیدگی کا دامن ہاتھ سے نہیں چھوڑتے۔ جس مسئلے پر بھی آپ کلام فرماتے ہیں، پہلے اس کا حق تحقیق ادا کرتے ہیں، اور اس کے تہہ نشیں اسرار ورموز کو واشگاف کرتے ہیں پھر چند لفظوں میں ایسا طنز فرماتے ہیں کہ اہل فکر وشعور کی محفل قہقہہ زار بن جاتی ہے، ذیل کے نمونوں سے شاید میرے اس مدعا پر کچھ روشنی پڑسکے۔

(۱) ضمیر مرفوع متصل کی صحیح تعریف یہ کہ جو محل رفع میں ہو اور اپنے عامل سے متصل ہو۔ اگر کچھ تفصیل میں جائیں تو یوں کہہ سکتے ہیں کہ یہ ضمیر جب فعل معروف یا اسم فاعل، اسم تفضیل اور صفت مشبہ سے متصل ہو تو

فاعل ہوتی ہے، اور جب فعل مجہول یا اسم مفعول کے ساتھ متصل ہو تو نائب فاعل بنتی ہے۔ خلاصہ یہ ہے کہ یہ کبھی فاعل ہوتی ہے، اور کبھی نائب فاعل۔ مگر مصباح المنیر ص۴۲ پر ضمیر مرفوع متصل کی تعریف یوں کی گئی ہے۔ مرفوع متصل وہ ضمیریں ہیں جو فعل سے ملی ہوئی آتی ہیں۔ اور ہمیشہ فاعل ہوا کرتی ہیں۔ پھر بحث ضمائر کے اختتام پر جلی حروف میں طلبہ کو یہ تاکیدی حکم دیا گیا ہے "ان تعریفات کو خوب زبانی یاد کرلو، جب کہ ص ۳۷ / پر یہ ہے کہ یہ ضمیریں نائب فاعل بھی ہوا کرتی ہیں۔ اس پر حضرت صدر العلماء کے قلم کا تیور اور طنز کا جوہر ملاحظہ ہو، فرماتے ہیں:

اقول: سبحان اللہ! یہ لکھتے وقت پچھلا یاد نہیں رہا، ص ۳۷ / پر لکھ آئے تھے، کہ نائب فاعل بھی ہوا کرتی ہیں، اور یہاں فاعل میں حصر کردیا جو غلط محض ہے، اور بجوائے "کریلے اور نیم چڑھے" اس غلط محض کو زبانی یاد کرنے کی تاکید بھی فرماتے ہیں آہ۔

کس طرح اس نگہ ناز سے جینا ہوگا زہر دے اس پہ یہ تاکید کہ پینا ہوگا

(البشیر ص۴۳)

(۲) اسم ظرف کی دو قسمیں ہیں، اول وہ جو کسی خاص فعل کے زمان یا مکان پر دلالت کرے یہ ثلاثی مجرد سے مفعَل یا مفعِل کے وزن پر آتا ہے۔ جیسے مضرب اس کے معنی ہیں مارنے کی جگہ یا مارنے کا وقت، یہ مبنی نہیں۔ دوم وہ جو کسی خاص فعل کے زمان یا مکان پر دلالت نہ کرے، بلکہ اس کی دلالت مطلقاً زمانہ یا مکان پر ہوتی ہے۔ صاحب نحو میر نے اسم غیر متمکن کی قسم پنجم میں ایسے ہی اسمائے ظروف کو بیان فرمایا ہے جو مبنی ہوتے ہیں۔ پھر ان کی بھی دو قسمیں ہیں۔ اول: زمان، جیسے اذ، اذا، متی، کیف، ایان، امس، مذ منذ، قط، عوض، قبل، بعد، الالت مطلقاً زمانہ یا مکان پر ہوتی ہے صاحب نحو میر نے اسم غیر متمکن کی قسم پنجم میں ایسے ہی اسمائے ظروف کو بیان فرمایا ہے جو مبنی ن میں اخیر کے دونوں ظروف اس وقت مبنی ہوتے ہیں جب جبکہ یہ مضاف ہوں اور مضاف الیہ محذوف منوی ہو۔ دوم ظروف مکان، جیسے حیث، وقدام، تحت، وفوق، ان میں بھی اخیر کے تینوں ظروف اسی وقت مبنی ہوتے ہیں جب کہ یہ مضاف ہوں اور مضاف الیہ محذوف منوی ہو، صاحب نحو میر نے اس قید کو ان الفاظ میں بیان فرمایا ہے۔ "وقتیکہ مضاف باشند ومضاف الیہ محذوف منوی باشد۔

فاضل دیوبند مولانا سید حسن نے قسم دوم کی تشریح کرتے ہوئے المصباح المنیر، ص ۵۰) پر لکھ مارا کہ " دوسرے وہ ظروف مکان جو ابہام کے ساتھ مکان پر دلالت کرتے ہیں، وہ سب کے سب مبنی ہوتے ہیں۔

اس پر حضرت صدر العلماء کی علمی تنقید پھر طنز لطیف قابل دید ہے۔ فرماتے ہیں، یہ حکم فی نفسہ بھی غلط ہے، کہ لفظ مکان بھی ظرف مکان ہے اور ابہام کے ساتھ مکان پر دال، پھر بھی مبنی نہیں، قرآن کریم میں ہے: ورفعنٰہ مکانا علیا۔ اور یہ حکم علی الاطلاق بھی غلط، کہ فوق اور تحت اور قدام کا مضاف الیہ اگر مذکور ہو تو مبنی نہیں

ہوتے بلکہ معرب ہوتے ہیں، یہ بات تو اسی نحو میر کے ارشاد، وقتیکہ الخ، سے مستفاد ہوتی ہے، جس کی شرح فرمارہے ہیں، لیکن استفادہ کے لئے جوہر لطیف درکار، اور اس کا یہاں فقدان بسیار"۔

(البشیر ص/۵۶)

(۳) اسم متمکن کی باعتبار وجوہ اعراب سولہ قسمیں ہیں۔ان میں پندرہویں قسم اسم منقوص ہے، صاحب نحو میر حضرت میر قدس سرہ المنیر نے اس کی تعریف یوں فرمائی۔

"اسم منقوص وہ اسم ہے، جس کے آخر یائے ماقبل مکسور ہو۔

لیکن صاحب مہر منیر مولانا عمر احمد عثمانی تھانوی فاضل دیوبند نے اس کی تشریح کرتے ہوئے اس کی تعریف یوں تحریر کی

"اصطلاح میں اس اسم کو کہتے ہیں جس کے آخر میں یائے ساکن ماقبل مکسور ہو" (مہر منیر، ص/۶۸)

اس پر کلام کرتے ہوئے حضرت صدر العلماء پہلے تو تنقید کے ضمن میں تحقیق کے موتی لٹاتے ہیں پھر ایسا لطیف طنز فرماتے ہیں جو انہیں کا حصہ ہے۔ملاحظہ ہو۔

"اقول: یہ غلط ہے اور اصطلاح پر افتراء۔غلط تو اس لئے ہے کہ بحالت نصب جیسے رأیت القاضی میں "القاضی" اسم منقوص ہونے سے نکل گیا، کہ اس میں یائے ساکن نہیں، حالانکہ اسم منقوص ہے۔اور افترا اس لئے کہ نحویوں کی اصطلاح نہیں، یہ ان پر خالص افترا ہے ان کے نزدیک وہی تعریف ہے جو متن میں مذکور ہوئی۔ ساکن کی قید ایجاد بندہ ہے، یا بندی اور بالفاظ دیگر اضافہ دیوبندی، یہی موجب فساد ہوا جیسے نس بندی،

(البشیر۔ص ۹۲)

ناظرین کرام! اس طنز کی لطافت سے ضرور محظوظ ہوئے ہوں گے، اور ان کے ہونٹوں پر مسکراہٹیں ضرور جلوہ ریز ہوئی ہوں گی۔اور ہاں! اس میں نس بندی کا ذکر جمیل بھی صرف تک بندی نہیں بلکہ ایک گزشتہ واقعہ کی طرف تعریض ہے جس کا رشتہ دیوبند کے بام و در سے بڑا مستحکم ہے اس کا اجمالی بیان یہ ہے کہ ۱۹۷۷ء میں ایمرجنسی کے زمانے میں بسلسلہ نس بندی جب کہ اندرا گاندھی کی حکومت کی جانب سے یہ ظلم و بربریت اپنے شباب پر تھی دار العلوم دیوبند سے ایک فتویٰ شائع ہوا جس میں دو آیات قرآنی ذکر کر کے لکھا تھا کہ ان آیات کی رو سے نس بندی حرام و گناہ کبیرہ ہے۔پھر ایک فتویٰ طویل پوسٹر کی شکل میں شائع ہوا جو کشمیر سے طبع ہوا اور میرٹھ و غیرہ متعدد شہروں میں جا بجا دیواروں پر چسپاں کیا گیا، اس پر پچاس ساٹھ علماء کے دستخط تھے، ان میں سرفہرست قاری محمد طیب مہتمم دار العلوم دیوبند کا نام نمایاں حروف میں تھا، اس فتویٰ میں لکھا تھا نس بندی جائز نہیں، پھر مسلم پرسنل لا بورڈ نے ایک دوورقی تحریر شائع کی قاری طیب جس کے صدر تھے، اس میں بھی نس بندی کو ناجائز قرار دیا تھا، مگر پھر قاری طیب نے بیان بدل دیا اس طور پر کہ ان کا ایک بیان ٹیپ کر کے ریڈیو پر نشر کیا گیا جس کو

ہندوستان ہی میں نہیں دنیا بھر کے شہروں قصبوں اور دیہاتوں میں تعلیم یافتہ اور غیر تعلیم یافتہ ہر طبقے نے سنا، بیان کا متن کچھ اس طرح تھا۔

میں علمائے کرام سے درخواست کروں گا کہ اب تک انہوں نے منفی پہلو پر غور فرمایا ہے، اب مثبت پہلو پر بھی غور فرمائیں، یہ مسئلہ اجتہادی ہے۔"

(۴) صاحب نحو میر نے باب سوم میں اسمائے عاملہ کی گیارہ قسمیں بیان فرمائی ہیں اور اس کی چوتھی قسم اسم فاعل کے بارے میں لکھا ہے، کہ یہ حال یا استقبال کے معنی میں ہو کر فعل معروف جیسا عمل کرتا ہے، بشرطیکہ اس کا اعتماد ایسے لفظ پر ہو جو اس سے پہلے ہے اور وہ لفظ یا مبتدا ہو یا موصوف ہو، یا موصول ہو یا ذوالحال ہو، یا وہ ہمزہ استفہام ہو یا حرف نفی ہو۔ اور ہر ایک کی مثالیں بھی دی ہیں۔ ہمزہ استفہام والی صورت کی مثال "اضارب زید عمروا" اور حرف نفی کی مثال 'ما قائم زید' دی ہے۔

المصباح المنیر میں ص ۱۲۵ر پر اور مہر منیر، ص ۱۱۶ر پر " اضا رب زید عمروا "کو شبہ جملہ انشائیہ اور " ما قائم " زید کو شبہ جملہ خبریہ قرار دیا ہے، اول کے الفاظ پہلی مثال کے متعلق یہ ہیں۔ یادرکھو کہ یہ اسم فاعل مع فاعل و مفعول بہ جملہ انشائیہ نہیں ہے۔ ہمزہ استفہام کی وجہ سے، بلکہ شبہ جملہ انشائیہ کہلاتا ہے۔" اور دوسری مثال کے متعلق یہ الفاظ ہیں: "اور اسم فاعل مع فاعل، "زید" کے جملہ اسمیہ خبریہ نہیں ہے۔ بلکہ شبہ جملہ اسمیہ خبریہ ہے خوب سمجھ لو۔

اس پر حضرت صدر العلماء کا ناقدانہ ریمارک اور محققانہ تیور طنز آمیز کلام قابل دید ہے۔ فرماتے ہیں: یہ بھی بدو وجہ غلط ہے۔

اولاً: اس لئے کہ کسی نحوی نے شبہ جملہ نہیں کہا، اور کہتے بھی کیسے، شبہ جملہ مفید نہیں ہوتا، کیوں کہ اس میں نسبت تامہ نہیں ہوتی، اور یہ دونوں مفید ہیں کہ پہلی مثال سے طلب مفہوم ہوتی ہے، اور دوسری سے خبر، البتہ ان کے جملہ اسمیہ اور فعلیہ ہونے میں اختلاف ہے، جمہور کا مسلک ہے کہ دونوں جملہ اسمیہ ہیں۔

(کمافی الفوائد الشافیہ۔ ص ۵۶ر)

ثانیا: اس لئے کہ یہ کہنا، بلکہ شبہ جملہ انشائیہ کہلاتا ہے،۔ اس سے اگر یہ مراد ہے کہ نحویوں کے مسلک میں شبہ جملہ کہلاتا ہے۔ تو یہ نحویوں پر افترا ہوا اور ان کی توہین بھی، افترا اس لئے کہ وہ شبہ جملہ نہیں کہتے، بلکہ جملہ کہتے ہیں، کمامر، اور توہین اس لئے کہ سلیم العقل کی جانب غلط بات کی نسبت اس کی توہین ہوتی ہے، اور اگر یہ مراد ہے کہ دیوبندی مسلک میں شبہ جملہ کہلاتا ہے تو اس پر اتنی گزارش ہے کہ یہ کتاب نحوی مسلک کو بیان کرنے کے لئے ہے نہ کہ دیوبندی مسلک کو، نظر برآں اس دیوبندی مسلک کا بیان یہاں درست نہیں، اس کا بیان تو ان کتابوں میں مناسب ہے جن میں مصنفین دیوبندی مسلک بیان کیا کرتے ہیں، جیسے ہندوستانی دیوبندی

صاحبان کے شیخ الہند حضرت مولانا محمود الحسن صاحب سابق صدر المدرسین دار العلوم دیوبند نے "جهد المقل" میں دیوبندی مسلک یہ بیان کیا کہ اللہ تعالیٰ جملہ قبائح کے ساتھ متصف ہوسکتا ہے۔ یعنی جھوٹ بول سکتا ہے۔ زنا کر سکتا ہے۔ خودکشی کر سکتا ہے، کہ یہ سب قبائح ہیں۔ العیاذ باللہ تعالیٰ۔ اور مولانا خلیل احمد صاحب صدر المدرسین مدرسہ مظاہر علوم، سہارنپور نے، براہین قاطعہ، میں یہ دیوبندی مسلک بیان کیا ہے کہ صاحب لولاک رسول پاک علیہ السلام سے شیطان کا علم زیادہ ہے۔ معاذ اللہ، سچ ہے۔ کہ

بہ ہمیں مکتب و ہمیں ملا — حال طفلاں زبوں شدہ است

(البشیر، ص ۱۹۴م ۱۹۵)

(۵) صاحب نحو میر نے خاتمہ کتاب کی فصل سوم حروف غیر عاملہ کو بیان کرنے کے لئے باندھی ہے، اس کی تیرہویں قسم حرف ''لولا'' ہے یہ حرف دو جملوں پر داخل ہوتا ہے، نحوی دوسرے جملہ کو جواب 'لولا' کہتے ہیں، چونکہ یہ حرف شرط نہیں ہے۔ اس لئے پہلے جملے کو شرط نہیں کہتے ہیں، یہ اس پر دلالت کرتا ہے کہ دوسرے جملے کا مضمون پہلے جملے کے مضمون کے پائے جانے کے سبب منتفی ہوگیا، جیسے لو لا علی لهلك عمر۔

جب کہ المصباح المنیر، ص ۱۵۶، میں اور مہر منیر ص ۱۵۶ میں ہے:۔ قوله لولا :یہ بھی حروف شرط میں سے ہے۔

حضرت صدر العلماء اس پر تبصرہ فرماتے ہوئے طنزیہ لہجے میں فرماتے ہیں۔

اقول: لا حول ولا قوة ، تم بھی کوئی انسان ہو، تصنیف شرح اور تم لا حول ولا قوة

یہ غلط فاحش ہے ان فاضلان دیوبند کو علم نحو سے دور کا بھی تعلق نہیں، اگر شرط کے اصطلاحی معنی جانتے تو ہرگز یہ نہ کہتے کہ "لولا" بھی حروف شرط سے ہے۔ بلکہ اتنی سمجھ بھی نہیں کہ اگر لولا حروف شرط سے ہوتا تو مصنف علیہ الرحمہ حروف شرط میں بیان فرماتے، جن کا تذکرہ کچھ دور نہیں گزرا، بلکہ اس سے پہلے بلا فصل وہی مذکور ہیں، اس کو علاحدہ بیان کرنے کی کیا ضرورت تھی، لقد صدق ما یقولون۔ ان الدیابنة قوم لا یعقلون۔

(البشیر، ص ۲۶۸)

الفاظ کی تحقیق

حضرت صدر العلماء قدس سرہ نے اپنی تصنیف ''البشیر'' میں الفاظ کے معانی بیان کرنے میں حق تحقیق ادا فرمایا ہے۔ اور الفاظ مشترک کے معنی متعین کرنے میں پوری دیدہ وری اور باریک بینی کا ثبوت دیا ہے۔ جس سے محسوس ہوتا ہے کہ مختلف علوم وفنون کی جامعیت کے ساتھ علم لغت پر بھی آپ کی نظر گہری تھی اور اس میدان میں بھی آپ منفرد محققانہ شان رکھتے تھے، درج ذیل شواہد میرے دعویٰ کے ثبوت کے لئے کافی ہیں۔

(۱) نحو میر میں ہے:

بدانکہ مسند حکم است ومسند الیہ آنچہ بروحکم کنند۔ جان لو کہ مسند حکم ہے اور مسند الیہ وہ جس پر حکم کریں۔

اس عبارت میں دو جگہ لفظ حکم استعمال کیا گیا ہے۔اس کے معنی کی تحقیق کرتے ہوئے آپ رقم طراز ہیں۔

(۱) کبھی حکم کے معنی اسناد آتے ہیں یعنی ایک چیز کو دوسری چیز کی طرف منسوب کرنا، اس طرح کہ سننے والے کو کوئی خبر یا طلب معلوم ہو، اس منسوب کرنے کو نسبت بھی کہتے ہیں تو حکم، اسناد، نسبت، تینوں کے ایک معنی ہیں، اور مذکورہ بالا عبارت ''مسند الیہ آنچہ بروحکم کنند'' میں حکم کے یہی معنی ہیں اور اس کا مطلب یہ ہے کہ مسند الیہ وہ ہے جس کی طرف کسی چیز کو منسوب کریں، اس طرح کہ سننے والے کو کوئی خبر معلوم ہو یا طلب، چونکہ مسند الیہ پر کسی چیز کا حکم ہوتا ہے اس لئے مسند الیہ کو محکوم علیہ بھی کہتے ہیں،

(۲) اور کبھی حکم کے معنی محکوم بہ آتے ہیں، چنانچہ ''مسند حکم است'' میں یہی معنی مراد ہیں، اور مقصود یہ کہ مسند وہ ہے جس کے ساتھ حکم کیا جائے۔، یعنی جس کو کسی چیز کی طرف منسوب کریں، اس طرح کہ سننے والے کو اس سے کوئی خبر معلوم ہو، یا طلب۔

(۳) اور کبھی حکم جملہ خبریہ کو کہتے ہیں۔

(۴) اور کبھی علم تصدیقی کو جس کا بیان صغری کبری وغیرہ منطق کی کتابوں میں ہوتا۔''

(البشیر ص ر ۱۱)

(۲) نحو میر میں جملہ انشائیہ کی قسموں کے ضمن میں ''تعجب'' کا ذکر آیا ہے، حضرت صدر العلماء قدس سرہ نے اس کے معنی یہ بیان کئے ہیں۔

''وہ کیفیت جو نفس میں ایسے امر کے علم سے پیدا ہوئی جس کا سبب مخفی ہو، اسی واسطے کہا گیا کہ بروقت ظہور سبب تعجب زائل ہو جاتا ہے، اور یہاں مراد وہ جملہ جو اس معنی کی انشاء پر دلالت کرے۔

(البشیر ص ر ۱۶)

جب کہ صاحب مہر منیر نے، ص ر ۲۱ پر باعتبار لغت ''تعجب'' کو بمعنی حیرت بتایا، اس پر تنقید کرتے ہوئے اور لفظ کا صحیح معنی بیان کرتے ہوئے رقم طراز ہیں۔

اقول: یہ غلط ہے اور لغت پر افترائے خالص، تعجب کے لغوی معنی تو وہی ہیں جو ہم نے اوپر ذکر کئے، اور اردو میں اس کا ترجمہ ہے ''اچنبھا'' اور حیرت کے معنی ہیں سرگشتہ شدن، جس کا ترجمہ ٹھیٹ اردو میں ہے۔ ڈانواں ڈول ہونا'' اگر حیرت کو مجازاً بمعنی تعجب استعمال کریں تو یہ لغوی معنی نہ ہوں گے، کیا کوئی ذی ہوش کہہ سکتا ہے کہ لفظ اسد، کے لغوی معنی، رجل شجاع، ہیں، ہرگز نہیں، کیوں کہ یہ معنی مجازی ہیں اور لغوی معنی حقیقی ہوتے ہیں

نہ کہ مجازی، اس لئے کہ لغت کا موضوع حقیقی معنی بیان کرنا ہے۔ (البشیر ۔ص ر۱۷)

(۴) صاحب نحو میر نے معرفہ کی قسمیں بیان کرتے ہوئے لکھا ہے، کہ اسمائے اشارہ اور اسمائے موصولہ کو مبہمات کہتے ہیں، اسی عبارت کی تشریح کرتے ہوئے حضرت صدر العلماء البشیر میں لکھتے ہیں، ' 'مبہمات یہ جمع ہے مبہم کی، نہ کہ مبہمۃ کی، کیوں کہ موصوف اسم ہے، کہتے ہیں ''اسم مبہم، نہ کہ اسم مبہمۃ، اسمائے اشارہ اور اسمائے موصولہ کو مبہمات اس لئے کہتے ہیں کہ ان کے معنی میں ابہام یعنی خفا ہوتا ہے، جو اسم اشارہ میں بذریعہ صفت یا اشارہ حسیہ زائل کیا جاتا ہے اور اسم موصول میں بذریعہ صلہ،

(البشیر ص ر۶۰، ۶۱)

جب کہ المصباح المنیر اور مہر منیر میں مبہمات کو مبہمۃ کی جمع بتایا گیا ہے اس پر حضرت صدر العلماء نے محققانہ کلام فرمایا، لکھتے ہیں۔

یہ غلط ہے کیوں کہ مبہمات اسماء کی صفات سے ہے تو مبہم کی جمع ہوئی جیسے مرفوعات جمع مرفوع ہے نہ کہ مرفوعہ، اور منصوبات جمع منصوب ہے نہ منصوبہ، اور مجرورات جمع مجرور ہے نہ مجرورۃ۔ (ایضا، ص ر۶۲)

تمیز کے بیان میں سید سند حضرت علامہ سید شریف جرجانی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے درہم، رطل، اور قفیز کے الفاظ ذکر فرمائے ہیں۔ حضرت صدر العلماء کے قلم سے ان کلمات کے معانی کی تحقیق ملاحظہ ہو، فرماتے ہیں۔

''درہم۔ چاندی کا سکہ، عرب میں رائج تھا جس کا وزن تین ماشے ا رسرخ چاندی رطل۔ ایک باٹ ہے اسی کے سیر سے سات چھٹانک روپیہ بھر اوپر، اور، قفیز ایک پیمانہ ہے جس میں اسی کے سیر سے تینتالیس سیر تین چھٹانک ایک روپیہ بھر غلہ آتا ہے،

(ایضا، ص ۱۵۹)

(۵) حروف غیر عاملہ کی سولہویں قسم حروف عطف کے آخر میں، ''واو عاطفہ'' کے معنی کے بارے میں آپ نے ایسا تحقیقی کلام فرمایا ہے کہ طبیعت جھوم اٹھتی ہے، اور دل کی گہرائیوں سے تحسین و آفریں کے چشمے ابلنے لگتے ہیں، میرے ساتھ آپ بھی اس وجد آفریں تحقیق کو پڑھیں، اور شاد کام ہوں، آپ رقم طراز ہیں۔

واو۔ حرف عطف کا ترجمہ اردو میں حرف اور ہے۔ جس کو اس طرح پڑھا جائے کہ واو ظاہر نہ ہو جیسے، خوش میں ظاہر نہیں ہوتا، اور اگر واو ظاہر کر کے پڑھا جائے، تو وہ حرف نہیں بلکہ اسم ہے بمعنی دیگر جس کو عربی میں آخر کہتے ہیں جیسے مندرجہ ذیل قطعہ بند شعر میں۔

حرف عطف ہے۔

کاش محشر میں جب ان کی آمد ہو اور بھیجیں سب ان کی شوکت پہ لاکھوں سلام

مجھ سے خدمت کے قدسی کہیں ہاں رضا مصطفیٰ جان رحمت پہ لاکھوں سلام

(البشیر ،ص/۲/۲۷)

اس محققانہ کلام سے جہاں حضرت صدر العلماء قدس سرہ کی عربی زبان ولغت میں مہارت کا ثبوت فراہم ہوتا ہے وہیں اس کا ثبوت بھی ملتا ہے کہ اردو زبان وادب پر بھی آپ کا مطالعہ وسیع تھا، اور اس میں بھی آپ کو کامل دست رس حاصل تھی، اور ساتھ ہی اردو شعروشاعری کے بھی آپ رمزشناس تھے۔

اصطلاحات پر گہری نظر

حضرت صدر العلماء قدس سرہ کا نحوی مطالعہ بہت وسیع تھا، آپ اصطلاحات نحویہ پر بڑی گہری نظر رکھتے تھے، اور یہ وہ وصف خاص ہے جس میں آپ اپنے اقران ومعاصرین میں ممتاز تھے، فن نحو میں آپ کے چھوڑے ہوئے آثار ونقوش اس پر شاہد عدل ہیں، اب ہم ذیل میں آپ کی تصنیف، ''البشیر شرح نحومیر'' سے کچھ نمونے پیش کر رہے ہیں جن کی روشنی میں اس بات کا سمجھنا بہت آسان ہوجائے گا۔

(۱) صاحب نحومیر نے جملہ انشائیہ کی ایک قسم ''استفہام'' ذکر کی ہے، استفہام کے معنی لغت میں دریافت کرنا ہے، اور یہاں مرادوہ جملہ جس سے یہ معنی مفہوم ہوتے ہیں۔

مگر مصباح المنیر ص ۲۰ ر پر استفہام کی یہ تعریف کی گئی ہے۔ وہ جملہ انشائیہ ہے جس سے کسی واقعہ گزرے ہوئے یا آئندہ سے سوال ہو اور اس میں یہ حرف استفہام شروع میں داخل ہو۔ اور مہر منیر۔ ص ۱۹ ر پر اس کی تعریف بایں الفاظ ہے۔ (جملہ استفہامیہ) اصطلاح میں اس جملہ کو کہتے ہیں جس میں کوئی ناواقف آدمی کسی واقف کار مخاطب سے کسی نامعلوم چیز کو سمجھنے کی خواہش کرے اور اپنی خواہش کے اظہار میں استفہام کا کوئی حرف لائے۔''

اس پر حضرت صدر العلماء کی تنبیہ ملاحظہ ہو، فرماتے ہیں:

''اقول۔ یہ دونوں تعریفیں جامع نہیں اور اصطلاحی کہنا افترا، کیونکہ من ابوك بالا جماع جملہ استفہامیہ ہے، حالانکہ اس میں حرف استفہام نہیں، نہ شروع میں نہ، بیچ میں نہ آخر میں مذکور نہ مقدر۔

(البشیر ،ص ۱۳)

ناظرین کرام! لفظ من سے شک وشبہ میں مبتلا نہ ہوں، کیوں کہ وہ معنی استفہام ضرور دیتا ہے، مگر وہ اسم استفہام ہے حرف استفہام نہیں، لہذا حضرت صدر العلماء کا اس جملہ کے ذریعہ فاضلان دیوبند کی تعریفات پر معارضہ اپنی جگہ بالکل درست ہے۔

(۲) نحومیر میں اسم کی گیارہ علامتیں ذکر کی گئی ہیں، ان میں سے ایک یہ ہے کہ وہ منسوب ہو، اور منسوب وہ اسم ہے جس کے آخر میں یائے نسبتی لگی ہوئی ہو۔ صاحب مہر منیر نے، ص ۲۹ ر پر اسم منسوب کی تعریف

ان الفاظ میں تحریر کی: یہ نسبت سے اسم مفعول کا صیغہ ہے جو کسی اسم کے آخری حرف کو مکسور کر کے آخر میں ایک یائے مشدد نسبتی لگا دینے کو کہتے ہیں۔

اس پر حضرت صدر العلماء کی فنی گرفت دیکھیں جس سے آپ کی دقیقہ بینی اور ژرف نگاہی کا کچھ اندازہ ہوگا، فرماتے ہیں:

''یہ غلط ہے، یائے نسبتی لگا دینے کو منسوب نہیں کہتے ہیں بلکہ منسوب اس اسم کو کہتے ہیں جس کے آخر یائے نسبتی لگی ہو، اتنا بھی خیال نہیں کیا کہ خود منسوب کو اسم مفعول کا صیغہ بتا رہے ہیں اور تعریف کرتے ہو معنی مصدری کے ساتھ۔ شارح بننے کا شوق اور یہ بے تکا ذوق۔

سلیقہ یہ ہے علم کے حاملوں کا　　　تو پھر پوچھنا کیا نرے جاہلوں کا

(البشیر۔ص ۲۵)

(۳) صاحب نحو میر نے اسم غیر متمکن کی قسموں میں سب سے پہلے مضمرات کو شمار کرایا ہے۔ مضمرات مضمر کی جمع ہے اور اسم مضمر وہ اسم ہے جو متکلم، یا مخاطب یا ایسے غائب پر دلالت کرنے کے لئے موضوع ہو، جس کا ذکر لفظاً یا معنیً یا حکماً ماقبل میں ہو چکا ہو۔ پھر اس ذکر میں یہ تعمیم بھی ہے کہ حقیقۃً ہو یا حکماً۔ اس کو اسم ضمیر بھی کہتے ہیں۔ لیکن المصباح المنیر ص ۳۶ ر پر اس کی تعریف بایں طور کی گئی ہے۔

ضمیر یا مضمر وہ اسم کہلاتا ہے جو ایسے متکلم یا مخاطب یا غائب پر دلالت کرے جس کا تذکرہ اس سے پہلے حقیقۃً یا حکماً آچکا ہو۔ اس پر حضرت صدر العلماء کا رہوارِ قلم جوش میں آتا ہے اور یوں گل افشانی کرتا ہے۔ ''دیو بندی صاحبان کی گھٹی میں تنقیص داخل ہے، اس لئے ان سے کسی چیز کی صحیح تعریف نہیں ہوتی۔ ضمیر غائب کا ماقبل میں تذکرہ یعنی مرجع ہوا کرتا ہے۔ نہ کہ ضمیر متکلم اور مخاطب کا۔'' (البشیر، ص ۳۵)

(۴) نحو میر میں حضرت میر سید شریف جرجانی رحمۃ اللہ علیہ نے اسم غیر متمکن کی آٹھ قسمیں ذکر کی ہیں ان میں قسم پنجم اسمائے اصوات ہے جو اسم صوت کی جمع ہے۔ اسم صوت: وہ لفظ ہے جو کسی امر عارض کے وقت انسان کی زبان سے طبعی طور پر صادر ہو جیسے شدید کھانسی کے وقت ''اح اح'' اور تکلیف و کراہت کے وقت اف اور مسرت وشادمانی کے وقت بَخٍ. اور ''بَخٍ بَخٍ'' اور بخٍ بخٍ، بھی بروقت مبالغہ بولتے ہیں۔ یا وہ لفظ ہے جس سے کسی حیوان کو آواز دی جائے جیسے اونٹ کو بٹھانے کے لئے نخُ، یا نخٌّ، یا نخِ، یا وہ لفظ ہے جو کسی آواز کی حکایت ہو جیسے، غاق، کوے کی آواز کی حکایت کے لئے۔

مگر المصباح المنیر۔ ص ۴۸ ر اور مہر منیر، ص ۴۵ ر پر اسمائے اصوات کی تعریف درج ذیل الفاظ میں کی گئی ہے۔: اصطلاح میں ان اسموں کو اصوات کہتے ہیں جو کسی کی آواز نقل کرنے کے لئے یا کسی جانور وغیرہ کو پکارنے کے لئے استعمال کئے جائیں۔

حضرت صدر العلماء قدس سرہ نے اس تعریف پر سخت علمی وفنی تنقید فرمائی ہے۔ لکھتے ہیں، اقول۔ یہ تعریف ناقص ہے، کہ اح، اح، اوراف اور بخ پر صادق نہیں کیوں کہ یہ تینوں نہ تو کسی آواز کی نقل ہیں، نہ کسی جانور وغیرہ کو پکارنے کے لئے استعمال کئے جاتے ہیں، نیز جانور وغیرہ میں وغیرہ کیا چیز ہے اوراس وغیرہ کو پکارنے کے لئے کون سا اسم استعمال کیا جاتا ہے۔؟ یہ دیوبندی اضافہ ہے جس کا لغت عرب میں پتہ نہ کتب نحو میں نشان، اسی واسطے ہے ظاہر البطلان۔ (البشیر۔ص ۵۳)

(۵) صاحب نحو میر نے فعل مضارع کی وجوہ اعراب کے اعتبار سے چار قسمیں کی ہیں، قسم سوم مفرد معتل الفی ہے۔ اس میں مفرد سے مراد یہ ہے کہ وہ تثنیہ وجمع نہ ہو اور معتل الفی کے معنی یہ ہیں کہ جس کے آخر میں الف ہو۔ جب کہ مہر منیر، ص ۷۱، پر مفرد معتل الفی کی تعریف ان الفاظ میں کی ہے۔ ''یعنی مضارع کے مفرد کے صیغے جس کے لام کلمہ میں الف ہو، یہ ضروری نہیں کہ یہ الف اصلی ہو کیوں کہ عموما یہ الف واو اور یا ہی سے بدلا ہوا ہوتا ہے۔ اور المصباح المنیر ص ۷۷، پر اس کی تعریف میں اس کی صراحت کی، اور خواہ اصلی ہو۔

اس پر حضرت صدر العلماء قدس سرہ نے ایسا تعقب فرمایا ہے جو ناظرین کے لئے اگر ایک طرف بصیرت افروز اور چشم کشا ہے تو دوسری طرف آپ کی محققانہ صلاحیت، عالمانہ تعمق اور فنی اصطلاحات پر گہری نظر کا منھ بولتا ثبوت ہے۔ فرماتے ہیں۔

''اقول۔ (مہر منیر کی عبارت سے) سے دو باتیں مفہوم ہوتی ہیں، اول یہ کہ معتل الفی وہ ہے جس کے لام کلمہ میں الف ہو، دوم یہ کہ الف حرف اصلی بھی ہوتا ہے اگر چہ بقلت اور المصباح المنیر ص ۷۷ میں الف کے اصلی ہونے کی بایں الفاظ تصریح کی اور خواہ اصلی ہو۔ یہ دونوں باتیں غلط ہیں اور یعنی کہہ کر مصنف علیہ الرحمہ پر افتراء کیا۔ اول۔ اس لئے کہ معتل الفی وہ ہے جس کے آخر میں الف ہو کما فی شرح الجامی قدس سرہ السامی، یہ ضروری نہیں کہ لام کلمہ کی جگہ ہو، کیوں کہ کبھی لام کلمہ کے بعد زائد ہوتا ہے۔ جیسے یذ لولی، مجہول میں لام کلمہ کے بعد ہے، دوم۔ اس لئے کہ الف حرف اصلی نہیں ہوتا، اسی واسطے صرفی مثال، اجوف، ناقص کی دو قسم کرتے ہیں۔ واوی اور یائی۔ مثال الفی، اجوف الفی، ناقص الفی کوئی نہیں کہتا۔ اگر الف اصلی ہوتا تو بجز مثال، اجوف اور ناقص کی تقسیم الفی کی جانب واجب تھی۔ مثال کی تقسیم الفی کی طرف نہیں ہو سکتی، کہ ابتداء با سکون مانع ہے۔۔ ہاں الف کسی دوسرے حرف اصلی سے بدل کر اصلی کی جگہ واقع ہو جاتا ہے۔ لیکن ان فاضلان دیوبند کو اتنی سمجھ کہاں؟

(البشیر۔ص ۱۰۰)

(۶) عامل کی دو قسمیں ہیں۔ (۱) لفظی (۲) معنوی۔ عامل لفظی اس عامل کو کہتے ہیں، جو خود لفظ میں ہو یا اس پر دلالت کرنے والا لفظ میں موجود ہو۔ جیسے ان ناصبہ عامل لفظی ہے کہ بعض صورتوں میں یہ خود لفظ میں موجود ہوتا ہے۔ جیسے۔ ان تصوموا خیر لکم میں، ۔ اور بعض صورتوں میں یہ خود لفظ میں موجود نہیں ہوتا۔ البتہ

اس پر دلالت کرنے والا لفظ میں موجود ہوتا ہے۔ جیسے آیت کریمہ: ﴿وما کنا معذ بین حتی نبعث رسولاً﴾ میں خود، 'ان' تو لفظ میں موجود نہیں، مگر اس پر دلالت کرنے والا 'حتی' لفظ میں موجود ہے۔ اور عامل معنوی اس عامل کو کہتے ہیں جو مذکورہ بالا دونوں صورتوں سے خالی ہو۔ مگر مصباح المنیر ص ۷۹؍ اور مہر منیر، ص ۲۷؍ پر بالفاظ مختلف ہے کہ مطلب یہ ہے کہ عامل دو طرح کے ہوتے ہیں ایک تو وہ جو الفاظ میں موجود ہوتے ہیں اور انہیں لفظی کہتے ہیں۔

حضرت صدر العلما اس پر تنقید کرتے ہوئے رقم طراز ہیں:

اقول: یہ غلط ہے ورنہ، جو عامل مقدر ہوتے ہیں جیسے، 'ان' ناصبہ وغیرہ وہ عامل لفظی ہونے سے نکل جائیں گے، حالانکہ وہ عامل لفظی ہیں۔

(البشیر۔ص ۱۱۰)

فنی تحقیق

نحو میر چونکہ مبتدی طلبہ کے لئے لکھی گئی ہے اور فن نحو کی ابتدائی کتاب کے طور پر مدارس عربیہ میں اس کی تعلیم وتعلم کا سلسلہ چل رہا ہے اس لئے حضرت صدر العلماء قدس سرہ نے اس کی شرح البشیر میں ہر فصل اور ہر باب میں فنی تحقیقات بیان کرنے کا التزام تو نہیں کیا ہے، مگر چونکہ وہ تحقیقی مزاج اور محققانہ طبیعت رکھتے تھے اس لئے اس شرح کے درمیان کہیں کہیں ان کا جام تحقیق ضرور چھلکتا اور قارئین کو سیراب کرتا ہوا نظر آتا ہے۔ اب ہم ذیل میں اس کے کچھ نمونے نذر قارئین کرتے ہیں تاکہ زیر تبصرہ کتاب کا یہ پہلو بھی ان کی نگاہوں سے اوجھل نہ رہے۔

(۱) صاحب نحو میر نے اسم غیر متمکن کی آٹھویں قسم مرکب بنائی ذکر کی ہے، حضرت صدر العلماء قدس سرہ کا دریائے تحقیق جوش میں آتا ہے، اور اس کی شرح کرتے ہوئے فنی تحقیق کے موتی یوں لٹاتے ہیں۔

''مرکب بنائی کی تعریف یہ ہے کہ وہ مرکب جس کا جزو ثانی حرف عطف کے معنی کو خود متضمن ہو یا اس کی اصل، یا کسی اور معنی کو متضمن ہو۔ حرف عطف کے معنی کو خود متضمن ہو جیسے۔ احد عشر۔ کہ اصل میں۔ احد و عشر تھا۔ یا اس کی اصل متضمن ہو جیسے۔ حادی عشر۔ کہ اس کا جز ثانی خود تو متضمن نہیں بلکہ اس کی اصل یعنی احد عشر متضمن ہے کیوں کہ حادی عشر، بنا ہے، احد عشر سے۔ اسی طرح، ثانی عشر، بنا ہے اثنا عشر سے۔ اور اسی طرح تاسع عشر تک، اور کسی دوسرے حرف کے معنی کو متضمن ہو جیسے، بَیتَ بَیتَ۔ کہ اصل میں، بیت لبیت، تھا اور یہ اصل میں بیتی ملا صق لبیتک، ہے تو بیت ثانی لام حرف جار کے معنی کو متضمن ہے جس مرکب بنائی کا جز ثانی حرف عطف کے معنی کو متضمن ہوتا ہے۔ اس کو مرکب عددی کہتے ہیں۔ اور یہ باختلاف صیغہائے مذکر و مونث احد عشر سے تسعة عشر تک اور حادی عشر سے تاسع عشر تک ہے۔

یعنی کل اٹھارہ صیغے ہیں ان کے دونوں جز مبنی بر فتح ہوتے ہیں۔ بجز اثنا عشر۔ کہ اس کا جز اول معرب ہے بحالت رفع اثنا عشر۔ اور بحالت نصب وجر اثنی عشر۔ اور جز ثانی مبنی بر فتح۔ الحاصل مرکب بنائی دو قسم پر ہے۔ اول۔ وہ جو خود یا باعتبار اصل حرف عطف کے معنی پر مشتمل ہو اور یہ اٹھارہ صیغے ہیں۔ دوم۔ وہ جو کسی دوسرے حرف کے معنی کو متضمن ہو۔ (ص ۵۸۔۵۹)

(۲) اسم متمکن کی باعتبار وجوہ اعراب سولہ قسمیں ہیں، تیرہویں قسم اسم مقصور ہے۔ صاحب نحو میر نے اس کا اعراب رفع کی حالت میں تقدیری ضمہ، نصب کی حالت میں تقدیری فتحہ اور جر کی حالت میں تقدیری کسرہ بتایا ہے۔ اسم مقصور سے یہاں کون سا اسم مقصور مراد ہے، اس کی تشریح کرتے ہوئے حضرت صدر العلماء قدس سرہ فنی تحقیق کی ضیا پاشی کچھ اس طرح فرماتے ہیں، مخفی نہ رہے کہ یہاں پر اسم مقصور سے مراد وہ اسم نہیں جس کے آخر میں الف مقصورہ زائدہ ہو کیوں کہ ایسا اسم غیر منصرف ہوتا ہے۔ بایں سبب کہ الف مقصورہ زائدہ علامت تانیث ہے، جو دو سبب کے قائم مقام، اور غیر منصرف کا اعراب حالت جر میں فتحہ لفظی ہوتا ہے۔ جیسے مررت بعمر یا فتحہ تقدیری، جیسے مررت بحبلی ۔ میں بلکہ مراد وہ اسم مقصور ہے جس کے آخر الف مقصورہ غیر زائدہ ہو یعنی حرف اصلی لام کلمہ سے بدلا ہو۔ جیسے المصطفی میں الف مقصورہ لفظا ہے اور مصطفیً میں تقدیرا کہ بوجہ اجتماع ساکنین ساقط ہو گیا۔ نظر برآں موسی باتنوین پڑھا جائے کہ اصل میں مَوْسَیٌ بروزن مفعل اسم مفعول کا صیغہ ہے بمعنی مخلوق مصدر ایساء سے۔ جس کے معنی ہیں ''حلق'' اس میں یہ تعلیل ہوئی کہ یا متحرک، ماقبل مفتوح، اس کو الف سے بدل دیا، الف اور تنوین میں اجتماع ساکنین ہوا، الف گر گیا، موسی رہ گیا، یہ موسی وہ نہیں جو ایک جلیل القدر پیغمبر کا اسم گرامی ہے جو بنی اسرائیل کی طرف فرعون کے زمانے میں مبعوث ہوئے تھے۔ کہ یہ عبرانی زبان کا لفظ ہے تو بوجہ عجمہ اور علمیت غیر منصرف ہوا علی نبینا و علیہ الصلوۃ والسلام ۔ اور جب اس پر الف لام داخل کریں جیسے الموسی تو الف مقصورہ لفظا ہوگا۔ کہ اب اصل میں اجتماع ساکنین نہیں جس کی وجہ سے گر گیا تھا۔ (البشیر، ص ۹۰۔۹۱)

(۳) مصنف نحو میر حضرت میر سید شریف جرجانی قدس سرہ النورانی نے حروف عاملہ کی قسم دوم کے ضمن میں تحریر فرمایا، جب شرط کی جزا جملہ اسمیہ، یا امر، یا نہی، یا دعا ہو تو جزا پر فا لانا لازم ہوتا ہے۔ جس پر کچھ دیوبندی شارحین نے لایعنی بکواس کی، حضرت صدر العلماء ان کا عالمانہ رد کرنے کے بعد جزاء پر فا کے لانے اور لزوم و عدم لزوم سے متعلق اہم تحقیقی ضابطہ بیان فرماتے ہوئے رقم طراز ہیں۔

''اب ہم فا کے جزا پر لانے اور نہ لانے سے متعلق نحات کا بیان کردہ ضابطہ بیان کرتے ہیں، جو ملا عبد الحکیم سیالکوٹی علیہ الرحمہ نے تکملہ میں ذکر فرمایا۔ جس کی تفصیل یہ ہے۔ کہ فا لانے اور نہ لانے کا دارومدار کلمہ شرط کی تاثیر معنوی پر ہے۔ یعنی جزا کو بمعنی استقبال کر دینے پر۔ پس اگر کلمہ شرط کی تاثیر معنوی تام ہوئی کہ جزا کو زمانہ

ماضی سے مستقبل کی طرف منقلب کردیا جیسے کتاب کی مثال ''ان ضربت، ضربت۔ میں کہ بوجہ کلمہ شرط ''ان'' دونوں بمعنی مستقبل ہوگئے ہیں۔تو''فا'' کی احتیاج نہ ہوگی۔کہ شرط وجزا کے باہمی ربط پر دلالت کرنے کے لئے یہی کافی ہے۔اور اگر تاثیر ناقص ہوئی جیسے مضارع منفی بلا جزاء واقع ہو تو ''فا'' کالانا اور نہ لانا دونوں جائز ہیں۔کیوں کہ اس صورت میں من وجہ تاثیر ہوتی ہے۔اور من وجہ نہیں ہوتی۔وجہ یہ ہے کہ لا مطلق نفی کے لئے ہے کہ حال کی نفی کے لئے آتا ہے۔اور استقبال کی نفی کے لئے بھی۔پس اس حیثیت سے کہ کلمہ شرط کے دخول سے مضارع منفی بلا استقبال کے لئے مخصوص ہوگیا اس میں حال کا احتمال نہ رہا۔اس میں تاثیر ہوئی۔تو''فا'' کا نہ لانا جائز کہ باہمی ربط پر دلالت ہوگئی۔اور اس حیثیت سے کہ زمانہ ماضی سے مستقبل کی طرف منقلب نہیں کیا جیسے ماضی میں کیا تھا تو ''فا'' کالانا جائز ہے، تاکہ بذریعہ ''فا'' باہمی ربط پر دلالت ہو۔اور اگر اصلاً تاثیر نہ کی تو ''فا'' کالانا واجب تاکہ ''فا'' باہمی ربط پر دلالت کرے۔جیسے جزا کے جملہ اسمیہ ہونے یا امر ہونے یا نہی ہونے یا دعا ہونے کی صورت میں۔جملہ اسمیہ میں تاثیر کا نہ ہونا تو ظاہر ہے کہ جملہ اسمیہ کی دلالت زمانہ ماضی پر نہیں ہوتی حتی کہ کلمہ شرط کے دخول سے ماضی سے مستقبل کی طرف انقلاب ہوجائے جیسے فعل ماضی میں تھا، نہ جملہ اسمیہ صالح ہے زمانہ حال اور استقبال پر دلالت کرنے کے لئے حتی کہ کلمہ شرط کے داخل ہونے پر زمانہ استقبال کے لئے مخصوص ہوجائے۔جیسے مضارع منفی بلا میں تھا۔اور امر، نہی، دعا میں تاثیر اس لئے نہیں کہ وہ کلمہ شرط کے دخول سے پہلے ہی زمانہ مستقبل کے لئے ہیں (البشیر، ص ۱۴۵۔۱۴۴)

ترکیب نحوی سے متعلق ایک قابل حفظ ہدایت

حضرت صدر العلماء قدس سرہ قواعد نحو پر بڑی گہری نظر رکھتے تھے۔اور یہ فقط فکر و نظر کی حد تک نہ تھی بلکہ آپ اس کی تطبیق اور عمل پر بھی بھرپور قدرت رکھتے تھے۔آپ کی تمام تصنیفات میں اس عملی و تطبیقی عنصر کا رنگ صاف جھلکتا ہے۔البشیر شرح نحو میر جو آپ کی زندگی کے علمی تجربات اور فنی ممارسات کے نقطہ عروج اور ذروہ کمال پر پہونچنے کے بعد معرض تحریر میں آئی اور جسے آپ کے سلسلہ تصنیفات کی آخری کڑی ہونے کا شرف حاصل ہے۔اس میں جا بجا اس وصف محمود کے جلوے نظر آتے ہیں۔ایک موقع پر سوال و جواب کے طور پر نحوی ترکیب سے متعلق ایک اہم ہدایت سپرد قلم فرمائی ہے، قارئین کے افادہ کے لئے اسے یہاں ذکر کیا جاتا ہے۔

جاء نی غلام زید۔کی ترکیب کرتے ہوئے فرماتے ہیں۔

''جاء نی'' بترکیب معلوم، غلام مفرد منصرف صحیح مرفوع لفظا مضاف زید مفرد منصرف صحیح مجرور لفظا مضاف الیہ مضاف اپنے مضاف الیہ سے مل کر فاعل، فعل اپنے فاعل اور مفعول بہ سے مل کر جملہ فعلیہ خبریہ ہوا۔
سوال۔ترکیب میں یہ کہنا صحیح ہے کہ مضاف اپنے مضاف الیہ سے مل کر فاعل؟ جواب۔ہرگز صحیح نہیں،اس لے کہ مضاف،مضاف الیہ کا مجموعہ مرکب ہے اور فاعل مرکب نہیں ہوتا۔فاعل اسم ہوتا ہے۔جیسے کہ اس کی تعریف

میں گزرا۔ اور اسم کلمہ کی قسم ہے۔ اور کلمہ کی تعریف میں افراد ماخوذ ہے۔ نظر برآں فاعل مفرد ہوگا نہ مرکب۔ اسی طرح مفعول بہ مفعول مطلق مفعول فیہ، مفعول معہ، مفعول لہ، تمیز، مستثنیٰ، حال، نائب فاعل، وغیرہ معمولات جواز قبیل اسماء ہیں۔ لیکن مبتدی کی سہولت کے پیش نظر ہندوستان میں ایسا کیا جاتا ہے جیسے تیسویں پارہ کی ترکیب بچوں کی سہولت پر نظر رکھتے ہوئے بدل دی گئی ہے۔ چنانچہ مولوی الٰہی بخش صاحب علیہ الرحمہ نے شرح مائۃ عامل کی ترکیب اسی سہولت کے انداز پر فرمائی ہے۔ اور الفوائد الشافیۃ۔ میں کافیہ کی ترکیب کا انداز بنظر حقیقت ہے۔ اس اعتبار سے اس کی ترکیب یوں کی جائے گی، "غلام مفرد منصرف صحیح مرفوع لفظا فاعل "زید" مفرد منصرف صحیح مجرور لفظا مضاف الیہ فعل اپنے فاعل سے مل کر جملہ فعلیہ خبریہ ہوا۔ یہ ترکیب ان حضرات کے نزدیک ہے جو صرف مسند اور مسند الیہ کو کلام قرار دیتے ہیں۔ باقی متعلقات کو کلام سے خارج، یہ حضرات ان متعلقات کا اعراب بیان فرمادیتے ہیں، لیکن ان کو ملا کر جملہ قرار نہیں دیتے۔ بلکہ مسند اور مسند الیہ کو ملا کر جملہ قرار دیتے ہیں۔ جیسے کہ "الفوائد الشافیہ کے مصنف علیہ الرحمہ۔ اور جو حضرات متعلقات کو کلام میں داخل قرار دیتے ہیں وہ متعلقات کو ملا کر جملہ قرار دیتے ہیں۔ (البشیر، ص۲۰۲۔۲۰۳)

ترکیب نحوی پر گرفت

حضرت صدر العلماء رحمۃ اللہ علیہ جملوں کی نحوی تراکیب کے سلسلے میں مجتہدانہ بصیرت رکھتے تھے، وہ ترکیب نحوی کو فقط زبان کی ورزش کا سامان تصور نہیں کرتے تھے، بلکہ ان کی نظر اس پر تھی کہ جملوں کے صحیح معنیٰ و مفہوم کی تعیین میں ان میں استعمال ہونے والے کلمات کے اعرابی تعلقات اور نحوی رشتوں کو کلیدی حیثیت حاصل ہے، اور درحقیقت ترکیب نحوی انہیں رشتوں کے اظہار و بیان سے عبارت ہے۔

اسی لئے آپ نے اپنی تمام تر علمی تصانیف میں اس پہلو کو نمایاں مقام دیا ہے۔ البشیر۔ میں تو باضابطہ ہر باب اور ہر فصل میں اس کا التزام کیا ہے اور نحو میر کی دیوبندی شروح میں ترکیب نحوی کے باب میں جس طرح طلبہ کو گمراہ کیا گیا ہے۔ آپ نے اس پر سخت تنقید فرمائی ہے اور طلبہ کو اس فنی گمرہی کا شکار بننے سے بچانے کے لئے آپ نے ہر ممکن کوشش فرمائی۔ اگر البشیر سے اس باب کی ساری تنقیدات کو جمع کیا جائے تو ایک مکمل کتاب کی صورت اختیار کر لے۔ اس لئے بنظر اختصار ذیل میں چند نمونے پیش کئے جاتے ہیں،

(۱) المصباح المنیر، ص۲۹، اور مہر منیر، ص۲۹، پر فاضلان دیوبند نے لکھا کہ "ضربوا" میں ھم ضمیر جمع ہے۔ اور تضربون میں انتم ضمیر جمع فاعل ہے۔ اس پر حضرت صدر العلماء امام النحو قدس سرہ نے جو سنجیدہ علمی تعقب فرمایا وہ درج ذیل ہے۔

"اقول۔ یہ غلط فاحش ہے جو صرف میر اور نحو میر یاد نہ ہونے پر مبنی، اس لئے کہ صرف میر میں فعل ماضی کے صیغہ جمع مذکر غائب کا فاعل "واو" کو بتایا ہے۔ جو ضمیر بارز ہے نہ یہ کہ اس میں "ھم" ضمیر پوشیدہ فاعل

ہے۔ چنانچہ فرماتے ہیں، کہ "واو" در "نصروا" علامت جمع مذکر وضمیر فاعل است۔ اسی طرح تضربون میں "انتم" ضمیر پوشیدہ کو فاعل کہنا غلط ہے۔ کہ اس میں ضمیر فاعل 'واو' ہے۔ نہ "انتم" پوشیدہ۔ اسی صرف میر میں ہے کہ کہ "تادر تنصرون "علامت خطاب است وحرف استقبال و واوضمیر جمع مذکر۔ اور نحو میر میں بھی اعراب مضارع کے بیان میں آرہا ہے کہ تثنیہ وجمع مذکر میں ضمیر بارز فاعل ہوتی ہے، نہ پوشیدہ۔ نحو میر بھی یاد نہیں، جس کی شرح تحریر فرمارہے ہیں۔ (البشیر ،ص ۲۵، ۲۶)

(۲) صاحب نحو میر نے معرفہ کی قسم ''مضاف بسوئے معرفہ'' کی مثالوں کے ضمن میں "غلام الذی عندی،" کا ذکر کیا ہے۔ مہر منیر میں فاضل دیو بند نے اس کی ترکیب نحوی کرتے ہوئے لکھا۔ عند مضاف "ي" ضمیر متکلم مضاف الیہ، مضاف الیہ مضاف سے مل کر ''ثابت'' مقدر کے متعلق ہو کر صلہ۔ حضرت صدر العلماء قدس سرہ نے اس پر گرفت کرتے ہوئے یوں فرمایا۔

'' یہ غلط ہے کیونکہ ظرف جب مقام صلہ میں واقع ہو تو تقدیر فعل واجب ہے تا کہ صلہ جملہ ہو، اور "ثابت" جملہ نہیں، بلکہ شبہ جملہ ہے۔ (کمافی الاشمونی شرح الالفیہ۔ ج ا ص ۱۶۶) (البشیر ،ص ۶۲)

(۳) نحو میر میں حروف ندا کے بیان میں یہ ہے کہ یہ منادی مضاف، مشابہ مضاف اور نکرۂ غیر معین کو منصوب کرتے ہیں۔ پھر نکرۂ غیر معیّن کی مثال دیتے ہوئے لکھا۔ جیسے کوئی نابینا کہے۔ یا رجلا خذ بیدی۔ اس کی ترکیب میں صاحب المصباح المنیر اور صاحب مہر منیر نے کیا کیا گل کھلائے ہیں انہیں حضرت صدر العلماء قدس سرہ کی تنقیدات کے ساتھ ملاحظہ کیجئے، فرماتے ہیں:

اول نے ،ص ۹۱۔ اور دوم نے ،ص ۸۳۔ پر یا رجلا خذ بیدی کی ترکیب میں بیدی کی با کو خذ سے متعلق قرار دیا ہے۔ یہ غلط ہے کیونکہ خذ فعل کے متعدی بنفسہ ہونے کی وجہ سے مفعول بہ پر یہ "با" زائدہ ہے، اور بائے زائدہ فعل سے متعلق نہیں ہوتی۔ پھر دونوں صاحبان نے انہیں صفحات پر'' یا رجلا '' میں یا کو قائم مقام ادعُو، قرار دے کر کہا کہ فعل اپنے فاعل اور مفعول بہ سے مل کر ندا اور خذ بیدی کو جواب ندا قرار دے کر کہا: کہ ندا اپنے جواب سے مل کر جملہ فعلیہ انشائیہ ندائیہ ہوا۔

یہ دونوں باتیں بھی غلط ہیں، اول۔ اس لئے کہ یا رجلا، نہ بمعنی لغوی ندا ہے نہ بمعنی اصطلاحی، کیوں کہ دونوں مصدر ہیں اور، یا رجلا، مصدر نہیں۔ تو اس کو ندا کہنا درست نہ ہوا۔ کہنا یوں تھا کہ ادعو، فعل اپنے فاعل اور مفعول بہ سے مل کر جملہ ندا یا جملہ ندائیہ ہوا۔ جملہ ندا کے معنی یہ ہیں کہ وہ جملہ جس سے اصطلاحی ندا مستفاد ہو۔ اور جملہ ندائیہ کے معنی، اصطلاحی ندا والا، یعنی جس سے اصطلاحی ندا مفہوم ہو۔ دوم۔ اس لئے کہ جملہ ندا علیحدہ جملہ ہوتا ہے، اور جواب ندا علیحدہ۔ دونوں مل کر جملہ ندائیہ نہیں ہوتے۔ صرف اول کو جملہ ندائیہ کہتے ہیں، اور دوسرے کو جواب ندا، جب جملہ ثانیہ کو جواب ندا کہا تو یہ بات جواب ندا کہنے سے ظاہر ہوگئی کہ جملہ

ثانیہ جملہ ندائیہ نہیں، بلکہ جملہ ندائیہ کا جواب ہے۔مگر ان فاضلان دیو بند میں اتنی سمجھ کہاں۔
(البشیر۔ص/۱۲۶)

(۴) فعل مضارع کو نصب دینے والے حروف چار ہیں، ان، لن، کی، اذن، صاحب نحو میر نے ''کی'' کی مثال اسلمت کی ادخل الجنة'' سے دی ہے۔صاحب المصباح المنیر نے ،ص/۸۵۔ پر اسی جملہ کی ترکیب کرتے ہوئے اور صاحب مہر منیر نے اپنی پیش کردہ مثال امنت بالله کی ادخل الجنة۔ کی ترکیب کرتے ہوئے جملہ اولی کو معلل بصیغہ اسم مفعول اور جملہ دوم کو علت بتا کر کہا۔ معلل اپنی علت سے مل کر جملہ فعلیہ خبریہ معللہ ہوا۔

حضرت صدر العلماء اس پر کلام کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

''یہ بھی غلط در غلط ہے۔اولا۔اس لئے کہ جملہ اول کا مضمون ''معلل'' بصیغہ اسم مفعول اور دوم کا علت نہیں بلکہ برعکس ہے کما مر۔ثانیا۔اس لئے کہ اول معلل ہو اور دوم علت۔ یا اول علت ہو اور دوم معلل، بہر صورت یہ کہنا کہ معلل اپنی علت سے مل کر جملہ فعلیہ خبریہ معللہ ہوا، درست نہیں۔ کیونکہ دونوں مل کر، معللہ، بصیغہ اسم فاعل ہوں گے، یا معللہ، بصیغہ اسم مفعول اور دونوں غلط، اس لئے کہ معللہ کے معنی ہیں علت بیان کرنے والا جملہ اور معللہ کے معنی ہیں، معلول بیان کرنے والا جملہ اور جب ان میں ایک جملہ علت بیان کرنے والا ہے اور دوسرا معلول، تو دونوں کے مجموعہ کو معللہ نہیں کہہ سکتے کہ دونوں علت بیان کرنے والے نہیں۔ نہ معللہ کہہ سکتے ہیں کہ دونوں معلول کو بیان نہیں کرتے، لہذا دونوں کو ملانا درست نہیں: دونوں کو ملانا دیوبندی بدعت ہے۔ (ص/۱۳۹۔۱۴۰)

(۵) صاحب نحو میر نے افعال مدح وذم کی مثالوں کے ضمن میں ایک مثال، نعم الرجل زید۔ پیش کی ہے۔جس کی صحیح ترکیب یہ ہے:۔ نعم، فعل مدح مبنی بر فتح،الرجل ،مفرد منصرف صحیح مرفوع لفظا فاعل، فعل اپنے فاعل سے مل کر جملہ فعلیہ انشائیہ ہو کر خبر مقدم مرفوع محلا، زید، مفرد منصرف صحیح مرفوع لفظا مخصوص بالمدح مبتدائے مؤخر، مبتدائے مؤخر اپنی خبر مقدم سے مل کر جملہ اسمیہ خبریہ ہوا۔

لیکن صاحب المصباح المنیر نے ،ص/۱۱۸۔ پر اس جملہ کی ترکیب کرتے ہوئے نعم الرجل کو خبر مقدم اور زید کو مبتدا قرار دے کر لکھا، متبدا و خبر جملہ انشائیہ ہوا۔اور صاحب مہر منیر نے ،ص/۱۰۹۔ پر لکھا، مبتدا خبر سے مل کر جملہ فعلیہ انشائیہ ہوا۔

حضرت صدر العلماء نے اس مقام پر ان دونوں فاضلان دیو بند کی ترکیبوں پر سخت عالمانہ تنقید فرمائی اور ان کے زعم علم وفضل کا سارا بھرم کھول کر رکھ دیا ہے۔اور اہل علم کے مجمع میں ان کی حیثیت عرفی کا بھانڈا پھوڑ دیا ہے۔ملاحظہ ہو وہ عالمانہ تنقید۔

اقول: یہ سب غلط ہے۔ جس پر مبتدی ہنستے ہیں،

اولا: اس لئے کہ یہ جملہ اسمیہ خبریہ ہے۔ انشائیہ نہیں، انشائیہ تو اس جملہ کی خبر ہے۔ چنانچہ محرم آفندی (ج ۲/، ص/۴۱۹) میں ہے۔

فعلی الوجه الاول، نعم الرجل زید۔ جملة و احدة ای اسمية خبرية، مركبة من المبتدا والجملة الفعلية الانشائية۔

ثانیا: اس لئے کہ مبتدا وخبر سے مل کر جملہ اسمیہ ہوتا ہے۔ نہ کہ فعلیہ، یہ بات تو شروع نحو میر میں گزر گئی، مگر ان فاضلان دیوبند کو یاد نہیں رہی۔ (ص/۱۸۰)

یہ اس عنوان سے متعلق پانچ نمونے ہوئے اگر اس طرح کی ترکیبی خامیوں پر آپ کی عالمانہ تنقیدات کو البشیر سے جمع کیا جائے تو ایک دفتر تیار ہو جائے۔ لیکن طول کلام سے بچنے کے لئے اسی پر اکتفا کرتا ہوں جن حضرات کو اس طرح کی تنقیدات کا استقصا مقصود ہو وہ اصل کتاب کی طرف رجوع کریں۔

ترجمہ پر گرفت

حضرت صدر العلماء نے البشیر میں جگہ جگہ فاضلان دیوبند کے ترجمہ کی خامیوں پر گرفت فرمائی ہے۔ اور ان پر سخت عالمانہ تنقید فرمائی ہے۔ اور اس سلسلہ میں جو کچھ بھی کہا ہے دلائل و براہین اور قواعد واصول کی روشنی میں کہا ہے۔ ذیل میں اس کے کچھ نمونے نذر قارئین کئے جاتے ہیں، تاکہ آپ کی مترجمانہ حیثیت بھی لوگوں کے سامنے آجائے، اور وہ آپ کے اس علمی کمال سے بھی واقف ہو جائیں۔

(۱) صاحب نحو میر نے جملہ انشائیہ کی آٹھویں قسم ”عرض“ کی مثال الا تنزل بنا فتصیب خیرا پیش کی ہے۔ صاحب المصباح المنیر نے، ص/۱۸۔ پر اس جملہ کا ترجمہ یوں کیا۔ کیوں نہیں آیا تو ہمارے پاس کہ حاصل کرتا بھلائی کو،

حضرت صدر العلماء قدس سرہ اس پر تنقید کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

اس مثال میں لا تنزل فعل مضارع ہے اور ترجمہ کیا ہے ماضی کا یہ فاضل دیوبند ہیں جن سے ترجمہ بھی صحیح نہیں ہوتا۔ اور شرح لکھنے کا شوق دامن گیر۔ (البشیر، ص ۱۵)

(۲) ضرب زید عمرا ضربا ۔ یہ ایسا جملہ ہے جو چار کلموں سے مرکب ہے اور چاروں ملفوظ ہیں، اس کا ترجمہ ہے۔ زید نے عمر کو حقیقۃ مارا۔ لیکن صاحب مہر منیر نے، ص/۲۶۔ پر اس کا ترجمہ کیا۔ زید نے عمر کو اچھی طرح مارا۔ اس پر حضرت صدر العلماء کا عالمانہ تعقب ملاحظہ کیجئے، فرماتے ہیں: یہ غلط فاحش ہے کہ ضربا، اس مثال میں مفعول مطلق تاکیدی ہے اور ترجمہ مفعول مطلق نوعی کا کر دیا کیونکہ اچھی طرح مارنا، مارنے کی ایک نوع ہے۔ صحیح ترجمہ وہی ہے جو ہم نے کیا۔ (ص/۲۰)

(۳) صاحب نحو میر۔ نے لکھا ہے کہ فعل کی علامتوں میں سے ایک علامت یہ ہے کہ اس کے شروع میں کوئی حرف جازم ہو جیسے، لم یضرب، (یعنی زید نے نہیں مارا) لیکن مہر منیر، ص ۳۱؍ پر اس کا یہ ترجمہ کیا گیا۔ اس نے ہر گز نہیں مارا۔

حضرت امام النحو قدس سرہ العزیز اس پر کلام فرماتے ہوئے لکھتے ہیں۔

یہ غلط ہے کیوں کہ "لم" تاکید نفی کے لئے نہیں آتا۔ صحیح وہی ہے جو ہم بیان کر آئے یہ شرح کی خدمت ہے یا جہل کی اشاعت؟۔　(ص ۲۸؍)

(۴) مصنف نحو میر حضرت میر سید شریف جرجانی قدس سرہ النورانی نے باب دوم در عمل افعال۔ میں فعل کے عمل کا دائرہ بیان کرتے ہوئے مثالوں کے ضمن میں دو مثالیں دی ہیں۔

(۱) قام زید قیاما۔ (۲) ضرب زید ضربا۔ ان کا علی الترتیب ترجمہ یہ ہے۔ زید حقیقۃ کھڑا ہوا۔ زید نے حقیقۃ مارا۔ لیکن المصباح المنیر، ص ۹۹؍۔ اور مہر منیر ص، ۹۱۔ پر ان کا ترجمہ یوں کیا گیا۔ زید پوری طرح کھڑا ہو گیا۔ اور زید پوری طرح کھڑا ہوا۔ اور زید نے خوب مارا۔ اور زید نے اچھی طرح مارا۔

اس پر حضرت صدر العلماء قدس سرہ نے جو عالمانہ ریمارک قائم فرمایا ہے وہ قابل دید ہے۔ فرماتے ہیں:

اقول: یہ دونوں ترجمے غلط ہیں، اس لئے کہ دونوں مثالوں میں قیاما اور ضربا۔ مفعول مطلق تاکیدی ہیں اور مفعول مطلق تاکیدی فعل مذکور سے فہم شدہ حدث یعنی معنی مصدری کی تاکید کرتا ہے۔ اور تاکید احتمال سہو اور احتمال مجاز کو دفع کرنے کے لئے ہوتی ہے۔ دفع احتمال سہو بایں طور کہ قام زید کہنے پر سامع کے دل میں اگر یہ احتمال پیدا ہو کہ متکلم سے یہ لفظ سہوا صادر ہوا نہ کہ قصدا تو قیاما کہنے سے یہ احتمال مندفع ہو جائے گا کہ عاقل سے دو مرتبہ سہو نہیں ہوتا۔ نظر بر آں مثال مذکور کا صحیح ترجمہ یہ ہوا کہ زید حقیقۃ کھڑا ہوا۔ اور دفع احتمال مجاز بایں طور کہ "ضرب زید" کہنے پر سامع کے دل میں اگر یہ احتمال گزرے، کہ ضرب سے مجازا شتم مراد ہے تو ضربا کہنے سے یہ احتمال مندفع ہو جائے گا کیوں کہ جب معنی حقیقی سے صارف قرینہ نہ ہو تو ثانیا ذکر احتمال مجاز کو دفع کر دیتا ہے، نظر بر آں مثال مذکور کا صحیح ترجمہ یہ ہوا کہ: زید نے حقیقۃ مارا۔ اور مثال اول کا یہ ترجمہ کہ: زید پوری طرح کھڑا ہوا۔ اور مثال ثانی کا یہ ترجمہ کہ زید نے خوب مارا۔ یا زید نے اچھی طرح مارا،۔ مفعول مطلق تاکیدی کا ترجمہ نہیں۔ یہ تو مفعول مطلق نوعی کا ترجمہ ہوا جو فعل مذکور سے فہم شدہ مصدر کی قسم پر دلالت کرتا ہے۔ قیام کی دو قسم ہوئیں اول پوری طرح کھڑا ہونا، دوم، ادھورا کھڑا ہونا، اس ترجمے نے پہلی قسم پر دلالت کی، اسی طرح ضرب کی دو قسم ہیں، اول: خوب مارنا، یا اچھی طرح مارنا، دوم: کم مارنا یا کمی کے ساتھ مارنا۔ اس ترجمے نے پہلی قسم پر دلالت کی، لیکن یہ ہر دو فاضلان دیوبند کہاں ہیں اتنے ہوش مند۔　(البشیر۔ ص ۱۵۰؍)

(۵) نحو میر میں 'باب سوم در اسمائے عاملہ'' کی قسم چہارم میں اسم فاعل کے دائرہ عمل اور اس کی شرائط بیان کرنے کے بعد مثالوں کے ضمن میں مررت برجل ضارب ابوہ بکرا۔ کا ذکر ہے جس کا ترجمہ ہے۔ میں ایسے مرد کے پاس سے گزرا جس کا باپ بکر کو مارتا ہے، مارے گا۔ لیکن مصباح المنیر ص/۱۲۴۔ اور مہر منیر، ص/۱۱۵۔ پر اس کا ترجمہ یوں کیا گیا ہے۔ میں ایک آدمی کے ساتھ گزرا جس کا باپ بکر کو مارنے والا ہے۔۔ حضرت صدر العلماء اس پر گرفت فرماتے ہوئے رقم طراز ہیں۔

''یہ بدو وجہ غلط ہے، اولا۔ اس لئے کہ 'رجل'' کا ترجمہ آدمی نہیں، کہ نابالغ پر آدمی صادق آتا ہے۔ 'رجل'' صادق نہیں

ثانیا: اس لئے کہ '' کے ساتھ گزرا؛؛۔ ترجمہ صحیح نہیں کیوں کہ اس سے مفہوم ہوتا ہے کہ متکلم کی طرح وہ بھی گزرنے والا ہے۔ حالانکہ یہ عبارت صرف متکلم کے گزرنے پر دلالت کرتی ہے، صحیح وہی ہے جو ہم بیان کر آئے۔ (ایضا۔ ص/۱۹۴)

(۶) نحو میر کے باب سوم در اسمائے عاملہ کی چوتھی قسم میں اسم مفعول کا عمل بیان کرنے کے بعد اس کی چار مثالیں ذکر کی ہیں، (۱) زید مضروب ابوہ۔ (۲) عمرو معطی غلامہ درھما۔ (۳) بکر معلوم ابنہ فاضلا۔ (۴) خالد مخبر ابنہ فاضلا۔ جس کا ترجمہ علی الترتیب یہ ہے۔ کہ (۱) زید کا باپ مارا جاتا ہے۔ یا مارا جائے گا۔ (۲) عمرو کے غلام کو درہم دیا جاتا ہے یا دیا جائے گا۔ (۳) پسر بکر فاضل جانا جاتا ہے یا جانا جائے گا۔ (۴) پسر خالد کو خبر دی جاتی ہے کہ عمر فاضل ہے یا خبر دی جائے گی کہ عمرو فاضل ہے۔۔ مگر مصباح المنیر اور مہر منیر میں اس کے ترجمے میں دونوں فاضلان دیوبند نے ٹھوکریں کھائیں ہیں۔ حضرت صدر العلماء قدس سرہ کے عالمانہ ریمارک کے ساتھ ملاحظہ فرمائیں۔ لکھتے ہیں۔

المصباح المنیر، ص/۱۲۷۔ میں اور مہر منیر، ص/۱۱۷۔۱۱۸، میں باختلاف اقل قلیل، زید مضروب ابوہ۔ کا ترجمہ کیا ہے۔ زید کا باپ پیٹا ہوا ہے۔ او عمرو معطی غلامہ درھما، کا۔ عمرو کے غلام کو ایک درہم دیا ہوا ہے۔ اور بکر معلوم ابنہ فاضلا'' کا: بکر کے بیٹے کو فاضل جانا ہوا ہے۔، اور'' خالد مخبر ابنہ عمرا فاضلا۔'' کا: خالد کے بیٹے کو خبر دی ہوئی ہے کہ عمرو فاضل ہے۔

اقول: یہ سب کے سب غلط ہیں کیوں کہ ان مثالوں میں اسم مفعول بمعنی حال ہے، یا بمعنی استقبال اور یہ ترجمے سب کے سب، ماضی کے ہیں۔

(ایضا، ص/۱۹۷)

(۷) حروف ایجاب چھ ہیں، ان میں سے ایک ''بلی'' ہے۔ جو صرف جملہ منفیہ کے جواب میں آتا ہے۔ اس کی نفی توڑنے کے لئے خواہ وہ خبر یہ ہو جیسے کسی نے کہا'' ما صمت امس،'' تم نے کل روزہ نہیں

رکھا تھا۔) تم نے جواب میں کہا "بلی" (نہیں رکھا تھا۔) خواہ انشائیہ ہو جیسے کسی نے سوال کیا' اما حججت؟ ،(کیا تم نے حج نہیں کیا۔؟) تم نے جواب میں کہا۔ بلی (نہیں۔کرلیا۔) جب کہ مہر منیر ،ص/۱۲۹۔ پر"بلی" کا ترجمہ (ہاں) کیا ہے۔حضرت صدر العلما قدس سرہ نے اس پر بہت بصیرت افروز تنقید فرمائی ہے، جس سے واضح ہوتا ہے کہ آپ کی رسائی نحوی اصول وقواعد کی روح تک تھی اور فن کے تہ نشین اسرار و رموز سے آپ پورے طور پر آشنا تھے۔فرماتے ہیں۔

اقول: یہ ترجمہ ہو یا حاصل مطلب، دونوں غلط ہیں۔ کیونکہ ''ہاں'' سے کلام سابق کا اقرار ہوتا ہے، جیسے نعم سے جس کو خود نعم کی بحث میں بیان کیا ہے۔اور''ہاں'' کو نعم کا ترجمہ قرار دیا ہے۔پس"الست بربکم" کے جواب میں جو"بلی "کہا گیا تھا، اگر اس کا ترجمہ''ہاں'' ہوتو کلام سابق کا اقرار ہوگا اور کلام سابق نفی ہے تو نفی کا اقرار ہوا۔ کیوں کہ ''ہاں'' کہنے سے نفی ٹوٹتی نہیں بلکہ تسلیم ہوتی ہے۔ جیسے نعم میں۔پس ''ہاں'' کہنے کے معنی یہ ہوئے کہ تو ہمارا رب نہیں۔، یہ معنی باطل ہیں، بلکہ''بلی'' کا مطلب ہے کیوں نہیں۔یا صرف نہیں۔کہ یہ دونوں نفی پر دلالت کرتے ہیں۔اور سابق میں بھی نفی تھی۔تو جب نفی پر نفی وارد ہوئی تو سابق کی نفی ٹوٹ گئی۔، جب سابق کی نفی ٹوٹ گئی تو اثبات ہو گیا اب معنی ہوئے کہ تو ہمارا رب ہے۔یہ معنی صحیح ہیں۔یہ فاضل دیوبند اردو بھی نہیں سمجھتے، پھر نحو میر سمجھنا چہ معنی دارد۔ (البشیر۔ص/۲۳۵۔۲۳۶)

کاتب اور ناسخ کی غلطی پر تنبیہ

صاحب البشیر حضرت صدر العلماء علیہ الرحمۃ والرضوان نے اس کتاب میں کاتبین اور ناسخین کی غلطیوں کی بھی نشان دہی فرمائی ہے۔اور جز بھی کہا ہے، دلائل و براہین کی روشنی میں اس کو ثابت بھی فرمایا ہے۔ جب کہ ان میں سے بعض غلطیاں ایسی ہیں جن پر بعض سابقہ شارحین بھی مطلع نہیں ہو سکے۔ذیل میں اس کے کچھ نمونے نذر قارئین ہیں ملاحظہ فرمائیں۔

(۱) صاحب نحو میر حضرت میر سید شریف جرجانی قدس سرہ نے''حروف عاملہ در فعل مضارع'' کے تحت اس کی صراحت کی ہے، کہ''ان'' ناصبہ فعل مضارع پر داخل ہو کر اس کو نصب دیتا ہے۔اور ان اور فعل کا مجموعہ مصدر کے معنی میں ہو جاتا ہے۔لیکن خاتمہ کتاب میں حروف غیر عاملہ کی چوتھی قسم۔حروف مصدریہ'' کے تحت لکھا۔

''آں سہ است، ما، ان، ان، ماوان، در فعل روند تا فعل بمعنی مصدر باشد۔

حروف مصدریہ تین ہیں۔ما، ان، ان، ما اور ان فعل پر داخل ہوتے ہیں، تا کہ فعل مصدر کے معنی میں ہو جائے۔اس پر یہ شبہ وارد ہوتا ہے کہ دونوں عبارتوں میں تضاد ہے، پہلی عبارت سے معلوم ہوتا ہے کہ ان اور فعل مضارع کا مجموعہ مصدر کے معنی میں ہوتا ہے، اور دوسری عبارت سے واضح ہوتا ہے کہ تنہا فعل اس کی وجہ سے مصدر کے معنی میں ہو جاتا ہے۔اس پر حضرت صدر العلماء کا محققانہ کلام ملاحظہ کریں، فرماتے ہیں:

بات وہی صحیح ہے جو پہلے گزر چکی یہاں پر وبا فعل بمعنی مصدر باشد، تھا کاتب کی غلطی سے واو ساقط ہو گیا، اور با کی جگہ تا لکھا گیا، یا تا بافعل بمعنی مصدر باشد، تھا، سہو کاتب سے با لکھنے سے رہ گئی، یہ توجیہ اس لئے اختیار کی گئی کہ مصنف علیہ الرحمہ ماقبل میں خود بیان فرما چکے ہیں کہ مجموعہ بمعنی مصدر ہوتا ہے، نیز دلیل قائم ہو چکی ہے، اس بات پر کہ تنہا فعل بمعنی مصدر نہیں ہوتا بلکہ مجموعہ۔

(البشیر ۔ص ر ۲۳۷، ۲۳۸)

(۲) حضرت میر سید شریف جرجانی قدس سرہ نے حروف غیر عاملہ کی ساتویں قسم کے تحت حروف استفہام تین بتائے ہیں، ما، ہمزہ، اور ہل۔ جب کہ ہدایۃ النحو، کافیہ وغیرہ کتب نحو میں حروف استفہام صرف دو بتائے ہیں، ہمزہ، مفتوحہ اور ہل، اس پر کلام کرتے ہوئے حضرت صدر العلماء البشیر میں لکھتے ہیں:

”ما حرفیہ استفہام کے واسطے نہیں آتا، یہاں پر ناسخین نے ’ال، کی جگہ [ما] لکھ دیا ہے، اور [ال] استفہام کے لئے آتا ہے۔ امام قطرب نے جلیل القدر صحابی حضرت ابوعبیدہ رضی اللہ تعالی عنہ سے نقل فرمایا۔ ال فعلت ؟ یعنی، هل فعلت؟ كذا فى التكملة، ص ر ۵۵۰۔ نظر برآں حروف استفہام تین ہو گئے۔

(ص ۔۲۴۴)

مگر ہدایۃ النحو، کافیہ وغیرہ عام کتب نحو سے مخالفت اب بھی باقی رہ گئی تھی، اس لئے اس پر تفصیلی کلام فرماتے ہوئے رقمطراز ہیں:

”جنہوں نے حروف استفہام دو بیان فرمائے ہیں وہ ’ال، کے متعلق فرماتے ہیں، کہ یہ اصل میں ”ھل‘ ہے ”ھا“ کو ہمزہ سے بدل کر ’ال، کہتے ہیں، ”ال“ الگ کوئی حرف نہیں نظر برآں حروف استفہام دو ہی رہے۔ مصنف علیہ الرحمہ نے ’ال‘ کو مستقل حرف شمار فرمایا تو تین ہوئے۔ وللناس فى مايعشقون مذاهب۔ یا یوں کہا جائے کہ اصل عبارت یوں تھی، وآں دو است ہمزہ، وہل۔ ناسخین نے دو کی جگہ سہ کر دیا۔ اور ”ما“ بڑھا دیا، اب دیگر کتب سے مخالفت نہ رہے گی، ناسخین کی طرف منسوب کرنے کی وجہ یہ کہ ہدایۃ النحو کافیہ اور اس کی شروح شرح جامی جامع الغموص، غایۃ التحقیق، تسہیل الکافیہ، محرم آفندی، وافیہ، حتی کہ شرح رضی میں بھی نہیں ملا کہ ”ما“ حرفیہ برائے استفہام آتا ہے۔ نہ شرح رضی کے حاشیہ سید شریف میں نہ شرح جامی کے حاشیہ ملا عبد الغفور، حاشیہ ملا عبد الحکیم، موسوم بہ تکملہ، حاشیہ ملا عصام، حاشیہ، ملا جمال، حاشیہ سوال باسولی، حاشیہ سوال کابلی، وغیرہ میں، بلکہ نہ علامہ ابن ہشام کی مغنی اللبیب، میں نہ ہمع الھوامع شرح جمع الجوامع للسیوطی میں، نہ الفیہ ابن مالک، کی شرح اشمونی، میں نہ اس کے حاشیہ الصبان میں، بلکہ، ما نافیہ کی کل چار قسمیں مذکور ہیں، اول۔ نافیہ، دوم کافہ، سوم، مصدریہ، چہارم۔ زائدہ۔ تعجب اس پر ہے کہ نحو میر کے محشی صاحبان جیسے کہ حضرت مولانا عبد العلی صاحب مدراسی، مولانا انور علی صاحب، مولانا ہادی علی صاحب، رحمۃ اللہ تعالی علیہم نے بھی اس طرف توجہ نہیں فرمائی۔ بلکہ نحو میر کا تحشیہ فرمانے والے صاحب نے اس مقام پر نحو میر کی شرح بزبان فارسی سے حروف استفہام کی مثالیں ذکر کی ہیں، شرح مذکور کے مصنف نے ما حرفیہ استفہامیہ کی مثال میں ”ما اسمک۔ پیش فرمایا ہے۔ جو صحیح نہیں،

کیوں کہ اس مثال میں ما اسمیہ استفہامیہ ہے نہ ما حرفیہ استفہامیہ ورنہ لازم آئے گا کہ ما اسمک، جملہ ندیہ ہے۔ حالانکہ جملہ ہے، اس پر سکوت کرنے سے مخاطب کو طلب معلوم ہوتی ہے۔ (ایضاً، ص ۲۴۴، ۲۴۵)

ہم نے بنظر اختصار صرف دو نمونوں پر اکتفا کیا ورنہ البشیر، کے ص، ۱۲۹، ۲۰۶، ۲۴۱، ۲۴۲، وغیرہ پر بھی اس کی مثالیں موجود ہیں، نمونہ نمبر۲، کی روشنی میں یہ بات روز روشن کی طرح آشکارا ہوگئی کہ اللہ تعالیٰ نے آپ کو وہ نور بصیرت عطا فرمایا تھا کہ جہاں شارحین سابقین کے قدم بھی ڈگمگا جاتے اور وہ ناسخین کا تبین کی لغزشوں سے بے خبر رہتے وہاں آپ بڑی چابک دستی، ہوشیاری، سے اپنے آپ کو لغزشوں سے بچا لیتے اور نہ صرف خود بچتے بلکہ انہیں بھانپ کران پر عالمانہ تنبیہ فرماتے۔

ایں سعادت بزور بازو نیست تا نہ بخشد خدائے بخشندہ

ایک علمی لطیفہ

علامہ میر سید شریف جرجانی قدس سرہ النورانی نے فاعل کے احکام بیان کرتے ہوئے تحریر فرمایا۔ کہ جب فاعل مونث حقیقی ہو یا ضمیر مونث تو فعل میں علامت تانیث کالانا لازم ہوتا ہے۔ جیسے، قامت ھند، ھند قامت۔ اور جب فاعل اسم ظاہر مونث غیر حقیقی ہو یا جمع تکسیر ہو تو اس میں دو صورتیں جائز ہیں جیسے، طلع الشمس و طلعت الشمس، قال الرجال و قالت الرجال اس کی تشریح کرتے ہوئے صدر العلماء امام النحو حضرت میرٹھی صاحب رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں۔

جمع تکسیر اگر عاقل کی ہے تو فعل کی تذکیر بضمیر واو بھی جائز ہے، جیسے الرجال قاموا، اور تانیث بھی بضمیر واحد مونث جیسے الرجال قامت۔ اور جمع تکسیر اگر غیر عاقل کی ہے تو فعل کی تانیث بضمیر واحد مونث اور جمع مونث دونوں جائز، الایام مضت اور الایام مضین۔ اور اگر مونث لفظی ایسا اسم ہے جس کو حیوان نر اور مادہ دونوں پر اطلاق کرتے ہیں جیسے، حمامۃ، کہ کبوتر اور کبوتری دونوں پر بولا جاتا ہے، اور نملۃ چیونٹی اور چیونٹے دونوں پر بولتے ہیں، پس اگر یہ فاعل واقع ہو تو فعل کی تذکیر اور تانیث دونوں جائز ہے، خواہ اس کا مصداق نر ہو یا مادہ، جیسے قالت نملۃ، بھی جائز ہے۔ اور قال نملۃ، بھی جائز۔ ھذا والتفصیل فی المطولات۔ (ایضاً، ص ۱۶۳)

پھر امام اعظم ابو حنیفہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی باریک بین نظر، عنوان قائم فرما کر آپ کے تفوق علمی کو بیان کرنے کے لئے درج ذیل واقعہ تحریر فرماتے ہیں، جو تاریخی واقعہ ہونے کے ساتھ ساتھ ایک علمی لطیفہ بھی ہے، ملاحظہ ہو۔

جلیل القدر تابعی حضرت قتادہ بصری رضی اللہ تعالیٰ عنہ کوفے میں تشریف لائے یہ سن کر لوگ جوق در جوق حاضر ہونے لگے تا کہ زیارت سے مشرف ہوں اور علوم کا استفادہ کریں، آپ نے ارشاد فرمایا۔ سلونی ماشئتم، (جو چاہو پوچھو) امام اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ بھی حاضر تھے، جوانی کا عالم تھا، آپ نے نملۃ، کے متعلق سوال کیا کہ وہ نر تھی یا مادہ؟ جس کو قرآن کریم نے حضرت سلیمان علیہ السلام کے واقعہ میں بیان فرمایا ہے

اور جس نے تین میل کے فاصلے سے آپ کے لشکر کو دیکھ کر کہا تھا کہ اے چیونٹیوں اپنے اپنے بل میں داخل ہو جاؤ کہیں لشکر بے توجہی میں تمہیں کچل نہ ڈالے۔اس پر حضرت قتادہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ خاموش ہو گئے، پھر امام اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے خود فرمایا کہ وہ مادہ تھی، کسی نے کہا آپ کو کہاں سے معلوم ہوا؟ آپ نے فرمایا کہ قرآن کریم سے، بایں طور کہ (قرآن کریم میں) فرمایا قالت نملة اور قال نملة، نہ فرمایا۔حالانکہ دونوں جائز ہیں، قال سہ حرفی ہے اور قالت چہار حرفی ہے اور اطول۔تو اقصر کو ترک کر کے اطول کو اختیار کرنا اسی نکتہ کی طرف اشارہ ہے کہ وہ مادہ تھی، ورنہ اقصر اختیار کرنا چاہیے تھا کہ خیر الکلام ماقل و دل۔

(البشیر، ص/۱۶۳-۱۶۴)

یہ صدر العلماء امام النحو حضرت علامہ میرٹھی صاحب رحمۃ اللہ علیہ کی کتاب البشیر کے بعض ذیلی عنوانات پر کلام اور اس کے بعض گوشوں پر تبصرہ تھا، ابھی عالمانہ تنقید، فنی لغزشوں پر گرفت، جوابات سے پیدا شدہ شکوک وشبہات کا ازالہ، غلط حوالوں پر گرفت، بیان مذاہب، بیان مذاہب کے تعلق سے ہونے والی لغزشوں پر تعقب، تراجم اعلام، اور اس جیسے بہت سے ذیلی عنوانات باقی رہ جاتے ہیں، جن پر کوئی بھی قلم کار اپنے قلم کی جولانیاں دکھا سکتا ہے، بس اب میں یہیں پر اس اعتراف کے ساتھ اپنے اشہب قلم کو روکتا ہوں، کہ ع ابھی اس بحر میں باقی ہیں لاکھوں لولوئے لالا۔

نفیس احمد مصباحی

بارہ بنکوی استاذ جامعہ اشرفیہ، مبارک پور

اعظم گڑھ، یو۔پی۔انڈیا

صدر العلماء حضرت مولانا سید غلام جیلانی میرٹھی رحمۃ اللہ علیہ

ایک جامع الکمالات شخصیت

حضرت مولانا ڈاکٹر غلام یحیٰ انجم بستوی

صدر شعبۂ علوم اسلامیہ جامعہ ہمدرد (ہمدرد؛ یونیورسٹی۔دہلی)

مغربی اتر پردیش کے اضلاع میں شہر میرٹھ کئی وجوہات کی بنا پر ماضی میں خصوصیت کا حامل رہا ہے اور اب بھی اپنے اسی بعض محاسن کی بنیاد پر قابل تکریم ہے۔اس شہر کے نوجوانوں نے سب سے پہلے انگریزوں کے خلاف علم بغاوت بلند کیا جس کا اختتام حصول آزادی پر ہوا۔مبلغ اسلام حضرت مولانا عبدالعلیم میرٹھی صدیقی رحمۃ اللہ علیہ نے سات سمندر پار جس عالمانہ وقار کے ساتھ دین کی تبلیغ اور نشر واشاعت فرمائی اور غیر مسلموں کو انہیں کی زبان میں سمجھا کر اسلام کا نہ صرف ہمنوا بنایا بلکہ قبولیت حق کے بعد وہ اسلام کے داعی ونقیب بھی بنے۔ادبی طور پر یہاں کے شعرا وادبا نے اس شہر کی عظمت ووقار کو سربلندی عطا کرنے میں کوئی کسر نہ اٹھا رکھی۔میرٹھ کی مصنوعات قینچی کی شہرت دنیا بھر میں ہے۔بیسویں صدی کے نصف اول میں صدر العلما حضرت مولانا غلام جیلانی میرٹھی اس شہر میں تشریف لائے اور یہاں کی خاک سے کچھ اس درجہ انسیت ہوئی کہ پھر ہمیشہ کے لئے وہیں کے ہوکر رہ گئے۔ان کے نام کے ساتھ "میرٹھی" ایسا لگا جو بعد مرگ بھی جدا نہ ہوسکا۔

صدر العلماء مولانا غلام جیلانی میرٹھی کو میرٹھ کے باشندے صدر صاحب کے نام سے جانتے ہیں اور چونکہ علم نحو میں آپ کو اعلیٰ درجہ کا کمال حاصل تھا اس لئے علما کے حلقہ میں آپ کو امام النحو سے یاد کیا گیا۔مگر سچ یہ ہے کہ آپ امام النحو ہونے کے ساتھ ساتھ کئی علوم وفنون میں اپنی مثال آپ تھے۔بلاشبہ وہ جماعت اہل سنت و جماعت کے ان نامور اور اکابر علما میں سے تھے جن کے علمی و دینی کارنامے انفرادی طور پر نہیں جماعتی سطح پر اعتراف کرنے کے قابل ہیں۔کیونکہ آپ نے اپنے لئے کچھ نہیں کیا ہے،جو کچھ بھی کیا ہے جماعت کی عظمت و سربلندی کے لئے کیا ہے۔آپ نے صفحات کے صفحات تو سیاہ نہیں کیے،مگر جتنا بھی لکھا ہے اور جس موضوع پر بھی لکھا ہے قلم توڑ دیئے ہیں۔مجھے خوشی ہے کہ ایسی جامع کمالات شخصیت کی زیارت کا مجھے شرف اس وقت حاصل ہوا جب میں ہندوستان کی مرکزی درسگاہ الجامعۃ الاشرفیہ مبارکپور میں جماعت رابعہ یا جماعت خامسہ کا طالب علم تھا۔ان نگاہوں نے جب کسی کو دیکھا ہو اور ہاتھوں سے خدمت کا موقع ملا ہو تو پھر اس کے تعلق سے لکھنے میں قلم

پس وپیش نہیں کرتا۔ خوبصورت چھریرا بدن، آنکھوں میں ایمان کی چمک اور پیشانی پر عالمانہ نکھار پورے وقار کے ساتھ جلوہ بار تھا۔ اسی ایک ملاقات کے بعد پھر نگاہیں ترس گئیں دوبارہ کبھی زیارت نہ ہوئی۔ اللہ کو پیارے ہو گئے۔

''خدا رحمت کند ایں عاشقان پاک طینت را''

صاحب تذکرہ حضرت مولانا غلام جیلانی میرٹھی کے والد کا نام غلام فخر الدین اور دادا کا نام سید سخاوت حسین تھا والد ماجد کئی بچیوں کے باپ تھے۔ انہوں نے آپ کی ولادت کے لئے غوث اعظم سیدنا شیخ عبد القادر جیلانی کو وسیلہ بنا کر بارگاہ خداوندی میں یہ نذر مانی تھی کہ اگر فرزند متولد ہوگا تو گیارہویں شریف کا فاتحہ اور وسیع پیمانہ پر پیش کروں گا۔ نذر ماننے کے بعد خواب میں کسی بزرگ سے ملاقات ہوئی اس نے بشارت دی اور فرمایا کہ بچے کا نام غلام جیلانی رکھنا۔ مقبولان بارگاہ الٰہی کا وسیلہ رائیگاں نہیں جاتا۔ بچے کی ولادت ہوئی اور حسب بشارت غلام جیلانی نام رکھا گیا۔ اس وقت کے مشہور دینی مدارس میں اکابر علمائے اہل سنت سے اکتساب علم کیا۔ صدر الشریعہ حضرت مولانا حکیم امجد علی اعظمی رحمۃ اللہ علیہ اور صدر الافاضل حضرت مولانا سید محمد نعیم الدین مرادآبادی رحمۃ اللہ علیہ نے ایسا جام علم وفن پلایا کہ ان دونوں صدور کے طفیل آپ بھی اپنے دور کے صدر العلما بن گئے۔ مجاہد ملت حضرت مولانا حبیب الرحمٰن اڑیسوی، حافظ ملت حضرت مولانا شاہ عبد العزیز مرادآبادی ثم مبارکپوری، مصنف قانون شریعت حضرت مولانا قاضی شمس الدین جعفری جونپوری، امین شریعت حضرت مولانا رفاقت حسین کانپوری علیہم الرحمہ والرضوان جیسے حق گو، حق پسند علماء کی علمی رفاقت ملی۔

حضرت مولانا غلام قطب الدین برہمچاری جنھوں نے بنارس کے کسی مندر میں ہندوانی روپ اختیار کر کے سنسکرت کی تعلیم حاصل کی اور باضابطہ ہندو دھرم کا مطالعہ کیا پھر پنڈتوں سے مناظرہ کر کے انہیں کفر کی تاریکیوں سے نکال کر ایمان کے اجالے میں لاکھڑا کیا۔ آپ کے چچا تھے۔ آپ کی شخصیت کی تعمیر میں چچا نے اہم کردار ادا کیا۔ جامعہ اہل سنت منظر اسلام بریلی شریف سے ۱۳۵۲ھ میں فراغت ہوئی۔ مفسر اعظم ہند حضرت مولانا حامد رضا خاں قادری علیہ الرحمہ الرضوان نے سر پر دستار فضیلت باندھی اور کامیابی کی سند دے کر دعاؤں سے نوازا۔

صدر العلماء غلام جیلانی میرٹھی کو تفسیر، حدیث، فقہ، نحو وصرف الغرض تمام علوم متداولہ پر یکساں قدرت تھی۔ مگر فن نحو وصرف جس کی عدم تفہیم سے قرآن واحادیث کی تفہیم مشکل ہو جاتی ہے اس میں آپ کو کمال حاصل تھا۔ لوگ فن نحو وصرف کا درس لینے کی خاطر دور دراز کی مسافت طے کر کے آپ کی خدمت میں حاضری دیا کرتے تھے۔ نحو وصرف کے مشکل مسائل کو حل کرنے کے بعد ہی واپس گھر تشریف لے جاتے تھے۔ اس فن سے حد درجہ شغف آپ کو ورثہ میں ملا تھا۔ آپ کے دادا سخاوت حسین بھی اس فن کے رسیا تھے۔ ان کا حال یہ تھا کہ

جب کسی سے مناظرہ کرتے تو انہیں حسن تدبیر سے مسائل صرف ونحو میں لاکر زیر کر دیا کرتے تھے۔(۱) یہ عام سی بات ہے کہ کسی فن سے خصوصی تعلق کا اندازہ صحیح معنوں میں اسی وقت لگایا جا سکتا ہے جب اس فن کا متلاشی اس فن میں اس طرح کھو جائے کہ صبح وشام اسی کی یاد آتی رہے۔ ایک مرتبہ کا ذکر ہے طالب علمی کا زمانہ تھا انسپکٹر پولس ریاست رام پور کے گھر بعد نماز عشا ختم قرآن کا پروگرام تھا۔ اس پروگرام میں حصول برکت کے لئے آپ بھی شریک ہوئے۔ ختم قرآن پڑھتے پڑھتے آنکھ لگ گئی اور بجائے آیت کریمہ دن کا سبق زبان پر جاری ہو گیا۔ ''قال اصل میں قول تھا واو متحرک ماقبل اس کے مفتوح اس واو کو الف سے بدل دیا قال ہو گیا''۔ آپ کے دائیں بائیں کچھ طلبہ اور بیٹھے تھے وہ یہ جملے سن کر مسکرانے لگے۔ اتنے میں انسپکٹر مرحوم ادھر ہی آ گئے جدھر آپ بیٹھے ہوئے تھے۔ آپ کو بیدار کیا اور زبان سے وہ جملہ سن کر فرمانے لگے کیا آیت کریمہ کے بجائے پنج گنج کا ختم ہو رہا ہے۔ دیوانگی کی حد تک فن نحو سے دلچسپی نے آپ کو اس فن کے اعلیٰ مدارج تک پہونچا دیا۔ کئی اہم نحوی کتابوں کی شرحیں لکھیں اور ان شرحوں کے اندر پہلے کے شارحین نے جو غلطیاں کی تھیں ان کی اصلاح فرمائی۔ فن نحو کی بنیادی کتابوں کی جو شرحیں آپ کے نوک قلم سے منظر عام پر آئیں ان کی فہرست اس طرح ہے "البشیر الکامل شرح مأة عامل ، البشیر شرح نحومیر، بشیر الناجیة بشرح الکافیة" آپ نے ان نحوی کتابوں کی شروح کیوں لکھیں؟ اس کا سبب بیان کرتے ہوئے صدر العلما فرماتے ہیں:

بعض طلبہ کے اصرار بکراں اور تقاضائے فراواں پر نحومیر کی شرح لکھی تا کہ طلبہ اس گمراہی سے محفوظ رہیں جو دیوبندی شروح نے پھیلا رکھی ہیں۔

دیوبندی شروح میں نحوی، صرفی اور بنیادی عقائد کے تعلق سے جو خرابیاں ہیں ان تمام کا اس مختصر سے مقالہ میں احاطہ ممکن نہیں، البتہ شرح نحومیر کے تعلق سے ایسی اغلاط ہیں جو طلبہ کے ذہن ودماغ کو برباد کرنے میں موثر کردار ادا کرتی ہیں اس کا احاطہ آپ نے البشیر شرح نحو میر میں کیا ہے۔ اس سلسلہ میں پہلے کی کتاب لکھی ہوئی جن دیوبندی شروح کو آپ نے مدنظر رکھا ہے ان کی تفصیل اس طرح درج کی ہے۔

نحو کی بنیادی کتاب نحومیر جو میر سید شریف جرجانی کی تصنیف ہے اس کی شرح لکھتے وقت آپ نے علمائے دیوبند کے تیئیس جن خدشات کا ذکر کیا ہے وہ محل نظر ہے۔ فرماتے ہیں:

نحومیر کی شرح لکھتے وقت اس کتاب کی صرف دو شرحیں مجھے دستیاب ہو سکیں، ۱۔المصباح المنیر ، ۲۔مہر منیر۔ المصباح المنیر جس کے سرورق پر تالیف لطیف استاذ الاساتذہ حضرت مولانا سید حسن صاحب بن امام النحو حضرت مولانا نبیہ حسن صاحب مدرس مدرسہ دار العلوم دیوبند اور مہر منیر کے سرورق پر تالیف مولانا محمد عمر عثمانی تھانوی درج ہے۔ اول کا سن اختتام محرم الحرام ۱۳۷۷ھ اور دوم کا ۱۳۶۵ھ ہے۔ جس سے ظاہر ہوتا ہے کہ اول موخر اور دوم مقدم ہے۔ دونوں کے مضامین یکساں ہیں۔ حتی کہ الفاظ میں بھی اتحاد، کہیں کہیں

اقل قلیل اختلاف پایا جاتا ہے۔ اس سے یہ بات معلوم ہوتی ہے کہ اول نے دوم کا چربہ اتارا ہے۔ اور دوم کی عبارت بجنسہ نقل کردی ہے۔ بہر حال دونوں شرحیں طلبہ کے لئے گمراہی کا پاور ہاؤس ہیں۔ ان دونوں فاضلان دیو بند کو علم نحو کی ابتدائی کتابوں کے مسائل مستحضر نہیں۔ بلکہ خود نحو میر سمجھنے سے بھی قاصر ہیں۔ ان دونوں فاضلان دیو بند کا حال یہ ہے کہ مصنف علیہ الرحمہ پر افترا کرنا، نحویوں کی جانب نسبت ناروا، مسائل کے بیان میں تضاد، نہ نحو میں لکھا سمجھے نہ اپنا لکھا یاد، کتابی مثالوں کے ترجمے غلط سلط، خود ساختہ مثالوں میں شطط بہ شطط، اصطلاحات پر وقوف نا تمام اور ترکیب میں خام در خام، یہ ہیں نحو میر کی شروح، یا ہیں دیو بندی قروح، نعوذ باللہ السبوح'' (۲)

دیو بندی شروح کے تعلق سے یہ وہ حقائق ہیں جس کا اظہار مولانا غلام جیلانی میرٹھی رحمۃ اللہ علیہ نے واضح لفظوں میں کیا ہے اور ساتھ ہی ان اغلاط کے ازالہ کے لئے نحو میر کی ایک جامع شرح لکھی تا کہ درس نظامی کے طلبہ نحو وصرف کی صحیح تعلیم حاصل کر کے قرآن واحادیث کی صحیح تفہیم کرسکیں۔ آپ نے اپنی تصنیف میں نحو میر کے دو دیو بندی شروح کی اغلاط کی جانب اشارہ ''تنبیہ'' سے کیا ہے۔ اس طرح آپ کی تصنیف البشیر میں دوسو ساٹھ تنبیہات ہیں۔ بالفاظ دیگر آپ نے اپنی شرح میں دیو بندی شروح سے ۲۶۰ غلطیوں کا ذکر کیا ہے۔ ان اغلاط کے تفصیلی مطالعہ کے لئے تو آپ کو اصل کتاب دیکھنی ہوگی۔ البتہ مشتے نمونہ از خروارے کے طور پر کچھ اغلاط کا ذکر یہاں کیا جارہا ہے۔ تا کہ مدعی کی گردن پر دعوی بغیر دلیل کے رہنے کا الزام نہ رکھا جا سکے۔

صدر العلماء نے اگر چہ بظاہر فن نحو کی مشہور زمانہ کتاب نحو میر کی شرح لکھی ہے مگر انہوں نے اس شرح کے ذریعہ فنی اغلاط کی اصلاح کے علاوہ زبان وبیان اور نحو میر نہ سمجھنے سے جو خدا اور رسول کی بارگاہ میں بے ادبیاں سرزد ہوئیں اور گستاخانہ عقائد کے دروازے کھلے ان کی نہ صرف یہ کہ نشاندہی کی بلکہ ان کی اصلاح بھی فرمائی ہے۔ اس سلسلہ کا آغاز اصل کتاب شروع ہونے سے قبل خطبہ سے ہی کر دیا ہے اور یہ ثابت کر دکھایا ہے۔ نحو میر کی جو دو شرحیں علمائے دیو بند کے حلقہ سے منظر عام پر آئی ہیں اس میں کئی اعتبار سے خامیاں ہیں۔ اصل کتاب پر تو گفتگو بعد میں کی جائے گی۔ سب سے پہلے بسم اللہ کے ترجمہ میں جو دیو بندی شارحین سے غلطیاں سرزد ہوئیں ہیں ان کا ذکر قدرے تفصیل سے کیا جارہا ہے۔ مولانا غلام جیلانی میرٹھی فرماتے ہیں:

(الف) بسم اللہ الرحمن الرحیم، کے ترجمہ میں دیو بندی شارحین نے جن غلطیوں کا ارتکاب کیا ہے وہ درج ذیل ہیں۔

۱۔ المصباح المنیر کے شارح نے ترجمہ کیا ہے ''شروع کرتا ہوں کے اللہ کے نام سے جو بہت مہربان اور نہایت رحم والے ہیں''۔

۲۔ مہر منیر کے شارح نے ترجمہ کیا ہے ''اللہ کے نام سے مدد طلب کرتے ہوئے جو بڑا ہی مہربان اور رحم کرنے والا ہے''

اس ترجمہ میں مولانا غلام جیلانی میرٹھی نے چار اغلاط کی نشاندہی کی ہے۔

ا۔ دونوں شارحین نے لفظ "اور" اپنی جانب سے بلاضرورت بڑھادیا۔ جب کہ بسم اللہ الرحمن الرحیم میں کوئی ایسا لفظ نہیں جس کا ترجمہ "اور" کیا جائے۔

۲۔ المصباح المنیر کے مولف نے صفت موصوف کے ترجمہ میں لفظ "ھیں" اور مہر منیر کے مولف نے "ھے" کا ذکر کیا ہے اس ترجمہ میں دونوں دیوبندی شارحین نے فن نحو کی عظمت کا دھیان نہ رکھ کر اپنے اکابر علماء کی تقلید کی ہے۔ ان شارحین کے اکابر مولانا اشرف علی تھانوی اور مولانا محمود الحسن دیوبندی نے بھی اسی طرح ترجمہ کیا ہے۔ حالانکہ الرحمن الرحیم یہ دونوں صفت ہیں اللہ اسم جلالت کی اور موصوف وصفت کے ترجمہ میں لفظ "ھیں" یا لفظ "ھے" کا ذکر کرنا دونوں فنی اعتبار سے غلط ہیں کیونکہ لفظ "ھیں" یا لفظ "ھے" دونوں نسبت تامہ کا ترجمہ ہے اور موصوف وصفت میں نسبت تامہ نہیں نسبت ناقصہ ہوتی ہے۔

۳۔ مہر منیر نامی شرح میں بسم اللہ کے ترجمہ میں اللہ کے نام سے مدد طلب کرتے ہوئے کہا گیا ہے۔ ایسا کہنا دیوبندی مذہب کے خلاف ہے۔ کیونکہ اللہ کا نام اللہ کا غیر ہے اور غیر اللہ سے مدد مانگنا دیوبندی مذہب میں جائز نہیں بلکہ شرک ہے۔ شارح نے ایسا کیوں کیا ہے محل نظر ہے۔

۴۔ ان دونوں ترجموں میں اللہ عزوجل کے لئے لفظ "ھیں" استعمال کیا ہے، یہ خلاف ادب ہے۔ اس لئے کہ واحد حقیقی کے شایان شان تو واحد ہی کا صیغہ ہے۔ اسی واسطے خود اللہ تعالیٰ نے اپنے حق میں صیغۂ واحد استعمال کرنے کی سورۂ فاتحہ میں بندوں کو تعلیم فرمائی کہ یوں کہو۔ "ایاک نعبد و ایاک نستعین" اس میں "ایاك" صیغہ واحد ہے، جس کا مخاطب خداوند قدوس ہے۔ پھر فرمایا یوں کہو۔ اھدنا الصراط المستقیم" اس میں بھی "اھد" واحد کا صیغہ ہے جس کا مخاطب اللہ عزوجل، اللہ تعالیٰ نے اپنے حبیب ﷺ سے فرمایا "قل رب زدنی علما" اس میں بھی "زد" واحد کا صیغہ ہے اور مخاطب اللہ تعالیٰ، انبیائے کرام علیہم الصلاۃ والسلام نے جب کبھی اللہ عزوجل کا ذکر کیا تو اس کیلئے واحد کا صیغہ استعمال کیا ہے، پورے قرآن پاک اور تمام احادیث میں واحد ہی کا صیغہ وارد ہے۔ حضرت آدم، حضرت نوح، حضرت عیسی، علیہم السلام اور خود محبوب کبریا ﷺ نے اللہ تعالیٰ کو واحد کے صیغہ سے ہی یاد کیا ہے۔ بلکہ تمام صحابہ، تابعین، تبع تابعین، ائمہ مجتہدین، حتی کہ علمائے شریعت بلکہ عام مومنین بھی صیغہ واحد استعمال کرتے رہے، علمائے حق کا بھی اسی پر عمل ہے۔ البتہ قرآن حکیم میں ایک مقام پر "رب ارجعون" آیا ہے اس میں صیغہ جمع ہے۔ اس سے مراد اللہ تعالیٰ کی ذات گرامی ہے۔ لیکن یہ کافر کی زبان سے ہے۔ مومن کی زبان سے نہیں۔ مسلمان کی یہ شان نہیں کہ کافر کی اتباع کرے۔ اور قرآن حکیم اللہ تعالیٰ کے تعلق سے جس مقام پر نحن کے ذریعہ صیغہ جمع کا استعمال ہوا ہے وہاں یہ واضح رہے کہ اس جیسے متکلم کے صیغے واحد اور جمع دونوں کے لئے استعمال لئے جاتے ہیں۔ مگر اس کا استعمال اس واحد کے لئے ہوتا ہے جو اپنے کو معظم

ظاہر کرے اور اگر یہ مراد نہیں بلکہ صیغہ جمع متکلم مع الغیر مراد لیا جائے تو "لقد خلقنا السموت والارض" میں لازم آئے گا کہ تخلیق سمٰوات اور ارض میں باری تعالیٰ کے ساتھ کوئی دوسرا بھی شریک ہو حالانکہ ایسا نہیں۔ اور اگر کوئی ایسا اعتقاد رکھتا ہے تو بلا شبہ اس اعتقاد کے کفر ہونے میں کوئی شبہ نہیں (۳)

(ب) الحمد لله رب العلمین، میں عالمین کی تشریح کرتے ہوئے المصباح المنير اور مہر منیر کے مصنف لکھتے ہیں: "عالمین عالم کی جمع ہے (اور عرف عام میں ہر ماسوی اللہ کو عالم کہتے ہیں)۔ مولانا غلام جیلانی میرٹھی فرماتے ہیں کہ یہ غلط فاحش ہے اور عرف عام پر افترا ہے۔ عرف عام میں ماسوی اللہ کو نہیں بلکہ جمیع ماسوی اللہ کو عالم کہتے ہیں۔ ماسوی اللہ کے ہر فرد کو عالم نہیں کہتے ورنہ لازم آئے گا کہ زید کو عالم کہیں کیونکہ وہ بھی ماسوی اللہ ہے حالانکہ زید کو عالم نہیں کہا جاتا۔ نوادر الوصول فی شرح الفصول میں مفتی محمد سعد اللہ فرماتے ہیں۔

"در عرف عام عبارت اسب از جمیع ماسوی اللہ نہ فردی از افراد لہذا عالم زید و بکر نمی گویند" (۴)

(ج) کذا کے تعلق سے المصباح المنير کے مصنف نے لکھا ہے "کم اور کذا دونوں مضاف واقع ہوتے ہیں اور ان کا مابعد مضاف الیہ واقع ہوتا ہے جیسے کذا درهما عندی (اتنے اتنے درہم میرے پاس ہیں) "کم درهما عندك" (کتنے درہم تیرے پاس ہیں) صدر العلما فرماتے ہیں کہ یہ غلط ہے کہ کذا اور کم استفہامیہ مضاف نہیں ہوتے اور نہ ان کا مابعد مضاف الیہ ہوتا ہے۔ بصیرت کا فقدان تو ہے بصارت بھی کمزور پڑ گئی ہے۔ دونوں مثالوں میں مابعد کو یعنی درہما کو منصوب ذکر کیا ہے اور فرما یہ چکے ہیں مابعد مضاف الیہ واقع ہوتا ہے۔ (۵)

(د) لائے نفی جنس کے تعلق سے المصباح المنیر اور مہر منیر کے مصنف نے لکھا ہے کہ لائے نفی جنس میں لاجنس کی نفی کے لئے آتا ہے مگر البشیر شرح نحومیر کے مصنف لکھتے ہیں یہ غلط ہے اور مصنف پر افترا بھی ہے۔ غلط تو اس لئے ہے کہ یہ لاجنس کی نفی کے لئے نہیں آتا ہے بلکہ جنس سے خبر کی نفی کے لئے آتا ہے۔

کتاب میں مذکورہ مثال لا رجل فی الدار میں جنس رجل کی نفی ہے یا جنس رجل سے ثبوت فی الدار کی نفی ہے اتنا نہ سمجھے اور افترا اس لئے کہ یعنی کہہ کر اس باطل تفسیر کو جلیل القدر مصنف کی مراد قرار دے دیا۔ (٦)

(ہ) حرف ندا کا مسئلہ ایک زمانہ سے علمائے حق اور علمائے سو کے درمیان متنازع رہا ہے ندا کے تمام حروف پر گفتگو یہاں ممکن نہیں صرف حرف "یا" موضوع بحث ہے جس پر علمائے دیو بند اور علمائے وہابیہ کا اعتراض ہے اور وہ یہ کہ یہ حرف قریب کے لئے خاص ہے اور جو نبی معاذ اللہ وہابی عقیدے کے مطابق مر کر مٹی

میں مل گئے ہوں ان کو قریب کے حرف ندا سے پکارنا کیا معنی؟ اور اگر زندہ مان بھی لیا جائے تو وہ ہزار میل کے فاصلہ پر مدینہ منورہ میں ہیں، لہذا ان کو یا رسول اللہ کہہ کر ہندوستان سے پکارنا عبث ہے۔ حالانکہ ایسا نہیں جیسا کہ وہابی اور دیوبندی علماء کا عقیدہ ہے۔ علمائے نحوئین نے لکھا ہے کہ حروف ندا میں 'ا' اور ای قریب کے لئے ایا وھیا بعید کے لئے اور یا قریب وبعید دونوں کے لئے آتا ہے۔ علمائے حق نحویوں کی اسی تشریح کو ہمیشہ مستحسن سمجھتے رہے ہیں اور اسی تشریح کے پیش نظر اکابر علمائے دیوبند کے پیرومرشد سید الطائفہ حضرت حاجی امداد اللہ مہاجر مکی رحمۃ اللہ علیہ نے لفظ یا کے ذریعہ رسول مقبول ﷺ کو ندا دی ہے اور ان کی بارگاہ میں اپنی پریشانیوں کا ذکر کر کے مدد کے خواستگار ہوئے ہیں۔

ذرا چہرے سے پردے کو اٹھاؤ یا رسول اللہ | مجھے دیدار تو اپنا دکھاؤ یا رسول اللہ
کروروئے منور سے مری آنکھوں کو نورانی | مجھے فرقت کی ظلمت سے بچاؤ یا رسول اللہ
اٹھا کر زلف اقدس کو ذرا چہرے مبارک سے | مجھے دیوانہ اور وحشی بناؤ یا رسول اللہ
مجھے بھی یاد رکھنا، ہوں تمہارا امت عاصی | گنہگاروں کو جب تم بخشواؤ یا رسول اللہ
جہاز امت کا حق نے کردیا ہے آپ کے ہاتھوں | بس اب چاہو تراؤ یا ڈباؤ یا رسول اللہ
پھنسا ہوں بے طرح گرداب غم میں ناتواں ہوکر | مری کشتی کنارہ پر لگاؤ یا رسول اللہ
اگرچہ ہوں میں عصیاں کار پر امید ہے تم سے | کہ پھر مجھ کو مدینے میں بلاؤ یا رسول اللہ
پھنسا کر اپنے دام عشق میں امداد عاجز کو | بس اب قید دو عالم سے چھڑاؤ یا رسول اللہ

اکابر علمائے دیوبند کے پیرومرشد تو حرف ندا یا رسول اللہ کہہ کر فریاد کرتے ہیں اور مدد طلب کرتے ہیں مگر ان کے خلفا اور جانشین اپنے پیرومرشد کے اس عمل کو شرک اور بدعت سے تعبیر کرتے ہیں۔ پیر اور مرید کے درمیان اس قدر فکری تضاد کیوں ہے اس کی ایک دلچسپ کہانی ہے۔ اس کہانی کی تفصیل کے لئے یہ مختصر مقالہ متحمل نہیں۔ لیکن بات آگئی ہے تو تفنن طبع کے لئے ایک پیراگراف صابری سلسلہ نامی کتاب سے درج کیا جارہا ہے آپ بھی چشم حیرت سے پڑھ لیں۔ مصنف کتاب نے امداد المشتاق کے حوالے سے حاجی صاحب کا یہ قول نقل کیا ہے۔

''میرے خلفاء دو قسم کے ہیں وہ جنہیں میں نے از خود خلافت دی ہے۔ دوسرے وہ جن کو تبلیغ دین کے لئے ان کی درخواست پر اجازت دی ہے۔ جن خلفاء کو از خود خلافت دی ہے انہوں نے پوری طرح حاجی صاحب کی اتباع کی مثلاً مولوی لطف اللہ علی گڑھی (م ۱۳۳۴ھ) مولوی احمد حسن کانپوری ۱۳۲۲ھ) مولوی محمد حسین الہ آبادی (م ۱۳۲۲ھ) اور مولوی عبد السمیع بیدل رام پوری۔ جن خلفا نے حاجی صاحب سے مسلکی اختلاف کیا ان میں مولوی محمد قاسم نانوتوی (۱۲۹۷ھ) مولوی رشید احمد گنگوہی ۱۳۲۰ھ) اور مولوی اشرف علی تھانوی

(۱۳۶۲ھ) کے اسمائے گرامی سرفہرست ہیں۔(۸)

موخر الذکر تینوں اکابر علمائے دیوبند کا مسلکی اتحاد نہ تو ان کے پیر و مرشد سے تھا اور نہ ہی ان کے دوسرے پیر بھائیوں سے تھا۔ جب حاجی صاحب نے یہ دیکھا کہ ان کے کچھ خلفاء و مریدین مسلک کے تعلق سے نظریاتی طور پر باہم متصادم ہیں تو انہوں نے اپنا مسلکی موقف تحریری شکل میں واضح کیا۔ اور اپنے تمام خلفا و مریدین سے کہا یہی میرا مسلک ہے اور میں اسی مسلک پر عمل پیرا ہوں۔ وہ کتاب آج بھی **فیصلہ ہفت مسئلہ** کے نام سے سنی کتب خانوں پر دستیاب ہے۔ حاجی صاحب نے جب اس کے کچھ نسخے مولوی احمد حسین الہ آبادی کے واسطے سے مولوی اشرف علی تھانوی اور پھر انہوں نے اسے رشید احمد گنگوہی کے پاس بھجوادئے۔ مولوی رشید احمد گنگوہی نے اس پر عمل کرنا تو در کنار اسے پڑھنا بھی گوارہ نہیں کیا اور اس کے نسخے اپنے ایک شاگرد علی حسن جو آگے چل کر خواجہ حسن نظامی سے مشہور ہوئے نذر آتش کردینے کے لئے کہا۔ اس واقعہ کی پوری تفصیل راقم السطور کی تصنیف **دار العلوم دیوبند کا بانی کون؟** نامی کتاب میں دیکھی جا سکتی ہے۔(۹)۔ جس قوم کا یہ حال ہو وہ قوم کس طرح ملت کی صحیح رہنمائی کا فریضہ انجام دے سکتی ہے۔ کہنے والے نے سچ کہا ہے کہ اگر مذہبی بنیاد کمزور ہو تو عقیدہ کا پورا تاج محل چکنا چور ہو جاتا ہے۔ اور نحو و صرف کی مکمل جانکاری نہ ہونے کے باعث انسان گمراہیوں کا شکار ہو جاتا ہے۔

(ز) اس طرح کی ایک واضح مثال افعال ناقصہ کی بحث میں عاد فعل ناقص کی تشریح ہے، صدر العلما حضرت مولانا غلام جیلانی فرماتے ہیں:

"عاد" فعل ناقص بمعنی صار آتا ہے جیسے "**عاد زید غنیا**" زید مالدار ہو گیا اور بمعنی رجع فعل تام بھی ہے جیسے "**عاد زید**" زید لوٹ گیا۔ آیت کریمہ "**وقال الذین کفرو لرسلھم لنخرجنکم من ارضنا او لتعودن فی ملتنا**. (۱۰) میں لتعودن مضارع اسی عاد ناقص کا فعل ہے۔ دیوبندی امت کے حکیم حضرت مولانا اشرف علی اور دیوبندی صاحبان کے شیخ الحدیث حضرت مولانا محمود الحسن سابق صدر المدرسین دار العلوم دیوبند وغیرہ قرآن کریم کا اردو ترجمہ کرنے والوں سے اس مقام پر خطائے عظیم صادر ہوئی کہ اس مقام پر انہوں نے **لتعودن** کو عاد فعل تام کا مضارع سمجھ کر فعل تام کا ترجمہ کر گئے۔ جس سے رسولوں پر کفر کی تہمت لگ گئی۔ حالانکہ یہ پاک ہستیاں کفر سے اجماعاً منزہ ہیں۔ چنانچہ ملاحظ ہو مولانا تھانوی کا ترجمہ "اور ان کفار نے اپنے رسولوں سے کہا کہ ہم تم کو اپنی زمین سے نکال دیں گے یا یہ کہ تم ہمارے مذہب میں پھر آجاؤ" (۱۱) اس پھر آجاؤ سے یہی مفہوم صادر ہوتا ہے کہ وہ رسول پہلے کفار کے مذہب پر تھے اور ان کا مذہب کفری تھا۔ العیاذ باللہ

تف بریں ترجمہ ناپاک و بریں گندہ خیال

اور دیوبندی شیخ الہند صاحب کا ترجمہ یہ ہے "اور کہا کافروں نے اپنے رسولوں کو ہم نکال دیں گے تم کو

اپنی زمین سے یالوٹ آؤ ہمارے دین میں" (۱۲) اس لوٹ آؤ سے بھی یہی معلوم ہوا کہ رسول پہلے ان کے دین میں تھے اوران کا دین کفری تھا تو رسول پہلے کفری دین میں تھے۔ مولانا غلام جیلانی میرٹھی فرماتے ہیں کہ علمائے دیوبند سے یہ خطائے عظیم اس لئے سرزد ہوئی کہ انہیں نحو میر یاد نہیں تھی اگر نحو میر یاد ہوتی تو ایسی بھیانک غلطی کا ارتکاب نہیں کرتے۔ (۱۳)

حضرت مولانا غلام جیلانی میرٹھی رحمۃ اللہ علیہ نے فن نحو کی شروحات لکھ کر ان مبتدی طلبہ کے لئے نحوی مسائل کو سہل انداز میں بیان کر کے قرآن واحادیث کی تفہیم میں آسانیاں پیدا کردی ہیں۔ نحوی مسائل کی عدم تفہیم سے جو مشکلات پیدا ہوتی ہیں اور ایمان کے ضائع ہونے کا جو خوف طاری ہوتا ہے۔ آپ نے اس سے ننی طلبہ کو بچالیا ہے۔ اگرچہ آپ نے ایک علمی کتاب کی بڑی ذمہ داری کے ساتھ بہترین شرح لکھی ہے لیکن ساتھ ہی اس شرح میں تبلیغ دین متین کی بھی اہم خدمت انجام دی ہے اور نحو میر کے نحوی مسائل نہ سمجھنے کی بنا پر جو غلط افکار و خیالات جنم لیتے ہیں سرے سے ہی ان کا قلع قمع کردیا۔

حضرت مولانا غلام جیلانی صاحب رحمۃ اللہ علیہ جامع الکمالات شخصیت کے مالک تھے۔ نحو وصرف کے علاوہ قرآنیات احادیث وفقہ کے علاوہ دیگر دینی علوم پر بھی گہری نظر تھی۔ نحو کی معرکۃ الآرا کتاب کافیہ، شرح مأۃ عامل اور نحو میر کی شرح لکھنے کے علاوہ آپ نے بخاری شریف کی بھی شرح لکھی ہے وہ شرح اگرچہ مکمل نہ ہو سکی لیکن لبشیر القاری کے نام سے جتنا بھی حصہ زیور طبع سے آراستہ ہو چکا ہے اس سے اندازہ ہوتا ہے کہ اگر گردش دوراں نے آپ کو مہلت دی ہوتی اور وہ اپنے گراں قدر خیالات کو قلم بند کر دئے ہوتے تو اردو زبان میں بخاری شریف کی ایک انتہائی جامع مومنانہ شرح اس وقت لائبریریوں کی زینت ہوتی مگر افسوس ایسا نہ ہوسکا۔ بشیر القاری میں حضرت مولانا غلام جیلانی میرٹھی نے نحو، صرف، لغت فصاحت و بلاغت، معانی و بیان کے علاوہ متصوفانہ انداز میں ایک جامع شرح لکھی ہے اور بخاری شریف کے شارحین اگر کہیں فکری لغزش اور ذہنی ژولیدگی کے شکار ہوئے ہیں تو ان کی نہ صرف نشاندہی کی ہے بلکہ قرآن واحادیث کی روشنی میں مدلل جواب بھی دیا ہے۔ بخاری شریف کی شرحوں میں مولانا انور شاہ کشمیری فیض الباری خاص طور سے آپ کے پیش نظر رہی اس کی خاص وجہ کیا تھی اس کی طرف مختصراً اشارہ آپ کے سوانح نگاروں نے ان الفاظ میں کیا ہے۔ جس کا ماحصل ذیل میں دیا جارہا ہے۔ بھیا بشیر الدین رئیس اعظم لال کرتی میرٹھ جب مولانا محمد اسحاق کو برخاست کر کے مدرس اول کی حیثیت سے حضرت مولانا غلام جیلانی میرٹھی کو کانپور سے اپنے مدرسہ عربیہ اندرکوٹ میرٹھ لائے تو میرٹھ میں آپ کی آمد پر علمائے دیوبند میں کھلبلی مچ گئی، ان لوگوں نے یکجا ہو کر آپ کو ذلیل ورسوا کرنے پر کمر ہمت کس لی۔ مولانا محمد اسحاق اور ان کے شاگرد بدر عالم میرٹھی نے اس مسئلہ کو خوب ہوا دی اور اس کا تعلق مسلک سے جوڑ کر سنی دیوبندی مسئلہ بنادیا۔ فیض الباری کے مصنف مولانا انور شاہ

کشمیری نے ان کی جم کر حمایت کی۔ آپ کو ذلیل ورسوا کرنے کے لئے ان علمائے دیوبند نے کیا کچھ نہ کیا۔ آپ نے اپنی علمی دھاک بٹھانے کے لئے کاغذ وقلم سنبھالا اور **بشیر القاری** جیسی اہم بخاری کی شرح آپ کے نوک قلم سے منظر عام پر آئی اور اس میں مولانا انور شاہ کی علمی قابلیت کو بے نقاب کیا۔ تذکرہ علمائے اہل سنت کے مصنف مولانا محمود احمد رضوی اپنی کتاب میں لکھتے ہیں:

''یہ مسئلہ علمائے دیوبند کے حلقہ میں وقار کا مسئلہ بن گیا قاری اسحاق کے مرید مولانا بدر عالم میرٹھی مولف فیض الباری کی حمایت میں صاحب تذکرہ کی تذلیل پر اتر آئے۔ اس موقعہ سے انہوں نے فیض الباری کی شرح صحیح البخاری کی علمی وفنی غلطیاں نکالیں اور بتایا کہ مولانا بدر عالم اور ان کے استاذ مولانا انور شادہ کشمیری نے کتنی فحش غلطیاں تفہیم حدیث کے سلسلے میں کی ہیں۔ یہ تنقید بشیر القاری بشرح البخاری کے نام سے شائع ہو چکی ہے۔ (۱۴)

بھیا بشیر الدین لال کرتی میرٹھ کے رئیس اعظم اور مہذب خاندان کے چشم وچراغ تھے۔ وضعداری اور رکھ رکھاؤ میں وہ اپنا ثانی نہیں رکھتے تھے۔ حاجی امداد اللہ مہاجر مکی کے خلیفہ مولانا احمد حسن کانپوری کے مرید تھے اور حاجی صاحب کے دوسرے خلیفہ مولانا عبد السمیع بیدل رام پوری سے اکتساب علم کیا تھا۔ حضرت مولانا غلام جیلانی میرٹھی بھیا بشیر الدین اور ان کی دینی خدمات کو دیکھ کر بے حد متاثر ہوئے۔ بھیا جی کی انہیں خدمات کے اعتراف میں آپ نے اپنی کتابوں کے نام انہیں کے نام سے منسوب کر کے شائع کی ہیں جس کا ذکر سطور بالا میں ہوا۔ صدر العلما صاحب بھیا بشیر الدین کے بارے میں فرماتے ہیں۔

''مدرسہ ہذا کے مہتمم سابق ہمارے محترم ومعظم (چھوٹی سرکار) الحاج بھیا بشیر الدین صاحب چشتی قدس سرہ خاندان لال کرتی میرٹھ میں ایک عجیب وغریب بزرگ گزرے ہیں، جن کی نظیر اب تک ان آنکھوں نے نہیں دیکھی ہے۔ مولیٰ تعالیٰ نے چھوٹی سرکار قدس سرہ کو دنیوی ریاست کے ساتھ ساتھ درویشی بھی عطا فرمائی تھی جن کا اجتماع بہت ہی نادر الوقوع ہے۔ بھیا جی کی بزرگی وشرافت، وضعداری اور دینی وملی خدمت کے پیش نظر ہی ان کے نام کو اپنی کتابوں کے نام کا حصہ بنایا تھا۔ (۱۵)

مصادر و حوالہ جات

۱۔ غلام جیلانی میرٹھی : بشیر القاری ص ۸ مکتبہ الجیلانی سنبھل مراد آباد

۲۔ غلام جیلانی میرٹھی : البشیر شرح نحو میر دیباچہ ص ۸ محمدی کتب خانہ چاٹگام بنگلہ دیش

۳۔ غلام جیلانی میرٹھی : البشیر شبیر شرح نحو میر دیباچہ ص ۲

۴۔ مفتی محمد سعد اللہ : نوادر الوصول ص ۴ مطبع علوی محمدی لکھنؤ

۵۔غلام جیلانی میرٹھی : البشیر شرح نحو میر ص/۵۸
۶۔غلام جیلانی میرٹھی : البشیر شرح نحو میر ص/۱۲۰
۷۔حاجی امداداللہ : : نالۂ امداد غریب مناجات ص ۱۷ بحوالہ اکابر دیوبند کا تکفیری افسانہ ص ۱۸ مطبوعہ پاکستان
۸۔وحید احمد مسعود : صابری سلسلہ ص/۴۶ بدایوں ۱۹۷۱ء
۹۔غلام یحیی انجم : دارالعلوم دیوبند کا بانی کون؟ دہلی طبع ثانی ۲۰۰۱ء
۱۰۔القرآن الحکیم ابراہیم آیت نمبر ۱۳
۱۱۔مولانا محمود الحسن دیوبندی : ترجمۂ قرآن حکیم ص/۳۴۰ سعودی عرب
۱۲۔مولانا اشرف علی تھانوی : بیان اللسان ترجمۂ قرآن ص ۴۰۹ اشرف المطابع تھانہ بھون
۱۳۔غلام جیلانی میرٹھی : البشیر شرح نحو میر ص ۱۷۲
۱۴۔محمود احمد رضوی : : تذکرہ علمائے اہلسنت ص ۲۰۵ مطبوعہ کانپور ۱۳۹۱ھ
۱۵۔غلام جیلانی میرٹھی : بشیر القاری دیباچہ ص ۵

ڈاکٹر غلام یحیٰ انجم
صدر شعبہ علوم اسلامیہ، جامعہ ہمدرد (ہمدرد یونیورسٹی) نئی دہلی

باب ہشتم

تحقیقات علمیہ

بسم الله الرحمن الرحیم

الحمد لله خالق الافعال والصلوة والسلام علی النبی الهادی الی نحو الجنان و علی آله و اصحابه اجمعین

صدرالعلماء کے تعلیمی نظریات

فاضل نبیل، علامہ ومولانا محمد اسحاق صاحب رضوی
کیمری، رامپور (یو۔ پی)

یہ دنیا سرائے راہ گذر ہے۔ یہاں پر زندگی کا مدار آخر چار دن ٹھہرنا ہے۔ پھر اپنی اگلی منزل کی طرف رخت سفر باندھنا ہے۔ کچھ ایسے خوش بخت مسافر ہوتے ہیں جو اپنے قدموں کے نقوش تاباں راہ پر ثبت کر جاتے ہیں او رآنے والے ان نقوش کے اجالے میں سیدھے قدم آگے بڑھاتے چلے جاتے ہیں۔ آج ہمارے سامنے ایک ایسے نیک سیرت مسافر کی بات ہے جو رہا اور گیا مگر ایسا رہا کہ ہزاروں کو چلنے والا بنا گیا اور گیا تو ایک راہ معین کر گیا۔ بڑی صاف راہ روشن شاہ راہ۔ میں نے اسی شاہراہ پر ہزاروں کو چلتے دیکھا کہ سیدھے چلتے تھے اور میں نے بھی اسی راہ کو اختیار کیا تو منزل مل گئی۔ یہ وہی ہیں جن کو امام النحو کا لقب ملا، صدر العلماء کہا گیا۔ دیار ہند میں عربی زبان وادب کا کوہ گراں سمجھا گیا۔ صدق تھا، تحقیق تھا، ایسی تحریر جو آج بھی ضیاء بار ہے، نہایت روشن ہے۔ ہر مسئلہ مفید ہے۔ ضروری ہے، کیوں نہ ہو کہ ان کو پڑھانے والے کوئی معمولی نہ تھے۔ کیا ان کی قابلیت کے لئے اتنا ہی کافی نہیں کہ ان کے استاد، صدر الشریعہ، بہار علم وفن فقیہ اعظم، نشان امام اعظم، حضور سیدنا مولانا امجد علی رحمۃ اللہ علیہ اور خاتم الادباء، سید المفسرین، امام المناظرین، حضور سیدنا مولانا نعیم الدین مرادآبادی تھے۔

غبار بن کر نثار جاؤں کہاں ان اہل ہنر کو پاؤں

اس لئے وہ امام النحو ہوئے۔ وہ ایک عظیم شخصیت تھے۔ محدث بھی کہ ان کی بشیر القاری اس پر گواہ ہے۔ اور علوم عربیہ کے تو وہ بے مثال دانا وبینا تھے۔

میں نے سوچا کہ اس عظیم شخصیت کے افکار تعلیم کو جمع کروں کہ یاروں کو فائدہ پہونچے اور خود بھی اس فرزانہ علم سے بہرہ ور ہو جاؤں۔ میرے سامنے اس وقت حضرت امام النحو کی چند کتابیں، بشیر القاری، بشیر الناجیہ، البشیر، البشیر الکامل ہیں۔ ان کتابوں کے علمی تجزیہ کے لئے ہزاروں صفحات چاہئے۔ جو ایک مستقل تحقیق کا موضوع ہے جس پر پی، ایچ، ڈی (P.hd) کی جاسکتی ہے۔ بلکہ کرنا چاہئے۔

مگر میں نے ان کتب کے مقدمات یا حضرت کی وصیت سے ان افکار تعلیم کو جمع کرنے کی کوشش کی ہے جن میں یہ واضح ہوا کہ حضرت تعلیم کے لئے کیا نظریہ رکھتے تھے۔ یہ نظریات نہایت گراں قدر ہیں اور دور حاضر میں ان کی اشاعت بھی ضروری ہے کہ اس وقت علمی زوال، ترقی پر ہے۔ لہذا ہم حضرت کی عبارتوں سے ان نظریات کے موتی چنتے ہیں۔ واللہ الموفق

نظریہ (۱)

عقیدہ وعمل وتشخص اسلامی، مسلمانوں کے لئے لازم ہے۔ آپ کو علی گڑھی تحریک پر یہی شکایت تھی، وہ چاہتے تھے کہ تعلیم ہو، مگر اسلامی عقیدہ، اسلامی روایات پامال نہ ہوں۔ کیونکہ اگر ہم تعلیم سے اپنی روایات پامال کرتے ہیں اور اپنی قومی شناخت، دین کا عقیدہ مٹاتے ہیں تو اس تعلیم اور جہالت میں کوئی فرق نہیں۔

اور آپ نے اپنے دور کے مدارس کے اندر مضبوط تعلیم اسلامی روایات کے ساتھ برقرار رکھنے کی کوشش کی، انہیں کوششوں سے اعلیٰ محقق پیدا ہوئے جبکہ حق یہ ہے کہ ان کے شاگردوں جیسا کوئی جدید جامعہ پیدا نہ کرسکا۔ بشیر القاری کے مقدمہ میں صفحہ ۴ پر فرماتے ہیں: علی گڑھ تحریک کے تعلق سے:

”رفتہ رفتہ نوبت بایں جارسید کہ اسلامی تمدن، اسلامی معاشرت، اسلامی وضع قطع، اسلامی پوشاک، اسلامی آداب واخلاق اور اسلامی امتیازات کی دولت بے بہا یہ دونوں طبقے (متوسط ومتمول) اپنے ہاتھوں سے کھو بیٹھے۔“

نظریہ (۲)

آپ چاہتے تھے کہ مکمل تعلیم ہو، فنون پر مہارت ہو، صحیح امتحان ہو، اور خوب جانچ پرکھ کر سند دینی چاہئے۔ خصوصاً دینی تعلیم کی۔ آپ کے زمانہ میں دیوبند کے اندر نااہل طلبہ کو سندی دی جانے لگی تھی۔ آپ کو اس سے سخت شکایت تھی۔ فرماتے ہیں: ”دورۂ حدیث میں داخلہ فنون کی تکمیل کے بعد دیا جاتا تھا۔ امتحان داخلہ میں اصلا رعایت نہ کی جاتی، عربی مدارس انہی خوشگوار لیل ونہار سے گذر رہے تھے کہ یکایک ضلع سہارنپور کی سرزمین پر نحوست کی گھٹائیں چھائیں۔ مہتمم اور انور شاہ کے درمیان شدید اختلافات ہوئے اور شیخ الحدیث میدان چھوڑ بھاگے اور دار العلوم کا دار الحدیث خالی ہوگیا۔ اس کے بعد ارباب اہتمام نے دورہ حدیث کا معیار گرادیا اور ناعاقبت اندیش طلبہ ٹوٹ پڑے۔ جن کا مقصود صرف کاغذی سند کا حصول تھا۔ اس کے بعد دوسرے مدارس اس سے کب محفوظ رہ سکتے تھے۔ (ملخصا)

نظریہ (۳)

وہ اس بات سے بھی سخت نالاں تھے کہ کوئی نااہل علم حدیث پڑھائے حالانکہ نااہل کو تو کوئی علم پڑھانے کا حق نہیں مگر خصوصاً علم حدیث کا معاملہ بہت نازک ہے۔ آپ نے جاہل مدرسین حدیث سے بہت

شکایت کی اور شکایت بجا، مولوی حسین احمد جو دیو بند کے انور شاہ کے بعد محدث تھے آپ کو یہی شکایت تھی، فرماتے ہیں:

''پھر دار الحدیث چونکہ غیر معیاری طلبہ سے پر ہوتا تھا، شیخ الاسلام مطالعہ سے بے نیاز ہو گئے اور بخاری شریف کے درس میں ایسی تقریریں فرماتے رہے کہ جن کو سن کر امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ کی روح کوستی ہوگی۔ او رتعجب نہیں کہ بروز قیامت منتقم حقیقی اللہ واحد قہار کے دربار میں ازالہ حیثیت عرفی کا استغاثہ پیش کریں۔ کیونکہ شیخ الاسلام نے آپ پر بدترین افترا تھوپا ہے۔ آپ کی تقریرات بنام، تقریر بخاری موسوم کر کے شائع کی گئی ہیں۔ ان کا نمونہ بشیر القاری کے صفحہ ۲۴۴ پر ملاحظہ کر کے ناظرین کو باور ہو جائیگا کہ میں نے کوئی کلمہ خدانخواستہ غلو کی بناء پر نہیں کہا بلکہ ایک درخشندہ حقیقت ہے جس پر کسی طرح پردہ نہیں ڈالا جا سکتا''۔

(بشیر القاری ص ۵)

نظریہ (۴)

وہ تعلیم کے لئے بزرگوں، استادوں، اور تمام اللہ تعالیٰ کے پیاروں کے ادب کو لازم سمجھتے تھے۔ انہوں نے اپنی تمام کتابوں میں دیو بندی حضرات کی بے شمار اغلاط گنائی ہیں۔ اور تحقیق سے ثابت کیا ہے کہ یہ حضرات علم سے کورے ہیں۔ اور آخر میں اس جہالت کی وجہ یہی بتائی ہے کہ دیو بندی حضرات بزرگوں کی بارگاہ اور خصوصا بارگاہ رسالت میں بے ادبی کر چکے ہیں۔ اور اس پر اب تک ڈھٹائی کرتے ہیں۔ لہذا اللہ تعالیٰ نے ان کی عقل سلب کر لی ہے کہ جو بات کہتے ہیں وہ غلط نکلتی ہے۔

کیا بنے بات جہاں بات بنائے نہ بنے

نظریہ (۵)

وہ مانتے تھے کہ استاد کو اپنے شاگرد کے حق میں مخلص ہونا چاہئے اور اسکو مرعوب نہیں بلکہ مطمئن کرنا چاہئے۔ فرماتے ہیں اپنے ایک استاد حضرت حامد حسین صاحب اجمیری کا ذکر کرتے ہوئے:

''عموما اساتذہ کی عادت ہے کہ اگر اثناء درس میں کوئی طالب علم سوال کرے اور اس کا جواب ذہن میں نہ آئے تو زور بیان سے طالب علم کو مرعوب کر کے ساکت کر دیا کرتے ہیں۔ مگر ایسے موقع پر عادت کریمہ تھی دوسرے دن پر محمول فرماتے پھر دوسرے دن اس کا مفصل جواب اور تشفی بخش تفصیل سے فرماتے''۔ (بشیر القادری صفحہ ۹)

نظریہ (۶)

وہ اس بات کے قائل تھے کہ علوم وفنون میں مہارت کے لئے محققین کی کتب پڑھنا ضروری اور کم از کم ہر فن کا ایک متن از بر کرنا بھی لازم ہے۔ چنانچہ انہوں نے درسیات کی آخری کتابیں اور بہت سی غیر درسی مگر

محققین کی کتابیں پڑھیں۔اور ان کو پڑھنا لازم سمجھتے تھے۔اپنی اعلیٰ کتب کے تعلق سے فرماتے ہیں۔حواشی زاہدیہ، شرح مواقف امام المنطق حضرت مولانا فضل حق خیرآبادی کی شرح کے ساتھ، اور قاضی مبارک آپ کے حاشیہ کے ساتھ سبقا سبقا، شرح چغمنی، محقق دوانی کے غیر مطبوعہ حواشی قدیمہ کے ساتھ شرح تحریر، اور امام رازی علیہ الرحمہ اور طوسی کی شروح کے ساتھ، شرح اشارات، صدرالشریعہ رحمۃ اللہ علیہ سے اجمیر اور بریلی میں پڑھیں۔ (ملخصا بشیر القاری صفحہ ۱۰)

انہوں نے علم نحو وصرف میں بھی بہت سے متن یاد کئے اور درسی وغیر درسی کتب کو پڑھایا اور عربی ادب کی اعلی کتابیں ان کو بہت اچھے طریقہ سے یاد تھیں۔اسی لئے وہ اپنی بات بہت اعلیٰ عربی میں ادا کر سکتے تھے جس کا ثبوت بشیر القاری شرح بخاری کی عبارات ہیں۔

موجودہ وقت میں عربی ادبا کا اتفاق ہے کہ عربی کی مہارت کے لئے محققین متقدمین کی کتب، قواعد، اور تمام اعلیٰ ادبی نصوص وعبارات پر نظر لازمی ہے۔ورنہ عربی ادب ناقص ہے۔لہذا جاحظ، ابوالعباس، ابوالفرج وغیرہ کی نثر، امرء القیس، نابغہ ذبیانی اور تمام دوسرے معتبر شعراء کا کلام، اور شیخ عبدالقاہر جرجانی کی اسرار البلاغۃ۔علامہ ابن عقیل وخضری کا حاشیہ، شرح جامی وغیرہ لازم کتب ہیں۔پھر علوم ادبیہ میں ژرف نگاہی، دقت نظر اور صفائی علوم حکمیہ سے ہوتی ہے۔جولوگ علوم حکمیہ کے ساتھ علوم ادبیہ پر محنت کرتے ہیں ان کی عبارتوں او رتحقیقات کی بات ہی کچھ اور ہوتی ہے۔ہمارے امام النحو کا یہی نظریہ تھا۔حضرت کے بعد تیس سال کے عرصہ میں ہندوستان کے عربی مدارس میں عرصہ درس کم کر کے کتابیں گھٹا دیں۔عربی ممالک میں جدید کتب داخل کرلیں، اس کا تجربہ ہمارے سامنے ہے۔سوائے ایک دو کے اس عرصہ میں علمی افراد پیدا نہ ہو سکے۔اور یہ کتابیں گھٹانے کی زیادتی جاری ہے۔جدید علوم کو مناسب مقدار میں شامل درس کرنا ضروری ہے مگر اسکا مطلب یہ نہیں کہ درسیات نظامیہ کی اصل کتابیں ہی ختم کر دی جائیں کیا بہتر ہوتا کہ ہمارے علما و دانشور حضرات دو کورس رکھتے۔ایک جلدی ختم ہونے والا جس کی مدت پانچ سال کافی ہے۔اس میں عربی ادب، فقہ، تاریخ وغیرہ ہوتی۔اور دوسرا اصلی درس نظامی جس میں مکمل کتب ہوتیں اور جدید علوم کا لازمی حصہ بھی۔تو یہ دور جہالت دیکھنے کو نہیں ملتا۔کم از کم بہت نہ سہی تھوڑے علما مکمل مہارت رکھنے والے پیدا ہوتے۔

ہمارے بزرگ جو علم وتحقیق کی چوٹی پر پہونچے، ہم ان کے طریقہ کے بغیر وہاں تک کیسے پہونچ سکتے ہیں۔

نظریہ (۷)

آپ شدت سے اس بات پر زور دیتے کہ درسیات کی کتابیں نہایت تحقیق وتدقیق سے تیار ہوں تاکہ طلبہ گمراہ نہ ہوں کیوں کہ غلط قواعد بتانا نہایت بڑا ظلم اور نا انصافی ہے۔آپ کو علمائے دیوبند سے تا حیات یہ

شکایت رہی کہ انہوں نے نہایت لغویات و باطل چیزوں سے اپنے دلوں کی طرح کاغذ کو کالا کیا۔ اور اس کا ثبوت آپ نے اپنی تمام تصنیفات میں دیا۔ جہاں مسئلہ کی تحقیق کی وہاں علما دیو بند کی لغزش بھی بتائی اور صرف یوں ہی الزام نہ دیا بلکہ ہر جگہ اپنی بات کی تائید کی، متفق علیہ۔ عظیم محقق کا ارشاد پیش کیا اپنی کتاب البشیر الکامل میں ایک شرح کا تنقیدی جائزہ لیتے ہوئے فرماتے ہیں:

اس سے پیشتر شرح مأۃ عامل کی اردو تراکیب کی کئی شروح شائع ہوئی ہیں، سب کی سب نحوی معیار سے گری ہوئی ہیں۔ بالخصوص ایضاح العوامل وہ تو اغلاط کی پوٹ ہے اور طلبہ کو گمراہ کرنے والی، پھر اس کے ثبوت میں ہزار مقام سے غلطی بیان کر کے محققین کے اقوال سے ان کا غلط ہونا بیان فرمایا ہے۔ مثال ملاحظہ ہو۔ اس میں ایضاح العوامل مولفہ دیو بند میں درجہ علیا کے مدرس مولوی ظہور احمد صاحب کی ایک علمی ونحوی غلطی کا پردہ فاش فرمایا ہے۔ فرماتے ہیں۔ صفحہ ۷ پر یہ کہتے ہیں:

وجعل الجنۃ مثواہ۔ جعل، افعال قلوب سے ہے۔ اقول استغفر اللہ ثم استغفر اللہ کبرت کلمۃ تخرج من افواھھم

اس کی تفصیل یہ کہ علامہ جامی نے مأۃ عامل کی شرح میں شیخ عبد القاہر کے لئے دعا لکھی ہے۔ جعل الجنۃ مثولۃ۔ اللہ تعالیٰ ان کو جنت میں ٹھکانا عطا کرے۔ یہاں جعل، افعال تصییر سے ہے۔ جعل کو افعال قلوب سے ماننا سراسر جہالت ہے اور باری تعالیٰ کی شان میں گستاخی ہے۔ کیونکہ جعل افعال قلوب میں ہونے پر اعتقاد غیر مطابق واقع کے بیان کے لئے آتا ہے۔ آگے فرماتے ہیں امام النحو:

سید عالم ﷺ نے ایسے ہی اشخاص کے بارے میں فرمایا تھا۔ ان العبد لیتکلم بالکلمۃ من سخط اللہ لا یلقیٰ لھا بالا یھوی بھا فی نار جھنم۔ اس جعل کو افعال قلوب سے قرار دینا اسی قبیل سے ہے۔ کیونکہ اس میں ضمیر مستتر فاعل کا مرجع اسم جلالت ہے۔ اور جس جعل کو افعال قلوب سے شمار کرتے ہیں وہ بمعنی اعتقاد غیر مطابق آتا ہے۔

اب دیکھئے صرف اتنے پر اکتفا نہیں فرمایا بلکہ اپنی تنقید و اعتراض کو علم نحو و ادب کے ایک مدقق کی بات سے ثابت فرمایا اور وہ ہیں علامہ شیخ رضی فرماتے ہیں:

چنانچہ رضی شرح کافیہ میں ہے: ویستعمل عد وجعل لاعتقاد کون الشی علی صفۃ اعتقاد اغیر مطابق فاذا ولیتھما الاسمیۃ نصبا جزئیھا نحو کنت اعدہ فقیرا فبان غنیا وقال تعالیٰ و جعلوا الملائکۃ الذین ھم عباد الرحمن اناثا۔ ای اعتقدوا فیھم الا نوثۃ۔

اور اعتقاد غیر مطابق صفت نقص وعیب ہے۔ اس کو جہل مرکب کہتے ہیں۔ اور جعل الجنۃ مثواہ۔ جملہ دعائیہ ہے۔ تو ان چاروں باتوں کے پیش نظر اس کا مفہوم جناب باری عز اسمہ کے حق میں صفت نقص کے

حصول کی دعا ہوا۔ جو شان الوہیت میں کھلی ہوئی بے ادبی ہے۔ اسی واسطے ہم نے کہا تھا کہ سوء ادبی آپ کو (مصنف ایضاح العوامل) کو کابراعن کابر ترکہ میں پہونچی ہے۔ بلکہ یہ جعل افعال تصییر سے ہے جو متعدی بدو مفعول ہوتے ہیں۔ کما فی ھمع الھوامع شرح جمع الجوامع للسیوطی۔

دیکھئے حضرت نے اپنی بات شیخ رضی اور علامہ سیوطی کی رائے سے موید فرمائی ہے۔ آج امام النحو کو ربع صدی انتقال کئے بیت چکی مگر علماء دیو بند کو ان صریح تنبیہوں کے باوجود عقل نہیں آئی ہے۔ اور آج جو کتابیں یہ لوگ لکھتے ہیں نہایت جہالت پر مبنی ہوتی ہیں۔ اگر ان خرافات کو لکھوں تو دفتروں کے انبار لگ جائیں۔ سردست دو مثالیں پیش کر دوں۔ جن سے واضح ہو جائے گا کہ علما دیو بند بے چارے آج بھی یوں ہی تیر تکا لگاتے ہیں۔

مثال اول

حال ہی میں کسی بے وقوف نے حریری پر حاشیہ لگایا ہے جو دیو بند سے شائع ہوا ہے۔ اس کے مقدمہ میں جو عربی لکھی ہے وہ اسلوب میں تو غیر معیاری ہے ہی مگر یار نے جو بات کہی وہ الٹی سے الٹی کہتے چلے گئے۔ ایک جگہ تڑپ کے فرماتے ہیں:

ای کتاب لا یساویہ۔ کونسی کتاب اس کے برابر نہیں ہے۔

شاید یہ کہنا چاہتے ہوں گے کہ کوئی کتاب مقامات حریری کے ہم پلہ نہیں۔

اقول: (۱) اولا: تو یہ رائے ہی غلط ہے کہ کوئی کتاب بحیثیت مقامات سہی، حریری کے ہم پلہ نہیں، کیونکہ مقامات بدیع الزماں ہمدانی کو ناقدین نے ترجیح دی ہے۔

(۲) دوسرے عبارت مقصد سے بالکل مختلف، بلکہ الٹی، کیوں کہ، ای، استفہام کے سوا کسی اور معنی میں یہاں پر ممکن نہیں۔ اور استفہام بھی صرف تقریر کے لئے، اور نفی کیساتھ استفہام تقریری تاکید ایجاب پر دال، جیسے: الم یجدك یتیما فاوی۔ تو مطلب ہوا۔ ای کتاب لا یساویہ۔ ای کل کتاب یساویہ۔ کونسی کتاب اس کے برابر ہے۔ یعنی ہر کتاب اس کے برار ہے۔ لیجئے حضرت کی عربی۔

اصل میں اس مقصد کے لئے عبارت یہ ہوتی۔ لا کتاب یساویہ۔ یا۔ لا یساویہ کتاب۔ کہ نکرہ سیاق نفی میں عموم کا فائدہ دیتا۔ اور یہ مطلب کہ کوئی کتاب مقامات حریری کے ہم پلہ نہیں حاصل ہوتا۔ مگر بات یہی ہے کہ جو قوم ورلشۃ توہین کرنے والی ہو اس کو عقل بھی کہاں سے آئے۔

(۲) مثال ثانی: ایک کتاب بنام جواہر الفوائد شرح اردو شرح عقائد۔ مفتی محمد یوسف صاحب کی تحریر کردہ ۱۹۹۷ء میں چھپی ہے۔ مصنف مفتی بھی ہیں اور مدرس بھی۔ اپنی شرح کے بارے میں یوسف کہتے ہیں۔ اس فقیر کو متعدد مرتبہ شرح عقائد پڑھانے کا اتفاق ہوا۔ میری نظر سے اس کی کوئی شرح ایسی نہیں گذری جو طلبہ

کی تشنگی کو دور کرے۔ یعنی اپنی شرح طلبہ کو مطمئن کرنے کو لکھی اور آپ سے پہلے سات سو سال تک کی کوئی شرح ایسی نہیں۔ مطلب ہوا کہ یہ شرح بے نظیر، بے مثال۔ دوسری بات یہ بتائی کہ شرح عقائد اتفاقاً نہیں بلکہ پڑھاتا رہتا ہوں۔ آپ ان دعووں پر نظر رکھئے اور آگے ملاحظہ فرمائیے۔

حمد کے تعلق سے بحث کرتے ہوئے یوسف صاحب لکھتے ہیں:

''مسئلہ علمیہ۔ حمد کے چار اجزاء ہیں۔ حامد، محمود، محمود علیہ، محمود بہ'' اللہ اکبر اس گستاخی کی انتہا ہے، بے دینی اسی کو کہتے ہیں۔

ارے، جزء شی کی حقیقت میں داخل ہوتا ہے۔ محمود حمد کا جز، اور فعل حمد، مخلوق تو محمود مخلوق، اور محمود کون ہے۔ باری تعالیٰ تو نتیجہ کیا نکلا۔ باری تعالیٰ مخلوق۔ اور جرأت بے جا تو دیکھئے۔ اس مسئلہ کا عنوان بنایا۔ ''مسئلہ علمیہ'' اب اس الٹی کھوپڑی کو کون سمجھائے کہ قصہ کیا ہے۔

علاج وکاوش

بات دراصل یہ ہے کہ حضرت سیدی ملاحسن رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی سلم العلوم کی شرح میں فرمایا ہے:

ثم للتسبیح شبه بالمركبات الخارجية من الحقائق المتاصله فليستدعى عللا اربعا۔ فالمسبح هو العلة الفاعلية ۔ الخ۔ وهكذا حال الحمد والصلوة۔

یعنی تسبیح کو خارجی موجودات اصلیہ سے مشابہت ہے۔ تو اس کو بھی ان مرکبات کی طرح چار علتوں کی ضرورت ہے۔ اور یہ بات حمد وصلوۃ میں بھی ہوگی۔ یعنی ان کو بھی علل اربعہ کی ضرورت ہوگی۔

ہمارے یوسف صاحب نے سوچا کہ ہم بھی ملاحسن کی پیروی کریں مگر بے چارے شروع میں چاروں خانہ چت۔ مشہور مثال ہے کہ گھوڑے نے نال ٹھکوائے تو مینڈک نے بھی ٹھکوائے۔ نتیجہ ظاہر ہے۔ یہ بے چارے ملاحسن کی شرح اور شرح عقائد سمجھتے تو انسان بھی ہوجاتے۔ یہ حال ہے ان صاحب کا جن کا کہنا ہے کہ متعدد بار شرح عقائد پڑھائی ہے۔ یعنی جہالت اتنی پختہ ہے کہ کسی بار بھی الگ نہیں ہوسکی۔ یعنی اجزاء اور علل میں فرق نہ کرسکے۔

غرض اکثر کتابیں دیوبندیوں کی ایسی ناپاک غلطیوں سے پر ہیں۔ انشاء اللہ کسی اور مقالہ میں ذرا تفصیل کروں گا۔

بہر حال ہمیں صدر میرٹھی امام النحو غلام جیلانی رحمۃ اللہ علیہ کے اس نظریہ سے اتفاق کرنا ہوگا کہ دیوبندی علما میں نہ علم ہے نہ ادب، نہ عقل، نہ احساس غیرت۔

نظریہ (۸)

وہ ہر فن کی مشق کو لازم سمجھتے تھے اسی لئے انہوں نے اپنی کتابوں میں یہ تمرینی انداز اپنایا ہے۔ اور یہ

بات گراں قدر ہے۔ کیونکہ فن منطق سے لیکر فن نحو وصرف وادب تک مشق نہایت لازمی ہے۔

یہ مختصر سی سطور تھیں جو قارئین کے لئے حاضر خدمت ہیں یہ موضوع مستقل کتاب چاہتا ہے۔

کیونکہ یہ اس شخصیت کے افکار کا تذکرہ ہے جو ۱۹۳۵ء سے ۱۹۷۸ء کے علمی افق پر ضیا بار رہی، ہزاروں شاگرد بنائے، تحقیقی کتابیں لکھیں اور آخری دور انحطاط میں قوم مسلم کو جرأت مندانہ ذہن، تنقیدی مزاج دیا۔ بیش بہا افکار دیئے۔ طریقہ تحقیق متعین کیا، ہزاروں مسائل سے پردہ اٹھایا۔ ادب وعشق رسول اللہ ﷺ کی دعوت دی، اسلامی علوم، اسلامی روایات واقدار کا احیاء کیا۔ ان کا ہر قدم مومن کا قدم تھا۔

آج بھی نہایت سخت ضرورت اس مفکر کے افکار کی پیروی کی ہے۔ تا کہ جہالت کے پردے چاک ہوں، مرعوبیت کا دور ختم ہو۔ واللہ الموفق وھوالمستعان

خادم العلم: محمد اسحاق رضوی،

لالہ نگلہ، پوسٹ کیمری ر

علوم وفنون کا بدرِ کمال

خطیبِ برطانیہ حضرت علامہ مفتی محمد انصر القادری صاحب
جمعیت تبلیغ الاسلام۔(بریڈفورڈ، یو۔کے)

نحمدہ ونصلی ونسلم علیٰ حبیبہ الکریم۔امابعد

ہر سال کی طرح اس سال بھی سرزمینِ بلیک برن، انگلستان میں مشائخ کچھوچھہ شریف کی صدارت و سربراہی میں ''جشنِ اعظم'' کے عنوان سے ایک بہت بڑی، عظیم الشان کانفرنس منعقد ہوئی اس میں مجھے بھی حاضری کا شرف واعزاز حاصل ہوا۔ابھی تقریر سے فارغ ہوا ہی تھا کہ استاذ العلماء علامہ مولانا محمد ایوب اشرفی صاحب دامت برکاتہم العالیہ سے مختصر سی ملاقات ہوئی۔اور بعد میں جب قدرے تفصیلی بالمشافہ گفتگو ہوئی تو انہوں نے مجھے بتایا کہ میں نے صدر العلماء، امام النحو، علامہ سید غلام جیلانی میرٹھی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کی شخصیت پر ایک کتاب ترتیب دی ہے۔ان کے بارے میں آپ کے تأثرات بھی چاہتا ہوں۔

مولانا محمد ایوب صاحب دامت برکاتہم العالیہ کی زبان سے رئیس المدرسین، جامع معقول ومنقول شیخ الحدیث والتفسیر علامہ سید غلام جیلانی میرٹھی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کا نام سنکر مجھے جو قلبی مسرت حاصل ہوئی اس کیفیت کا اظہار شاید قلم وقرطاس کے ذریعہ ممکن نہ ہو۔امام النحو سید غلام جیلانی میرٹھی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ میری محبوب ترین شخصیتوں میں سے ایک ہیں۔ان کی کتب سے طالب علمی کے دور سے آج تک استفادہ کرتا آرہا ہوں۔البشیر، شرح نحومیر۔البشیر الکامل، شرحِ مأۃ عامل۔بشیر الناجیہ، شرحِ کافیہ۔بشیر القاری شرح صحیح البخاری۔درس وتدریس کے وقت بھی بطورِ خاص مطالعہ میں رہیں۔ان کا اندازِ تحریر بڑا اچھوتا ہے، وہ اپنی تحریر کے ذریعہ قاری کے دل میں اترتے ہیں، ان کی شخصیت کے نقوش ان کی تحریر کو پڑھتے پڑھتے خود بخود واضح ہونے لگتے ہیں، ان کی تحریر میں جو شیرینی اور مٹھاس ہے اس کا اندازہ وہی لگا سکتا ہے جو ادب کی حلاوتوں سے آگاہ ہے، خاص طور پر فنِ نحو میں ان کی خدماتِ جلیلہ کا اعتراف ہر اس شخص کو ہے کہ جس نے ان کی کتب کا مطالعہ کیا ہے، انکی تحریر کا جادو سر چڑھ کر بولتا ہے۔باطل کے جگر میں اپنے نشتر سے شگاف ڈالتے ہیں مگر ایسے، جیسے ماہر جراح زخموں پر مرہم لگا رہا ہے، تعاقب کرتے ہیں، دبوچ لیتے ہیں، ان کا کوئی وار خالی نہیں جاتا، اندازِ تحریر کچھ ایسا

ہے کہ ان کو شکار کا پیچھا نہیں کرنا پڑتا بلکہ شکار خود بخود ان کے جال میں پھنس جاتا ہے۔ان کی تحریر الہامی معلوم ہوتی ہے اور وہ خانقاہی طرز کی شخصیت کے روپ میں رہبر بن رہنمائی کرتے ہوئے دکھائی دیتے ہیں۔نحو ،صرف، معانی ، بیان ،ادب ،فقہ، اصولِ فقہ، حدیث، تفسیر ہر فن میں رہنمائی کرتے ہیں۔ان کی کتب سالکوں کے لئے مرشد کا کام کرتی ہیں۔وہ بیک وقت محقق بھی ہیں مدقق بھی، منطقی بھی ہیں فلسفی بھی، مدرس بھی ہیں مفتی بھی، محدث بھی ہیں مفسر بھی۔وہ فلسفی ہیں مگر ایسے نہیں جنکو ڈور کا سرا نہ ملا ہو، منطقی ہیں مگر ایسے نہیں جو مراد کو نہ پہنچ سکے ہوں، وہ یقین محکم کے ساتھ قدم رکھتے ہیں اور منزل خود بخود ان کے قدموں میں آتی ہوئی معلوم ہوتی ہے۔

عام طور پر معاصرین کے ساتھ ایک چشمک سی ہوتی ہے مگر یہ تو اپنے ہم مکتب ساتھیوں کے اسمائے گرامی بھی بڑے ادب سے لیتے ہیں۔شرکائے اسباق میں کسی کو ''مجاہدِ ملت'' کسی کو ''رئیس المناظرین'' کسی کو ''فخر الاماثل'' کسی کو ''رئیس الاذکیاء'' اور کسی کو ''رئیس الاتقیاء'' کے خوبصورت القابات سے یاد کرتے ہیں۔ان کی زبان کوثر وسلسبیل سے سے دھلی ہوئی معلوم ہوتی ہے۔

بشیر القاری شرحِ صحیح البخاری میں ''انما الاعمال بالنیات'' کے تحت جو حنفی وشافعی کا اختلاف بیان کرتے ہیں اور پھر اسکا محاکمہ فرماتے ہیں اس سے آپکی وسعتِ علمی اور وسعتِ نظری کا بخوبی اندازہ ہوتا ہے۔علمائے دیو بند کا تعاقب کرتے ہوئے ''البشیر شرحِ نحو میر'' میں لکھتے ہیں (عاد) فعلِ ناقص بمعنیٰ (صار) آتا ہے جیسے عادَ زیدٌ غنیاً زید مالدار ہوگیا۔اور فعلِ تام بھی ہے بمعنیٰ 'رجع' جیسے عادَ زیدٌ زید لوٹ گیا۔آیتِ کریمہ ''وقال الذین کفروا لرسلھم لنخرجنھم من ارضنا او لتعودنّ فی ملتنا'' میں (لتعودنّ) مضارع اسی (عاد) ناقص کا ہے۔دیو بندی امت کے حکیم معنوی حضرت اشرف علی صاحب تھانوی اور ہندی دیو بندی صاحبان کے شیخ الھند حضرت مولانا محمود الحسن صاحب سابق صدر المدرسین دار العلوم دیو بند وغیرہ قرآنِ کریم کا ترجمہ کرنے والوں سے اس مقام پر خطائے عظیم صادر ہوئی کہ اس 'لتعودنّ' کو عاد فعلِ تام کا مضارع سمجھ کر فعل تام کا ترجمہ کر گئے جس سے رسولوں پر کفر کی تہمت لگ گئی حالانکہ یہ پاک ہستیاں کفر سے اجماعاً منزہ ہوتی ہیں۔چنانچہ ملاحظہ ہو تھانوی صاحب کا ترجمہ یہ ہے۔(اور ان کفار نے اپنے رسولوں سے کہا کہ ہم تم کو اپنی زمین سے نکال دینگے۔یا یہ کہ تم ہمارے مذہب میں پھر آجاؤ) اس پھر آجاؤ سے یہی مفہوم ہوتا ہے کہ وہ رسول پہلے کفار کے مذہب پر تھے اور ان کا مذہب کفری تھا۔العیاذ باللہ

تف بریں ترجمہ ناپاک وبریں گندہ خیال

اور دیو بندی شیخ الھند کا ترجمہ یہ ہے۔ (اور کہا کافروں نے اپنے رسولوں کو کہ ہم نکال دینگے تم کو اپنے زمین سے یا لوٹ آؤ ہمارے دین میں) اس لوٹ آؤ سے بھی یہی مفہوم تو ہوا کہ رسول پہلے ان کے دین میں تھے اور ان کا دین کفری تھا تو رسول پہلے کفری دین میں تھے۔ معاذ اللہ۔ مزید تبصرہ کرتے ہوئے لکھتے ہیں

خاکش بدہن

یہ خطائے عظیم ان سے کیوں سرزد ہوئی۔ اس لئے کہ ان حضرات کو نحو میر مستحضر نہ تھی نیز یہ صاحبان! رسول کو اپنے جیسا بشر سمجھتے تھے جیسے کہ کہ کافروں کا بھی یہی عقیدہ تھا۔ پھر ان دونوں ترجموں کے مقابلہ میں اہلِ سنت کا شاہکار ترجمہ پیش کرتے ہیں صحیح ترجمہ وہ ہے جو مجدد ِمأۃِ حاضرہ، مؤیدِ ملت طاہرہ اعلیٰ حضرت عظیم البرکت مولانا شاہ احمد رضا خان بریلوی قدس سرّہ القوی نے فرمایا وہ یہ ہے۔ (اور کافروں نے اپنے رسولوں سے کہا کہ ہم ضرور تمہیں اپنی زمین سے نکال دینگے یا تم ہمارے دین میں آجاؤ) کس ذمہ داری سے نبھایا ہے ''تعرف الاشیاء باضدادِھا'' کے پیشِ نظر اعلیٰ حضرت کا کیا ہوا ترجمہ پیش کر کے کسطرح حق ذمہ داری پورا کیا

مولانا حسین احمد مدنی دیو بندی کی وفات پر ان کے شاگرد مولانا کفیل احمد کیرانوی نے اپنے خیالات کا اظہار کرتے ہوئے لکھدیا کہ وہ ''عالمِ مشاہد سے عالمِ برزخ کی طرف ہمیشہ ہمیشہ کے لئے رحلت کر گئے'' اس پر طویل تبصرہ کرتے ہوئے امام النحو لکھتے ہیں 'ان الفاظ کا یہی مطلب تو ہوا کہ ہمیشہ ہمیشہ عالمِ برزخ میں تشریف فرما رہینگے اور جب وہ عالمِ برزخ میں تشریف فرما رہینگے تو کیا ان کو میدانِ حشر کی حاضری سے مستثنیٰ کر دیا گیا ہے۔'' اور پھر اسکو ادھورا نہیں چھوڑتے بلکہ تصحیح بھی فرماتے ہیں۔ آن کی تحریر ایسی ہے کہ بندہ پڑھتا ہے تو پڑھتا ہی چلا جاتا ہے۔ اور ان کی تحریر سے ان کی شخصیت کا اندازہ لگانا چنداں مشکل نہیں ہے۔

ہمارے فاضل دوست علامہ محمد ایوب اشرفی دام اقبالہ نے حضرت امام النحو کی زندگی پر عظیم الشان کتاب ترتیب دیکر نہ صرف امّتِ مسلمہ پر احسان کیا ہے بلکہ ایک بے مثال شخصیت کی بے نظیر خدمات سے زمانے کو روشناس کرایا ہے۔ دعا ہے کی اللہ تعالیٰ اس کتاب کو مقبولِ عام بنائے اور جو محنت و کاوش علامہ اشرفی صاحب نے کی ہے اللہ تعالیٰ ان کو جزائے خیر سے مالامال فرمائے۔ آمین بجاہِ النبی الکریم الامین

العبد المذنب

محمد انصر القادری

جمعیت تبلیغ الاسلام بریڈفورڈ (انگلینڈ)

صدر العلماء میرٹھی

اورانکی جلالتِ علمی، تبحرِ فنّی اور دقتِ نظر

عظیم مبلغ عالمِ اسلام ڈاکٹر پروفیسر محمد طاہر القادری صاحب

بانی وسرپرست ادارۂ منہاج القرآن، پاکستان

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

صدر العلماء ،امام النحو علامہ غلام جیلانی میرٹھی علیہ الرحمۃ کا شمار اکابرِ اہلِ سنت میں ہوتا ہے۔ البشیر شرح نحو میر ،البشیر الکامل شرح شرح مائۃ عامل ، بشیر الناجیہ شرح الکافیہ اور بشیر القاری شرح البخاری ان کی جلالت علمی ، تبحر فنی ، دقتِ نظر اور وسعتِ خبر کا بین ثبوت ہیں ۔ عقائدِ اہلِ سنت پر ان کی محققانہ تعلیقات اور مدققانہ تشریحات ان کے عظیم علمی مقام ومرتبہ کی تصدیق کرتی ہیں۔

علماءِ کرام کی ذمہ داری ہے کہ اپنے اسلاف کرام کے کارہائے نمایاں زندہ رکھیں۔

یہ خبر میرے لئے باعثِ انبساط ہے کہ عزیزم مولانا محمد ایوب اشرفی صاحب ان کی حیات و خدمات اور افکار ونظریات کو منصۂ شہود پر لانے کے لئے شبانہ روز محنت کررہے ہیں۔

صدر العلماء علیہ الرحمۃ کی تصانیف کو اگر نئے انداز سے یک جا کر کے طبع کیا جاسکے، تو یہ بہت بڑی علمی خدمت ہوگی۔

میں دُعا گو ہوں کہ اللہ تعالیٰ ان کے اس عملِ خیر کو قبول فرمائے اور انہیں دارین کی سعادات سے ہمیشہ شادکام رکھے۔

خادم العلم والعلماء

محمد طاہر القادری

محمد طاہر القادری

صدر العلماء اور علمائے دیوبند کی علمی وفنی تردید

حضرت مولانا مفتی عبدالحکیم نوریؔ مصباحی

(بدایوں، یو۔پی)

حضور صدر الشریعہ بدر الطریقہ حضرت مولانا مفتی امجد علی مصنف بہار شریعت متوفی ۱۳۶۷ھ کے تلامذہ وخدام علم وعمل اور زہد وتقویٰ کے اعتبار سے اپنے اقران وامثال میں ممتاز وبے نظیر ہیں، اسی وجہ سے شاعر مشرق علامہ شفیق جون پوری نے برملا کہا تھا:

سلامی جابجا ارض وسماء دیں — مہ وخورشید پیشانی جھکا دیں
تیرے خدام اے صدر شریعہ — جدھر جائیں فرشتے پر بچھا دیں

حضور صدر الشریعہ کے جملہ تلامذہ میں وہ حضرات جو افق علم وعمل پر نیر تاباں کی طرح روشن وتابندہ ہیں ان کے اسماء گرامی کچھ اسطرح ہیں۔

شمس العلماء حضرت علامہ قاضی شمس الدین (متوفی ۱۴۰۲ھ)
امین شریعت حضرت علامہ رفاقت حسین (متوفی ۱۴۰۳ھ)
استاذ العلماء حضرت علامہ غلام یزدانی اعظمی (متوفی ۱۳۷۴ھ)
محدث اعظم پاکستان حضرت علامہ سردار احمد (متوفی ۱۳۸۲ھ)
حافظ ملت حضرت علامہ عبدالعزیز (متوفی ۱۳۹۶ھ)
امام المنطق حضرت علامہ سلیمان بھاگلپوری (متوفی ۱۳۹۷ھ)
مجاہد ملت حضرت علامہ حبیب الرحمٰن اڑیسوی (متوفی ۱۴۰۱ھ)
شیخ العلماء حضرت علامہ غلام جیلانی اعظمی (متوفی ۱۳۹۷ھ)
شیخ المحدثین حضرت علامہ عبدالمصطفیٰ اعظمی (متوفی ۱۴۰۶ھ)
صدر العلماء حضرت علامہ سید غلام جیلانی میرٹھی (متوفی ۱۳۹۸ھ)

مندرجہ بالا حضرات میں سے ہر شخص اپنے خصوصی فن میں مہارت کے باعث مشہور ومعروف ہوا جبکہ ان

میں سے ہر شخص جملہ علوم وفنون کا جامع تھا، مگر کسی ایک فن میں شہرت کا باعث خصوصی دلچسپی کی وجہ سے تھی۔ محدث اعظم پاکستان اور حافظ ملت کو شہرت تعمیرات اور کثرت تلامذہ کی وجہ سے۔ حضور امین شریعت کی شہرت مناظرہ میں غایت کمال کے باعث ہے۔ علی ہذا القیاس۔

مگر کوئی کسی فن میں کمزور نہیں تھا، مثلاً افراد سازی میں بعض کی تعداد قلیل ترین نظر آنے کے باوجود کیفیت کے اعتبار سے سینکڑوں پر بھاری تھے، یونہی فن مناظرہ میں شہرت نہ ہونے کے باوجود بڑے بڑے صاحبان فن ان کے سامنے بوقت بحث اپنے کو طفل مکتب سے زیادہ حیثیت نہیں دیتے تھے، یونہی تعمیری میدان میں چند کمروں پر مشتمل درسگاہ کی عمارت اگر جگہ اور ماحول کو مد منظر رکھا جائے تو وہ مختصری عمارت سینکڑوں بلڈنگوں پر بھاری ہے، خلاصہ یہ کہ حضور صدر الشریعہ کے جملہ تلامذہ اپنی دینی وعلمی خدمات میں کوئی کسی سے کم نظر نہیں آتا بلکہ ہر شخص اپنی جگہ کوہ ہمالہ سے بلند بالا دکھائی دے رہا ہے، سنیت کی ترویج واشاعت اور گمراہ فرقوں کی تردید ہر ایک کے مزاج میں داخل تھی، کیونکہ اس زمانہ میں وہابیت دیوبندیت کا فتنہ ہندی مسلمانوں کے قلب ونظر سے عظمت انبیاء کرام کو نکال کر کفر وارتداد کی دہلیز تک پہونچانے میں کلیدی کردار ادا کر رہا تھا، یہی وجہ ہے کہ حضور صدر الشریعہ کو جو جذبہ بیکراں امام احمد رضا خاں فاضل بریلوی متوفی ۱۳۴۰ھ سے ملا تھا اسے اپنے تلامذہ میں پورے طور پر پیدا کر دیا، دیوبندی عقائد ونظریات کی تردید بلیغ کے باوجود لوگوں کے ذہن ودماغ میں دیوبندی مصنفین کی تصانیف کے باعث یہ شبہ قائم رہا کہ علمائے دیوبند بھی علم وفن کے میدان میں یکتائے روزگا رہیں، جبکہ حضرت امام شافعی کے استاذ گرامی حضرت امام وکیع کے فرمان کے مطابق کسی گنہگار کو علم نور ملنے کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا، امام شافعی فرماتے ہیں:

شکوت الی وکیع سوء حفظ	فاوصانی الی ترک المعاصی
فان العلم نور من الهی	ونور الله لا یعطاه عاصی

ترجمہ: میں نے حضرت وکیع سے سوء حفظ کی شکایت کی تو انہوں نے مجھ کو گناہ چھوڑنے کی وصیت فرمائی اس لئے کہ علم اللہ کا نور ہے اور نور گنہگار کو نہیں دیا جاتا۔

چونکہ علمائے دیوبند اللہ ورسول کی شان میں گستاخی کے مرتکب ہیں جو دنیا کا بدترین گناہ ہے، لہذا ان کیلئے علم نور کے عطا کئے جانے کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا، پھر بھی ہر فن میں وافر مقدار میں ان کی تصنیفات کے باعث انہیں صاحب علم وفن نہ کہنا آفتاب نیم روز کے انکار کے مرادف تھا، حضور صدر العلماء نے جنہیں ہر فن میں مہارت کے باوجود امام النحو کے لقب سے یاد کیا جاتا ہے، اپنی تصنیفات میں وہابی ودیوبندی عقائد کی تردید کے ساتھ علمی وفنی تردید فرما کر مذکورہ بالا شبہ کا ازالہ فرما دیا ہے۔ تقریبا مروجہ جملہ علوم وفنون میں دیوبندیوں کی جہالت وسفاہت کو آشکار فرما کر حضرت امام وکیع کے فرمان عالی جاہ کو ذعان ویقین کی منزل تک پہونچا دیا ہے۔

علم نحو

اہل عرب کا مقولہ ہے "النحو فی الکلام کالملح فی الطعام" کلام میں نحو کی حیثیت اسی طرح ہے، جس طرح کھانے میں نمک کی ہوتی ہے، چونکہ آخری کلمات کے احوال کا پتہ بحیثیت معرب ومبنی علم نحو ہی سے ہوتا۔ یہی وجہ ہے کہ اس فن میں کمال پیدا کئے بغیر علوم عربیہ میں مہارت نہیں ہوسکتی اور نہ ہی قرآن وحدیث کے ترجمہ تک رسائی ہوسکتی ہے، درس نظامیہ میں اس فن کی متعدد کتابیں پڑھائی جاتی ہیں۔ مگر تین کتابیں بنیادی طور پر ضروری ہیں، نحو میر۔ شرح مأۃ عامل۔ کافیہ۔ نحو میر میں مسائل نحو کو بلا کسی بحث وتمحیص کے بیان کیا گیا ہے، جبکہ شرح ماۃ عامل میں سو (۱۰۰) عوامل کی خصوصیات کو اچھوتے انداز میں بیان کیا گیا ہے۔ کافیہ علم نحو کی کتاب ہے جو اپنی جامعیت میں بے مثال ہے، یہی وجہ ہے کہ اکثر مروجہ زبان میں اس کی شرح موجود ہے۔ ہمارے مدارس عربیہ میں شرح ماۃ عامل کی تدریس کا طریقہ کچھ اس طرح ہے کہ ترجمہ ومطلب کے ساتھ پوری کتاب کی ترکیب بھی کرائی جاتی ہے، یہی وجہ ہے کہ اس کے شارحین نے ترجمہ ومطلب کے ساتھ ترکیب پر بھی خصوصی زور قلم صرف کیا ہے

حضور صدر العلماء علیہ الرحمہ نے مذکورہ بالا تینوں کتابوں کی شرح کی ہے۔ نحو میر کی شرح 'البشیر' شرح ماۃ عامل کی شرح 'البشیر الکامل' کافیہ کی شرح 'بشیر الناجیہ' علمی دنیا میں تینوں شرحوں کا جو مقام ہے وہ اردو زبان میں کسی اور شرح کو حاصل نہیں۔

چونکہ دیو بندیوں نے تینوں کتابوں کی شرحیں کی ہیں اور اپنی شرحوں میں علم نحو سے اپنی ناواقفیت کا جو ثبوت پیش کیا ہے وہ علامہ میرٹھی کی شرحوں کو ملاحظہ کرنے کے بعد معلوم ہوگا۔ اپنے اس دعوی کے ثبوت میں بطور دلیل اگر ثبوت پیش کروں تو مقالہ کتاب کی صورت اختیار کر لے گا، لہذا بطور اختصار دیو بندی جماعت کے ممتاز مصنف دار العلوم دیو بند کے درجہ علیا کے مدرس جناب مولانا ظہور احمد صاحب کی شرح "ایضاح العوامل" پر علامہ میرٹھی کی تنقیدات کا مختصر نمونہ ملاحظہ فرمائیے۔

(۱) صفحہ ۶ پر بسم اللہ کی ترکیب میں فرماتے ہیں: 'الرحمٰن' پہلی صفت۔ 'الرحیم' اس کی دوسری صفت۔

اقول! یہ دونوں صیغہ صفت ہیں جن کو ترکیب میں فاعل کے ساتھ ملائے بغیر صفت قرار دینا خطائے فاحش ہے۔ الفوائد الشافیہ معروف بہ زینی زادہ میں سید شریف قدس سرہ کی شرح مفتاح سے نقل کر کے فرمایا: لان اسم المفعول وسائر الصفات المشتقة مع مرفوعاتها معمولة اسی طرح "للہ" کے متعلق "ثابت" اور "الشاملة الکاملة المصطفی المجتبی" سب کو بدون ضم خبر اور صفت قرار دے دیا ہے، اسی طرح "افضل علماء الانام" میں 'افضل' اسم تفصیل کو۔ ہدایۃ النحو میں اسم تفصیل کا استعمال بوجہ ثلثہ بیان کرنے کے بعد ص ۵۶ پر فرمایا "وعلی الاوجه الثلثه یضمر فیه الفاعل وهو یعمل فی ذالک المضمر" اسی لئے کہا تھا کہ ان درجہ علیاء

کے مدرس صاحب کو ھدایۃ النحو کے مسائل بھی محفوظ نہیں چہ جائیکہ فوقانی کتابیں۔ بفحوائے غلط بر ہدف زند تیرے، کہیں کہیں صحیح ترکیب کرگئے ہیں ورنہ پوری کتاب میں صیغہائے صفات کی ترکیب بغیر ضم مرفوعات فرمائی ہے۔ (دیباچہ البشیر الکامل ص۳)

(۲) صفحہ ۸ پر فقط کی شرط مقدر (اذا جررت بھا الاسم) بیان کر کے اس کی ترکیب میں فرماتے ہیں (اذا) حرف۔

اقول: (لا حول ولا قوۃ الا باللہ العظیم) یہ ہیں دار العلوم دیوبند جیسی عظیم المرتبت درسگاہ میں درجہ علیا کے مدرس جو اسم کو حرف بتا رہے ہیں۔

گر ہمیں مکتب وہمیں ملا　　　کار طفلال تمام خواہد شد

اس سے مذکورہ بالا قول کی تائید ہوتی ہے کہ ان ذات شریف کو نحو میر تک یاد نہیں، کیوں کہ اس میں (اذا) کے اسمائے ظروف سے ہونے کی تصریح ہے۔ (دیباچہ البشیر الکامل ص۴)

(۳) صفحہ ۱۲ پر (من وھی لا بتداء الغایۃ) کی ترکیب میں 'من' کو معطوف الیہ اور 'و' کو حرف عطف اور 'ھی' کو معطوف قرار دیا ہے۔

اقول: اس 'واؤ' کو حرف عطف قرار دینا دیوبندی بدعت ہے جو شریعت نحو میں سئیہ ہے، کیونکہ صحت عطف کے لئے واجب ہے کہ معطوف کی اقامت معطوف علیہ کی جگہ صحیح ہو، اور یہاں پر (ھی) کو (من) کی جگہ رکھنا صحیح نہیں ورنہ اضمار قبل الذکر لازم آجائیگا جو باطل ہے۔

قول کافیہ" والمعطوف فی حکم المعطوف علیہ الخ" کی شرح کرتے ہوئے شارح رضی نے فرمایا: "فالمقصود ان المعطوف یجب ان یکون بحیث لو حذف المعطوف علیہ جاز قیامہ مقامہ۔ (ترتیب ابوسعید)

بلکہ 'من' متبداء اول ہے اور 'ھی' مبتدائے ثانی جو اپنی خبر 'لا بتداء الغایۃ' سے مل کر مبتدائے اول کی خبر ہے اور یہ واو زائد ہے عاطفہ نہیں، جیسا کہ ان ذات شریف نے لکھ مارا۔ چنانچہ مولوی الٰہی بخش صاحب مرحوم نے بھی (من) کو مبتدائے اول قرار دینے کی صورت میں اس کو زائد تحریر فرمایا ہے۔

(دیباچہ الکامل ص۵)

یہ تھیں شرح مائۃ عامل کے شارح مولانا ظہور احمد صاحب سنبھلی کی کارستانیوں پر علامہ میرٹھی کی تنقیدات اب بلاتاخیر کافیہ کے شارح مولانا حیات صاحب سنبھلی صدر مدرس امدادیہ مراد آباد کی شرح کافیہ مسمی بہ سعیدیہ پر علامہ میرٹھی کے ایردات ملاحظہ فرمائیے۔

(۱) 'الکلمۃ' کے لام تعریف پر کلام کرتے ہوئے فرماتے ہیں کہ اس کو عہد خارجی قرار دیکر نحاۃ کا

اصطلاحی کلمہ مراد لینا ضعیف ہے، وجہ ضعف میں فرماتے ہیں: اول اس وجہ سے کہ تعریف ماہیت کی ہوتی ہے کسی خاص قسم کی نہیں۔

اقول: کوئی حضرت سے پوچھے کہ جب تعریف خاص قسم کی نہیں ہوتی تو علامہ ابن حاجب علیہ الرحمہ نے اسم کی، فعل کی، حرف کی تعریف کیوں فرمائی، یہ بھی تو کلمہ کی قسمیں ہیں۔ بات یہ ہے کہ علامہ عصام الدین علیہ الرحمۃ نے وجہ ضعف یوں بیان فرمائی ہے کہ (لام) کے عہد خارجی مراد لینے کی تقدیر پر اس کے مدخول کے مفہوم کی قسم خاص کی طرف اشارہ ہوگا اور نحات کا اصطلاحی کلمہ مدخول کے مفہوم کی قسم نہیں بلکہ عین ہے۔ مولانا موصوف اسے سمجھ نہ سکے اور یہ لکھ مارا کہ خاص قسم کی تعریف نہیں ہوتی۔

(دیباچہ بشیر الناجیہ ص۴)

(۲) خبر مبتدا کی بحث میں (فلا بد من عائد) کی شرح میں فرماتے ہیں:

فائدہ: کبھی عموم سے عائد کا کام لیتے ہیں جیسے اس آیت میں "ان الذین امنوا وعملوا الصلحت انا لا نضیع اجر من احسن عملا" کہ اس میں 'احسن' کا عموم مفید رابط ہے۔

اقول: غلط ہے، 'احسن' میں عموم کہاں البتہ 'من احسن' میں عموم ہے۔ تسہیل الکافیہ میں فرمایا:

"بل عموم من احسن یربط لھذہ الجملہ مع اسم ان الاول"

(بشیر الناجیہ ص۶)

مذکورہ بالا پانچوں اقتباسات کو ملاحظہ کرنے کے بعد آپ کو بھی یقین کامل ہوگیا ہوگا کہ دیوبندی علماء علم نحو سے ناواقف ہیں اور تنقیص انبیاء کے باعث ان کی محنت ومشقت اکارت وبرباد ہے، اس لئے کہ پوری عمر علم کی تحصیل میں صرف کرنے کے باوجود ابتدائی مسائل کے سمجھنے سے قاصر ہیں اور اپنی تصنیفات میں جہالت وسفاہت کا وافر حصہ بطور ترکہ اپنے وارثین کے لئے چھوڑ رکھا۔

علم لغت

علم لغت وہ ہے جس کے ذریعہ کسی زبان کے مفردات کے وضعی معنی وطریقہ استعمال اور مفرد وجمع معلوم ہو۔ یہ بات ہر ذی علم پر واضح ہے کہ علم لغت کی واقفیت کے بغیر کسی زبان کے طریقہ استعمال پر قدرت حاصل نہیں ہوسکتی، اب ذرا لگے ہاتھوں دیوبندی جماعت کے اکابر علماء کی تصنیفات ملاحظہ فرمالیجئے پھر آپ کو یہ کہنے میں جھجک محسوس نہ ہوگی کہ یہ گستاخی رسول کرنے والے علم لغت سے پورے طور پر ناواقف ہیں۔

سردست اس جماعت کے ممتاز عالم صاحب تصانیف کثیرہ مولانا انور شاہ کشمیری شیخ الحدیث دار العلوم دیوبند کی مشہور زمانہ تصنیف فیض الباری میں باعتبار لغت علامہ میرٹھی کی تنقیدات سے صرف ایک مثال پیش کر رہا ہوں جسے دیکھ کر میرے مدعا پر مہر تصدیق ثبت کئے بغیر چارۂ کار نہ ہوگا۔

اس کی قدرے تفصیل یہ ہے کہ حدیث شریف "انما الا عما ل با لنیا ت" میں اعمال کی لغوی تحقیق علامہ میرٹھی نے یوں کی ہے۔(الا عما ل) عمل بمعنی کار کی جمع ہے، اعمال اور افعال ہم معنی ہیں مگر استعمال میں افعال سے عندالاطلاق افعال جوارح متبادر ہوتے ہیں بخلاف اعمال کہ وہ فعل جوارح اور فعل لسان فعل قلب سب کو شامل ہے، اسی واسطے "انما الا عما ل" فرمایا گیا۔

(بشیر القاری ص ۲۵)

اسی حدیث پاک میں لفظ اعمال کی لغوی تحقیق کرتے ہوئے مولانا انور شاہ کشمیری نے اعمال وافعال کے درمیان فرق کو اس طرح بیان کیا ہے:

وانما لم یقل الا فعال با لنیا ت لا ن بین العمل والفعل فرق والعمل سا ختن والفعل کر دن یعنی ان الفعل فی ما یتما دی ویطول بخلا ف الفعل وکذا قا لوا واعملوا صا لحا وقال ان الذین آمنوا وعملوا الصا لحات ولم یقل وافعلوا وفعلوا دلالة علیٰ الد وم والاستمرار۔

ترجمہ: اور حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے "الا فعال با لنیات" نہیں فرمایا، اس لئے کہ عمل اور فعل کے درمیان فرق ہے عمل بنانے اور فعل کرنے کو کہتے ہیں، یعنی عمل کا اطلاق اس پر ہوتا ہے کہ جس میں کھنچائی اور لمبائی ہو بخلاف فعل، اسی وجہ سے خداوند قدوس نے "واعملوا صالحا" (اچھا عمل کرو) اور "ان الذین امنوا وعملو الصلحت" (بیشک وہ جو ایمان لائے اور اچھے عمل کیے) فرمایا ہے اور "اعملو ا" کی جگہ "افعلو ا" اور "عملوا" کی جگہ "فعلوا" نہیں فرمایا ہے، لفظ عمل کے دوام واستمرار پر دلالت کرنے کی وجہ سے۔

مندرجہ بالا عبارت پر حضور صدر العلماء علامہ میرٹھی علیہ الرحمہ نے یہ تنقید کی ہے:

اقول: هذا الفرق با طل قطعا ،ذلك لا نه قوله بخلا ف الفعل ان کا ن معنا ہ ان الفعل فیما لا یتما دی ولا یطول فقط فهذا یدل علی قصور نظره فی اللغة کیف وقدقال الله تعالیٰ فی کلا مه الفصیح "وافعلوا الخیر" قال فی الجلا لین تحت قوله تعالی " الخیر کصلةالرحم ومکا رم الا خلا ق وقا ل فی حا شیة الصا وی ای وغیرها من الخیرات الوا جبة والمندوبة مشیرا الی ان الکا ف فی قول المفسر کصلة الرحم للتمثیل ولیست کاف الا ستقصا ء فجملة الخیرات دا خلة تحت لفظ الخیر وکثیر منها متما د واستعمل فی القرآن افعلوا فیما یتما دی ویطول فا لفرق بین العمل والفعل بهذا النحو غیر معقول وان کا ن معنا ہ ان الفعل أعم فیستعمل فیما یتمادی وفیما لا یتمادی وفیما لا یتمادی وان کان لا حق الکلام یأبی عنه فنقول کلا م الله تعالیٰ لا یسا عده ایضا حیث قال تعالیٰ والله خلقکم وما تعملون وقال تعالیٰ ان الله بما یعملون محیط فا لا یة الا ولی اورد ها العلما ء فی کتب الکلا م لا ثبا ت مخلو قیة جمیع افعال العبا د فهل الا فعا ل الغیر

المتمادية خا رجة عنها والله انها بدعة سيئة والا ية الثا نية افادت ان احا طته تعالىٰ شاملة لجميع الا عما ل متما دية كا نت اوغير متما دية والقول بخلا فه والله انها كلمة قبيحة ايضا(ص ٢٥)

ترجمہ: میں عرض کرتا ہوں کہ مولانا انور شاہ کشمیری کا عمل وفعل کے درمیان مذکورہ فرق بیان کرنا قطعا باطل ہے، اس لئے کہ ان کے قول "بخلا ف الفعل '' کا معنی اگر یہ ہے کہ لفظ فعل کا استعمال صرف اس میں ہوتا ہے، جس میں دوام واستمرار نہ ہوتو ان کا یہ قول علم لغت میں قصور نظر کے باعث ہے، ان کی بات کیسے صحیح ہوسکتی ہے جب کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے کلام فصیح میں فرمایا ہے "وافعلوا الخير" (اچھا کام کرو)۔ اللہ تعالیٰ کے فرمان (الخیر) کے تحت تفسیر جلالین میں ہے: كصلة الرحم ومكارم الا خلا ق" خیر جیسے صلہ رحم اور مکارم اخلاق ہے۔ اور جلالین کے حاشیہ صاوی میں ہے: "وغير همامن الخيرات الوا جبة والمندو بة" اور صلہ رحم اور مکارم اخلاق کے علاوہ خیرات واجبہ اور مستحبہ کو بھی خیر شامل ہے، جس سے اس بات کی جانب اشارہ ہے کہ جلالین میں "كصلة الرحم" میں کاف تمثیل کے لئے ہے استقصاء کے لئے نہیں ہے، تو اس بنیاد پر تمام خیرات لفظ خیر کے تحت داخل ہیں اور ان میں سے اکثر استمراری ہیں اور قرآن مقدس میں "افعلوا" اس میں مستعمل ہے جو دوام واستمرار کو چاہتا ہے تو مولانا کشمیری کا فعل وعمل کے درمیان یہ فرق بیان کرنا غیر معقول ہے۔ اور اگر (بخلا ف الفعل) کا معنی یہ ہے کہ فعل عام ہے تو اس کا استعمال استمرار وغیر استمرار دونوں میں ہوتا ہے اگر چہ گذشتہ کلام اس کا منکر ہے، پھر بھی کہیں گے کہ اللہ تعالیٰ کا کلام اس کی بھی مساعدت نہیں کرتا، جیسا کہ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے: "والله خلقكم وما تعملو ن "اللہ نے تمہیں اور تمہارے کاموں کو پیدا فرمایا اور اللہ تعالیٰ نے فرمایا: "ان الله بما يعملون محيط "۔ بیشک اللہ تعالیٰ تمہارے کاموں کا احاطہ کئے ہوئے ہے۔ مذکورہ بالا پہلی آیت کو علماء نے علم کلام کی کتابوں میں بندوں کی تمام کاموں کی مخلوقیت کی اثبات میں پیش فرمایا ہے، تو کیا غیر استمراری افعال عباد مخلوقیت سے خارج ہیں، بخدا یہ تو بدعت سیئہ (بری بدعت) ہے۔ اور دوسری آیت کریمہ کا مفاد یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کا احاطہ فرمانا تمامی اعمال کو شامل ہے وہ استمراری ہوں یا غیر استمراری۔ بخدا اس کے خلاف گفتگو کرنا بری بات ہے۔

مولانا کشمیری کے بیان تفریق کی تردید بلیغ کے بعد علی سبیل التنزل یہ فرماتے ہیں: "ولو سلم هذا الفرق تطيبا بقلبه فا ية فا ئدة ترتبت علىٰ ذالك اقصد ان هذا الفرق يدل علىٰ ان المرادفى الحديث با لا عمال الافعال المتما دية با لنيات دون الغير المتما دية فان هذا هو المقصود فهو عند او لى الالباب غير محمود بل مر دود ۔

(ایضاص ۲۶)

ترجمہ: اگر مولانا کشمیری کا بیان کردہ فرق بطیب خاطر تسلیم بھی کرلیا جائے تو اس سے کون سا فائدہ

مرتب ہوگا۔

میرے خیال سے وہ فرق اس پر دلالت کریگا کہ حدیث شریف میں اعمال سے مراد افعال استمراری ہیں، تو پھر اس حدیث کا مطلب یہ ہوگا کہ افعال استمراری کا ثواب نیتوں پر ہے افعال غیر استمراری کا نہیں، اگر مولانا کشمیری کا یہی مقصود ہے تو پھر یہ معنی دانشمندوں کے نزدیک محمود نہیں بلکہ مردود ہے۔

علم معانی

علم معانی اس علم کے کہتے ہیں جس کے ذریعہ عربی الفاظ کے احوال معلوم ہوتے ہیں اور الفاظ مقتضائے حال کے مطابق ہو جاتے ہیں، علم معانی پر واقف ہوئے بغیر معنی مراد کی ادائیگی میں غلطی سے محفوظ اور فصیح کو غیر فصیح سے ممتاز نہیں کیا جا سکتا، چونکہ اس علم کا موضوع لفظ عربی من حیث الترکیب ہے اور از یں قبل آپ علماء دیوبند کے رہنما مصنف کی ترکیب دانی کا تماشا دیکھ چکے ہیں، اس سے علم معانی میں علمائے دیوبند کی اعلی قابلیت کا اندازہ لگایا جا سکتا ہے، پھر بھی دیوبندی جماعت کے ممتاز مصنف مولانا انور شاہ کشمیری پر صدر العلماء علامہ میرٹھی کی تنقیدات کی ایک مثال پیش کر دینا ضروری سمجھتا ہوں، حدیث پاک ”انما الاعمال بالنیات“ میں کلمہ 'انما' کی تحقیق علامہ میرٹھی نے پیش کی ہے۔

کلمہ 'انما' قصر کے لئے موضوع ہے یا تاکید کے لئے، کما علیه النحاة۔ اس تقدیر پر اعمال مسند الیہ کے معرف بلام جنس ہونے سے قصر مستفاد ہوگا، لغت میں قصر بمعنی حبس ہے اور اصطلاح میں بذریعہ طرق سبعہ یہ ہیں:

عطف، نفی واستثناء، تقدیم انما، توسط ضمیر فصل، تعریف مسند الیہ بلام جنس، تعریف مسند بلام جنس،

قصر کی دو قسمیں ہیں: حقیقی اور اضافی۔ پھر ہر ایک کی دو دو قسم، قصر موصوف علی الصفت اور قصر صفت علی الموصوف، اور قصر اضافی تین قسموں پر ہے، قصر افراد، قصر قلب، قصر تعیین، والتفصیل فی مقامه۔

حدیث میں قصر موصوف علی الصفت اضافی ہے، بر تحقیق احناف ثواب الاعمال موصوف مقصور ہے، 'حاصل بالنیات' صفت مقصور علیہ ہے، اور 'حاصل بدون النیات' صفت ثانیہ جس کی نسبت سے قصر ہے، یہ قصر اضافی قصر افراد ہے نہ قصر قلب۔ قصر قلب اس لئے نہیں کہ اس میں حکم متکلم کے برعکس مخاطب کا اعتقاد ہوتا ہے جو یہاں پایا نہیں جاتا، ورنہ لازم آئے کہ صحابہ کرام کا اعتقاد تھا کہ ثواب عمل بغیر نیت حاصل ہوتا ہے، نیت سے حاصل نہیں ہوتا۔ جس کو رد کرنے کے لئے فرمایا ”انما الاعمال بالنیات“ یعنی ثواب عمل نیت سے حاصل ہوتا ہے بغیر نیت حاصل نہیں ہوتا، اور یہ لازم باطل ہے اس لئے کہ جب اعتقاد کیا جائے کہ بغیر نیت ثواب عمل حاصل ہوتا ہے تو سلیم العقل انسان سے متصور نہیں کہ اس کے ساتھ یہ اعتقاد بھی رکھے کہ نیت کے ساتھ ثواب عمل حاصل نہیں ہوتا، نیت کوئی بری چیز تو نہیں کہ ثواب عمل کو روک دے بلکہ نیت کا وجود عدم سے بہتر ہے

اسی واسطے عقل سلیم کا اقتضاء ہے کہ جب بدون نیت حصول ثواب کا اعتقاد ہو تو اس کے ساتھ یہ اعتقاد ہونا چاہیے کہ نیت کے ساتھ حصول ثواب بدرجہ اولیٰ ہوگا، کیونکہ نیت سے حدیث میں ارادہ طاعت مراد ہے، کما سبق وسیأتی مفصلاً ۔ پس یہ قصر اضافی قصر تعیین ہے، مخاطبین کو تردد تھا کہ "ثواب الاعمال موصوف حاصل بالنیات" کے ساتھ متصف ہے، متکلم بلیغ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے اس کو محسوس کر کے اس طرح زائل فرمایا کہ "انما الاعمال بالنیات" فرما کر ایک صفت کی تعیین فرمادی یعنی "ثواب الاعمال موصوف حاصل بالنیات" کے ساتھ متصف ہے، حاصل بدون النیات کے ساتھ متصف نہیں

(ص ۳۴/۳۵)

مذکورہ بالا تحقیق انیق سے یہ بات کھل کر سامنے آگئی کہ علم معانی کے مطابق مذکورہ بالا حدیث میں 'انما' قصر کے لئے ہے، اور یہ قصر اضافی قصر تعیین ہے، جبکہ مولانا کشمیری اپنی مشہور زمانہ تصنیف فیض الباری کے ص ۱۳/ا میں اسے قصر قلب قرار دیتے ہیں۔

فیض الباری کی اصل عبارت یہ ہے:

وقوله انما الاعمال بالنيات فجيء بانما علىٰ طريق قصر القلب كما قال عبد القاهر فى انما ۔

ترجمہ: حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا فرمان" **انما الاعمال بالنيات** "حرف قصر کے ساتھ ہے، اس کے مقابلہ میں جس نے یہ گمان کیا کہ اعمال کا انجام اور ان کی بڑھوتری نیت فاسدہ کے ساتھ ہے، یا یہ گمان کیا کہ اعمال کے اندر نیتوں کی تاثیر نہیں ہوتی، تو ان کے مقابلہ میں حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے اپنے فرمان کو قصر قلب کے طریقہ پر پیش فرمایا ہے جیسا کہ شیخ عبد القاہر جرجانی نے 'انما' کے بارے میں فرمایا ہے۔

مولانا کشمیری کی مذکورہ بالا عبارت پر علامہ میرٹھی نے بایں الفاظ تنقید کی ہے:

اقول: لا يخفى علىٰ من له ادنى مسكة بعلم المعانى ان المخاطب بقصر القلب يعتقد حكمين احدهما ايجابى والاخر سلبى مثلاً اعتقد ان زيد اقاعد وليس بقائم فا لمتكلم يقلب الحكم ويقول انما زيد قائم يعنى زيد قائم وليس بقاعد هذا فى قصر الموصوف على الصفة او اعتقد ان الشاعر عمرو وليس بزيد فا لمتكلم يعكس الحكم بان يقول انما الشاعر زيد وليس بعمرو وهذا فى صفة القصر على الموصوف فالذى يوحد فى كلام العرب واتفقت عليه كلمات القوم ما ذكر نا من اعتقاد المخاطب بقصر القلب الحكمين المذكورين ويجوزان يكون المخاطب بقصر القلب من اعتقد ثبوت الحكم لمن نفاه وجوز ثبوته للآخر فيثبت المتكلم الحكم بان يقول انما زيد كا تب يعنى زيد كا تب وليس بشاعر كذا فى الاطول ففى

هـذه الـصورة اعتقد المخاطب حكمين ايجابين لكن احدهما فعلي والا خر جوازي والمتكلم اثبت الجوازي ونفي الفعل فاتضح بما ذكرنا انه لا بد من اعتقاد المخاطب بقصر القلب الحكمين۔

ترجمہ: میں عرض کرتا ہوں کہ وہ شخص جسے علم معانی کی ادنی جانکاری ہے اس پر یہ بات مخفی نہیں ہے کہ قصر قلب میں مخاطب دو حکموں کا اعتقاد کرتا ہے جن میں ایک ایجابی اور دوسرا سلبی ہوتا ہے، مثلا اس نے اعتقاد کیا کہ زید بیٹھا ہے کھڑا نہیں ہے تو متکلم مذکورہ حکم کو بدل دیتا ہے اور کہتا ہے کہ زید کھڑا ہے بیٹھا نہیں ہے، اس کو قصر موصوف علی الصفت کہتے ہیں۔ یا اعتقاد کرے کہ بیشک شاعر عمرو ہے زید نہیں ہے اس کو متکلم الٹ دیتا ہے اور کہتا ہے کہ شاعر زید ہے عمرو نہیں۔ اس کو قصر الصفت علی الموصوف کہتے ہیں۔ تو وہ جو کلام عرب میں موجود ہے، جس پر اہل علم کا اتفاق ہے وہی ہے جسے ہم نے ذکر کر دیا ہے یعنی قصر قلب میں مخاطب کا اعتقاد مذکورہ دو حکموں کے ساتھ ہوتا ہے اور یہ بھی ممکن ہے کہ قصر قلب مخاطب سے حکم کے ثبوت کا اعتقاد کرے اس کے لئے جو اس کی نفی کر رہا ہو، اور اس کے ثبوت کو دوسرے کے لئے قرار دے رہا ہو، تو ایسی صورت میں متکلم حکم کو دوسرے کے لئے ثابت کریگا اور اس سے حکم کی نفی کرے گا جس کے لئے مخاطب ثابت کر رہا تھا۔ مثلا مخاطب نے یہ اعتقاد کیا کہ بیشک زید شاعر ہے اور ممکن ہے کہ وہ کاتب ہو تو ایسی صورت میں متکلم حکم کو پلٹ دیگا کہ زید کاتب ہے شاعر نہیں، کذا فی الا طول۔ تو اس صورت میں مخاطب نے دو حکم ایجابی کا اعتقاد کیا اس میں ایک فعلی اور دوسرا جوازی ہے، اور متکلم نے جوازی کو ثابت کیا اور فعلی کی نفی کر دی، میرے گذشتہ بیان سے اس کی توضیح ہوگئی کہ قصر قلب میں مخاطب دو حکموں کا اعتقاد کرتا ہے۔

علامہ میرٹھی نے مذکورہ بالا توضیح کو پیش کر دینے کے بعد علم معانی سے مولانا کشمیری کی ناواقفیت کو یوں بیان فرمایا ہے:

واذا انتقش هذا على صحيفة خاطرك فاعلم ان ما في فيض البارى فيه قصور من وجه وفساد من وجهين ، اما القصورفهو انه ذكر احدا لحكمين في قوله عبرة الاعمال ونمائها بالنية الفاسدة وان الاعمال لا تاثير فيها للنيات تخييرا للناظر بينهما بانه ايهما اختار اصاب وترك الآخر، واما وجه الاول من الفساد انه ان اختار ان نماء الاعمال بالنية الفاسدة فالحكم المتروك سلبى اوايجابى جوازى على ما في الاطول، وان اختار ان الاعمال لا تاثير فيها للنيات فالمتروك ايجابى لا غير ، فعلى الاختيار الاول ان كان المراد ان المخاطب اعتقد ان نماء الاعمال بالنية الفاسدة وليس بالنية الصحيحة وان نماء الاعمال بالنية الفاسدة ويجوز ان يكون بالنية الصحيحة فبطلانه اظهر من الشمس وابين من الامس كيف والمخا

طبو ن بقوله صلى الله تعالىٰ عليه وسلم انما الا عمال با لنيا ت هم الصحا بة رضى الله تعالىٰ عنهم ولا يتصور ممن رزق شيئا من العقل ان يعتقد حصول النماء با لنية الفا سد ة وينفى حصوله بالنية الصحيحة او يجوز ه بها فضلا عنهم فويحك ثم ويحك كيف يا ذن ايما نك ان تظن بهم ذلك بل الذى يشهد به سلا مة العقل هو ان نماء الا عما ل اذا كا ن حصو له معتقدا با لنية الفا سدة فا عتقاد حصو له با لنية الصحيحة يكو ن بالطريق الاولى لا ا عتقا د عد مه اوتجويزه وان كا ن المراد غير ذالك فليبين حتى يتكلم عليه لكن فى كلامه ما يعين الشق الاول حيث قال فى ص ٩ (والذى اراه هو ان الحديث لم يرد فى وجود النية و عدمها كما يشعربه تفار يعهم وانما ورد فى بيان الفرق بين النية الفا سد ة والصحيحة) وعلى الا ختيا ر الثا نى ان اراد با لنيات فى قوله ان الاعمال لا تا ثير فيها للنيا ت المعنى العا م الشامل للنية الصحيحة والفا سدة فلا يد رى الحكم المتروك ماذا حتى يعلم صحته وفساده لكن هذا الا حتما ل ينفيه قوله المارآنفا المذكو ر فى ص ٩(وان اراد بها النيا ت الصحيحة فا لحكم المتروك يكو ن الا عما ل فيها تا ثير للنيا ت الفاسدة وحينئذ يتحد الا ختيا ر الا ول والثا نى مفا دا ويختلفان عبا رة فا لكلا م عليه ما على الا ول هذا ،والكلام على تقدير لفظ العبرة والنماء فى الحديث سيأتى فى باب الاحكام انشاء الله تعالىٰ، اما الوجه الثا نى من الفساد فهو ان قوله هذا مبنى على سطحية النظر وسوء الفهم اذ الشيخ عبد القا هر قال فى دلا ئل الا عجا ز كلمة انما تستعمل لقصر القلب دون الا فراد فنفى الشيخ استعما لها لقصر الا فراد دو ن التعيين وصاحب فيض البا رى لم يمعن النظر فى كلا مه ففهم منه نفى كليهما حيث قال كما قال عبد القا هر فى انما وهذا هو الذى اضله عن الطريق الصواب وذلك جزاء من يسىء الادب فى جنا ب الا ئمة اولى الا لبا ب والله ولى التو فيق واليه المآ ب ۔

(ص ٣٦ ـ ٣٥)

ترجمہ: جب یہ(میرا گذشتہ بیان) آپ کے دل کے صحیفہ پر منقش ہوگیا۔تو پھر آپ کو یہ جان لینا چاہئے کہ وہ جو(مولانا کشمیری کا) فیض الباری میں ہے اس میں ایک قصور اور دو طرح کے فساد ہیں۔رہا قصور تو وہ یہ ہے کہ انہوں نے دو حکموں میں سے ایک کو ذکر کیا ہے اپنے قول میں کہ اعمال کا انجام اور اس کی بڑھوتری نیت فاسدہ سے ہوتی ہے،اور اعمال کے اندر نیتوں کی کوئی تاثیر نہیں ہے،دونوں کے درمیان غور وفکر کرنے والوں کو اختیار دیا گیا ہے کہ جسے بھی وہ اختیار کریگا نادرستگی کو پہونچے گا اور دوسرے کو چھوڑ دیا ہے،اور فسا کی پہلی وجہ یہ ہے کہ انہوں نے اعمال کی بڑھوتری کو فاسد نیت کے ساتھ اختیار کیا ہے تو وہ حکم جو متروک ہے سلبی ہوگا،یا ایجابی جوازی کذافی الاطول۔اور اگر اختیار کرتا کہ اعمال کی تاثیر نیتوں کی وجہ سے نہیں ہوتی تو متروک ایجابی ہوتا اس کا

غیر نہ ہوتا تو اختیار اول کی بنیاد پر اگر یہ مراد ہو کہ مخاطب نے اعتقاد کیا ہے کہ اعمال کی بڑھوتری نیت فاسدہ کی وجہ سے ہوتی ہے، نیت صحیحہ کی وجہ سے نہیں ہوتی، یا یہ کہ اعمال کی بڑھوتری نیت فاسدہ کی وجہ سے ہوتی ہے اور ممکن ہے کہ نیت صحیحہ کی وجہ سے ہو، تو پھر اس کا باطل ہونا سورج کی چمک اور دن کے اجالے سے زیادہ ظاہر وباہر ہے اور وہ کیسے باطل نہیں ہوگا جب کہ رسول اللہ ﷺ کا فرمان " انما الا عمال بالنیات " کے مخاطب صحابہ کرام رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین ہیں، اور جسے عقل کا معمولی حصہ ملا ہو اس سے اس کی توقع نہیں کی جاسکتی کہ وہ یہ اعتقاد رکھے کہ بڑھوتری کا حصول نیت فاسدہ سے ہوتا ہے اور اس کا حصول نیت صحیحہ سے نہیں ہوتا، یا نیت صحیحہ سے بڑھوتری ممکن ہے، جب معمولی عقل والا اس طرح کا اعتقاد نہیں کرسکتا تو پھر صحابہ کرام کے بارے میں ایسا رتصور کیسے کیا جاسکتا ہے۔ افسوس ہے مولانا کشمیری تم پر کہ تمہارے ایمان نے تمہیں اس فاسد خیال کی اجازت کیسے دے دی، بلکہ وہ شخص جس سے معمولی شعور وآگہی ہے وہ اس بات کی شہادت دیگا کہ جب فاسد سے اعمال میں بڑھوتری ہوسکتی ہے تو نیت صحیحہ سے بدرجہ اولیٰ ہوگی۔ اس کے عدم یا امکان کا اعتقاد نہیں کرسکتا۔ اور کشمیری صاحب کی مراد اس کے علاوہ ہو تو اس کو بیان کرنا چاہئے تھا تاکہ اس پر گفتگو کی جاتی، لیکن ان کے اس کلام نے جس سے شق اول کا تعیین ہو جارہا ہے وہ ہے جو انہوں نے اپنی کتاب ص ۹ پر کہا ہے (وہ میں جانتا ہوں یہ ہے کہ حدیث نیت کے وجود یا عدم کے بارے میں وارد نہیں ہوئی ہے جیسا کہ شارحین کی تصریحات سے اندازہ ہوتا ہے بلکہ حدیث کا ورود نیت فاسدہ وصحیحہ کے درمیان فرق کو بیان کرنے کے لئے ہوا ہے)۔ لہذا کشمیری صاحب کو شق اول تسلیم ہے۔ جس کا بطلان واضح ہے۔

اور دوسری شق کے اختیار کرنے کی تقدیر پر اگر نیات سے مراد لیا جائے مولانا کشمیری صاحب کے قول 'ان الا عمال لا تاثیر فیھا للنیات' میں معنی عام جو نیت صحیحہ ونیت فاسدہ دونوں کو شامل ہو تو ایسی صورت میں حکم متروک کے بارے میں جانکاری نہیں ہوسکتی کہ وہ کیا ہے کہ اس کی صحت وفساد کو جانا جائے لیکن اس احتمال کی نفی فیض الباری کی وہ عبارت جو ص ۹ کی گذری اس کے خلاف ہے، اور اگر اس سے نیت صحیحہ مراد لیا ہو تو حکم متروک وہ اعمال ہونگے جن میں نیات فاسدہ کی تاثیر ہوگی، تو اس صورت میں باعتبار مفاد پہلے اور دوسرے کے اختیار کرنے میں اتحاد ہوگا، اور عبارت کے اعتبار سے دونوں مختلف ہونگے، تو اس پر وہی گفتگو ہوگی جو شق اول میں گذر چکی۔ مولانا کشمیری کے قول کے فساد کی وجہ ثانی یہ ہے کہ ان کا یہ قول سوء فہم اور سطحی نظر کی بنیاد پر ہے، اس لئے کہ شیخ عبد القاہر نے اپنی تصنیف دلائل الاعجاز میں کہا ہے کہ 'انما' قصر قلب کے لئے آتا ہے افراد کے لئے نہیں آتا، وہاں شیخ عبد القاہر نے 'انما' کے استعمال کی نفی افراد کے لئے کی ہے تعیین کے لئے نہیں، اور فیض الباری کے مصنف مولانا کشمیری شیخ کے کلام میں غور وفکر نہ کرنے کے باعث یہ سمجھ بیٹھے کہ شیخ نے افراد و تعیین دونوں کی نفی کردی ہے اور بے جھجک تحریر کردیا، "کما قال عبد القاھر فی انما" ۔ یہی وہ غلطی تھی جس

نے کشمیری صاحب کو درستگی کی راہ سے بھٹکا دیا اور ائمہ کرام کی بارگاہ میں گستاخی کرنے والوں کا یہی انجام ہوتا ہے
مذکورہ بالا عبارت کو بار بار پڑھئے اور اندازہ لگایئے کہ دیوبند کے شیخ الحدیث لفظ 'انما' کے متعلق معمولی بات نہ سمجھ سکے اور اس نا سمجھی نے انہیں علمی ضلالت کے قعر عمیق میں ڈال دیا ہے اور کسی پہلو انہیں چین وسکون نصیب نہیں ہے اور پوری جماعتِ دیوبند جن کے فضل وعلم پر ناز کرتی ہے وہ علم معانی کی معرفت میں طفل مکتب سے کم تر نظر آتے ہیں، پوری جماعت دیوبندیت کو علامہ میرٹھی کا مشکور وممنون ہونا چاہئے جو انہیں جہل مرکب کی تاریک وادی سے نکال کر علم وفن کے اجالے میں لانا چاہ رہے ہیں، کاش میدان علم وفن میں انبیاء عظام کی بارگاہوں میں گستاخی سے باز آتے اور نبی کریم علیہ الصلوۃ والتسلیم کی بخششوں سے اور نور علم سے قلب ونظر کو منور کرتے اور اپنی تصنیفات کو جگ ہنسائی کا سامان بنانے کے بجائے خدمت دین متین کا ذریعہ بناتے۔

اصول فقہ

علم اصول فقہ ایسے قواعد کی تصدیقات کو کہتے ہیں جن سے ادلہ تفصیلہ کے ذریعہ احکام شرعیہ کے استنباط کا طریقہ معلوم ہو جائے۔ علم اصول فقہ کی معرفت کے بغیر کتاب وسنت اور اجماع وقیاس سے مسائل شرعیہ کے استخراج پر ملکہ حاصل نہیں ہو سکتا اور نہ ہی تفقہ فی الدین کی دولت حاصل ہو سکتی ہے، اور یہ بات اپنی جگہ پر مسلم الثبوت ہے کہ رب ذوالجلال اپنے بندوں میں مخصوص کو تفقہ عطا فرماتا ہے۔

ارشاد رسالت مآب ہے: "من یرد اللہ بہ خیراً یفقھہ فی الدین "۔ اللہ تعالیٰ جس سے خیر چاہتا ہے اسے دین کا فقیہ بناتا ہے۔

اور فقیہ کے مقام ومرتبہ کا اندازہ اس سے لگایا جا سکتا ہے کہ حضور صلی تعالیٰ علیہ وسلم فرماتے ہیں: فقیہ واحدا شد علیٰ الشیطان من الف عابد"۔ ایک فقیہ شیطان پر ہزار عابدوں سے زیادہ بھاری بھرکم ہے۔

مذکورہ بالا دونوں حدیثوں کے تناظر میں یہ بات کھل کر سامنے آجاتی ہے کہ علماء دیوبند جو گستاخی رسول کے مرتکب ہیں انھیں تفقہ فی الدین سے کوئی حصہ نہیں مل سکتا ہے، ہزار کوششوں کے باوجود وہ فقیہ نہیں ہو سکتے ،اپنے اس دعوی کے ثبوت میں بطور اختصار صرف ایک مثال پر اکتفا کروں گا ملاحظہ فرمایئے:

بخاری شریف میں غار حرا کا وہ واقعہ جس میں سرکار دو عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم پر وحی کا آغاز ہوا اس کو بیان کرنے کے بعد "فترۃ الوحی" پر ایک حدیث بیان کی گئی ہے، اس حدیث میں سرکار دو جہاں صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے بیان فرمایا ہے کہ میں چلا جا رہا تھا کہ اچانک آسمان سے آواز آتی ہوئی سنی، فوراً میں نے اپنی نگاہ اٹھا کر دیکھا تو آسمان کے درمیان وہی فرشتہ کرسی پر بیٹھا ہوا نظر آیا، میں اس سے مرعوب ہو کر پلٹ آیا اور اہل خانہ سے کہا کہ مجھے کپڑا اڑھا دو، تو اس وقت "یا ایھا المدثر الآیہ" نازل ہوئی، مذکورہ بالا سورت میں "وربک فکبر" ہے جس کا ترجمہ ہوتا ہے اپنے رب کی بڑائی بیان کرو۔ 'وربک فکبر' سے تکبیر تحریمہ کا حکم دیا گیا ہے، اب رہا یہ

سوال کہ لفظ 'کبر' سے اللہ اکبر واجب ہے یا اس مفہوم کا کوئی بھی صیغہ جس میں رب کی بڑائی وتعظیم ثابت ہو کہنا کافی ہے۔ احناف اس بات کی جانب گئے ہیں کہ مطلق ذکر جو تعظیم کو متضمن ہو وہی کافی ہے۔ دیو بند کے مشہور زمانہ مصنف مولانا انور شاہ کشمیری احناف کے مذکورہ نظریہ سے متفق ہیں مگر جب " وربك فكبر " سے استدلال کرتے ہیں تو اصول فقہ کے ضابطوں کو نظر انداز ہی نہیں کرتے بلکہ خودساختہ طریقہ استدلال میں اصول فقہ میں اپنی ناواقفیت کی دلیل فراہم کرتے ہیں، اب مناسب ہی نہیں بلکہ ضروری سمجھتا ہوں کہ مولانا کشمیری کی عبارت فیض الباری ص ۳۲ سے نقل کردوں تاکہ میرا بیان مسلکی تعصب کے شبہات سے بالاتر ہو جائے۔ مولانا کشمیری فرماتے ہیں:

وربك فكبر ـ استدل به الحنفية ان مطلق الذكر المشعر با لتعظيم يكفى للد خول فى الصلو ة لا ن قوله كبر معنا ه عظم فا لمامور به هو مطلق التعظيم با ى صيغة كا ن لا خصوص صيغة (الله اكبر) سيما اذا ورد فى سيا ق الصلو ة والظا هر من الذكر هو الذى للشروع فى الصلو ة فهذا دليل وا ضح على ان الضرو رى هو مطلق الذكر كما قلنا ـ

ترجمہ:۔ وربك فكبر ۔ سے حنفیوں نے یہ استدلال کیا ہے کہ بیشک ذکر جو تعظیم کا مشعر ہو وہ نماز میں (تکبیر تحریمہ) کے لئے کافی ہے۔ اس لئے کہ اللہ تعالیٰ کے فرمان 'فکبر' (بڑائی بیان کرو) کا معنیٰ 'عظم' (تعظیم کرو) ہے، تو جسکا حکم دیا گیا ہے وہ مطلق تعظیم ہے کسی بھی صیغہ سے ہو اللہ اکبر کے صیغہ کی تخصیص نہیں، خصوصا جب وہ سیاق صلوۃ میں ہو جیسا کہ اللہ تعالیٰ کے فرمان " وذكر اسم ربه فصلى " میں ہے۔ تو یہاں پر سیاق ،نماز کا سیاق ہے اور ظاہر ہے کہ ذکر سے وہ مراد ہے جو نماز کے شروع کے لئے ہوتا ہے اور یہ واضح دلیل اس بات پر ہے کہ بیشک ضروری وہ مطلق ذکر ہے۔ مذکورہ بالا استدلال کا مقصد احناف کی تصویب وتائید کرنا ہے۔

مگر طریقہ استدلال کی رکاکت کو اگر بنظر غائر دیکھا جائے تو احناف کی دلیل پر انگشت نمائی کا موقع فراہم کرنے سے کوئی رکاوٹ نہیں۔ یہی وجہ ہے کہ صدر العلما علامہ میرٹھی نے چند وجوہ سے مذکورہ بالا استدلال کو ضعیف ترین قرار دیا ہے۔ اب لگے ہاتھوں علامہ میرٹھی کی تنقیدات کو ملاحظہ فرماتے چلیں:

اقول فيه نظر من وجوه اما اولا فلا ن تقرير الا ستدلا ل هذا غير تام ما لم تنظم اليه قضية الا جما ع كما مر فى تقرير نا فان المأ موربه على تقدير عدم الضم هو مطلق التعظيم سواء كا ن با لا عتقا د او با لعقل وعلى الثا نى اعم من ان يكو ن قبل الصلو ة مع الفصل بينهما او بلا فصل وفيها او بعد الفراغ عنها لا خصوص التعظيم الذى يكو ن با لقول قبيل الصلو ة بلا فصل وهو تكبير الا فتتا ح واذا كا ن الما مو ر به عا ما والعام لا يستلزم الخا ص بعينه فلم يلزم كو ن خصو ص التعظيم ما مو را به حتى يثبت المدعى فلم يتم التقريب۔

واما ثانیا فلان قوله سیما اذا ورد فی سیاق الصلوة وان کان ضمیر الفاعل فیه راجعا الی مطلق التعظیم الذی ھو ما مور به فی قوله تعالیٰ 'وربك فکبر' فمع انه لم یرد فی سیاق الصلوة فان الصلوة لا ذکر لهما قبله ولا بعده ولو سلم وروده فیها لا یفید ایضا کون المامور به قبیل الصلوة بلا فصل فضلا عن التعظیم القولی الذی قبیل الصلوة بلا فصل حتی یتم القریب۔

واما ثالثا فلان قوله کما فی قوله تعالی 'وذکر اسم ربه فصلی' الأیه انتقال الیٰ آیة اخری لاثبات المدعی وھو دلیل واضح علی انه عجز عن اثبات المدعی بالآیة الاولی۔

ترجمہ: مولانا کشمیری کے مذکورہ بالا استدلال میں متعدد طریقوں سے کلام کرنے کی گنجائش ہے۔

(۱) مولانا کشمیری کے استدلال کی تقریر اس وقت تک مکمل نہیں ہوسکتی جب تک کہ قضیہ اجتماع کو اس کے ساتھ نہ ملایا جائے، تو بیشک عدم ضم کی تقدیر پر ما مور بہ مطلق تعظیم ہے چاہے وہ اعتقاد سے ہو یا قول سے دوسری تقدیر پر نماز سے پہلے ہو فصل کے ساتھ یا بلا فصل، یا نماز سے فراغ کے بعد یہاں پر تعظیم کی تخصیص قول کے ساتھ بلا فصل نہیں ہوسکتی، اور وہ تکبیر افتتاح ہے اور جبکہ مامور بہ عام ہے او عام خاص کو بعینہ مستلزم نہیں ہوتا تو اس سے یہ لازم نہیں آئیگا کہ تعظیم مخصوص مامور بہ ہے کہ اس سے مدعا ثابت ہو لہذا مولانا کشمیری کی دلیل دعوی کے مطابق نہ رہی۔

(۲) مولانا کشمیری کا قول: "سیما اذا وردفی سیاق الصلوة" اگر اس کے اندر فاعل ضمیر مطلق تعظیم کی جانب لوٹ رہی ہے جو کہ مامور بہ ہے اللہ تعالیٰ کے فرمان: "ور بك فکبر" میں، تو باوجود اس کے کہ وہ سیاق صلوة میں وارد نہیں ہے اس لئے کہ صلوة (نماز) کا تذکرہ نہ اس کے بعد ہے اور نہ ہی اس سے پہلے، اور اگر اس کو اس میں تسلیم بھی کرلیا جائے تو بھی وہ اس کا افادہ نہ کرسکے گا کہ مامور بہ بلا فصل نماز سے پہلے ہو، چہ جائے کہ تعظیم قولی بلا فصل نماز سے پہلے ہو۔ خلاصہ یہ کہ اس تقریر سے بھی مولانا کشمیری کی دلیل دعوی کے مطابق نہ رہی

(۳) مولانا کشمیری کا قول "کما قوله تعالیٰ وذکر اسم ربه فصلی الأیه" میں دوسری آیت کی جانب انتقال ہے اپنے مدعا کو ثابت کرنے کے لئے اور یہ اس بات کی واضح دلیل ہے کہ مولانا کشمیری پہلی آیت سے اپنے مدعا کو ثابت کرنے میں عاجز وقاصر رہے۔

حدیث

علم حدیث اس کو کہتے ہیں جن کے ذریعہ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے اقوال وافعال واحوال حسنہ پر واقفیت حاصل ہو، چونکہ علم حدیث کی معرفت علم اصول حدیث کی معرفت کے بغیر نہیں ہوسکتی، اس لئے کہ ایک محدث نقد وجرح کی صلاحیت اپنے اندر اس وقت تک پیدا نہیں کرسکتا جب تک کہ اصول حدیث پر مکمل عبور نہ رکھتا ہو اور اصول حدیث میں سند ومتن اور راوی کے احوال کی معرفت ہوتی ہے، اور یہ بات اہل علم پر مخفی نہیں ہے

کہ قرآن مقدس کے بعد اہل اسلام کے لئے سب سے عظیم سرمایہ سرکار دو جہاں صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی حدیثیں ہیں، بلکہ قرآن مقدس کی معرفت بھی اس وقت تک نہیں ہو سکتی جب تک کہ حدیث نبوی کا سہارا نہ لیا جائے، گو یا قرآن ایک لیمپ ہے اور اسکی چمنی حدیث نبوی ہے، قرآن کی تفسیر سرکار دو جہاں صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی احادیث کریمہ ہیں۔ علمائے دیو بند جس طرح دیگر علوم وفنون میں وافر مقدار میں شروح وحواشی اور مستقل تصنیفات کے باوجود یتیم العلم والفن نظر آتے ہیں اسی طرح حدیثوں کی بے شمار شرحوں کی تالیف کے باوجو د معرفت حدیث سے مکمل طور پر قاصر ہیں، سچ کہا ہے کہنے والے نے:

بے عشق رسالت جو پڑھاتے ہیں بخاری آتا ہے بخار ان کو بخاری نہیں آتی

اپنے دعویٰ کے ثبوت میں دیو بندی جماعت کے شیخ الہند زمانہ دراز تک دار العلوم دیو بند میں شیخ الحدیث کے عظیم منصب پر فائز رہے، ان کی تصنیف بنام ''الابواب والتراجم'' سے ایک مثال پیش کر کے اس پر علامہ میرٹھی کی تنقیدات کو پیش کرنے پر اکتفا کروں گا۔

بخاری شریف میں ایک باب ہے 'باب کیف کان بدء الوحی الی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم'۔ اس باب کے تحت امام بخاری نے جن حدیثوں کو پیش کیا ہے ان میں سے بعض حدیثیں بظاہر باب سے مطابقت نہیں رکھتیں، لہٰذا بخاری شریف کے جملہ شارحین نے باب اور حدیثوں کے درمیان مطابقت کے طریقہ کار کو اپنے طور پر بیان فرمایا ہے، مولانا محمود الحسن صاحب نے گذشتہ شارحین کے طریقہ کار کو اپناتے ہوئے مندرجہ ذیل تحریروں کو رقم فرمایا:

(۱) مولف رحمۃ اللہ علیہ بسا اوقات جملہ مذکورہ فی الحدیث کو یا کسی قول اور عبارت کو ترجمہ بناتا ہے مگر اس کا مدلول صریح مطابقی مقصود نہیں ہوتا، اس لئے جو مدلول التزامی اور ثابت بالاشارہ مولف کو مقصود ہوتا ہے، اس لئے جو دلیل بیان کرے گا اس غرض مخفی کے مطابق ہوگی، ظاہر ترجمہ کے مطابق ہونا کچھ ضروری نہیں، جو ظاہر ترجمہ کو مقصود سمجھے گا اس کو بہت وقت اور تکلیف کے بعد بھی قابل قبول تطبیق دینا میسر نہ ہوگا، دیکھ لیجئے مولف نے شروع ہی میں 'باب کیف کان بدء الوحی الی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم' فرمایا اور اس کے بعد چھ حدیثیں ذکر فرمائیں، بعض میں تو ذکر وحی نہیں اور بدء الوحی سے تو اکثر خالی ہیں صرف ایک حدیث حرا میں ابتداء وحی کا ذکر ہے، اس لئے بعض حضرات نے تو صاف فرما دیا ''ان کثیرا من احادیث الباب لا یتعلق الا بالوحی لا ببدء الوحی فکیف جعل الترجمۃ باب بدء الوحی۔ اور اکثر حضرات نے تاویلات مختلفہ فرما کر مطابقت میں عرق ریزی کی جو شروح میں بالتفصیل موجود ہیں، مگر انصاف یہ ہے کہ کوئی محقق امر قابل تسکین مولف رحمۃ اللہ کی شان کے موافق نہیں آتا جس کی وجہ سے تمام احادیث کے بے تردد ترجمہ کے مطابق ہونا دلنشیں ہو جائے شروع ہی ایسا ہے تو آئندہ کیا ہوگا:

قیاس کن زگلستان من بہار مرا

مگر احادیث مذکورہ فی الباب میں غور کرنے سے اور حضرت شاہ صاحب کے بعض ارشادات سے یہ معلوم ہوا کہ مؤلف کی غرض اصلی بدء وحی کا بیان کرنا نہیں بلکہ وحی کی عظمت اور اس کا خطا وغلط وسہو سے منزہ ہونا اور واجب الاتباع اور ضروری التسلیم ہونا بتلانا منظور ہے جو ابتدائے کتاب میں مفید اور مناسب ہے اور وحی متلو اور غیر متلو دونوں کو شامل ہے اور مبدأ بھی عام ہے۔

زمانہ ہو یا مکان، اخلاق ہوں یا حالات، غرض وحی کے جملہ مبادی مراد ہیں، اب اس کے بعد جملہ احادیث اور ترجمہ میں مطابقت بلا تکلف نظر آتی ہے، جب اس کا موقع آئے گا انشاء اللہ تعالیٰ بالتفصیل عرض کردیں گے۔ بالجملہ غرض مؤلف کا سمجھنا اہم اور ضروری ہے، بہت مواقع میں مفید اور کار آمد ہے۔ انتھیٰ بلفظہ

اب لگے ہاتھوں مذکورہ بالا ارشادات شیخ الہند پر صدر العلماء کی تنقیدات کو ملاحظہ فرمایئے انشاء اللہ تعالیٰ شیخ الہند کا جو بھرم تھا وہ ٹوٹ جائیگا، فرماتے ہیں:

اقول: نالہ بلبل شیدا تو سنا ہنس ہنس کر — اب جگر تھام کے بیٹھو میری باری آئی

فقیر کاتب الحروف ارباب علم کی خدمات میں عرض کرتا ہے کہ مشہور نصیحت: "انظر الی ما قال ولا تنظر الی من قال" کے ماتحت حضرت شیخ الہند کی خانہ ساز شخصیت کو نظر انداز کر کے ان کے مذکورہ بالا کلام پر غیر جانبدارانہ نظر ڈالیں، پھر اس کے وجوہ فساد کو بنظر انصاف دیکھیں جن کو فقیر پیش کرتا ہے تا کہ حضرت شیخ الہند کو فہم بخاری کی کما حقہ داد دے سکیں، اب میں عرض کرتا ہوں کہ حضرت شیخ الہند کا کلام بچند وجوہ فاسد ہے۔

اولاً: اس لئے کہ من چہ می گویم وطنبور من چہ می سراید۔ امام بخاری علیہ رحمۃ الباری نے بظاہر ترجمۃ الباب کیف کان بدء الوحی الخ'' کو قرار دیا ہے، اور آپ فرما رہے ہیں کہ بدء الوحی ہے، چنانچہ خط کشیدہ عبارت نمبر ۲، ۳، اس پر دلالت کرتی ہیں کہ حضرت نے (بدء الوحی) کو ترجمۃ الباب سمجھ رکھا ہے، افسوس صد افسوس کہ حضرت شیخ الہند نے بخاری پڑھی اور برسوں دار العلوم دیوبند کے دار الحدیث میں اس کا درس دیا پھر بھی یہ محسوس نہیں ہوا کہ ترجمۃ الباب کیا ہے حالانکہ بخاری مطبوعہ ہند میں (کیف کان) خفی قلم سے مکتوب نہیں حتی کہ ضعف بصر کا عذر پیش کیا جا سکے بلکہ بقلم جلی تحریر ہے، اور اگر شیخ الہند کے خیال میں یہ تھا کہ (کیف کان بدء الوحی) اور (بدء الوحی) کا مفہوم متحد ہے اور اس اتحاد کی بناء پر سمجھ گئے (بدء الوحی) ترجمۃ الباب ہے تو اس اتحاد مفہوم کا بطلان اظہر من الشمس اور ابین من الامس ہے، کیونکہ اول مرکب تام انشائی ہے اور دوم مرکب ناقص تقییدی ہے، کیا مرکب تام اور مرکب ناقص کا مفہوم متحد ہوا کرتا ہے؟ یہ بدیہی البطلان بات ہے جس پر کافیہ پڑھنے والا طالب علم بھولے سے بھی جسارت نہ کر سکے۔

ثانیاً: اس لئے کہ اصول مذکور کا حاصل یہ ہے کہ بسا اوقات ترجمۃ الباب دعویٰ اور ذیلی حدیث دلیل

ہوا کرتی ہے، چنانچہ اس پر خط کشیدہ عبارت نمبر ا۔ دلالت کرتی ہے۔ نظر براں اصول مذکور کے ماتحت اس ترجمۃ الباب کو پیش کرنا غلط ہے وہ اس میں جاری نہیں ہوسکتا، کیونکہ اصول مذکور اس ترجمہ میں جاری ہوگا جو بصورت دعویٰ ہوتا کہ ذیلی احادیث حسب ارشاد گرامی ترجمہ کے لئے دلیل بن سکیں اور یہ ترجمۃ الباب بصورت دعویٰ نہیں اس لئے کہ دعویٰ جملہ خبریہ ہوتا ہے اور یہ جملہ انشائیہ ہے۔

علم نحو، علم لغت، علم معانی، اصول فقہ، علم حدیث میں علماء دیوبند کے نامور مصنفین کی تصنیفات پر حضور صدر العلما علامہ سید غلام جیلانی میرٹھی کی تنقیدات کو ملاحظہ فرمانے کے بعد بھی کیا اس کی گنجائش رہ جاتی ہے کہ انہیں عالم وفاضل تسلیم کر کے وارث انبیاء کے زمرہ میں داخل کیا جائے، اگر بنظر انصاف دیکھا جائے تو یہ حقیقت کھل کر سامنے آجائیگی۔ دیوبندی علماء جس طرح عوام کو ضلالت وگمراہی میں مبتلا کرنے کے لئے عقائد باطلہ کی ترویج واشاعت میں روز وشب مصروف ہیں اسی طرح طلبہ وکم صلاحیت علماء کو علمی وفنی میدان میں ضلالت وگمراہی میں مبتلا کرنے کیلئے کتابوں کی شروح وحواشی اور مستقل تصنیفات کا سہارا لیتے ہیں۔ رب کائنات مسلمانان عالم کو ان کے شر وفتنہ سے محفوظ ومامون فرمائے۔ آمین ثم آمین۔

عبدالحکیم نوری مصباحی

حضرت صدر العلماء

اپنے زمانے کے ایک بے مثال محقق

حضرت علامہ مولانا مفتی محمد عباس صاحب رضوی (کیو،ٹی۔وی)

ریسرچ آفیسر دائرۃ الاقاف والشئون الاسلامیہ (دبئ)

کتنا ہی وقت بیت گیا کہ حضرت علامہ ومولانا محمد ایوب صاحب اشرفی شمسی نے مجھے حکم فرمایا کہ صدر العلماء حضرت علامہ سید غلام جیلانی میرٹھی علیہ الرحمہ کی سوانح حیات ترتیب دی جارہی ہے جس میں مختلف علمائے کرام اور محققین کے مضامین شامل کئے جارہے ہیں۔آپ بھی اس سلسلہ میں کچھ تحریر فرمادیں لیکن میں مصروفیات کا بہانہ بنا کر معذرت کرتا رہا۔حقیقت یہ ہے میں جب بھی حضرت محدث کبیر صدر العلما سید غلام جیلانی میرٹھی علیہ الرحمہ کے بارے میں کچھ لکھنے کو سوچتا تو مجھ کو میری کم علمی آڑے آنے لگتی کہ کہاں میں اور کہاں ان کا علم وفضل۔بھلا میں ان کے بارے میں لکھ سکوں گا؟ مگر حضرت اشرفی صاحب کی خواہش کی تکمیل بھی میرے لئے ایک امر اہم تھی۔مزید برآں امسال حج کے مبارک موقع پر حضرت مولانا محمد اقبال صاحب قادری (بولٹن) اور حضرت علامہ مولانا محمد حنیف خاں صاحب مرتب جامع الاحادیث (بریلی شریف) نے مکہ مکرمہ میں حضرت مولانا اشرفی شمسی صاحب کا پیغام بڑے پرزور انداز میں پہنچایا اور خود بھی دونوں حضرات نے گویا حکماً ارشاد فرمایا کہ کچھ نہ کچھ ضرور لکھ کر دیں۔بہر حال ان سب زعماء کے حکم کی تکمیل کرتے ہوئے یہ چند سطور حاضر ہیں۔یقیناً میں حضرت فخر الاماثل علامہ سید غلام جیلانی میرٹھی علیہ الرحمہ کی علمی وفنی شخصیت پر کوئی نئی چیز پیش نہیں کرسکوں گا جس کے لئے معذرت خواہ ہوں۔

استاذ الاساتذہ، فخر الاماثل، امام النحو، صدر العلماء حضرت علامہ مولانا سید غلام جیلانی میرٹھی علیہ الرحمہ ۱۱ رمضان المبارک 1900ء کو ریاست دادوں میں ضلع علی گڑھ میں پیدا ہوئے۔آپ کے والد ماجد مولانا سید غلام فخر الدین بن علامہ سید سخاوت حسین رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہما ہیں۔

آپ نے جب سنِ شعور میں قدم رکھا تو اسلامی اور خاندانی روایات کے مطابق تسمیہ خوانی کی رسم ادا کی

گئی۔ آپ بچپن ہی سے ماشاء اللہ بڑے ذہین وہونہار واقع ہوئے تھے۔ لہذا قرآن کریم ناظرہ آپ نے جلد ہی ختم کرلیا۔ پھر اسکول میں داخلہ ہوا۔ ابھی چوتھی کلاس تک ہی پڑھا تھا کہ آپ کے چچا محترم اپنے زمانہ کے عظیم مبلغ اسلام حضرت مولانا سید غلام قطب الدین برہمچاری علیہ الرحمہ نے آپ کا داخلہ مدرسہ انجمن اہل سنت مرادآباد میں کروایا جو آج کل علمی دنیا میں جامعہ نعیمیہ کے نام سے مشہور ہے آپ کو شروع ہی سے قدرۃً علم نحو کی طرف زیادہ رغبت تھی۔ جامعہ نعیمیہ میں رہکر آپ کو دیگر قابل فخر اساتذہ کے علاوہ حضور صدر الافاضل علامہ سید نعیم الدین مرادآبادی سے بھی تلمذ حاصل ہوا۔ اور تلاش وجستجو کا مادہ آپ کی خدمت اقدس میں رہکر پیدا ہوا۔ چند سال وہیں پر گزار کر آپ ۱۹۲۳ء میں مرادآباد سے اجمیر شریف تشریف لے گئے اور وہاں بھی انتہائی قابل و ماہر اور لائق فخر اساتذۂ کرام سے فیض حاصل کیا جس میں حضور صدر الشریعہ علامہ امجد علی صاحب اعظمی مصنف بہار شریعت بھی موجود تھے۔

اور پھر آپ ۱۳۵۱ھ میں اجمیر معلی سے حضور صدر الشریعہ کی معیت میں بریلی شریف تشریف لے آئے اور ۱۳۵۲ھ میں دار العلوم منظر اسلام بریلی شریف کے سالانہ جلسہ میں مجدد دین وملت الشاہ احمد رضا خاں صاحب فاضل بریلوی کے بڑے صاحبزادے حضرت حجۃ الاسلام علامہ شاہ حامد رضا خاں صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے آپ کو اپنے مبارک ہاتھوں سے سند فراغت اور دستار فضیلت سے نوازا۔ (الحمد للہ)

حضرت کے تلامذہ:

صدر العلماء کے تلامذہ تو الحمد للہ حد وشمار سے باہر ہیں لیکن چند ایسی شخصیات کا ذکر کرنا ضروری سمجھتا ہوں کہ جو خود بھی اپنے اپنے وقت کے عظیم مقتدا اور پیشوائے قوم وملت ہوئے۔ مثلاً

(۱) حضرت حافظ ملت علامہ ومولانا عبد العزیز صاحب محدث مبارکپوری۔

علمی دنیا کا کون ایسا فرد ہے جو حضرت حافظ ملت کو نہ جانتا ہو۔ حضرت حافظ ملت علیہ الرحمہ کا حضور صدر العلماء میرٹھی علیہ الرحمہ کے ساتھیوں میں بھی شمار ہوتا ہے۔ جیسا کہ خود حضرت نے اپنی کتاب " بشیر القاری " میں ذکر فرمایا اور ان کے جلیل القدر تلامذہ میں سب سے پہلے۔ کیونکہ کافیہ وغیرہ دو ایک کتاب کا درس اجمیر شریف میں آپ نے حضرت صدر العلماء سے لیا۔ جیسا کہ میں نے بعض علماء سے سنا اور غالباً کسی رسالہ میں پڑھا بھی۔

اور اس طرح کے واقعات کچھ عجیب نہیں بلکہ ہمارے اسلاف کے اخلاص اور تحصیل علوم میں ان کے وفور ذوق کی کامل نشاندہی کرتے ہیں۔ خیر! حضرت حافظ ملت علیہ الرحمہ کی شخصیت کوئی محتاج تعارف نہیں ان کا علم وفضل ایک زمانہ کو تسلیم ہے اور ان کی ذات سے بھی خدا نے بڑا کام لیا۔

(۲) قائد اہل سنت، مبلغ اسلام حضرت حافظ علامہ شاہ احمد نورانی صدیقی علیہ الرحمہ۔ زمانہ تحصیل علم

میں ایک ایسا وقت بھی گزرا کہ حضرت صدر العلماء میرٹھی علیہ الرحمہ کے تعلق سے میری معلومات صرف اس حد تک تھی، کہ پہلے عظیم مبلغ اسلام حضرت شاہ احمد نورانی کے استاذ گرامی ہیں اسی دوران حضرت کی دوایک تصانیف دیکھنے کا شرف حاصل ہوا مگر کیونکہ طالب علمی کے زمانہ میں عموماً گہرائی سے مطالعہ کرنے کا موقع نہیں ملتا اسی لئے اس وقت کتابیں دیکھ کر تو میں آپ کی عظمت شان کا صحیح اندازہ نہ لگا سکا ہاں مگر جب کبھی بھی میں حضرت شاہ احمد نورانی صاحب کو دیکھتا یا ان کے بارے میں سوچتا تو معاً یہ بات بھی ذہن میں آتی کہ جب یہ ایسی عظمتوں اور خوبیوں کے مالک ہیں تو ان کے مربیاں اور اساتذہ کیسی کیسی خوبیوں کے مالک ہوں گے۔ اور جب خدا نے اپنے فضل سے کچھ سوجھ بوجھ عطا فرمائی اور حضرت صدر العلماء کی تصانیف انیقہ اور بالخصوص بے شمار خوبیوں کی حامل آپ کی تصانیف بشیر القاری بشرح صحیح البخاری، کا مطالعہ کیا تو پتہ چلا کہ حضور صدر العلماء ہماری سوچ ہمارے وہم وگمان سے بھی بالاتر ہیں۔ کاش یہ شرح مکمل ہو جاتی تو یقیناً دنیائے اسلام کی مشہور ترین شروحات میں سے ایک ہوتی۔

(۳) حضرت علامہ ومولانا عارف اللہ شاہ صاحب قادری میرٹھی علیہ الرحمہ

(۴) فقیہ اعظم ہند حضرت مفتی محمد شریف الحق صاحب امجدی صاحب نزہۃ القاری شرح صحیح البخاری وغیرہم۔

کیسا وہ شاندار دور تھا کہ جب مدارس اسلامیہ میں سالانہ امتحان کا سلسلہ بڑے اہتمام سے ہوا کرتا تھا قابل ترین اور مستند علمائے کرام ممتحن مقرر کئے جاتے۔ آج کل تو کتنی جگہوں پر بلا امتحان ہی طلبا کو اگلے کلاس میں بیٹھا دیا جاتا ہے اور اگر ہوتا بھی ہے تو بس ایسے کہ جیسے خانہ پری ہو رہی ہے (خدا رحم فرمائے ہمارے حال پر) کاش مدارس میں وہی طریقہ رائج ہو جائے جو ہمارے اسلاف کا تھا وہ امتحان کس طرح سے لیتے اور اس وقت کے طلباء کس طرح امتحان دیا کرتے ملاحظہ فرمائیں۔ حضرت مولانا محمد اسلم مصباحی گورکھپوری کے حوالہ سے۔ وہ فرماتے ہیں:

"مسلم الثبوت کو حضرت حافظ ملت نے پڑھایا ساتھیوں میں حضرت مولانا نصیر الدین صاحب پلاموی حضرت مولانا عبد الرحمٰن صاحب پورنوی حضرت مولانا عبد الستار صاحب پورنوی تھے۔ سالانہ امتحان کے لئے غالباً پہلی بار حضرت علامہ سید غلام جیلانی میرٹھی علیہ الرحمۃ والرضوان تشریف لائے تھے۔ کتاب مذکور کا امتحان حضرت موصوف کے یہاں شروع ہوا صبح سے گیارہ بجے کے بعد تک صرف لفظ "امابعد فھذا" پر امتحان چلتا رہا۔ حضرت حافظ ملت علیہ الرحمہ قیام گاہ جاتے وقت امتحان گاہ میں تشریف لائے۔

جلیل القدر عالم اور مہمان کی تعظیم میں درسگاہ کے باہر طلبہ کے بیٹھنے کی جگہ تشریف فرما ہو کر فرمایا: حضرت اب پڑھنے والے طلباء نہیں رہ گئے، یہ سنکر (حضرت) میرٹھی صاحب علیہ الرحمہ نے فرمایا آج

پچیس سال کے بعد کتاب سامنے آئی ہے۔ امتحان لیتے ہوئے بڑی مسرت محسوس ہو رہی ہے کہ آپ کے بچوں نے کتاب کو سمجھا ہے۔ امتحان دینے والی ایسی جماعت مجھے پہلی بار ملی ہے۔ حضرت حافظ ملت علیہ الرحمہ نے فرمایا حضور پچیس ہی سال بعد اس کتاب کو پڑھایا ہے۔ (معارف حافظ ملت ص ۱۸)

صدر العلما کی تصانیف! حضرت صدر العلماء کی یوں تو جملہ تصانیف ہی علمی تحقیق و تدقیق سے مرصع و مرقع ہیں لیکن بشیر القاری بشرح صحیح البخاری کی کچھ شان ہی نرالی ہے اس طرح کی شروحات بڑی کم دیکھنے کو ملتی ہیں جو ایسے تفصیلی مگر جامع بیان کو شامل ہوں۔

بشیر القاری ایک شامی محقق کی نظر میں:

ہمارے یہاں دبئی میں دائرۃ الاوقاف والشؤن الاسلامیہ بدبی کے ادارۃ الافتاء والبحوث کی قسم البحوث میں باحث اول کے عہدہ پر ملک شام کے ایک محقق فضیلۃ الشیخ ادیب الکمدانی ہیں جو بہت بڑے محدث اور کافی علمی کتابوں کے مصنف ہیں۔ مگر کیا کیا جائے کہ وہ بھی دیگر اہل عرب کی طرح دیوبندی پروپیگنڈہ کے شکار ہیں۔ مجھے پتہ تھا کہ یہ جناب انور شاہ کشمیری کی کتاب ''فیض الباری'' کے بھی مداح ہیں چنانچہ میں نے ان کو ''بشیر القاری'' دکھائی اور بتایا کہ یہ صرف ۷/احادیث کی شرح ہے تو وہ حیران ہو گئے اور متعجب ہو کر پوچھنے لگے کہ یہ تصنیف ہے کس کی؟ میں نے حضرت صدر العلماء میرٹھی علیہ الرحمہ کا مختصر تعارف کرایا تو وہ عش عش کر اٹھے۔ اور پھر جب میں نے ان کو بشیر القاری کے بعض وہ مقامات جہاں حضرت نے عربی میں مختصر تقریریں فرمائیں ہیں اور بعض وہ مقامات کہ جہاں فیض الباری پر بھاری گرفت فرمائی ہے دکھائے تو وہ عقیدت میں اس کتاب کو چومنے لگے اور بولے'' کاش یہ پوری کتاب عربی میں ہوتی'' لیکن پھر بھی اگر آپ اس کی عربی عبارتوں کی فوٹو کاپی کرا کر دیدیں تو بڑا احسان ہوگا میں اس کتاب سے استفادہ کرنا چاہتا ہوں۔ میں نے ان سے وعدہ کیا کہ میں اس کتاب کے عربی حصہ کو ''تلخیص بشیر القاری علی تسامحات فیض الباری'' کے نام سے علیحدہ شائع کرنے کے بارے میں سوچ رہا ہوں تو وہ بہت خوش ہوئے۔ اسی اثناء میں انہوں نے اپنا کالکولیٹر (calculater) نکالا اور پھر حساب لگا کر بتایا کہ بڑے سائز کے ۲۴۸/صفحات پر پھیلی ہوئی یہ صرف ۷/احادیث کی شرح ہے اسی طرح حضرت مصنف پوری بخاری کی شرح کرتے تو تقریباً ساڑھے بارہ سو جلدوں پر مشتمل ہوتی اور پھر کہنے لگے کہ میں واقعۃً علمائے احناف کی حدیث دانی کا معترف ہو گیا ہوں۔ خیال رہے کہ خود قائل شافعی المذہب ہیں۔

میں نے جب اس کا تذکرہ حضرت علامہ مولانا محمد ایوب صاحب اشرفی سے کیا تو حضرت نے مجھ سے فرمایا کہ بشیر القاری پر وہ خود بھی اس طرح کا کام کرنے کا ارادہ رکھتے ہیں۔ مجھے سن کر بہت خوشی ہوئی اللہ تعالیٰ قبلہ علامہ صاحب کو ایسے علمی کارناموں کی مزید توفیق عطا فرمائے۔ آمین بجاہ سید المرسلین۔ بہر حال کام ہونا چاہئے کہ بڑی اہمیت کا حامل ہے۔

اب کچھ صحیح بخاری کے بارے میں بھی:

صحیح البخاری کا مقام ومرتبہ جوامت محمدیہ میں قائم تھا اور ہے وہ کسی طالب علم پر بھی پوشیدہ نہیں۔ بے شک کتب احادیث میں کسی کتاب کی بھی شروحات اتنی نہیں لکھی گئیں جتنی بخاری شریف کی۔ بلا مبالغہ سیکڑوں کی تعداد میں اب تک عربی فارسی اردو انگلش ودیگر زبانوں میں ہر دور کے علمائے کرام نے اپنی سعادت سمجھتے ہوئے اس میں حصہ لیا اور بخاری شریف پر اپنے اپنے انداز میں کچھ نہ کچھ کام کر کے قوم کو معارف حدیثیہ سے روشناس کرایا صحیح بخاری کی بے شمار شروحات میں سے حضرت علامہ بدرالدین عینی کی ''عمدۃ القاری حضرت علامہ حافظ بن حجر عسقلانی کی ''فتح الباری'' حضرت علامہ ابوبکر قسطلانی کی ''ارشاد الساری'' اور حضرت علامہ کرمانی کی ''شرح کرمانی علی البخاری'' نے خاص شہرت ومقبولیت حاصل کی ہے۔

متاخرین میں سے انور شاہ کشمیری صاحب کے کچھ افاضات اکھٹے کر کے ان کے شاگرد مولانا بدر عالم میرٹھی نے فیض الباری کے نام سے شائع کئے چونکہ علمائے دیوبند کے نزدیک ان سے بڑا کوئی شیخ الحدیث ان کے زمانے میں یا بعد میں ہوا ہی نہیں اسی لئے انہوں نے اس شرح کے تعلق سے اتنا بڑا پروپیگنڈہ کیا کہ اس جیسی شرح آج تک بخاری کی معرض وجود میں آئی ہی نہیں۔

میں حضرت صدر العلماء علامہ سید غلام جیلانی میرٹھی کا ایک عظیم کارنامہ یہ بھی خیال کرتا ہوں کہ انہوں نے اپنی کتاب ''بشیر القاری'' میں بعض جگہوں پر جو المانہ، فاضلانہ اور محققانہ گرفت فرمائی ہے آج تک اس کا جواب پوری دنیائے دیوبندیت کے پاس کوئی نہیں۔

ضرورت اس بات کی ہے کہ ان تنقیدات کو علیحدہ عربی میں شائع کیا جائے تا کہ عرب دنیا کو بھی لوگوں کے پروپیگنڈہ کی حقیقت معلوم ہو جائے۔ مگر افسوس کہ یہ بشیر القاری پایۂ تکمیل کو نہ پہنچی تھی کہ آپ کا وصال ہو گیا کاش کوئی صاحب ان کے شاگردوں میں سے یہ بیڑا اٹھائیں اور طلبائے امت کے اوپر یہ بھی احسان فرمائیں۔ فجزاکم اللہ خیر الجزاء۔

یہ بھی ایک حقیقت ہے کہ حضرت امام بخاری اور ان کی تالیف الجامع الصحیح کے بارے میں ہمیشہ سے ہی کئی گروہ رہے۔ کچھ لوگ امام بخاری کو معصوم عن الخطاء کے مرتبہ پر فائز کرنا چاہتے ہیں کہ جو کچھ بخاری شریف میں آ گیا ہے وہ بلا شک یقین کا افادہ دیتا ہے اور اس پر عمل ضروری ہو جاتا ہے۔ نیز اس کو غیر بخاری کی روایات پر بغیر سند دیکھے ہی ترجیح دیدی جائے گی۔ وغیرہ وغیرہ۔

جبکہ کچھ حضرات امام بخاری اور ان کی صحیح کے بارے میں اتنے بدظن ہیں کہ وہ خواہ مخواہ اس کی ہر روایت کو اپنے طعن وتشنیع کا ہدف بناتے ہیں اور اس کو نہ ماننا ہی اپنا ایمان سمجھتے ہیں جیسا کہ آج کل منکرین حدیث اور شیعہ حضرات۔

ہر عقل مند جانتا ہے کہ افراط وتفریط دونوں غلط ہیں۔ اپنی نفرتوں کا اظہار کسی سے اس طرح ہو کہ اس کی بالکل سچی وصادق بات کو بھی کذب ومردود قرار دیا جائے اور اپنی محبتوں کا اظہار کسی سے اس طرح ہو کہ اس کو غیر نبی ہوتے ہوئے بھی معصوم عن الخطاء کا عظیم مرتبہ دیدیا جائے۔ یہ اہل حق کا شیوہ نہیں۔ بلکہ افراط وتفریط سے دوری اعتدال وحق پسندی اور ہر گام پر درمیانی راہ کو پیش نظر رکھنا ہی ہمیشہ اہل حق کا وطیرہ رہا ہے چنانچہ میں عرض کردوں کہ ہم لوگ نہ بخاری شریف کو قرآن کی طرح منزل من اللہ خیال کرتے ہیں اور نہ ہی بے دلیل راسخ مطلقا بے سوچے سمجھے اس کی مرویات سے اختلاف رکھتے ہیں ہاں مگر بعض مشکلات ضرور ہیں جو میں ابھی بیان کرتا۔ لیکن یہ حق ہے کہ امام بخاری نے پوری امت محمدیہ پر ایک احسانِ عظیم فرمایا ہے کہ جس کو ہم تا قیامِ قیامت بھی چکا نہیں سکتے خدائے تعالیٰ ان کو ہزار برکتیں رحمتیں عطا فرمائے اور ان کے صدقہ میں ہم کو بھی (آمین)

(۱) حضرت امام بخاری نے کتاب الجہاد "باب من ینکب في سبیل اللّٰہ" میں روایت کی: "حدثنا حفص بن عمر الحوضی، ثنا ھمام، عن اسحاق، عن انس رضی اللّٰہ تعالیٰ عنہ قال بعث النبي ﷺ اقواماً من بني سلیم الیٰ بني عامر في سبعین فلما قدموا قال لھم خالي اتقدکم الخ"

یہ قصہ بیرٔ معونہ کا ہے کہ جہاں ستر ۷۰ رقرأ صحابہ کو بھیجا گیا اور کفار نے ان کو شہید کر دیا تھا یہاں بعض روایت سے وہم واقع ہوا اور امام بخاری اس پر واقف نہ ہو سکے وہ صحابہ بنی سلیم میں سے نہ تھے بلکہ وہ سب کے سب انصار تھے جیسا کہ بخاری شریف ہی میں کتاب المغازی کی روایت ہے جس میں 'انصار' کا بھی لفظ ہے۔

(۲) بخاری شریف کتاب الفتن " باب العبد ذا احسن عبادۃ ربہ " میں روایت ہے: "عن سعید بن المسیب عن ابی ھریرۃ قال قال رسول اللّٰہ ﷺ للعبد الملوك الصالح اجران والذي نفسي بیدہ لولا الجھاد في سبیل اللّٰہ والحج وبرامی لا حببت ان اموت وانا مملوك " اس حدیث شریف میں آخری کلام "والذي نفسي بیدہ" سے آخر تک نبی کریم ﷺ کا کلام نہیں اور نہ ہو سکتا ہے کہ آپ ﷺ مملوک ہونے کی تمنا کریں، یہ کلام حضرت ابوہریرہ کا ہے جیسا کہ صحیح مسلم کے الفاظ اس طرح ہیں: "والذي نفس ابی ھریرۃ بیدہ" لیکن امام بخاری نے اس کو واضح نہیں فرمایا کہ یہ کلام مدرج فی الحدیث ہے جس سے کم از کم ہم جیسے طلبا کو مشکل پیدا ہو جاتی ہے۔

(۳) حضرت امام بخاری نے کتاب الحدود والمحاربین میں روایت فرمایا:" حدثنا محمود حدثنا عبد الرزاق . انا معمر . من الزھری عن ابی سلمۃ عن جابر رضی اللّٰہ تعالیٰ عنہ ان رجلا من اسلم جاء الی النبی ﷺ فاعترف بالزنا" اور آخر حدیث میں ہے:" فرجم حتی مات فقال النبی ﷺ خیراً وصلیٰ علیہ"

یہاں امام بخاری کے شیخ محمود بن غیلان ہیں اور یہ آخری الفاظ " وصلیٰ علیہ" میں منفرد ہیں یہی

روایت اما ابوداؤد نے محمد بن متوکل اور الحسن بن علی سے امام ترمذی نے الحسن بن علی سے اور امام نسائی نے محمد بن رافع کا ما محمد بن یحیٰ اور نوح بن حبیب سے روایت کی اور ان تمام نے عبدالرزاق سے۔ان سب نے کہا:" ولم یصل علیه رسول الله ﷺ " اور امام بیہقی نے محمود بن غیلان کے الفاظ کو ان کی خطا قرار دیا ہے (السنن الکبریٰ ج۸رص ر۲۱۸) حضرت امام بخاری کا اس کو ان الفاظ کے ساتھ بیان کرنا عجیب ہے اور یہ کہ آپ پر یہ علت مخفی رہی۔ کیونکہ اس حدیث میں حضرت ماعز بن مالک کا قصہ بیان ہوا ہے جبکہ یہی امام مسلم نے اپنی صحیح میں حضرت سلیمان بن بریر عن ابیہ کی سند سے، اور امام ابوداؤد نے اپنی سنن میں حضرت ابوسعید خدری سے بیان فرمایا ہے اس میں بھی حضرت ماعز پر نبی کریم ﷺ کے نماز جنازہ پڑھنے کا ذکر نہیں ہے۔لہذا روایت شاذ ہے۔

(۴) امام بخاری نے کتاب التفسیر میں روایت فرمایا:

بطریق سفیان بن عینیہ، عن الزہری عن ابی ادریس الخولانی، عن عبادۃ بن الصامت رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت کی:" کنا عند النبی ﷺ فقال اَتُبَايِعُونِی عَلٰی اَنْ لَا تُشْرِكَ بِاللّٰهِ شیئا ولا تزنوا ولا تسرفوا وقرأ آیة النساء' فمن وفی منکم فاجره علی الله '

اس میں اشکال یہ ہے کہ یہ بیعت عقبۂ اولیٰ کا واقعہ ہے جس میں بارہ ۱۲ر انصار صحابہ نے بیعت کی تھی جیسا کہ بخاری و مسلم کی دوسری روایت میں ثابت ہے اور یہ مکہ معظمہ میں ہوئی ہجرت سے پہلے۔جبکہ جس آیت کی طرف مذکورہ بالا حدیث میں اشارہ ہے وہ سورۂ "الممتحنه" کی آیت ہے جو کہ بالاتفاق مدنی ہے اور یہ صلح حدیبیہ کے بعد ۶ھ میں نازل ہوئی۔

(۵) امام بخاری نے "کتاب اللباس باب التقنع" میں تحریر فرمایا:

" حدثنا ابراهيم بن موسىٰ اخبرنا هشام عن معمر عن الزهری عن عروة عن عائشه رضی الله تعالیٰ عنها قالت هاجر نأسٌ من المسلمين الیٰ الحبشة وتجهز ابو بكر رضی الله تعالیٰ عنه مهاجراً فقال النبی ﷺ علی رسلك فانی ارجو أن يؤذن لی فقال ابو بكر او ترجوه ؟ بابی وأنت قال نعم جس ابو بكر نفسه علی النبی ليصحبه وعلف راحلتين كانتا عنده ورق السمر اربعة اشهر "

اس روایت میں الفاظ "الحبشة" بعض رواۃ کا وہم ہے یہاں صحیح لفظ الی المدینۃ ہونا چاہئے تھا جیسا کہ صحیح بخاری کی دیگر روایات میں موجود ہے۔

صحیح بخاری شریف میں بیس ۲۰ ر سے زائد ایسے مقامات ہیں جہاں دورانِ مطالعہ قاری کے لئے مشکلات پیش آتی ہیں بعض مشکل احادیث کے جوابات علامہ عینی اور حافظ ابن حجر عسقلانی نے اپنے انداز سے دئے ہیں اور بعض مقامات پر صرف نظر فرمائی ہے جبکہ بعض مقامات پر جب جواب نہیں بن پایا ہے تو اس کا اظہار

بھی کر دیا ہے۔

بہر حال ان نفوس قدسیہ نے تحقیق و تفتیش کا حق ادا کر دیا ہے اور امت مسلمہ کی خاطر بڑی محنت کر کے انتہائی دیانت داری کے ساتھ ہر ہر پہلو کو اجاگر فرمایا ہے خدائے تعالیٰ ان کی قبروں پر اپنے انوار و تجلیات کی بارشیں برسائے۔

کاش حضرت صدر العلماء میرٹھی علیہ الرحمہ اپنی اس عمدہ شرح کو مکمل فرما دیتے تو شاید ہم جیسے طالب علموں کی کچھ مشکلات اور حل ہو جاتیں۔

اللہ تعالیٰ ہم سب کو امام بخاری بلکہ جملہ محدثین تمام تر علمائے ربانیین کے فیوض و برکات سے مالا مال فرمائے۔ آمین بجاہ سید المرسلین۔

محمد عباس رضوی

ریسرچ آفیسر دائرۃ الاوقاف والشؤن الاسلامیہ

قسم البحوث بدبئ۔ متحدہ عرب امارات

صدر العلماء کا علمی مقام

شیخ القرآن حضرت علامہ مولانا عبداللہ خاں صاحب عزیزی

شیخ الحدیث الجامعۃ الاسلامیہ (رونا ہی، فیض آباد، یو۔ پی)

ولادت باسعادت:

آفتاب ہند، فخر المحققین وحید عصر حضرت صدر العلماء سید غلام جیلانی صاحب میرٹھی بن مولوی حاجی غلام فخر الدین بن مولانا حکیم سید سخاوت حسین حافظی فخری سلیمانی رحمہم اللہ تعالیٰ گیارہ رمضان ۱۳۱۷ھ مطابق ۱۹۰۰ء علی گڑھ ریاست دادوں میں پیدا ہوئے۔ چوں کہ آپ کے دادا بزرگوار سلسلہ چشتیہ نظامیہ کے نامور بزرگ اور عالم دین سید حافظ محمد علی خیر آبادی علیہ الرحمہ (مرید وخلیفہ حضرت سلیمان تونسوی علیہ الرحمہ) سے بیعت وارادت رکھتے تھے، اس لئے انھوں نے اپنے کو حافظی وسلیمانی لکھا اور اسی نسبت سے آپ انتہائی نیازمندی کا اظہار فرماتے تھے۔

تعلیم:

پرائمری تعلیم درجہ چہارم تک حاصل کرنے کے بعد آپ کو عم محترم حضرت مولٰنا قطب الدین صاحب برہمچاری نے جامعہ نعیمیہ مراد آباد میں داخل کرایا، اس جامعہ کا نام مدرسہ انجمن اہلسنت تھا۔

یہ برہمچاری صاحب وہی بزرگ ہیں جن کے بارے میں حضرت مولانا مفتی محمد محمود صاحب قادری ''حیات مخدوم الاولیاء'' میں رقم طراز ہیں کہ:

حضرت مولانا ہندو مذہب کے اسرار ورموز سے مکمل واقف اور سنسکرت کے ماہر تھے، شروع ہی سے مشرکوں میں تبلیغ اسلام کا ذوق تھا وہ پاکباز اور مرد خدا بزرگ تھے، اپنی سعی میں بے حد کامیاب ہوئے تھے۔

اپنے برادر زادہ سید غلام جیلانی صاحب کو مدرسہ انجمن اہل سنت مراد آباد میں وہاں کے بالغ نظر اساتذہ کے زیر تعلیم وتربیت رکھ کر اپنی دوربینی کا ثبوت فراہم کیا، کیوں کہ حضرت مولٰنا عبدالعزیز خاں صاحب فتحپوری اور حضرت صدر الافاضل مولانا نعیم الدین صاحب فاضل مراد آبادی اس ادارے کے نامور اساتذہ میں سے تھے، جنہوں نے ابتدائی تعلیم اور عربی انشا پر خصوصی توجہ مبذول فرمائی، پھر ۱۳۴۳ھ مطابق ۱۹۲۳ء میں حضرت مولانا شمس العلماء قاضی شمس الدین جون پوری مولف قانون شریعت وغیرہ کے ہمراہ اجمیر مقدس

دار العلوم معینیہ درگاہ شریف میں حضرت صدر الشریعہ کی خدمت اقدس میں بغرض تعلیم حاضر ہوئے، امتحان داخلہ کے بعد درجہ شرح جامی (درجہ رابعہ) میں داخلہ ہوا، قیام وطعام کے انتظام کے علاوہ ایک روپیہ ماہانہ وظیفہ مقرر ہوا، داخلہ کے ابتدائی ایام میں جب کہ کھانے کا انتظام مدرسہ کی جانب سے نہیں ہوا تھا بہت پریشانی کے ساتھ ہمت شکن حالات میں مصروف تعلیم رہے، اس مدت میں سوکھی روٹی اور نمک مرچ پر گذر بسر کیا، لیکن ذوق تعلیم اتنا بلند تھا کہ حرف شکایت اپنی زبان پر نہیں لائے۔

حضرت مولانا امتیاز علی امیٹھوی سے کہ دار العلوم معینیہ کے مفتی ومدرس تھے شرح جامی مکمل طور سے پڑھی۔ آٹھ سال تک مسلسل سالانہ امتحان میں اعلیٰ نمبروں سے کامیابی حاصل کرتے رہے، منطق کی اعلیٰ کتاب ملاحسن کے تحریری امتحان میں ممتحن صاحب کو بے حد متاثر کیا جن کی ستائش پر دار العلوم نے چار روپیہ ماہانہ انعامی وظیفہ مقرر کیا اور مولانا سید عبد المجید اور مولانا عبد الحی سے بھی اسی دار العلوم میں اخذ علوم کیا۔

آپ کی بیشتر تعلیم حضرت صدر الشریعہ علامہ حکیم امجد علی صاحب سے ہوئی، حضرت قدس سرہ کی ان پر خصوصی نگاہ کرم تھی، درس نظامی کی منتہی کتابیں حضرت صدر الشریعہ سے پڑھیں، ۱۳۵۲ھ میں آپ کی ہم رکابی میں مدرسہ منظر اسلام بریلی شریف آئے، یہاں دورۂ حدیث کے علاوہ شرح چغمینی اور محقق دوانی کی شرح تجرید کے حواشی قدیمہ وجدیدہ اور امام رازی رحمۃ اللہ علیہ اور محقق طوسی کی شرحوں کے ساتھ ''اشارات'' کی تعلیم حاصل کی۔ ۱۳۵۳ھ میں مدرسہ کے سالانہ جلسہ میں حضرت حجۃ الاسلام رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کے مبارک ہاتھوں سے دستار فضیلت سے سرفراز ہوئے، اور انھیں سے سند فضیلت حاصل کی۔

درس وتدریس:

حضرت صدر العلماء رحمۃ اللہ علیہ نے تدریس کی ابتداء مدرسہ محمدیہ جائس سے کی، وہاں ایک سال تک حسن وخوبی کے ساتھ اپنا فریضہ تدریس انجام دیتے رہے، پھر مولانا حبیب الرحمن خاں شیروانی کی دعوت پر دار العلوم عظمت نشان کرنال کے صدر مدرس ہو کر تشریف لے گئے، سوا سال کے بعد کانپور کی مرکزی سنی درسگاہ مدرسہ احسن المدارس قدیم کے صدر مدرس مقرر ہوئے، اور ۱۹۳۵ء میں خان بہادر الحاج بھیا بشیر الدین رئیس اعظم لال کرتی میرٹھ کی دعوت پر ان کے مدرسہ اسلامی اندرکوٹ کے منصب صدارت پر رونق افروز ہوئے، اس مدرسہ اسلامی میں آپ کی تقرری عہدہ صدارت پر ایک خاص وجہ سے ہوئی تھی مدرسہ میں مفتی عزیز الرحمن دیوبند کے مرید وخلیفہ اور مولوی بدر عالم مولف ''فیض الباری'' کے پیر قاری اسحٰق احمد صاحب صدر مدرس تھے، اور وہ مسلک دیوبندیت کے غالی قسم کے پیروکار تھے۔ اور خان بہادر بشیر الدین کے گھرانے کے افراد وارکان حضرت مولانا شاہ حسن صاحب فاضل کانپوری کے مرید اور حضرت مولانا شاہ عبد السمیع صاحب بیدل مصنف ''انوار ساطعہ'' کے عقیدت مند ونیاز کیش شاگرد تھے، اور خان بہادر کو بھی ان دونوں بزرگوں سے انتہائی عقیدت تھی۔

(۱) یہ مولانا حبیب الرحمن خان شیروانی مسلم یونیورسٹی علی گڑھ کے عہدہ وائس چانسلر پر فائز ہوئے اور انھوں نے حضرت مولینا سید سلیمان اشرف کی شہرہ آفاق کتاب ''المبین'' پر شاندار تبصرہ لکھا اور ان کی بارگاہ میں خراج عقیدت پیش کیا ۱۲

(۲) دیباچہ بشیر القاری صفحہ ۱۲۵

ظاہر ہے کہ اس ادارہ کے مہتمم سنی اور مدرسہ بھی سنیوں کا تھا، بدقسمتی سے ایک دیو بندی صدر مدرس گھس آیا لوگوں کو اس پر شدید اعتراض ہوا۔ اس لئے قاری اسحاق احمد صاحب عہدہ صدارت سے سبکدوش کر دیے گئے، یہ بات حلقہ دیو بندی کے وقار کا سبب بن گئی، مولانا بدر عالم میرٹھی مولف ''فیض الباری'' اپنے پیر کی حمایت میں حضرت صدر العلماء رحمۃ اللہ علیہ کی توہین وتذلیل پر اتر آئے۔

غالبا اسی کے پیش نظر اور دوسرے اسباب کی بنا پر حضرت صدر العلماء رحمۃ اللہ علیہ نے فیض الباری کا شاندار تحقیقی وتنقیدی جائزہ لیا اور اس کی علمی وفنی غلطیوں کو اجاگر کیا۔ اور دلائل و براہین کی روشنی میں یہ سمجھایا کہ مولانا بدر عالم اور ان کے استاد انور شاہ کشمیری نے فہم حدیث میں کتنی فحش غلطیاں کیں۔ اور یہ کتاب کا نام ''بشیر القاری شرح بخاری'' کے نام سے مطبوعہ ہے۔

حضرت صدر العلماء رحمۃ اللہ علیہ کے تذکرہ نگار نے اگر چہ وجہ مذکورہ بیان کی ہے اور ان کے بیان پر قدرے بھروسہ بھی کیا جاسکتا ہے تاہم یہ پیش نظر رکھنا چاہئے کہ آپ وجہ تالیف کے بارے میں خود رقم طراز ہیں کہ

انھیں حالات سے متاثر ہو کر قلب میں خیال پیدا ہوا کہ بخاری شریف کی شرح سلیس اردو میں ایسی لکھدی جائے جو اس کے حل کے لئے کافی ہوتا کہ موجودہ دور کے طلبہ اس کے مطالب بآسانی اخذ کر سکیں اور گندم نما جوفروش حضرات کی تقریرات سے گمراہ نہ ہوں، اور اس کے ساتھ ساتھ گمراہ کن شروح کے چہروں سے نقاب بھی اٹھا دیا جائے تاکہ اساتذہ دھوکہ نہ کھائیں، کثرت کار اور ہجوم افکار کے باعث ہمت تو نہ ہوتی تھی کہ اس عظیم الشان امر کی طرف اقدام کیا جائے مگر توکلا علی اللہ لکھنا شروع کیا اور تقریبا دو سال کی مدت میں یہ شرح مکمل ہوگئی، یہ محض بزرگان سلسلہ کی توجہ کے اثرات ہیں ورنہ اپنی حالت تو یہ ہے

ناکارہ ونادان کوئی مجھ سا نہ ہوگا　　　آیا نہ بجز بے ہنری کوئی ہنر اور

بیعت وارادت

آپ کو بیعت وخلافت کا شرف شیخ المشائخ حضرت سید شاہ علی حسین صاحب اشرفی میاں رحمۃ اللہ علیہ سے حاصل تھا، حضرت شاہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے والا وشیدا اور ان کے معزز ترین خلیفہ تھے، لیکن بیعت کا سلسلہ جاری نہیں فرمایا اس بارے میں ان کا معیار بہت بلند وبالا تھا صرف ایک بنگالی شاگرد رشید کو اپنے سلسلہ میں داخل فرمایا۔

حج وزیارت

۱۳۸۹ھ میں اپنی وفات حسرت آیات سے دس سال قبل حج وزیارت حرمین شریفین سے بہرہ ور ہوئے، جبکہ آپ کی عمر شریف بہتر سال کی تھی۔ اور قد وقامت کے لحاظ سے آپ کی شخصیت بھاری بھرکم تھی، تاہم مناسک حج کی ادائیگی میں اپنی روحانی قوت کی بنا پر بہت چاق وچوبند رہے۔

وفات

مدرسہ اسلامیہ میں اوائل ۱۳۵۴ھ مطابق ۱۹۳۵ء سے لیکر آخری عمر مبارک تک ۴۵ رسال قیام فرمایا، اس طویل مدت میں نہایت انہماک وتوجہ کے ساتھ درس وتدریس کا فریضہ انجام دیتے رہے اور ۲۹ جمادی الاولی ۱۳۹۸ھ مطابق ۱۹۷۸ء میں بعارضہ فالج میرٹھ میں وصال فرمایا اور آفتاب ہند ہمیشہ کے لئے وہیں زیر زمین رو پوش ہوگیا۔ عمر مبارک اسی سال (۸۰) پائی لیکن آپ کی نورانی کرنیں ان کی تصانیف کے ذریعہ عرصہ دراز تک ارباب دانش کے ذہن وفکر کو منور وتاباں کرتی رہیں گی۔ انا للہ وانا الیہ راجعون!

رفقائے درس

(۱) مجاہد ملت حضرت مولانا الحاج محمد حبیب الرحمن صاحب عاشق رسول رحمۃ اللہ علیہ، یہ وہ بزرگ ہستی ہے کہ ان کا حد درجہ نہ صرف یہ کہ احترام ہی کرتے تھے بلکہ تاحیات ان کے ممنون کرم بھی رہے۔

(۲) رئیس المناظرین حضرت مولانا رفاقت حسین صاحب رحمۃ اللہ علیہ امین شریعت۔ یہ وہ ذات بابرکات ہے جو مدرسہ احسن المدارس قدیم کانپور کے زمانہ دراز تک عہدہ صدارت پر فائز رہی۔ اور الجامعۃ الاشرفیہ مبارک پور کے مجلس شوریٰ کے تاحیات ممبر رہے، مفتی اعظم کانپور کے نام سے مشہور ومعروف تھے، ان کے فرزند بلند اقبال حضرت مولانا مفتی الحاج شاہ محمود احمد قادری اپنی جماعت کے مشہور تذکرہ نگار ہیں اور متعدد کتابوں کے مصنف بھی ہیں۔

(۳) حافظ ملت حضرت مولانا الحاج عبدالعزیز صاحب محدث مرادآبادی بانی الجامعۃ الاشرفیہ (مجوزہ عربی یونیورسٹی) مبارکپور وسابق شیخ الحدیث دارالعلوم اشرفیہ، ان کے فضائل ومناقب پر بے شمار مقالات ومضامین لکھے گئے، خود حقیر نے ان کی بارگاہ بلند میں نذرانہ عقیدت پیش کرنے کے لئے متعدد مقالات ومضامین تحریر کئے، ان کا مزار پاک الجامعۃ الاشرفیہ کے احاطہ میں ہے، جو مرجع خلائق ہے اور اپنی روحانی تابناکیوں سے جامعہ کو منور وتاباں رکھتا ہے۔

(۴) شمس العلماء حضرت مولانا قاضی شمس الدین جونپوری رحمۃ اللہ علیہ دارالعلوم حنفیہ جونپور کے مسند صدارت پر جلوہ افروز ہوئے، اور تقریباً دو سال تک الجامعۃ الاشرفیہ مبارک پور کے شیخ الحدیث وصدر المدرسین کے عہدہ پر فائز رہے، یہ قانون شریعت فقہ اسلامی کی کتاب کے مؤلف ہیں جو جماعت اہلسنت میں بہت مقبول

ہوئی۔

(۵) فخر الاماثل حضرت مولانا محمد سلیمان صاحب بھاگلپوری رحمۃ اللہ علیہ بنارس کے مشہور دار العلوم حمیدیہ رضویہ کی مسند صدارت پر عرصہ دراز تک متمکن رہے۔

(۶) رئیس الاذکیاء حضرت مولانا غلام یزدانی صاحب رحمۃ اللہ علیہ بریلی شریف کے دار العلوم میں عہدہ صدارت پر فائز رہے۔

(۷) رئیس الاتقیاء حضرت مولانا سردار احمد صاحب گورداس پوری رحمۃ اللہ علیہ جامعہ رضویہ لائل پور پاکستان ۱؎ کے شیخ الحدیث رہے اور محدث اعظم پاکستان کے نام سے مشہور ہیں ۱؎۔

یہ عالم اسلامیہ کے وہ درخشاں ستارے ہیں جنھوں نے برصغیر ہندو پاک کے آفتاب علم حضرت صدر الشریعہ رحمۃ اللہ علیہ سے اکتساب نور وفیض کیا، اور تا حیات اپنی علمی شعاعوں سے ارباب علم ودانش کے قلوب واذھان کو منور کرتے رہے، جس وقت کتاب شرح حدیث ''بشیر القاری'' حضرت صدر العلماء کے زیر تالیف تھی اس وقت یہ علمائے اعلام باحیات تھے، جن میں سے بعض کے مختصر تعارف اور سب کے اسمائے مبارکہ کے ساتھ حضرت صدر العلما نے مدظلہ العالی لکھا تھا۔ سوائے حضرت مولانا غلام یزدانی صاحب کہ ان کے اسم گرامی کے آگے مرحوم لکھا، لیکن جب کہ آج یہ خلوص وعقیدت کا نذرانہ میں ناظرین کے روبرو پیش کرنے کے لئے لکھ رہا ہوں تو ان بزرگوں کے نام کے آگے مدظلہ العالی کے بجائے رحمۃ اللہ علیہ یا علیہ الرحمۃ والرحمن لکھنا پڑا

یہ حقیر ہیچ مداں ان اعیان اسلام کے حالات وکوائف سے من وجہ یا من کل وجوہ واقف ہے اور ان کے علمی وقار وتمکنت سے غافل نہیں ہے۔ اس لئے ان اساطین اسلام کے اسمائے مبارکہ کے سامنے رحمۃ اللہ علیہ لکھنا پڑا، لیکن میرا قلم تھرا رہا تھا اور زندگی کی بے ثباتی کا احساس شدید تر پیدا ہو رہا تھا۔

تصانیف

(۱) ''بشیر القاری'' یہ ایسی علمی شاہکار کتاب ہے کہ متقدمین ومتاخرین میں ایسی جامع شرح بخاری کی کم پائی جاتی ہے

(۲) علامہ ابن حاجب کی کافیہ (جو چیستاں کا درجہ رکھتی ہے) کی ترکیب نحوی کے ساتھ ساتھ مبسوط ومدلل شرح ''بشیر الناجیہ'' ہے

(۳) ''البشیر الکامل'' علامہ جرجانی کی شرح مأۃ عامل کی بے نظیر شرح اس پر مفصل تبصرہ آرہا ہے۔

(۴) ''البشیر'' شرح نحو میر عربی قواعد وگرامر کی بے مثال ولاجواب کتاب ہے، مبتدی طالب علموں کے لیے نہایت سودمند ہے، اسکی نظیر کا ملنا ناممکن نہ سہی نہایت مشکل ضرور ہے، یہ صرف مبتدی طلبہ کے لئے مفید نہیں ہے بلکہ اساتذہ ومدرسین اس کے مطالعہ سے عربی قواعد وگرامر پر عبور حاصل کر سکتے ہیں۔

(۵) 'نظام شریعت' وضو تیمم وغیرہ کے ضروری مسائل اس کتاب میں بیان کئے گئے ہیں، زبان ایسی سلیس ورواں ہے کہ معمولی اردو خواں بھی اس سے مستفید ہوسکتا ہے، اس کے مطالعہ سے اندازہ ہوتا ہے کہ مصنف علام دیگر علوم وفنون کی طرح فقہ اسلامی پر بھی مہارت تامہ رکھتے تھے۔

(۶) تبصرہ اعجاز بر تنقید سرفراز، اعلیٰ حضرت فاضل بریلوی اور صدر الافاضل رضی اللہ تعالیٰ عنہما کے ترجمہ وتفسیر پر مولوی سرفراز خاں دیوبندی نے اپنے اعتراض کے ذریعہ اہل علم کو غلط فہمی میں مبتلا کرنے کی لایعنی کوشش کی تھی، اس کا مدلل ومفصل جواب تحقیقی انداز میں لکھا، ان جوابات کو دنداں شکن کہا جاسکتا ہے۔

(۷) ''صحیح النظر فی صعود القمر'' ۱۹۵۷ء غالباً امریکہ یا روس نے پہلی مرتبہ انسان کو چاند کی سرزمین پر اتارا تھا اور دنیا بھر میں اس کا غلغلہ بلند تھا کہ انسان چاند پر پہونچ گیا، اب پیش قدمی کرکے دوسرے سیاروں تک رسائی حاصل کرسکتا ہے اس کا سہارا لیکر سائنس دانوں نے مذہبی حقائق کو جھٹلانے کی کوشش کی اوران پر سخت وار کیا ایسے پرآشوب دور میں یہ کتاب لکھی گئی اس کا جواب ان کے تلمیذ رشید مفتی شریف الحق صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے اپنے ایک رسالہ میں دیا۔ لیکن حضرت صدر العلماء رحمۃ اللہ علیہ نے اس اجتہادی مسئلہ میں اپنے قلم حقیقت رقم سے کتنی کامیابیاں حاصل کیں میں اس کے بیان کی صلاحیت نہیں رکھتا ہوں، لیکن اتنا بیان کرنے کی جرأت ضرور رکھتا ہوں کہ خلوص وللہیت کے جذبہ کا بھرپور مظاہرہ اسلام کے دفاع میں کیا۔ اس سے انکار کی گنجائش نہیں ہے۔

(۸) ''صحیح المسلک فی معنیٰ کل فی فلک'' چاند پر پہونچنے کے دلائل کا جائزہ اس کتاب میں لیا گیا ہے۔

ان تصنیفات کے علاوہ آپ کی ذات بابرکات سے متعدد رسائل بھی منصۂ شہود پر آئے لیکن جن تصانیف کا میں نے ذکر کیا ہے اس سے ان کی عظیم شخصیت، علمی مقام، اسلامی علوم وفنون پر مکمل مہارت، جودت فکر، گمراہ گروں اور گمراہوں سے نفرت وبے زاری کی جلوہ گری ان میں دیکھی جاسکتی ہے جس سے ان کا علمی وقار اہل علم کے ذہن وفکر پر حاوی ہوجاتا ہے۔

علم نحو میں مہارت

آفتاب ہند حضرت علامہ صدر العلماء رحمۃ اللہ علیہ جملہ علوم عقلیہ ونقلیہ میں کامل دستگاہ رکھتے تھے، جس فن میں اپنے قلم کی روانی وجولانی دکھاتے تھے وہ اس کا حق ادا کردیتے تھے، لیکن علم نحو میں ان کو ایسی شہرت وناموری حاصل ہوئی کہ برصغیر ہندوپاک کے طبقہ علماء میں کسی کو نصیب نہ ہوئی، ان کو عصر جدید کا سیبویہ یا خلیل نحوی قرار دیا جاسکتا ہے۔

اس علم میں ان کی ژرف نگاہی کا اندازہ اس سے کیا جاسکتا ہے کہ دیوبندی مکتب فکر کے وہ علماء جن کو

بڑے بڑے القاب سے یاد کیا جاتا ہے اور جن کی صلاحیت وقابلیت کا ڈھنڈورا پیٹا جاتا ہے وہ ان کی بارگاہ میں ایسے معلوم ہوتے ہیں جیسے کوئی طفل ناداں استاد کامل کے حضور میں۔ اپنے اس دعوی کے ثبوت کے لئے چند مثالیں ہدیہ ناظرین باتمکین کرتا ہوں:

(الف) دارالعلوم دیوبند کے صف اول کے مدرس مولانا ظہور احمد صاحب کی کتاب 'ایضاح العوامل' فی شرح ماۃ عامل کا جائزہ اور اس پر تنقید وتبصرہ حضرت صدر العلماء رحمۃ اللہ علیہ نے ایسے فاضلانہ انداز تحریر سے پیش کیا ہے کہ مولانا دیوبندی صاحب کا علمی پست معیار اور ان کی کم نگاہی ومطالعہ کی کوتاہی نگاہوں کے سامنے آجاتی ہے جس سے یہ احساس پیدا ہوتا ہے کہ شہرت وناموری بسا اوقات حقیقت کا ساتھ نہیں دیتی ہے کہ شہرت کچھ ہوتی ہے اور واقعہ اس کے بالکل خلاف۔ چنانچہ حضرت فخر المتاخرین صدر العلماء رحمۃ اللہ علیہ رقم طراز ہیں کہ:

"شان الوہیت وشان رسالت میں سوء ادبی مولانا ظہور احمد صاب دیوبندی کو ان کے اکابر سے ترکہ میں پہونچی ہے،، بسم اللہ الرحمن الرحیم، کی ترکیب میں وہ تحریر کرتے ہیں کہ "اللہ" موصوف اپنی دونوں صفتوں سے ملک کر اسم مضاف کا مضاف الیہ ہوا، اسلاف کرام کی مؤدبانہ تعبیر یہ ہے کہ اسم جلالت اپنی دونوں صفتوں سے مل کر مضاف الیہ ہوا، اور مولوی ظہور احمد صاب "آلہ" کی ترکیب میں لکھتے ہیں کہ آل مضاف "ہ"، ضمیر واحد مذکر غائب جو کہ راجع محمد ﷺ کی طرف ہے"

اس مختصر عبارت میں حضرت صدر العلماء رحمۃ اللہ علیہ نے مولوی ظہور رحمہ صاحب کو ان کی دو غلطیوں پر بلکہ دو سوء ادبی پر تنبیہ فرمائی اور یہ ارشاد فرمایا کہ با ادب تعبیر یہ ہے کہ اسم جلالت اپنی دونوں صفتوں سے مل کر مضاف الیہ ہو، اور "ہ"، ضمیر راجع بسوئے اسم رسالت، علاوہ ازیں اسم رسالت کے ساتھ صلعم لکھنا حرماں نصیبی ہے۔

پھر امام سیوطی رحمۃ اللہ علیہ کے حوالہ سے لکھا کہ پہلا شخص جس نے درود شریف کا ایسا اختصار کیا سیاسۃ اس کا ہاتھ کاٹا گیا، قطع ید کی یہ سزا "السعیۃ الانیقہ فی فتاوی افریقہ" میں مرقوم ہے۔

اس کا مقصد یہ نہیں ہے کہ جو شخص یہ نازیبا حرکت کرے یعنی ﷺ کے بجائے صرف صلعم لکھ دے تو قانون شرع کی رو سے اس کا ہاتھ کاٹا جائے گا، بلکہ یہ واضح کرنا ہے کہ آٹھویں صدی ہجری سے پہلے صلعم لکھنا بہت معیوب سمجھا جاتا تھا۔

لہٰذا اس سے یہ نتیجہ اخذ کرنا کہ حضرت علامہ صدر العلماء رحمۃ اللہ علیہ یہ بتانا چاہتے ہیں کہ عصر حاضر میں کسی اسلامی حکمراں وقاضی کے لئے اس قسم کی کوتاہی پر اتنی سزا دینا جائز ہے سراسر غلط ہے، گویا حضرت صدر العلماء رحمۃ اللہ علیہ اس قسم کے واقعہ کے تذکرہ سے یہ تنبیہ فرمانا چاہتے ہیں کہ اس دور میں دیوبندی مکتب فکر کے

وہ علماء جن کے دین ودیانت اور وفور علم پر ناز کیا جاتا ہے اگر وہ خود علم ودیانت کے ساتھ غور کریں تو یہ بات اپنی شان علم کے خلاف محسوس کریں گے۔

دیو بند کے علماء جماعت اہلسنت کے دیندار لائق فخر بلند پایہ علماء کی تنبیہات کو بالعموم نظر انداز کر دیتے اور لائق اعتناء تصور نہیں کرتے ہیں، بلکہ سخن سازی، مناظرہ ومجادلہ آرائی کا بازار گرم کر دیتے ہیں، غرور علم اور فریب نفس میں مبتلا رہ کر اصلاح کو قبول نہیں کرتے، لیکن اس گروہ میں کچھ اعتدال پسند عناصر ضرور ہیں جو اپنے ضمیر کی آواز پر دھیان دینے کی صلاحیت رکھتے ہیں۔ چنانچہ سیرت النبی ﷺ مولفہ شبلی نعمانی وسید سلیمان ندوی کے متعدد ایڈیشن شائع ہوئے، ان سب میں جہاں جہاں حضور ﷺ کا اسم مبارک آیا تھا صلعم لکھتے چلے گئے لیکن جب ہماری جماعت کے کچھ علماء نے اس غلطی پر تنبیہ فرمائی تو اس کی اصلاح کر لی اور سید سلیمان ندوی نے چوتھے ایڈیشن کے مقدمہ میں لکھا کہ حضور انور ﷺ کے نام مبارک کے ساتھ صلعم کے اختصار کے بجائے پورا ﷺ کے لکھنے کا اہتمام کیا گیا ہے تاکہ اس تساہلی سے درود پڑھنے کی برکت سے ناظرین کو محرومی نہ ہو[۱]۔

اس سے معلوم کیا جا سکتا ہے کہ جماعت اہلسنت کے سرکردہ علماء کی طرف سے جو نقد وتبصرہ دوسرے مکاتب فکر کی کتابوں پر کیا جاتا ہے وہ رائگاں نہیں جاتا ہے، بلکہ کچھ نہ کچھ اس سے اصلاح ضرور ہوتی ہے، کیونکہ علمائے اسلام کی مساعی جمیلہ حسن نیت پر مبنی ہوتی ہیں، کار خیر خواہ فرقہ باطلہ کی کتابوں پر تنقید ہو یا اس کے سوا کوئی دوسرا کام اس کا نتیجہ نہایت خوشگوار انداز میں برآمد ہوتا ہے۔

اس سے یہ بھی ثابت ہوتا ہے کہ علمائے اہلسنت کے وہ طبقے جن کا نقطہ نگاہ یہ ہوتا ہے کہ ہم لوگوں کو اپنے طریقے میں تبدیلی لانا ضروری ہو گیا ہے اور عرصہ دراز تک رد ومناظرہ کی روش پر گامزن رہنا سودمند نہ ہوگا مکمل طور سے یہ نظریہ درست نظر نہیں آتا، اس لئے من کل الوجوہ اس سے اتفاق نہیں کیا جا سکتا، کیوں کہ ان تنقیدات وتبصروں سے بہت کچھ فوائد حاصل ہوئے ہیں، اور بہت کچھ ہوتے رہیں گے۔

میں نے اس بحث کو اس لئے طول دیا ہے کہ ہمارے ممدوح مکرم صدر العلماء کی کتابوں کے مطالعہ سے یہ واضح ہوتا ہے کہ انھوں نے دیو بندی مکتب فکر کے علماء میں سے بعض کی سخت گرفت فرمائی ہے، اس لئے کوئی شخص اس وسوسہ میں گرفتار ہو سکتا ہے کہ مباحث علمیہ میں ایسی سخت روش اختیار کرنے میں کوئی مفید نتیجہ برآمد نہیں ہوتا ہے، لیکن میری نگاہ میں اس کے اچھے نتائج برآمد ہوتے ہیں، اس سے قبول حق کی راہیں ہموار ہوتی ہیں، ایسے تبصرے اور سخت گرفت سے حقیقت اپنی اصل شکل میں نمودار ہو کر انسانی ذہن وفکر پر چھا جاتی ہے اور اصل واقعہ پردۂ حجاب میں نہیں رہ پاتا ہے بلکہ وہ بے نقاب ہو کر نگاہوں کے سامنے آجاتا ہے۔

(ب) مولوی ظہور احمد صاحب نے "وجعل اللّٰہ جنۃ مثواہ" کی ترکیب میں لکھا ہے کہ "جعل" افعال قلوب میں سے ہے، یعنی ایسا فعل ہے جس کا صدور وظہور دل سے ہوتا ہے وہی دل جس کے بارے حضور

علیہ السلام نے ارشاد فرمایا:الا فی الجسد مضغة اذا صلحت صلح الجسد کله واذا فسدت فسد الجسد کله الاوهی القلب ۱؎

غور سے سنو! جسم میں ایک ٹکڑا ہے جب وہ درست رہے گا تو سارا جسمانی نظام بھی درست رہے گا اور جب وہ فاسد ہو جائے گا تو مکمل جسمانی نظام میں فساد برپا ہو جائے گا۔ خبردار ہو جاؤ وہ ٹکڑا دل ہے۔

جسم کا یہ ٹکڑا حیوانات میں بھی پایا جاتا ہے، اس سے بھی بہت سے اعمال وافعال صادر ہوتے ہیں، لیکن وہ ہستی جو مادہ ومادیات، جسم وجسمانیات سے مبرا ہو اس میں قلب کا پایا جانا محال ہے، اس لئے اس مقام پر ''جعل'' کو افعال قلوب سے قرار دینا حیرت انگیز لغزش ہے۔ جس پر ممدوح مکرم نے تنبیہ فرمائی ہے۔

حضرت صدر العلماء رحمۃ اللہ علیہ کو یہ بات تسلیم ہے کہ مولوی ظہور احمد صاحب نے خدائے پاک کے لئے جسم عنصری کا عقیدہ نہیں بنایا ہے۔ جس کی بناء پر انھوں نے ''جعل'' کو فعل قلب سے مانا ہے وہ اللہ کے بارے میں یہ نظریہ نہیں رکھتے ہیں جیسا کہ فرقۂ مجسمہ کا عقیدہ ہے کہ اللہ جسم رکھتا ہے۔ جس میں قلب ہوتا ہے، اور قلب بھی ایسا جو تا حیات متحرک رہتا ہے، اس قسم کا عقیدہ کسی ایسے عالم کا نہیں ہو سکتا جس نے اسلامی علم کلام کو پڑھا ہے، پھر مولانا ظہور بہر حال ایک مولوی ہیں ان کا یہ عقیدہ کیسے ہو سکتا ہے، لیکن کبھی کبھی انسان سہوا و بلا قصد ایسی گفتگو کر دیتا ہے جو اس کو مبتلائے آلام کر سکتی ہے، جب کہ اس سے تائب اور اس پر شرمندہ نہ ہو، اور اپنی اس ضد پر قائم و برقرار رہے کہ جو کچھ میری زبان سے نکل گیا ہے وہی صحیح ہے، حالانکہ وہ مکمل طور سے غلط ہے

حضور علیہ السلام نے ارشاد فرمایا کہ:

ان العبد ليتكلم بالكلمة من سخط الله لا يلقى لها بالاً يهوى بها فى نار جهنم ۲؎۔

(بخاری شریف جلد ثانی جزء ۲۶ صفحہ ۹۵۹)

بیشک بندہ اللہ کی ناراضگی کی بات کبھی محض بے خیالی میں بول جاتا ہے اس کو اس کی فکر نہیں ہوتی ہے کہ میں کیا بول رہا ہوں اس کے سبب وہ جہنم میں گر پڑتا ہے۔

اس لئے یہ نہیں کہا جا سکتا کہ حضرت صدر العلماء رحمۃ اللہ علیہ نے ایک بے خیالی کی بات پر سخت محاسبہ کیا ہے، بلکہ انھوں نے اعتراف کیا ہے کہ مولوی ظہور احمد صاحب یہ محسوس نہ کر سکے کہ میں کتنی بڑی بات بول رہا ہوں ''كبرت كلمة تخرج من افواههم'' بڑی حیرت انگیز بات زبان سے نہ سہی قلم سے تو لکھ ڈالی!

اور پھر تحریر فرماتے ہیں کہ ''وجعل الجنة مثواه'' میں ''جعل'' فعل قلب سے نہیں ہے، یعنی ایسے افعال سے نہیں ہے جو دل کے عمل وحرکت پر دلالت کرے اور عالمانہ انداز میں اپنے مخصوص پیرایہ بیان سے اس دعویٰ پر حجت پیش کرتے ہیں وہ کافیہ کی شرح رضی کے حوالہ سے تحریر فرماتے ہیں کہ:

واستعمل عد وجعل لاعتقاد كون الشئى على صفحة غير مطابق واذا او ليتها اسمية

نصب جزیها نحو کنت اعده الفقیر فبان غنیا وقال تعالیٰ جعل الملئکة الذی هم عباد الرحمٰن انا

ثا ای اعتقدوا فیهم الا نثیة ۔

اور عدّ و جعل ایسے اعتقاد کے لئے استعمال کئے گئے کہ شئی ایک صفت پر ہے جو واقع کے مطابق نہیں ہے اور جب ان دونوں سے متصل جملہ اسمیہ لاؤ گے تو اس کے دونوں جزؤں کو نصب کرے گا، جیسے ’’کنت اعده الفقیر فبان غنیا ‘‘میں اس کو فقیر شمار کرتا تھا پھر ظاہر ہوا کہ وہ مالدار ہے اور اللہ تعالیٰ نے فرمایا: وجعل الخ یعنی اس کے بارے میں مونث ہونے کا عقیدہ رکھا۔

یہ بات بالکل واضح ہے کہ وہ عقیدہ جو واقع کے مطابق نہ ہو وہ شان الوہیت کے لائق نہیں ہے بلکہ یہ تو نقص ہے جو اس کی بارگاہ میں کھلی ہوئی بے ادبی ہے۔

ملاحظہ فرمائیے کہ حضرت صدر العلماء رحمۃ اللہ علیہ کی نگاہ کتنی دقیقہ سنج وباریک بیں ہے کہ ایک دیو بندی مکتب فکر کے بڑے مولانا کو اپنی فحش غلطی کا احساس نہ ہوا بلکہ ان کی جماعت کے دوسرے علماء نے بھی اس کی طرف توجہ نہ دلائی کہ ’’جعل ‘‘فعل قلب سے نہیں ہے، لیکن آپ نے اس کو محسوس کیا کہ اگر چہ یہ بات ترکیب نحوی کی ہے لیکن قائل کو بے خیالی میں جہنم کی طرف ڈھکیل رہی ہے اور وہ کفر کی سرحدوں کے قریب پہنچ رہے تھے، اس لئے آپ نے ان کو سیدھی راہ پر لگانے کی کوشش فرمائی۔

بہر حال یہ سوال باقی رہ جاتا ہے کہ اگر’’جعل ‘‘فعل قلب میں سے نہیں ہے تو جعل الجنة مثواه میں’’جعل ‘‘کے کیا معنی ہیں؟

اس کے جواب میں علامہ ارشاد فرماتے ہیں کہ ’’جعل ‘‘افعال تصییر میں سے ہے جو متعدی بدو مفعول ہو تے ہیں۔ ان کی یہ ایسی رائے ہے کہ اس سے انکار مجادلہ ومقابلہ کے سوا کچھ نہیں ہے۔ راقم الحروف کو معلوم نہیں کہ اس تنبیہ پر علمائے دیو بند نے کوئی توجہ دی یا نہیں؟ تاہم اتنی بات ضرور کہی جاسکتی ہے کہ ہمارے ممدوح مکرم نے ان کی اصلاح کی خاطر جو جاندار تبصرہ فرمایا ہے وہ علماء دیو بند پر ایک قسم کا احسان ہے کہ وہ حضرات اپنی کوتاہیوں اور لغزشوں پر مطلع ہو کر اصلاح حال کی کوشش کریں کیوں کہ پڑھے لکھے انسان کی عظمت کا راز اسی میں مستتر ہے۔

(ج) قرآن حکیم کی آیت کریمہ’’ ولا تلقوا بایدیکم الی التهلكة ‘‘تم اپنے ہاتھوں کو ہلاکت میں نہ ڈالو، یعنی اپنے آپ کو برباد نہ کرو، کوئی ایسا طریقہ نہ اپناؤ جس سے تم اپنے ہاتھوں نقصان اٹھاؤ۔

علامہ عبد الرحمن جرجانی نے اس آیت کریمہ میں ’’بایدیکم‘‘ میں بتایا کہ یہ بازائدہ ہے۔ حضرت صدر العلماء رحمۃ اللہ علیہ چوں کہ زبان عربی کے علم نحو پر مکمل عبور رکھتے تھے اور جس موضوع پر اپنے قلم سے صفحہ قرطاس پر تحریری نقش ونگار بناتے تھے اس کو اتنے صاف اور واضح لفظوں میں اجاگر فرماتے کہ اس کے سمجھنے میں

ذہن وفکر میں کوئی دباؤ نہیں پڑتا، چنانچہ اس حرف جار باء زائدہ کی تشریح میں لکھتے ہیں کہ زائدہ وہ ہے کہ اس کے حذف سے اصل معنی میں کوئی تغیر نہ واقع ہو لفظا تغیر ضروری کہ حرکت جر باقی نہ رہے گی اور جو حرف زائد ہو وہ تاکید یا درستی وزن کا افادہ کرتا ہے جیسے۔

الم یاتیک والانباء تمنی بما لاقت لبون بنی زیاد

اس شعر میں ''بـمـا لا قـت'' یـاتیك ، کا فاعل ہے، وزن شعر کی درستگی کے پیش نظر اس پر با حرف جار کا اضافہ کیا گیا، باء کی زیادت دو قسم پر ہے، ایک قیاسی، دوسرے سماعی۔ قیاسی 'ھـل" کے بعد مبتدا کی خبر پر ہوتی ہے اور مـا مجازیہ اور لیس کی خبر پر ہوتی ہے، اور سماعی کـفـی ، بمعنی اکـتـفـی ، کے فاعل پر ہوتی ہے، جیسے: کـفـی بـالله شهيدا۔ اور مبتدا پر، جیسے: بحسبك زيد (البشير الکامل ص۳)

اللہ کے کلام میں معاذ اللہ زائد ہونے کا یہ مطلب نہیں ہے کہ بلا فائدہ لایا گیا ہے، اس کے فوائد یقیناً ہوتے ہیں جیسا کہ: ولا تلقو بایدیکم الی التهلكة ، میں باء حرف جارہ زائدہ لاریب بلا فائدہ نہیں ہے بلکہ تاکید کے لئے ہے۔

اس کلام بلاغت نظام کی ترکیب نحوی کرتے ہوئے دیو بند کے فاضل جلیل غالباً عالم سکر میں رہتے ہوئے فرماتے ہیں کہ "بایدیکم" جار مجرور سے مل کر فعل کے متعلق ہوا۔

حضرت صدر العلماء علیہ الرحمہ اس ترکیب پر اپنی برہمی کا اظہار کرتے ہوئے فرماتے ہیں کہ یہ غلط اور باء زائدہ کا معنی نہ سمجھنے پر مبنی ہے، وجہ یہ ہے کہ حرف جار زائد فعل یا شبہ فعل سے متعلق نہیں ہوا کرتا ہے، پھر اپنے دعوی کو مدلل کرنے کے لئے جمع الجوامع کا حوالہ دیتے ہوئے تحریر فرماتے ہیں کہ:

ولا يتـعـلـق من الحروف الجارة زائدة كالباء ومن فی کفی بالله شهيد او هل من خالق غير الـلـه وذلك لان مـعـنـى التعلق الارتباط المعنوى والاصل ان افعالا قصرت عن الوصول الى الاسماء فاعتنيت على ذلك بحروف بالجر والزائد انما دخل فی الكلام تقوية وتوكيداً۔

اور حروف جارہ میں سے جو زائد ہو وہ متعلق نہیں ہوتا ہے، جیسے کہ "با" اور "من" "کفی بالله شهيدا" اور " هل من خالق غير الله" میں متعلق نہیں ہے، اس لئے کہ تعلق کا مطلب ارتباط معنوی ہے اور اصل یہ ہے کہ افعال اسماء تک پہونچنے میں قاصر ہو گئے تو حروف جارہ کے ذریعہ ان کی مدد کی گئی اور زائد کلام میں تقویت اور تاکید کے لئے آتا ہے۔

اس بیان سے ثابت ہوا کہ دیو بند کے فاضل جلیل نے علمی نقطۂ نگاہ سے کتنی فحش غلطی کر ڈالی اور ان کے ذہن کی رسائی حروف جر کے زائد ہونے کے مفہوم تک نہ ہو سکی، اسی وجہ سے حضرت صدر العلماء رحمۃ اللہ علیہ نے ان کی سخت گرفت فرمائی۔

علمائے دیوبند نے بالعموم اپنے کاروبار کی ترقی کے لئے علم نحو وصرف، معانی وبلاغت، منطق وفلسفہ، حدیث وتفسیر کی درسی کتابوں کے تراجم اوران کے شروح وحواشی لکھ کر طالبان علوم اسلامیہ کو اپنی ہمہ دانی کا ثبوت فراہم کرنے کی بھرپور کوشش کی اور جماعت اہل سنت کے علماء میں سے، بہت کم لوگوں کو یہ توفیق نصیب ہوئی کہ ان کا تحقیقی مطالعہ کر کے تنقیدی جائزہ لیتے، ان شروح وتراجم سے تاجران دیوبند نے خواہ کتنا ہی اپنا کاروبار چمکایا ہو لیکن علمی لحاظ سے اُن کے دوررس اثرات ونقصانات سامنے آنا شروع ہو گئے ہیں، ان میں سب سے بڑی خرابی یہ ہے کہ روز بروز اسلامیہ مدارس کے طلبہ پر برے اثرات مرتب ہو رہے ہیں، یہی ایک کتاب 'ایضاح العوامل فی شرح مأۃ عامل'' کو مدنظر رکھا جائے تو ہمارے بیان کی صداقت سے انکار نہیں کیا جاسکتا ہے۔

''شرح مأۃ عامل'' شیخ عبدالقادر جرجانی کی تصنیف ہے، وہ مسلکا معتزلی تھے اور فقہ میں امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ کے مقلد تھے، ۴۷۱ھ میں وفات پائی، ان کی یہ کتاب علمی دنیا میں خاصی شہرت رکھتی ہے، دیوبندی مکتب فکر کے علماء ہوں خواہ اہلسنت وجماعت یا غیر مقلد کے فضلاء سب نے جرجانی کے عقیدے سے صرف نظر کرتے ہوئے اپنے یہاں نصاب تعلیم میں داخل کیا ہے، اوراسکے متعدد ومختلف شروح وحواشی لکھے گئے ہیں، ترکیب نحوی اور قواعد نحو کی مشق وممارست کے سلسلہ میں شرح مأۃ عامل اول بھی ہے اور آخر بھی، اس لئے علماء دیوبند نے اپنے تاجرانہ نقطۂ نگاہ سے اس کتاب کی شرح لکھی اور تراکیب نحویہ کو بیان کیا، لیکن بہت زیادہ غلطیاں کر ڈالیں، حیرانی اس بات پر نہیں ہے کہ ''ایضاح العوامل'' میں اتنی خامیاں کیسے ہیں، بلکہ حیرت وتعجب اس بات پر ہوتا ہے کہ علم نحو پر مکمل عبور اور کامل واقفیت کے بغیر شرح لکھنے کی جرأت کیسے ہوئی؟

حضرت صدر العلماء رحمۃ اللہ علیہ نے ''ایضاح العوامل'' کا مکمل جائزہ لے کر جو کچھ بیان کیا ہے وہ حیرت افزا ہے آپ تحریر فرماتے ہیں کہ:

''شرح ماۃ عامل ایک سو گیارہ (۱۱۱) صفحات پر مشتمل ہے، مقام غور ہے کہ چھٹے صفحہ سے ترکیب نحوی شروع ہو کر ایک سو گیارہ پر ختم ہوئی تو کتاب کے کل صفحات ایک سو پانچ ہوئے جن میں ایک سو چھیاسی غلطیاں ہیں اور وہ بھی موٹی موٹی، جن کو دیکھ کر مبتدی بھی انگشت بدنداں رہ جائے، کتاب کا کوئی صفحہ غلطی سے خالی نہیں ہے، ہم نے کل اغلاط بالاستیعاب بیان نہیں کئے ورنہ اغلاط کی تعداد کئی سو تک جا پہونچتی حاشیۃ ا۔

مولانا ظہور احمد صاحب دارالعلوم دیوبند کے درجہ علیا کے استاد ہوتے ہوئے اتنی ساری غلطیاں کیسے کر ڈالیں؟ سمجھ میں نہیں آتا کہ عقلا اس کی کیا توجیہ ہوسکتی ہے؟ صرف دو وجہیں سمجھ میں آتی ہیں۔ اولا یہ کہ انھوں نے یہ کتاب علمی نقطۂ نگاہ سے نہیں لکھی اس لئے تحقیق وجستجو کی ضرورت نہیں محسوس کی، بلکہ سرسری اور معمولی مطالعہ پر اکتفا کیا۔ ثانیا: اپنی آرام طلبی وتساہلی کے باعث یہ زحمت گوارہ نہ کی کہ جو کتاب منظر عام پر آئے وہ ایسی ہو کہ اہل علم میں مقبول ہو بلکہ ان کے روبرو بظاہر ایک مقصد تھا وہ یہ کہ جب یہ کتاب منظر عام پر آئے گی تو مدارس

اسلامیہ کے طلبہ اس کا مطالعہ کریں گے اور اس کو خوب خوب خریدیں گے جس سے ان کا کاروبار یا ان کی تجارت ترقی کرے گی، اور بہت بارونق ہوگی، ظاہر ہے کہ جو کتاب تجارت کی خاطر لکھی جائے اس میں علم کی گہرائی مطالعہ کی وسعت نہیں پائی جاسکتی۔

حضرت علامہ صدر العلماء علیہ الرحمۃ والرضوان نے کم از کم جماعت اہل سنت کے طلبہ وعلماء پر یہ احسان عظیم کیا کہ نہایت مفصل ومدلل اور جامع شرح ''شرح مأۃ عامل'' لکھی اور دار العلوم دیوبند کے صف اول کے استاد مولانا ظہور احمد صاحب کی تالیف کی خامیوں پر دلائل کے ساتھ روشنی ڈالی، تاکہ جماعت کے اہل دانش اور کوتاہ نظر طلبہ دیوبند کی کتاب پڑھ کر غلط روی وگمراہی کے دلدل میں گرفتار نہ ہو جائیں۔ یہ آپ کا اتنا عظیم الشان کارنامہ ہے کہ جب تک آسمان پر ستاروں کی انجمن اور زمین پر دریاؤں کی طغیانی اور روانی برقرار ہے اس وقت تک آپ کے فیضان علمی سے جماعت کے اہل علم اپنی علمی پیاس بجھاتے رہیں گے۔

یہ میرا تبصرہ بلفظ دیگر حقیر نذرانہ عقیدت صرف علم نحو میں ان کے کمال علمی کے سلسلہ میں ہے۔ لیکن میں اپنی علمی بصیرت اور دیگر شواہد کی بنا پر کہہ سکتا ہوں کہ '' آفتاب ہند'' کو علوم اسلامیہ میں سے کوئی ایسا علم نہیں ہے جس میں مکمل مہارت نہ رہی ہو، منطق وفلسفہ، علم کلام، فقہ واصول فقہ، حدیث وتفسیر کو انھوں نے تقریبا پینتالیس سال تک پڑھایا تھا، علم حدیث میں ان کے مطالعہ کی وسعت ان کی دیدہ وری ورمز شناسی لائق فخر ہے۔

چنانچہ اپنی جماعت کے شارح بخاری حضرت مولانا مفتی شریف الحق صاحب رحمۃ اللہ علیہ ان کی بارگاہ بلند میں نذرانہ عقیدت پیش کرتے ہوئے رقمطراز ہیں کہ

''بشیر القاری شرح بخاری'' استاذی صدر العلماء علامہ غلام جیلانی میرٹھی قدس سرہ کی مایہ ناز شرح ہے، عربی، فارسی، اردو کسی بھی زبان میں بخاری کی اب تک کوئی شرح اتنی تحقیق وتفصیل سے نہیں لکھی گئی، اس میں حضرت نے تحقیق وتدقیق کا حق ادا کر دیا ہے، الفاظ حدیث کی صرفی لغوی تحقیق جملوں کی نحوی ترکیب اور معانی وبیان اور بدیع تکنیت کے ساتھ ساتھ معانی حدیث کے ہر ہر پہلو پر ایسی جامع کامل بحث ہے جسے دیکھ کر کہنا پڑتا ہے ''کم ترك الاولون للآخرين ' ساتھ ہی ہمہ دانی کا خصوصا علم حدیث پر دعوی کرنے والوں کی غلطیوں پر ایسی مضبوط گرفت فرمائی ہے جس کا کسی کے پاس کوئی جواب نہیں، کوئی بھی عناد وتعصب سے ہٹ کر اگر اس شرح کا مطالعہ کرے تو اسے کہنا پڑے گا کہ حضرت مصنف دیگر علوم کی طرح حدیث کے بھی اپنے وقت کے امام ہیں۔ [1]

حضرت مفتی شریف الحق صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے حقائق پر مبنی ان چند جملوں کو میں ایک ''مختصر المعانی'' [2] متن تصور کرتا ہوں اگر اس کی شرح کی جائے، یا اس اجمال کی تفصیل بیان کی جائے تو اس حقیر پر تقصیر کے نزدیک یہ شرح وتفسیر پچاسوں صفحات پر مشتمل ہو سکتی ہے جس کے لئے اچھی خاصی مہارت درکار ہے، اس لئے

میں ''بشیر القاری'' کی روشنی میں ان حقائق وخصوصیات کو بیان کرنا چاہتا ہوں جن کے باعث حضرت

۲۔ حضرت مفتی صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے کلام میں ایجاز واختصار ہے حقائق ومعارف پر مشتمل گویا ایک متن ہے جس کو مختصر المعانی بطور تلمیح کہا گیا۔

صدر العلماء رحمۃ اللہ علیہ کی یہ کتاب مستطاب اتنی بلند پایہ ہے کہ اس عہد جدید میں علم حدیث وشرح حدیث میں اس کے ہم رتبہ کوئی دوسری کتاب نہیں ہے، اور مصنف علام اسی کتاب کی تصنیف کے باعث اپنے معاصرین کے گروہ میں امتیازی شان کے ساتھ جلوہ گر ہوئے اور اکابر علماء اسلام کے نزدیک ان کی بلند پایہ شخصیت ایک نادر روزگار ہستی کے روپ میں نمایاں ہوئی۔

شارح بخاری حضرت مولانا مفتی شریف الحق صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے مقدمہ ''نزہۃ القاری'' میں ''بشیر القاری'' کے مصنف کے علمی مقام کی طرف محض اشارہ کیا ہے، وہ بھی اس بات کی دلیل ہے کہ انھوں نے اس کتاب سے خوب خوب استفادہ کیا۔ اس وجہ سے مقدمہ نزہۃ القاری اور دیباچہ بشیر القاری میں بعض مقامات پر ایسی مماثلت نظر آتی ہے کہ استاذ وشاگرد کے کلام میں لفظاً ومعنیً کوئی زیادہ فرق محسوس نہیں ہوتا، فاضل بریلوی رضی اللہ عنہ کے بعد صدر العلماء اور مفتی شریف الحق رحمہما اللہ نے وضع حدیث کی شناخت کے جو طریقے بیان کیے ہیں ان میں سے کوئی کمی یا زیادتی ان علماء اسلام کی تحریر میں نہیں پائی جاتی ہے، صاف لفظوں میں کہا جا سکتا ہے کہ ان استاذ وشاگرد کا ماخذ فاضل بریلوی رضی اللہ عنہ کا استخراج ہے، انھوں نے جو کچھ بیان کیا تھا اسی کو ان دونوں حضرات نے بھی بیان کیا ہے اور اسی ترتیب کے ساتھ بغیر کسی کمی یا زیادتی کے تحریر کیا ہے، اس سے ان معاندین ومخالفین کی تردید ہوتی ہے جن کی زبان یہ کہتے ہوئے نہیں تھکتی ہے کہ علماء بریلوی کے مسالک ومذاہب کا استناد واستدلال موضوع وضعیف حدیثوں پر ہے، ان کے اس گمان باطل کی تردید یوں ہوتی ہے کہ مجدد اسلام فاضل بریلوی رضی اللہ عنہ نے جب وضع حدیث کے طریقوں کو بغیر کسی ابہام کے کھول کھول کر بیان کر دیا اور ان کے بعد یک زبان ہو کر جماعت کے مستند علماء اس پر اتفاق کرتے ہیں تو کیسے کہا جا سکتا ہے کہ ان کے نظریات ومسائل کی بنیاد احادیث موضوعہ پر ہے۔

پھر علمائے اسلام نے جو کچھ لکھا اور بیان کیا اس پر عمل بھی کیا، حدیث صحیح وغیر صحیح حدیث موضوع وضعیف کی چھان بین میں کوئی کوتاہی نہیں کی، رہ گیا واعظوں اور مقرروں کا معاملہ تو وہ ہمارے لئے کوئی سند نہیں ہیں، کیا کوئی شخص ثابت کر سکتا ہے کہ حضرت صدر العلما جیسی عظیم شخصیت نے اپنے دعویٰ کو مدلل کرنے کے لئے حدیث موضوع کا سہارا لیا ہو، یا ان کے قلم سے ایسی لغزش وجود میں آئی ہو جو ان کی شان علم کے بالکل منافی ہو، یا واعظوں اور خطیبوں کی طرح اپنی محفل آرائی کے لئے تصنیفات میں ضعیف وموضوع حدیث کو بیان کر کے داد وتحسین وصول کی ہو، یہ وہ فاضل جلیل ہیں کہ جو بات کہتے ہیں علم وعرفان کی روشنی میں کہتے ہیں، اس لئے یقین

کے ساتھ کہا جا سکتا ہے کہ حدیث موضوع کی شناخت کے جو طریقے انہوں نے بیان کئے ہیں اس سے کبھی صرف نظر نہ کیا ہوگا، بلکہ اپنے دعویٰ کے ثبوت میں جب کسی حدیث کو پیش کیا ہوگا تو انھوں نے جانچ پرکھ کر پیش کیا ہوگا، کیوں کہ قدرت الٰہی کی طرف سے ان کو ایسا ذہن ثاقب عطا ہوا تھا کہ وہ غلط باتوں کو قبول کرنے کے لئے آمادہ نہ ہوتے تھے اس سے میں یہ نہیں کہنا چاہتا ہوں کہ اجتہادی خطا ان سے ناممکن ہے بلکہ یہ بتانا چاہتا ہوں کہ صداقت کی جستجو میں ان کا ذہن بہت دور چلا جاتا تھا جہاں تک منکرین حق کی رسائی نہیں ہو سکتی، ذالك فضل الله یو تیه من یشاء۔

شرح حدیث میں آپ کا اعلیٰ معیار

حضرت صدر العلماء رحمۃ اللہ علیہ نے بخاری شریف کی حدیث " انما الاعمال بالنیات " کی شرح میں ایسے اعلیٰ ذوق و بلند معیار کا مظاہرہ کیا کہ اس کی نظیر تلاش کرنا نہایت دشوار کام ہے اس پر ہر حیثیت سے بحث کی ہے، جس کا دائرہ تقریباً تینتالس صفحات پر پھیلا ہوا ہے، وہ حدیث پاک یہ ہے:

سمعت عمر بن الخطاب رضی الله تعالیٰ عنه علی المنبر یقول سمعت رسو ال الله ﷺ یقول یا یها الناس! انما الاعمال بالنیات وانما لکل امرء ما نوی فمن کانت هجرته الی الله رسوله فهجرته الی الله ورسوله ومن کانت هجرته الی الدنیا یصیبها او الی امراة ینکحها فهجرته الی ماها جر الیه۔

میں نے عمر بن خطاب رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے ممبر پر کہتے ہوئے سنا کہ میں نے رسول اللہ ﷺ کو فرماتے ہوئے سنا اے لوگو! اعمال نیت سے ہیں اور ہر آدمی کے لئے وہی ہے جو اس نے نیت کی، لہٰذا جس کی ہجرت اللہ اور اس کے رسول کی طرف ہو تو اس کی ہجرت اللہ اور رسول کی طرف ہے اور جس کی ہجرت دنیا کی طرف ہو جس کو وہ حاصل کرے یا عورت کی طرف جس سے وہ نکاح کرے تو اس کی ہجرت اس کی طرف ہے جس کی طرف ہجرت کی۔

حضرت صدر العلماء رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے بہت بارک بینی و نکتہ آفرینی سے اس حدیث پاک پر بحث کی ہے، کوئی پہلو تشنہ نہیں چھوڑا کہ شرح و بیان میں کسی چیز کی کمی کا احساس پیدا ہو، علم نحو و صرف، علوم عربیت، منطقیانہ و فلسفیانہ طرز استدلال میں ان کی اجتہادی شان اس طرح نظر آتی ہے کہ عقل حیلہ جو یہاں حیران و ششدر رہ جاتی ہے اس لئے یہ حقیر اس حدیث کی شرح پر اگر اپنے خیالات کا اظہار کرنا چاہے تو اپنی کم علمی و بے مائیگی کے باعث اس کو مشکلات کا سامنا کرنا پڑے گا اس کے باوجود خامہ فرسائی سے دسوں صفحات سیاہ کر سکتا ہے۔

اہل علم اور ارباب دانش کے نزدیک "آفتاب ہند" کی جمیع علوم اسلامیہ میں مہارت و حذاقت مسلم

ہے، مباحث علمیہ سے صرف نظر کرتے ہوئے ان کے عالمانہ اسلوب بیان، منطقیانہ وفلسفیانہ طرز استدلال پر تھوڑی سی روشنی ڈالنا چاہتا ہوں آپ فرماتے ہیں کہ:

حدیث زیر بحث کے پہلے فقرہ انما الاعمال بالنیات سے یہ ثابت ہوا کہ اخروی ثواب صرف نیت پر موقوف ہے، اس کے بغیر آدمی ثواب سے محروم رہے گا، فقیر غفرلہ کی تحقیق سے یہ ظاہر ہوا کے صدق نیت سے بھی انسان کو مولی تعالی ثواب سے سرفراز فرماتا ہے"

اس سے واضح ہو رہا ہے کہ انسان کو اللہ تعالی محض اعمال صالحہ پر اجر وثواب کا مستحق نہیں بناتا ہے بلکہ حسن نیت اور اچھے ارادے پر بھی اس کو اجر وثواب عطا فرماتا ہے، چنانچہ صدر العلماء رحمۃ اللہ علیہ نے اس بات کی چند مثالیں پیش کر کے بیان فرمایا ہے تاکہ لوگوں کے ذہن میں یہ نقش کالحجر ہو جائے آپ رقمراز ہیں کہ،

(الف) ایک شخص جس کو اللہ تعالی نے علم شریعت اور دنیوی دولت دونوں چیزیں عطا فرمائی ہیں تو وہ اپنی دولت کو مصارف خیر میں صرف کرتا ہے۔ دوسرا شخص اس کو دیکھ کر یہ کہتا ہے کہ اللہ تعالیٰ اگر اسی طرح مجھ کو بھی علم اور مال مرحمت فرماتا تو میں بھی اسی طرح مال کو اعمال خیر میں خرچ کرتا، پس وہ شخص اور یہ دونوں ثواب میں برابر ہوئے۔

ایک وہ شخص ہے جس کو دنیوی دولت ملی اور علم دین سے محروم رہا تو وہ اپنہ لاعلمی کے باعث دولت میں نا مشروع طریقہ پر تصرف کرتا ہے۔ دوسرا شخص دیکھ کر یہ کہتا ہے کہ اگر اللہ تعالیٰ مجھ کو دولت عطا فرماتا تو میں بھی اسی طرح خرچ کرتا پس یہ اور وہ دونوں گناہ میں برابر ہیں ؎

حضرت صدر العلماء رحمۃ اللہ علیہ نے حسن نیت اور فاسد ارادے کے اثرات ونتائج کے بارے میں جو مثال پیش کی ہے وہ خود ان کی اپنی طرف سے نہیں ہے بلکہ حضور ﷺ کی حدیث پاک میں وارد ہوئی ہے، اس سے یہ بھی روز روشن کی طرح عیاں ہوا کہ جس طرح سچی نیت اچھے ارادے کا فائدہ انسان کو ملتا ہے اسی طرح بری نیت سے اس کو مضرت بھی پہونچتی ہے، اس لئے انسان پر لازم ہے کہ اپنی نیتوں میں خلوص پیدا کرنے اور خیالات فاسدہ اور وساوس شیطانی اور برے ارادوں سے اپنے کو محفوظ رکھنے کی تدبیر کرے۔

(ب) ۹ھ میں تیس ہزار کے لشکر جرار کے ساتھ نبی اکرم ﷺ قیصر روم کے مقابلہ کے لئے مدینہ منورہ سے روانہ ہوئے اعلان عام کے باوجود کچھ صحابہ کرام عذر معقول کی بنا پر جہاد کے لئے نہ نکلے اور اپنے گھروں میں بیٹھے رہ گئے آپ نے ارشاد فرمایا کہ:

"مدینہ منورہ میں کچھ لوگ رہ گئے جو اس سفر کے تمام اعمال میں بہ لحاظ ثواب ہمارے شریک ہیں صحابہ نے عرض کیا یا رسول اللہ ثواب میں کیسے شریک ہوں گے؟ حالاں کہ ہمارے ساتھ نہیں ہیں، فرمایا: کچھ مجبوریاں تھیں جنھوں نے ہمارے ساتھ نہ آنے دیا مگر صدق نیت کی بنا پر ثواب میں شرک ہوں گے" ؎

جہاد کی راہ میں سفر کی صعوبتیں برداشت کرنا، گھر بار و اہل وعیال کو چھوڑ کر اعداء دین کے مقابلہ کے لئے جانا بڑی ہمت کا کام ہے، اس میں جواں مردی و بہادری سے اعلاء کلمۃ الحق کی خاطر کبھی جان کی بازی لگانی پڑتی ہے، بھوکا و پیاسا رہنا پڑتا ہے، یہ سب اعمال خیر مجاہدین اسلام جذبہ شوق شہادت سے سرشار ہو کر انجام دیتے ہیں، اس لئے خدائے رحیم وکریم ان کو اپنی رحمت بے پایاں سے اجر وثواب سے سربلند فرماتا ہے، لیکن وہ مسلمان جو اپنے گھروں میں بیٹھے رہیں اور جہاد کے اعمال حسنہ میں شرکت نہ کریں وہ بھی مجاہدین اسلام کے مساوی اجر وثواب کے حقدار ہیں، عقلا سمجھ میں یہ بات نہیں آتی، یہی وجہ ہے کہ جب حضور ﷺ نے غزوہ تبوک میں نہ شریک ہونے والوں کو شریک ہونے والوں کے برابر ثواب کی خوش خبری سنائی تو وہ صحابہ کرام جو آپ کے ہمراہ تھے حیرت واستعجاب میں پڑ گئے، اور انھوں نے دریافت کیا یارسول اللہ گھروں میں بیٹھنے والے لوگ ثواب میں ہمارے برابر ہوگئے؟ جواب میں رحمت عالم ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ کچھ مجبوریاں تھیں جن کی بنا پر وہ ہمارے ساتھ سفر میں نہ آسکے وہ اپنی صدق نیت کے سبب فوائد حاصل کریں گے۔

اس واقعہ کو بطور مثال پیش کر کے حضرت صدرالعلماء رحمۃ اللہ علیہ نے اپنے اس دعوی کو مدلل ومبرہن کیا ہے کہ انسان کو حسن نیت کا اجر ضرور ملتا ہے اگر چہ اس کے مطابق عمل صالح کا ظہور نہ ہو۔

(ج) حضور ﷺ نے ارشاد فرمایا جس شخص نے خوشبو کا استعمال نیت صادقہ سے کیا تو روز قیامت اس کی خوشبو مشک سے بہتر ہوگی، اور جس نے نیت فاسدہ سے خوشبو کا استعمال کیا تو قیامت کے دن اس کی بدبو مردار سے بدتر ہوگی۔

ایک شخص نے خوشبو کا استعمال نماز پنجگانہ، نماز عیدین وجمعہ کی ادائیگی کی نیت سے کیا تو اس کی خوشبو اس دنیا میں دل ودماغ کو معطر رکھتی ہے، اور اس کو سرور وانبساط محسوس ہوتا ہے اور آخرت میں اس کی حسن نیت کی بنا پر یہ خوشبو دوبالا ہو کر مشک کی خوشبو سے بہتر ہوگی، اسی طرح اگر کسی شخص نے بری نیت سے خوشبو کا استعمال کیا، مثلا اپنے جنسی ذوق کی تسکین کے ارادے سے کیا اور اسکے پیش نظر یہ رہا کہ اپنی دلفریبی ومحبوبیت بڑھا کر محرمات شرعیہ کو اپنی طرف مائل کرے گا، تو اس دنیا میں اس نے اپنی خوشبو سے اپنے لباس کو ضرور معطر کر لیا اور اس سے یک گونہ سرور وراحت محسوس کی، لیکن آخرت میں برے ارادے کی یہ خوشبو مردار کی بدبو سے بدتر ہو جائے گی جس سے وہ عذاب الیم میں گرفتار ہو جائے گا۔

ملاحظہ فرمایئے! دو آدمیوں نے خوشبو استعمال کی، ایک نے حسن نیت اور اچھے ارادے سے دوسرے نے بری نیت اور ذوق لطیف کو محض تسکین دینے کے لئے استعمال کیا، دونوں کا عمل یکساں ہے مگر تفاوت نیت کے باعث قیامت میں ایک شخص اپنی ابدی حیات میں مسرور وشاداں رہے گا دوسرا شخص مردار سے بدتر بدبو سے گرفتار آلام ہوگا۔

اس حدیث پاک سے حضرت صدر العلماء رحمۃ اللہ علیہ نے بہت اچھی طرح حسن نیت کے فوائد وثمرات کیا مرتب ہوتے ہیں واضح کردیا، اور بری نیت اور فاسد ارادے کے کیا نقصانات اور کیا مضرتیں پہونچتی ہیں اس کے بیان میں کوئی کسر اٹھا نہیں رکھی، یہ سب حدیثیں "انما الاعمال بالنیات" والی حدیث کی بہترین شرح ہیں۔ جس طرح سے یہ کہا جاتا ہے کہ قرآن بعض بعض کی تفسیر کرتا ہے اسی طرح یہ بھی کہنا صحیح ہوا کہ بعض احادیث مجمل حدیثوں کے ابہام واجمال کو دور کردیتی ہیں اوران کی ایسی وضاحت ہوتی ہے کہ اس کا کوئی گوشہ ابہام کے پردہ میں چھپا نہیں رہتا ہے، غالباً اسی امر کی طرف ہمارے ممدوح مکرم نے ارباب علم کو مائل کرنے کی کوشش کی ہے وہ اس میں اتنے کامیاب ہوئے کہ زبان قلم کو یارائے سخن نہیں کہ وہ اس کو مکمل طور سے بیان کرسکے

عالمانہ اسلوب بیان کی ایک جھلک

اس حدیث پاک پر فیض الباری کے مصنف نے کمال علمی اور اپنی خودی کے اظہار کے لئے متکبرانہ انداز بیان میں بحث کرتے ہوئے ایسی فحش غلطی کر ڈالی جو سراسر ضلالت وگمراہی کی طرف لیجانے والی ہے وہ بڑے طنطنہ کے ساتھ تحریر فرماتے ہیں کہ:

ثم ما المراد بقوله ما نوی هل المراد منه الغاية والثمرة او عين ما نوى الاظهر عندى هو الثانی فكل يجد فی اخرته عين عمله وعين ما ينوبه فی دنيا ه" ۱ ؎

پھر حضور علیہ السلام کے ارشاد گرامی (مانوی) سے کیا مراد ہے، کیا اس سے مراد غایت وثمرہ ہے؟ یا بالکل وہی چیز جس کی اس نے نیت کی، میرے نزدیک زیادہ ظاہر ثانی ہے، چنانچہ ہر شخص آخرت میں عین عمل پائیگا یا وہ چیز جس کی نیت دنیا میں کی اس کا عین پائیگا۔

فیض الباری کے مصنف کو اپنی حدیث دانی پر فخر غرور نفس کی حد تک ہے، وہ خود فریبی کی مہلک بیماری میں مبتلا رہ کر اپنی بدذوقی کا ثبوت دیتے ہوئے لکھتے ہیں کہ

ولهذه الدقيقة ورد الجزاء بعين الفاظ الشرط والناس لما لم ينتقل اذها نهم اليه شمرو اللجواب عن اتحاد الشرط والجزاء مع ان فی الحديث اذان من الله ورسوله الى من هاجر اليهما فی الدنيا انه يجد هجرته تلك بعينها فی الاخرة ومن هاجر الى دنيا و امراة لا يجدها الا تلك "۲ ؎

اس باریک بات کی وجہ سے شرط کے الفاظ عین جزاء سے ہیں اور لوگوں کا ذہن جب اس کی طرف منتقل نہیں ہوا تو انہوں نے شرط وجزاء کے اتحاد کے جواب کے لئے بڑی جدوجہد کی، حالانکہ اللہ اور اس کے رسول کی جانب سے حدیث میں اعلان ہے جس نے اللہ اور اس کے رسول کی طرف دنیا میں ہجرت کی تو آخرت میں بعینہ اسی کو پائیگا اور جس نے دنیا یا عورت کی طرف ہجرت کی وہ اسی کو پائیگا۔

اللہ اور اس کے رسول کی خوشنودی کے لئے ہجرت ایک کار ثواب ہے، اس ہجرت کو آخرت میں پائیگا

مصنف کے نزدیک اس کا مطلب یہ نہیں ہے کہ اس کام کے اجر وثواب کا حقدار ہوگا، وہ اس کی دلیل میں قرآن شریف کی آیت کریمہ کا ایک فقرہ پیش کرتے ہیں ''ووجد اما عملو حاضرا ''لوگ اپنے اعمال کو حاضر پائیں گے، ان کے نزدیک مطلب یہ ہے کہ دنیا میں جوانہوں نے کار خیر انجام دیئے، اس کو اپنے روبرو حاضر پائیں گے پھر نکتہ آفرینی کرتے ہوئے کہتے ہیں یہ ایسی حقیقت ہے جسے لوگ غافل ہوگئے اور انہوں نے یہ سمجھ لیا کہ اس دار فانی میں اعمال ہیں اور آخرت میں اس کے نتائج وثمرات۔ یہ ان کی غلط فہمی ہے جس کی وجہ سے مسئلہ تقدیر دشوار ہو گیا۔ اور لوگوں کے سمجھ میں نہ آیا کہ جب اعمال اللہ کے قدرت دینے اور اس کی تقدیر سے وجود میں آتے ہیں تو ان کے اوپر جزاء کا مرتب ہونا ظاہر نہیں ہے۔

اس بیان سے واضح ہو رہا ہے کہ دیو بند کے مولانا اس خیال فاسد میں مبتلا ہیں کہ جو کچھ انہوں نے سمجھا ہے وہی درست ہے اور متقدمین سے لیکر متاخرین تک جتنے شراح حدیث گزرے ہیں اس اہم نکتہ تک ان کی رسائی نہ ہو پائی، اس لئے طرح طرح کے تاویلوں اور توضیحوں کی وادی میں سرگشتہ پھرتے رہے تاہم ان بیچاروں نے مسئلہ تقدیر کی گتھیوں کے سلجھانے میں اپنی ناکامی کا ثبوت دیا، اور ان پر یہ راز کھل نہ سکا کہ جب اللہ کی قدرت دینے اور اس کے مقدر کرنے سے اعمال ظاہر ہوتے ہیں تو ان پر سزاء یا جزاء کے کیا معنی ہیں اور میں نے اس کا حل پیش کر دیا ہے۔ اس حدیث کے بارے میں اگر ان کی خامہ فرسائی کو ذہن میں رکھا جائے یا اس کا جائزہ لیا جائے تو حسب ذیل امور ہمارے سامنے آتے ہیں:

(الف) انسان دنیا میں جو کچھ کرے گا وہی اس کو آخرت میں ملے گا، اگر نیک کام کیا ہے تو نیک کام ملے گا، برے کام کئے ہیں تو وہی برا کام ملیگا یعنی اعمال کا بدلہ وصلہ وسزا نہیں ملے گی بلکہ نماز ملے گی اور چوری ملے گی۔

(ب) فیض الباری کے مصنف کے نزدیک یہ اتنی باریک بات ہے کہ علماء اسلام اس کو نہ سمجھ سکے۔

(ج) اور اس کے فہم سے قاصر رہنے کی وجہ سے علماء اور محققین مسئلہ تقدیر میں الجھ گئے اور اس کا کوئی معقول حل پیش نہ کر سکے

حضرت علامہ صدر العلماء رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے ان عنوانات واباطیل کا جواب اپنے عالمانہ اسلوب بیان سے دیا ہے پہلے انہوں نے فیض الباری کے مصنف کی سوء فہمی اور ان کی بد ذوقی کو ایک حسین تمثیل کے ذریعہ اجاگر کیا ہے وہ رقمطراز ہیں کہ:

فمثلہ کمثل الصفراوی وجد السکر مرا بفساد الذائقة فجعل یقول ان السکر من فی نفس الامر وھذہ حقیقة غفل عنھا الناس الی الآن ولم یلتفت الی فساد ذوقه ۱ے

چنانچہ اس کی حالت پت میں مبتلا آدمی کی طرح ہے جس نے شکر کو ذوق کے خراب ہونے کی وجہ سے

تلخ محسوس کیا پھر وہ کہنے لگا کہ واقعی شکر کی اس حقیقت سے لوگ اب تک غافل رہے اور اس نے یہ توجہ نہ کی کہ اس کا ذائقہ خراب ہے۔

حضرت صدر العلماء رحمۃ اللہ علیہ نے فیض الباری کے مصنف کا رد بلیغ فرمایا، آپ نے فرمایا کہ پہلی بات یہ ہے کہ ارشاد ربانی " ووجدو اما عملو احاضرا " کے عین اعمال کے وجدان پر جو دلیل پیش کی گئی ہے وہ تفسیر کی طرف نہ رجوع کرنے اور غلط فہمی پر مبنی ہے، اس لئے کہ مراد وجدان عمل سے یہ ہے کہ نامہائے اعمال میں وہ لکھے رہیں گے جن کو ان کے روبرو پیش کیا جائے گا۔ یا مراد اعمال کا بدلہ وجزا ہے۔ قاضی بیضاوی نے فرمایا " مکتو بافی المصحف " یعنی لوگ اپنے اعمال کو نامہائے اعمال میں لکھا ہوا پائیں گے اور تمہارا رب کسی پر ظلم نہیں کریگا کہ جو کچھ اس نے نہیں کیا ہے اس کو بھی لکھ دے، یا اس کے عمل کی سزا میں زیادتی کردے۔

اس تفسیر کو تفسیر ابوالسعود میں بھی ذکر کیا گیا ہے اور مولوی بدر عالم نے جو بکواس کی ہے مفسرین کرام میں سے شاید ہی کوئی اس کی طرف گیا ہو اور کیسے ہو سکتا ہے وہ اساطین اسلام صاحبان عقل ودانش تھے اور یہ ایک قسم کا جنون ہے۔

اور دوسری بات یہ ہے کہ اگر فیض الباری کے مؤلف کے قول کو تسلیم کر لیا جائے کہ اللہ ورسول کی خوشنودی کی خاطر ہجرت کرنا اور اس پر آخرت میں عین ہجرت کا پانا مراد ہے تو اس دعویٰ پر دلیل " ووجد وا ما عملو حاضرا " کو پیش کرنا درست نہیں ہے، کیونکہ ما عملو (جو کچھ عمل کیا) سے مراد سیئات ہیں اس لئے کہ آیت کریمہ کافروں اور مجرموں کے بارے میں نازل ہوئی ہے، ارشاد فرمایا گیا "وضع الکتاب فتری المجرمین مشفقین مما فیه الخ " پھر آیت کے آخر میں فرمایا گیا " ووجدو اماعملو حاضرا " اس سے واضح ہوا کہ ما عملوا سے مراد سیئات ہیں اس لئے اس آیت سے عین ہجرت کے پالینے پر دلیل پیش کرنا درست نہیں ہے۔

تیسری بات یہ ہے کہ عین اعمال کا آخرت میں پالینے کا کیا مفہوم ہے کاشکہ سمجھ میں آنے والی بات ہوتی، کیا اس کا مطلب یہ ہے کہ آخرت میں وہ شخص نماز پڑھیگا جس نے دنیا میں نماز پڑھی؟ کیا وہ شخص زکوۃ دے گا جس نے دنیا میں زکوۃ ادا کی؟ اور وہ روزہ رکھے گا جس نے دنیا میں روزہ رکھا؟ اور حج کرے گا جس نے یہاں حج کیا؟ اور عمرہ کریگا جس نے وہاں عمرہ کیا؟ اسی طرح تمام حسنات کے بارے میں کہا جائے گا۔ اور کیا آخرت میں جھوٹ بولے گا جس نے دنیا میں جھوٹ بولا تھا؟ اور دنیا میں شراب پینے ولا آخرت میں شراب پئے گا؟ دنیا میں بدکاری کرنے والا آخرت میں بدکاری کرے گا؟ جس نے دنیا میں چوری کی تھی وہ آخرت میں چوری کرے گا؟ اور جس نے یہاں جوا کھیلا تھا وہاں بھی جوا کھیلے گا؟ ایسے ہی تمام سیئات کے بارے میں کہا جائیگا۔ اس صورت میں دار آخرت دار تکلیف وعصیان میں بدل جائیگا، اہل علم میں سے کوئی شخص اس نظریہ کا قائل نہیں ہے۔

یا اس کا مطلب یہ ہے کہ اعمال مختلف شکلوں اور صورتوں میں بدل جائیں گے، نیکی کی شکل میں کچھ ہو گی بدی کی صورت میں کچھ، اس بارے میں حدیث وارد ہوئی ہے اور یہ اس لئے ہوگا کہ اعمال اعراض ہیں جواہر نہیں، تو قیامت تک وہ باقی نہیں رہ سکتے بلکہ ایک آن میں پیدا ہوتے ہیں اور دوسرے آن میں فنا کے گھاٹ اتر جاتے ہیں، یہی مسلک متکلمین کا ہے جب یہ مطلب مراد لیا جائے تو عین ہونا باقی نہ رہے گا جو مولانا بدر عالم کے افتخار کا دارو مدار ہے، اور جس سے بڑے بڑے علمائے کی بارگاہ میں عیب جوئی کا جذبہ پیدا ہوا (معاذ اللہ) کہ میں نے ایک اہم نکتہ پیش کیا جہاں تک علماء اسلام کے ذہنوں کی رسائی نہ ہو پائی۔

آفتاب ہند حضرت صدر العلماء رحمۃ اللہ علیہ نے فیض الباری کے مصنف کی گھیرابندی اور انکا چاروں طرف سے محاصرہ عالمانہ انداز میں اس طرح کیا ہے کہ ان کے بچ نکلنے کی یا راہ فرار اختیار کرنے کی کوئی تدبیر نہ رہ گئی، علاوہ اس کے مؤلف مذکور نے ٹوٹی پھوٹی یا ناقص عربی زبان استعمال کی تھی لیکن ہمارے علامہ نے ان کے بالمقابل فصیح عربی زبان استعمال کی اور متاخرین کا وہ طرز بیان اپنایا جس میں علمی استدلال کا پہلو نمایاں ہے کہ بحث کے جتنے گوشے ہوں یا جتنے احتمال ممکن ہوں ان سب کا حق ادا کیا جائے، اور کوئی ایسا پہلو نہ چھوڑا جائے جس میں قارئین کو اپنی تشنہ لبی کا احساس پیدا ہو کہ یہ علماء متاخرین کی خصوصیت تھی، عہد جدید میں تقریباً یہ مفقود ہو چکی ہے اس سے حضرت صدر العلماء رحمۃ اللہ علیہ آفتاب ہند کے اسلوب بیان کی ایک جھلک آپ دیکھ سکتے ہیں، ساتھ ہی ان کے علمی مقام کا ایک پیکر جمیل یا حسین مرقع نگاہوں کے سامنے آجاتا ہے کہ جدھر دیکھو علم کا دریا بہہ رہا ہے اور اس کا سیلاب کسی طرح رکنے کا نام نہیں لیتا اور اس کا بہاؤ ختم نہیں سکتا جب تک کہ گنگا و جمنا کی روانی باقی ہے۔

عبداللہ خاں عزیزی

(روناہی)

بسم اللہ الرحمن الرحیم

محب مکرم ومحترم مولانا وبالفضل اولٰنا محمد ایوب صاحب زیدت معالیکم

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ........................ دعوات وافرہ

خدائے بے نیاز کا شکر ہے کہ الجامعۃ الاسلامیہ روناہی کی خدمت کے لائق ہوں جب کہ ہائی بلڈ پریشر تنفس وغیرہ کے عوارض سے کبھی کبھی اذیت میں مبتلا ہو جاتا ہوں اور دعاء کرتا ہوں کہ رب قدیر آپ تمام حضرات کو صحت وعافیت کے ساتھ رکھ کر مراتب بلند فرمائے اور دین اسلام کا مخلص خادم بنائے آمین ثم آمین

موسم گرما کی تعطیل کے باعث یہاں سے مکان چلا گیا تھا جو تقریباً دو سو کیلومیٹر کے فاصلہ پر ہے، وہیں فوٹو لے کر حضرت صدر العلماء رحمۃ اللہ علیہ کے بارے میں مقالہ آپ کے پاس ارسال کیا۔ اگر چہ مسودہ

میں حوالے درج تھے۔لیکن ہمارے معاون مولوی محمد جنید صاحب نے مبیضہ میں کچھ حوالوں کو درج نہیں کیا ہے ،میں آپ کے پاس صفحہ نمبر کے ساتھ تمام حوالوں کو لکھ کر ارسال کر رہا ہوں امید کہ آپ حواشی ذیلی میں لکھنے کی زحمت گوارا فرمائیں گے۔وہ حسب ذیل ہیں:

مبیضہ صفحہ نمبر ا ا؎ حیات مخدوم الاولیاء ص ۳۸۷

ایضا ۶ ا؎ دیباچہ البشیر اکامل ص ۲۹

مبیضہ صفحہ نمبر ۵ ا؎ حیات مخدوم الاولیاء اور ماہنامہ اعلیٰ حضرت صد سالہ منظر اسلام نمبر اور نزہۃ القاری سے حضرت صدر العلماء کا مختصر سوانحی خاکہ معقول ہے،صرف چند فقروں اور جملوں کو ترمیم کیا گیا ہے۔نوٹ:اس عبارت کو تیسری سطر کے اختتام پر نمبر ایک ڈال کر حاشیہ ذیل میں درج فرمائیں۔

میں نے بھرپور کوشش کی ہے کہ میری فکری کاوش اعتدال کی راہ پر گامزن رہے تاہم حضرت صدر العلما رحمۃ اللہ علیہ کا علمی مقام ارباب علم واہل دانش کی نظر میں پوشیدہ نہ رہے۔میں اس سلسلہ میں کتنا کامیاب ہوں اس کا فیصلہ اہل بصیرت پر چھوڑتا ہوں اس بات کی خوشی ہے کہ ایک نادر روزگار ہستی کے بارے میں خامہ فرسائی کر کے نیاز کیشوں کے زمرہ میں داخل ہو گیا ہوں،اگر مقالہ میں کوئی خامی نظر آئے تو اس کی ذمہ داری میرے سر ہوگی اور آفتاب ہند کا دامن اقدس اس سے پاک وصاف ہوگا،آپ کو پورا حق ہے کہ اس میں ترمیم و تنسیخ کریں البتہ استصواب رائے مناسب ہوگا۔

الحمد للہ خرابی صحت کے باوجود تفسیر مدارک التنزیل کی شرح پر مری نگاہ مرکوز ہے سورہ کہف سے یہ شرح لکھی جارہی ہے کیونکہ یہاں کے سنی اداروں کے نصاب تعلیم میں سورہ کہف سے چند پارے شامل کئے گئے ہیں ۔یہ کتاب تفسیر کی کتابوں میں اس خصوصیت کی حامل ہے کہ اس کے مصنف علام حضرت ابوالبرکات علامہ نسفی رحمۃ اللہ علیہ مسلکا حنفی ہیں۔اوران کے عقائد ونظریات اسلاف کے عقائد کے مطابق ہیں،یہ زمخشری کی طرح حنفی ہوتے ہوئے معتزلی نہیں ہیں۔بلکہ اعتزال کی مکمل تردید کرتے ہیں اس لئے اس کتاب مستطاب کی شرح پر میری توجہ مبذول ہوئی،آپ حضرات دعاء فرماتے رہیں کہ خدائے برتر وتوانا اپنے محبوب بندوں کے صدقہ وطفیل میں دین اسلام کی یہ خدمت حسن وخوبی کے ساتھ انجام دینے کی توفیق مرحمت فرمائے آمین ثم آمین۔

بقیہ سب خیریت ہے۔حضرت مولانا محمد اقبال صاحب قادری مصباحی ودیگر علماء کرام واحباب اہل سنت کو جو پرسان حال ہو ان کو میری طرف سے درجہ بدرجہ سلام ودعاء پیش کریں۔فقط والسلام

دعا گو دعا جواب

عبداللہ خاں عزیزی

خادم الجامعۃ الاسلامیہ روناہی فیض آباد یوپی انڈیا ۲۲۴۱۸۲

۱؎ البشیر الکامل ص ۱۲　　۲؎ البشیر الکامل ص ۷ دیباچہ

حاشیہ ۱؎ دیباچہ البشیر الکامل ص ۲۹

۱؎ مقدمہ نزہۃ القاری ص ۶ و ۷

۱؎ بشیر القاری ص ۵۷　۲؎ ایضاً

۱؎ بشیر القاری ص ۳۲　　۲؎ ایضا ص ۳۲

۱؎ بشیر القاری ص ۳۳

۱؎ دیباچہ بشیر القاری ص ۱۰ تا ۱۱/۱۲

۱؎ سیرت النبی ﷺ جلد اول دیباچہ طبع چہارم صفحہ ۴

بسم اللہ الرحمن الرحیم

صدر العلماء کی تصنیفات کا تعارف وتبصرہ

حضرت مولانا پروفیسر محمد غلام عبدالحق صاحب

ریسرچ اسکالر، بین الاقوامی اسلامی یونیورسٹی (اسلام آباد، پاکستان)

البشیر شرح نحو میر

امام النحو صدر العلماء الحاج غلام جیلانی میرٹھی علیہ الرحمہ کی تالیف فرمودہ نحو میر کی شرح ہے، نحو میر جس کے مصنف علی بن محمد بن علی جرجانی ہیں جنہیں السید الشریف، السید السند اور سند المحققین جیسے اعلی القاب سے یاد کیا جاتا ہے۔ نحو میر، فن نحو کی وہ متداول معروف کتاب ہے جو درس نظامی کا لازمی حصہ ہے، اہلسنت کے علاوہ دیوبندی مدارس میں بھی اس کو پڑھایا جاتا ہے، اس وقت البشیر شرح نحو میر کا جو نسخہ میرے ہاتھ میں ہے میرے محترم ومکرم العلام مولانا محمد ایوب اشرفی خطیب اعظم جامع مسجد نور الاسلام بولٹن یوکے، کا عطا فرمودہ محمدی کتب خانہ اندر قلعہ چاٹگام بنگلہ دیش کا طبع شدہ چھوٹی تقطیع کے ۲۸۴ صفحات پر مشتمل ہے کتاب کے آخر میں شارح کا نام اور تاریخ تالیف اس طرح درج کی ہے:

تمام شد بتوفیقہ تعالی وعونہ۔

فقیر سید غلام جیلانی صدر المدرسین مدرسہ اسلامی عربی اندر کوٹ میرٹھ۔

۱۶ محرم الحرام ۱۳۹۸ھ مطابق ۲۸ دسمبر ۱۹۷۷ یوم چہارم شنبہ

یہ کتاب حضرت میرٹھی علیہ الرحمہ کو مملکت علم نحو کے بے تاج بادشاہ ہونے کی شہادت پیش کرتی ہے، آپ نے اس کتاب میں بطور خصوصی دیوبندی مکتب فکر کے اساتذہ کی نحوی اغلاط کی پول کھولی ہے۔ نحو میر کی ترکیب واضح کی ہے اور مدرس دار العلوم دیوبند کی لکھی گئی نحو میر کی شرح المصباح المنیر، اور عمر احمد تھانوی کی لکھی گئی شرح، مہر منیر، کی اغلاط پر مشتمل ۲۶۰ تنبیہات سے اہل علم اور متعلمین کو آگاہ کیا ہے۔

شارح علیہ الرحمہ نے تنبیہ نمبر ۱، ۲، کے تحت المصباح المنیر، ومہر منیر، کے حوالہ سے بسم اللہ الرحمٰن الرحیم، پر نہایت ہی عمدہ دقیق بحث فرمائی ہے۔

پہلی غلطی:

دونوں کتابوں کے مولفین نے بسم اللہ شریف کا ترجمہ کرتے وقت ایک غلطی تو یہ کی ہے کے الرحمٰن الر حیم کے خواہ مخواہ بلا جواز 'واو کا اضافہ کیا ہے اور یوں ترجمہ کیا ہے' شروع کرتا ہوں میں اللہ کے نام سے جو بہت مہر بان اور نہایت رحم والے ہیں' (المصباح المنیر)اور مہرمنیر مین الفاظ یوں ہے'' اللہ کے نام سے مدد طلب کر تے ہوئے جو بڑا ہی مہربان اور رحم کرنے والا ہے''

ترجمہ کرتے وقت دونوں حضرات نے لفظ'' اور'' بڑھایا ہے (مہربان اور رحم کرنے والا) جب کہ رحمٰن اور رحیم کے درمیان میں عربی کا لفظ واو نہیں ہے جب کہ اللہ تعالی کے کلام میں تغیر وتبدل کرتے ہوئے کچھ اضافہ کرنا قطعاً جائز نہیں۔

دوسری غلطی:

کتاب المصباح المنیر میں ترجمہ کا اختتام لفظ' ہیں' پر کیا گیا ہے اور کتاب'' مہرمنیر'' میں یہ اختتام لفظ '' ہے'' پر کیا گیا ہے اور عربی قواعد کے مطابق بسم اللہ الرحمٰن الرحیم کے ترجمہ میں دونوں لفظ یعنی' ہیں' اور' ہے' کا استعمال بالکل غلط ہے، اور معنی کو بدل کر رکھ دیتا ہے، اس لئے کے دونوں لفظ نسبت تامہ کو ظاہر کرتے ہیں جبکہ یہا ں نسبت تامہ نہیں بلکہ نسبت ناقصہ ہے۔'' الرحمٰن الرحیم'''' اللہ'' کی صفتیں ہیں، عربی قواعد کے مطابق یہ مرکب تو صیفی ہے، موصوف صفت کے ساتھ ملکر مرکب توصیفی بنتا ہے، مرکب توصیفی مرکب تام نہیں ہوتا بلکہ ناقص ہوتا ہے، اور ان میں نسبت ناقصہ ہوتی ہے۔'' ہیں'' اور' ہے' کا لفظ استعمال کرنے سے اس کو گویا کے مبتداء خبر بنا کر مر کب تام اور جملہ تامہ بنادیا گیا ہے، بڑی بات یہ کے علم نحو یعنی (ARBIC GRAMMER) کے استاد ہو کر فن نحو کی کتاب میں اس طرح کی غلطی کرے تو اس کو استاد نہیں مانا جا سکتا بلکہ لائق شاگرد بھی قرار نہیں دیا جا سکتا، یہی کہا جا سکتا ہے کے یہ شخص علم نحو کا بہت ہی نالائق شاگرد (STUDENT) ہے یہی غلطی آگے الحمد للہ رب العلمین ، کا ترجمہ کرتے وقت کی گئی ہے کہا گیا ہے؛ تمام تعریفیں اللہ ہی کے لئے ہیں جو تمام جہانوں کے پالنے والے ہیں، یعنی پھر یہاں '' پالنے والے ہیں'' کہہ کر گرامر کی سنگین غلطی کا ارتکاب کیا گیا ہے یعنی یہاں پر اللہ موصوف (ADESCRIBED) ہے اور رب العلمین اس کی صفت (DESCRIPTION) ہے مگر ترجمہ میں لفظ' ہیں' استعمال کر کے 'اللہ کو مبتداء (begning) اور رب العلمیں کو خبر (information) بنادیا ہے، پھر یہی کہا جا سکتا ہے کہ ایسا کرنے والا تو لائق شاگرد بھی نہیں کہلا سکتا۔

تیسری غلطی:

اللہ تعالی جو واحد حقیقی ہے اس کا کوئی شریک نہیں یا اس کا کوئی دوسرا یعنی جوڑا نہیں ہوسکتا، مگر ان حضرات نے اس واحد حقیقی کیلئے جمع کا صیغہ (mould) استعمال کیا ہے بسم اللہ کے ترجمہ میں بھی (جو بڑے مہربان نہایت رحم والے ہیں) کہا گیا ہے اور پھر الحمد لله رب العلمین کے ترجمہ میں بھی (جو تمام جہانوں کے پالنے والے ہیں) قرآن کی تعلیم یہی ہے کہ اللہ تعالی واحد حقیقی ہے اس کے لئے واحد کا صیغہ استعمال کیا جائے مثلاً سورہ فاتحہ میں ’ ایاك نعبد وایاك نستعین “ میں خطاب کی ضمیر ’ک‘ واحد لائی گئی ہے اور ” اهدنا ‘ میں بھی ’اهد‘ صیغہ واحد لایا گیا ہے۔ اہل ایمان کو یہی سکھلایا گیا ہے کہ وہ اللہ جل شانہ کے لئے واحد کا صیغہ استعمال کریں مثلاً ”قل رب زدنی علما “ ہے، حبیب نبی ﷺ کے لئے اے رب میرا علم بڑھا، یہاں بھی لفظ ’ زد‘ کہہ کر واحد کا صیغہ لایا گیا ہے، کہا گیا ہے:

”وان لم تغفر لناوتر حمنا“ دونوں جگہ ”تغفر“ اور ’ترحم‘ واحد کا صیغہ ہے، قرآن بتلاتا ہے کہ حضرت انبیاء علیہم السلام نے بھی رب تعالی کی بارگاہ میں اپنی معروضات کے اندر واحد کا صیغہ استعمال کیا مثلا: آدم علیہ السلام کی مثال گذر چکی کہ ان لم تغفرلنا و ترحمنا میں دونوں صیغہ واحد کے ہیں، حضرت نوح علیہ السلام نے عرض کی ”رب لا تذر “ یہاں ’لا تذر ‘ واحد کا صیغہ ہے۔ حضرت عیسی علیہ السلام کی عرض ہے ’فلما توفیتنی کنت انت الرقیب “ یہاں ’توفیت ‘ بھی واحد ’کنت‘ بھی واحد، ”انت‘ بھی واحد ’الرقیب‘ بھی واحد کا صیغہ ہے۔ ہمارے آقا و مولی ختم المرسلین سید الاولین وآخرین حضرت محمد ﷺ نے بھی اپنی دعاوں میں اللہ جل شانہ کے لئے واحد کا صیغہ استعمال فرمایا ہے، مثلا: ” لا احصی ثناءً علیك کما اثنیت علی نفسك“ فرمایا ہے، اور’ علیك‘ میں ضمیر خطاب واحد ہے، ’اثنیت ‘ میں بھی ضمیر خطاب واحد ہے اور ’ نفسك‘ میں بھی ضمیر خطاب واحد ہے۔

ملائکہ نے جو اللہ تعالی کی بارگاہ میں جو عرضیاں پیش کیں ان کے بارے میں قرآن مجید کا ارشاد ہے: لا علم لنا الا ما علّمتنا۔ یہاں بھی ’علمتنا‘ میں خدائے قدوس کے لئے صیغہ واحد استعمال کیا گیا ہے سارا اسلامی لٹریچر دیکھ لیا جائے، صحابہ وتابعین، تبع تابعین، ائمہ مجتہدین سلف صالحین بلکہ عامۃ المومنین ہر دور میں اللہ جل شانہ کے لئے واحد کا صیغہ استعمال کرتے رہے مگر اب صرف اسی مکتب فکر نے اپنے ترجموں کے اندر خدائے لم یزل واحد حقیقی کے لئے جمع کا صیغہ استعمال کیا جو اسلاف کے طریقہ کے بالکل خلاف ہے۔

قرآن مجید میں صیغہ جمع:

ہوسکتا ہے کوئی شخص قرآن مجید کی وہ آیت بطور دلیل پیش کرے جن مین اللہ تعالی کے لئے جمع کا صیغہ

لایا گیا ہے، مثلاً: سورہ المومنون میں " رب ار جعون " کہا گیا ہے یعنی (ار جعو ا) جمع کا صیغہ رب تعالیٰ کے لئے استعمال کیا گیا ہے، مگر دیکھنے کی بات یہ ہے کہ یہ لفظ کہنے والا کون ہے اس کا کہنے والا کافر ہے اور کافر کا قول شرعی حجت نہیں بن سکتا ہے اور اس کی اتباع نہیں کی جا سکتی ہے جبکہ وہ سارے انبیاء کرام اور علماء اسلام کی سنت وطر یقے سے جدا اور خلاف ہو۔

اگر کہا جائے تعظیم کی خاطر صیغہ جمع استعمال کیا گیا ہے تو سوال پیدا ہوگا کہ انبیاء کرام علیہ الصلوۃ والسلام وملائکہ وامت کے علماؤ صلحا نے واحد کا صیغہ استعمال کر کے اللہ تعالیٰ کی بے ادبی کا ارتکاب کیا ہے؟ خود اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید میں اہل ایمان کو جو تعلیم دی ہے اس میں صیغہ واحد کے ساتھ پکارنے کی تعلیم دی ہے تو کیا رب تعالیٰ نے معاذ اللہ خلاف تعظیم کام کا حکم دیا ہے۔

ایک شبہ کا ازالہ:

اللہ تعالیٰ نے قرآن میں اپنے لئے جمع متکلم کی ضمیر فرمائی ہے جس میں کم فہم لوگوں کو شبہ ہو سکتا ہے کہ اللہ جل شانہ کے لئے جمع کا صیغہ استعمال کرنا جائز ہے۔ مثلاً قرآن مجید میں ہے "و نحن اقر ب الیہ من حبل الو رید" یہاں 'نحن' ضمیر جمع متکلم اللہ تعالیٰ نے اپنے لئے فرمائی ہے، اس شبہ کا ازالہ یہ ہے کہ یہ اور اس جیسے متکلم کے صیغہ صرف جمع کیلئے نہیں بنائے گئے بلکہ واحد اور جمع دونوں کے لئے بنائے گئے ہیں، ایسا واحد جو معزز و معظم ہو اپنے لئے جمع متکلم کا صیغہ واحد متکلم کے معنی و مفہوم کے لئے استعمال کر سکتا ہے، یہ لفظ بنانے والوں نے اسی مقصد کیلئے بنایا ہے لہذا کسی عظمت والے کی طرف سے استعمال کیا گیا، ایسا لفظ صیغہ واحد ہی ہو گا جمع نہیں ہوگا۔ علم نحو کی کتابوں میں اس کی وضاحت کردی گئی ہے جیسا کہ کتاب "ھمع الھوامع" جلد اول میں ہے " الثا نی نحن للمتکلم معظمانفسہ نحو نحن نقص الخ" اس طرح یعنی ضمیر 'نحن' کی طرح ضمیر مر فوع متصل "انا"، اور ضمیر منصوب متصل جیسے "انا اعطینا ک الکو ثر۔ اور 'ایا نا' یہی حکم ضمیر منصوب منفصل ہے کا جیسے خلیفہ وقت کہے 'ایا ناا طیعو ا' اور ضمیر مجرور متصل بھی اسی میں سے ہے جیسے "ثم انا علینا بیا نہ " اور صیغہ فاعلوں جیسے "و انا لہ لحا فظو ن" یہ واحد متکلم معظم کے لئے بھی ہے اور متکلم مع الغیر کے لئے بھی ہے، اگر "و لقد خلقنا السموا ت وا لار ض" میں 'خلقنا' کی ضمیر کو حقیقۃً جمع متکلم قرار دیں تو واقعۃً شرک لازم آئیگا اور ماننا پڑیگا کہ خالق ایک نہیں بلکہ کئی ہیں، لھذا یہاں پر 'نا' کو جمع متکلم نہیں کہا جائے گا بلکہ واحد متکلم معظم کہا جائیگا۔

حضرت علامہ میرٹھی علیہ الرحمہ نے علم النحو کے استاد ہونے کا دعوی رکھنے والوں کی سینکڑوں اغلاط پر گرفت فرمائی ہے، ایسا معلوم ہوتا ہے کہ علم نحو کا خزانہ ایک طشتری میں رکھا حضرت میرٹھی کے سامنے حاضر ہے آپ تنبیہ نمبر ۲۱ میں لکھتے ہیں: "المصباح المنیر میں ضمیر مرفوع متصل مستتر چار شمار کی ہیں (ھو یا ھی ۔انت یاانت، انا یا نحن) جبکہ یہ نہایت ہی غلط ہے، اس لئے کہ یہ ضمائر چودہ ہیں، یہ ایسی غلطی ہے جو علم النحو کا طالب علم

جس نے ابھی پہلا قاعدہ ہی پڑھا ہوایسی غلطی نہیں کرتا ہے، اسی طرح ” قالا“ ضمیر ’ھما‘ کو فاعل کہا ہے جو غلط ہے اور ” نصروا“ میں ضمیر ’ھم‘ کو نائب فاعل بتلایا جبکہ یہ بھی غلط ہے۔

تنبیہ نمبر۱۴۴:

حضرت موصوف نے اس تنبیہ کے تحت المصباح المنیر اور مہر منیر کا حوالہ دیتے ہوئے تحریر فرمایا ہے کہ ان دونوں کتابوں میں اس طرح بتلایا گیا ہے کہ اگر جملہ میں مفعول بہ موجود نہ ہو مگر دیگر مفاعیل موجود ہوں تو جس مفعول کو جی چاہے نائب فاعل بنا کر مرفوع پڑھا جا سکتا ہے، کسی خاص مفعول کی کوئی تخصیص نہیں پھر مثال یوں دی ہے: ”ذھب بزید امام الامیر ذھابا یوم الجمعة“ زید کو جمعہ کے دن امیر کے سامنے اچھی طرح لے جایا گیا۔ کہا گیا ہے کہ اس مثال میں مفعول بہ موجود نہیں ہے البتہ مفعول فیہ (ظرف مکان مفعول مطلق اور دوسرا مفعول فیہ (ظرف مکان) موجود ہیں، اس لئے جس مفعول کو جی چاہے نائب فاعل بنا کر مرفوع پڑھا جا سکتا ہے۔ حضرت علامہ میرٹھی اس پر تبصرہ وتنقید کرتے ہوئے فرماتے ہیں کہ جو کچھ اوپر کہا گیا ہے علم نحو کے اعتبار سے وہ سارا غلط ہے، پہلی بات تو یہ ہے کہ اصولاً جس مفعول کو جی چاہے نائب فاعل بنا کر مرفوع نہیں پڑھ سکتے کیوں کہ مفعول مطلق تاکیدی مفعول لہ اور مفعول معہ کو نائب فاعل نہیں بنایا جا سکتا خود کتاب نحو میر جسکو واضح کیا گیا ہے۔ دوسری بات یعنی دوسری غلطی یہ ہے کہ اس مثال میں مفعول بہ موجود ہے یہ کہنا کہ اس مثال میں مفعول بہ موجود ہی نہیں، جہالت ہے، اس لئے کہ ’بزید‘ میں زید مفعول بہ بالواسطہ ہے جو اس مثال میں نائب فاعل ہے لھذا ایک نائب فاعل کے ہوتے ہوئے دوسرا نائب فاعل نہیں بن سکتا۔

تنبیہ نمبر۱۶۲:

علم نحو کے قواعد کہ مطابق ہر ثلاثی مجرد کے مصدر سے افعال تعجب کے لئے دو صیغے بنتے ہیں پہلا۔ ”ما افعله“ اور دوسرا ’افعل به“ پہلے کی مثال ’ما احسن زیدا‘ (زید کتنا اچھا ہے) اور دوسرے کی مثال ’احسن بزید‘ ’احسن‘ فعل امر ہے جو خبر کے معنی میں ہے اور ’بزید‘ میں با زائد ہے، فعل امر بمعنی خبر ہو تو اپنی اصل میں ماضی ہوتا ہے، اگر ثلاثی مزید رباعی مجرد اور رباعی مزید کے ابواب میں تعجب کا اظہار کرنا ہو تو ان ابواب سے یہ صیغے نہیں آتے بلکہ لفظ ما اشد وغیرہ کے بعد ان ابواب میں کسی کا مصدر منصوب اور مضاف لایا جاتا ہے اور اس طرح تعجب کا معنی ادا کیا جاتا ہے، یہ قواعد اسی کتاب نحو میر میں بھی بیان کئے گئے ہیں مگر مہر منیر کے مصنف نے اسی کتاب نحو میر کی شرح کرتے ہوئے ان قواعد کے خلاف لکھ دیا اور کہا کہ: اگر رنگ اور عیب کہ معنی پائے جائیں تو ثلاثی مجرد سے اور ثلاثی مزید اور رباعی سے بھی تعجب کے لئے مصدر کا صیغہ استعمال کیا جاتا ہے جیسے: ”ما اشد ما اقبح ما اضعف یا ما احسن “ کے بعد بطور مفعول یا کسی حرف کا مجرور بنا کر لایا جاتا ہے۔

حضرت علامہ میرٹھی فرماتے ہیں کہ یہ نحوی قواعد کے خلاف ہے کیونکہ وزن ’افعلہ‘ کی صورت میں

مصدر کو حرف جار کا مجرور بنا کر نہیں لایا جاتا بلکہ وزن ' افعل ' کی صورت ہو تو مصدر کو صرف حرف جار 'با' کا مجرور بنا کر لایا جاتا ہے۔ مہر منیر کے مصنف نے ضابطہ بھی غلط بتلایا ہے اور مثال بھی غلط دی ہے، اس نے مثال دی ہے " ما اقبح من عر جه " اس مثال میں دو غلطیاں ہیں ایک تو یہ کہ 'اقبح' کے بعد 'عر جه' ہونا چاہئے اور دوسری غلطی یہ ہے کہ وزن 'افعل' کے بعد بھی حرف جار 'با' تو آسکتا ہے مگر حرف جار 'من' نہیں آسکتا۔

تنبیہ نمبر ۲۱۹:

علم نحو کی ضرورت اس لئے ہے کہ اس کی وجہ سے قرآن وحدیث کو سمجھنا ممکن اور آسان ہوتا ہے، قرآن مجید کے مراد ی معانی اور حقیقی مفاہیم متعین کرنے میں مدد ملتی ہے، اگر علم نحو پر مکمل عبور نہ ہو تو انسان عالم دین نہیں بن سکتا۔ آیئے غور فرمایئے کہ نعم اور بلی حروف ایجاب میں سے ہیں یعنی دونوں کسی بات کے جواب میں بولے جاسکتے ہیں 'نعم' جملہ خبریہ کے بعد واقع ہوتا ہے یہ جس بات کے جواب میں واقع ہوتا ہے اس بات کا اثبات کرتا ہے اور اس سے کلام سابق کا اقرار ثابت ہوتا ہے، مگر لفظ 'بلی' جملہ منفیہ کے جواب میں آتا ہے خواہ وہ جملہ منفیہ خبریہ ہو یا انشائیہ، یہ لفظ سابقہ جملہ کی نفی کا رد کرتا ہے لہذا لفظ ' نعم' کا ترجمہ تو لفظ 'ہاں' سے کیا جاتا ہے، مگر لفظ 'بلی' کا ترجمہ 'ہاں' نہیں ہوتا ہے جبکہ مہر منیر کے مصنف نے لفظ 'بلی' کا ترجمہ بھی 'ہاں' کر دیا ہے، عربی کے 'نعم' اور اردو کے 'ہاں' سے کلام سابق کا اقرار ہوتا ہے، اگر 'بلی' کا ترجمہ 'ہاں' کر دیا جائے تو قرآن کا معنی الٹ ہو کر رہ جائے گا، مثلاً " الست بر بكم قالوا بلى " (سوال کیا میں تمھارا رب نہیں ہوں؟ کے جواب میں 'بلی' کہا گیا، اب اگر 'بلی' کا معنی 'ہاں' ہو تو رب تعالی کی ربوبت کی نفی کا اقرار واثبات ہو جائیگا، جو غلط ہے بلکہ یہاں لفظ 'بلی' سے رب تعالی کی ربوبت کا اقرار کیا گیا ہے اب دیکھیئے ذرا سی نحوی غلطی سے قرآن کا معنی الٹ کر رہ گیا۔

بہر صورت یہ کتاب علامہ میرٹھی کا شاہکار ہے اور فن نحو پر عمدہ ترین کتاب ہے۔

بشیر القاری بشرح صحیح البخاری

یہ امام النحو صدر العلماء علامہ مفتی الشاہ سید غلام جیلانی کی ایک اور مایہ ناز تصنیف ہے جو حضرت میرٹھی کے جامع العلوم ہونے کا کھلا ثبوت ہے، یہ کتاب بڑی تقطیع کے ۲۴۸ صفحات پر مشتمل ہے، جو خطبہ مشتمل بر صنعت تلمیح، وجہ تالیف، حالات خود بقلم خود، امام بخاری کے حالات، کتب حدیث، اصطلاحات حدیث، اقسام حدیث، پر مشتمل ہے جس کو دیباچہ کہا گیا ہے۔

دیباچہ کے بعد احادیث بخاری کی شرح اس انداز سے کی گئی ہے کہ بہت سارے مضامین کا احاطہ کئے ہوئے۔ ہے جو پڑھنے والے کے لئے نہایت عمدہ اور مفید معلومات کے اضافہ کا سبب بنتی ہے خطبہ میں مولانا امجد علی، مولانا احمد رضا، حضرت آل رسول، مولانا عبد العزیز، مولانا ھدایۃ اللہ اور مولانا فضل حق کے اسماء گرامی بطور تلمیح اس طرح بیان ہوئے ہیں کہ ان بزرگان دین کے اسماء مبارکہ کا بیان بھی ہو گیا ہے کہ خطبہ اپنے معنی کے

اعتبار سے مکمل بطریق احسن کہا گیا ہے۔

مثلا :"الحمدلله الذ ی هو امجد علی "

اب یہاں ایک اعتبار سے مولانا امجد علی کے نام کی یاد تازہ ہوئی ہے اور ساتھ ہی اصل معنی کے اعتبار سے اللہ جل شانہ کی صفات کہ وہ ذات پاک ذومجد ہو کر ماجد وامجد ہے، اور ذوعلو ہو کر علی ہے، بیان ہوئی ہیں۔ انگریزوں نے ہندستانی مسلمانوں کے نظام تعلیم کو مسخ کر کے سرسید کے ذریعے اپنا نظام تعلیم، انداز فکر اور طرز تھذیب کو رائج کیا' حضرت میرٹھی نے اس سلسلے میں حافظ محمد سلیم الدین احمد تسلیم کی ظریفانہ نظم کو دیباچہ میں شامل فرمایا ہے۔

حالات خود بقلم خود کا عنوان دے کر اپنے مختصر حالات زندگی اس طرح بیان کئے ہیں کہ آپ حضرت سیدنا غوث اعظم رضی اللہ تعالی عنہ کی گیارہویں شریف کی برکت سے ۱۱ رمضان المبارک کو پیدا ہوئے۔ مدرسہ انجمن اہل سنت مراد آباد کے مدرسہ میں ابتدائی تعلیم حاصل کی۔ صرف ونحو کے ماہر مولانا عبدالعزیز خاں صاحب فتحپوری کے شاگرد بنے۔ امام المفسرین حضرت مولانا شاہ محمد نعیم الدین مرادآبادی سے بھی شرف تلمذ حاصل کیا۔

۱۹۲۳ء میں مراد آباد سے دار الخیر اجمیر شریف کو سفر اختیار فریا اور دار العلوم معینیہ عثمانیہ میں داخل ہوئے، آٹھ سال مسلسل اعلی درجہ میں کامیابی حاصل کرتے رہے۔ ملاحسن کے تحریری امتحان میں ایسی نمایاں کامیابی حاصل کی کہ چار روپیہ انعامی وظیفہ مقرر ہو گیا، ۱۳۵۱ھ میں اپنے استاذ محترم مولانا محمد امجد علی صاحب صدر المدرسین کے ہمراہ دار العلوم منظر اسلام بریلی میں آ گئے اور یہیں پر تعلیم مکمل فرمائی، تاج المدارس قصبہ جائس ضلع رائے بریلی میں تدریس کا آغاز کیا، ایک سال بعد نواب صدر یار جنگ مولانا حبیب الرحمٰن خان صاحب شیرانی کی دعوت پر دار العلوم جامع نشان کرنال میں فرائض صدارت سنبھالے، حضرت میرٹھی رحمۃ اللہ تعالی علیہ نے دیباچہ میں امام بخاری کے حالات بھی درج فرمائے ہیں، آپکا نام محمد، کنیت ابو عبداللہ اور والد کا نام اسماعیل ہے، ۱۳ شوال ۱۹۴ بمقام بخارا آپکی ولادت ہوئی، تحصیل حدیث کے لئے دور دراز کے سفر اختیار کئے زندگی بھر حدیث شریف کی تدریس کرتے رہے، یکم شوال ۲۵۶ھ کو وصال فرمایا۔

حضرت میرٹھی رحمۃ اللہ تعالی علیہ نے امام بخاری رحمۃ اللہ تعالی علیہ کی خصوصیات خود امام بخاری کے حوالے سے یوں بیان فرمائی ہیں کہ یہ کتاب چھ لاکھ احادیث سے انتخاب کر کے تیار کی گئی ہے، اس کی تصنیف مسجد حرام شریف میں فرمائی، ہر حدیث لکھنے سے پہلے آب زمزم سے غسل فرما کر لکھتے، اس طرح سولہ سال میں یہ کتاب مکمل ہوئی۔

کتب حدیث کی تعریفات کی عنوان سے جامع، سنن، مسند، جزء، مفرد، غریبہ، کا بیان ہے، پھر اقسام حدیث باعتبار نسبت حدیث مرفوع کے اقسام، اقسام حدیث باعتبار ذکر رواۃ، حدیث کی روایت بالمعنی، حدیث

کی اقسام باعتبار صفات راوی وغیرہ جیسے اہم مضامین زیر بحث آتے ہیں ۔

شرح بخاری:

امام بخاری نے اپنی کتاب کا آغاز بسم اللہ سے کیا ہے، بعض حدیثوں میں تسمیہ سے آغاز کا حکم ہے اور بعض دوسری احادیث ایسی ہیں جو حمد سے شروع کرنے کا حکم کرتی ہیں، اس پر حضرت میرٹھی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے تفصیلی بحث کی ہے، شروع میں اس سوال کے اوپر جوابات دیئے ہیں کہ حضرت امام بخاری نے تسمیہ سے آغاز کیوں کیا ہے پھر حدیث تسمیہ اور حدیث تحمید میں رفع تعارض کے وجوہ بیان کرتے ہوئے نہایت ہی محققانہ بحث فرمائی ہے، امام بخاری رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ پر اعتراض ہوتا ہے کہ انہوں نے اپنی کتاب تسمیہ سے شروع کر کے حدیث تحمید کو ترک کر دیا ہے، حضرت میرٹھی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے اس دفع میں کئی نکات بیان کئے ہیں، درود شریف کی بحث میں بارگاہ نبوۃ علی صاحبہا الصلواۃ والسلام میں درود شریف پیش کرنے کہ پانچ طریقے قلمبند فرمائے ہیں اور ثابت کیا ہے کہ آنحضور ﷺ درود شریف خود بھی سنتے ہیں اور انبیاء کرام علیہم السلام کی حیات حقیقی جسمانی ہوتی ہے، حدیث کی شرح کرتے وقت حضرت میرٹھی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے نحو، صرف، تفسیر قرآن، لغت، معانی، بدیع، احکام، اسماء الرجال، تصوف، ادب، وغیرہ علوم وفنون کو مدنظر رکھا ہے نیز بخاری کی ایک شرح ''فیض الباری'' کی گرفت فرمائی ہے، اس میں کوئی شک نہیں کہ کسی نامور اور ایک بہت بڑے حلقہ میں تسلیم شدہ بلکہ ایک بڑے گروہ میں اساتذہ کا استاذ مانا جانے والا شخص، صاحب فیض الباری کی گرفت کرنا خصوصاً علمی فنی اعتبار سے اس کی اغلاط کی نشان دہی کرتے ہوئے ایک مدلل بحث کے ذریعے دلائل وبراہین کی روشنی میں ان اغلاط کو اغلاط ثابت کرنا اور پھر اصل نقطہ نظر واضح کرنا، دنیائے علم فن میں آسان کام نہیں ہے، ایسا کام صرف وہی کر سکتا ہے جس کو رب تعالیٰ نے خصوصی علمی مہارت اور فنی کمالات سے سرفراز فرمایا ہو، بلکہ جو علم لدنی میں وافر حصہ پانے والا ہو، اور یہ خصوصی وصف حضرت علامہ میرٹھی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ میں بدرجہ اتم پایا جاتا ہے، شرح بخاری میں حضرت میرٹھی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے اپنی قوت استدلال سے بے مثل ذہانت وفراست اور وسعت علمی کا بھرپور مظاہرہ فرمایا ہے۔ مثلاً حدیث "انما لاعمال بالنیات" پر بات کرتے ہوئے فرماتے ہیں کہ یہاں تقدیر ضروری ہے ورنہ کلام میں کذب لازم آئیگا کیونکہ یہاں استغراق کو سامنے رکھتے ہوئے کہنا پڑیگا کہ تمام اعمال عبادت بغیر نیت موجود نہیں ہوتے جبکہ ایسا فی الحقیقت نہیں ہے، بہت سے اعمال عبادت بغیر نیت کہ صادر ہوتے ہیں، اگر کسی مناسب چیز کو مقدر نہ مانا جائے تو حدیث پاک میں کذب لازم آئیگا، لہذا التقدیر عبارت یوں ہوگی "انما صحۃ الاعمال بالنیات" یعنی جملہ اعمال عبادت بغیر نیت کے صحیح نہیں ہوتے، لہذا ہر عبادت کی صحت کے لئے نیت واجب ہے، بغیر نیت عبادت صحیح نہیں ہوتی، حضرت میرٹھی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے یہاں پر وضو کو بطور خصوصی بیان کیا ہے اور حنفیوں کا نقطہ نظر دلائل کے ساتھ واضح کر کے بیان کیا ہے کہ اگر بغیر

نیت وضو کیا جائے تو ایسا وضو عبادت نہیں کہلائے گا، اب سوال پیدا ہوتا ہے کہ کیا ایسا وضو نماز کے لئے کافی ہے یا نہیں؟ شوافع حضرات کا خیال ہے کہ ایسے وضو کے ساتھ نماز ادا کرنا جائز نہیں۔ مگر حنفی علماء کہتے ہیں کہ ایسے وضو کے ساتھ ادا کی گئی نماز درست اور جائز ہوتی ہے، احناف کی دلیل یہ ہے کہ وضو نماز کے لئے شرط ہے اور شرط اپنی ذات کے اعتبار سے شرعاً مقصود نہیں ہوتی بلکہ اس کا حصول دوسرے چیز کے لئے ایک وسیلہ ہوتا ہے، لہذا شرط جس طرح بھی حاصل ہو جائے وسیلہ بن جائے گی، سترعورت جس طرح نماز کے لئے شرط ہے اسی طرح وضو بھی شرط ہے، تو جس طرح سترعورت کے لئے نیت ضروری نہیں بلکہ جس طرح بھی سترعورت حاصل ہو جائے نماز کے لئے کافی ہے اسی طرح وضو بھی جس طرح حاصل ہو جائے نماز جائز ہو جائے گی اور شرعاً ایسی کوئی دلیل نہیں ملتی کہ وضو عبادت نماز کے لئے شرط ہے بلکہ صرف وضو کا شرط ہونا ملتا ہے، تیمم کا معاملہ مختلف ہے اس لئے کہ تیمم کی تخصیص دلیل سے ثابت ہے، حضرت میرٹھی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے اس موضوع پر نہایت ہی بسط و تفصیل کے ساتھ بحث کی ہے اور حنفیوں کا نقطہ نظر قوی استدلالات کے ساتھ ثابت کیا ہے، حضرت والا نے اس بحث میں نہایت ہی عمدہ موتی پروئے ہیں، علمی فنی مباحث کے ساتھ ساتھ مفید معلومات فراہم فرمائی ہیں، مثلاً لکھا ہے کہ جو شخص حضرت سیدنا غوث اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے ساتھ اور سلطان الہند خواجہ معین الدین چشتی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے ساتھ نسبت وعقیدت رکھتا ہو اللہ اس کو گناہوں سے توبہ کی توفیق دے گا، اور اس کو جنت میں داخل فرمائے گا۔

حضور سید المرسلین ﷺ کا فرمان ذی شان ہے کہ ایسے لوگوں کی مجلس میں آکر بیٹھنے والا شخص بد بخت نہیں ہوتا، نیت کی بحث میں حضرت مولائے روم رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کی مثنوی شریف کے حوالے سے لکھا ہے کہ مکا ن تعمیر کرنے والے مکان میں کھڑکی رکھتے ہیں تاکہ روشنی اور ہوا اندر آسکے۔ اگر یہ نیت کرلے کہ اس سے اذان کی آواز آئیگی تو اس نیت سے انہیں ثواب ملے گا جبکہ روشنی اور ہوا پھر بھی اس کھڑکی سے آتی رہے گی یعنی صرف نیت درست کرنے سے دنیا کے فائدہ بھی ملتے ہیں اور آخرت کا ثواب بھی ملتا ہے۔

امام اعظم ابوحنیفہ رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے اپنے صاجزادے حضرت حماد رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کو جو نصیحتیں فرمائی تھی ان میں سے یہ بھی تھا کہ حدیث "انما لا عما ل با لنیا ت" اور حدیث "من حسن اسلا م المرء تر که ما لا یعنیه" کو ہمیشہ اپنے ذہن میں رکھنا، فرمایا تھا کہ میں ۵ لاکھ احادیث میں سے یہ حدیثیں تیرے لئے منتخب کی ہے یعنی امام اعظم ابوحنیفہ رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کو پانچ لاکھ حدیثیں یاد تھیں۔ پہلی حدیث کا مطلب ہے ہر کام میں اچھی نیت رکھنا، اور دوسری حدیث کا مطلوب ہے کہ بے معنی اور بے مقصد قسم کے کاموں میں نہ الجھنا۔ اس پر حضرت میرٹھی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے نیت کی بحث کو ختم فرمایا ہے۔

البشیر الکامل بحل شرح مائۃ عامل

مأۃ عامل درس نظامی میں شامل فن نحو کی بالکل ابتدائی کتاب ہے برصغیر پاک و بھارت میں اس کتاب کی تدریس کے لئے مدرسین نحو نے اس کی شروح کا سہارا لیا مگر آسان اردو زبان میں ایسی شرح کی ضرورت تھی جو نحوی مسائل و جزئیات پر محیط بھی ہو اور اس قدر آسان و سلیس زبان میں ہو کہ درس کا اغاز کرنے والے چھوٹے طلباء آسانی کے ساتھ اس سے فائدہ حاصل کر سکیں۔ شرح مائۃ عامل کے نام سے جو کتاب معروف ومشہور ہے اور دینی مدارس میں رائج ہے طلباء کو اس کی ترکیب بھی پڑھائی جاتی ہے، تا کہ شروع ہی سے نحوی قواعد کا استعمال عملی طور پر طلباء کو سکھلایا جا سکے، شرح مائۃ عامل کی اردو تراکیب علماء نے قلمبند فرمائیں مگر ان میں بھی معیار کا فقدان رہا جس کی وجہ سے ترکیب پڑھانے کا اصل مقصد حاصل کرنے میں ناکامی کا سامنا تھا، شرح مائۃ عامل کی ترکیب پڑھانے سے مقصود یہ تھا کہ نحو میر میں پڑھائے گئے مسائل کا عملا اجرا کرایا جائے جس سے ابتدائی طلباء کو مسائل نحو یاد کرنے اور انہیں استعمال کرنے کی پریکٹس ہو جائے۔

حضرت مولانا میرٹھی علیہ الرحمہ نے ۱۳۸۲ھ میں طلباء کو شرح مائۃ عامل پڑھائی تو ساتھ ساتھ اس کی ترکیب لکھاتے گئے اس طرح ایک مکمل کتاب مرتب ہوگئی جو ''البشیر الکامل'' کے نام سے منظر عام پر آئی۔

یہ کتاب چونکہ بالکل مبتدی طلباء کے لئے ہے اس لئے حضرت میرٹھی رحمۃ اللہ تعالٰی علیہ نے استاذانہ وماہرانہ حکمت کے پیش نظر شروع کتاب میں الف لام تعریف کے اقسام بیان نہیں فرمائے نیز نوع اول کی ترکیب میں اجمال رکھا، پھر نوع ثانی کی قدرے تفصیل شروع کی تا کہ مبتدی طالب علم شروع میں بوجھ محسوس نہ کرے۔ آپ نے اس جدید حاشیہ لکھنے کی بجائے مولانا مولوی الٰہی بخش صاحب کے حاشیۂ فارسی کو اردو میں بیان کرنا شروع کیا اور حسب ضرورت وحکمت اس میں حذف مضامین سے کام لیا تو کہیں کثیر مضامین کا اضافہ کر دیا کتاب کا آغاز ''دیباچہ'' سے ہوتا ہے جس میں دیگر کتب کی اغلاط سے باخبر کیا گیا ہے اور آخر میں مائۃ عامل کے مصنف شیخ عبدالقاہر جرجانی کے نہایت اختصار کے ساتھ حالات زندگی درج کئے گئے ہیں اور ساتھ ہی مائۃ عامل کے شارح حضرت مولانا عبدالرحمٰن جامی رحمۃ اللہ علیہ کا ذکر خیر ہے اور وہ قصیدہ مبارکہ درج کیا ہے جس سے حضرت جامی رحمۃ اللہ علیہ کی حاضری مدینہ منورہ کا ایک خصوصی واقعہ منسوب ہے۔

یہ کتاب بڑی تقطیع کے ۲۲۴ صفحات پر حاوی ہے جبکہ دیباچہ کے ۳۲ صفحات اس کے علاوہ ہیں اس کتاب کو جمال پرنٹنگ پریس دھلی نے کتب خانہ سمنانی کے اہتمام سے طبع کیا ہے۔

حضرت میرٹھی علیہ لرحمہ نے کتاب ''ایضاح العوامل'' مصنفہ مولوی ظہور احمد صاحب مدرس درجہ علیا دارالعلوم دیوبند کی بہت ساری غلطیوں کو بیان کیا ہے مثلاً'' من وھی لا بتداء الغایۃ '' کی ترکیب کرتے ہوئے ''من '' کو معطوف علیہ ''و'' کو حرف عطف اور '' ھی '' کو معطوف قرار دیا ہے، علم نحو کے قواعد کی رو سے یہ غلط ہے،

اس لئے کہ عطف اس صورت میں ہوتا ہے جب معطوف علیہ کی جگہ معطوف کو رکھنا درست ہو، یہاں اگر " ھی " کو معطوف علیہ یعنی " مـــن " کے مقام پر رکھا جائے تو اضمار قبل الذکر لازم آتا ہے جو باطل، یعنی معطوف علیہ کو معطوف کی جگہ رکھنا درست نہیں تو عطف بھی درست نہیں حضرت علامہ میرٹھی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ وضاحت کرتے ہئے فرماتے ہیں کہ یہاں من مبتداء اول ہے اور ھی مبتداء ثانی ہے اور واؤ زائدہ ہے۔

بعض غلطیاں ایسی ہوتی ہیں جو بندے کو کفر تک لے جاتی ہیں، اس لئے ضروری ہے کہ جب تک کمال علم حاصل نہ ہو بندہ درس وتدریس نہ کرے اس وجہ سے کہا جاتا ہے کہ "نیم حکیم خطرۂ جان، نیم ملا خطرۂ ایمان" اب ایسی ہی ایک غلطی ملاحظہ فرمائیں" وجعل الجنة مثواه "کی ترکیب میں مصنف ایضاح العوامل نے لکھا ہے کہ جعل افعال قلوب میں سے ہے، یہاں جـعـل میں ضمیر فاعل مستتر کا مرجع اللہ تعالیٰ، اسم جلالت ہے، اور جعل جو افعال قلوب میں سے ہوتا ہے اس کا معنی ہوتا ہے جھوٹا اعتقاد کرنا، یعنی ایسا اعتقاد جو غیر مطابق ہو، جیسے قرآن مجید میں" وجعلو الملائكة الذين هم عبادالرحمن انا ثا "یعنی مشرکوں نے ملائکہ کو مونث اعتقاد کیا جو جھوٹ ہے اور غلط ہے، اور اعتقاد غیر مطابق عیب اور نقص ہے، اب ' جعل الجنة مثواه' کی عبارت میں جعل کو افعال قلوب میں سے قرار دیا جائے تو اللہ تعالیٰ کی شان میں سخت تنقیص اور بے ادبی لازم ہوتی ہے، حالانکہ اردو میں بھی جھوٹی بات کو جعل سازی کہا جاتا ہے اور جھوٹی اصل سے غیر مطابق چیز کو جعلی کہا جاتا ہے پھر بھی مصنف ایضاح العوامل یہ نہ سمجھے کہ یہاں جعل کو افعال قلوب سے قرار دینا ذات حق سبحانہ وتعالیٰ کی شان اقدس میں ایسی تنقیص بن جائیگا جس سے کفر لازم آجائے اس بات کے لئے سید العالمین ﷺ نے تنبیہ کرتے ہوئے فرمایا تھا کہ کبھی بندے سے بے خیالی میں ایسا کلمہ نکل جاتا ہے جس کے سبب وہ بندہ دوزخ میں پڑ جائے۔

حضرت میرٹھی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ فرماتے ہیں کہ یہاں جعل افعال قلوب میں سے نہیں ہے بلکہ افعال تصییر میں سے ہے جو دو مفعولوں کی طرف متعددی ہوتا ہے۔

حیرت ہوتی ہے کہ ایک شخص اتنے بڑے دار العلوم میں علم نحو کا استاذ ہو اور اس کو تذکیر وتانیث کی پہچان میں غلطی سرزد ہو جائے مثلاً ایضاح العوامل کے مصنف عبارت " وقد تكون بمعنى رب " کی ترکیب بیان کرتے ہوئے " بمعنى رب " کو کلمہ " مستعملا " 'مقدر' کے متعلق قرار دیکر اس کو ' تكون' کی خبر بناڈالا ہے حالانکہ " تكون 'صیغہ مونث ہے اور 'مستعملا' مذکر ہے اور بر تقدیر اشتقاق خبر " تكون " کے اسم کے ساتھ خبر کی تانیث میں مطابقت واجب ہے، پھر بالکل اسی طرح" وهى بمعنى مع " کی ترکیب میں 'ھی ' کو مبتدا بتلا کر جار مجرور کا متعلق " مستعمل " مقدر قرار دیا ہے اور یہاں بھی وہی غلطی کی ہے یعنی کلمہ ' مستعمل " مذکر بیان کیا ہے جب کہ مونث کا مقام ہے اور یہی غلطی پھر " وهى للاستثناء " کی ترکیب میں کی ہے اور پھر اسی طرح کی غلطی کا ارتکاب کرتے ہوئے " وهو لا يستعمل الا فى ذوى العقول " کی ترکیب کرتے ہوئے کلمہ

"یستعمل" میں ضمیر "ھی" مستتر بتلائی ہے حالانکہ یستعمل صیغہ مذکر ہے تو اس میں ضمیر مونث کس طرح مستتر ہوسکتی ہے، چونکہ یستعمل مذکر ہے اس لئے اس میں ضمیر مذکر یعنی "ھو" مستتر ہے۔

بعض غلطیوں کو دیکھ کر حیرت ہوتی ہے کہ فن نحو کا استاذ اور مصنف بھی ایسے قواعد نحویہ سے غافل ہوسکتا ہے جو کہ ایک طالب علم سے بھی اس کی توقع کرنا بجا نہیں ہوسکتا، مثلاً "وعلی ھذا القیاس" کی ترکیب میں 'القیاس' کے الف لام کو الف لام عوض تنوین بتلایا ہے جب کہ الف لام تعریف کے لئے ہوتا ہے اور تنوین تنکیر کے لئے ہوتی ہے، چونکہ تعریف وتنکیر باہم متضاد ہیں اس لئے تعریف عوض تنوین کس طرح ہوسکتی ہے، اور الف لام تعریف عوض تنوین کیسے بن سکتا ہے۔ حضرت میرٹھی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ الف لام کبھی اسم ظاہر مضاف الیہ کا عوض ہوتا ہے جیسے قرآن مجید میں ہے "وعلم آدم الاسماء کلھا" یہاں 'الاسماء' کا الف لام المسمیات کے عوض ہے جو مضاف الیہ ہے، یہاں چونکہ مضاف اپنے مضاف الیہ پر دلالت کر رہا ہے اس لئے مضاف الیہ کو حذف کیا گیا ہے اور اس کے عوض مضاف پر الف لام لایا گیا ہے، اور الف لام کبھی ضمیر مضاف الیہ کے عوض بھی ہوتا ہے جیسے قرآن مجید میں ہے "واشتعل الرأس شیبا" یہاں 'الراس' میں الف لام یا ضمیر متکلم کے عوض ہے جو 'راس' کے لئے مضاف الیہ ہے، الف لام کبھی زائدہ ہوتا ہے جیسے اسماء موصولہ پر اور کبھی استفہام کے لئے بھی ہوتا ہے، حضرت علامہ میرٹھی رحمۃ اللہ علیہ نے اس دیباچہ میں کثیر غلطیوں کی نشاندہی فرمائی ہے اور اپنے امام النحو ہونے پر حجت قائم کردی ہے۔

امام النحو حضرت علامہ میرٹھی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے "البشیر الکامل بحل شرح مائۃ عامل" میں ترکیب کے ساتھ چیدہ چیدہ مسائل کی توضیح وتشریح بھی فرمائی ہے۔ ساری کتاب نہایت عمدہ علمی نکات کا مجموعہ ہے جس طرح بادشاہ وقت کے تاج میں اعلیٰ قیمتی ھیرے جواہر جڑے ہوتے ہیں، صرف مثال کے طور پر چند نکات پیش کرتا ہوں۔

بسم اللہ کی توضیح کرتے ہوئے فرماتے ہیں کہ کلام مجید کی اتباع اور حکم حدیث کی تعمیل میں بسم اللہ کے ساتھ ابتدا کی ہے تسمیہ کے ساتھ ابتداء کرنے اور تحمید کے ساتھ ابتداء کرنے میں جو باہمی تعارض پایا جاتا ہے اس کا دفاع یوں کیا جاتا ہے کہ جہاں حدیث میں بسم اللہ کے ساتھ ابتداء کرنے کا حکم ہے وہاں ابتداء سے ابتداء حقیقی یا عرفی مراد لی جاتی ہے۔ اور جہاں حدیث پاک میں اللہ تعالیٰ کی حمد یعنی "تحمید" کے ساتھ ابتدا کرنے کا فرمان ذی شان ہے وہان ابتدا سے مراد ابتدا اضافی یا عرفی مراد ہے۔

اسم جلالت "اللہ" پر بات کرتے ہوئے پہلے سیبویہ کا قول پیش کیا ہے کہ یہ اصل میں "لاہ" ہے جب اس پر الف لام داخل ہوتو علم کے قائم مقام ہوگیا اس طرح یہ لفظ مشتق قرار پائیگا، مگر بعض علماء محققین فرماتے ہیں کہ یہ ایسا علم ہے جس میں واجب تعالیٰ یکتا ہے اس میں کوئی غیر شریک نہیں، قرآن مجید سے یہی پتہ ملتا ہے کہ اس کے نام میں بھی کوئی اور شریک نہیں ہے ارشاد ہوتا ہے "ھل تعلم لہ سمیا" یعنی کیا کوئی اور تمہارے علم میں ہے جس

کا نام بھی 'اللہ' ہو۔ امام وقت حضرت مولانا شاہ احمد رضا خاں صاحب بریلوی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ بھی یہ فرماتے ہیں کہ پسندیدہ قول یہ ہے کہ لفظ اللہ مرکب نہیں ہے بلکہ بہیئت کذائیہ ذات باری تعالیٰ کا علم ہے، جس طرح اس کی ذات غیر مرکب ہے اسی طرح اس کا نام بھی غیر مرکب ہے، اور جس طرح اس کو استعمال کیا جاتا ہے اس سے بھی یہی ثابت ہوتا ہے کہ غیر مرکب ہے یعنی وقت استعمال جب ندا کی جاتی ہے تو اس کا الف لام نہیں گرتا، یا اللہ کہتے وقت ہمزہ اور الف گر کر لام مین نہیں مل جاتا۔ اگر یہ لام تعریف کا ہوتا تو ضرور ایسا ہوتا کیونکہ اس کا ہمزہ اصلی ہوتا ہے اور ندا کرتے وقت یا کے بعد ایہا کا لفظ بڑھایا جاتا ہے مگر یہاں ایسا کرنا کفر وحرام ہے کیونکہ ' ایہا ' کا معنی ایک مبہم ذات کے ہوتے ہیں، اللہ تعالیٰ کی ذات پاک میں ابہام کا تصور بھی حرام ہے۔

بشیر الناجیہ شرح الکافیہ

یہ بھی امام النحو صدر العلماء الحاج غلام جیلانی میرٹھی علیہ الرحمہ کی مایہ ناز علمی کاوش ہے جو علم نحو کی معروف ومستند کتاب کافیہ کی شرح ہے، یہ شرح مندرجہ ذیل کتب کی مدد سے لکھی گئی: شرح جامی، غایۃ التحقیق، جامع الغموض، وافیہ، تسہیل الکافیہ، تحریر سنبٹ، محرم آفندی، شرح رضی، حاشیہ عبد الغفور، حاشیہ ملا عبد الحکیم، حاشیہ ملا نور محمد مدقق، حاشیہ محمد بن موسیٰ، سوال کابلی، سوال باسولی، حاشیہ خادمیہ حاشیہ العصام، تکملہ مغنی اللبیب، حاشیہ الامیر، حاشیۃ الصبان، ھمع الہوامع وغیرہا۔

فن نحو کی کتاب کافیہ پورے عالم اسلام میں قبولیت رکھتی ہے، علماء کرام نے عربی، فارسی، ترکی وغیرہ کئی زبانوں میں اس کی شرحیں لکھی ہیں علامہ کاتب چلپی رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی کتاب کشف الظنون مین ان شروح کی تعداد چھپن بتلائی ہے اس کے بعد جو شرحین لکھی گئیں ان کا شمار اس میں شامل نہیں ہے۔ کافیہ کے مصنف کا اسم گرامی عثمان بن ابی بکر تھا مگر ابن حاجب کے نام سے مشہور ہوئے۔

بشیر الناجیہ کا جو نسخہ برادر گرامی فاضل جلیل حضرت مولانا محمد ایوب اشرفی نے عطا فرمایا ہے یہ بڑی تقطیع کے کاغذ پر طبع شدہ ۳۷۲ صفحہ پر مشتمل ہے۔ شروع میں ایک دیباچہ ہے پھر فہرست مضامین اور کافیہ کا متن اردو ترجمہ اور حاشیہ کی طرز پر کافیہ کی شرح بشیر الناجیہ ہے۔

دیباچہ میں علامہ میرٹھی علیہا لرحمہ نے مولانا محمد حیات صاحب سنبھلی کی کتاب سعدیہ پر گرفت کرتے ہوئے چند اغلاط کی طرف نشاندھی کی ہے، مثلا: کافیہ کی عبارت ہے "الکلمۃ لفظ " یہاں لام تعریف کو عہد خارجی قرار دینا ضعیف ہے مگر اس کی توجیہ بیان کرنے میں مولانا سنبھلی غلطی کر گئے ہیں حالانکہ مولانا سنبھلی مراد آباد کے دینی درسگاہ مدرسہ امدادیہ کے صدر مدرس تھے یعنی دینی درسگاہ کے صدر مدرس کی طرف سے ایسی غلطی گرفت کے قابل ہوتی ہے، انہوں نے کہا ضعف اس وجہ سے .ہے کہ تعریف ماھیت کی ہوتی ہے نہ کسی قسم کی ، حالانکہ یہ وجہ ضعف نہیں ہے۔ اس پر اعتراض لازم آتا ہے کہ اگر تعریف صرف ماھیت کی ہوتی ہے کسی خاص قسم

کی نہیں ہوتی تو کافیہ کے مصنف علامہ ابن حاجب رحمۃ اللہ علیہ نے اسم، فعل اور حرف کی تعریف کیوں فرمائی ہے، یہ تو خاص اقسام ہیں، لہٰذا یہ کہنا کہ تعریف خاص قسم کی نہیں ہوتی غلط ہے۔ حضرت میرٹھی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ فرماتے ہیں کہ اگر الکلمۃ میں لام کو عہد خارجی قرر دیا جائے تو خیال پیدا ہوگا کہ اس سے مدخول کے مفہوم کی خاص قسم مراد ہے جب کہ علما نحو کے نزدیک اصطلاح ءکلمہ مدخول کے مفہوم کی خاص قسم نہیں بلکہ اس کا عین ہے، لہٰذا یہاں لام کو عہد خارجی قرار دینا ضعیف ہے۔

مولانا سنبھلی جا بجا غلطیوں کا ارتکاب کرتے ہیں مثلاً 'الکلمۃ لفظ' کی ترکیب کرتے ہوئے فعل مجہول 'وضع' کو اس کے نائب فاعل اور متعلق سے ملا کر صفت لفظ قرار دیتے ہوئے اس جملہ فعلیہ کو مبتدا، "الکلمۃ" کی خبر بتلاتے ہیں، حالانکہ 'لفظ' مبتدا کی خبر ہے، مولانا سنبھلی سے تو ایسی بھول ہوئی کہ کہہ دیا کہ "مبتدا خبر سے مل کر جملہ فعلیہ ہوا دوسرے علم نحو کی کتابوں میں کہیں اور کبھی یہ نہیں کہا گیا کہ مبتداء وخبر کو ملا کر جملہ فعلیہ کہہ سکتے ہیں۔

حضرت میرٹھی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ فرماتے ہیں کہ کافیہ کی شرح سعیدیہ ۲۱۲ صفحات پر مشتمل ہے، اور اس میں ۱۵۰ سے زائد غلطیاں ہیں، فن نحو علوم دینیہ یعنی تفسیر وحدیث وفقہ کی بنیاد کا مرتبہ رکھتا ہے، اگر فن نحو پر عبور وکمال حاصل نہ ہو تو انسان قرآن وحدیث کے مطالب نہیں جان سکتا، ہر لفظ کے مختلف معانی ہوتے ہیں، الفاظ کی جو ترکیب بنتی ہے کلام کرنے والے نے جس ترتیب کے ساتھ الفاظ استعمال کئے اس خصوصی ترکیب کی وجہ معانی ومفاھیم کی ادائیگی ہوتی ہے، ہر لفظ کی بندش اور مرکب الفاظ کا انداز ترکیب اور اسلوب بیا ن اور اس کے ساتھ قوا عدے وضوابط سمجھے بغیر کوئی علمی دینی کام نہیں ہوسکتا، اس لئے کہا جاتا ہے "النحو فی الکلا م کالملح فی الطعام" یعنی جس طرح طعام میں نمک کی ضرورت ہوتی ہے اسی طرح عربی کلام میں نحوی اصول وضوابط کا کھل سمجھنا ضروری ہوتا ہے، جو لوگ علم نحو کی مہارت کے مدعی ہوں اس فن میں بطور استاد کتاب لکھیں اور اسی کتاب میں خود اسی فن یعنی نحو کی سینکڑوں غلطیاں کریں ان سے علم دین کے بارے میں کیا بہتر توقعات کی جاسکتی ہیں۔

"بشیر الناجیہ" کس پائے کی کتاب ہے اس کا اندازہ شروع سے آخر تک پڑھنے سے ہوسکتا ہے پھر بھی قارئین کے لئے اس کی فہرست مضامین سے چند مباحث کے عنوانات پیش کرتا ہوں تا کہ قارئین کو کسی حد تک اندازہ ہو سکے کہ یہ کتاب افق علم پر درخشندہ ستارہ ہے، اور اس کا مصنف میدان علم نحو کا کیسا شہسوار تھا کہ جس سمت بھی ایڑ لگائی علم نحو کی وسعتوں کو سمیٹتا ہوا نظر آیا، مضامین ومباحث ملاحظ فرمائیں۔

بحث تسمیہ وتحمید

یہ بحث کہ فرد کلمہ فرد کلام کا جز ہوتا ہے اور مفہوم کلمہ مفہوم کلام کا۔ حرکات اعرابیہ کلمہ ہیں، لزوم مطابقت کی شرطیں پانچ ہیں، ھو اور انا کی بنا میں بصریہ کوفیہ کا اختلاف، تقسیم کلمہ ودلیل حصر، ان مصدریہ کی بحث، معطوف کا حذ ف اور عاطف کے باقی رکھنے کا عدم جواز اور اس کی دو شرطیں، نحات کے عرف میں مفرد کے معانی، موصول حرفی

اور موصول اسمی کی بحث، کلام اور جملہ مترادف ہیں یا نہیں؟ تعریف میں ماخوذ فعل زمانہ سے مجرد ہوتا ہے، اقسام تنو ین، ما، سے کیا مراد ہے، اعراب محلی کی بحث، فاعل اسمی اور فاعل وصفی، مصدر جعلی، اسماء ستہ کی اصل، مضاف بہ سوئے معرف باللا م، اسماء ستہ مصغرہ بہ یائے متکلم، اعراب تقدیری کا بیان، غلامی پر بحث، اعراب با لحرف، غیر منصرف کی ۱۳ علتیں، اسم مشابہ بہ فعل، امثلہ کو لفظ مثل سے بیان کرنا، امکان کے معنی واقسام، تعریف عدل وتقسیم اور اوزان عدل، فعل ناقص کی بحث، تانیث لفظی ومعنوی، طبقات دوزخ کا بیان، انبیاء کرام کے اسماء طیبہ غیر منصرف ہیں مگر چھ، صیغہ منتہی الجموع کے ۱۳ وزن، فرازنہ، سراویل وحضاجر کا حکم، علم جنس اور اسم جنس میں فرق اذا شرطیہ کی بحث، انصراف غیر منصرف کی بحث، اصل مرفوعات کون ہیں، لفظ اصل کے معانی مستعملہ، اضمار قبل الذکر لفظا ورتبۃ، فعل فاعل کے حذف کا بیان، بحث فعلان، بصری وکوفی کن نحات کو کہتے ہیں ،مقام اور مقام کا فرق۔

حضرت ابن حاجب رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ مصنف کافیہ نے 'زینب' اور 'سقر' کو غیر منصرف کی مثالوں میں بیان کیا ہے تو حضرت شارح علامہ میرٹھی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے اپنی شرح میں لفظ 'سقر' بمعنی دوزخ کی تشریح کر تے ہوئے دوزخ کے طبقات بیان فرمائے اور کہا کے 'سقر' دوزخ کے طبقات میں سے پانچواں طبقہ ہے جس میں صائبین یعنی ستاروں کے پوجا کرنے والے ڈالے جائیں گے، مزید فرماتے ہیں کہ دوزخ کا پہلا طبقہ ھاویہ ہے جس میں منافقین اور آل فرعون اور اصحاب مائدہ رکھے جائیں گے، دوسرا طبقہ 'لظی' ہے جس میں مجوس رہیں گے، تیسرا طبقہ 'حطمۃ' ہے اس میں یہود رکھے جائیں گے، چوتھا طبقہ 'سعیر' ہے جس میں نصاری (یعنی عیسائی) یعنی صلیب کے پجاری رکھے جائیں گے، چھٹا طبقہ 'جحیم' ہے جس میں مشرکین ہونگے ساتواں طبقہ جہنم کہلاتا ہے یہ سب سے ہلکا طبقہ ہے اس میں مسلمانوں میں سے جو کبیرہ گناہوں میں پڑے رہے کچھ وقت کے لئے رکھے جا ئیں گے۔ کتاب کا جو نسخہ میرے پاس ہے اس میں دی گئی فہرست مضامین ادھوری ہے کتاب کے بقیہ مضامین اور مباحث درج ذیل ہیں۔

مبتداء کی قسمیں اور مثالیں ،خبر کی بحث، مبتداء کا مقدم ہونا اور حذف ہونا، خبر کا حذف ہونا، مفعول مطلق کی اقسام حذف قیاسی، مفعول بہ کے احکام، منادی کی تعریف واحکام، منادی کی ترخیم، مندوب کی بحث، حرف ندا کی احکام، عالم مضمر کی بحث، تحذیر کی بحث، مفعول فیہ کا بیان، مفعول لہ کی بحث، مفعول معہ کی بحث، حال کے احکام، تمیز کی بحث، مستثنی کی بحث کان کی بحث، مجرورات کا بیان، اضافت کی بحث میں اسم مماثل کا بیان۔

کتاب کے آخر میں ''شرح کافیہ در تصوف'' کو شامل کیا گیا ہے، جو میر عبد الواحد بلگرامی کی تصنیف ہے۔

حضرت میرٹھی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے کافیہ کی شرح میں حل مشکلات کے ساتھ ساتھ کافیہ کی مکمل تر کیب بھی بیان فرمائی ہے۔ یہ کتاب نہ صرف طلباء کے لئے بلکہ اساتذہ کے لئے بھی نہایت مفید اور ضروری ہے

،اگر یہ شرح اچھی طرح پڑھ لی جائے تو ممکن نہیں کے انسان کہیں بھی نحوی غلطی کرے اور نحوی غلطی سے بچ جانے کا مطلب یہ ہے کہ انسان قرآن وحدیث اور ائمہ وفقہاء کی عبارت کو سمجھنے اور بیان کرنے میں غلطی نہیں کرسکتا۔

دعا ہے کہ اللہ رب العزت تمام مسلمانوں کو ان کی کتابوں سے فیضیاب ہونے کی توفیق نصیب فرمائے ۔آمین

فقط

محمد غلام عبدالحق بین الاقوامی اسلامی یونیورسٹی اسلام آباد۔ پاکستان

حضرت صدر العلماء میرٹھی اور علم تصوف

حضرت علامہ مولانا محمد قمر الحسن قادری قمرؔ بستوی
صدر بزم حسان۔ ہیوسٹن۔ امریکہ

خطیب مجتہد سیدنا حضرت امام شافعی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا:

"فقیها وصوفیا فکن لیس واحداً — فانی وحقِ اللّٰہ ایاك انصح
فذالك قاسٍ قلبُه تقیٰ۔ وھذا — جهول کیف ذو الجهل یصلُحُ"(۱)

ترجمہ: صرف فقیہ یا صرف صوفی بن کے نہ رہ بلکہ فقیہ صوفی بن، قسم بخدا، میں تجھ کو ایک نصیحت کرتا ہوں، فقیہ محض سخت دل ہے اس کے دل نے تقویٰ کا گداز نہیں حاصل کیا ہے، اور صوفی محض ناتجربہ کار یا جاہل ہے اور ایسے جاہل سے صلاح حاصل نہیں ہوتی۔ لہٰذا صوفی ہونے کے ساتھ فقیہ بن جا، یا فقیہ ہونے کے ساتھ صوفی بن جا۔

حضرت امام شافعی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے اس قول کی روشنی میں حضرت صدر العلماء مولانا سید شاہ غلام جیلانی میرٹھی علیہ الرحمۃ والرضوان کی حیات کا جائزہ لیا جائے تو آپ امام شافعی علیہ الرحمہ کے ان اشعار کے مکمل مصداق ہیں۔ علمی طمطراق کے ساتھ خشیت الٰہی سے ایک لبریز دل رکھتے تھے۔ وہ ایک ایسے مومن کامل تھے جن کی ہر صبح وشام سوز دل سے لبریز اور خوف خدا سے معمور رہتی تھی۔ جادہ سلوک کا یہ راہرو شرع مبین کی قندیل ہاتھوں میں لئے شب تیرہ میں منزل مقصود کی طرف پوری زندگی گامزن رہا اور پھر اپنے مدعا کو پایا گیا۔ "الموت جسر یوصل الجیب الی الحبیب" (موت ایک پل ہے جو حبیب کو محبوب سے ملا دیتا ہے)

حضرت صدر العلماء اپنے اقران میں بڑی امتیازی خصوصیات کے حامل تھے، علم فقہ میں وہ فقیہ زماں حضور صدر الشریعہ علیہ الرحمۃ والرضوان کے تربیت یافتہ تھے، جن کو یہ فیضان امام اہل سنت مجدد ملت رضی المولیٰ تعالیٰ عنہ کی بارگاہ فیض سے عنایت ہوا تھا۔ اس کا اثر حضرت صدر العلما کی ذات میں کہکشاں کی طرح جھلملا رہا ہے، بشیر القاری اور نظام شریعت ان کے تفقہ کی مکمل غماز ہیں۔ پھر دوسری طرف انہیں پوری قوم کی طرف سے امام النحو جیسے اعزاز سے نوازا گیا تھا، علم شرع کے انضباط کا حال یہ تھا کہ معمولات روز وشب تو شرعی حصار میں مقید تھے ہی سانسوں کا ارتعاش بھی شریعت کی حدوں کا پابند تھا۔ علمی جولانیت میں قد بہت بلند تھا۔ مگر جتنا قد بلند تھا اسی طرح علم تصوف میں بھی ان کی جلوہ سامانیاں کم نہ تھیں۔ بڑا توازن تھا علم تصوف میں، اللہ کے رسول ﷺ

ارشاد فرماتے ہیں:

"المتعبد بغير فقهٍ كالحمار فی الطاحون"(۲)

ترجمہ: بغیر فقہ کے عبادت میں پڑنے والا ایسا ہے جیسا چکّی کھینچنے والا گدھا۔

تو یہ بات بالکل واضح ہے کہ فقہ کی سختی کو تصوف کے گداز سے نرم کردیا جائے اور تصوف کی نادانی کو فقہ سے پابند کردیا جائے۔ ورنہ بغیر فقہ کے وہ عبادت محض دھوکہ اور فریب ہوگی۔ امام اہل سنت نے فرمایا:

اولیائے کرام فرماتے ہیں: صوفی جاہل شیطان کا مسخرہ ہے۔ اس لئے حدیث میں آیا حضور ﷺ نے فرمایا:" فقيه واحد اشد على الشيطان من الف عابد" (ایک فقیہ شیطان پر ہزار عابدوں سے زیادہ بھاری ہے۔(۳)

حضرت صدر العلماء علیہ الرحمہ ایک متوازن معیار پر قائم تھے۔ تصوف کے ہر فعل کو شرع کی میزان پر تولتے اور شرع کے اسرار کو تصوف کی کسوٹی پر جانچتے. اگر دونوں میں توازن ہوتا اس پر عمل کرتے لیکن اگر شرع کا پہلو مجروح ہوتا تو تصوف کے اس گوشے سے پہلوتہی فرمالیتے۔ مگر چونکہ روح کا تزکیہ اور باطن کی صفائی سے علم شرع میں جولانیت اور حسن ونکھار پیدا ہوتا ہے تو اس کی تحقیق جستجو میں لگ جاتے ہیں اور بات ہے بھی یہی کے تصوف کے ہر فعل کو میزان شرع میں تولا جائے تا کہ اس کا معیار ظاہر ہو جائے کہ یہ رحمٰن کی طرف سے ہے یا شیطان کی طرف سے۔ حضرت سیدی شرف الدین یحیٰ منیری علیہ الرحمہ نے مکتوبات صدی میں صراحت کردی۔

اب ہم صاف صاف یہی کہیں گے کہ بغیر شریعت ورزی اہل حقیقت ہونے کا دعویٰ کرنا سراسر زندیقیت ہے، اور حقیقت سے بے خبر رہ کر صاحب شریعت بن جانا شان منافقانہ ہے، دراصل دونوں لازم وملزوم ہیں۔(۴)

علم ظاہر یعنی علم شریعت میں پایہ جتنا بلند ہوگا معرفت میں راستے اسی مقدار میں وسیع ہوں گے۔ کوئی جاہل کبھی بھی صاحب معرفت نہیں ہوسکتا کہ معرفت علم شرع کا مغز باطنی ہے۔ حضرت سیدنا امام شافعی رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں:

"ما اتخذ الله وليا جاهلا قط"(۵)

ترجمہ: اللہ تعالیٰ نے کبھی کسی جاہل کو اپنا ولی نہیں بنایا۔ چونکہ حضرت صدر العلماء علم شرع میں اعلیٰ معیار کے حامل تھے تو علم معرفت بھی اسی تناسب سے ہوگا کیونکہ معرفت کے لئے علم شرع بنیاد فراہم کرتا ہے۔

تصوف کی طرف قلبی میلان:

حضرت صدر العلما کو قطب زماں، قدوۃ السالکین حضور اشرفی میاں علیہ الرحمۃ والرضوان سے شرف ارادت تھا۔ داخل سلسلہ عرس رضوی کے موقع پر کوئی ۱۹۲۲ء میں بریلی شریف کی سرزمین پر فرمایا تھا مگر اسلاف

کے دستور کے مطابق کلاہ اور جبہ دار الخیر اجمیر معلی میں ۱۳۵۰ھ کو عطا فرمایا۔ یہ وہی روش تھی جو اکابر صوفیا میں بالتواتر چلی آرہی تھی۔ گویا حضرت اشرفی میاں قبلہ علیہ الرحمہ نے اپنی مسیحا نفسی کا اثر ظاہر فرمادیا اور حضرت صدر العلما نے اس روحانی عطیہ کو حرز جان بنا کر اسی پر چلنا شروع کر دیا۔ صرف کلاہ اور جبہ ہی پر اکتفا نہ ہوئی بلکہ چار سلاسل مشہورہ کے ساتھ ساتھ سلسلہ منوریہ کی بھی اجازت عطا فرمادی۔ گویا سلوک کے راستہ پر ڈال کر روحانی تربیت شروع فرمادی۔

ایک طرف تو تربیت و پرداخت کا غیر شعوری سلسلہ مرشد گرامی کی چشم ولایت سے ہوتا رہا اور اُس کے ساتھ ہی ساتھ دوسری طرف عارف باللہ، امام العرفاء، حضرت میاں راج شاہ اور اُن کے خلیفۂ کامل صاحب کشف وکرامات، عارف حق حضرت حافظ سید ابراہیم شاہ قادری راجشاہی علیہما الرحمۃ والرضوان کا فیض باطنی بھی جاری رہا۔ حضرت میاں راج شاہ سوند شریف ضلع گوڑگاؤں اور حضرت حافظ سید ابراہیم شاہ قادری راجشاہی سراوہ ضلع میرٹھ میں استراحت فرما ہیں اور دونوں بزرگوں کے مرقد ہائے مبارک مرجع خلائق ہیں۔ یہاں سے خلق کثیر بہرہ مند ہورہی ہے۔

واقعے کا ارتباط دلچسپ اور سبق آموز ہے جس کی روایت حضرت صدر العلماء علیہ الرحمہ کے نور نظر مولانا غلام یزدانی میاں صاحب حال مقیم سن فرانسسکو کیلیفورنیا امریکہ اور انہیں کے ایک قریبی عزیز مولانا محمد ایوب اشرفی شمسی صاحب حال مقیم بولٹن برطانیہ نے کی ہے۔ واقعہ کے ضمن میں تصرف روحانی کا حیرت انگیز پہلو ملاحظہ فرمائیے جس نے حضرت صدر العلماء کو کس طرح مرغ بسمل بنادیا۔

کہا جاتا ہے کہ میرٹھ شہر سے قریب سراوہ ایک مقام ہے جو پسنجر ٹرین سے تین اسٹیشن کے فاصلہ پر واقع ہے۔ وہاں اللہ کے ایک ولی آسودہ خواب سرمدی ہیں۔ جو ”سراوہ کے حافظ صاحب“ سے شہرت رکھتے ہیں۔ اپنے اہل محبت وعقیدت کی دعوت پر کبھی کبھار شہر میرٹھ تشریف لایا کرتے تھے۔ یہ تقسیم ملک سے پہلے کی بات ہے، ان دنوں مدرسہ اسلامیہ عربیہ میرٹھ اپنی شہرت کے ذروہ کمال پر تھا۔

تیس (۳۰) اساتذہ کا اسٹاف اور پانچ سو (۵۰۰) طلبہ قیام پذیر تھے اور حضرت صدر العلما اس کے صدر المدرسین (پرنسپل)

آپ فرماتے ہیں: کہ انہیں دنوں سراوہ شریف کے حافظ سید ابراہیم صاحب میرٹھ سٹی تشریف لائے، ایک سرکاری ملازم جن کا نام شاید چاند میاں تھا دیندار بزرگوں کے بڑے عقیدت مند، چہرے پر داڑھی اور اسلامی وضع قطع کے ساتھ رہا کرتے تھے انہوں نے میری توجہ حافظ صاحب کی طرف مبذول کرائی اور اُن سے ملاقات کرنے پر بہت اصرار کیا۔ ان کے بارے میں بہت اچھے خیالات کا اظہار کیا کہ وہ بڑے اللہ والے ہیں، ولی صفت ہیں، خدا رسیدہ ہیں وغیرہ، ابتدا میں تو میں احسن طریقہ سے ان کو ٹالتا رہا مگر ان کا مؤدبانہ اور مخلصانہ

اصرار بڑھتا رہا، تو محض ان کی دل جوئی اور اپنی جان چھڑانے کے لئے ان کے بتائے پتہ پر جہاں حافظ صاحب قیام پذیر تھے جا پہنچا۔ پہلی نظر جو ان پر پڑی تو طبیعت مکدر ہوگئی کہ کیونکر آ گئے؟ اس لئے کہ ان کا لباس بہت معمولی سا تھا، وہ بھی صاف ستھرا نہیں، اوپر سے مونچھیں یعنی لبیں بڑھی ہوئی تھیں جس سے لب چھپ گئے تھے۔ انہیں دیکھ کر دل میں خیال آیا کہ اسلام نے تو صفائی کا بڑا اہتمام فرمایا ہے: "النظافة نصف الایمان" (صفائی آدھا ایمان ہے) نیز اتنی بڑھی ہوئی مونچھیں رکھنا خلاف سنت نبوی ہے، بھلا یہ کیسے بزرگ ہو سکتے ہیں جو اسلام کی ان تاکیدی تعلیمات کو نظر انداز کئے ہوئے ہیں۔ خیر بڑی بے دلی سے سلام ومصافحہ کیا اور بیٹھ گئے، سلام کا جواب دیتے ہوئے آپ مسکرائے اور ساتھ ہی ساتھ اپنے ایک خادم کو آواز دی: ارے او ننھے! ذرا قینچی اور آئینہ تو لے آؤ، دیکھو تو ذرا ہماری لبیں بڑھ گئی ہیں اس طرف ہمارا خیال ہی نہیں گیا۔ پھر خنداں لبی کے ساتھ کہنا شروع کیا۔

میاں صاحبزادے! ایک مولوی صاحب کسی صاحب سے دل سے ملنے گئے، مولوی صاحب نوجوان تھے شاندار عالم، بہت خوبصورت بڑے وجیہ بالکل تمہاری طرح، خیر سے وہ آل رسول بھی تھے، ہاشمی شرافت و نجابت کے آئینہ دار، جمال زیبائی کے پیکر، ظاہری سج دھج اور کروفر ایسا کہ بس دیکھا کیجئے ، عالم بھی بڑے زبردست تھے، ان کا علم وفضل جوانی ہی میں مسلم ہو چکا تھا۔ تھے بھی تمہاری طرح بڑے بانکے، سجیلے طرح دار، اور میاں! اہل دل کا معاملہ بھی بڑا عجیب ہوتا ہے ظاہری رکھ رکھاؤ ان کے یہاں نہیں ملے گا، کیونکہ تزکیۂ نفس اور صفائی قلب پر وہ زیادہ توجہ دیتے ہیں۔ ظاہری ٹیپ ٹاپ کی وہاں گنجائش نہیں ہوتی، مولوی صاحب کی نگاہ جیسے ہی اُس اہل دل پر پڑی تو ان کی طبیعت مکدر ہوگئی اور بہت مایوس ہو گئے، کیونکہ اُس مرد حق آگاہ کے بدن پر ظاہری رکھ رکھاؤ نہیں تھا، لباس بھی بہت معمولی وہ بھی اُجلا اور جاذب نظر نہیں، تو وہ سوچنے لگے کہ یہ کیا خاک بزرگ ہوں گے؟ جنہیں صفائی کا خیال نہیں اور پاس سنت نبوی بھی ملحوظ نہیں ...... حضرت صدر العلما فرماتے ہیں :........وہ بولتے جارہے تھے اور نگاہ دل کشا کا نشتر دل کے دبیز پردوں کو تار تار کر رہا تھا' میں احساس ندامت سے پسینہ پسینہ ہوا جارہا تھا' میرا کتابی علم ہزار طنطنہ کے باوجود دم توڑ رہا تھا........ ابھی سلسلۂ کلام جاری تھا میں بلبلا اٹھا...... بس کیجئے حضور! میرے خطرات قلبی کے مکدر آئینہ کو مزید پاش پاش نہ فرمائیے' میں سخت شرمندہ ہوں مجھے معاف فرمادیں' میں ہی وہ حرماں نصیب ہوں جس کے احساسات وخیالات کو آپ پڑھ کر سنا رہے ہیں' میں آپ کا گنہگار ہوں..... آپ فرمانے لگے' میاں صاحبزادے! تم ناحق ہلکان ہونے لگے' آخر تم نے اس کو اپنے اوپر کیوں قیاس کرلیا....... میں تو بس ایک واقعہ بیان کر رہا تھا۔ میں نے عرض کیا: حضور! بیشک آپ ایک صحیح واقعہ بیان کر رہے ہیں مگر صاحب واقعہ کے روبرو۔ آپ اللہ تعالی اور اس کے رسول کے لئے مجھے معاف فرمادیں، ..... آپ آگے بڑھے اور مجھے سینے سے لگالیا اور ہمیشہ کے لئے اپنا اسیر بنالیا اب وہ دن ہے اور آج کا دن میں کبھی بھی خود کو ان کے تصور سے جدا نہ کرسکا

دلوں کے آفاق پر ان اہل اللہ کا تسلط وقبضہ کس طرح ہوتا ہے اور علم ظاہر پر عرفان ذات حق کا غازہ کس طرح ملا جاتا ہے۔ نیز دلوں میں یادالٰہی اور خشیت خداوندی کا انقلاب کیسے بپا ہوتا ہے یہ کسی مردحق آگاہ کی نگاہ کیمیا اثر کا وہ موثر جذبہ فیض ہوتا ہے جس سے چشم زدن میں انقلاب بپا ہوجایا کرتا ہے۔ حضرت سید ابرہیم علیہ الرحمہ نے صدر العلما کے دل کو کس طرح زندہ فرمایا وہ ذیل کے واقعہ سے محسوس فرمائیں:

ایک اور واقعہ: مذکورۃ الصدر راویان نے ذیل کے واقعہ کی حکایت کی ہے کہ حضرت صدر العلما علیہ الرحمہ نے بیان فرمایا

ایک دفعہ انہوں (حضرت حافظ سید ابراھیم شاہ علیہ الرحمہ) نے مجھ کو حضرت دادا اسمٰعیل شاہ صاحب علیہ الرحمہ کے عرس مبارک میں فرید نگر یاد فرمایا۔ میں حاضر خدمت ہوا' اختتام عرس پر رخصت ہونے کا وقت آیا میں اجازت لینے گیا تو میرا ہاتھ اپنے ہاتھ میں لے لیا اور فرمایا: مولوی صاحب! بولئے ''اللہ'' میں نے تعمیل حکم کیا اور ادب واحترام سے ''اللہ'' کہا۔ پھر فرمایا: مولوی صاحب! بولئے ''اللہ'' میں نے پھر پڑھا ''اللہ'' تیسری بار آپ نے فرمایا: بولئے ''اللہ'' میں نے پھر پڑھا اللہ..... ممکن ہے یہاں ذہن میں یہ سوال سر اٹھائے کہ یہ بار بار ''کلمہ جلالت'' کی تکرار کیا معنی رکھتی ہے؟ اب حضرت صدر العلما کی زبان سے اسکا جواب ملاحظہ فرمائیں....... فرماتے ہیں:...... تیسری بار جیسے ہی میں نے ''اللہ'' کہا تو میری زندگی میں ایک انقلاب رونما ہو چکا تھا' میرا قلب جاری ہوگیا اور دل سے اللہ اللہ کی صدائیں آنے لگیں' میں اپنے اندر اس حیرت انگیز تبدیلی کو سوچ ہی رہا تھا کہ آپ نے فرمایا: مولوی صاحب! آپ تو ماشاء اللہ بہت بڑے عالم ہیں، اور میں تو ایک چھوٹے سے دیہات (گاؤں) کا رہنے والا کم پڑھا لکھا آدمی ہوں، ویسے کیا ہی اچھا ہوتا کہ آپ ہمارے ساتھ سراوہ چلتے۔ اگر چہ میری واپسی کی تیاری مکمل ہو چکی تھی مگر آفاق دل پر ایک صاحب کشف کا خرق عادت کمال قبضہ کر چکا تھا تو اب انکار کی گنجائش ہی کہاں باقی تھی؟ چنانچہ تمام تر ضروری امور کو چھوڑ کر ان کی معیت میں سراوہ چلا گیا......(تربیت دل کا ایک سلسلہ تھا جو شروع ہو چکا تھا اور قدم قدم نفس امارہ کو سبوتاژ کر کے روحانی تصرفات کو مہمیز کی جارہی تھی) آپ فرماتے ہیں: کہ ہم سراوہ کے لئے چلے اِدھر حرم خانہ میں پہلے سے ہی اطلاع ہو چکی تھی کہ....... میرٹھ والے مولوی صاحب آرہے ہیں، کھانا عمدہ تیار کیا جائے۔ حضرت صدر العلماء فرماتے تھے کہ: مولانا! کھانا تھا بڑا لذیذ اور پھر حضرت کا اصرار شدید..... تو اپنی خواہش وعادت سے کچھ زیادہ بلکہ بہت زیادہ کھالیا۔ بعد عشاء مہمان خانے میں آرام کرنے کا انتظام کر دیا گیا۔ اب جو لیٹا تو گرانی شکم کی وجہ سے نیند نہیں آرہی تھی۔ کبھی اٹھ کر ٹہلتا اور کبھی آکر لیٹ جاتا۔ سمجھ میں نہیں آرہا تھا کہ کیا کروں؟ کس کو بلاؤں؟ بڑا اضطراب تھا۔ اسی کشمکش میں نصف شب سے زیادہ گزر گئی، اتنے میں کیا دیکھتا ہوں کہ حضرت حافظ صاحب قبلہ میری طرف تشریف لارہے ہیں، میں جگ ہی رہا تھا ادبا کھڑا ہوگیا۔ ان کے ہاتھ میں خاصہ بڑا ایک گلاس تھا جو دودھ سے

بھرا ہوا تھا۔ مجھ سے فرمایا: مولوی صاحب! لو یہ دودھ پی لو۔ میں نے عرض کیا حضور! آپ نے کھانا کیا کم کھلایا ہے کہ جو دودھ کی گنجائش ہو۔ ویسے بھی آج میں نے عادت سے زیادہ کھالیا ہے جس کی وجہ سے پریشانی سی لاحق ہے، فرمانے لگے:

اجی مولوی صاحب! لو پی لو!

ان چند ملاقاتوں میں خوارق عادت کے مشاہدات سے جو عقیدت پیدا ہو چکی تھی اس کا تقاضہ تو یہی تھا کہ "ہر چہ از دوست می رسد نیکوست" چنانچہ وہ دودھ سے بھرا ہوا بڑا سا گلاس لیا اور پی لیا......... آپ فرمایا کرتے تھے .... کہ مولانا کچھ ہی دیر میں ایسا محسوس ہوا کہ پیٹ بالکل خالی ہے .... عجب بات تھی کہ وہ کھانا اور پورا بھرا ہوا دودھ کا گلاس کہاں غائب ہو گیا کچھ پتہ ہی نہیں چلا، پہلے تو پریشانی تھی گرانی شکم کی اور اب مشکل درپیش تھی خلوے معدہ کی، اور بھوک کا حال یہ کہ بس کوئی کھانا کھلا دے۔ الخ (ماخوذ از مضمون، "حالات سرکار سراوہ" (مرتبہ مولانا ایوب اشرفی سنبھلی)

حضرت حافظ صاحب کی کرامات کا پیہم اظہار یہ دراصل علم شریعت پر عرفان وآگاہی کا وہ غازہ تھا جس نے صدر العلما کی حیات کا دھارا بدل دیا۔ مذکورہ بالا واقعات کے علاوہ قوت مشاہدہ کی کئی حکایتیں اور بھی ہیں جنہوں نے حضرت صدر العلما کے علم ظاہر پر معرفت کا روغن چڑھا دیا اور وہ عالم جلیل جو "قال اللّٰہ" اور "قال الرسول" کے نغمۂ دلفروز سے مشام جاں کو معطر کر دیا کرتا تھا اب شب کی تنہائیوں میں اس کا نالہ شبینہ بڑا دلدوز ہوتا تھا۔

حضرت صدر العلماء نے خود اس امر کی طرف روشنی ڈالی ہے اور راہ سلوک کی جادہ پیمائی کو بیان فرمایا ہے، کہ روح کی بے قراری نے ان پر کیا اثر ڈالا اور ان کی طبیعت میں ایک اضطرابی لہر کیسے پیدا ہوئی؟ رقم طراز ہیں۔

کیونکہ فقیر کو صحبت وبرکت (حضرت اشرفی میاں علیہ الرحمہ) میں رہنا نصیب نہیں ہوا اس لئے آپ کی کرامات مشاہدہ میں نہ آسکیں۔ وصال کے بعد ایک دن یہ خیال ہو کر قلب پر افسردگی طاری ہوگئی کہ ہم بڑے حرمان نصیب ہیں نہ اپنے مرشد برحق کے کشفی حالات اور کرامتیں اپنی نظر سے دیکھیں نہ کسی اور بزرگ کے مکاشفات وکرامات کا ہمارے سامنے ظہور ہوا، کچھ دیر افسردگی رہ کر فرو ہوگئی۔ اس کے کچھ دن بعد چھوٹی سرکار قدس سرہ کے مکاشفات کا اظہار شروع ہوا۔ قلب میں مسرت موجزن ہوئی کہ اللہ تعالیٰ نے مجھ کو اپنے فضل وکرم سے دید مکاشفات سے سرفراز فرمایا مگر:

ع .... روی گل سیر نہ دیدم و بہار آخر شد

تقریباً سال ڈیڑھ سال تک مکاشفات کا مشاہدہ نصیب ہوا تھا کہ بتاریخ ۱۵؍رجب المرجب ۱۳۶۱ھ

بروز چہارشنبہ وصال فرمایا۔ "نور اللہ مرقدہٗ"

قلب میں تشنگی باقی رہ گئی چونکہ طلب صادق تھی اس لئے مرشد برحق کی روحانیت پھر متوجہ ہوئی۔ اور اپنے برادر طریقت وغواص بحر معرفت، آقائے نعمت، رہبر حقیقت، فقیر کامل، عارف واصل، حامل اخلاق نبوی، کاشف اسرار لم یزلی سیدی ومولائی حضرت شاہ حافظ سید ابراہیم صاحب قادری قدس سرہ القوی ساکن قصبہ سرادہ ضلع میرٹھ کے سپرد فرمایا۔ آپ کی خدمت اقدس میں پہنچ کر بفضلہٖ تعالیٰ سات سال تک کشف وکرامات کا جی بھر کر مشاہدہ کیا۔ طرح طرح کی کرامتیں نظر کے سامنے آئیں۔ حضرت مولانا روم قدس سرہ کے ارشاد:

اولیاء راہست قدرت زالہٰ　　　　تیر جستہ باز گردانند ز راہ

پر اب تک ایمان بالغیب تھا۔ اس بارگاہ ولایت پناہ میں حاضری کے بعد مشاہدہ سے سرفراز فرمایا گیا۔ بلکہ الحمدللہ علی احسانہ کہ اس دربار گہر بار سے دین بھی ملا اور دنیا بھی، اب تک اس گنہ گار پر نظر کرم فرماتے ہیں اور انشاءاللہ تعالیٰ ابدالاباد تک فرماتے رہیں گے۔ (۶)

حضرت صدر العلماء کی عملی زندگی میں تصوف کی حرارت محسوس ہوتی ہے، اور بشیر القاری شرح بخاری کو دیکھ کر ایسا محسوس ہوتا ہے کہ آپ کی فکر تصوف کے ادراکات میں غوطہ زن ہے۔ بلکہ سچ بات تو یہ ہے کہ بشیر القاری میں احادیث کی توضیحات میں تصوف کے مسائل جس نازک فکری سے مستدل کئے گئے ہیں اس سے عصر حاضر میں منکرین تصوف کے لئے لمحہ فکریہ ہوگیا ہے۔ جو تصوف کی عظمتوں سے آنکھ چرا کر اس کے دامن تقدیس کو داغدار کرنے کی ناپاک کوشش کررہے ہیں۔ وہ اگر بشیر القاری کو غیر جانبدار ہوکر نظر اعتدال سے مطالعہ کریں تو ان کو اپنے ذہن کی کجی اور فکری بے راہ روی کا احساس ہوگا۔ "اللھم اھدھم الی الصراط السوی اعنی التصوف" آمین۔

علمی جولانیت کے ساتھ روح کی پاکیزگی کا ایسا حسین امتزاج جس سے صدر العلما کو ایک گداز دل، سوختہ روح، گریاں چشم اور بے تاب جگر عطا کردیا تھا، کہ "قال اللہ وقال الرسول ﷺ" کی گہرائیوں میں اتر کر وہ تصوف کے در یکتا کو چن لیا کرتے تھے اور شب کی خلوتوں میں وہ ایک لرزیدہ بدن، بے قرار دل اور مرتعش ہاتھ کے ساتھ اپنے مولیٰ کی بارگاہ میں جھک کر جب اس کو راضی کرنے کا جتن کررہے ہوتے وہ لمحے کتنے قیمتی تھے۔

آپ کے صاحبزادے مولانا یزدانی میاں صاحب ارشاد فرماتے ہیں کہ:

حضرت کے معمولات سے تھا کہ نماز فجر کے بعد وظائف مکمل کرتے پھر ناشتہ فرما کر درس گاہ میں جاتے اور درس کا سلسلہ دوپہر تک چلتا پھر کھانا کھا کر مختصر قیلولہ فرماتے اور اس کے بعد نماز ظہر ادا کرتے، کچھ اور مصروفیات پوری فرما کر عصر کے بعد یتیم خانہ چلے جاتے جہاں مغرب تک رہتے، پھر نماز مغرب کے بعد کھانا کھا کر مطالعہ میں مشغول ہوتے تو یہ درسی کتابوں کا مطالعہ ہوتا جو رات کو دیر گئے تک چلتا رہتا، پھر عشاء ادا کرکے

اپنے سونے والے کمرے میں جاتے۔ (مولانا یزدانی مزید بیان کرتے ہیں) کہ میں چھوٹا تھا کبھی کبھار رات کو آنکھ کھلتی تو والد ماجد کے کمرہ سے سسکیوں کی آواز سنائی پڑتی، بلکہ ایسا بھی ہوا کہ تہجد کی نماز میں اتنی آواز کے ساتھ رونے کی آواز آتی کہ والدہ ماجدہ اٹھ جاتی تھیں اور ہم لوگوں کی آنکھ بھی کھل جاتی۔ (گفتگو)

سوز دروں کے ساتھ نیازمندی کا یہ جذبہ ان کی داخلی کیفیات کو بیان کرتا ہے، جب وہ اپنی جبین شوق اپنے رب کے حضور جھکا کر اپنی عاجزی، بے بسی، لاچارگی اور بندگی کا اظہار کررہے ہوتے، اُس پُرسوز ماحول میں دل بے قرار کی ہر دھڑکن کسی عارف حق آگاہ اور کسی منصور وسرمد کی یاد تازہ کررہی ہوتی۔ تزکیۂ نفس کا یہ مبارک جذبہ اور تطہیر قلب کا یہ مبارک عمل جادۂ سلوک کی رہ نوردی کا غماز ہے، کہ وہ اپنے وجود میں کتنے پاکیزہ لمحات سمیٹے ہوئے تھے۔ علمی جلالت کے ساتھ کسر نفسی کا جذبہ کتنا بلند تھا۔ رضائے الٰہی کے نقش ونگار کتنے روشن تھے اور بندگی کا اسلوب کتنا دلکش تھا۔ قرآن وسنت کی ردائے خشیت نے ان کو کتنا نکھار دیا تھا اور زہد و پاکیزگی، طہارت وتقویٰ کی لطافت نے ان کو کتنا عظیم بنا دیا تھا۔ چشم گریاں طہارت قلب کے لئے کیمیاوی عمل کرتی ہے۔ اور شب تاریک میں حضرت صدر العلما کو وہ چشم بارندہ ارزاں کی گئی تھی جس کی عظمت خود سید عالم ﷺ اپنے لبہائے وحی ترجمان سے بیان فرمارہے ہیں:

"عن ابن عباس رضی اللّٰہ تعالیٰ عنهما قال سمعت رسول اللّٰہ ﷺ يقول: عينان لا تمسهما النار، عين بكت من خشية اللّٰه وعين باتت تحرس في سبيل اللّٰه"(۷)

ترجمہ: حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے مروی، انہوں نے کہا کہ میں نے رسول اللہ ﷺ کو فرماتے ہوئے سنا کہ دو ایسی آنکھیں ہیں جن کو جہنم کی آگ نہیں چھو سکے گی ایک وہ آنکھ جو اللہ تعالیٰ کی خشیت سے اشک بار ہو اور دوسری وہ جو اللہ کے راستہ کی نگرانی کرنے میں شب بیدار ہو۔

حضرت صدر العلماء کو ایسی ہی آنکھ عطائے خداوندی سے مرحمت کی گئی تھی جس سے وہ شب تاریک میں خشیت الٰہی کا پیکر بن جایا کرتے تھے۔

شب تاریک دوستان خدای　　　می بتابد چو روز رخشندہ　　　(حضرت سعدی علیہ الرحمہ)

ترجمہ: اللہ کے دوستوں کی تاریک رات بھی روز روشن کی طرح چمکتی ہے۔

آپ کی زندگی میں جہاں قول کا استحکام واستدلال چمک رہا ہے وہیں روح کی بالیدگی، دل کا سوز، نگاہ کی پاکیزگی، نفس کا تزکیہ، ضرب کلیمی اور مرتعش وجود کی پاکیزہ خوشبو بھی بکھرتی ہوئی محسوس ہورہی ہے۔ سنت نبوی علی صاحبھا الصلوٰۃ والتسلیم پر سختی سے کاربند رہنے کے عمل نے وجود میں لطافت روحانیہ کو اتنا انگیز کر دیا تھا کہ دن کو منصب تدریس کا بطل جلیل رات کو شکستہ دل لیکر بایزید وجنید کے کارواں کا ہم سفر دکھائی دینے لگتا۔

تو بچا بچا کے نہ رکھ اسے ترا آئینہ ہے وہ آئینہ　　　جو شکستہ ہو تو عزیز تر ہے نگاہ آئینہ ساز میں

بشیر القاری اور علم تصوف

حضرت صدر العلما علیہ الرحمہ کا فن تصوف سے گہرا تعلق اس بات سے ظاہر ہوتا ہے کہ آپ نے بخاری شریف کے جو ایک جزء کی شرح فرمائی اس میں فن تصوف کے نکات' ادراکات' علوم اور تدریبات کی ایسی ایسی بو قلمونیاں بھی نظر آتی ہیں کہ:

ع........ کرشمہ دامن دل می کشد کہ جا ایں جاست

بشیر القاری میں علوم وفنون کے جو سمندر موجزن نظر آتے ہیں وہ آپ کی علمی قوت اور ماہرانہ فوقیت پر نہ صرف دال ہیں بلکہ راہ سلوک کے راہ رو کے طریقے پر آپ کی ذات سے پردہ اٹھاتے ہیں، اگر اسی نہج پر پوری بخاری شریف لکھ دی جاتی تو علمی دنیا میں ایسا گرانقدر اضافہ ہوتا جو کم دیکھنے کو ملتا۔ خود حضرت موصوف نے داخلی احساسات کو تصوف کی ادراکاتی منزلوں تک کیسے پہنچایا ہے؟ اس کے مطالعہ سے معلوم ہوتا ہے، اور آپ کے قول وعمل میں اشتراکیت کا پہلو نمایاں ملتا ہے۔

بخاری شریف کی ابتدائی حدیث "انما الاعمال بالنیات" پر بحث کرتے ہوئے اس کے تمام داخلی اور خارجی پہلوؤں پر محققانہ نظر ڈال کر آپ نے پیرایہ بیان تصوف کی طرف پھیر دیا ہے اور باب التصوف کے عنوان سے بڑی تفصیلی اور جامع گفتگو فرمائی ہے۔ اور ایسے ایسے لالہ زار سجائے ہیں کہ نگاہیں دیکھتی رہ جائیں۔ تصوف کے اہم مسائل سے داخلی تحفظات بڑی اہمیت کے حامل ہوتے ہیں۔ اور دل ہی مرکز تقویٰ وفساد ہوتا ہے، نیت صادقہ اور نیت فاسدہ دونوں کا تعلق دل سے ہی ہوتا ہے، پس جب دل مرکز صلاح وفساد ٹھہرا تو اعمال کے درجات اسی نیت پر موقوف ہوں گے۔ رقمطراز ہیں:

حدیث زیر بحث کے پہلے فقرے "انما الاعمال بالنیات" سے تو یہ ثابت ہوا کہ اعمال کا اخروی ثواب صدق نیت پر موقوف ہے کہ بغیر اس کے عامل ثواب سے محروم رہے گا۔ اور دوسرے فقرے "انما لامرئ ما نوی" سے فقیر (حضرت صدر العلماء) غفرلہ کی تحقیق کے مطابق یہ ظاہر ہوا کہ صدق نیت پر بھی انسان کو مولی تعالیٰ ثواب سے سرفراز فرماتا ہے۔ جملہ اعمال کے ثواب کا نیت صادق پر توقف، اور محض نیت صادق پر بدون عمل کے عطائے ثواب یہ دونوں چیزیں نیت صادق کی اہمیت اور عظیم الشان منفعت کی رہنمائی کرنے کے لئے اگرچہ کافی تھیں مگر بنظر افادہ بعض دیگر نبوی ارشادات اور مشائخ کی ہدایات پیش کرتے ہیں: جن سے نیت صادق کی کثیر منفعت کے ساتھ نیت فاسد کی شدید مضرت کا بھی پتہ چلتا ہے۔ (۸)

حضرت مخدوم جہاں سیدی اشرف الحق والدین احمد یحیٰ منیری علیہ الرحمہ نے مکتوبات میں اپنے مرید حضرت شمس الدین کو نیت کی گہرائیوں سے آگاہ فرماتے ہوئے بیان کیا:

نیت جب دنیا کے لگاؤ سے پاک ہو جاتی ہے تو اس گروہ کے لوگ یعنی اہل تصرفات اس کو اخلاص زاہدانہ کہتے ہیں، اور جب آخرت کے لگاؤ سے پاک ہو جاتی ہے تو اس کو اخلاص عارفانہ کہتے ہیں، بزرگوں کا مقولہ ہے کہ جس شخص میں جتنا علم ہوگا اور جیسی اس کی معرفت ہوگی نیت کی درستگی اسی مرتبہ میں ہوگی۔

اتنا ذکر فرمانے کے بعد مثالوں کے ضمن میں وضاحت فرمائی ہے جس کو دیکھ کر دل ہل جائے اور روح لرزنے لگے۔ اہل معرفت علوم ظاہری سے اسی طرح باطنی موتی چنتے ہیں اور تصوف کے یگانہ سرتاج بن جاتے ہیں، پھر محترم شمس الدین کو مخاطب فرمایا:

چند مثالوں سے اس کو سمجھ سکتے ہیں:

(۱) ایک شخص ہے کہ دل میں اس کے خواہشات ومحبت دنیا غالب ہے، اس صورت میں جو فعل جو عمل اُس سے صادر ہوگا دنیاوی ہوگا۔ کچھ نہ کچھ ضرور دنیاوی غرض اُس میں پوشیدہ ہوگی۔ ہر چند نماز کیوں نہ پڑھے۔ روزہ کیوں نہ رکھے۔" منکم من یرید الدنیا" (تم میں سے جو لوگ دنیا چاہتے ہیں) ایسے ہی لوگوں کے لئے کلنک کا ٹیکہ ہے، ایسی عبادت وریاضت کا پھل خسارت وحرمان کے سوا کچھ نہ ہوگا۔

(۲) دوسرا شخص وہ ہے کہ اس کے دل میں چاہ اور محبت آخرت کی غالب ہے، اس صورت میں جو عمل جو فعل اُس سے وجود میں آئے گا اُخروی ہوگا۔ درستگی نیت کے باعث اس کا کھانا پینا، اس کا سونا بیٹھنا بھی عبادت سے خالی نہ ہوگا، بہشت اس کے لئے آرام گاہ ہے۔" ان الذین آمنوا و عملو الصالحات کانت لهم جنات الفردوس نزلا" (جو لوگ ایمان لائے اور اچھے کام کئے ان کی منزل جنت الفردوس ہے) انہی کی شان میں ہے جیسا اس مستند فرمان سے ظاہر ہے۔

(۳) پھر ایک تیسری جماعت کے لوگ ہیں جن کا نام سلطان ہمت ہے نہ دنیا میں ان کا قدم جمتا ہے نہ آخرت میں ان کا سرا الجھتا ہے حضرت حق کے سوا مقصود ومطلوب ہی دوسرا نہیں رکھتے، ان کی شان یہ ہے کہ:

مارا بجز این جہان جہانے دگرست — جز دوزخ وفردوس مکانے دگرست

(ہمارے لئے اس جہان کو چھوڑ کر ایک دوسرا ہی جہان ہے، دوزخ وبہشت کے سوا دوسرا ہی مکان ہے) پس جو عمل اور فعل کہ ان سے وجود میں آئے گا خالصاً لوجہ اللہ ہوگا" ایاك نعبد وایاك نستعين " (میں تجھی کو پوجتا ہوں اور تجھی سے مدد چاہتا ہوں) اصلی معنیٰ میں اسی قوم کا نمازیں پڑھنا درست ہے، اور" ان صلاتی ونسکی ومحیای ومماتی للّٰہ رب العالمین" (میری نماز اور قربانیاں اور میرا مرنا اور جینا پروردگار عالم ہی کے لئے ہے) اسی گروہ کے لئے حقیقی معنیٰ میں مسلم ہے (۹)

سلوک کے راہرو کے لئے ابتدائی مراحل میں نیت صادق کیمیا کا اثر رکھتی ہے، کیونکہ آگے کے مراحل بالتدریج ایسے مبتدی سے بغیر صدق نیت کے طے نہیں ہو سکتے اور اس دورانیہ میں شیخ اپنی نگرانی میں ایسے مبتدی

سالک کی مسلسل نگرانی بھی کرتا ہے اور حفاظت بھی تا کہ مقام عروج تک پہنچنے میں رکاوٹیں حائل نہ ہو سکیں۔

حضرت صدرالعلما نے اسی امر کی طرف رہنمائی فرماتے ہوئے ارشاد فرمایا:

راہ سلوک اختیار کرنے والے مرید مبتدی پر صدق نیت کا التزام ہر قول وفعل میں اشد ضروری ہے کہ سلوک کی دشوار گزار گھاٹیوں کے قطع کرنے میں مدد خداوندی بقدر صدق نیت ہوتی ہے۔امام سالم بن عبداللہ رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے خلیفہ راشد حضرت عمر بن عبدالعزیز قدس سرہ کو ایک مکتوب بعبارت ذیل تحریر فرمایا تھا:" اعلم یا عمر! ان عون اللہ تعالیٰ للعبد بقدر النیۃ فمن تمت نیتہ تم عون اللہ لہ ، ومن قصر النیۃ قصر عنہ عون اللہ بقدر ذلک " (ترجمہ: جانو اے عمر! بیشک اللہ تعالیٰ کی جانب سے بندہ کی امداد بقدر نیت ہوتی ہے تو جس کی نیت تام ہوگی (کہ اس کا کوئی قول وفعل صدق نیت سے خالی نہیں) تو اللہ تعالیٰ کی مدد بھی اس کے لئے کامل ہوگی۔اور بندہ کی نیت میں جتنا قصور ہوگا، اسی قدر مدد خداوندی میں کمی ہو جائے گی، لیکن مرید کو چاہئے کہ پہلے صدق نیت کا علم حاصل کرے کہ بدون علم انسان کسی عمل کو نہیں کر سکتا۔صدق نیت کی تعلیم شیخ سے حاصل کرے بشرطیکہ شیخ بقید حیات ہو، ورنہ ایسے لوگوں کی صحبت اختیار کرے جو صدق نیت کے عالم ہوں تا کہ اس کو صدق نیت پر آگاہ کرتے رہیں۔(۱۰)

یہ بات تصوف کی تمام کتابوں میں نظر آتی ہے کہ صدق نیت منازل سلوک طے کرنے میں کسی خضر راہ سے کم نہیں۔اسی لئے اولین مرحلے میں مرشد اپنے مرید کی تربیت میں صدق نیت پر زیادہ زور اور توجہ دیتا ہے کیونکہ اعمال کا معیار اس کی نیت ہی سے معلوم ہوتا ہے،صوفیائے کرام کے نزدیک صفائی اور نیت صادقہ وہ کیمیاوی اجزا ہیں جن سے روحانیت کا خمیر ہوتا ہے، اور اس پر کار بند رہنے سے سالک دریکتا بن جاتا ہے،

حضرت صدرالعلماء رقمطراز ہیں:

شیخ ابوسعید ابوالخیر قدس سرہ نے فرمایا: کہ صدق نیت کی راہ اختیار کرنے کے لئے مرد درکار ہے(پھر سالہا سال کے بعد پختگی پیدا ہوتی ہے) صدق نیت ایک کیمیا ہے کہ آدمی اس کا معتاد ہو کر بیش بہا موتی بن جاتا ہے۔جس کو صدق نیت کی دولت مرحمت ہوئی اس کو سب کچھ مل گیا۔خواجہ سری سقطی قدس سرہ العزیز فرماتے ہیں کہ: (۷۰) ستر بلکہ (۷۰۰) سات سو احادیث عالی سندوں کے ساتھ لکھنا (اگر صدق نیت پر مبنی نہیں) تو ان سے دو رکعت خلوت میں صدق نیت کے ساتھ ادا کرنا کہیں زیادہ اچھا ہے۔اے جواں مرد! خود بینی اور خودنمائی تیرے واسطے دو بندشیں ہیں۔میری یہ ایک نصیحت ہزار نصیحتوں سے بہتر ہے،جس نے ان دو بندشوں سے نجات پائی ہو صدق نیت کے مرتبہ پر فی الحقیقت فائز ہوگیا:شعر:

کفراست دریں مذہب خود بینی وخود رائی ۔۔۔ فکر خود ورائے خود در عالم رندی نیست (۱۱)

جب شریعت مطہرہ کی رہنمائی میں معرفت کی وسعتیں طے کی جاتی ہیں تو نتائج مثبت ہو جاتے ہیں، اگر

شرعی قوانین واصول کو انداز کر کے منہاج معرفت پر چلنے کی سعی کی جائے تو اتنی ٹھوکریں لگیں کہ قدم لہولہان ہو جائے، اور ایمان مضمحل وافسردہ۔ عالمان شریعت نور خداوندی کے فیضان سے اتنا کسب فیض کرتے ہیں کہ راستے کی ہر مشکل آسان اور ہر خطرہ دور ہو چکا ہوتا ہے۔ بلکہ تقوی جس کی بنا ہی شریعت کی خشت اول پر رکھی جاتی ہے وہ بھی نور الٰہی سے اس وقت حاصل ہوگا جب بندہ سرمو شرعی پابندیوں سے گریز نہ کرے۔ مومن کامل کا دل، اس کی نظر اس کی بصارت، اس کی قوت فکریہ سبھی کچھ نور الٰہی کے تابع ہوتا ہے، اس لئے اس کی فراست ایمان بڑی عظیم اور بلند ہوتی ہے، ہادی عالم اور سرخیل عارفاں حضور رحمت عالم ﷺ نے اسی لئے مومن عارف کی تعریف فرمائی اور اس کے احترام کا حکم دیا:

"عن امامة عن النبی ﷺ قال: اتقوا فراسة المؤمن فانه ينظر بنور الله عز وجل"(۱۲)

ترجمہ: حضرت ابوامامہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی: وہ نبی کریم ﷺ سے روایت کرتے ہیں کہ آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا: مومن کی دانائی سے بچو کیونکہ وہ اللہ عزوجل کے نور سے دیکھتا ہے۔

حضرت صدر العلماء علیہ الرحمہ کی فراست ایمانی اُسی نور الٰہی سے فیضیاب تھی، یہی وجہ تھی کہ وہ کسی لومۃ لائم کی پروا کئے بغیر عرفان الٰہی کے جادہ حق نما پر چلتے رہے۔ اُس میں تیزی تو اُسی وقت آ گئی تھی جب وہ قطب زماں حضور سیدی اشرفی میاں علیہ الرحمۃ والرضوان کے دامن کرم سے وابستہ ہوئے تھے، مگر اس عرفان وآگہی میں طاعات، عبادات، خشیت مولیٰ، تطہیر فواد اور تزکیۂ نفس کی جولانی اس وقت شباب آمیز ہوئی جب مرشد برحق نے قطب زماں حضرت شاہ حافظ سید محمد ابراہیم قادری سراوہ شریف علیہ الرحمہ کی تربیت میں آپ کو ان کے حوالے فرما دیا۔ آپ صدر العلما علیہ الرحمہ ایک طرف مظہر انوار شریعت بن کر بشیر القاری اور نظام شریعت جیسی تصانیف میں شرعی توازن واعتدال کے جوہر سمور ہے تھے تو دوسری طرف عارف شب زندہ دار بن کر تقوی کے زروہ کمال کے بروج عالی کو مسخر کرنے کی کوشش بھی کر رہے تھے جو عارف علم شریعت کی توانائی لے کر میدان معرفت میں رہ نوردی کرتا ہے۔ اس کے سامنے سوائے ذات الٰہی کے اور کچھ نہیں ہوتا۔ اگر کبھی نظر بھی آتا ہے تو منفی کر دیا جاتا ہے۔ اسی لئے علما اور عرفا کی مجالس خیر میں بیٹھنے کی فضیلت واضح طور پر بیان فرمائی گئی ہے۔

"عن عبد الله بن بسر المازنی صاحب رسول الله ﷺ يقول: المتقون سادة، والعلماء قادة ومجالستهم عبادة بل ذلك زيادة. وانتم في ممرّ الليل والنهار في آجال منقوصة واعمال محفوظة . فاعلو الزّادَ كانكم بالمعاد"(۱۳)

ترجمہ: حضور ﷺ کی بارگاہ کے حاضر باش حضرت عبداللہ بن بسر مازنی سے مروی کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: متقی لوگ سردار ہیں، علما قائد ہیں، ان کی مجلسیں (یعنی ان میں حاضری دینا) عبادت ہے بلکہ عبادت سے بھی زیادہ، تم قلیل وقت میں محفوظ اعمال کے ساتھ شب وروز کی گزرگاہ میں ہو تو اے لوگو! توشہ کی تیاری کرو گو

یا تم کو لوٹنا ہی ہے۔

اس فرمان والا شاہ نے علم ومعرفت اور علماء عرفا دونوں کے مراتب ومناقب واضح فرمادئے، ہم جب اس حدیث کی روشنی میں حضرت صدر العلما کا جائزہ لیتے ہیں تو ان کے اندر دونوں صفتیں مہر نیمروز کی طرح جھلکتی اور چمکتی ہوئی نظر آتی ہیں۔

توحید کی بحث:

ارباب معرفت کے نزدیک تصوف کا بنیادی عنصر توحید کا اثبات ہے کہ بندہ اپنے وجود کو فراموش کر کے تجلیات ذات واحد میں گم کردے جب اسکی یہ منزل ہوگی تو کائنات کا حجاب ساقط ہو جائیگا بلکہ اسوقت اسکا اپنی خودی کا حجاب بھی ساقط ہو جاتا ہے۔ مگر توحید کے باب میں یہ بات خاص طور سے ملحوظ رکھی گئی ہے کہ اثبات توحید میں کسی طرح شرک کا پہلو نہ نکل پائے۔ کیونکہ اللہ تعالیٰ واحد حقیقی ہے نہ کہ واحد عددی۔ واحد عددی متجزی ہوتا ہے جزئیت وبعضیت کا قابل ہوتا ہے جبکہ واحد حقیقی ان تمام صفات خلقی سے منزہ اور پاک ہوتا ہے۔ اگر واحد عددی کے ثبوت میں واحد حقیقی کی جزئیت یا بعضیت کا کسی بھی طرح سے ثبوت ہوا تو یہ توحید کے بالکل منافی ہوگا ۔موحد چونکہ واحد عددی کا فرد ہوتا ہے اب اگر وہ اثبات حقیقی میں اپنے وجود کو ملحوظ رکھے تو یہ بہت بڑا فساد ہوگا ۔اور توحید کے منافی بھی۔ حضور سیدنا عبد الواحد بلگرامی علیہ الرحمہ نے اس سے پردہ اٹھایا ہے۔ ارشاد فرماتے ہیں:

اگر واحد حقیقی اس حیثیت سے کہ اسے اعداد سے کوئی نسبت نہیں' موحد پر تجلی ڈالے تو موحد اس تجلی کے اثرات سے مجازی کثرتوں کے اعداد کو واحد حقیقی میں گم کردیتا ہے' اور اس حال میں اگر اس سے کثرتوں کے اعداد کا سوال کیا جائے تو وحدت ہی سے جواب دیتا ہے۔

چوں جملہ یکے باشد ما در چہ شماریم   اعداد شمردیم بسے جملہ یکے بود   (۱۴)

پھر مقام ومناصب کے اعتبار سے اہل نظر وبصیرت کی توحید میں فرق بھی ہوتا ہے۔ اہل اللہ کی معرفت توحید اہل ظواہر کے لحاظ سے ارفع واعلیٰ ہوتی ہے۔ کہ حجابات نفس راستے میں روکاوٹ ڈالے موجود ہوتے ہیں ۔حضرت ذوالنون مصری رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا: ''معرفت کی تین اقسام ہیں: اول' معرفت توحید۔ دوم' معرفت حجت وبیان یہ حکماء وعلماء کو ملتی ہے۔ سوم' صفات وحدانیت کی معرفت' یہ صرف اولیائے کرام کے لئے ہے۔ یہ نہ دوسروں کو ملتی ہے نہ کوئی ان مراتب سے واقف ہو سکتا ہے۔ (۱۵)

پھر پیر کامل علی ہجویری معروف بہ داتا گنج بخش رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے توحید پر تفصیلی بحث فرما کر مشا ئخین سلف کے اقوال وآراء جمع فرمائے۔ خصوصی بات جو اس بحث میں مرکز فکر ہے وہ توحید کو اشتراک غیر سے منزہ کرنا ہے۔ یہ بات کتنی واضح اور حق ہے کہ وہ قدیم بالذات کی وحدت میں حادث کس طرح سے شریک ہو سکتا

ہے؟ حدوث تو یوں ہی قِدم کے منافی ہے۔ تو موحد کے لئے یہ کب روا ہوگا کہ وہ قدیم ازلی کی ذات وصفات کے ساتھ حادث وفانی کی کثرت کا تصور بھی کرے۔ حضرت حضرمی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا قول نقل فرماتے ہوئے سیدی داتا علیہ الرحمہ رقمطراز ہیں:

" اصولنا في التوحيد خمسة رفع الحدث . واثبات القدم وهجر الاوطان و مفارقة الاخوان ونسيان ما علم و جهل ....

ترجمہ: یعنی توحید میں ہمارے پانچ اصول ہیں، حدث کا ارتفاع، قدم کا اثبات، ترک اوطان، بھائیوں سے جدائی، اور ہر علم وجہل کا بھول جانا۔ (۱۶)

پھر طبقات صوفیا میں اقسام توحید کے بارے میں بہت زیادہ غوامض ہیں من کل الوجوہ رب تعالیٰ کو واحد حقیقی تصور کرنا اور لاتعداد ممکنات کو اس واحد حقیقی کا مظہر قرار دینا، کہ اگر چہ یہ کائنات اپنے جزئیات کے اعتبار سے از کراں تا کراں پھیلی ہوئی ہے مگر ان سب کا مصدر اصلی وہی واحد حقیقی ہے۔

مروز آئینہ خانہ کہ بس تماشائیست — یکی تو محو خودی وچوں تو ہزار یکی

چنانچہ سیدنا ابوالقاسم قشیری متوفی ۴۶۵ھ نے توحید کی تین قسمیں بیان فرمائیں۔

(۱) "تو حيد الحق للحق" یعنی اللہ تعالیٰ کو واحد حقیقی جاننا۔

(۲) " تو حيد الحق سبحانه للخلق " یعنی اللہ تعالیٰ کی توحید مخلوق کے لئے۔

(۳) " تو حيد الخلق للحق" یعنی اللہ تعالیٰ کی یکتائی کا عقیدہ مخلوق کو رکھنا۔ (۱۷)

مگر اس بحث پر سیر حاصل گفتگو سیدی حضرت شرف الدین یحییٰ منیری رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے مکتوبات صدی کے مکتوب اول میں کی ہے۔ آپ نے توحید کے اجمالاً چار درجے بتائے ہیں:

پہلا درجہ: یہ ہے کہ ایک گروہ فقط زبان سے " لا الــه الا الله "کہتا ہے مگر دل سے رسالت وتوحید کا منکر ہے۔ ایسے لوگ زبان شرع میں منافق کہے جاتے ہیں۔ الخ.

دوسرا درجہ: اس کی دو شاخیں ہیں: ایک گروہ زبان سے بھی " لا اله الا الله " کہتا ہے اور دل میں بھی تقلیداً اعتقاد رکھتا ہے کہ اللہ تعالیٰ ایک ہی ہے کوئی اس کا شریک نہیں .... اس جماعت کے لوگ عام مسلمانوں میں ہیں۔

(۲) دوسرا گروہ زبان سے بھی " لا الــه الا الله " کہتا ہے اور دل میں اعتقاد صحیح رکھتا ہے۔ علاوہ اس کے علم کی وجہ سے اللہ تعالیٰ کی وحدانیت پر سیکڑوں دلیلیں بھی رکھتا ہے۔ اس جماعت کے لوگ متکلمین یعنی علمائے ظواہر کہلاتے ہیں۔ الخ.

تیسرا درجہ: موحد مومن بہ اتباع پیر طریقت مجاہدہ وریاضت میں مشغول ہے۔ رفتہ رفتہ یہ ترقی اس

نے کی ہے کہ نور بصیرت دل میں پیدا ہو گیا ہے، اس نور سے اس کو اس کا مشاہدہ ہے کہ فاعل حقیقی وہی ایک ذات ہے.........الخ

چوتھا درجہ: کثرت اذکار واشغال وریاضت ومجاہدہ کے بعد ترقی کرتے کرتے، یہاں تک سالک ترقی کرتا ہے کہ بعض بعض وقت شش جہت میں اللہ تعالیٰ کے سوا اس کو کچھ نظر نہیں آتا۔ تجلیات صفاتی کا ظہور اس شدت سے سالک کے دل پر ہوتا ہے کہ ساری ہستیاں اس کی نظر میں گم ہو جاتی ہیں.........(پھر آگے چل کر فرماتے ہیں).........خدا کے مشاہدہ میں سالک ایسا مستغرق ہو جاتا ہے کہ عالم جو آئینہ حیرت ہے اس کو نظر نہیں آتا.........پھر فرماتے ہیں: اس مقام کا نام فنا فی التوحید) یعنی توحید میں فنا ہو جانا ہے.........(مزید کچھ اور آگے چل کر رقمطراز ہیں).........فنا فی التوحید کے بعد ایک مرتبہ ہے جس کا نام "الفناءُ عنِ الفنَاءِ" ہے......((مزید ارشاد ہے)..اس مرتبہ میں سالک کی یہ حالت ہوتی ہے کہ کمال استغراق کی وجہ سے اُس کے احساس کو اپنی فنائیت کی خبر نہیں ہوتی۔ اور نہ اس کی آگاہی باقی رہتی ہے کہ ہم فنا ہوئے۔ یہاں تک کہ جمالی وجلالی تجلی کا فرق بھی نظر نہیں آتا۔(۱۸)

مقام توحید کا یہی وہ عظیم الشان درجہ ہے جس پر فائز ہو کر بندہ اپنی ذات اور اپنے وجود سے بھی گم ہو جاتا ہے۔

ایسا گمادے اپنی وِلا میں خدا ہمیں ڈھونڈھا کرے پر اپنی خبر کو خبر نہ ہو

صدر العلماء کا نظریہ توحید:

حضرت صدر العلماء انہیں بادۂ الست کے جام نوشوں میں سے تھے کہ جن کے آفاق قلب پر واحد حقیقی کی تجلیات کے نزول نے اپنے وجود کی فنائیت کا آئینہ دکھایا تھا۔ اور وہ اُسی توحید حقیقی کے مقلد تھے جس نے ماسوا للہ کو فنا کر دیا تھا۔ اور ان کے افکار دل پر " الفناء في التوحيد "اور"الفناء عن الفنا" دونوں کی جلوہ ریزیاں اثر انداز تھیں۔

ایک بڑی دلچسپ بات یہ ہے کہ حضرت صدر العلما نے نسبت رسالت سے توحید کا اصل عنصر اخذ کیا ہے ۔بخاری شریف جلد اول " كيف كان بدء الوحى " کی حدیث میں حضور رحمت عالم ﷺ کا یہ فرمان عالی کہ " فاخذني فغطني حتى بلغ مني الجهد ثم ارسلني فقال " کے ضمن میں حضور ﷺ کی قوت وطاقت کی برتری حضرت جبرئیل علیہ السلام پر ثابت کرتے ہوئے کہ حضور ﷺ کی طاقت کے مقابل میں حضرت جبرئیل علیہ السلام کی طاقت جیسے سمندر کے مقابل میں قطرہ۔ آپ فرماتے ہیں:

جبرئیل امین علیہ السلام اگر چہ زبردست طاقت رکھتے ہیں لیکن اس کے باوجود ان کی طاقت کو سید عالم

ﷺ کی طاقت کے مقابل وہی نسبت ہے جو قطرہ کو دریا کے ساتھ یا ذرہ کو آفتاب سے۔

پھر چند سطر بعد فرماتے ہیں:

جبرئیل امین علیہ السلام کی تمام طاقتیں نبوی طاقت کے سامنے ہیچ ہیں۔(۱۹)

پھر اعتراض و جواب کی صورت میں آپ نے توحید کی قسمیں بیان فرمائیں۔ جس سے اُن کا مسلک توحیدی بالکل واضح ہو جاتا ہے۔ آپ نے موحد کے لئے اپنی صفات وذات کا سلب لازم قرار دیا ہے۔ کہ بندہ رب کریم کی ذات وصفات کے مشاہدہ جمال میں اس قدر مستغرق ہو جائے کہ اپنی ذات وصفات ساقط ہو جائیں ۔چنانچہ فرماتے ہیں:

توحید کے تین مرتبے ہیں:

(۱) توحید ایمانی: یہ ہے کہ بندہ صرف اللہ تعالیٰ کے لئے الوہیت اور استحقاق عبادت کی دل سے تصدیق اور زبان سے اقرار کرلے۔ یہ توحید علم ظاہر سے مستفاد ہوتی ہے۔ اس کا حصول شرک جلی سے بچا کر انسان کو سِلکِ اسلام میں منسلک کر دیتا ہے صوفیائے کرام عامۂ مؤمنین کے ساتھ اس مرتبہ توحید میں شریک ہوتے ہیں، اور دیگر مراتب کی رو سے ان کو امتیاز حاصل ہوتا ہے۔

(۲) توحید علمی: یہ ہے کہ بندہ جب طریق تصوف پر گامزن ہو تو اولاً اس بات کا یقین کامل حاصل کرے کہ موجد حقیقی اور مؤثر مطلق صرف اللہ تعالیٰ ہے۔ اور اس پر یقین رکھے کہ جملہ ذوات وصفات اور افعال اس کی ذات وصفات اور افعال میں منطوی ہیں۔ ہر ذات کے فروغ کو ذات مطلق کے نور سے ناشی، اور ہر صفت کو صفت مطلق کا پرتو اعتقاد کرے۔ چنانچہ جہاں کہیں علم، قدرت، ارادہ، سمع، بصر کا ظہور ہو تو یہی یقین رکھے کہ الٰہی علم، الٰہی قدرت، الٰہی ارادہ، الٰہی سمع، الٰہی بصر کے یہ سب آثار ہیں اسی طرح باقی کو بھی الٰہی صفات کے آثار اعتقاد کرے۔ شیخ سعد الدین حموی قدس سرہ نے فرمایا کہ بشریت میں توحید "حی وقیوم" کو قبول کرنا ہے کہ تمام احوال میں اُسی کی جانب متوجہ رہے۔ یعنی خلقی مظاہرے سے جو بندے پر وارد ہو خواہ ملائم خواہ مکروہ سب اسی کے حوالے کرے اور واسطہ کو نظر انداز کر دے۔ حق سبحانہ تعالیٰ کے دست تصرف میں اپنے کو ایسا سمجھے جیسے قلم بدست کاتب۔ وسائط کو معذور جانے اگر کوئی چیز موافق طبع پیش آئے بجالائے اور یہ سمجھے کہ حق سبحانہ تعالیٰ اس صورت میں ظاہر ہو کر تلطف فرماتا ہے۔ اور اگر کوئی مکروہ پہنچے تو یقین کرے کہ حق سبحانہ تعالیٰ اس صورت میں متجلی ہو کر عقوبت فرماتا ہے کہ ناپسندیدہ اطوار سے اجتناب کر کے پسندیدہ طریقے پر آجائے۔ اسی واسطے سالک پر واجب ہے کہ بروقت حادثہ مکروہ اپنے احوال کا پورا تفحص کرے۔ ظاہری اور باطنی اعمال کی چھان بین میں مصروف ہو جائے۔ اور اگر کسی صفت مذموم پر مطلع ہو یا غفلت پر یا تضییع اوقات پر یا اہمال عبادات پر یا صفاتِ محمودہ کے ترک پر فوراً اصلاح کی طرف متوجہ ہو۔

ایک بزرگ نے موسم بہار میں ارادہ فرمایا کہ بغرض تفریح کسی لالہ زار میں تشریف لے جائیں، زین کس کر سواری حاضر خدمت کی گئی، فرمایا موزہ لاؤ! تا کہ اس کو پہن کر سواری پر بیٹھیں۔ موزہ پیش کیا گیا تو دیکھا کہ چوہے نے دو انگشت کاٹ ڈالا ہے۔ اُن بزرگ نے موزہ کٹا دیکھ کر بہت افسوس کیا، اور بے حد اظہار ندامت فرمایا۔ حاضرین نے عرض کیا کہ اِس ذرا سے نقصان پر اتنا افسوس اور اِس قدر اظہار ندامت کس لئے؟ فرمایا: یہ افسوس موزہ پر نہیں۔ بلکہ اس لئے افسوس کرتا ہوں کہ کون سا جرم مجھ سے صادر ہوا ہے۔ جس کی پاداش میں موزہ کاٹا گیا۔

(۳) توحید حالی: یہ ہے کہ حالِ توحید ذات موحد کے لئے وصفِ لازم ہو جائے اور بجز قدرے قلیل رسوم وجود کی جملہ تاریکیاں نورِ توحید کے اشراق میں گم ہو جائیں۔ توحید کے نور کو اس درجہ فروغ ہو کہ توحید کا علمی نور اس میں پوشیدہ ہو جائے۔ آفتاب کے نور سے ستاروں کا نور چھپ جاتا ہے۔ اس مرتبہ پر پہنچ کر وجود واحد کے مشاہدۂ جمال میں وجود موحد اس قدر مستغرق ہوتا ہے کہ واحد کی ذات وصفات کے سوا کوئی چیز اس کو نظر میں نہیں آتی۔ یہاں تک کہ یہ توحید بھی اپنی صفت معلوم نہیں ہوتی بلکہ اس کو بھی صفتِ واحد جانتا ہے، اور اُس جاننے کو بھی اُسی کی صفت سمجھتا ہے، موحد کی ہستی اس طریقے سے بحر توحید کی تلاطم خیز امواج میں پڑ کر قطرہ کی طرح ناپید ہو جاتی ہے۔ شرک خفی سے کلیۃً احتراز اسی مرتبہ میں حاصل ہوتا ہے، اور آدمی کے واسطے اس سے بالاتر توحید کا مرتبہ نہیں۔ (۲۰)

اس پوری بحث کو بہ نظر غائر دیکھا جائے تو حضرت صدر العلماء کا توحید کے سلسلے میں مسلک وجودی واضح ہو جاتا ہے کہ آپ وحدۃ الوجود کے قائل تھے اور کائنات کو اُسی ایک وجود کا پرتو اور ظل تصور فرماتے تھے۔ علاوہ ازیں یہ بات بھی واضح ہوگئی کہ ارباب شرع اور احباب معرفت عقیدہ توحید میں متحد ہیں، ہاں بعض دیگر مراتب کے اعتبار سے ان کو ترجیح وتوفق حاصل ہوتا ہے۔ مسلک وجودی کے تعلق سے سیدی امام احمد رضا علیہ الرحمۃ والرضوان ارشاد فرماتے ہیں:

وحدۃ الوجود: وجود ہستی بالذات واجب تعالیٰ کے لئے ہے۔ اُس کے سوا جتنی موجودات ہیں سب اُسی کی ظل وپرتو ہیں تو حقیقۃً وجود ایک ہی ٹھہرا۔ (۲۱)

تاہم اِس مرتبہ فنائیت کے بعد بھی سالک ھل من مزید کا نعرہ لگاتا رہتا ہے، کیونکہ بحر توحید میں جتنی شناوری اور غواصی کی جائے اسی قدر تعمق کے ادراک سے عقل عاجز ودرماندہ ہوگی، حضرت سیدنا جنید بغدادی علیہ الرحمہ فرماتے ہیں:

توحید خدا کو جاننے کا نام ہے اور انتہائے توحید یہ ہے کہ جس حد تک بھی توحید کا علم ہو اس کو یہی تصور کرے کہ توحید اس سے بھی بالاتر ہے۔ (۲۲)

حضرت صدر العلماء افکار صوفیا سے بہت ہی متاثر تھے یہی وجہ ہے کہ ان کی ذاتی زندگی اور تحریرات میں اس کا مکمل عکس جھلکتا ہے۔ اپ کی گراں بہا تصنیف بشریٰ القاری میں اسرار تصوف کو اس حسن کمال سے پرو دیا گیا ہے کہ مفاہیم احادیث کا وجوبی عنصر تصوف ہی محسوس ہونے لگتا ہے۔ کتاب مستطاب میں تصوف کے مصطلحات کو وافر مقدار میں نقل کیا گیا ہے اور عملی زندگی کے پہلوؤں کو حکایات وامثلہ سے مزین فرما کر قاری کے ذہن ودماغ پر تصوف کے گہرے جاذب نقوش ثبت کئے گئے ہیں۔ مثلاً:

بیعت:

بیعت پر بڑی تفصیلی گفتگو کی گئی ہے پھر بیعت کی اقسام:

(۱) بیعت برکت: صرف تبرک کے لئے داخل سلسلہ ہو جانے کو بیعت برکت کہتے ہیں۔ (ص ۶۱)

(۲) بیعت ارادت: اپنے ارادہ واختیار سے یکسر باہر ہو کر اپنے آپ کو شیخ مرشد، ہادی برحق واصل بحق کے ہاتھ میں بالکل سپرد کر دے۔ اُسے مطلقاً اپنا حاکم ومالک جانے اس کے چلانے پر راہ سلوک چلے کوئی قدم بے اس کی مرضی کے نہ رکھے اُس کا کوئی حکم یا اس کا کوئی فعل اگر اس کے نزدیک صحیح نہ معلوم ہو تو اُسے افعال خضر علیہ السلام کے مثل سمجھے، اپنی عقل کا قصور جانے، اس کی کسی بات پر دل میں بھی اعتراض نہ لائے، اپنی ہر مشکل اُس پر پیش کرے، غرض اس کے ہاتھ میں "مردہ بدست زندہ" ہو کر رہے۔ (ص ۶۳)

شیخ فرماتے ہیں: بیعت کی طرح شیخ بھی دو قسم کے ہوتے ہیں:

(۱) شیخ اتصال: بیعت برکت کے لئے شیخ اتصال کافی ہے، جس کے ہاتھ پر بیعت کرنے سے انسان کا سلسلہ حضور پرنور سید المرسلین ﷺ تک متصل ہو جائے۔ (۶۲)

پھر شیخ اتصال کے لئے چار اہم اور ضروری شرطوں کا ذکر فرمایا ہے۔

(۱) شیخ کا سلسلہ باتصال صحیح حضور اقدس ﷺ تک پہنچا ہو۔ بیچ میں منقطع نہ ہو گیا ہو، منقطع کے ذریعہ اتصال ناممکن۔

(۲) شیخ سنی صحیح العقیدہ ہو، کہ بدمذہبوں کا سلسلہ شیطان تک پہنچے گا نہ کہ رسول اللہ ﷺ تک۔

(۳) عالم ہو یعنی فقہ اپنی ضروریات کے قابل جانتا ہو، اور عقائد اہل سنت سے پورا واقف کفر واسلام، ضلالت وہدایت کے فرق کا خوب عارف ہو، ورنہ آج بدمذہب نہیں کل ہو جائے گی۔ "فمن لم یعرف الشرّ فیوماً یقع فیه"

(۴) فاسق معلن نہ ہو، لیکن اس شرط پر حصول اتصال موقوف نہیں۔ (ص ۶۲)

(۲) شیخ ایصال: وہ ہے جو شرائط اربعہ مذکورہ کے ساتھ ساتھ مفاسد ومکائد شیطان ومصائد ہوا سے آگاہ ہو۔ دوسرے کی تربیت جانتا اور اپنے متوسل پر شفقت تامہ رکھتا ہو، کہ اس کے عیوب پر اُسے مطلع کرے۔

ان کا علاج بتائے۔ جو مشکلات اِس راہ میں پیش آئیں حل فرمائے۔ نہ محض سالک ہو نہ زا مجذوب۔
(ص ۶۳۔۶۴)

خلوت: صاحبان معرفت کے نزدیک خلوت وہ لازمی عنصر ہے جو تزکیۂ نفس اور تطہیر قلب میں بہت ہی ممد و معاون ثابت ہوتا ہے۔ آپ نے اس پر بڑی تفصیلی گفتگو کی ہے اور خلوت گزینی کے فوائد کے عنوان سے چھ اہم اور ضروری فوائد کا ذکر کیا ہے۔

(۱) یہ کہ عبادت اور تفکر کے لئے اس میں فراغت حاصل ہوتی ہے۔ (ص ۹۳)

(۲) یہ کہ خلوت میں ان معاصی سے انسان محفوظ رہتا ہے جن میں آلودہ ہونے سے بحالت اختلاط عموماً بچ نہیں سکتا۔ وہ چار ہیں:

اول: غیبت: کہ لوگوں کی عادت میں داخل ہوگئی ہے یہاں تک کہ اس کی مذمومیت کا احساس بھی جاتا رہا۔ (ص ۹۴)

دوم: ریا: یہ نہایت خبیث باطنی مرض ہے۔ مادشما کس گنتی میں۔ ابدال و اوتاد پر بھی اِس سے اجتناب شاق ہوتا ہے۔

(ص ۹۴)

سوم: امر بالمعروف: اور نہی عن المنکر سے سکوت: حالانکہ یہ دونوں اصول دنیا سے ہیں اور بقدر استطاعت ہر مکلف پر فرض ہیں۔ (ص ۹۵)

چہارم: حرص دنیا سے پیدا شدہ ہم نشینوں کے پست اخلاق اور خبیث اعمال کو طبیعت کا مخفی طور پر اخذ کرنا۔ (ص ۹۴)

(۳) یہ کہ فتنوں اور خصومات سے نجات ملتی ہے۔ جان سلامت رہتی ہے اور دل خطرات سے محفوظ ہو جاتا ہے۔

(ص ۹۵)

(۴) یہ کہ خلوت میں لوگوں کے شر سے انسان کو خلاصی مل جاتی ہے۔ (ص ۹۵)

(۵) یہ کہ خلوت گزین انسان سے لوگوں کی طمع منقطع ہو جاتی ہے۔ اور لوگوں کے ساتھ اس کی طمع بھی وابستہ نہیں رہتی۔

(ص ۹۵)

(۶) یہ کہ ثقیل الطبع اور احمق لوگوں کے دیکھنے سے قلب کو جو تکلیف محسوس ہوتی ہے خلوت میں اس تکلیف سے انسان محفوظ رہتا ہے۔ (ص ۹۶)

ذکر: پھر جو اصطلاح تصوف میں اصلاح ذات کے لئے غذا کے مرتبے میں ہوتا ہے اس کی بحث بھی بڑی روح افزا ذکر فرمائی ہے۔ فرماتے ہیں: بہ اعتبار موصوف ذکر تین قسم پر ہے:

(۱) ذکر لسانی (۲) ذکر قلبی (۳) ذکر روحی۔ فرماتے ہیں:

''ذکر لسانی پر مداومت کرنے سے ذکر قلبی حاصل ہوتا ہے، اور ذکر قلبی کی مزاولت سے ذکر روحی جو ذکر کا فرد اکمل ہے۔

(۲۳)

ذکر لسانی: قلب غافل کے ساتھ اسے ذکر عادت بھی کہتے ہیں یہ عوام کا ذکر ہے۔ (ص ۱۰۰)

ذکر قلبی: ذکر لسانی حضور قلب کے ساتھ، اسے ذکر عبادت کہتے ہیں۔ یہ ذکر ذکر خواص ہے۔ (ص ۱۰۰)

ذکر روحی: تمام اعضاء کے ساتھ ذکر۔ یہ وہی ذکر روحی ہے کہ قلب سے منتقل ہو کر جب روح پر وارد ہوتا تو خانہ دل کی تاریکی نور سے متبدل ہو جاتی ہے، اور اگر خانہ دل کی تاریکی پہلے ہی زائل ہو چکی ہو تو نور علی نور کا افادہ کرتا ہے۔ (ص ۱۰۰)

چنانچہ حضرت صدر العلماء کی زندگی کا ایک انتہائی درخشاں باب ان کی زاہدانہ روش ہے جس پر چل کر انہوں نے شرعی حدود و قیود کے ساتھ معرفت کے مدارج طے کئے، اور تزکیۂ نفس وطہارت قلب حاصل کی، حضرت سیدنا شیخ ابو طالب محمد بن حارثی مکی ارشاد فرماتے ہیں:

''حضرت سہیل رحمۃ اللہ علیہ فرماتے تھے: انسان تصوف وتزکیۂ نفس کی حقیقت تک اُس وقت ہی رسائی حاصل کر سکتا ہے جب کہ وہ یہ چار باتیں پوری کرے، فرائض کو سنت کے ساتھ ادا کرے۔ تقویٰ کے ساتھ حلال کھانا۔ ظاہر و باطن میں ممنوعات سے بچنا۔ موت تک اس کی پابندی کرنا'' (۲۴)

مذکورہ بالا قول حضرت صدر العلماء مولانا غلام جیلانی میرٹھی علیہ الرحمہ کی حیات درخشاں کا ایک ایسا آئینہ محسوس ہو رہا ہے جس سے آپ کی علمی فوقیت، روحانی بلندی، صوفیانہ طمطراق روز روشن کی طرح عیاں ہے۔ یوں تو آپ کی تصانیف کا مطالعہ کرنے سے ایسا لگتا ہے کہ جیسے آپ کی ذات ایک سنگم ہو، شریعت وتصوف کی، تا ہم آپ پر حضور سیدنا غوث اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا خصوصی اثر اور پرتو ظاہر ہوتا ہے جو آپ کی تصانیف سے عیاں ہے۔ اگر صرف بشیر القاری کے جزئیات کا استقصاء کیا جائے تو اصطلاحات تصوف کے ذخائر جمع ہو جائیں ۔☆☆☆

محمد قمر الحسن قادری بستوی۔ ہیوسٹن۔ امریکہ

مآخذ ومصادر

(۱) دیوان امام شافعی علیہ الرحمہ ص ۴۷ المکتبۃ التجاریۃ مکۃ المکرمہ

(۲) مقال العرفاء امام احمد رضا علیہ الرحمہ ص ۱۸ الختار پبلی کیشنز پاکستان

(۳) مقال العرفاء	امام احمد رضا علیہ الرحمہ	ص ۱۸؍ المختار پبلی کیشنز پاکستان
(۴) مکتوبات صدی حصہ اول	حضرت شرف الدین یحییٰ منیری علیہ الرحمہ	ص ۲۰۱؍ ایچ۔ ایم۔ سعید کمپنی کراچی
(۵) مقال العرفاء	امام احمد رضا علیہ الرحمہ	ص ۱۰؍ المختار پبلی کیشنز پاکستان
(۶) دیباچہ بشیر القاری	مولانا سید غلام جیلانی میرٹھی علیہ الرحمہ	ص ۱۸؍ مکتبہ جیلانی سنبھل مراد آباد
(۷) ترمذی شریف جلد اول	امام ابوعیسیٰ ترمذی علیہ الرحمہ	ص ۲۹۳؍ اشرف جیلانی بکڈپو دیوبند
(۸) دیباچہ بشیر القاری	مولانا سید غلام جیلانی میرٹھی علیہ الرحمہ	ص ۵۷؍ مکتبہ جیلانی سنبھل مراد آباد
(۹) مکتوبات صدی حصہ اول	حضرت سید شرف الدین یحییٰ منیری علیہ الرحمہ	ص ۲۲۷/۲۲۶؍ ایچ ایم سعید کمپنی کراچی
(۱۰) بشیر القاری	مولانا سید غلام جیلانی میرٹھی علیہ الرحمہ	ص ۶۴؍ مکتبہ جیلانی سنبھل مراد آباد
(۱۱) بشیر القاری	مولانا سید غلام جیلانی میرٹھی علیہ الرحمہ	ص ۶۴؍ مکتبہ جیلانی سنبھل مراد آباد
(۱۲) کتاب الزھد الکبیر	امام حافظ ابوبکر احمد بن حسین بیہقی علیہ الرحمہ	ص ۱۶۰؍ دار الجنان بیروت لبنان
(۱۳) کتاب الزھد الکبیر	امام حافظ ابوبکر احمد بن حسین بیہقی علیہ الرحمہ	ص ۱۹۱؍ دار الجنان بیروت لبنان
(۱۴) سبع سنابل (اردو)	حضرت میر سید عبد الواحد بلگرامی علیہ الرحمہ	ص ۳۰۹؍ فرید بک اسٹال لاہور
(۱۵) تذکرۃ الاولیا (اردو)	حضرت شیخ فرید الدین عطار علیہ الرحمہ	ص ۶۷؍ شبیر برادرز لاہور
(۱۶) کشف المحجوب (اردو)	حضرت سید علی ہجویری علیہ الرحمہ	ص ۴۰۱؍ مدینہ پبلشنگ کمنی کراچی
(۱۷) رسالہ قشیریہ (اردو)	امام ابوالقاسم عبد الکریم قشیری علیہ الرحمہ	ص ۵۶۳؍ اسلامک پبلشر دہلی
(۱۸) مکتوبات صدی حصہ اول	حضرت شرف الدین یحییٰ منیری علیہ الرحمہ	ص ۱۵۱ تا ۱۵۶؍ ایچ ایم سعید کمپنی کراچی
(۱۹) بشیر القاری	مولانا سید غلام جیلانی میرٹھی علیہ الرحمہ	ص ۱۱۱؍ مکتبہ جیلانی سنبھل مراد آباد
(۲۰) بشیر القاری	مولانا سید غلام جیلانی میرٹھی علیہ الرحمہ	ص ۱۱۲ تا ۱۱۳؍ مکتبہ جیلانی سنبھل مراد آباد
(۲۱) الملفوظ (امام احمد رضا) حصہ اول	حضور مفتی اعظم ہند علیہ الرحمہ	ص ۵۵؍ مکتبہ رضا بریلی
(۲۲) تذکرۃ الاولیا (اردو)	حضرت شیخ فرید الدین عطار علیہ الرحمہ	ص ۲۰۸؍ شبیر برادرز لاہور
(۲۳) بشیر القاری	مولانا سید غلام جیلانی میرٹھی علیہ الرحمہ	ص ۱۰۰؍ مکتبہ جیلانی سنبھل مراد آباد
(۲۴) قوت القلوب (اردو) حصہ ۲	حضرت امام شیخ ابوطالب محمد بن عطیہ مکی علیہ الرحمہ	ص ۶۸۵؍ دار الاشاعت کراچی

بسم اللہ الرحمن الرحیم

صدر العلماء
ایک عظیم محقق

خطیبِ جلیل حضرت علامہ مولانا مختار احمد صاحب قادری

(بہیڑی۔یو۔پی)

امام النحو حضرت علامہ سید شاہ غلام جیلانی میرٹھی علیہ الرحمۃ ماضی قریب کے اکابر علمائے کرام میں نمایاں حیثیت رکھتے ہیں، پروردگار عالم نے آپ کو دنیائے علم وفضل میں وہ بلند مقام عطا فرمایا ہے کہ اپنے تو اپنے غیر بھی آپ کی عظمت علمی کا لوہا مانتے ہیں۔

آپ امام احمد رضا فاضل بریلوی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے تلمیذ وخلیفہ حضرت صدر الشریعہ رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کے شاگرد ہیں۔زیادہ تر تعلیم صدر الشریعہ سے ہی حاصل کی، ان کے توسط سے امام احمد رضا کے فیضان علمی سے مالا مال ہوئے۔

آپ نے علم نحو کی طرف خصوصی توجہ فرمائی اور آپ کو اپنے وقت کا امام النحو تسلیم کیا گیا، لیکن آپ کی کتاب ''بشیر القاری بشرح البخاری'' کے مطالعہ کے بعد ہر صاحب علم کو تسلیم کرنا پڑتا ہے کہ خدائے بزرگ و برتر نے آپ کو صرف علم نحو میں ہی نہیں بلکہ تفسیر، حدیث، فقہ، تصوف، لغت، اسمائے رجال، اصول، بدیع، معانی، بیان، صرف، تاریخ، اذکار، وغیرہ دیگر علوم میں بھی اعلیٰ ترین قابلیت اور انتہائی بلند پایہ مہارت سے سرفراز کیا تھا۔آپ جس فن پر بھی قلم اٹھاتے، علم نحو ہی کی طرح اس میں بھی اپنی انفرادیت کے جھنڈے گاڑ دیتے۔بشیر القاری کے مطالعہ سے یہ حقیقت بھی واضح ہوتی ہے کہ خداوند کریم نے آپکو علوم وفنون کی ہمہ رنگی کے ساتھ شاندار صلاحیت تحقیق اور قوت استدلال سے بھی پوری طرح بہرہ مند فرمایا تھا۔

آپ جب کسی اختلافی مسئلہ پر قلم اٹھاتے ہیں تو اس مسئلہ سے متعلق صرف اختلافی نظریات ہی کو نقل کر کے آگے نہیں بڑھ جاتے بلکہ اس کے بارے میں اس طرح تحقیق فرماتے ہیں کہ حق پوری طرح واضح ہو جاتا ہے اور مخالف کو دم مارنے کی مجال باقی نہیں رہتی۔

نمونہ کے طور پر بشیر القاری کے چند اقتباسات حاضر ہیں، جن سے آپ کی وسعت تحقیق اور شان استدلال کا بخوبی اندازہ لگایا جاسکتا ہے۔

حضور ﷺ کے صلاۃ وسلام سننے کا مسئلہ

کیا حضور ﷺ اپنے صلاۃ وسلام کو خود بھی سماعت فرماتے ہیں؟

دیوبندی وہابی اس کا انکار کرتے ہیں بلکہ اس عقیدہ کو کفر بتاتے ہیں، مولوی رشید احمد گنگوہی کا فتوی ہے:

اگر کسی کا عقیدہ یہ ہے کہ حضور ﷺ خود خطاب سلام کا سنتے ہیں، وہ کفر ہے۔ خواہ السلام علیک کہے، یا السلام علی النبی۔　　(فتاوی رشیدیہ کامل،، ص/۸۹)

اہل سنت وجماعت کا عقیدہ یہ ہے کہ حضور ﷺ نہ صرف صلاۃ وسلام بلکہ کائنات کی ساری آوازیں خود سماعت فرماتے ہیں، یہی عقیدہ اسلاف کرام کا تھا، اور یہی مسلک اعلی حضرت امام احمد رضا فاضل بریلوی کا ہے، آپ فرماتے ہیں:

بلاشبہ عرش وفرش کا ہر ذرہ ان کے پیش نظر ہے، اور ارض وسما کی ہر آواز ان کے گوش مبارک میں ہے۔

(ا) فتاوی رضویہ یازدہم، ص ۱۲۰)

علامہ میرٹھی علیہ الرحمہ نے اس مسئلہ پر بھر پور تحقیق فرمائی ہے اور عقیدہ اہل سنت اور مسلک اعلیٰ حضرت کو ایسے دلائل قاہرہ سے ثابت فرمایا ہے کہ مخالفین کیلئے قیل وقال کا ہر دروازہ بند کر دیا ہے۔

آپ نے پہلے تفصیل کے ساتھ یہ بیان کیا کہ امت کا ہدیہ صلاۃ وسلام، بارگاہ رسالت میں پیش ہوتا ہے، احادیث میں صلاۃ وسلام کی پیشی کے متعدد طریقے بیان کئے گئے ہیں، علامہ میرٹھی نے متعلقہ احادیث کے مکمل حوالوں کے ساتھ ان میں سے پانچ طریقے بیان کئے:

(۱)۔ اللہ تعالیٰ نے اپنے حبیب کریم علیہ الصلوٰۃ والتسلیم کی خدمت مبارکہ میں ایک ایسا فرشتہ مقرر فرمایا ہے جو ہر مخلوق کی آواز سنتا ہے۔ اس کے ذمہ یہی خدمت ہے کہ امت کے درود وسلام کو آپ کی خدمت میں پیش کرتا رہتا ہے۔

(۲)۔ ہر مومن کے ساتھ ایک فرشتہ مقرر ہے، جو اس مومن کا ہدیہ درود وسلام لکھ کر بارگاہ رسالت میں پیش کرتا ہے۔

(۳)۔ کچھ فرشتے دنیا میں گشت کرتے رہتے ہیں، ان کے ذمہ یہ خدمت ہے کہ امت کا صلاۃ وسلام بارگاہ نبوت میں پہونچاتے رہیں۔

(۴)۔ ایک فرشتہ ہر دن اللہ تبارک وتعالیٰ کی طرف سے اس کام پر مامور ہے کہ امت کے دن اور رات کے سارے اعمال بارگاہ رسالت میں پیش کرتا ہے۔ اعمال کے ضمن میں سب کے درود وسلام کے نذرانے بھی آپ کی بارگاہ میں پیش ہوجاتے ہیں، کیونکہ وہ بھی اعمال ہی کے قبیل سے ہیں۔

(۵)۔ ہفتہ بھر کے سارے درودوسلام ہر جمعہ کو آپ کی بارگاہ میں پیش کئے جاتے ہیں۔

جب یہ بات پوری طرح پایہ ثبوت کو پہونچ گئی کہ امت کا ہدیہ صلاۃ وسلام مختلف طریقوں سے بارگاہ رسالت میں پیش ہوتا ہے تو ذہن میں خود بخود یہ سوال پیدا ہوا کہ سرور انبیاء محبوب کبریا ﷺ کو صرف مذکورہ بالا طریقوں سے ہی اپنی امت کے ہدیہ درودوسلام کا علم ہوتا ہے، یا حضور پرنور ﷺ خود بھی اسے سنتے ہیں؟۔

اگر خود بھی سنتے ہیں تو صرف قریب کا، جو روضۂ پاک پر حاضر ہوکر عرض کیا جائے۔ یا قریب وبعید ہر امتی کا خواہ وہ مشرق میں ہو یا مغرب میں۔ زمین پر ہو یا آسمان میں۔ اور اگر ہر امتی کا درودوسلام خود سنتے ہیں، تو مذکورہ طریقوں سے پیشی کی کیا ضرورت ہے؟۔

ان سوالوں کا جواب دیتے ہوئے علامہ میرٹھی نے اس مسئلہ کے متعلق تحقیق وتدقیق کے وہ دریا بہائے ہیں کہ عقل آپکی نکتہ سنجی اور دقیقہ رسی پر عش عش کر اٹھتی ہے۔

آپ سب سے پہلے پورے یقین واعتماد کیساتھ اس بارے میں اپنے عقیدہ کا اعلان کرتے ہیں:

بیشک سرور کائنات فخر موجودات تاجدار انبیاء محبوب کبریا ﷺ ہر امتی کا درودوسلام بگوش سنتے ہیں، خواہ وہ زمین کے کسی گوشہ میں بسنے والا ہو، یا فلک کے کسی حصہ میں، خواہ خشکی اور دریا میں رہتا ہو، یا زمین اور آسمان کے درمیان میں، غرضکہ عالم کے کسی حصہ میں بھی ہو اسکا درود وسلام بگوش خود سنتے ہیں، پھر درود وسلام پر ہی انحصار نہیں، بلکہ ہر مخلوق کی ہر آواز سنتے ہیں، اور ہر مخلوق کو بچشم دیکھتے ہیں۔

(بشیر القاری، ص ۱۳)

اس عقیدہ پر یہ سوال، ہوا تھا کہ جب سرکار مدینہ ﷺ ہر امتی کا درود وسلام سنتے ہیں، تو مذکورہ بالا طریقوں سے پیشی کی کیا ضرورت ہے؟۔

جو لوگ حضور ﷺ کے خود درود وسلام سننے کا انکار کرتے ہیں، ان کے اس باطل نظریہ کا سارا دارومدار اسی سوال پر ہے، علامہ میرٹھی رحمۃ اللہ علیہ نے اس سوال کا ایسا مکمل اور شافی جواب تحریر فرمایا ہے، جس نے مخالف نظریہ کی اس بنیاد کو بالکل ہی منہدم کر دیا ہے۔

آپ اس سوال کا جواب دیتے ہوئے ارشاد فرماتے ہیں: بگوش خود سننے کے باوجود مذکورہ بالا طریقوں سے درودوسلام کا پیش ہونا ایک نظام کے ماتحت ہے، جو علویات وسفلیات کے قلوب پر دربار رسالت کی عظمت اور رفعت قائم کرنے کی لئے مقرر کیا گیا ہے۔

دنیوی حکام وسلاطین کو ذاتی طور پر علم ہو جانے کے باوجود نظام مقررہ کے ماتحت، واقعات ان کی خدمت میں پیش کئے جاتے ہیں، اس سے جس طرح یہ سمجھنا غلط ہے کہ علم نہیں تھا، ورنہ واقعات کی پیشی نہ ہوتی، اسی طرح یہ بھی درست نہیں کہ علم کے باوجود واقعات کی پیشی بیکار ہے، کیوں کہ یہ پیشی مقررہ نظام کے ماتحت ہو

رہی ہے، جس کے لئے علم نہ ہونا شرط نہیں۔

اللہ تعالیٰ بندوں کے تمام افعال کو دیکھتا، اور جملہ اقوال کو سنتا ہے، اس کے باوجود فرشتے صبح وشام حاضر ہوکر پیش بھی کرتے ہیں، تو کیا کوئی ذی شعور یہ کہہ سکتا ہے کہ علم نہیں تھا، اس لئے پیش کئے جاتے ہیں، یا علم کے باوجود پیشی بیکار ہے، ہرگز نہیں ہرگز نہیں، کیوں؟ اس لئے کہ یہ پیشی نظام مقررہ کے ماتحت ہوتی ہے، جس میں بے شمار حکمتیں مضمر ہیں، کیوں کہ یہ پیشی اللہ تعالیٰ کی مقرر کردہ ہے، جس کا کوئی فعل حکمت سے خالی نہیں، بلکہ اس کا ہر فعل اپنے اندر غیر محدود حکمتیں رکھتا ہے۔ بارگاہ رسالت میں درود وسلام کی پیشی بھی اسی کی مقرر کردہ ہے، تو وہ بھی حکمتوں سے خالی نہیں ہوسکتی، منجملہ بہت سی حکمتوں کے ایک حکمت یہ بھی ہے کہ باشندگان عرش اور ساکنان فرش کے قلوب پر محبوب کی شان وشوکت اور ان کی رفعت وعظمت کے سکے بیٹھ جائیں، اور ہر سننے والا اس نتیجہ پر پہونچے کہ خالق عالم کے خلیفہ اعظم اور خدائی کے شہنشاہ معظم ہی ہیں جن کے دربار دُربار کی عظمت شان اور جلالت مکان کا اظہار اس طرح کیا گیا ہے۔ (بشیر القاری، ص ۱۳)

اپنے عقیدہ پر وارد ہونے والے اس اعتراض کا صفایا کرنے کے بعد اپنے عقیدہ کے اثبات کی طرف متوجہ ہوتے ہیں، اور اس کی حقانیت پر تین دلائل پیش کرتے ہیں،

دلیل اول: پہلی دلیل میں آپ نے اس حدیث کو پیش کیا ہے جسے امام ترمذی، امام ابن ماجہ اور امام ابونعیم نے جلیل القدر صحابی حضرت ابوذر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے بایں الفاظ روایت کیا ہے:

قال رسول الله ﷺ، انی اری مالا ترون واسمع مالا تسمعون (الحدیث)

رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا میں اس شئی کو دیکھتا ہوں جس کو تم نہیں دیکھتے اور ہر اس آواز کو سنتا ہوں جسے تم نہیں سنتے۔

اس حدیث سے استدلال کرتے ہوئے علامہ میرٹھی صاحب فرماتے ہیں "واسمع مالا تسمعون" میں حکم ما عام ہے اور تخصیص پر کوئی قرینہ نہیں۔

اس "ما" میں دو احتمال ہیں، ما موصولہ ہو یا ما نکرہ، اول تقدیر پر تو عموم ظاہر ہے، کہ ما موصلہ کلمات عموم سے ہے،

اور دوسری تقدیر پر چونکہ حیز نفی میں ہے اس لئے عام ہوگیا۔ کیونکہ نکرہ تحت نفی عام ہوجاتا ہے۔

نظر برآں ہر وہ آواز اس میں داخل ہے جس کو مخاطبین نہیں سنتے، خواہ وہ عالم کے کسی گوشہ سے اٹھے، کرہ زمین کی ہو یا کرہ آب کی، کرہ ہوا کی ہو یا کرۂ نار کی، کرہ سماوات کی ہو یا عرش وکرسی کی، خواہ انسان کی آوز ہو یا حیوانات کی، نباتات کی ہو یا جمادات کی، جنات کی ہو یا فرشتوں کی، یا ایسی مخلوق کی آواز ہو جسے ہم نہیں جانتے۔ خواہ وہ آواز از روئے شرع محمود ہو، جیسے حمد کی آواز، یا درود وسلام کی آواز، یا مذموم ہو، جیسے گالی گلوچ کی

آواز، یا الفاظ کفر وشرک کی، یا نہ محمود ہو نہ مذموم ہو، جیسے مباح باتوں کی آواز، غرض کہ تمام عالم کی جملہ آوازوں پر یہ کلمہ مشتمل ہے، درود وسلام کی آوازیں بھی ان میں داخل ہوئیں۔

پس بحمدہ تعالیٰ آفتاب نیمروز سے زیادہ روشن طریقہ پر خود نبوی ارشاد مذکور سے ثابت ہوگیا کہ ہمارے آقا ومولیٰ مالک کونین شہنشاہ دارین جناب احمد مجتبیٰ محمد مصطفیٰ ﷺ اپنے ہر امتی کا درود وسلام، خواہ وہ عالم کے کسی حصہ میں ہو بگوش خود سنتے ہیں۔

(بشیر القاری، ص ۱۴)

اس جواب میں کلمہ "ما" کے عموم کا جو دعوی کیا گیا ہے اس پر یہ اعتراض کیا جا سکتا ہے کہ اس حدیث میں اگر کلمہ "ما" عام ہو تو اس میں غیر متناہی مرئیات ومسموعات داخل ہو جائیں گی، جس سے لازم آئے گا کہ حضور ﷺ غیر متناہی اشیاء کو مشاہدہ فرماتے تھے، اور غیر متناہی آوازوں کو سماعت کرتے تھے، یہ لازم باطل ہے، کیوں کہ آپ حادث ہیں اور حادث کو غیر متناہی اشیاء کی رویت اور غیر متناہی آوازوں کی سماعت حاصل نہیں ہو سکتی، اس لئے کہ غیر متناہی کو زمانہ بھی غیر متناہی ہی چاہیے، جو حادث کو حاصل نہیں ہو سکتا، اور جب لازم باطل ہوا تو ملزوم یعنی کلمہ ما کا عموم بھی باطل ہو گیا، اور اسی عموم پر ہی دلیل کا دار ومدار تھا،

اس اعتراض کا جواب دیتے ہوئے امام النحو نے ارشاد فرمایا: بر تقدیم عموم، کلمہ ما غیر متناہی کو شامل نہیں ہو سکتا ہے، حتی کہ دلیل مثبت مدعا نہ رہے۔ کیونکہ پہلا "ما" مرئیات اور دوسرا مسموعات سے عبارت ہے، اور مرئیات ومسموعات از قسم موجودات ہیں، معدومات نہ مرئی ہوتے ہیں نہ مسموع۔ جب مرئیات ومسموعات از قبیل موجودات ہوئے تو ان کا غیر متناہی ہونا ممکن نہیں، کیونکہ موجودات اگر چہ کثیر در کثیر ہوں غیر متناہی نہیں ہو سکتے۔ انکی عدم تناہی کے بطلان پر برہان تطبیق وغیرہ قائم ہیں۔ پس ثابت ہوا کہ کلمہ "ما" کے عموم سے کوئی محذور لازم نہیں آتا۔ اور اسکے عموم میں عالم کے جملہ مرئیات ومسموعات داخل ہیں، جو اگر چہ غیر متناہی نہیں لیکن ایسے متناہی بھی نہیں کہ ہمارے شمار میں آسکیں۔ (بشیر القاری۔ ص ۱۴)

علامہ میرٹھی کے اس محققانہ جواب سے کلمہ "ما" کا عام ہونا تو کامل طور ثابت ہو گیا جس کی روشنی میں حدیث مذکور سے یہ حقیقت پوری طرح واضح ہوگئی کہ حضور ﷺ دنیا کی تمام اشیاء کو دیکھتے اور ساری آوازوں کو سماعت فرماتے ہیں، کسی بھی صاحب انصاف اور غیر جانبدار انسان کیلئے جو احادیث پاک کو دل سے مانتا ہو اس حقیقت میں شک وشبہ کی کوئی گنجائش نہیں رہ جاتی۔ ہاں مخالفین کی طرف سے اب یہ سوال پیدا کیا جا سکتا ہے کہ آپ کی ذکر کردہ اس حدیث سے یہ تو ثابت ہو گیا کہ حضور نبی کریم ﷺ نے اپنی حیات مبارکہ میں جب یہ کلمات ارشاد فرمائے تھے، اس وقت عالم کی تمام اشیاء کو دیکھتے اور ہماری آوازوں کو سنتے تھے، مگر وفات کے بعد اب بھی دیکھتے اور سنتے ہیں، یہ بات اس حدیث سے ثابت نہیں ہوتی، ہو سکتا ہے کہ وفات سے دیکھنے اور سننے کی یہ عالمگیر

قوت سلب ہوگئی ہو یا اس میں ضعف پیدا ہو گیا ہو، لہذا وفات کے بعد بھی ہر امتی کے درود وسلام کو سننے کا دعوی کس طرح درست ہوگا۔؟

حضرت امام النحو رحمۃ اللہ علیہ نے اس پہلو کو بھی تشنہ نہیں چھوڑا ہے، بلکہ اس سوال کا بھی مکمل اور تشفی بخش جواب دیکر تحقیق کا حق ادا کر دیا ہے۔

آپ فرماتے ہیں: رویت وسمع فی الحقیقت روح کی صفات ہیں جو موت طاری ہونے سے نہ مسلوب ہوتی ہیں نہ کمزور، بلکہ ان میں غیر معمولی ترقی ہو جاتی ہے۔

(بشیر القاری، ص ۱۴)

اس دعوی کی دلیل میں آپ نے دو حدیثیں پیش کی ہیں، ایک بخاری شریف سے، جس میں حضورﷺ نے ارشاد فرمایا ہے کہ مردہ جوتوں کی آہٹ تک سنتا ہے۔

دوسری حدیث محدث ابن عبد البر کی ''الاستذکار'' سے جس میں سرکار مدینہﷺ کا ارشاد ہے کہ مردہ سلام کرنے والے کو پہچانتا اور اس کے سلام کا جواب دیتا ہے۔

ان دونوں حدیثوں سے آپ اپنے مدعا پر اس طرح استدلال کرتے ہیں، ان دونوں حدیثوں سے ظاہر ہوا کہ مرنے کے بعد قوت سماع اور قوت بصر میں غیر معمولی افزائش ہو جاتی ہے، ورنہ خاکی حجاب عظیم درمیان میں ہونے کے باوجود قبر کے اندر رہ کر بیرونی پست ترین آوازوں کا سننا، جیسے جوتوں کی آہٹ، یا بیرونی انسانوں کو دیکھنا ممکن نہ تھا۔ جیسے کہ حالت حیات میں یہ ممکن نہیں کہ قبر میں بند ہو کر باہر کے انسانون کو دیکھ لے۔

جب یہ بات محقق ہوئی کہ موت طاری ہونے سے قوت بصر اور قوت سماع کمزور بھی نہیں پڑتی چہ جائیکہ مسلوب ہو، تو ثابت ہوا کہ محبوب خداﷺ کی عالمگیر قوت بصر اور قوت سماع میں موت طاری ہونے سے اصلاً کمی پیدا نہ ہوئی۔ جس طرح حیات میں عالم کے تمام مرئیات کو دیکھتے اور تمام مسموعات کو سنتے تھے، بعد وفات بھی سب کو دیکھتے اور سنتے ہیں۔ اور جس طرح حیات میں ہر امتی کا درود وسلام بگوش خود سنتے تھے اسی طرح اب بھی سنتے ہیں۔ (بشیر القاری، ص ۱۵)

علامہ میرٹھی کی اس بحث سے یہ بات آفتاب نیمروز سے زیادہ واضح ہوگئی کہ حضورﷺ اب بھی ہر چیز کو دیکھتے اور ہر امتی کے درود وسلام کو سنتے ہیں، مخالف اس حقیقت کو تسلیم کرنے کے بعد تقویۃ الایمانی عقیدہ کی روشنی میں اب یہ کہہ سکتا ہے۔

کہ ہم نے یہ مان لیا کہ حضورﷺ دیکھتے سنتے ہیں، لیکن یہ کیسے مانا جا سکتا ہے کہ ''بچشم خود'' دیکھتے ہیں اور بگوش خود، سنتے ہیں، کیونکہ چشم وگوش تو جسم میں ہوتے ہیں اور جسم مرنے کے بعد خاک ہو جاتا ہے، چشم وگوش باقی نہیں رہتے، پھر چشم سے دیکھنے اور گوش سے سننے کا کیا سوال۔

حضرت علامہ میرٹھی علیہ الرحمۃ نے اس سوال کا بھی مکمل جواب دیا ہے اور انبیائے کرام علیہم الصلوۃ والتسلیم کی حیات حقیقی وجسمانی کو دلائل سے ثابت کر کے، مر کر مٹی میں مل جانے کے تقویۃ الایمانی عقیدہ کی دھجیاں بکھیر دی ہیں،

آپ فرماتے ہیں:

انبیائے کرام علیہم الصلوۃ والسلام کے اجسام خاک نہیں ہوتے، وہ بعینہ باقی رہتے ہیں، وعدہ الٰہی "کل نفس ذائقة الموت" کے ماتحت ان پر ایک آن کے لئے موت طاری ہوتی ہے، پھر مثل سابق حیات حقیقی جسمانی دنیاوی پر فائز ہو جاتے ہیں

محدث ابن ماجہ، بسند صحیح جلیل القدر صحابی ابوالدرداء رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے نقل کرتے ہیں، کہ محبوب خدا ﷺ نے ارشاد فرمایا:

اکثر والصلوة علیّ یوم الجمعة فانه مشهود تشهده الملائكة وان احدالن یصلی علیّ الاعرضت علی صلاته حتی یفرغ منه۔

روز جمعہ مجھ پر بکثرت درود بھیجو کہ اس میں (خصوصیت کے ساتھ) فرشتے حاضر ہوتے ہیں اور جو شخص بھی مجھ پر درود بھیجے اس کی پیشی بلا تاخیر ہونے لگتی ہے یہاں تک کہ اس سے فارغ ہو۔

ابوالدرداء رضی اللہ تعالیٰ عنہ کہتے ہیں کہ میں نے عرض کیا کہ بعد موت بھی پیشی ہوگی، ارشاد فرمایا:

و بعد الموت ان الله حرم علی الارض ان تاکل اجساد الانبیاء فنبی الله حی یرزق۔

ہاں بعد موت بھی پیشی ہوگی، اس لئے کہ اللہ تعالیٰ نے زمین پر انبیاء کے اجسام کا کھانا حرام فرما دیا ہے، تو اللہ کے تمام انبیاء زندہ ہیں، انہیں ہر قسم کا رزق پہونچتا ہے۔ (بشیر القاری، ص ۱۵)

حضرت علامہ میرٹھی علیہ الرحمہ کی اکثر عادت ہے کہ وہ دوران بحث اپنے مضمون کے مناسب اعلیٰ حضرت امام احمد رضا خان بریلوی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے اشعار بھی پیش کرتے ہیں، جس کے نمونے بشیر القاری میں جا بجا دیکھے جا سکتے ہیں، حیات انبیا کے موضوع پر بھی اعلیٰ حضرت فاضل بریلوی کے اشعار پیش کرتے ہوئے فرماتے ہیں،

اعلیٰ حضرت عظیم البرکت مجدد مائۃ حاضرہ مولانا الشاہ احمد رضا خان صاحب بریلوی قدس سرہ العزیز نے مسئلہ حیات انبیاء کو اپنے انوکھے محققانہ انداز میں مدلل طور پر چند ابیات میں اس طرح بیان فرمایا:

ابیات:

انبیاء کو بھی اجل آنی ہے — مگر ایسی کہ فقط آنی ہے

پھر اسی آن کے بعد انکی حیات — مثل سابق وہی جسمانی ہے

اوروں کی روح ہو کتنی ہی لطیف ان کے اجسام کی کب ثانی ہے

اس کی ازواج کو جائز ہے نکاح اس کا ترکہ بٹے جو فانی ہے

وہ ہیں حی ابدی ان کو رضا صدق وعدہ کی قضا مانی ہے

چونکہ انبیائے کرام علیہم الصلوۃ والسلام بعد وفات حقیقی جسمانی دنیاوی حیات کے ساتھ زندہ ہیں اسی واسطے ان کی ازداج مطہرات کو دوسرے سے نکاح جائز نہیں، اور اسی واسطے ان کا ترکہ بھی تقسیم نہیں ہوتا۔ محقق علی الاطلاق شیخ عبدالحق محدث دہلوی قدس سرہ القوی اپنی کتاب مستطاب اشعۃ اللمعات ترجمہ فارسی مشکوۃ جلد اول صفحہ ۵۷۴ میں تحریر فرماتے ہیں:

وحیات انبیاء متفق علیہ ست، ہیچ کس را دروے خلاف نیست، حیات جسمانی دنیاوی حقیقی، نہ حیات معنوی روحانی چنانچہ شہدا راست۔

پس ثابت ہوا کہ سرور انبیاء حبیب کبریا جناب احمد مجتبی محمد مصطفی ﷺ اب بھی ہر چیز کو بچشم خود دیکھتے، ہر امتی کے درود وسلام کو بگوش خود سنتے ہیں، البتہ جن اموات کے اجسام باقی نہیں رہتے ان کا دیکھنا اور سننا روح سے ہوتا ہے، جسمانی چشم اور جسمانی گوش سے نہیں۔

(بشیر القاری ص ٦)

دلیل دوم:

حضور ﷺ کے خود درود وسلام سننے کی دوسری دلیل میں علامہ میرٹھی نے دو حدیثیں نقل کی ہیں،

(۱) حضور ﷺ نے ارشاد فرمایا: بیشک اللہ تعالی نے دو فرشتے ایسے مقرر کئے ہیں کہ جب کسی بندہ مسلم کے سامنے میرا ذکر ہو اور وہ مجھ پر درود بھیجے تو وہ فرشتے کہتے ہیں کہ اللہ تیری مغفرت فرمائے۔ ان فرشتوں کی اس دعا پر اللہ تعالی اور باقی فرشتے آمین کہتے ہیں، اور جس مسلمان کے سامنے میر ذکر ہو اور وہ مجھ پر درود نہ بھیجے تو وہ فرشتے کہتے ہیں اللہ تعالی تیری مغفرت نہ کرے، اللہ تعالی اور باقی فرشتے اس پر بھی آمین کہتے ہیں۔

(۲) حضور ﷺ نے ارشاد فرمایا: جب دنیا میں کوئی عورت اپنے شوہر کو تکلیف پہونچاتی ہے تو جنت کی حوروں میں جو اس کی بیوی ہے وہ کہتی ہے کہ خدا تجھے موت دے، اسے تکلیف مت پہونچا، یہ تو تیرے پاس مہمان ہے، بہت جلدی تجھ سے جدا ہو کر ہمارے پاس آجائے گا۔

اور ان دونوں حدیثوں سے امام النحو رحمۃ اللہ علیہ نے اس طرح استدلال کیا ہے:

مقام غور ہے کہ جب مذکورہ بالا دونوں فرشتوں کی قوت سماع اتنی قوی ہے کہ ہر مسلمان امتی کا درود سن لیتے ہیں، اور حوران بہشت کی سماعت کا یہ عالم ہے کہ سات ہزار برس سے زیادہ مسافت پر رہ کر کرہ زمین کی آوازیں سن لیتی ہیں، تو محبوب خدا ﷺ ہر امتی کا درود کس طرح نہ سنیں گے۔ حالانکہ آپ فرشتوں اور حوران

بہشت بلکہ سارے عالم سے افضل ہیں، اور تمام عالم کی تخلیق آپ کے طفیل میں ہوئی ہے، پھر آپ کے اور امتیوں کے درمیان اتنی مسافت بھی نہیں جتنی مسافت حوران بہشت اور زمین کے درمیان ہے، ایمانی عقل کسی طرح گوارہ نہیں کرسکتی کہ طفیلی یہ کمال پائیں اور اصل محروم رہے۔ بلکہ ایمانی عقل یہ حکم کرتی ہے کہ ہر مخلوق سے ہر کمال میں آپ فزوں تر ہیں، اور ہر نعمت آپ کو بوجہ اتم دی گئی ہے، اور تمام کمالات کے جملہ مراتب آپ پر ختم ہیں، اسی واسطے محقق علی الاطلاق شیخ عبدالحق محدث دہلوی قدس سرہ القوی اپنی کتاب مستطاب مدارج النبوۃ میں ارشاد فرماتے ہیں:

ہر نعمتے کہ داشت خدا شد بر وتمام ہر مرتبہ کہ بود در امکان بر وست ختم

لہذا ثابت ہوا کہ آپ ہر امتی کے درود وسلام کو بگوش خود سنتے ہیں۔ (بشیر القاری، ص ۱۶)

دلیل سوم: تیسری دلیل آپ نے اس طرح پیش کی ہے،

دلائل الخیرات شریف کی پہلی فصل کے آخر میں ایک حدیث نقل فرمائی، جس کے الفاظ یہ ہیں:

قیل لرسول اللہ ﷺ ارائیت صلوۃ المصلین علیک لمن غاب عنک و من یاتی بعدک، ماحالھما عندک، فقال اسمع صلوۃ اھل محبتی و اعرفھم و تعرض علیّ صلوۃ غیرھم عرضا۔

رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں عرض کیا گیا کہ جو درود بھیجنے والے اس وقت آپ سے (بظاہر) غائب ہیں اور جو وفات شریف کے بعد پیدا ہوں گے، انکے درود حضور کے نزدیک کس حال میں ہیں، آپ انہیں سنتے ہیں اور سنیں گے، یا نہ سنتے ہیں اور نہ سنیں گے، اس پر جوابا فرمایا: کہ میں اپنے اہل محبت کا درود بگوش خود حسن توجہ کے ساتھ سنتا ہوں اور انہیں پہچانتا ہوں، اور دوسروں کا درود سرعت کے ساتھ میرے، کان سے گزر جاتا ہے، یعنی سنتا تو اس کو بھی ہوں مگر حسن توجہ کے ساتھ نہیں۔

اس حدیث سے ثابت ہوا کہ آپ قریب وبعید، ہر امتی کا درود بگوش خود سنتے ہیں، فرق اتنا ہے کہ اہل محبت کے درود حسن توجہ کا شرف پاتے ہیں اور دوسروں کو یہ شرف نہیں ملتا۔ (بشیر القاری، ص ۱۷)

کچھ لوگوں کا نظریہ یہ بھی ہے کہ قریب کے درود وسلام کو حضور ﷺ خود سنتے ہیں اور دور کے درود وسلام کو خود نہیں سنتے، بلکہ فرشتے پہونچاتے ہیں، ان لوگوں کی دلیل بیہقی شعب الایمان کی وہ حدیث ہے، جس میں حضور ﷺ نے ارشاد فرمایا:

من صلی علیّ عند قبری سمعتہ ومن صلی علیّ نائیا ابلغتہ۔

جو شخص میری قبر سے نزدیک ہوکر مجھ پر درود پڑھے اس کو میں سنتا ہوں، اور جو دور سے پڑھے وہ مجھ کو پہونچایا جاتا ہے۔

علامہ میرٹھی نے اس حدیث کا جواب دیکر اس نظریہ کی بھی مکمل بیخ کنی کردی ہے، اور مسئلہ کو ہر اعتبار

سے تحقیق کی کسوٹی پر کھرا ثابت کردیا ہے۔آپ نے اس کے دو جواب دیئے ہیں،

اولا: یہ روایت قابل استدلال نہیں، اس لئے کہ ابوالفرج نے اسکو موضوعات میں داخل کیا ہے، اور عقیلی نے اس کے متعلق کہا:

لا اصل لهذا الحديث من حديث الاعمش و ليس بمحفوظ

یعنی اس حدیث کی طریق اعمش سے کوئی اصل نہیں، اور نہ یہ محفوظ ہے۔

امام سبکی علیہ الرحمہ نے اس کو معلل قرار دیا، کیونکہ اس کے راویوں میں محمد بن مروان اسدی متہم بالکذب ہیں۔

ثانیا: اگر قابل استدلال تسلیم کر لی جائے تو جواب یہ ہے کہ عالمگیر قوت سمع، عطا ہونے سے پہلے یہ ارشاد فرمایا تھا، تاکہ اس حدیث میں اور سابقہ احادیث میں تطبیق ہو جائے۔ ورنہ ارشادات نبوی میں تعارض لازم آئے گا جو محال ہے۔

(بشیر القاری، ص ۱۷)

اس طرح آپ نے اس مسئلہ کے ہر پہلو پر گفتگو کر کے اس سے متعلق پیدا ہونے والے ہر سوال کا شافی جواب دیکر مسئلہ کو ایسا واضح کر دیا ہے کہ صاحب انصاف کیلئے انکار کی کوئی گنجائش نہیں رہتی۔

مسئلہ امتناع النظیر

اہل سنت و جماعت کا عقیدہ ہے کہ حضور سید المرسلین خاتم النبین ﷺ کا مثل و نظیر ممتنع بالذات ہے، آپ جیسا وجود میں آنا ممکن ہی نہیں۔

اسمعیل دہلوی اور اس کے اتباع نے اس عقیدہ کا انکار کیا اور آپ کا مثل ممکن مان کر ایک عظیم فتنہ کا دروازہ کھول دیا۔ علامہ فضل حق خیر آبادی اور ان کے تلامذہ نے اسی دور میں اس اسمعیلی نظریہ کا مکمل و مدلل رد فرمایا اور عقیدہ امتناع النظیر قوی دلائل سے ثابت کیا جن کا جواب دینے سے اسمعیلی جماعت آج تک عاجز ہے، حضرت امام النحو رحمۃ اللہ علیہ نے بشیر القاری میں اس مسئلہ پر بھی گفتگو کی ہے، اور اپنے مخصوص محققانہ انداز میں اس کو ایسا واضح کر دیا ہے کہ عقل سلیم کے لئے امتناع نظیر کو ماننے کے سوا کوئی چارہ نہیں۔

سب سے پہلے آپ نے اپنا عقیدہ بیان کیا

تحقیق اہل سنت و جماعت کی روشنی میں سرور انبیاء محبوب خدا جناب احمد مجتبیٰ محمد مصطفیٰ ﷺ کا مثل ممتنع بالذات ہے۔

(بشیر القاری، ص ۲۲۶)

پھر مسئلہ کی تفصیل و تحقیق سے پہلے بطور تمہید دو باتیں بیان کیں تا کہ مسئلہ سمجھنے میں سہولت ہو اور مخالفین کا

دام فریب تار تار ہو جائے۔

(۱) ممتنع بالذات کی تعریف

(۲) ممتنع بالذات کا زیر قدرت باری تعالیٰ نہ ہونا

ممتنع بالذات کی تعریف کرتے ہوئے آپ فرماتے ہیں:

ممتنع بالذات وہ مفہوم ہے جس کے مصداق کا وجود عقلا جائز نہ ہو، جیسے اجتماع النقیضین اور ارتفاع النقیضین، کہ ان میں سے ہر ایک کے مصداق کا وجود وتحقق عقل جائز نہیں رکھتی، اور بلا پس وپیش بدلہیۃ حکم کرتی ہے کہ ان کا مصداق موجود وتحقق نہیں ہوسکتا۔ (بشیر القاری، ص ۲۲۶)

ممتنع بالذات زیر قدرت باری تعالیٰ نہیں، اس مضمون کو اس طرح بیان کرتے ہیں:

ممتنع بالذات یا بالفاظ دیگر محال بالذات، زیر قدرت نہیں، اور ان کے مقدور نہ ہونے سے قادر مطلق جل مجدہ کا عجز لازم نہیں آتا جیسا کہ مخالفین فریب دیا کرتے ہیں، بلکہ محالات کا دائرہ قدرت سے خارج رہنا عین کمال ہے، اگر محالات کو مقدور مانا جائے تو قادر مطلق عزاسمہ کے وجوب ذاتی سے ہاتھ دھونا پڑے گا، جس کے نتیجہ میں یہ بات آئے گی کہ قادر مطلق عزاسمہ عالم کا خالق نہیں، کیوں کہ جب وجوب ذاتی منتفی ہوا تو قادر مطلق عزاسمہ یا تو ممکن ہوگا یا ممتنع! ممکن کی شان سے افادۂ وجود نہیں تو ممتنع سے بدرجہ اولیٰ، کما بین فی الاصول۔

دلیل یہ ہے کہ محال اگر مقدور ہو تو دو حال سے خالی نہیں، یا تو ہر محال مقدور ہوگا، یا بعض محالات مقدور ہوں گے، اور بعض نہ ہوں گے۔ دوسری صورت ترجیح بلا مرجح کو مستلزم ہے اور ترجیح بلا مرجح باطل، اور جو باطل کو مستلزم ہو وہ بھی باطل، تو یہ دوسری صوت باطل ہوئی۔

اور پہلی صورت اس لئے باطل کہ جب ہر ہر محال مقدور ہوگا تو محالات میں سے ایک محال قادر مطلق واجب الوجود کا فنا بھی ہے، تو یہ بھی مقدور ہوگی۔ اور جب اس کی فنا مقدور ہوئی تو واجب بالذات نہ رہا۔ کہ جس کی فنا مقدور ہو وہ ممکن ہوتا ہے، نہ کہ واجب بالذات۔ کیونکہ واجب بالذات وہ موجود ہے، جس کی فنا ممکن نہ ہو۔ پس بحمدہ تعالیٰ ثابت ہوا کہ ممتنع بالذات زیر قدرت نہیں۔

(بشیر القاری، ص ۲۲۶، ۲۲۷)

مخالفین جو ممتنع بالذات کو تحت قدرت مانتے ہیں ان کا سب سے بڑا مستدل یہ آیت کریمہ ہے، ان اللہ علی کل شیء قدیر، ان کا کہنا ہے کہ اللہ تعالیٰ جب ہر شئی پر قادر ہے اور ممتنع بالذات بھی ایک شئی ہے تو اس پر بھی قادر ہوا۔ لہذا ممتنع بالذات کو تحت قدرت نہ ماننا صحیح نہیں ہوا۔

علامہ میرٹھی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ مخالفین کے اس استدلال کا جواب دیتے ہوئے فرماتے ہیں:

اس مقام پر آیت مذکورہ کو پیش کرنا باطل پرستوں کا فریب اور مغالطہ ہے، جس سے بھولے بھالے کم فہم انسانوں کو گمراہ کیا کرتے ہیں۔

آیت سے یہی تو ثابت ہوا کہ اللہ تعالیٰ ہر شئی پر قادر ہے، ممتنع بالذات شئی ہی نہیں، وہ تو لاشی ہے۔ اور آیت شئی پر قدرت کا اثبات کر رہی ہے، نہ کہ لاشئی پر، اور شئی موجود کو کہتے ہیں، اور ممتنع بالذات موجود نہیں، پھر اس پر اثبات قدرت کس طرح ہو گیا، شرح عقائد نسفی کے شروع ہی میں ہے کہ۔ الشئی عندنا ھو الموجود ، یعنی اہل سنت کے نزدیک شئی موجود کو کہتے ہیں۔

(بشیر القاری، ص ۲۲۷)

ممتنع بالذات کی تعریف اور ممتنع بالذات کا تحت قدرت نہ ہونا، ان دونوں باتوں کو ذہن نشین کرانے کے بعد اب اصل مسئلہ امتناع النظیر کی تقریر فرماتے ہیں:

اوصاف دو قسم پر ہیں:

قسم اول: وہ وصف جس کے موصوف کا تعدد عقل جائز رکھتی ہو، پھر یہ دو قسم پر ہے، ایک وہ جس میں اشتراک واقع ہے، اور اس کے موصوف بکثرت متحقق ہیں، جیسے بشریت، عربیت، ہاشمیت، نبوت، رسالت، وغیرہ اوصاف جو کثیرین میں مشترک ہیں، ایسے اوصاف کے اعتبار سے آپ کا مثل متحقق ہے۔

دوسرا وہ وصف جس میں اشتراک واقع نہیں جیسے، حضرت عبد اللہ و حضرت آمنہ رضی اللہ تعالیٰ عنہما، کا پسر ہونا، حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا شوہر ہونا، رحمۃ اللعالمین ہونا، منزل علیہ القرآن ہونا، جسمانی معراج ہونا وغیرہ اوصاف جو آپ کے ساتھ مخصوص ہیں اور ان میں اشتراک واقع نہیں ہوا۔ ایسے اوصاف میں آپ کا مثل ممکن ہے مگر واقع نہیں ہوا اور نہ ہوگا۔

قسم دوم: وہ اوصاف جس کے موصوف کا تعدد عقلا جائز نہیں، جیسے اول مخلوق ہونا، اول مومن ہونا، بروز قیامت اول شافع ہونا، اول مشفع ہونا، خاتم النبیین ہونا: ان میں ہر ایک وصف کا موصوف ایک ہی ہو سکتا ہے، متعدد ہونا ممکن نہیں، کیونکہ اول مخلوق کا معنی ہے وہ ذات واحد جو تخلیق میں اپنے جمیع ماسوا پر سابق ہو، اول مومن کے معنی ہیں وہ ذات واحد جو ایمان لانے میں اپنے جمیع ماسوا پر سابق ہو، اول شافع کے معنی ہیں وہ ذات واحد جو بروز قیامت شفارش کرنے میں اپنے جمیع ماسوا پر سابق ہو، اول مشفع کے معنی ہیں وہ ذات واحد جو بروز قیامت سفارش مقبول ہونے میں اپنے جمیع ماسوا پر سابق ہو، خاتم النبیین کے معنی ہیں وہ ذات واحد جو تمام انبیاء سے متاخر ہو۔

چونکہ یہ اوصاف آپ کے لئے ثابت ہیں اور عقل ان کے موصوف کا تعدد جائز نہیں رکھتی، اس لئے ان میں آپ کا مثل ممتنع بالذات ہے۔　(بشیر القاری، ص ۲۲۷)

علامہ میرٹھی علیہ الرحمہ کی اس تقریر سے روز روشن کی طرح واضح ہوگیا کہ قسم دوم سے تعلق رکھنے والے اوصاف میں حضور پرنور ﷺ کا مثل پایا جانا ممتنع بالذات اور محال عقلی ہے، اب سوال پیدا ہوتا ہے کہ کوئی شخص ان اوصاف میں بھی حضور ﷺ کا مثل ممکن مانے اور اس کا امتناع بالذات تسلیم نہ کرے تو اس کے بارے میں شریعت مطہرہ کا کیا حکم ہوگا،؟

قسم دوم کی مثال میں حضرت میرٹھی صاحب رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے پانچ اوصاف پیش کئے ہیں،

(۱) اول مخلوق ہونا (۲) اول مومن ہونا (۳) اول شافع ہونا (۴) اول مشفع ہونا (۵) خاتم النبیین ہونا۔

پانچوں اوصاف میں آپ کا مثل ممکن ماننے کا حکم ایک ہی ہے یا اس میں کچھ فرق ہے،؟ پوری تفصیل کے ساتھ علامہ صاحب کے قلم سے جواب ملاحظہ فرمایئے۔

اول چار اوصاف میں مثل کو ممکن اعتقاد کرنے والا گمراہ ہے، کیونکہ یہ چاروں اوصاف آپ کے لئے حدیث غیر متواتر سے ثابت ہیں اور ان چاروں اوصاف میں مثل کو ممکن اعتقاد کرنے سے حدیث غیر متواتر ظنی کا انکار لازم آئے گا۔ اور حدیث غیر متواتر ظنی کا انکار گمراہی ہے، کفر نہیں۔

اور پانچویں وصف (خاتم النبیین) میں مثل کو ممکن اعتقاد کرنے سے قرآن قطعی کا انکار لازم آئے گا۔ اور قرآن قطعی کا انکار کفر ہے۔ (بشیر القاری، ص ۲۲۷)

بیہقی میں آیت کریمہ "و من الارض مثلهن يتنزل الامر بينهن،" کی تفسیر میں حضرت عبداللہ ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے منقول ہے۔

قال: سبع ارضين في كل ارض نبي كنبيكم و آدم كآدمكم و نوح كنوحكم و ابراهيم كابراهيمكم و عيسى كعيساكم

فرمایا: سات زمینیں، ہر زمین میں تمہارے نبی کی طرح ایک نبی، تمہارے آدم کی طرح ایک آدم، تمہاری نوح کی طرح ایک نوح، تمہارے ابراہیم کی طرح ایک ابراہیم، اور تمہارے عیسیٰ کی طرح ایک عیسیٰ ہیں۔

مخالفین اس روایت سے استدلال کرتے ہوئے کہتے ہیں کہ حضور ﷺ کا مثل نہ صرف ممکن بلکہ واقع ہے، لہذا امتناع بالذات تو درکنار اس کی نفی کا حکم کرنا بھی درست نہیں۔

علامہ میرٹھی علیہ الرحمہ نے بحث کے اختتام پر مخالفین کے اس استدلال کا بھی جواب دے کر مسئلہ کو پوری طرح درجہ تحقیق تک پہونچا دیا ہے، آپ مخالفین کے استدلال کو نقل کر کے ان کی پیش کردہ اس روایت کے بارے میں فرماتے ہیں: یہ روایت مفید مدعیٰ نہیں۔

اولاً: اس لئے کہ اگر چہ اس کی سند صحیح ہے، جیسا کہ حاکم نے بھی تصحیح کی ہے، مگر متن میں شذوذ ہے کہ ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے روایت کرنے میں ابوالضحیٰ منفرد ہیں، اس واسطے خود بیہقی نے (شعب) میں بیان کیا کہ یہ روایت شاذ المتن ہے، اور جب بوجہ شذوذ متن روایت ضعیف ٹھہری تو قابل احتجاج نہ رہی، علاوہ ازیں اگر صحت تسلیم کر لی جائے تب بھی مفید نہیں، کہ مسئلہ از قبیل عقائد ہے جن میں حدیث مشہور بھی معتبر نہیں ہوتی، اور یہ از قبیل احاد ہے،

ثانیاً: اس لئے کہ کلام مطلقا مثل کی نفی میں نہیں حتی کہ اسکے اثبات میں اس کو پیش کرنا درست ہو، بلکہ کلام مثل خاص کی نفی میں ہے کما مر، اس کے تحقق پر یہ روایت دلالت نہیں کرتی، غالبا اس سے مراد وہ منذرین ہیں جو انبیائے بشر کے عہد میں ان کی جانب سے طبقات زیریں میں احکام پہونچاتے تھے۔

(بشیر القاری، ص ۲۲۹)

اہلسنت و جماعت کے معتمد علمائے کرام نے امتناع نظیر کی جو بنیادی دلیل پیش کی ہے جس پر یہ مسئلہ مبنی ہے، اس تک رسائی فہم نہ ہونے کی وجہ سے صاحب کشف المبہم نے اِس مسئلہ میں زبردست ٹھوکر کھائی ہے جو ان کی قلت تحقیق اور کوتاہی نظر کی دلیل ہے، حضرت علامہ میرٹھی علیہ الرحمۃ نے ان کی اس لغزش پر محققانہ گرفت فرمائی ہے، اور حکم میں امتناع نظیر کے اصل مبنی کو بیان کرتے ہوئے ان کی سوئے فہم کو واضح کر کے نہایت ہی مدلل طریقہ سے ان کے قول کے فساد کو ثابت کیا ہے، تفصیل ملاحظہ فرمائیں۔

مسلم الثبوت میں ہے: "ولا یخرج الممکن عن الامکان بعلم او خبر" یعنی ممکن علم یا خبر کی وجہ سے امکان سے خارج نہیں ہوتا۔

صاحب کشف المبہم، اس جملہ کی شرح میں کہتے ہیں:

ومن ههنا يظهر بطلان قول من قال بامتناع مثل سيدنا و نبينا محمد ﷺ عقلا للاخبار الدالة على ان الله تعالىٰ لا يخلق بعده نبيا وهو خاتم النبيين، ووجه البطلان ان نبينا محمدا ﷺ ممكن، و مثل الممكن ممكن كما يشعر به قولهم ان القادر على الشئ قادر على مثله كما فى شرح المواقف وغيره من الكتب الكلامية، فلا بد ان يكون مثله ممكنا والممكن لا يخرج عن الامكان بعلم او خبر وقد وقع النزاع فى هذا فى عصرنا و كتب فيه رسائل لكن جاء الحق وزهق الباطل ان الباطل كان زهوقا۔

(کشف المبہم مطبوعہ کتب خانہ رحیمیہ، ص ۱۸۰)

ترجمہ۔ اس اصول سے ان لوگوں کے قول کا بطلان ظاہر ہو جاتا ہے جنہوں نے ان خبروں کی وجہ سے جو اس بات پر دلالت کرتی ہیں کہ اللہ تعالیٰ حضور ﷺ کے بعد کوئی نبی پیدا نہیں کرے گا۔ اور آپ آخری نبی ہیں،

آپ کے مثل کو ممتنع عقلی بتایا۔

اس قول کے باطل ہونے کی وجہ یہ ہے کہ ہمارے نبی ﷺ ممکن ہیں اور ممکن کا مثل ممکن ہے، جیسا کہ شرح مواقف اور دیگر کتب کلامیہ میں فرمایا گیا کہ جو شئی پر قادر ہے وہ اس کے مثل پر بھی قادر ہے، اس سے بھی ظاہر ہوا کہ حضور علیہ کا مثل بھی ممکن ہوا، اور ممکن علم یا خبر کی وجہ سے امکان سے خارج نہیں ہوتا، ہمارے زمانہ میں اس مسئلہ میں نزاع پیدا ہوا اور اس موضوع پر بہت سی کتابیں لکھیں گئیں، لیکن حق آ گیا اور باطل مٹ گیا، بیشک باطل کو مٹنا ہی ہے۔

حضرت علامہ میرٹھی رحمۃ اللہ علیہ نے صاحب کشف المبہم کے اس قول کا جواب دیتے ہوئے دو وجہوں سے ان کا ابطال فرمایا ہے، ملاحظہ ہو۔

الاول انه بناء على سوء الفهم اذلم يقل احد من المعتمدين ان امتناع المثل عقلا لاجل الاخبار الدالة على ان الله تعالى لا يخلق بعده نبيا وهو خاتم النبين كما تفوه حتى يتوجه عليه ان الاخبار لعدم الشئى لا يجعل الشئى ممتنعا عقلا كيف وهو لا يليق بعاقل، فضلا عن الفضلا الذين هم حملة الملة البيضاء بل القول بامتناع المثل عقلا مبنى على ان وصف الخاتمية لايحتمل التعدد عقلا كما ذكرناه آنفا، ونعم ما قيل وكم من عائب قولا صحيحا و آفته من الفهم السقيم، والثانى انك قد علمت ان المثل فى القسم الاول من الوصف ممكن و فى القسم الثانى من الوصف ممتنع بالذات فان اراد بقوله "مثل الممكن ممكن،" المثل فى القسم الاول، فقوله صحيح ولكن لا ينفعه ولا يضر اهل الحق فانهم قائلون بامكانه،و ان اراد المثل فى القسم الثانى من الوصف فقوله باطل، ولا يصح الاشتشهاد بما فى شرح المواقف من ان القادر على الشى قادر على مثله لان المراد بالمثل فى هذا القول المثل فى القسم الاول من الوصف،اذ لو اريد المثل فى القسم الثانى من الوصف لزم الاستحالة وهو انتفاء الوجوب الذاتى كما فصلناه سابقا، فحينئذ ينبغى ان يقرء قوله تعالىٰ جاء الحق وزهق الباطل ان الباطل كان زهوقا۔

(بشیر القاری، ص ۲۲۸)

ترجمہ۔ پہلی وجہ، صاحب کشف المبہم کا یہ قول سمجھ کی خرابی پر مبنی ہے، کیونکہ جیسا کہ صاحب کشف المبہم نے الزام لگایا ہے معتمد علمائے کرام میں سے کسی نے یہ کہا ہی نہیں ہے کہ مثل کا امتناع عقلی ان خبروں کی وجہ سے ہے جو اس بات پر دلالت کرتی ہیں کہ اللہ تعالیٰ حضور علیہ کے بعد کوئی نبی پیدا نہیں کرے گا، اور آپ خاتم النبین ہیں، اگر یہ کہا ہوتا، تب اس پر یہ اعتراض ہوتا کہ شئی کے عدم کی خبریں اس شئی کو ممتنع عقلی نہیں بناتیں، یہ بات علمائے معتمدین کیسے کہہ سکتے ہیں حالانکہ یہ بات کسی عام عقل والے کے بھی لائق نہیں چہ جائکہ وہ فضلا جو

ملت بیضا کی حمایت فرمانے والے ہیں، حقیقت امر جیسا کہ ہم ابھی بیان کر چکے یہی ہے کہ مثل کے امتناع عقلی کا نظریہ اس بات پر مبنی ہے کہ خاتمیت کا وصف چند میں پائے جانے کا احتمال ہی نہیں رکھتا، کسی نے خوب کہا ہے۔

کتنے لوگ صحیح بات میں عیب نکالتے ہیں انکی یہ آفت بیمار عقل کی طرف سے ہے۔

دوسری وجہ۔ آپ پہلے جان چکے کہ وصف کی پہلی قسم میں مثل پایا جانا ممکن اور دوسری قسم میں ممتنع بالذات ہے، لہذا صاحب کشف المبہم نے جو ممکن کا مثل، ممکن بتایا ہے اس سے اگر قسم اول میں مثل مراد ہے تو ان کی بات درست ہے، لیکن اس سے انہیں کوئی نفع نہیں پہونچے گا، اور نہ اہل حق کو کوئی نقصان ہوگا، کیوں کہ اس مثل کو وہ بھی ممکن مانتے ہیں۔ اور اگر وصف کی دوسری قسم میں مثل مرادلیا ہے تو ان کا قول باطل ہے۔ شرح مواقف کا یہ قول کہ ''جس شئ پر قادر ہے وہ اس کے مثل پر بھی قادر ہے'' اسے صاحب کشف المبہم کا اپنی تائید میں پیش کرنا صحیح نہیں، کیوں کہ اس قول میں مثل سے مراد وہ ہے جو وصف کی قسم اول میں مثل ہے۔

چونکہ اگر وصف کی قسم ثانی میں مثل مرادلیا جائے تو جیسا کہ ہم نے پیچھے تفصیل سے بیان کیا، استحالہ یعنی وجوب ذاتی کا انتفاء لازم آئے گا۔ اب اللہ تعالیٰ کا یہ فرمان پڑھنا چاہیے کہ حق آ گیا اور باطل مٹ گیا، بیشک باطل کو مٹنا ہی ہے۔

بیشک حضرت امام النحو نے اس مسئلہ کی تمام مالہ وما علیہ کے ساتھ ایسی تحقیق فرمادی کہ حق پوری طرح واضح ہوگیا اور باطل کو کسی بھی زاویہ سے سر اٹھانے کی گنجائش نہ رہی۔ اس آیت کریمہ ''جاء الحق و زهق الباطل ان الباطل كان زهوقا۔ کی تلاوت واقعی طور پر مناسب حال ہوگئی۔

حتی بلغ منی الجهد کی تحقیق

یہ جملہ حضور سرور کائنات ﷺ کا ارشاد فرمایا ہوا ہے، جو بخاری شریف کی دوسری حدیث میں واقع ہوا ہے، اس جملہ میں کئی امور قابل تحقیق ہیں۔ جهد کا تلفظ کیا ہے؟۔ اس کا اعراب کیا ہے۔؟ بلغ کا فاعل کون ہے،؟ "من '' کس معنی کیلئے ہے؟۔ اس جملہ کا مفہوم و مطلب کیا ہے؟۔

محدثین کرام سے یہاں پر جہد کا تلفظ دو طرح مروی ہے (۱) جُهد بروزن قفل۔ جیم کے پیش کے ساتھ، بمعنی طاقت، (۲) جَهد، بروزن فلس، جیم کے زبر کے ساتھ، بمعنی غایت اجتہاد۔

پہلی صوت میں یہ بلغ کا فاعل ہوکر مرفوع ہے اور اس کا مفعول بہ مقدر ہے، یعنی بلغ منی الجهد مبلغه، غالبا اس تقدیر کے قائلین کے نزدیک 'من" برائے بیان ہے جو " الجهد' مبین پر مقدم ہے، اس تقدیر پر جملہ مبارکہ کا ترجمہ یہ ہوگا،

جبرئیل علیہ السلام نے مجھے اتنا دبو چا کہ میری طاقت انتہا کو پہونچ گئی۔

دوسری صورت میں یعنی اسے "الجَهد" جیم کے زبر کے ساتھ پڑھا جائے تو بلغ کا مفعول بہ ہوکر منصوب

ہوگا،اور بلغ کا فاعل اس میں مستتر ضمیر ہوگی، جو "غط" کی طرف عائد ہے۔ "من" اس تقدیر پر بھی برائے بیان ہوگا،اس صورت میں ترجمہ یہ ہوگا۔

''جبرئیل علیہ السلام نے مجھے پکڑ کراس قدر دبوچا کہ انکا دبوچنا میری انتہائی وسعت کو پہونچ گیا۔

ہر صاحب عقل پر واضح ہے کہ ان دونوں تقدیروں میں معنوی اعتبار سے بالکل کوئی فرق نہیں، دونوں کا حاصل ایک ہے،یعنی جبرئیل علیہ السلام نے مجھ کو میری طاقت بھر دبوچا۔

حضرت علامہ میرٹھی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے پہلے محدثین کرام سے منقول صورتوں کو وضاحت کے ساتھ بیان کیا اس کے بعد اپنی تحقیق پیش کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

اقول۔''بلغ'' سے پیشتر دو فعل ہیں "اخذ" اور "غط" اوراس کے بعد بھی دو فعل ہیں "ارسل" اور "قال" چاروں کی ضمیر فاعل کا مرجع جبریل امین علیہ الصلوۃ والتسلیم ہیں،لہذا برتقدیر ثانی انسب یہ ہے کہ "بلغ" کی ضمیر کا مرجع بھی بجائے "غط" انہیں کو قرار دیں،تا کہ انتشار ضمائر لازم نہ آئے۔اور''منی'' میں "من" برائے تعلیل ہے۔ کما فی قوله تعالیٰ ، مما خطیئتهم اغرقوا۔

اور مضاف مقدر ہے یعنی "من غطی" اس لئے کہ ذات کسی فعل کے واسطے علت نہیں بنتی،اور ''الجهد'' پر الف لام برائے عہد ہے،جس سے جهد جبرئیل علیہ الصلاۃ والتسلیم مراد ہے،اب معنی یہ ہوں گے،

جبریل علیہ الصلاۃ والتسلیم نے مجھ کو پکڑ کر دبوچا یہاں تک کہ مجھ کو دبوچنے کے باعث اپنی انتہائی وسعت کو پہونچ گئے۔

اور برتقدیر اول یہ معنی ہوں گے،

''مجھ کو دبوچنے کو باعث ان کی طاقت اپنی انتہا کو پہونچ گئی۔

اب بھی دونوں تقدیروں کا حاصل ایک ہی ہوا،اور وہ یہ کہ جبرئیل امین علیہ الصلاۃ والسلام نے اپنی پوری طاقت کے ساتھ آپ کو دبوچا۔ (بشیر القاری، ص ۱۱۱)

حضرت علامہ میرٹھی علیہ الرحمہ کی اس تحقیق کا حاصل جیسا کہ آپ نے پڑھا یہ ہوا کہ حضرت جبرئیل علیہ السلام نے حضور سرور دو عالم ﷺ کو دبوچنے میں اپنی پوری طاقت وقوت استعمال کی تھی، جبکہ حضرت جبرئیل علیہ السلام کی ملکی قوت وطاقت کا عالم یہ ہے کہ حضرت لوط علیہ السلام کی قوم پانچ شہروں میں آباد تھی جن کی مجموعی آبادی چالیس لاکھ تھی، جب پیغامات الٰہی کو جھٹلانے اور شان نبوت میں مسلسل گستاخی کرنے کی وجہ سے اس قوم پر عذاب نازل ہوا تو حضرت جبرئیل علیہ السلام بحکم الٰہی ان پانچوں شہروں کو اپنے بازؤں میں اٹھا کر آسمان اول کی طرف اس طرح لے گئے کہ ہر چیز بدستور اپنی جگہ برقرار رہی۔ نہ کسی چیز کو جنبش ہوئی نہ کوئی نیند سے بیدار ہوا، اور اسی طرح ان شہروں کو بازؤں پر اٹھائے ہوئے آسمان کے اتنے قریب پہونچ گئے کہ آسمان والوں نے ان

شہروں کے مرغوں کی اذانیں اور کتوں کے بھوکنے کی آوازیں بخوبی سن لیں، پھر اسی بلندی سے ان سب شہروں کو اوندھا کر کے زمین پر دے مارا، حضرت جبرئیل علیہ السلام کی طاقت وقوت کا یہ نمونہ دیکھ کر کسی بھی ذہن میں یہ اعتراض پیدا ہوسکتا ہے، کہ ایسی عظیم طاقت والے کے بارے میں یہ کہنا کہ انہوں نے اپنی پوری طاقت قوت کے ساتھ سرکار مدینہ ﷺ کے جسم مبارک کو دبوچا تھا کس طرح صحیح ہوسکتا ہے، اگر انہوں نے اپنی پوری طاقت سے دبوچا ہوتا تو جسم نبوی ہرگز سلامت نہ رہتا۔

شارح مشکوۃ علامہ طیبی قدس سرہ العزیز نے اس اعتراض کے جواب میں یہ موقف اختیار کیا کہ اس حدیث میں جبرئیل علیہ السلام کی ملکی طاقت مراد نہیں، کیونکہ جسم بشری ان کی پوری ملکی طاقت کا تحمل نہیں کرسکتا، بلکہ چونکہ وہ اس وقت بشری صورت میں تھے، اس لئے حدیث کا مطلب یہ ہے کہ انہوں نے حضور ﷺ کو اپنے اسی مثالی جسم کی پوری طاقت سے دبوچا تھا اس میں کسی طرح کا کوئی استبعاد نہیں۔

یہ تو تھا علامہ طیبی کا موقف۔

اب علامہ میرٹھی کی تحقیق ملاحظہ فرمایئے۔ ایک ایک لفظ حضور مصطفیٰ جان رحمت ﷺ کی محبت وعقیدت کا آئینہ دار اور آپ کی بے مثال عظمت ورفعت کا علمبردار ہے، بیشک امام احمد رضا کی بارگاہ علم سے فیضیاب ہونے والوں کا یہی شعار ہے،

علامہ طیبی کا جواب نقل کرنے کے بعد آپ فرماتے ہیں:

اقول: بلکہ ظاہر یہی ہے کہ جبرئیل امین علیہ الصلاۃ والتسلیم نے اپنی پوری ملکی طاقت سے دبوچا تھا، اسلئے کہ بشری صورت میں آنے سے ملکی طاقت فنا نہیں ہوجاتی، اور اس میں اصلا استبعاد بھی نہیں، چہ جائیکہ نا درست ٹھہرایا جائے، کیونکہ جبرئیل امین علیہ الصلاۃ والتسلیم اگرچہ زبردست طاقت رکھتے ہیں لیکن اس کے باوجود ان کی طاقت کو سید عالم ﷺ کی طاقت کے مقابل وہی نسبت ہے جو قطرہ کو دریا کے ساتھ، یا ذرہ کو آفتاب سے۔

دیکھئے نبوی جسم پاک کی طاقت کا یہ عالم ہے کہ سدرۃ المنتی سے گزرتا عرش بریں پر پہونچا اور جبرئیل علیہ الصلوۃ والسلام باوجود شدید القوی ہونے کے سدرۃ المنتہیٰ پر یوں عرض کرتے رہ گئے:

گر یک سر موئے برتر پرم
فروغ تجلی بسوزد پرم

جبرئیل امین تو جبرئیل امین، تمام عالم کی طاقتیں نبوی طاقت کے سامنے ہیچ ہیں، قرآن شاہد ہے کہ اللہ عزوجل نے صفت ربوبیت کے ساتھ تجلی فرمائی تھی جس سے پہاڑ پاش پاش ہوگیا اور موسی علیہ الصلوۃ والسلام بیہوش ہوکر گر پڑے، مگر اللہ اکبر کبیرا۔ سارے عالم میں ایک یہی وہ طاقتور جسم ہے، جس کی آنکھوں نے عین ذات کا اس طرح مشاہدہ فرمایا کہ چکاچوند بھی پیدا نہ ہونے پائی۔

موسی زہوش رفت بیک پرتو جمال تو عین ذات می نگری در تبسمے

یہ دوسری بات ہے کہ اس خداداد طاقت کا ظہور کبھی ہوتا کبھی نہیں ہوتا، لیکن اس سے ملکی طاقت کی نبوی طاقت سے افزونی در کنار، مساوات بھی لازم نہیں آتی۔

پھر ظاہری معنی ترک کر کے خلاف ظاہر اختیار کرنے کی کیا ضرورت؟ پس ثابت ہوا کہ جبرئیل امین علیہ الصلوۃ والسلام کے اپنی پوری ملکی طاقت کے ساتھ دبوچنے میں کوئی قباحت نہیں، بلکہ ایسا ہی ہوا تھا، اور اس طریقہ پر وحی کا آغاز آپ کی خصوصیات سے ہے۔ (بشیر القاری، ص ۱۱۱)

تمام اہل حق کا عقیدہ ہے کہ اللہ عز و جل کا کوئی کام حکمت سے خالی نہیں ہوتا لہٰذا اس مقام پر یہ سوال پیدا ہوگا کہ آخر اس طریقہ پر وحی کا آغاز کرنے میں پروردگار عالم کی کیا حکمت تھی کہ پہلے جبرئیل علیہ السلام نے آپ کو اپنی پوری ملکی قوت کے ساتھ تین بار دبوچا، اس کے بعد کلام الٰہی کی آیات سنائیں، سیدھے سادھے طریقے پر ابتداء ہی آیات کریمہ پہونچائی جاسکتی تھیں، جس طرح بعد میں وحی کا نزول ہوتا رہا۔ پہلے اتنی عظیم طاقت کا تحمل کرانا پھر آیات قرآنیہ پہونچانا اس میں کچھ نہ کچھ حکمت ضرور ہونا چاہئے، ورنہ آپ کے موقف کو تسلیم کرنے کی کیا ضرورت۔

یقیناً یہ علامہ میرٹھی علیہ الرحمہ کا کمال تحقیق ہے کہ آپ نے دفع دخل مقدر کے طور پر اس سوال کا جواب دیتے ہوئے نہایت وضاحت کے ساتھ اس طریق عمل کی حکمت کو بیان کیا اور اس بحث کو نقطہ تکمیل تک پہونچا دیا، آپ فرماتے ہیں:

اور اس میں حکمت یہ تھی کہ جبرئیل امین علیہ الصلوۃ والتسلیم نے اولا بروقت استخلاف آدم علیہ السلام مشاہدہ کیا تھا کہ حامل خلافت بشریت، علم جیسی قوت روحانی کے اعتبار سے ملکیت پر غالب ہے یہاں تک کہ سبحانك لا علم لنا الا ما علمتنا انك انت العليم الحكيم، کہتے ہوئے انہیں اور ان کی ساری جماعت کو اپنے عجز کا اعتراف کرنا پڑا تھا، پس مشیت الٰہی مقتضی ہوئی کہ آخر ان کو اس امر کا بھی مشاہدہ کرادیا جائے کہ خلافت الٰہی کی حامل بشریت کا تفوق ملکیت پر اوصاف روحانی تک محدود نہیں، بلکہ بشریت، قوت جسمانی کے اعتبار سے بھی فائق ہے تاکہ خلیفہ اعظم ﷺ کی دونوں حیثیت سے یکتائی کا اعتراف ابتدا ہی سے حاصل ہو جائے۔ چنانچہ ایک بار انہوں نے اس کا اظہار بھی کیا، جس کو امام احمد وغیرہ محدثین کرام نے ام المومنین حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے روایت کیا کہ حضرت جبرئیل علیہ الصلاۃ والتسلیم نے خدمت اقدس میں عرض کی: میں نے زمین کے مشارق ومغارب الٹ ڈالے کوئی شخص حضور پرنور محمد مصطفیٰ ﷺ سے افضل نہ پایا۔

(بشیر القاری، ص ۱۱۱، ۱۱۲)

بشیر القاری سے نمونہ یہ چند مثالیں ہم نے پیش کی ہیں جس سے حضرت امام النحو کی شان تحقیق کا اندازہ

لگایا جا سکتا ہے، آپ اس کتاب کی جس بحث کو پڑھیں گے، اس میں تحقیق کا یہی انداز نظر آئے گا۔ جس مسئلہ پر بھی قلم اٹھایا جائے اس کے کسی گوشہ کو تشنہ نہیں چھوڑا، زیر بحث مسئلہ پر جتنے سوالات بھی ذہن میں آسکتے تھے، ان سب کا شافی ومکمل جواب دیا اور ہر زاویہ سے مسئلہ کو ایسا صاف اور واضح کر دیا کہ موافق ومخالف کسی کو بھی قیل و قال کی گنجائش نہ رہی، اور ہر منصف مزاج غیر جانبدار کو آپ کی عظمت تحقیق کے سامنے سر تسلیم خم کرنا پڑا، آپ ہی جیسی عظیم شخصیتوں کو دیکھ کر کسی نے کہا تھا:

ہزاروں سال نرگس اپنی بے نوری پہ روتی ہے
بڑی مشکل سے ہوتا ہے چمن میں دیدہ ور پیدا

مختار احمد بہیڑوی

صدر العلماء اور مسئلہ ختم نبوت

بشیر القاری کی روشنی میں

از ! زبان فیض ترجمان

شیخ الاسلام حضرت علامہ ومولانا پیر سید شاہ محمد مدنی میاں صاحب قبلہ اشرفی جیلانی
(سجادہ نشین آستانہ عالیہ محدث اعظم ہند کچھوچھ شریف یو۔پی)
(مرتب ! محمد ایوب اشرفی)

اگر چہ اسوقت مرا مطلوب حضرت شیخ الاسلام مدظلہ العالی کی روحانی وعرفانی محفلوں میں سے صرف ایک محفل کی گفتگو کے گوشوں کو قلمبند کرنا ہے، جو ۲۷ر جون ۲۰۰۴ء بروز اتوار بعد نماز مغرب عالی جناب الحاج ڈاکٹر محمد اسماعیل صاحب اشرفی (مرحوم) کے مکان پر بولٹن انگلینڈ میں منعقد ہوئی تھی۔ مگر پھر بھی میں اپنے غیر برطانوی قارئین کی معلومات اور دلچسپی کے لئے کچھ حالات گردوپیش کو بیان کرنا مناسب سمجھتا ہوں۔

برطانیہ میں حضرت شیخ الاسلام کی دینی خدمات

حضرت شیخ الاسلام اپریل ۱۹۷۴ء میں پہلی مرتبہ انگلینڈ تشریف لائے۔ اس دور کو آج بھی دینی نقطۂ نظر سے انتہائی صبر آزما اور پریشان کن جیسے اوصاف سے یاد کیا جاتا ہے۔ کیونکہ اس دور میں مشائخ وعلمائے اہلسنت وجماعت کو اپنے مسلک حق وصداقت کی ترویج واشاعت کے لئے جن پریشانیوں کا سامنا کرنا پڑا وہ بلا شک برطانیہ کی اسلامی تاریخ کا ایک اہم باب ہے۔

یہی وہ دور تھا کہ کثیر تعداد میں موجود اسلام کے دعویدار یہاں کے سنی صحیح العقیدہ مسلمانوں کی قلیل تعداد کے لئے وبال جان وایمان بنے ہوئے تھے۔

یہی وہ دور تھا کہ اہلسنت وجماعت کی لہلہاتی بہاروں کا تصور لے کر کہیں تو اس کے لئے زمینوں کو ہموار کیا جارہا تھا، اور کہیں ان ہموار زمینوں میں تخم ریزی کر کے اس کی آبیاری کی جارہی تھی۔ اور کہیں کہیں ان سے اگائے اشجار پر اثمار کا بے چینی سے انتظار تھا اور کہیں پر اس ابھرے ہوئے چمن سنیت کے جوبن کو کفر والحاد، شرک وارتداد بدمذہبی وبددینی نیز آزادی بدخواہش کے تھپیڑوں سے محفوظ رکھنے کے لئے افراد کو تیار کیا جارہا تھا۔ یقیناً وہ دور عشق رسالت اور شان ولایت کو مسلمانوں کے دل ودماغ میں بٹھانے کے لئے بڑی تگ ودواد محنت ومشقت کی قربانی مانگ رہا تھا اس وقت نہ اپنی اتنی عبادتگاہیں تھیں اور نہ ہی اپنے اتنے علما۔ ایسے پیاسے

ماحول میں حضرت شیخ الاسلام کی آمد نے سوکھے دھانوں پر ابر رحمت کا کام کیا۔آپ نے یہاں تشریف لاکر ہر میدان میں سنیت کی جڑوں کو مضبوط کیا اور آپ کی آنکھوں دیکھے آج کے اس شجر سنیت میں بلاشک حضرت شیخ الاسلام کی کوششوں کو بڑا دخل ہے۔

پر قارئین کو یہاں خیال رہے کہ اس چمن میں حضرت شیخ الاسلام کے علاوہ اور بھی بہت سارے اپنے ہندو پاک کے علماء و مشائخ ہیں کہ جنہوں نے بے پناہ جدو جہد کر کے اس گلستان کو سنوارا ہے۔مگر میرا یہاں صرف حضرت کا ذکر کرنا اور ان حضرات کا ذکر نہ کرنا کوئی تاریخی شواہد کو مٹانے یا ان کی کردار کشی کے لئے نہیں۔(معاذ اللہ) بلکہ صرف اپنے موضوع کی مناسبت کی وجہ سے ہے۔

بہر حال ایسے حالات میں بالخصوص یہاں شریعت وطریقت کے حسین امتزاج کی صورت دیکھنے کے لئے نگاہیں ترسا کرتی تھیں۔اور خانقاہی اور درسگاہی نکات کو سننے کے لئے کان بے چین رہا کرتے تھے۔ایسے میں جب کبھی حضرت شیخ الاسلام اپنے پروگرام کے ماتحت انگلینڈ تشریف لاتے تو دور و دراز کے شہروں سے سفر کی صعوبتیں اٹھا کر آنے والے خواص وعوام کا ایک اچھا خاصہ مجمع حضرت شیخ الاسلام کی قیامگاہ پر اکٹھا ہو جاتا اور لوگ حضرت کے خطاب عظیم سے بھر پور فائدہ اٹھانے کے بعد بھی بڑی بے چینی سے آپ کی مجلسی گفتگو کا انتظار کیا کرتے۔کہاں رات ہو اور محفل جمے۔واقف کاروں کا کہنا ہے کہ عقیدتمندوں، ارادت کیشوں کے علاوہ اس وقت کے موجود بہت سارے علماء وائمہ مساجد بھی ان محفلوں کی زینت ہوا کرتے۔ایسے سجے سجائے خوشگوار ماحول میں مختلف سوال کرنے والے حضور والا سے مختلف دینی مسائل پر سوالات کیا کرتے۔ان سوالات کا نہ کوئی خاص محور ہوتا نہ کوئی موضوع مقرر بلکہ کوئی رویت ہلال کے پیچیدہ مسائل کا ذکر چھیڑتا تو کوئی ویڈیو، ٹی وی، کے شرعی استعمال کا طریقہ پوچھتا تو کوئی بدمذہبوں کے اعتراضات کے جوابات کو ذہن نشیں کرنے کی کوشش کرتا اور کوئی شریعت وطریقت کے عمیق مسائل دریافت کرتا اور پھر جب ان سب کے جوابات میں حضرت شیخ الاسلام اپنے دلنشیں انداز تکلم میں محقق و مدلل گفتگو فرماتے تو سامعین کو محسوس ہوتا کہ جیسے نور علم و آگہی سے لبریز الفاظ اور انتخاب وجامعیت کے خوشبودار پھولوں کی طرح جھڑتے ہوئے جملوں کی تاثیر سے دل و دماغ منور و معطر ہو گئے ہیں اسی لئے ہر زبان پر واہ واہ اور سبحان اللہ کا نعرہ بلند ہوتا۔اور اس طرح گھنٹوں گذر جاتے بلکہ کبھی کبھی نماز فجر کا ابتدائی وقت شروع ہو جاتا اور بزم کی تازگی بس یوں ہی برقرار رہتی اور سامعین کے چہروں پر بشاشت وفرحت قلب کے اثرات بالکل نمایاں نظر آتے۔

ان عظیم مجلسوں کے نشینوں کا آج بھی اعتراف ہے کہ اس مجلی گفتگو کی اثر آفرینی اور دل گیری ایک عظیم جلسے کی تاثیرات سے کچھ کم نہیں ہوا کرتی تھی۔اگر چہ راقم الحروف کو برطانیہ میں قیام کئے صرف ۶ رسال ہونے کو آئے مگر پھر بھی ان نادیدہ مگر شنیدہ حالات کو اتنے وثوق سے اس لئے تحریر کر رہا ہے کہ خوش قسمتی سے آپ

کی محافل کا سلسلہ کچھ اسی طرح سے آج کل بھی جاری ہے۔ ''کچھ'' اس لئے کہا کہ حضرت کی ناسازگی طبیعت کی وجہ سے اگرچہ نشست کے اوقات میں کمی آئی ہے مگر رنگ ونور تو عموما اسی طرح کا رہتا ہے۔

آمدم برسر مطلب

ایسی ہی ایک محفل کا ذکر ہے کہ راقم الحروف ۲۷؍جون ۲۰۰۴ء کو نماز مغرب پڑھا کر مسجد نور الاسلام سے حضرت شیخ الاسلام کی قیامگاہ کے لئے روانہ ہوا۔ ان ایام میں آپ کا قیام آپ کے ایک خوش نصیب قدیمی میزبان جناب الحاج ڈاکٹر محمد اسمٰعیل پٹیل صاحب اشرفی کے یہاں تھا، حاضر ہوا تو دیکھا کہ بڑی پر بہار محفل جمی ہے۔ اس وقت آپ کے ساتھ آپ کے سگے بھتیجے پیر طریقت حضرت سید محمد عربی میاں صاحب قبلہ اشرفی جیلانی بھی تشریف فرما تھے۔ ابھی چند ہی منٹ گذرے تھے کہ خاندان اشرفیہ کے بعض دیگر حضرات کرام، نیز شاعر اسلام عالی جناب مولانا خلیل اطہر اشرفی رامپوری وارد حال برطانیہ بھی تشریف لے آئے۔ گفتگو کا رخ بڑی مفید باتوں پر مشتمل تھا اگر سب کو ترتیب کی لڑی میں پرو دیا جائے تو یقیناً یہ تحریر ایک چھوٹے موٹے رسالہ کی صورت اختیار کر جائے گی، جو کم از کم اس وقت میرا مقصود نہیں ہے۔ بہر حال پھر ہوا یوں کہ باتوں باتوں میں ذرا موقع پاکر عالی جناب الحاج محمد مسعود احمد صاحب سہروردی اشرفی خلیفۂ حضور شیخ الاسلام (نیویارک امریکہ) نے عرض کیا: حضور! آج ایک کتاب کے ضروری کام سے جناب مولانا محمد ایوب صاحب (راقم الحروف) کے گھر جانا ہوا۔ تو انہوں نے حضور صدر العلماء میرٹھی علیہ الرحمہ والرضوان کے تعلق سے جو تگ ودو کی ہے اس کو بڑے قیمتی مضامین کی شکل میں تقریباً مرتب دیکھا۔ کمپوزنگ ہو چکی ہے اور قریب قریب چھپنے کے لئے تیار ہو چکا ہے مگر ان کی دلی خواہش ہے کہ اگر حضور کی طرف سے بھی کچھ موصول ہو جائے تو بڑی خوش بختی ہوگی ورنہ تو زندگی بھر احساس رہے گا۔ یہ سن کر چند لمحہ آپ نے سکوت اختیار فرمایا اور ادھر میرا ماتھا ٹھنکا کہ کاش ہمارے یہ مکرم مہمان اس معروضہ کو کم از کم اس پر وقار محفل میں پیش نہ کرتے تو بڑا اچھا ہوتا مگر شان قدرت کہ جب آپ لب کشا ہوئے تو مجھے پھر ایک بار اس شعر کی حقانیت کا اعتراف کرنا پڑا کہ ۔

دل سے جو بات نکلتی ہے اثر رکھتی ہے　　پر نہیں طاقت پرواز مگر رکھتی ہے

دراصل پھر ہوا یوں کہ آپ نے اپنی گفتگو کا محور ہی حضور صدر العلماء میرٹھی کی ذات کو بنالیا اور اس طرح سے بہت ساری مستند ومعتمد معلومات کا خزانہ مرے ہاتھ لگ گیا اور ادھر میں نے موقع کو غنیمت جانکر صاحب خانہ سے کاغذ قلم منگایا اور پھر حضرت ہی کی اجازت سے آپ کی گفتگو کو اشارات میں نوٹ کرتا رہا نیز DigitalTape Recorder کے ذریعہ ریکارڈ بھی ہوتا رہا۔ تا کہ بعد میں اس کو مرتب کیا جاسکے۔

صدر العلماء پر لکھنے والا بہت کچھ لکھ سکتا ہے

چنانچہ آپ نے اپنی گفتگو کا آغاز کچھ اس طرح فرمایا کہ ہاں یہ صحیح ہے کہ میں نے ابھی تک کچھ لکھ کر نہیں

دیا۔ مگر انہوں نے (راقم الحروف کی طرف اشارہ) جو حضرت صدر العلماء کے حالات سے متعلق اکٹھا کرلیا ہے اس کو میں نے سرسری نظر سے دیکھا تھا بہت خوب ہے اور بڑے تحقیقی مقالات انہوں نے اکٹھے کرلئے ہیں۔ ویسے صدر العلماء کی دینی وعلمی خدمات کچھ اتنی ہیں کہ اگر کوئی ان پر لکھنا چاہے تو بہت کچھ لکھ سکتا ہے۔ پریشانی تو اس کے لئے آتی ہے کہ جس نے باقیات صالحات میں سے اپنے پیچھے کچھ نہ چھوڑا ہو۔ اور میرا معاملہ کچھ ایسا ہے کہ میری حضرت سے صرف دو ملاقاتیں ہیں ایک کچھوچھہ مقدسہ میں اور دوسری بدایوں شریف میں۔ کئی مرتبہ حضرت نے مجھے میرٹھ آنے کی دعوت دی مگر اتفاق سے ان تاریخوں میں کہیں نہ کہیں کا پروگرام پہلے ہی سے مقرر تھا اسی لئے میرٹھ حاضر نہ ہوسکا۔ اس طرح میں ان کے شخصی حالات زندگی کے بارے میں کچھ لکھنا چاہوں تو اس بارے میں میری معلومات بڑی محدود ہیں۔ اور اگر ان کی تصانیف کی روشنی میں ان پر لکھا جائے تو بہت کچھ لکھا جاسکتا ہے۔ مگر اس کے لئے بیٹھنا پڑے گا اور ابھی اطمینان سے بیٹھ کر لکھنے کا موقع میسر نہیں آتا ہے۔ ویسے بھائی جان (حضرت مفکر ملت سید حسن مثنی میاں صاحب انور کچھوچھوی) نے جو مضمون بعنوان ''یادوں کے نقوش'' لکھ کردیا ہے وہ بھی بہت اچھا ہے۔

صدر العلماء کی عظمت کا اندازہ

حضرت شیخ الاسلام مدنی میاں پھر مزید گفتگو کرتے ہوئے فرمایا کہ صدر العلما کی شخصیت کا اندازہ کچھ اس سے بھی ہوسکتا ہے کہ اس زمانہ کے بڑے بڑے متبحر علما نے ان کو بالاتفاق صدر العلماء کہا اور صرف کہا ہی نہیں بلکہ جانا اور مانا بھی۔ لقب صدر العلماء ان پر جچتا ہے۔ یہ لفظ سنتے ہی بلاتوقف ذہن انہی کی طرف جاتا ہے۔ ان کا لقب صدر العلماء یہ آج کے موجودہ زمانے کے مروجہ القابات کی طرح کوئی لقب نہیں ہے۔ اس دور کا تو عجیب حال ہے کہ لوگ جس کو چاہتے ہیں جو چاہتے ہیں اور جس طرح چاہتے ہیں لقب دے دیا کرتے ہیں، بلکہ کہیں کہیں تو ایسا ہوتا ہے کہ جب کوئی دوسرا انہیں دیتا تو یہ خود اپنا لقب تجویز کرلیتے ہیں انہیں حالت کے پیش نظر کبھی کبھی بھائی جان (حضرت مفکر ملت) کہا کرتے ہیں کہ اگر خدائے قادر وقیوم القابات کو یہ طاقت عطا فرمادے کہ تمہارا جہاں کہیں بھی کوئی بیجا اور غلط استعمال کرے تو تمہیں یہ اختیار ہے کہ تم اس کا گلا دبادو۔ پھر آپ روز سنو گے کہ آج فلاں کا قتل ہوگیا، آج فلاں کی گردن دبادی گئی، وغیرہ وغیرہ۔

اپنی گفتگو کو اسی محور پر جاری رکھتے ہوئے مزید حضرت شیخ الاسلام نے فرمایا کہ حضرت صدر العلماء کی تصانیف دیکھ کر آپ کو بخوبی یہ اندازہ ہوجائے گا کہ ان کو صدر العلما کہنے والے اور ماننے والے حق بجانب تھے اور ان کو صدر العلماء کہنے والے کوئی چھوٹے موٹے لوگ بھی نہیں تھے۔ آپ لوگ جانتے ہوں گے کہ حضرت علامہ شمس الدین جونپوری شمس العلماء یعنی مصنف قانون شریعت کو۔ وہ مرے استاذ ہیں۔ جب میں ان سے پڑھتا تو کتنا ہی طویل اور دقیق سبق ہوتا ان کو سمجھانے میں پندرہ منٹ سے زیادہ نہیں لگتے تھے اور اکثر ایسا ہوتا کہ

سب کچھ میں خود ہی پڑھتا اور سناتا اور آپ سنتے رہتے اگر کوئی غلطی ہوتی تو بتا دیا کرتے بلکہ کبھی تو مطلب بھی مجھی سے پوچھا کرتے۔ان سے کتابی ودرسی معلومات کے علاوہ اور بھی ساری معلومات کا خزانہ ہاتھ لگتا۔کئی سال میں نے رمضان کی چھٹیاں بھی انہیں کے پاس گذاریں ۔میں اچھی طرح سے جانتا ہوں کہ وہ بس یوں ہی کسی سے مرعوب ہونے والے لوگوں میں سے نہیں تھے۔جب وہ بولنے پر آتے تو اپنے سامنے کسی کو کوئی حیثیت نہیں سمجھتے تھے۔کیونکہ وہ خود بھی ایک عظیم محقق ومدقق تھے۔اب ایسا شخص اگر کسی کی عظمت کو تسلیم کرے اور اس کے علم وفضل کا اقرار کرے تو وہ واقعی ایک باوزن بات ہوگی یہ قاضی شمس الدین جونپوری بھی صدر العلماء کو اپنا صدر ہی مانتے تھے۔۱

آپ ذرا غور کیجئے کہ ایک مرتبہ کسی لفظ کی حرکت کے بارے میں کچھ بات تھی اب وہ لفظ کیا تھا وہ تو میرے ذہن میں فی الحال نہیں مگر اتنا ضرور ہے کہ وہ لفظ فتح کے ساتھ مشہور ہے اور قاضی صاحب نے اس کو کسر کے ساتھ پڑھا، یا پھر اس کا برعکس۔تو کسی نے پوچھا کہ حضور اس لفظ کا تلفظ آپ اس طرح کر رہے ہیں؟ تو آپ نے برجستہ جواب دیا کہ میں نے اس لفظ کو اسی طرح سے ایک فاضل اجل کی زبانی سنا ہے فرمایا کہ فاضل اجل سے مراد حضرت صدر العلماء میرٹھی تھے۔دیکھا آپ نے کتنا بھروسہ اور اعتماد تھا ان کو ان پر کہ ان کے تلفظ کو بھی اپنے لئے سند بنا رہے ہیں۔

سند

اسی طرح کا ایک واقعہ راقم الحروف سے حضرت شیخ الاسلام کے بھتیجے حضرت علامہ ومولانا سید محمد راشد میاں اشرفی جیلانی نے بیان فرمایا کہ ان سے ان کے استاد مکرم شیخ المعقولات والمنقولات حضرت علامہ مفتی غلام مجتبیٰ صاحب اشرفی شیخ الحدیث منظر اسلام (بریلی شریف) نے ان سے اس وقت بیان کیا کہ جب حضرت مفتی صاحب جامع اشرف کچھوچھہ مقدسہ میں مدرس تھے انہیں حضرت مفتی غلام مجتبیٰ صاحب نے فرمایا کہ عرس رضوی بریلی شریف کے ایک موقع پر جب میں نے حضرت قاضی شمس الدین جونپوری سے "المعتقد" کی ایک عبارت کے بارے میں دریافت کیا کہ حضرت صدر العلماء میرٹھی سے میں نے پوچھا تو انہوں نے فرمایا کہ اس جگہ یہ لفظ ہونا چاہئے تو اس پر حضرت قاضی صاحب علیہ الرحمہ والرضوان نے فوراً فرمایا کہ اگر انہوں نے کہا ہے تو پھر صحیح ہے یہی ہونا چاہئے۔ ۱۲

ہندوستان کے ڈھائی عالم

سلسلہ کلام کو جاری رکھتے ہوئے حضرت شیخ الاسلام نے فرمایا کہ ایک مرتبہ حضرت قاضی شمس الدین صاحب جونپوری اور حضرت صدر العلماء میرٹھی دونوں تشریف فرما تھے کہ حضرت قاضی صاحب نے حضرت صدر صاحب سے فرمایا کہ اس وقت میری نظر میں ہندوستان کے اندر صرف ڈھائی عالم ہیں۔ایک تو حضور مفتی اعظم

ہند بریلی شریف، اور ایک تم اور آدھا میں۔ اس پر حضرت صدر صاحب نے بطور مزاح ذرا مسکرا کر فرمایا: " آدھے تم؟ تم تو پاؤ بھی نہیں۔ فرمایا کیونکہ بے تکلف ساتھی بھی تھے اسی لئے آپس میں اس طرح کی بے تکلفی بھی فرمایا کرتے۔

صدر العلماء پر نمبر نکالنے کی اہمیت

اسی سلسلہ کلام کو جاری رکھتے ہوئے حضرت شیخ الاسلام نے فرمایا کہ حضرت قاضی صاحب جونپوری علیہ الرحمہ کے سامنے بعض شخصیات پر نمبر نکالنے کا ذکر تھا اس پر آپ نے بڑے افسوس ناک لہجے میں فرمایا کہ جس کا نمبر نکالنا چاہئے لوگ اس کا نہیں نکالتے، جس کا نمبر نکالنا چاہئے لوگ اس کا نہیں نکالتے۔ (دو مرتبہ) عرض کیا گیا حضور کس کا نمبر نکالنا چاہئے اور نہیں نکالتے۔ فرمایا: میرے سید کا (علامہ غلامی جیلانی میرٹھی کا)

قرین قیاس کہ "صدر العلماء" لقب حضور محدث اعظم ہند علیہ الرحمہ والرضوان کا عطیہ ہے:
حضرت شیخ الاسلام نے کچھ دیر توقف فرما کر سلسلہ کلام کو آگے بڑھاتے ہوئے ارشاد فرمایا کہ حضرت صدر الشریعہ کے یوں تو بے شمار شاگرد تھے مگر جن دو ایک شاگردوں پر صدر الشریعہ کو بھی ناز تھا اور جن کے ذریعہ حضرت صدر الشریعہ کی شخصیت کا بھی اندازہ ہوتا ہے ان میں سے ایک حضرت صدر العلماء علامہ غلام جیلانی میرٹھی ہیں۔ ؎ اور دوسرے محدث اعظم پاکستان علامہ سردار احمد صاحب گورداسپوری۔

اور پھر قرین قیاس ہے کہ صدر العلماء کا یہ لقب حضرت والد ماجد حضور محدث اعظم ہند علیہ الرحمہ ہی کا دیا ہوا ہوگا کہ جس طرح آپ نے بعض شخصیات اور ان کی خدمات اور جلالت شان کی مناسبت سے کسی کے لئے حجۃ الاسلام، کسی کے لئے مفتئ اعظم ہند، کسی کے لئے مجاہد ملت جیسے القابات کا تقرر فرمایا اسی طرح آپ کی عظمت شان کے پیش نظر آپ کو صدر العلماء کا لقب دیا ہو۔

مزید سلسلہ کلام کو جاری رکھتے ہوئے حضرت شیخ الاسلام نے فرمایا کہ میں نے سلطان المناظرین حضرت علامہ مفتی رفاقت حسین صاحب مظفر پوری ثم کانپوری کو دیکھا کہ جب بھی آپ صدر العلماء کے ساتھ چارپائی پر بیٹھے تو ہمیشہ آپ نے صدر صاحب کو سرہانے بٹھایا اور خود پائنتی بیٹھے۔ اور میں نے اپنے استاد حضرت حافظ ملت کو دیکھا کہ وہ حضرت صدر الشریعہ کے شاگردوں میں سے جب حضرت صدر العلماء میرٹھی اور حضرت محدث اعظم پاکستان علامہ سردار احمد صاحب کا نام لیتے تو بڑے احترام سے لیا کرتے۔ ؎

حضرت شیخ الاسلام نے اپنی گفتگو کو آخری مرحلہ میں داخل فرماتے ہوئے بدایوں شریف کی ایک ملاقات کا بھی ذکر فرمایا کہ کچھوچھہ شریف میں تو کوئی خاص گفتگو کا موقع نہ مل سکا۔ البتہ بدایوں شریف میں ملاقات پر حضرت صدر صاحب سے کافی گفتگو بھی ہوئی۔ دوران گفتگو ان سے میں نے یہ ذکر بھی چھیڑ دیا کہ حضرت برہان میاں صاحب علیہ الرحمہ جبلپوری نے ایک رسالہ تالیف کیا ہے، لاؤڈ اسپیکر پر نماز کے عدم جواز

کے تعلق سے۔انہوں نے ہر جگہ تصدیق کے لئے بھیجا اور مجھے بھی موصول ہوا اب میرے لئے ایک سوال تھا کہ میں تصدیق کروں یا کیا کروں؟ چنانچہ میں نے تو ان کے فتوی کے تعلق سے اپنی کوئی رائے پیش نہیں کی۔البتہ ان کی شخصیت کے بارے میں کچھ لکھ کر دستخط کر دیئے۔اس پر قدرے توقف کر کے حضرت شیخ الاسلام نے فرمایا کہ بعد میں وہ میری طرف سے بھی تصدیق سمجھ کر شائع کیا گیا جبکہ میں نے تو فتوی کے تعلق سے کوئی رائے پیش کی ہی نہیں تھی۔خیر! میری اس گفتگو پر حضرت صدر العلما نے فرمایا کہ ہاں میرے پاس بھی ان کی طرف سے وہ فتوی تصدیق کے لئے آیا تھا تو میں نے اس پر چند سوالات قائم کر کے ارسال کر دیئے کہ آپ میرے ان سوالات کے تشفی بخش جوابات دید یجئے میں تصدیق کر دونگا۔ابھی تک تو جوابات آئے ہی نہیں۔یہاں پر حضرت شیخ الاسلام نے فرمایا کہ آپ کے اس طریقہ کار سے اشارہ ملتا ہے کہ ان کا رجحان لاؤڈ اسپیکر پر نماز کے جواز کی طرف تھا۔ ۲

مسئلہ ختم نبوت

اب میں یہاں مناسب خیال کرتا ہوں کہ حضرت شیخ الاسلام کی اس مجلسی گفتگو کے علاوہ آپ کی ایک دوسری گفتگو کے صرف ایک گوشہ کو اپنے موضوع کی مناسبت سے ذکر کر کے اپنی اس تحریر و ترتیب کو آخری شکل دیدوں۔کیونکہ اس کے ذریعہ بھی حضرت صدر العلما کی جلالت شان اور تحقیق و تدقیق کے میدان میں ان کے اعلیٰ معیار کی آن بان پھوٹ کر رونما ہوتی ہے۔

جمعہ کا دن تھا اور ۲/جولائی ۲۰۰۴ء اور حضرت اپنی قیامگاہ یعنی جناب الحاج سراج آدم ولی صاحب کے کشادہ و وسیع مکان میں تشریف فرما تھے۔نماز مغرب ہی کے بعد سے اسی طرح کی پر کیف روحانی محفل جمی تھی ۔جس میں عوام وخواص بھی موجود تھے کہ قریب اختتام محفل آپ نے مخاطبین کے سامنے ایک اہم سوال قائم کر کے خود ہی اس کا جواب بھی عنایت فرمایا۔سوال و جواب کے الفاظ کیا تھے بعینہ تو میں مستحضر نہ رکھ سکا۔البتہ اتنا ضرور یاد ہے کہ سوال و جواب کے لئے جن الفاظ کا انتخاب کیا گیا تھا وہ بلا شک معنوی اور شرعی احتیاطوں کے آئینہ دار تھے۔جیسا کہ آپکا خاصہ ہے۔بہر حال کچھ اس طرح سے تھا۔ ۳

سوال: کہ نبی علیہ الصلوۃ والسلام کی ذات مبارکہ ممکن! تو پھر آپ کی صفت ''خاتم النبیین'' کا مثل ممکن کیوں نہیں؟ ناممکن کیوں ہے؟ جبکہ ممکن کی مثل ممکن ہے۔

جواب: دیتے ہوئے پھر خود ہی آپ نے ارشاد فرمایا کہ سنو! درحقیقت یہ اوصاف یہ صفتیں بھی دو قسم کی ہیں۔

پہلی: تو وہ صفت کہ جس کے بارے میں عقل یہ فیصلہ کرے کہ اس صفت سے متصف ایک کے علاوہ اور دیگر افراد بھی ہو سکتے ہیں۔پھر اس کی بھی دو قسمیں ہیں۔

ایک: تو یہ کہ اس سے متصف فرد کے علاوہ دوسرے افراد نہ صرف اس کے شریک ہو سکتے ہوں بلکہ

شریک ہوئے بھی ہوں جیسے نبوت ورسالت کہ اس صفت میں ہمارے نبی ﷺ کے ہزاروں شریک ومثل ہیں اور

دوسری: یہ کہ اس صفت میں عقلا کوئی دوسرا شریک ہوتو سکتا تھا مگر ہوا نہیں جیسے حضرت عبداللہ وحضرت آمنہ کا بیٹا ہونا کہ بیٹا ہونے میں کوئی دوسرا شریک ہوتو سکتا تھا مگر ہوا نہیں جیسے حضرت عائشہ صدیقہ کا شوہر ہونا کہ دوسرا کوئی اور شریک ہوتو سکتا تھا مگر ہوا نہیں ۔یہ ہمارے نبی کی وہ صفت ہے کہ اس میں آپ کا مثل ممکن تو تھا مگر کوئی مثل ہوا نہیں اور نہ اب بھی کوئی ہوگا۔ یہ تو تھی وصف کی پہلی قسم کی دوصورتیں اور

دوسری: قسم صفت کی وہ ہے کہ اس سے متصف فرد کا عقلا نہ کوئی شریک ہوسکتا ہو اور نہ کوئی مثل۔ جیسے اول مخلوق ہونا، خاتم النبیین ہونا کہ اس صفت سے جو متصف ہوگا وہ اپنی ذات میں اکیلا ہوگا نہ کوئی اس کا شریک اور نہ کوئی اس کا مثل۔ کیونکہ اول مخلوق ہونے کا مطلب ہے کہ ایسی اکیلی ذات جو خلقت میں سب سے پہلی ہو۔ اب اگر کسی دوسرے کو بھی پہلا مانا تو پھر یہ پہلا کہاں رہا۔اسی طرح خاتم النبیین ہونے کا مطلب ہے کہ وہ اکیلی ذات کہ تمام تر انبیائے کرام کے جو بعد ہو تو اب اگر کوئی شخص اس اکیلی ذات کے علاوہ کسی اور کو بھی خاتم مانے یا ممکن ہی جانے تو پھر خاتم النبیین کے معنی کو اس نے کہاں مانا۔اور یہ تو ہر ایک مسلمان کو معلوم ہونا چاہئے کہ مذکورہ دونوں صفتیں بھی ہمارے نبی کے لئے حدیث وقرآن سے ثابت ہیں مگر یہ دونوں وصف ہمارے نبی کے ان اوصاف میں سے ہیں کہ جن میں آپ کا مثل ممتنع بالذات یا یوں کہہ لیجئے کہ محال بالذات ہے۔یعنی ان اوصاف میں ہمارے نبی کا مثل ناممکن ومحال ہے۔اور ان اوصاف میں حضور ﷺ کے مثل کا وجود عقلا وشرعا جائز ہی نہیں۔ اب اگر کوئی شخص حضور کے اول مخلوق ہونے والی صفت میں کسی اور کے مثل ہونے کو ممکن جانے تو وہ گمراہ ہے۔ صرف گمراہ اس لئے کہ آپ کا اول مخلوق ہونا حدیث غیر متواتر سے ثابت ہے۔اور ممکن مان لینے سے اس کا انکار لازم آئے گا اور حدیث غیر متواتر ظنی کا انکار گمراہی ہے مگر کفر نہیں ہاں اگر کسی نے حضور ﷺ کے خاتم النبیین ہونے میں کسی اور کے مثل ہونے کو ممکن مانا تو بلا شک وہ کافر ہے۔ کیونکہ آپ کا خاتم النبیین ہونا یعنی آخری نبی ہونا نص قرآنی سے ثابت ہے۔ فرمایا جاتا ہے: ولکن رسول اللہ و خاتم النبیین ۔اور ہاں (محمد ﷺ) اللہ کے رسول ہیں اور سارے نبیوں میں پچھلے زمانے والے۔ اور نص قرآنی کا انکار کفر ہے۔ اسی واسطے کوئی اس وصف میں حضور کا مثل مانے یا مثل کو ممکن جانے اور حضور کے بعد کسی اور کو نبوت ملنے کے امکان کا اعتقاد رکھے وہ کافر ہے خارج از اسلام ہے۔

حضرت شیخ الاسلام نے اپنے طور سے جواب مکمل فرمانے کے بعد ارشاد فرمایا کہ میں نے اس سوال کا تفصیلی جواب حضرت صدر العلما کی کسی کتاب میں دیکھا ہے۔ فقیر راقم السطور نے مؤدبانہ عرض کیا کہ بشیر القاری حدیث ہرقل کے ضمن میں اسکو بیان فرمایا ہے۔ فرمایا: ہاں بالکل صحیح۔ مگر حضرت صدر العلماء نے جس عمدگی اور تحقیق کے ساتھ یہ جواب دیا ہے میں نے کسی اور جگہ اس طرح کا جواب نہیں دیکھا۔ آپ ذرا

دیکھیں تو صحیح کہ جو بات قاسم نانوتوی وغیرہ لوگوں کی سمجھ میں نہ آسکی اس کو حضرت صدر العلماء نے بڑی عمدگی سے سمجھا دیا۔

سید محمد مدنی اشرفی جیلانی
(کچھوچھہ شریف، یو۔پی)
(ترتیب) محمد ایوب اشرفی شمسی

نوٹ: اس مکمل مضمون کو ترتیب دیکر جب میں تصدیق کے لئے حضرت کی قیامگاہ پر جناب الحاج داؤد بھائی فوجدار کے گھر (مانچسٹر) حاضر ہوا۔ تو آپ نے مکمل مضمون ملاحظہ فرمایا۔ شائع کرنے کی اجازت بھی دی البتہ اس سوال وجواب کو خود اپنے ہی الفاظ میں دوبارہ ٹیپ کرایا تھا۔ مگر سوئے اتفاق جب بعد میں میں نے سنا تو آواز بالکل نہ آنے کے برابر تھی۔ چنانچہ مجبوراً فقیر نے اپنے ہی ترتیب دیئے ہوئے الفاظ کو برقرار رکھا ہے۔
(مرتب)

اب یہاں پہنچ کر راقم الحروف کو ایک احساس ہو رہا ہے کہ ہمارے اہل ذوق قارئین یہاں پہنچ کر ضرور کچھ نہ کچھ اضطراب محسوس کریں گے کہ کاش بروقت وہ مضمون صدر العلماء کا پیش نظر ہوتا تو بڑی تشفی ہو جاتی۔ او رخاص طور سے حضرت شیخ الاسلام کی زبان حق ترجمان سے سن کر تو بے ذوقوں کو بھی ذوق ہو جانا چاہئے۔ اور واقعی بیان کیا ہے؟ گویا وہ بھی بشیر القاری کے دیگر مضامین کی طرح بے بہا انمول موتیوں کا عظیم خزانہ ہے۔ لیجئے آئندہ صفحہ پر پیش ہے صدر العلماء کا وہ بیان! خود ملاحظہ فرمائیے اور اندازہ لگائیے۔

(مرتب)

اقول: یہ نفیس جلیل حدیث طویل بحمد اللہ حدیث صحیح ہے۔ امام حافظ عماد الدین ابن کثیر پھر امام خاتم الحفاظ سیوطی نے فرمایا: ھذا حدیث جید الاسناد و رجالہ ثقات۔

سوال: اس حدیث ہرقل سے مستفاد ہوتا ہے کہ حضور پر نور ﷺ خاتم النبیین یعنی آخری نبی ہیں کیونکہ آپ کا خانۂ تصویر سب خانوں کے آخر میں تھا، جیسے ہرقل کے قول مذکور "اما انہ کان آخر البیوت الخ" سے روشن ہے۔ اور صحیح بخاری ومسلم میں اس کی تصریح بھی بایں الفاظ وارد کہ محبوب خدا ﷺ نے ارشاد فرمایا انہ سیکون فی امتی کذابون ثلثون کلھم یزعم انہ نبی و انا خاتم النبیین لانبی بعدی۔ و لفظ البخاری ھکذا(دجالون کذابون قریبا من ثلثین)۔

ترجمہ: عنقریب اس امت میں تقریباً تیس دجال کذاب نکلیں گے۔ ہر ایک ادعا کریگا کہ وہ نبی ہے حالانکہ میں خاتم النبیین ہوں۔ میرے بعد کوئی نبی نہیں۔ بلکہ خود قرآن کریم فرماتا ہے:

ما کان محمد ابا احدمن رجالکم ولکن رسول اللہ و خاتم النبیین و کان اللہ بکل شیء علیما۔

ترجمہ: محمد تمہارے مردوں میں سے کسی کے باپ نہیں ہاں اللہ کے رسول ہیں اور سب نبیوں میں پچھلے اور اللہ سب کچھ جانتا ہے۔ ان نصوص سے اتنا ثابت ہوتا ہے کہ آپ کے بعد دوسرا خاتم النبیین نہ ہوگا۔ اب دریافت طلب امر یہ ہے کہ آپ کے بعد دوسرا خاتم النبیین ممکن ہے یا نہیں۔ یا بالفاظ دیگر دریافت طلب امر یہ ہے کہ آپکا مثل ممکن ہے یا نہیں؟ اور جو شخص ممکن مانے اس کا شرعی حکم کیا ہے؟

جواب: ختم نبوت اسلام کا وہ عظیم الشان عقیدہ ہے کہ جس پر ایمان کی صحت موقوف ہے۔ بلکہ مذہب اسلام کی جان کہا جائے تو بیجا نہ ہوگا۔ دشمن اسلام عبداللہ بن سبا یہودی کے مشن نے جس کا تذکرہ ص ۱۹۶ر پر ہم کر آئے ہیں، اس عقیدہ کو ٹھیس لگانے کے لئے مختلف تدابیر اختیار کیں۔ چنانچہ بعض مدعیان اسلام کو طمع زر میں پھانس کر ان سے امکان کی بحث چھڑوادی جس میں بعض ارباب علم بھی لغزش کھا گئے۔ نظر برآں ضروری ہوا کہ اس مسئلہ کو قدرے تفصیل سے تحریر کر دیا جائے تاکہ جملہ ناظرین خصوصا طلبہ علم دین اہل باطل کے دام فریب سے محفوظ رہیں۔

تحقیق اہل سنت و جماعت کی روشنی میں سرور انبیا محبوب خدا جناب احمد مجتبی محمد مصطفے ﷺ کا مثل ممتنع بالذات ہے۔ اس کی تفصیل سے پیشتر دو باتوں کا بیان ضروری ہے۔ اول: ممتنع بالذات کی تعریف کہ اس سے فہم جواب میں سہولت ہوگی۔ اور دوم یہ کہ ممتنع بالذات تحت قدرت نہیں ہوتا۔ اس سے مخالفین کا دام فریب تار تار ہو جائے گا۔

ممتنع بالذات

وہ مفہوم ہے جس کے مصداق کا وجود عقلا جائز نہ ہو جیسے: اجتماع النقیضین اور ارتفاع النقیضین کہ ان میں سے ہر ایک کے مصداق کا وجود و تحقق عقل جائز نہیں رکھتی۔ اور بلا پس و پیش بداہۃً حکم کرتی ہے کہ ان کا مصداق موجود متحقق نہیں ہو سکتا۔

ممتنع بالغیر

وہ مفہوم ہے جس کے مصداق کا تحقق عقلا درست ہو مگر کسی امر خارجی کے پیش نظر درست نہ ہو جیسے: بر مذہب فلاسفہ عقل اول کا عدم کہ ممتنع بالغیر ہے۔ عقل اس کا تحقق جائز رکھتی ہے مگر جب یہ لحاظ کریں کہ عقل اول علت تامہ (واجب الوجود) کی معلول ہے تو جائز نہیں رکھتی۔ کیونکہ جائز وہ ہے جو کسی محال کو مستلزم نہ ہو اور یہ محال کو مستلزم جو عدم واجب الوجود ہے۔ اس لئے کہ معلول کا عدم علت تامہ کے عدم کو مستلزم ہوتا ہے۔ پس معلوم ہوا کہ عدم عقل اول میں امتناع فی نفسہ نہیں۔ بلکہ علت تامہ (واجب الوجود) کی معلولیت کی بنا پر آیا۔ اسی لئے ممتنع

بالغیر ہے۔

اور بر مذہب اہلسنت ابو جہل وابولہب کا ایمان ممتنع بالغیر تھا اور وہ غیر اخبار الٰہی ہے۔ جس کے متعلق بعدم ہونے سے امتناع آیا ورنہ فی نفسہ ممکن ہے۔ اسی واسطے یہ دونوں اس کے ساتھ مکلف تھے۔ ورنہ ممتنع بالذات کے ساتھ تکلیف واقع نہیں ہوتی۔ کما ھو مقرر فی الاصول۔

آج کل طلبہ بلکہ اساتذہ کی زبانوں پر ممتنع بالذات کی تعریف بایں طور جاری ہے کہ جس چیز کی ذات امتناع کو مقتضی ہو اس کو ممتنع بالذات کہتے ہیں۔ یہ تعریف غلط ہے کیونکہ اس کی ذات متحقق ہی کہاں ہے حتی کہ امتناع کو مقتضی ہو۔ فامعن النظر ولا تکن من المسرعین۔

ممتنع بالذات

یا بالفاظ دیگر محال بالذات زیر قدرت نہیں اور ان کے مقدور نہ ہونے سے قادر مطلق جل مجدہ کا عجز لازم نہیں آتا۔ جیسے کہ مخالفین فریب دیا کرتے ہیں بلکہ محالات کا دائرہ قدرت سے خارج رہنا عین کمال ہے۔ اگر محالات کو مقدور مانا جائے تو قادرِ مطلق عزاسمہ کے وجوب ذاتی سے ہاتھ دھو بیٹھنا پڑے گا۔ جس کے نتیجہ میں یہ بات آئے گی کہ قادر مطلق عزاسمہ عالم کا خالق نہیں۔ کیونکہ جب وجوب ذاتی منتفی ہوا تو قادر مطلق عزاسمہ یا تو ممکن ہوگا یا ممتنع۔ ممکن کی شان سے افادہ وجود نہیں تو ممتنع سے بدرجہ اولی۔ کما بین فی الاصول۔

دلیل

یہ ہے کہ محال اگر مقدور ہو تو دو حال سے خالی نہیں یا تو ہر ہر محال مقدور ہوگا یا بعض محالات مقدور ہوں گے اور بعض نہیں ہوں گے۔ یہ دوسری صورت ترجیح بلا مرجح کو مستلزم ہے اور ترجیح بلا مرجح باطل اور جو باطل کو مستلزم ہو وہ باطل۔ تو یہ دوسری صورت باطل ہوئی اور پہلی صورت اس لیے باطل کہ جب ہر ہر محال مقدور ہوگا تو محالات میں سے ایک محال قادر مطلق (واجب الوجود) کی فنا بھی ہے تو یہ بھی مقدور ہوگی اور جب اس کی فنا مقدور ہوئی تو وہ واجب بالذات نہ رہا کہ جس کی فنا مقدور ہو وہ ممکن ہوتا ہے نہ واجب بالذات۔ کیونکہ واجب بالذات وہ موجود ہے جس کی فنا ممکن نہ ہو۔ پس بحمدہ تعالیٰ ثابت ہوا کہ ممتنع بالذات زیر قدرت نہیں۔

سوال: قرآن کریم فرماتا ہے: ان اللہ علی کل شیء قدیر۔ اللہ تعالیٰ ہر شے پر قادر ہے اور ممتنع بالذات بھی ایک شے ہے تو اس پر بھی قادر ہوا پھر یہ کہنا کہ کس طرح درست ہے کہ ممتنع بالذات پر قادر نہیں۔

جواب: اس مقام پر آیت مذکورہ کو پیش کرنا باطل پرستوں کا فریب اور مغالطہ ہے جس سے بھولے بھالے کم فہم انسانوں کو گمراہ کیا کرتے ہیں۔ آیت سے یہی تو ثابت ہوا کہ اللہ تعالیٰ ہر شئے پر قادر ہے۔ ممتنع بالذات تو شئی نہیں وہ تو لاشئ ہے اور آیت شئی پر قدرت کا اثبات کر رہی ہے نہ کہ لاشئی پر اور شئی موجود کو کہتے ہیں او ممتنع بالذات موجود نہیں۔ پھر اس پر اثبات قدرت کس طرح ہوگیا؟ شرح عقائد نسفی کے شروع ہی میں ہے

:الشی ء عند نا ھو الموجود۔ اہلسنت کے نزدیک شی موجود کو کہتے ہیں۔ان دوباتوں کوذہن نشیں کرنے کے بعد جواب کی تقریر سنئے۔

جواب کی تقریر

اوصاف دوقسم پر ہیں۔

قسم اول: وہ وصف جس کے موصوف کا تعدد عقل جائز رکھتی ہے۔پھر یہ دوقسم پر ہے:ایک وہ جس میں اشتراک واقع ہے اوراس کے موصوف بکثرت متحقق ہیں جیسے بشریت، عربیت، ہاشمیت، نبوت، رسالت وغیرہ اوصاف جوکثیرین میں مشترک ہیں۔ہم چوقسم اوصاف کے اعتبار سے آپ کا مثل متحقق ہے۔دوسراوہ وصف جس میں اشتراک واقع نہیں جیسے: حضرت عبداللہ وحضرت آمنہ رضی اللہ تعالیٰ عنہما کا پسر ہونا۔حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کا شوہر ہونا۔رحمۃ للعلمین ہونا،منزل علیہ القرآن ہونا، جسمانی معراج ہونا، وغیرہ اوصاف جو آپ کے ساتھ مخصوص ہیں،اوران میں اشتراک واقع نہیں ہوا۔ایسے اوصاف میں آپ کا مثل ممکن ہے مگرواقع نہیں ہوااورنہ ہوگا۔

قسم دوم: وہ وصف جس کے موصوف کا تعدد عقلا جائزنہیں جیسے اول مخلوق ہونا، اول مومن ہونا، بروز قیامت اول شافع ہونا، اول مشفع ہونا، خاتم النبیین ہونا، ان میں سے ہرایک وصف کا موصوف ایک ہی ہوسکتا ہے۔متعدد ہونا ممکن نہیں۔کیونکہ اول مخلوق کے معنی ہیں وہ ذات واحد جوتخلیق میں اپنے جمیع ماسواپر سابق ہو۔ اول مومن کے معنی ہیں وہ ذات واحد جوایمان لانے میں اپنے جمیع ماسواپر سابق ہو۔اول شافع کے معنی ہیں وہ ذات واحد جو بروز قیامت سفارش کرنے میں اپنے جمیع ماسواپر سابق ہو۔اول مشفع کے معنی ہیں وہ ذات واحد جو بروز قیامت سفارش مقبول ہونے میں اپنے جمیع ماسواپر سابق ہو۔خاتم النبیین کے معنی ہیں وہ ذات واحد جوتمام انبیا سے متاخر ہو۔

چونکہ یہ اوصاف آپ کے لئے ثابت ہیں اور عقل ان کے موصوف کا تعدد جائزنہیں رکھتی۔اس لئے ان میں آپ کا مثل ممتنع بالذات ہے۔علمائے اہلسنت ایسے ہی اوصاف کے اعتبار سے آپ کے مثل کوممتنع بالذات فرماتے ہیں۔انہوں نے اوصاف قسم اول میں مثل کے امکان کی نفی نہیں فرمائی۔نہ ان سے یہ متصور بلکہ کوئی جاہل سے جاہل بھی نہیں کہہ سکتا کہ خودقرآن کریم وصف بشریت میں مثل کا اثبات فرمارہا ہے۔

(قل انما انا بشر مثلکم) اوروصف بشریت قسم اول سے ہے۔اوراس میں مثل کی نفی سے قرآن کا انکارہوجائے گا جوکفر ہے۔جب یہ ثابت ہوگیا کہ قسم دوم کے اوصاف مذکورہ میں آپ کا مثل ممتنع بالذات ہے تو اب ہم ان کے حکم شرعی کا تفاوت بیان کرتے ہیں اوروہ یہ کہ اول چاراوصاف میں مثل کوممکن اعتقاد کرنے والا گمراہ ہے، کیونکہ یہ چاروں اوصاف آپ کے لیے حدیث غیر متواتر سے ثابت ہیں اوران چاروں اوصاف میں

مثل کوممکن اعتقاد کرنے سے حدیث غیر متواتر ظنی کا انکار لازم آئے گا اور حدیث غیر متواتر ظنی کا انکار گمراہی ہے کفر نہیں۔اور پانچویں وصف (خاتم النبیین) میں مثل کوممکن اعتقاد کرنے سے قرآن قطعی کا انکار لازم آئے گا اور قرآن قطعی کا انکار کفر ہے۔اسی واسطے امام علامہ شہاب الدین فضل اللہ بن حسین تورپشتی حنفی اپنی کتاب (المعتمد فی المعتقد) میں فرماتے ہیں:"وآنکس کہ گوید کہ بعد از وے نبی دیگر بود یا ہست یا خواہد بود وآنکس کہ گوید کہ امکان دارد کہ باشد کافر است۔این است شرط درستی ایمان بخاتم انبیا محمد مصطفی ﷺ"۔

ترجمہ:اور جو شخص کہے کہ آپ کے بعد دوسرا نبی ہوا تھا یا ہے یا ہوگا اور جو شخص کہے کہ ممکن ہے کہ ہو (ان میں سے ہر ایک) کافر ہے۔خاتم انبیا محمد مصطفی ﷺ پر ایمان درست ہونے کی یہ شرط ہے۔(کہ آپ کے بعد دوسرے نبی کے امکان کی نفی کرے اور اس کو ممتنع بالذات مانے۔کیونکہ ممکن اعتقاد کرنے میں آیت "ولکن رسول اللہ وخاتم النبیین" کا انکار لازم آئے گا جو کفر ہے۔

اقول:قد زلت قدم العلامه محمد بشیر الدین بن مولانا محمد کریم الدین العثمانی القنوجی فی هذه المسئلة عن طریق الصواب حیث قال فی من شرحه لمسلّم الثبوت المسمیٰ یکشف المبهم مما فی المسلم (ومن ههنا یظهر بطلان قول من قال بامتناع مثل سیدناو نبینا محمد ﷺ عقلا للاخبار الدالة علی ان الله تعالیٰ لا یخاق بعده نبیا و هو خاتم النبیین و وجه البطلان ان نبینا محمدا ﷺ ممکن ومثل ممکن کما یشعر به قولهم ان القادر علی الشی قادر علی مثله کما فی شرح المواقف وغیره من الکتب الکلامیة فلا بد ان یکون مثله ممکنا و الممکن لا یخرج عن الامکان بعلم او خبر و قد وقع النزاع فی هذا فی عصرناو کتب فیه رسائل لکن جاء الحق و زهق الباطل ان الباطل کان زهوقا۔ و ذلك لوجهین الاول انه بناء علی سوء الفهم اذ لم یقل احد من المعتمدین ان امتناع المثل عقلاً لاجل الاخبار ان الاخبار الدالة علی ان الله تعالیٰ لا یخلق بعده نبیا وهو خاتم النبیین کما تفوه حتی یتوجه علیه ان الاخبار بعدم الشیء لا یجعل الشیء ممتنعا عقلا کیف و هو لا یلیق بعاقل فضلا عن الفضلاء الذین هم حماة الملة البیضاء بل القول بامتناع المثل عقلا مبنی علی ان وصف الخاتمیة لا یحتمل التعدد عقلا کما ذکرناه آنفا و نعم ما قیل ۔ و کم من عائب قولا صحیحا و آفته من الفهم السقیم ۔ والثانی انك قد علمت ان المثل فی القسم الاول من الوصف ممکن وفی القسم الثانی من الوصف ممتنع بالذات فان اراد بقوله (ومثل الممکن ممکن) المثل فی القسم الاول فقوله صحیح و لکن لا ینفعه و لا یضراهل الحق فانهم قائلون بامکانه و ان اراد المثل فی القسم الثانی من الوصف فقوله باطل و لایصح الاستشهاد بما فی شرح المواقف من ان القادرعلی الشی قادر

علی مثله لان المراد بالمثل فی هذا القول المثل فی القسم الاول من الوصف واذا ارید المثل فی القسم الثانی من الوصف لز م الاستحالة و هو انتفاد الوجوب الذاتی کما فصلنا ہ سابقا فحینئذ ینبغی ان یقرء قوله تعالیٰ جاء الحق و زهق الباطل ان الباطل کان زهوقا۔ فتامل و لا تعجل والحق حقیق بالاخذ اور لو کان مرا والباطل حری بالرفض و لو کان درا۔ قد اختلج هذا القول المردود فی قلب اخینا المسعود المولوی محمدالیاس الاعظمی صانه الله القوی عن شی کل غبی و غوی فسالنی عنه حین قرأته مسلم الثبوت عندی فاجبته بما قد عرفت۔

سوال: بیہقی نے بروایت ابوالضحیٰ ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے آیت "ومن الارض مثلهن یتنزل الامر بینهن" کی تفسیر میں صحیح اسناد کے ساتھ یہ روایت پیش کی ہے "قال سبع ارضین فی کل ارض نبی کنبیکم و آدم کآدمکم نوح کنوحکم و ابراهیم کابراهیمکم وعیسی کعیساکم" جو اس بات پر دلالت کرتی ہے کہ خاتم النبیین علیہ السلام کے بعد ان کا مثل نہ صرف ممکن بلکہ واقع ہے کیونکہ ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما اپنے زمانے میں اس کا اثبات فرمارہے ہیں۔ پھر مثل کی نفی کس طرح درست ہوسکتی ہے۔

جواب: یہ روایت مفید مدعیٰ نہیں **اولاً**: اس لئے کہ اگرچہ اس کی سند صحیح ہے جیسا کہ حاکم نے بھی تصحیح کی ہے مگر متن میں شذوذ ہے کہ ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے روایت کرنے میں ابوالضحیٰ متفرد ہیں۔ اسی واسطے خود بیہقی نے "شعب" میں بیان کیا کہ یہ روایت شاذ المتن ہے اور جب بوجہ شذوذ متن روایت ضعیف ٹھہری تو قابل احتجاج ہی نہ رہی۔ علاوہ ازیں اگر صحت تسلیم کرلی جائے تب بھی مفید نہیں کہ مسئلہ از قبیل عقائد ہے جن میں حدیث مشہور بھی معتبر نہیں ہوتی۔ اور یہ از قبیل آحاد ہے

ثانیاً: اس لئے کہ کلام مطلقا مثل کی نفی میں نہیں حتی کہ اس کے اثبات میں اس کو پیش کرنا درست ہو بلکہ کلام مثل خاص کی نفی میں ہے۔ کمامرّ اس کے تحقق پر یہ روایت دلالت نہیں کرتی۔ اور غالباً اس سے مراد وہ منذرین ہیں جو انبیا بشر کے عہد میں ان کی جانب سے طبقات زیریں میں احکام پہونچاتے تھے۔ روایت میں انبیائے سابقین کا ذکر زمانہ ماضی پر قرینہ ہوسکتا ہے۔ فتاوی حدیثیہ ص ۱۱۹ میں ہے: "صححه الحاکم ایضا لکن ذکر البیهقی فی الشعب انه شاذ المتن بالمرّة قال الحافظ السیوطی و هذا الکلام فی غایة الحسن فانه لا یلزم من صحة الاسناد صحة المتن لاحتمال صحة الاسناد و یکون فی المتن شذوذا و علة تمنع صحته و اذا تبین ضعف الحدیث اغنی ذلك عن تاویله لان مثل هذا المقام لا تقبل فیه الاحادیث الضعیفة ویمکن ان یؤل علی ان المراد بهم النذر الذین کانوا یبلغون الجن عن انبیاء البشر و لا یبعد ان یسمی کل منهم باسم النبی الذی بلغ عنه والله اعلم اه و بعد فیه کلام لا یسعه هذا المقام۔ [بشیر القاری ص ٢٢٦/ ٢٢٧/ ٢٢٨/ ٢٢٩]

....

۱؎ اسی طرح کی بات خود جلالۃ العلم حافظ ملت حضرت علامہ عبد العزیز صاحب مرادآبادی ثم مبارکپوری نے بھی فرمائی ہے۔ فرماتے ہیں آپ کے (یعنی صدر الشریعہ کے) تلامذہ حضرت مولانا سید غلام جیلانی صاحب شارح بخاری شریف اور حضرت مولانا محمد سردار احمد صاحب جیسے آفتاب علم وفضل آپ کے تبحر علمی پر روشن دلیل ہیں کیونکہ درخت اپنے پھل سے اور استاد اپنے شاگرد سے پہچانا جاتا ہے۔ الخ۔ (صدر الشریعہ نمبر ماہنامہ اشرفیہ مبارکپور اکتوبر رنومبر ۱۹۹۵ء)

۲؎ جواز کی طرف یہاں پر فقیر راقم الحروف عرض کرتا ہے کہ بلا شک بات ایسی ہی لگتی ہے اگر چہ حضرت صدر العلماء نے لاؤڈ اسپیکر پر نماز کے جواز وعدم جواز کے تعلق سے تحریراً کچھ اپنی ذاتی رائے کو بصراحت کہیں بھی بیان نہیں فرمایا ہے حتی کہ اپنی تصنیف لطیف ''نظام شریعت'' میں بھی اپنی رائے کو یہ کہکر پوشیدہ ہی رکھا کہ ''بعض علما فرماتے ہیں کہ لاؤڈ اسپیکر کا استعمال بحالت نماز درست نہیں مقتدیوں کی نماز فاسد ہوجاتی ہے اور بعض فرماتے ہیں (کہ اس کا استعمال بحالت نماز) درست ہے نماز فاسد نہیں ہوتی الخ۔ مگر عملاً ضرور یہ ثابت ہے کہ حضرت کہیں کہیں لاؤڈ اسپیکر پر بھی نماز جمعہ پڑھا دیا کرتے تھے اس امر کا اظہار خود راقم الحروف سے حضرت کے خلف اکبر حضرت علامہ ومولانا حافظ سید محمد یزدانی میاں صاحب نے کئی بار فرمایا اور حضرت علامہ مفتی نظام الدین صاحب رضوی مبارکپوری نے بھی اس سے متعلق کتاب میں انہیں صاجزادۂ عالی وقار کے حوالہ سے اس بات کو ذکر کیا ہے (اشرفی)

صدر العلماء جہان علم

علامہ مولانا غلام مصطفے صاحب مصباحی
مدرس مدرسہ حامدیہ اشرفیہ (سنبھل، مرادآباد، یو۔پی)

پیدائش: ۱۱ر رمضان المبارک ۱۳۱۷ھ مطابق ۱۹۰۰ء ضلع علی گڈھ دادوں میں ہوئی

عمر شریف: ۸۰ سال پائی

نسب نامہ: سید غلام جیلانی بن مولوی سید غلام فخر الدین بن مولانا سید سخاوت حسین

واقعہ پیدائش: آپ کے والد ماجد حضرت سید غلام فخر الدین علیہ الرحمہ کے یہاں کا معمول تھا کہ ہر جمعرات کو خاندانی دستور کے مطابق چاول کی کھیر پر فاتحہ کر کے بزرگان دین اور جملہ مؤمنین ومؤمنات کے لئے ایصال ثواب کیا کرتے تھے۔ گیارہویں شریف کی فاتحہ بھی بڑے اہتمام کے ساتھ کرتے تھے۔ گھر میں یکے بعد دیگرے چار لڑکیاں پیدا ہوئیں۔ فرزند کے لئے دل میں بڑی آرزو تھی. پانچویں بار گھر والوں نے یہ منت مانی کہ اگر اللہ تعالیٰ نے سرکار غوث اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے وسیلے سے مراد پوری فرمائی تو معمول سے زیادہ وسیع پیانے پر گیارہویں کی فاتحہ دلائیں گے۔

خواب میں ایک بزرگ کی زیارت سے مشرف ہوئے۔ انہوں نے فرزند تولد ہونے کی بشارت دی۔ اور یہ ہدایت فرمائی کہ بچہ پیدا ہونے پر "غلام جیلانی" نام رکھنا۔ مدت پوری ہونے پر امید بر آئی اور گیارہویں شریف کی برکت سے ۱۱ر رمضان المبارک میں آپ کی ولادت ہوئی۔ اور حسب بشارت خواب وہی نام رکھا گیا۔ اور بڑے تزک واحتشام سے گیارہویں شریف منائی۔

بسم اللہ خوانی

بسم اللہ خوانی آپ کے والد بزرگوار نے کرائی۔ اورانہیں کے پاس ناظرہ ختم فرمایا بعدہ ایک اردو مکتب میں داخلہ لیا جہاں آپ کے استاد منشی فیض علی خاں صاحب اترولوی کی آپ پر خصوصی توجہ رہی۔ وہاں کی تعلیم مکمل ہونے کے بعد پرائمری اسکول میں داخلہ لیا۔ درجۂ چہارم تک وہاں تعلیم حاصل کی اس کے بعد آپ کے عم مکرم حضرت مولانا سید غلام قطب الدین صاحب برہم چاری نے آپ کا داخلہ جامعہ نعیمیہ دیوان بازار مرادآباد میں کرایا۔ آمدنامہ سے کافیہ تک یہیں تعلیم حاصل کی۔

علم نحو کی طرف میلان۔:ابتدا ہی سے آپ کو نحو وصرف سے دلچسپی رہی۔ اوراس کی تکمیل کے لئے ایسے استاد کا انتخاب فرمایا۔ جنہیں مسائل نحو وصرف پر مکمل عبور تھا، خود فرماتے ہیں "خوش قسمتی سے استاد بھی ملے تو ایسے جو مسائل صرف ونحو کے حافظ تھے یعنی استاذ معظم حضرت مولانا عبدالعزیز خاں صاحب فتحپوری علیہ الرحمہ

جو جامعہ عربیہ ناگپور میں مسند صدارت کی زینت بنے رہے۔قوت حافظہ اتنی زبردست تھا کہ اپنے زمانہ کا بوعلی سینا کہا جائے تو بے جا نہ ہوگا''

استاذ کی توجہ خاص سے فصول اکبری اور کافیہ کے مسائل عبارت کے ساتھ یاد کر لئے دلچسپی کا یہ عالم تھا کہ جمعرات کو بعد عصر بھی آپ درسی کتابوں میں مشغول رہتے تھے اور روزانہ حفاظ کی طرح بعد نماز فجر کافیہ کا دور فرماتے۔رمضان المبارک کی تعطیلات میں بھی کافیہ کی عبارت مع مطالب یاد کرتے رہتے۔

علم نحو میں ملکہ تامہ:

۱۳۸۲ھ میں جب صدر العلماء نے ''شرح مائۃ عامل'' کا درس دینا شروع کیا تو آپ نے بعض شاگردوں مولانا عبدالرحمٰن بہاری، مولانا عبدالعزیز بہاری وغیرہ کی تحریک اور مفتی اعظم کانپور، حضرت مولانا رفاقت حسین صاحب بہاری علیہ الرحمہ کے ایما پر اس کی نحوی ترکیب بھی لکھنا شروع کی جس میں مسائل نحو میر کا اجرا بطریقۂ احسن موجود ہے۔

استاذ الاساتذہ حضرت مولانا الٰہی بخش قدس سرہ کے فارسی حاشیہ کا اردو ترجمہ بھی تحریر کیا، بعض مقام پر حذف واضافہ بھی کیا جو جدتِ طبع کی دلیل ہے۔

کافیہ علم نحو میں ایک جامع کتاب ہے۔اس کی مقبولیت کا اندازہ اس سے لگایا جا سکتا ہے کہ ہندو پاک اور ان کے علاوہ بیشتر ممالک اسلامیہ میں دینی درسگاہوں کی زینت ہے۔ملاّ کاتب چلپی نے ''کشف الظنون'' میں اس کی شرحوں کی تعداد چھپن (۵۶) بتائی ہیں۔موجودہ وقت میں اس کی شرحیں چھپن (۵۶) سے کہیں زیادہ ہیں۔علماء اہل سنت کے علاوہ دیوبند نے بھی اس کی کئی شرحیں لکھی ہیں مگر عقائد کی طرح قواعد نحو میں بھی ٹھوکریں کھائی ہیں۔

حضرت صدر العلماء نے جب کافیہ کی شرح لکھنا شروع کیا تو جہاں مسائل اور تراکیب میں حق تحقیق ادا کیا وہیں علماء دیوبند کی بھی نحودانی کی اچھی طرح خبر لی۔

''سعیدیہ' مولانا حیات صاحب سنبھلی صدر مدرس مدرسہ امدادیہ مرادآباد کی تالیف ہے۔یہ کافیہ کی شرح ہے۔سنبھلی صاحب مسلکا دیوبندی وہابی تھے۔باطل نظریات کی بنا پر اپنے اکابر کی طرح انہوں نے بھی قدم قدم پر ٹھوکریں کھائی ہیں۔

چونکہ یہ کتاب پڑھکر طلبہ گمراہ ہو رہے تھے۔اس لئے حسب فرمائش مناظر اہلِ سنت حضرت مولانا مفتی محمد حسین سنبھلی علیہ الرحمہ حضرت صدر العلما نے ''سعیدیہ'' کے اغلاط کی بھی نشاندہی فرمائی۔شاید کوئی صفحہ غلطی سے خالی ہو۔مثلاً ایک مقام پر حضرت صدر العلما نے فرمایا:

علم نحو کی تعریف عربی زبان میں یوں کی گئی ہے۔" علم باصول یعرف بھا احوال او اخر الکلم

الثلثة من حیث الاعراب والبناء" جس کا ترجمہ اردو میں مولانا حیات صاحب سنبھلی نے اس طرح کیا۔ ''یعنی علم نحو ایسے قواعد کے جاننے کا نام ہے کہ جن کے ذریعے کلموں کے اخیر کا حال معرب مبنی ہونے کے اعتبار سے جانا جائے۔

حضرت صدر العلماء فرماتے ہیں: اقول اس مقام پر ''علم'') کا ''جاننا'' ترجمہ کرنا صحیح نہیں کہ ''جاننا'' معنی مصدری ہے۔ اور معنی مصدری انتزاعی، اور نحو وغیرہ علوم انتزاعی نہیں ہوتے۔ بلکہ حسب تصریح علمائے منقول ومعقول ہر علم تصدیقات مخصوصہ سے عبارت ہوتا ہے، یا مسائل مخصوصہ سے، یا ملکہ مخصوصہ سے۔ ان میں سے کوئی بھی معنی مصدری نہیں۔ شاید مولانا موصوف کو ''قطبی'' میر قطبی ملاحظہ فرمانے کا اتفاق نہیں ہوا ورنہ ایسا ترجمہ نہ فرماتے۔ ہیچو قسم شروح کی بنا پر غلطی عام ہوگئی۔ عموماً مدارس میں یہی ترجمہ کرایا جاتا ہے۔ صحیح ترجمہ یہ ہے کہ (علم نحو ایسے اصول کی تصدیقات کو کہتے ہیں جن سے اواخر کلمات کے اعرابی وبنائی احوال پہچانے جائیں۔

دیوبندی اغلاط کی نشاندہی:

دار العلوم دیوبند کے مدرس مولانا ظہور احمد صاحب کی کتاب ''ایضاح العوامل'' کے اغلاط کا جب حضرت صدر العلما نے ایک سرسری جائزہ لیا تو اغلاط کی تعداد ۱۸۶ تک پہنچادی جب کہ کتاب کے صفحات ۱۵۰ ہیں۔

مولانا موصوف" بسم الله الرحمن الرحيم' کی ترکیب میں فرماتے ہیں (الرحمٰن پہلی صفت الرحیم اس کی دوسری صفت)

حضرت صدر العلما اس پر گرفت فرماتے ہیں: اقول یہ دونوں صیغۂ صفت ہیں جن کو ترکیب میں عامل کے ساتھ ملائے بغیر صفت قرار دینا خطائے فاحش ہے۔" الفوائد الشافيه "معروف بہ'' زینی زاده" میں سید میر شریف قدس سرہ کی شرح مفتاح سے نقل کر کے فرمایا:" لان اسم المفعول وسائر الصفات المشتقة مع مرفوعاتها معمولة"

اسی طرح دیوبند کے استاذ الاساتذہ مولانا سید حسن بن امام النحو حضرت مولانا نبیہ حسن صاحب نے نحو میر کی ایک شرح لکھی جس کا نام ''المصباح المنیر'' رکھا اور دوسری شرح مولانا عمر احمد عثمانی تھانوی نے لکھی جس کا نام ''مہر منیر'' رکھا۔ یہ دونوں کتابیں بھی اغلاط کا مجموعہ اور گمراہ کن ہیں۔

بسم الله الرحمن الرحيم کا ترجمہ "المصباح المنير "میں بایں الفاظ کیا۔

''شروع کرتا ہوں اللہ کے نام سے جو بہت مہربان اور نہایت رحم والے ہیں۔ اور مہر منیر میں بایں الفاظ کیا ''اللہ کے نام سے مدد طلب کرتے ہیں جو بڑا ہی مہربان اور کرنے والا ہے''۔

حضرت صدر العلماء فرماتے ہیں: ان دونوں ترجموں میں چند خامیاں ہیں:

اول: یہ کہ دونوں صاحبان نے لفظ ((اور) اپنی جانب سے بلا ضرورت بڑھا دیا۔ بسم اللہ الرحمٰن الرحیم میں کوئی عربی لفظ ایسا نہیں جس کا ترجمہ لفظ (اور) قرار دیا جا سکے۔

دوم: یہ کہ اول صاحب نے موصوف صفت کے ترجمے میں لفظ (ہیں) ذکر کیا اور دوم صاحب نے لفظ (ہے) غالباً یہ دونوں صاحبان اس ترجمہ میں مولانا اشرف علی تھانوی اور مولانا محمود الحسن صاحب دیوبندی کے تابع ہیں۔ تھانوی صاحب نے ترجمہ بایں الفاظ کیا ہے ''شروع کرتا ہوں اللہ کے نام سے جو بڑے مہربان نہایت رحم والے ہیں۔'' اور دیوبندی صاحب نے بایں الفاظ ''شروع اللہ کے نام سے جو بے حد مہربان نہایت رحم والا ہے۔

غرضیکہ موصوف اور صفت کے ترجمے میں لفظ (ہیں) ذکر کرنا یا لفظ (ہے) دونوں غلط ہیں۔ کیونکہ لفظ (ہیں) یا لفظ (ہے) نسبت تامہ کا ترجمہ ہے۔ اور موصوف صفت میں نسبت تامہ نہیں ہوتی بلکہ ناقصہ ہوتی ہے اور یہ دونوں لفظ نسبت ناقصہ کا ترجمہ نہیں۔ نظر بران تابع اور متبوع دونوں مورد الزام ہیں۔

" البشیر شرح نحومیر' میں تنبیہ ۹۲ کے تحت فرماتے ہیں۔" المصباح المنیر " صفحہ ۸۶ اور مہر منیر صفحہ ۸۷ میں باختلاف الفاظ ہے کہ (حروف کی تیسری قسم ''ما'' اور ''لا'' ہیں جو اپنے عمل اور معنی میں ''لیس'' کے مشابہ ہیں) اقول یہ غلط کہ مشابہت عمل میں نہیں بلکہ ان کا عمل مشابہت کی بنا پر ہے۔ مشابہت تو مبتدا خبر پر داخل ہونے اور نفی کا افادہ کرنے میں ہے۔ نظر برآں عمل وجہ شبہ نہیں۔ وجہ شبہ مذکورہ بالا دونوں چیزیں ہیں۔ افسوس کہ ان دونوں فاضلان دیوبند کو شرح مائۃ عامل بھی یاد نہیں۔ اس میں ہے:" ماولا المشبھتان بلیس فی النفی والدخول علی المبتدأ والخبر"

حضرت صدر العلماء نے جب مذکورہ بالا دونوں کتابوں کا جائزہ لیا تو ان کے اغلاط کا شمار بعنوان تنبیہ ۲۶۰ تک پہنچا دیا۔

" لا الـه الا الله" کی ترکیب میں علماء نحو کے درمیان کافی اختلاف رہا ہے کہ لائے نفی جنس کی خبر کیا ہے؟ اور اسم جلالت (اللہ) کا لفظ (الہ) سے ترکیبی رشتہ کیا ہے؟ حضرت صدر العلما نے ایسی تقریر فرمائی کہ دل جھوم اٹھے اور اعتراضات ھباءً منثوراً ہو گئے۔

درک حدیث:

آج کل عموماً بخاری شریف کی تدریس کا یہ حال ہے کہ صرف عبارت خوانی ہی اپنا فرض سمجھتے ہیں نہ احادیث کا ترجمہ ہوتا ہے نہ ترجمانی نہ رجال حدیث پر کلام ہوتا ہے نہ مسائل پر کوئی گفتگو نہ احادیث متعارضہ کی تطبیق ہوتی ہے نہ حل لغات کی توفیق

مگر حضرت صدر العلما کی درسگاہ کا انداز امام ابن حجر و امام بدر الدین عینی کی یاد تازہ کرتا ہے۔" بشیر

القاری بشرح البخاری" آپ کی یادگار ہے، اس میں مشکل الفاظ کی توضیح، مغلق مقامات کی تسہیل، متعارض احادیث کی تطبیق، رجال حدیث کی جرح وتعدیل، مسائل کا استنباط واحادیث مختصرہ کی تکمیل، اسماء مبہمہ کی تفسیر اور حل لغات واحکام وعقائد کی تفصیل سب موجود ہے

ہر حدیث پر مختلف پہلو سے کلام فرماتے ہیں۔ علم صرف ہو یا علم نحو۔ علم معانی ہو یا علم بیان ہر ایک پر سیر حاصل بحث فرماتے ہیں۔

یہی وہ تحقیقات غامضہ وتدقیقات باحثہ ہیں جن کے سامنے علمائے دیوبند کو آنے میں ہچکچاہٹ ہوئی۔ قاری محمد طیب صاحب مہتمم دار العلوم دیوبند کو تو آپ کے سامنے آنے میں پسینہ چھوٹتا تھا۔

ایمرجنسی کے زمانے میں جب قاری صاحب موصوف نے مسئلہ نسبندی میں اپنے اکابر کی طرح ٹھوکر کھائی تو حضرت صدر العلما نے اس پر شرعی گرفت فرمائی قاری صاحب زندگی بھر دم سادھے رہے۔ یہاں تک کہ دم نکل گیا۔ نہ انہوں نے تاحیات کوئی جواب دیا نہ آج تک کوئی وہابی جواب دے سکے۔

فقیہ النفس کا تأثر:

فقیہ النفس حضرت علامہ مفتی شریف الحق صاحب قبلہ علیہ الرحمہ صدر شعبۂ افتا اشرفیہ مبارکپور صاحب" نزھۃ القاری شرح البخاری" فرماتے ہیں عربی، فارسی، اردو کسی زبان میں بخاری کی اب تک کوئی شرح اتنی تحقیق اور تفصیل سے نہیں لکھی گئی اس میں حضرت (صدر العلما) نے تحقیق وتدقیق کا حق ادا کر دیا ہے۔ الفاظ حدیث کی صرفی، لغوی تحقیق، جملوں کی نحوی ترکیب اور معانی وبیان وبدیع کے ساتھ ساتھ معانی حدیث کے ہر ہر پہلو پر ایسی جامع کامل بحث ہے جسے دیکھ کر کہنا پڑتا ہے۔

" کم ترك الاولون للاخرين"

ساتھ ہی ساتھ ہمہ دانی کا خصوصاً علم حدیث میں دعویٰ کرنے والوں کی غلطیوں پر ایسی مضبوط گرفت فرمائی ہے جس کا کسی کے پاس کوئی جواب نہیں ہے کوئی بھی عناد اور تعصب سے ہٹ کر اگر اس کا مطالعہ کرے گا اسے کہنا پڑے گا کہ حضرت مصنف دیگر علوم کی طرح علم حدیث کے بھی اپنے وقت کے امام تھے۔

افسوس کہ دوسری تصانیف میں مشغولیت کی وجہ سے یہ تصنیف ادھوری رہ گئی۔

آپ کے بعض اساتذہ:

(۱) حضرت مولانا مفتی امتیاز احمد انبیٹھوی (۲) شیخ الادب حضرت مولانا حافظ حامد حسین اجمیری (۳) راس المتقین حضرت مولانا حکیم سید عبد المجید صاحب (۴) ممتاز المناطقہ حضرت مولانا عبد الحی افغانی (۵) راس الفلاسفہ حضرت مولانا عبد اللہ افغانی (۶) امام النحو حضرت مولانا سید امیر پنجابی (۷) استاذ القرا حضرت قاری غلام نبی ٹونکی (۸) صدر الشریعہ حضرت مولانا حکیم محمد امجد علی مصنف بہار شریعت (۹) صدر الافاضل

حضرت سید نعیم الدین مرادآبادی (۱۰) استاذ الاساتذہ حضرت علامہ عبدالعزیز خاں صاحب فتحپوری وغیرہ رحمۃ اللہ علیہم۔

شرکائے درس ومعاصرین:

(۱) مجاہد ملت حضرت مولانا حبیب الرحمٰن قدس سرہ (۲) رئیس المناظرین حضرت مولانا مفتی رفاقت حسین صاحب بہاری قدس سرہ (۳) شمس العلما حضرت مولانا قاضی شمس الدین احمد جونپوری قدس سرہ (۴) حافظ ملت حضرت مولانا عبدالعزیز محدث مرادآبادی (بانی اشرفیہ مبارک پور (۵) فخر الاماثل حضرت مولانا محمد سلیمان بھاگلپوری قدس سرہ (۶) رئیس الاذکیاء حضرت مولانا غلام یزدانی علیہ الرحمہ (۷) رئیس الاتقیاء حضرت مولانا سردار احمد گورداسپوری علیہ الرحمہ (۸) محسن العلما حضرت مولانا محمد حسن صاحب رحمۃ اللہ علیہ (۹) راس المقررین مولانا صدیق اللہ رنگین بناری علیہ الرحمہ (۱۰) رئیس القراء حضرت مولانا اسدالحق خان علیہ الرحمہ وغیرہ

۔

(۱۱) پیر طریقت حضرت علامہ غلام یٰسین صاحب قبلہ علیہ الرحمہ سجادہ نشین خانقاہ رشیدیہ چمنی بازار ضلع پورنیہ۔ بہار

تصنیفات:

(۱) بشیر القاری بشرح البخاری
(۲) البشیر الکامل شرح شرح مائۃ عامل
(۳) بشیر الناجیہ بشرح الکافیہ
(۴) البشیر شرح نحو میر
(۵) نظام شریعت
(۶) صحیح النظر فی صعود القمر
(۷) صحیح المسلک
(۸) عظیم النجاح
(۹) عذاب آسمانی بر فتنۂ قادیانی
(۱۰) تبصرہ اعجاز بر تنقید سرفراز (غیر مطبوع)
(۱۱) انگریزی ایجنٹ
(۱۲) اسلامی مہینے (غیر مطبوع)

بیعت وخلافت:

سلسلہ بیعت کے بارے میں خود فرماتے ہیں:

قدوہ السالکین زبدۃ العارفین ماوی وملجا بیکساں، مرجع وملاذ کاملان، اشرف المشائخ، سیدنا ومولانا الشاہ سید علی حسین صاحب کچھوچھوی قدس سرہ القوی کے دست حق پرست پر بریلی شریف میں بموقع عرس رضوی غالباً ۱۹۲۲ء میں شرف بیعت حاصل ہوا۔

اور دار الخیر اجمیر شریف میں بتاریخ ۱۲؍ذی الحجہ ۱۳۵۰ھ میں خلافت سے نوازا تھا۔ خلافت نامہ کے

ساتھ ایک کلاہ اور ایک استعمالی جبّہ بھی عطا فرمایا تھا۔

امام احمد رضا سے عقیدت:

حضرت صدر العلماء کو اعلیٰ حضرت مجدد دین وملت امام احمد رضا قدس سرہ سے بے پناہ محبت تھی۔ اکثر عرس رضوی میں تشریف لاتے اور اکتساب فیض کرتے۔ امام احمد رضا کی تحقیقات کو جگہ جگہ پیش فرماتے ہیں۔

وفات شریف:

علم وفضل کا یہ آفتاب بعارضۂ فالج ۲۹ ر جمادی الاولی ۱۳۹۸ھ مطابق ۱۹۷۸ء میں سرزمین میرٹھ میں غروب ہوگیا اور وہیں تدفین عمل میں آئی۔ رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ

غلام مصطفیٰ المصباحی۔ سنبھل ضلع مرادآباد۔

صدر العلماء

اور

شیخ انور شاہ کشمیری

ایک تقابلی جائزہ

از

رئیس التحریر حضرت علامہ یٰسٓ اختر صاحب مصباحی

دار القلم۔ ذاکر نگر۔ نئی دہلی

قارئین کرام! آیئے اب ہم تصویر کا دوسرا رخ اور دکھائیں کہ دو چیزوں کا جب کسی حیثیت سے تقابل کیا جائے تو صحیح طور پر فیصلہ کیا جا سکے گا کہ ان دونوں میں لائق ترجیح کون ہے اور ان میں فائق و برتر ہونے کی صلاحیت کس میں زیادہ ہے علماء اہل سنت و جماعت کے بالمقابل علماء دیوبند اور علماءِ اہلحدیث یہ دونوں فریق ہیں جو کبھی اجتماعی اور کبھی انفرادی طور پر تقریباً ایک صدی سے اس برصغیر میں ہمارے حریف اور ہم سے متحارب رہے ہیں اور اس شدید آویزش کا سلسلہ دن بدن بڑھتا اور پھیلتا ہی جا رہا ہے۔

شعبۂ علم حدیث میں تینوں جماعتوں کے ایک ایک نمائندہ کی حیثیت سے اس طرح دیانتدارانہ انتخاب غالباً ہر ایک کے لئے قابل قبول ہوگا اور کسی کو بھی انشاء اللہ چین بجبین ہونے کا موقع نہ ملے گا۔ جماعتی حیثیت سے ترتیب یوں دی جا سکتی ہے۔

1: نمائندہ اهل سنت و جماعت :

محدث اکبر امام اهل سنت مولٰنا احمد رضا
قادری فاضل بریلوی (م ۱۳۴۰ھ)

2: نمائندہ علماء دیوبند:

شیخ انور شاہ کشمیری شیخ الحدیث دار العلوم دیو بند
(م ۱۳۵۲ھ)

3: **نمائندہ اہل حدیث:**

میاں جی نذیر حسین دھلوی (م ۱۳۲۰ھ)

انور شاہ کشمیری کوایک ذی علم اورذہین وطباع شخصیت کی حیثیت سے دیوبندی مکتب فکر میں۔سب سے بڑامحدث تسلیم کیاجاتا ہے۔

تاثر یہ ہے۔وانتہت الیہ رئاسۃ تدریس الحدیث فی الهند1

احمد رضا بجنوری صاحب ان کے سلسلہ میں یہ خیال ظاہر کرتے ہیں کہ "حضرت شاہ صاحب بخاری وفتح الباری کے گویاحافظ تھے۔" 2

1: 81۔نزہتہ ج8: 250۔ 2 انوارالباری دوم۔مکتبہ ناشرالعلوم بجنور

جب متون حدیث پرکلام فرماتے تو یہ معلوم ہوتا کہ امام طحاوی یابخاری و مسلم بول رہے ہیں۔فقہ الحدیث پر بولتے توامام محمد بن الحسن الشیبانی معلوم ہوتے۔حدیث کی بلاغت پرگویا ہوتے تو تفتازانی اور جرجانی کاخیال گذرتا۔اسرار شریعت بیان کرتے توابن عربی و شعرانی کا گمان ہوتا تھا۔3

''حضرت شیخ الاسلام مولانا (حسین احمد) مدنی قدس سرّہ نے حضرت شاہ (انوار کشمیری) صاحب کے جلسۂ تعزیت میں تقریر فرماتے ہوئے ارشادفرمایاتھا کہ میں نے ھندوستان . حجاز . عراق. شام وغیرہ کے علماء وفضلاء سے ملاقات کی اورمسائل علمیہ میں ان سے گفتگوکی۔لیکن تبحرعلمی۔وسعت معلومات جامعیت۔اورعلوم عقلیہ ونقلیہ کے احاطہ میں شاہ صاحب کاکوئی نظیرنہیں پایا۔1

شاہ صاحب (شیخ الہند) محمود حسن صاحب کے خصوصی شاگرد ہیں ۱۳۱۲ھ میں دارالعلوم دیوبند سے فارغ ہوئے۔مدرسہ امینیہ دہلی اورمدرسہ فیض عام کشمیر میں کچھ تدریسی کام کیااور پھر 1327ھ میں دیوبند میں مدرس ہوئے اور 33ھ میں شیخ الحدیث ہوئے۔46ھ میں بعض اختلافات کی بناء پراپنے رفقاء کے ساتھ جامعہ ڈابھیل گجرات پہونچے اوروہاں بھی اپنا یہی فریضہ انجام دیتے رہے۔

تذکرہ نویسوں کاکہنا ہے کہ شاہ صاحب سنجیدہ،خاموش طبع اورایک ذی علم شخصیت کے مالک ہیں۔علم حدیث میں امتیازی شان رکھتے ہیں اوردرس حدیث کاشہرہ توزبان زدہرخاص وعام ہے۔

3: 250۔ج2ایضا

1: 244۔ایضا

انوار الباری جس میں مولوی احمد رضا بجنوری نے شاہ صاحب کے افادات جمع کئے ہیں اس کی جلد سوم و چہارم پر ایک طائرانہ نظر ڈالی تو ایسا معلوم ہوا کہ وہ بہت مسائل میں علماء دیوبند سے اختلاف رائے بھی رکھتے تھے۔

مقصود کلام یہ ہے وہ مجموعی حیثیت سے ان کے ایسے نمائندہ ہیں جن کی ذات ان لوگوں کے لئے باعث صد افتخار ہے اور پوری جماعت کو ان کی حدیث دانی پر ناز ہے جیسا کہ ابھی آپ پڑھ چکے ہیں۔

افراد کی پیداوار کے لحاظ سے بھی ان کا ایک مخصوص کردار ہے اور ہند و پاک میں پھیلے ہوئے اس جماعت کے ممتاز فضلاء انہیں سے شرف تلمذ رکھتے ہیں اور بہت سے ایسے ہیں جو اس دنیا سے رخصت ہو چکے ہیں۔ درس حدیث دینے کا انہیں طویل موقعہ بھی ملا جس کی بناء پر شاہ صاحب کے تلامذہ کی فہرست بڑی لمبی ہے ۔جن میں سے چند مشاہیر کے نام یہ ہیں۔

محمد ادریس کاندھلوی ، محمد یوسف بنوری، شمس الحق افغانی، فخر الدین احمد محمد اعزاز علی امروھوی، شاہ عبد القادررائے پوری، محمد بدر عالم میرٹھی، میرک شاہ کشمیری. محمد مناظر احسن گیلانی. محمد صدیق نجیب آبادی ، محمد عبد الرحمن کامل پوری، مفتی محمد شفیع دیو بندی، محمد حبیب الرحمن اعظمی، قاری محمد طیب مھتم محمد انوری، محمود احمد نانوتوی ، وصی اللہ فتحپوری ، محمد عتیق الرحمن عثمانی ، ڈاکٹر عبد العلی رائے بریلوی، پروفیسر مصطفی حسن علوی، محمد حفظ الرحمن سیوھاروی ، محمد میاں دیو بندی. محمد منظور نعمانی ، اسلام الحق اعظمی، محمد جلیل احمد، حبیب الرحمن لدھیانوی، سعید احمد اکبر آبادی، حمید الدین فیض آبادی، حامد الانصاری ، قاضی زین العابدین میرٹھی، قاضی شمس الدین، غلام غوث سرحدی، احمد رضا بجنوری ، محمد چراغ گوجرانوالہ ، وغیرھم۔

اپنی اپنی جگہ پہ یہ بھی حضرات ایک مستقل شخصیت کے مالک ہیں اور سب کو شاہ صاحب کے دامن علم حدیث سے وابستگی حاصل ہے اس لئے اپنی تحریروں اور تقریروں اور مجلسوں میں ان کے مدح وستائش میں رطب اللسان بھی رہتے ہیں اب بتانے کی ضرورت نہیں کہ یہ صاحب کتنے مشاہیر استاذوں کے استاذ ہیں۔

ایسے عدیم النظیر محدث کا فنی مقام ایک محققانہ تقابلی مطالعہ کے ذریعہ بڑی اچھی طرح واضح کیا جا سکتا تھا کہ علم میں جامعیت ودقت نظر کا صحیح بلکہ قسام ازل نے کس کے دل میں ودیعت فرمایا ہے اور تہ در تہ چھپے ہوئے

حقائق کے ادراک کی قابل رشک صلاحیت کسے عطا فرمائی گئی ہے۔ لیکن اس مجبوری کے تحت ہم یہ فریضہ انجام نہیں دے سکتے کہ حضرت فاضل بریلوی (م ۱۳۴۰ھ) کی حیات میں شاہ صاحب کے وہ ''افادات'' منظر عام پر نہ آسکے جن سے علم حدیث میں ان کے تبحر علمی کا صحیح اندازہ اوران کے مقام کی تعیین کی جا سکے۔ ان کے تلامذہ نے ان کے یہ افادات جمع کئے ہیں۔

1:(العَرْفُ الشذِی عَلیٰ جَامِعِ التِرمِذِی)

مرتبہ: چراغ محمد پنجابی مطبوعہ مطبع قاسمیہ دیوبند 1342ھ

2:انوار المحمود فی شرح سنن ابی دائود (دوجلدیں) مرتبہ محمد صدیق نجیب آبادی جمال پرنٹنگ پریس دہلی 1356ھ۔

3:فیض الباری (چارجلدیں) مرتبہ بدر عالم میرٹھی شائع شدہ 1938ھ

4:انوار الباری مرتبہ۔احمد رضا بجنوری مطبوعہ میرٹھی یہ فیض الباری کے بعد چھپی ہے اور مؤخر الذکر دونوں افادات بخاری شریف کی شرح ہیں۔

سوال یہ ہے کہ جب شاہ صاحب کے بارے میں فاضل بریلوی نے کچھ لکھا اور نہ کہیں نام لیا تو پھر ان کے ذکر سے فائدہ؟ جواب یہ ہے کہ آپ کے خلیفہ امجد حضرت مولٰنا امجد علی قدس سرہ جو آپ کے خوانِ علم وفضل کے خوشہ چیں بھی ہیں ان کے ایک تلمیذ ارشد صدر العلماء حضرت مولانا غلام جیلانی صاحب علی گڑھی ثم میرٹھی قدس سرہ نے بشیر القاری شرح صحیح البخاری کے نام سے جو ایک مشہور محدثانہ خدمت انجام دی ہے اس میں انہوں نے شاہ صاحب کے کچھ علمی کمالات کا بھی ناقدانہ جائزہ لیا ہے۔ جس کے کچھ اقتباسات سے آپ کے ذوق طبع کی ابھی ضیافت کی جا رہی ہے۔ انہیں پڑھنے کے بعد آپ یہ سوچنے پر مجبور ہوں گے کہ آخر اس ''پروپگنڈسٹ گروپ'' نے کس طرح کنویں کو سمندر اور رائی کو کوہ ہمالیہ بنا کر دنیا کی آنکھوں میں دھول جھونکنے کی کچھ کامیاب اور نتیجۃً ناکام کوشش کی ہے۔

شاگردان شاگرد کے سامنے تو سب سے بڑے کا یہ حال ہے کہ چمکتے ہوئے سونا کو پرکھا جائے تو خالص پتیل نکلے اور اگر فاضل بریلوی کے سامنے ان کی یہ تحقیقات کہیں پہنچ جاتیں تو خدا جانے کیا حال ہوتا۔

حضرت صدر العلماء میرٹھی نے بشیر القاری مطبوعہ دہلی میں شاہ صاحب کے علمی افادات فیض الباری پر جو ایرادات قائم کئے ہیں ان میں سے چند مسائل کا خلاصہ ارباب علم ودانش کی خدمت میں نذر ہے پوری بحث اصل کتاب میں ملاحظہ فرمائیں۔ سہولت کے پیش نظر عربی عبارتوں کو اردو میں منتقل کردیا گیا ہے۔ فیصلہ آپ خود فرمالیں۔ ہاں! انصاف شرط ہے۔ بخاری شریف کے جلد اول کے پہلے صفحہ کا آغاز ان الفاظ

سے ہوتا ہے۔

بسم اللہ الرحمن الرحیم

بَابٌ كَيْفَ كَانَ بَدْؤُالوحِي اِلىٰ رَسُوْلِ الله ﷺ وَقَوْلِ الله عَزَّوَجَلَّ، اِنَّا اَوْحَيْنَا اِلَيْكَ كَمَا اَوْحَيْنَا اِلىٰ نُوْحٍ وَّالنَّبِيِّيْنَ مِنْ بَعْدِهٖ ، حَدَّثَنَا الحُمَيْدِىُّ قال حَدَّثَنَا سفين قالَ حَدَّثَنَا يحى بنُ سعيد الانصارىُّ قالَ اخبرنى محمد بنُ التيمى ابراهيم التَّيمى انّهٗ سَمِعَ عَلْقَمَةَ بنَ وَقَّاص اللَّيْثِى يَقُوْلُ سَمِعْتُ عُمَرَ بنَ الخَطَّاب رضى الله عَنه عَلى المِنبَرِ يقولُ سَمِعْتُ رسولَ الله ﷺ يَقُوْلُ اِنمَا الاعْمَالُ بِالنِّيَات ,وَاِنَّمَا لِامْرِءٍ مَّانَوىٰ فَمَنْ كَانَتْ هِجْرَتُهٗ اَلىٰ دنيا يُصِيْبُهَا اَوْ اِلىٰ اَمْرَاءَ ةٍ يَّنْكِحُهَا فهجر تُهٗ اِلىٰ مَا هَا جَرَاِلَيْه.

ترجمہ: یہ باب اس بیان میں ہے کہ رسول اللہ ﷺ کی طرف وحی کی ابتداء کیسے ہوئی اور اللہ جل جلالہ کے اس قول کے بیان میں کہ ہم نے اے محبوب آپ کی طرف وحی بھیجی جیسے کہ نوح اوران کے بعدوالے پیغمبروں کی جانب بھیجی تھی۔

امام بخاری فرماتے ہیں کہ حدیث بیان کی ہم سے حمیدی نے انہوں نے کہا حدیث بیان کی ہم سے سفیان نے انہوں نے کہا حدیث بیان کی ہم سے یحییٰ بن سعید انصاری نے انہوں نے کہا مجھ کو خبر دی محمد بن ابراھیم تیمی نے کہ انہوں نے علقمہ بن وقاص لیثی کو سنا کہتے تھے میں نے عمر بن خطاب رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو سنا۔منبر پر فرماتے تھے کہ میں نے رسول اللہ ﷺ کو فرماتے سنا کہ کل اعمال کا ثواب نیک نیت پر موقوف ہے اور ہر مرد کی نیت کا ثواب اسی کو ملتا ہے۔تو جس کی ہجرت دنیا حاصل کرنے کو ہو یا کسی عورت سے نکاح کی خاطر تو اس کی ہجرت اس کے لئے ہوگی جس کے لئے کی ہے۔

باب النحو میں حضرت صدر العلماء میرٹھی صاحب تحریر فرماتے ہیں۔

(باب) از قبیل اسماء معدودہ ہے۔لہذا مبنی بر سکون اور محل اعراب بھی نہیں۔

1: وَمَا قَالَ مَوْلَانَا اَنْوَرْ شَاهَ فِى فَيْضِ البَارِىْ مِنْ اَنَّ لَفْظَ البَابِ مُضَافٌ اَوْمَبْنِىٌّ كَمَثْنىٰ وَثُلٰثَ ، فَمَبْنِىٌّ عَلىٰ الغفلَةِ فَاِنَّ مَثْنىٰ وَثُلٰثَ لَيْسَا مِنَ الْمَبْنِيَّاتِ كَمَا لَا يَخْفىٰ عَلىٰ الطَّلَبَةِ

فیض الباری میں شاہ صاحب کا کہنا ہے کہ لفظ باب مضاف یا مثنیٰ وثلث کی طرح مبنی ہے ان کی یہ تحقیق غفلت پر مبنی ہے اس لئے کہ مثنی وثلث مبنیات میں سے نہیں۔طالبان علم پر یہ بات پوشیدہ نہیں۔

امام بخاری علیہ الرحمۃ نے جو آیت کریمہ نقل فرمائی ہے اس سے پہلے قول اللہ عزو جل نحوی ترکیب کے لحاظ سے جملہ مضاف الیہ پر معطوف ہونے کی وجہ سے مجرور۔اس تقدیر پر یہ آیت ترجمۃ الباب میں داخل ہوگی یا مرفوع مبتداء ہے۔انا اوحینا الخ خبر ہے۔ اس صورت میں آیت مذکورۃ ترجمۃ الباب میں

داخل نہ ہوگی۔ یہاں پر ایک سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ امام بخاری نے ذکر آیت سے کیا مراد لیا ہے۔

اس کا جواب یہ ہے کہ امام بخاری علیہ الرحمۃ کبھی ترجمۃ الباب سے مناسب آیت نقل فرما دیتے ہیں۔ ترجمۃ الباب اور آیت میں وحی کا ذکر ہے۔ مگر اس مقام پر مذکورہ آیت نقل کرنے سے یہ اشارہ مقصود ہے کہ ترجمۃ الباب میں وحی سے وہ وحی مراد ہے جو اس آیت میں مذکور ہے۔ یعنی وحی رسالت۔

2: شاہ صاحب فرماتے ہیں کہ اس سے مقصود مبدأ وحی کا بیان کرنا ہے کہ رب سبحانہ تعالیٰ ہی دونوں کا مبدأ ہے تو جب اس وحی کا مبدأ بھی وہی ہے جو حضرت نوح علیہ السلام ودیگر انبیاء کی وحی کا مبدأ ہے تو اہل کتاب پر واجب ہے کہ جیسے ان انبیاء پر نازل شدہ وحی پر ایمان لائے ویسے ہی اس پر بھی ایمان لائیں اور جب دونوں کا مبدأ ایک ہے تو اس وحی کا انکار ان کی وحی کا بھی انکار ہوگا۔

اقول:۔ نہیں یہ مراد نہیں ہے بلکہ اس آیت کے ذکر کا مقصود اس بات کی طرف اشارہ کرنا ہے کہ اس آیت میں وحی سے مراد ہے ترجمۃ الباب میں بھی وحی سے وہی مراد ہے یعنی وحی رسالت۔ جیسا کہ تشبیہ سے مستفاد ہے۔ ھذا ھو الصواب۔

رہ گئی مبدأ وحی کی بات تو وہ دوسری جگہوں سے ثابت ہے۔ حضرت صدر العلماء باب اللغۃ میں تحریر فرماتے ہیں۔ (الاعمال) عمل بمعنی کار کی جمع ہے۔ اعمال اور افعال ہم معنی ہیں مگر استعمال میں افعال سے عندالاطلاق افعال جوارح متبادر ہوتے ہیں۔ بخلاف اعمال کے کہ فعل جوارح اور فعل لسان اور فعل قلب سب کو شامل ہے اسی واسطے انما الاعمال فرمایا گیا۔

3: شاہ صاحب کی تحقیق یہ ہے انما الافعال بالنیات نہ کہنے کی وجہ یہ ہے کہ عمل وفعل کے درمیان علی الترتیب ساختن وکردن کا فرق ہے یعنی عمل طول وانتہاء امر کو کہتے ہیں۔ بخلاف فعل کے۔ اسی لئے

واعملوا صالحًا اور اِنَّ الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوْا الصّٰلِحَاتِ اِفْعَلُوْا وَفَعَلُوْا (دَلَالَةً عَلٰی الدَّوَامِ وَالاستمرار)

نہیں کہا گیا۔

اقول: یہ فرق بالکل باطل ہے۔

(الف): اس لئے کہ بخلاف فعل کے اگر یہ مطلب ہے کہ وہ طول وانتہاء امر (لا یتمادی ولا یطول) کو نہیں پہنچتا ہے تو علم لغت سے ان کی ناواقفیت اور کوتاہ نظری کی دلیل ہے۔ یہ کیسے ہوسکتا ہے جبکہ خود قرآن حکیم میں ارشاد باری تعالیٰ ہے۔

وافعلوا الخیر

جلالین شریف میں ہے (الخیر)

كصلة الرحم و مكارم الاخلاق۔

الصاوی علی الجلالین میں ہے۔

ای وغیر هما من الخیراتِ الوَاجبَةِ والمندُوبَة.

تو لفظ خیر میں تمام خیرات داخل ہیں۔جن میں ۔۔ بہت سی متمادی ہیں۔اس طرح قرآن حکیم میں فعل کا استعمال فیما۔تمادی ویطول کے لئے بھی ہے۔

توعمل وفعل کے درمیان مذکورہ بالاتفریق غلط ثابت ہوئی۔

(ب):اوراگر یہ مطلب ہے کہ فعل کا استعمال عام ہے۔فیما یتمادی و فیما لایتمادی ہرایک کے لئے ہے۔اگر چہ سیاق کلام اس کی اجازت نہ دے۔توقرآن حکیم کی روشنی میں یہ بھی درست نہیں۔ ارشاد باری ہے۔

وَاللهُ خَلَقَكُمْ وَمَا تَعْمَلُوْنَ

دوسری ہے۔

اِنَّ اللهَ بِمَا يَعْمَلُونَ محيطٌ

پہلی آیت کریمہ سے علماء نے یہ ثابت کیا ہے کہ جمیع افعال عباد کا خالق صرف خدا ہے تو واضح ہے کہ افعال غیر متمادیہ بھی اس میں داخل ہیں دوسری آیت سے معلوم ہوا کہ احاطہ علم خداوندی افعال متمادیہ اور غیر متمادیہ ہرایک کو شامل ہے۔

حدیث میں افعال کے بجائے اعمال اختیار کرنے کی صحیح وجہ یہ ہے کہ مطلقاً افعال بولنے سے افعال جوارح مراد ہوتے ہیں۔اوراعمال قلب وجوارح دونوں کے افعال کو شامل ہے۔فعل جوارح پرعمل کے اطلاق کو ہرایک تسلیم کرتا ہے اور فعل قلب پراس کے اطلاق کی تائید اس حدیث سے ہوتی ہے۔حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے۔انھوں نے کہا کہ حضور ﷺ سے سوال کیا گیا کہ کون ساعمل افضل ہے تو آپ ﷺ نے ارشادفرمایا خدااوراس کے رسول ﷺ پرایمان لانا، پھر پوچھا گیااس کے بعد کیا ہے؟ ارشادفرمایا، خدا کی راہ میں جہاد کرنا۔پھرسوال ہوااسکے بعد۔تو آپ ﷺ نے جواب دیا۔حج مبرور۔سائل نے ای العمل افضل کہکر سوال کیااس کے بعدافعال قلب اور پھرافعال جوارح دونوں ذکر کئے گئے۔

4:السیئات کے معنی ومفہوم فیض الباری میں بیان کئے گئے ہیں۔تین وجوہ سے محققانہ طور پران کی تغلیط کر کے ثابت کیا گیا ہے کہ جناب والا کو اشاعرہ، معتزلہ، فقہاء ان تینوں جماعتوں کے اقوال کی خبرنہیں اور بڑی بے بصیرتی سے وہ باتیں بھی لکھ ڈالیں کہ جن سے خدا کی شان میں بےادبی اور گستاخی پیدا ہوتی ہے۔بحث طویل ہے۔اس لئے اسے یہاں نقل نہیں کیا گیا حقیقت حال کا صحیح اندازہ بشیر القاری دیکھنے کے بعد ہی ہوگا۔

بالنیات احناف کے نزدیک اس کا متعلق افعال عموم سے کوئی فعل یا شبہ فعل ہے۔ مثلاً حاصلۃ اور شوافع کے نزدیک خاص یعنی صحیحۃ بمعنی معتبرہ عند الشرع ہے۔

5: صاحب فیض الباری نے کہا چونکہ متعلقات ظروف افعال عامہ ہی ہوتے ہیں اور صحۃ انہیں میں سے ہے لہذا یہاں پر صحۃ کو مقدر مان کر معنی یہ لیا جائیگا

صحۃ الاعمال بالنیات

اس قول کا انتساب شوافع کی طرف کیا گیا۔

اقول:۔ اس صحۃ کا افعال عامہ سے ہونا بدیہی البطلان ہے۔ یہ کیسے ہوسکتا ہے جبکہ فعل عام جمیع افعال کو شامل نہیں ہوتا۔ اس صحۃ کا یہ مطلب بھی نہیں۔ شوافع رحمہم اللہ اس کا معنی

کَوْنُ الفعل مُعتبرٌ عِنْدَ الشرْعِ

لیتے ہیں اس معنی میں اسے افعال عامہ میں قطعاً شمار بھی نہیں کر سکتے میرا خیال ہے کہ ایسی باطل بات افتراء شوافع کی طرف منسوب کردی گئی۔ (صدر العلماء)

6: مانوئ سے مراد غایت وثمرہ ہے یا عین نیت

والا ظهرُ عِندِیْ هُوَالثّانِی

اس لئے ہر شخص آخرت میں دنیا کی عین نیت اور عین عمل پائے گا اسی نکتہ کے سبب جزا بھی عین الفاظ شرط ہی میں ہے۔ ارشاد باری ہے۔

ولا یظلم ربک احدا. اور ووجدوُا مَا عَمِلُوْا حَاضِرًا

یہ دونوں اس پر وال ہیں۔

فَهٰذِہٖ حَقِیْقَةٌ غَفَلَ عَنْهَا النَّاسُ وَفَهِمُوْا انَّ فی الدنیَا اَعْمَالًا وفی الأخرۃ ثَمَرَاتُهَا ثُمّ اشكَلَ عَلَیْهِمْ مسئَلةُ التقْدِیر وَقَالُوْ اِنَّ الاعْمَالَ لَما کَانَ مِنْ اِقرَارِہ وتقدیرہ فَتَرَتُّب الْجَزَاءِ عَلَیْهَا غیرُ ظاهرٍ۔

فیض الباری

اقـــول: ۔حدیث میں مانوی سے مراد ثواب نیت ہے۔ اتحادِ شرط و جزا کے سلسلے میں انہوں نے جو نکتے بیان کئے ان سے ان کے فسادِ ذوق کا اندازہ ہوتا ہے چند وجوہ سماعت فرمائیے۔

اولاً: ۔انہوں نے آخرت میں عین اعمال پائے جانے کا استدلال اس آیت کریمہ سے کیا ہے۔

وَوَجَدُوْا مَا عَمِلُوْا حَاضِرًا

معلوم ہوتا ہے کبھی کتب تفاسیر دیکھنے کی نوبت ہی نہیں آئی یا دیکھتے ہیں مگر سمجھتے نہیں۔ یا سمجھ کر بھی ناسمجھ

بنتے ہیں۔

وجود اعمال سے مراد مکتوبہ فی صحفہم یا تقدیر مضاف کے ساتھ جزاء اعمال کا پانا ہے۔ تفسیر بیضاوی میں ہے۔

وَوَجَدُوا ما عَمِلوا حَاضِرًا مَّكْتُوباً فی الصُّحَفِ وَلَا يَظْلِمُ رَبُّكَ احدًا فَيَكْتُبَ عَلَيْهِ مَالَمْ يَفْعَلْ اَوْ يَزِيْدَ فِي عِقَابِهِ الْمُلَائِمِ بِعَمَلِهِ.

تفسیرابی السعود میں ہے۔

وَوَجَدُوا مَا عَمِلوا فی الدنیا من السَّيِّئاتِ اَوْ جَزَاءَ مَا عَمِلُوا حاضرًا مسطُورًا عَتِيْدًا وَلَا يظْلِمُ رَبُّكَ اَحَدًا فَيَكْتبَ مَا لَمْ يَعْمَلُ مِنَ السَّيِّاٰتِ اَوْيزيدَ فى عِقَابِهِ الْمستَحِقِّ الخ

آنجناب نے جو تفسیر جدید فرمائی ہے۔ اس کا سراغ کسی تفسیر قدیم میں نہیں ملتا۔

ثانیاً: ۔ اگر ان کی بات مان بھی لی جائے تو بھی اس سے عین ہجرت **الی اللہ والرسول** کا استدلال غلط ہوگا۔ اس لئے کہ **بما عملوا** سے مراد سیئات ہیں۔ کیونکہ یہ آیت مجرمین کے حق میں نازل ہوئی ہے تو اس سے عین ہجرت الی الدنیا کا استدلال پورا نہیں ہو سکے گا۔

وَلَمَّا كَانَ المرادُ بِمَا عَمِلُوا السيئات فلا يَتِمُّ الاستدلالُ بِهٰذِهِ الاٰيةِ عَلىٰ وِجْدَانِ عَيْنِ الهِجْرة اِلىٰ دُنيَا ايضاً لِاَنَّهَا لَيْسَتْ بِمَعْصِيَةٍ مُّطْلَقًا كما فی الفتح.

ثالثاً: ۔ کچھ سمجھ میں نہیں آتا کہ آخرت میں عین اعمال کے پائے جانے کا کیا معنی ہے۔ کیا اس کا مطلب یہ ہے کہ جس نے نماز۔ روزہ۔ زکوۃ۔ حج۔ وغیرہ کے فرائض انجام دیئے ہیں۔ یا جھوٹ۔ شراب نوشی۔ چوری۔ جوئے بازی۔ اور دوسری غلط کاریاں کی ہیں۔ وہ ان سب اچھے بُرے اعمال کو دارالآخرہ میں پھر دوبارہ انجام دیں گے۔ کیا کسی بھی صاحب علم نے یہ معنی مراد لیا ہے۔

یا ان کی مراد یہ ہے کہ اعمال خیر وشر مختلف اچھی بُری شکلوں میں ظاہر ہونگے جیسا کہ حدیث شریف میں وارد ہے تو چونکہ اعمال اعراض ہیں جواہر نہیں کہ قیامت تک رہ سکیں بلکہ وہ اس روز آن واحد میں ظاہر ہونگے اور فنا بھی ہو جائیں گے یہ بقاء بالامثال ہوگی۔ یہی متکلمین کا مسلک ہے۔ اس صورت میں بھی معنی غنیمت اعمال کہاں باقی رہ جائے گا۔ جس کے لئے ساری صلاحیت صرف کر کے ثابت کرنا چاہ رہے ہیں۔

رابعاً: ۔ علماء نے تو یہی سمجھا ہے کہ دنیا میں اعمال اور آخرت میں اس کے ثمرات ہوں گے۔

قال تعالىٰ فَلاتَعْلَمُ نَفْس مَّاأُخْفِيَ لَهُمْ مِّن قُرَّةِ اَعْيُنٍ جَزَآءً بِمَا كَانُو ايَعْمَلُوْن. وقال تعالىٰ اِنَّهُمْ رِجْسٌ وَّمَا وَاهُمْ جَهَنَّمُ بِمَا كَانُوا يَكْسِبُوْن. وقال عليه الصلوٰة والسّلام الدُّنيَا مَزْرَعَةُ الاٰخِرَة.

وَلَمْ یُشْکَلُ عَلَیْهِمْ مَسْئَلَةُ التقدِیر فَاَنَّ الْاَعْمَالَ وَاِنْ کانت من تقدیرہ تعالیٰ لکن لِفِعْلِ الْعَبْدِ دَخل مَّا فِیْهَا وَلِهٰذا یَتَرَتَّبُ عَلَیْهَا الجَزَاءُ فی العُقْبیٰ فَنِسْبَةُ الاشْکَالِ والقَوْلِ بِعَدم ظُهُورِ تَرَتُّبِ الجَزَاءِ اِلی الکَمَاَةِ فِرْیَة بِلا مِرْیَةٍ.

خامساً:۔ اگر بالفرض تسلیم بھی کرلیا جائے کہ اعمال تقدیر الٰہی سے ہی ہوتے ہیں فعل عبد کا اس میں کوئی دخل نہیں ہوتا تو بھی آخرت میں اس کی جزاء ملنا ظاہر ہے اس میں کوئی اشکال نہیں۔

صدر العلماء

انما الاعمال بالنیات میں قصر قلب ہے۔

فیض الباری

اقول:۔ علم معانی سے جس کا ادنیٰ تعلق بھی ہے وہ جانتا ہے کہ قصر قلب کا مخاطب دو حکم کا اعتقاد رکھتا ہے۔ ایک ایجابی دوسرے سلبی مثلاً اس کا اعتقاد یہ ہے کہ زید قاعد و لیس بقائم۔ اب متکلم قلب حکم کرکے کہے گا انمازید قائم و لیس بقاعد۔ یہ قصر موصوف علی الصفۃ ہے یا مخاطب کا اعتقاد ہے کہ ان الشاعر عمر و ولیس بزید تو متکلم یہاں بھی قلب حکم کرتے ہوئے کہے گا۔ انما الشاعر زید و لیس بعمرو یہ قصر صفت علی الموصوف ہے۔

دوسری صورت یہ بھی جائز ہے کہ قصر قلب کا مخاطب ایسا شخص ہو کہ وہ اس کے لئے ثبوت حکم سمجھے جس سے نفی ہو اور اس کا اثبات دوسرے کے لئے کرے۔ اور متکلم وہ حکم کسی
دوسرے کے لئے ثابت کرے اور جس سے اس نے ثابت کیا ہے اس سے نفی کرے۔

مثلاً مخاطب سمجھے کہ ان زیداشاعر ہوسکتا ہے کہ وہ کاتب ہو تو اب متکلم قلب حکم کرتے ہوئے کہے گا کہ انمازید کاتب و لیس بشاعر کذافی الاطول۔

اس صورت میں مخاطب نے دو ایجابی حکم کا اعتقاد کیا۔ ایک فعلی دوسرا جوازی متکلم نے جوازی کا اثبات اور فعلی کی نفی کی۔ واضح ہو کہ قصر قلب کے مخاطب کے لئے دو حکم کا اعتقاد ضروری ہے۔

اب آپ اچھی طرح سمجھ سکیں گے کہ فیض الباری میں ایک نقص اور دو خرابیاں ہیں۔

اَمَّا الْقُصُوْرُ فَهُوَ اَنَّهُ ذَکَرَ اَحَدَ الْحُکْمَیْنِ فی قوله عبرة الاعمال ونماؤها بالنِیَّةِ الفَاسِدَةِ وَاِنَّ الاَعْمَالَ لَا تَاْثِیْرَ فِیْهَا بالنیات تَخْیِیْرًا لِّلنَاظِرِ بینهما بِاَنَّهُ اَیُّهُمَا اخْتَارَ اَصَابَ وَتَرَکَ الاخر.

اماالوجه الاول من الفساد.

اگر یہ مراد کہ ان نماء الاعمال بالنیة الفاسدة۔ تو حکم متروک سلبی ہے یا ایجابی جوازی اور اگر یہ

مراد ہے کہ ان اعمال لاتاثیر فیھا للنیات تو حکم متروک ایجابی ہی ہوگا۔

ان دونوں صورتوں میں پہلی شق میں اگر یہ مراد ہے کہ مخاطب کا اعتقاد ہے کہ انما الاعمال نیت فاسدہ سے ہوتا ہے نیت صحیحہ سے نہیں یا یہ کہ نیت فاسدہ سے تو ہوتا ہی ہے نیت صحیحہ سے بھی ہونا جائز ہے تو اس کا بطلان اظہر من الشمس ہے۔

اور یہ ممکن بھی کیسے ہے جبکہ انما الا عمال بالنیات کے مخاطب صحابہ کرام رضوان اللہ تعالیٰ علیھم اجمعین ہیں یہ تو کچھ بھی عقل رکھنے والے شخص سے تصور نہیں کیا جا سکتا کہ وہ اس کا اعتقاد رکھے کہ حصول نماء نیت فاسدہ سے ہوتا ہے۔ اور نیت صحیحہ سے نہیں ہوتا ہے یا اس سے صرف جائز ہے ان کا ایمان ایسی باتیں کیسے گوارا کرتا ہے سلامتی عقل تو یہ بتاتی ہے کہ نیت فاسدہ کے ذریعہ حصول نماء اعمال کا جب اعتقاد رکھے تو نیت صحیحہ کے ذریعہ اس کا اعتقاد بدرجۂ اولیٰ ہوگا۔ نہ کہ اس کے نہ ہونے یا صرف جائز ہونے کا اعتقاد رکھے۔

اس شق اول پر جو میں نے کلام کیا ہے کہ اس کی تائید ان کی اس عبارت سے ہوتی ہے۔

وَالَّذِی اُرَاہُ ھُوَانَّ الحَدِیث لَمْ یردفِی وجُوْدِ النِیَّۃِ وَعَدَمِھَا کَمَا یشعُرُبِہٖ تَفَارِیْعُھُم وَاِنَّمَا وَرَدَفِی بِیَانِ الفرق بین النِیَّۃِ الفَاسِدَۃِ والصحِیْحَۃِ.

دوسری شق میں ان الاعمال لاتاثیر فیہ باللنیات سے اگر ایسا معنی عام مراد ہے جو نیت فاسدہ اور صحیحہ دونوں کو شامل ہے تو حکم متروک کیا ہے اس کا جاننا ضروری ہے تاکہ اس کی صحت وفساد کا علم ہو سکے۔ لیکن ان کا مذکورہ بالا قول اس احتمال کی نفی کرتا ہے۔

اور اگر اس سے نیات صحیحہ مراد ہے تو حکم متروک

الاعْمَالُ فِیْھَا تَاثِیْرٌ للنیاتِ الفَاسِدَۃِ

ہوگا۔ اس صورت میں دونوں شقوں کا مفاد ایک ہی ہو جائے گا صرف ان کی عبارت میں فرق رہ جائے گا۔

اب پہلی شق پر جو اعتراضات وارد ہیں وہی اس پر بھی ہوں گے تقدیر لفظ عبرت اور نماء پر انشاء اللہ باب الاحکام میں کلام کیا جائے گا۔

اما الوجہ الثانی من الفساد

ان کا یہ قول کم نظری اور سطحیت پر مبنی ہے اس لئے کہ شیخ عبدالقاہر نے کلمہ انما کے بارے میں کہا کہ تستمل لقصر القلب دون الافراد۔ تو شیخ نے صرف قصر افراد کے لئے اس کے استعمال سے نفی کی ہے۔ قصر تعیین کی کہاں نفی ہے جیسا کہ فیض الباری میں کہا گیا ہے۔

نَجِئی بَالما عَلیٰ طَرِیُق قَصرِ القَلُب کَمَا قَالَ عَبُدُ القَاھِرفی انما

یہ ضلالت وکم سوادی آئمہ کرام کی شان میں سوء ادبی کی سزا ہے۔

انـمـا الاعمال بالنیات سے متعلق ایک مستقل تحقیقی رسالہ ”الفیض الاشرفی فی الحدیث الفاروقی“ (بزبان عربی) بشیر القاری میں تحریر کیا گیا ہے مزید تفصیلات کے لئے اس کا مطالعہ فرمائیے۔

واضح ہو کہ یہ ساری بحث بـخـاری شریف جلد اول کے پہلے صفحہ کی پہلی حدیث سے متعلق ہے۔ جو بشیر القاری مئولفہ حضرت صدر العلماء میرٹھی سے ملخص ہے۔ بخوف طوالت کئی باتیں چھوڑ دی گئیں ہیں۔

اب شاید اس نقطہ کی طرف دوبارہ توجہ دلانے کی ضرورت نہ پڑے کہ شیخ الحدیث دارالعلوم انـور شـاہ کـشـمیـری جو اپنی جماعت کے سب سے بڑے محدث مانے گئے ہیں ان کا یہ حشر ہے کہ ایک حدیث کے سمجھنے میں نـحـو، لغت، معانی وغیرہ کی اتنی غلطیاں فرما رہے ہیں اور ساتھ ہی ان کے مایۂ ناز شاگرد جو اپنی جگہ خود ایک بہت بڑے محدث کا درجہ رکھتے ہیں وہ بھی بڑے فخر سے ان اغلاط کو بے سمجھے بوجھے نقل فرما رہے ہیں۔ اور پوری جماعت اس پر صاد اور تحسین وآفرین کہہ رہی ہے۔

یہ فاضلانہ وناقدانہ تحریر امام احمد رضا فاضل بریلوی کی نہیں۔ نہ ان کے کسی شاگرد کی ہے بلکہ انکے ایک دریوزہ گر حضرت مولانا امجد علی کے کفش بردار حضرت مولانا غلام جیلانی میرٹھی کی ہے جنہوں نے صرف ایک حدیث میں دیوبندی جماعت کے امام المحدثین کی حدیث دانی کی ساری گرہیں کھول دیں۔

لیکن اس کے باوجود حقیقت وواقعیت کا گلا گھونٹ کر ساری دنیا کی آنکھوں میں دھول جھونکنے والے ”نفوس قدسیہ“ بالخصوص (شیخ الاسلام حضرت مـولانـا حسین احمد صاحب شیخ الحدیث دارالعلوم دیوبند وصدر جمعیت علماء ہند کا یہ حقیقت سوز بیان زحمت نہ ہو تو ایک بار پھر پڑھ لیں۔

”میں نے هـنـدوسـتـان . حجاز . عراق . شام وغیرہ کے علماء وفضلاء سے ملاقات کی اور مسائل علمیہ میں ان سے گفتگو کی۔ لیکن تبحر علمی۔ وسعت معلومات جامعیت اور علوم عقلیہ ونقلیہ کے احاطہ میں شاہ صاحب کا کوئی نظیر نہیں پایا“۔

اور ممتاز دیوبندی محدث احمد رضا بجنوری یوں رطب اللسان ہیں۔

”جب متون حدیث پر کلام فرماتے تو یہ معلوم ہوتا کہ امـام طـحـاوی امـام بخاری و مسلم بول رہے ہیں۔ فقہ الحدیث پر بولتے تو امام محمد بن الحسن الشیبانی معلوم ہوتے حدیث کی بلاغت پر گویا ہوتے تو تـفـتـازانی، جرجانی کا خیال گذرتا۔ اسرار شریعت بیان کرتے تو ابـن عربی و شعرانی کا گمان

ہوتا تھا۔"

لیکن **صدر العلماء میرٹھی** کے سامنے موصوف کس درجہ کے محدث معلوم ہوتے ہیں آپ خود اپنے ضمیر سے اس کا جواب طلب فرمائیں۔

ماخوذ از: امام احمد رضا اور محدثانہ مقام از ص 163 یا 178 ص ملخصاً (مرتب)

باب نہم

رفقاء۔ تلامذہ

امام النحو کے چند ہم سبق

حضرت مولانا محمد رفیق عالم رضوی مصباحی

مدرس جامعہ نوریہ (بریلی شریف)

صدر العلماء سید المتکلمین امام النحو شارح بخاری حضرت علامہ سید غلام جیلانی میرٹھی علیہ الرحمہ حضرت صدر الشریعہ بدر الطریقہ، مصنف بہار شریعت علیہ الرحمہ کے تلمیذ رشید تھے۔ آپ کا نسبی تعلق ایسے خاندان سے ہے جن کی نسلوں سے شریعت وطریقت کی فصلیں ہمیشہ مہکتی رہیں گی۔ اور جن کے گل بوٹوں سے صبح قیامت تک فضل وکمال، علم وادب، انسانیت وشرافت اور تہذیب وتمدن کے چمن زاروں میں بہاروں کا شباب مچلتا رہے گا۔ آج بھی حسنی حسینی شہزادوں کے تقدیسی کارناموں سے ارباب علم وفضل اور اصحاب تقویٰ وطہارت کی محفلیں تا بندہ ہیں، تفسیر وحدیث، فقہ وافتاء، منطق وفلسفہ، صرف ونحو، لغت وادب معانی وبیان غرضیکہ جملہ فنون پر آپ کو کمال حاصل تھا اسی طرح آپ کے ہم درسوں کو بھی جملہ علوم وفنون پر تبحر حاصل تھا ان کی وسعت علم وکمال کا جہانِ علم وآگہی میں دھوم ہے۔ یوں تو آپ کے متعدد ہم سبق ہیں جن میں ہر ایک اپنی اپنی جگہ علم وفضل کے آفتاب وماہتاب ہیں، یہاں ان میں سے چار کے مختصر حالات صفحۂ قرطاس کی زینت ہیں اور وہ یہ ہیں:

محدث اعظم پاکستان، حافظ ملت، مجاہد ملت، شمس العلماء مصنف قانون شریعت

(۱) محدث اعظم پاکستان

صدر العلماء، امام النحو کے شہرۂ آفاق ہم درسوں میں حضرت مولانا ابو الفضل محمد سردار احمد چشتی قادری محدث اعظم پاکستان کی ذات والا ہے۔ پنجاب یونیورسٹی گزٹ لاہور ۱۹۲۲ء میں درج شدہ کوائف کے مطابق آپ کی تاریخ پیدائش ۲۲ رتمبر ۱۹۰۳ء ہے۔ پنجاب کے ضلع گورداسپور میں ایک دیندار گھرانے میں پیدا ہوئے، والد گرامی کا نام چودھری میراں بخش تھا۔ شرافت ودیانت، پرہیز گاری وعبادت اور ضیافت ومہمان نوازی میں آپ کا خاندان اپنے علاقے میں مشہور تھا۔

محدث اعظم پاکستان نے اپنے شہر ہی میں میٹرک کی تعلیم مکمل کر لی تھی، .F.A کے امتحان کی تیاری میں لاہور آئے ہوئے تھے اسی درمیان مرکزی انجمن حزب الاحناف لاہور کے سالانہ جلسے میں شہزادۂ اعلیٰ حضرت حجۃ الاسلام حضرت مولانا حامد رضا خاں علیہ الرحمہ کی تشریف لانے کا پورے شہر میں اعلان ہو رہا تھا اور شہزادۂ اعلیٰ حضرت کے استقبال کے لئے لاہور ریلوے اسٹیشن پر مشتاقانِ دید کا ایک ہجوم اکٹھا ہو گیا۔ آپ بھی وا

رنگی شوق میں استقبال کے لئے ریلوے اسٹیشن پر پہنچ گئے، چہرۂ نور بار دیکھا اور پھر دیکھتے ہی رہ گئے اور پھر جلسے میں نورانی بیان سن کر فریفتہ ہو گئے بعد جلسہ قیام گاہ میں ملاقات کی اور بیتابی شوق میں عرض کیا: حضور! میں آپ کے ساتھ بریلی شریف جانا چاہتا ہوں اور دینی تعلیم حاصل کرنا چاہتا ہوں، حجۃ الاسلام نے خندہ پیشانی کے ساتھ آپ کا یہ عریضۂ شوق قبول فرمالیا اور بریلی شریف آکر حصول تعلیم میں محو ہو گئے، حجۃ الاسلام اور مفتیٔ اعظم ہند جیسی عبقری شخصیتوں کے گلستان علم وفن سے گل چنتے رہے۔ پھر آپ نے جامعہ معینیہ اجمیر شریف میں نابغۂ روزگار، بحر الشریعۃ اور شہرۂ آفاق استاذ گرامی حضور صدر الشریعہ کی بارگاہ میں حاضر ہوئے اور وہاں تقریباً آٹھ سال تک آپ کے خرمنِ علم سے خوشہ چینی کرتے رہے، حضور مفتی اعظم ہند علیہ الرحمہ فرماتے ہیں:

''پھر تو بحر العلوم کے پاس گئے اور خود بحر العلوم ہو گئے''

حضرت صدر الشریعہ کی دعوت پر مدرسہ عالیہ رام پور کے پرنسپل مولانا فضل حق رامپوری جب سالانہ امتحان کے لئے مدرسہ معینیہ تشریف لائے اور درس نظامی کی اعلیٰ کتابوں کا امتحان لیا تو نتائج کا اعلان کرتے ہوئے فرمایا'' جیسے طلبہ یہاں موجود ہیں پورے ہندوستان کے مدارس میں ایسے طلبہ موجود نہیں'' اس امتحان میں آپ نے امتیازی پوزیشن حاصل کیا تھا۔

زمانۂ طالب علمی میں آپ کا مطمحِ نظر صرف اور صرف حصول تعلیم تھا، کتابوں کا بڑے انہماک سے مطالعہ کرتے، بلاناغہ اسباق پڑھتے اور خالی وقت میں صدر الشریعہ سے خصوصی اکتساب فیض کرتے۔ ایام طالب علمی ہی میں حزم واحتیاط، دیانت وتقویٰ اور اتباع سنت کے آئینہ دار تھے۔ دور تعلیمی میں آپ کے زہد وتقویٰ اور پابندی شریعت کا حال بیان کرتے ہوئے حضور حافظ ملت علیہ الرحمہ تحریر فرماتے ہیں:

''خوف الٰہی وخشیت ربانی، زہد وتقویٰ، اتباع سنت آپ کی طبیعت ثانیہ تھی، ہر قول وفعل، تمام حرکات وسکنات، نشست وبرخاست میں اتباع سنت ملحوظ رکھتے تھے، زمانۂ طالب علمی میں آپ اس قدر پابند سنت اور متبع شریعت تھے کہ آپ کے لیل ونہار، خلوت وجلوت کے تمام حالات سنت کریمہ کے مطابق ہوتے، اجمیر مقدس کا پورا دورِ طالب علمی میرے سامنے ہے، زمانۂ طالب علمی میں وہ پاک اور ستھری زندگی ہے جو ریاضت ومجاہدہ کے بعد بھی دشوار ہے، کم کھانا، کم سونا، شب وروز تحصیل علم میں مصروف رہنا آپ کا معمول تھا، سلسلہ کے وظائف اور نماز باجماعت کے پابند تھے، خشیت ربانی کا یہ عالم تھا کہ نماز میں جب امام سے آیتِ ترہیب سنتے تو آپ پر لرزہ طاری ہو جاتا حتیٰ کہ پاس والے نمازی کو محسوس ہوتا تھا، یہ طالب علمانہ مقدس زندگی کے کیفیات ہیں اس سے آپ کی روحانیت کا اندازہ ہو سکتا ہے اور آپ کے مقام رفیع کا پتہ چل سکتا ہے''

۱۳۵۲ھ میں جب حضرت صدر الشریعہ اپنے چالیس باکمال، ذی صلاحیت اور منتھی طلبہ کے ساتھ منظر اسلام تشریف لاکر دوبارہ منصب تدریس پر فائز ہوئے تو اسی عرصہ میں محدث اعظم نے علوم عالیہ کی تکمیل

کی اور منظر اسلام بریلی شریف کے سالانہ جلسہ کے موقعہ پر شہزادۂ اعلیٰ حضرت حجۃ الاسلام مولانا حامد رضا خاں علیہ الرحمہ نے آپ کو وراثتِ نبوی کا زریں تاج اور سند فراغت عطا فرمائی۔

محدث اعظم نے منظر اسلام بریلی شریف میں تقریباً پانچ برس تک سند تدریس کو زینت بخشی اور دور دراز سے آنے والے تشنگان علوم کی تشنگی بجھا کر انہیں مدارج عالیہ پر پہنچا دیا۔ ۱۳۵۲ھ کو منظر اسلام بریلی شریف میں مدرس دوم کے عہدہ پر آپ کا تقرر ہوا تھا اور جب صدر الشریعہ علیہ الرحمہ یہاں سے تشریف لے گئے تو آپ کو صدر المدرسین کا عہدہ اعلیٰ دیدیا گیا۔ ۱۹۳۷ء میں جب منظر اسلام قائم ہوا تو یہاں تشریف لائے اور ۱۹۴۷ء تک شیخ الحدیث کے عہدۂ جلیلہ پر فائز ہو کر ہزاروں طالبان علوم کو زیورعلم سے آراستہ کیا اور جب پاکستان بنا تو جامعہ رضویہ فیصل میں ۱۹۶۲ء تک درس حدیث میں مصروف رہے۔ ہندو پاک میں آپ کے کثیر تلامذہ ہیں، ان میں فضل وکمال کے آفتاب و ماہتاب بھی ہیں ارباب خانقاہ وتصوف بھی ہیں، اصحاب درس وتدریس بھی ہیں۔ فقہ وافتاء کے تاجدار بھی ہیں میدان مناظرہ کے شہسوار بھی ہیں، ارباب قلم وصحافت بھی ہیں اور صاحبان فکر وخطابت بھی ہیں، اوران میں کچھ تو ایسے بھی ہیں جنہوں نے خزاں رسیدہ ماحول میں بھی علم وفضل کا گلستان آباد کردیا۔

۱۹۴۷ء میں تعطیل کلاں گذارنے کے لئے گورداس پور گئے تو ملک کی تقسیم ہوگئی اور فسادات کا سلسلہ شروع ہوگیا آپ ہجرت فرما کر لاہور تشریف لے گئے اور اپنے شاگرد سید محمد جلال الدین کے اصرار پر بھکھی کے قائم شدہ مدرسے میں پانچ ماہ تک درس دیا پھر واپس بریلی شریف آگئے اور درس دینا شروع کردیا۔ صدر العلماء، شیخ الشیوخ حضرت مولانا مفتی تحسین رضا محدث بریلوی رضی اللہ عنہ تحریر فرماتے ہیں:

''ابتدائی دور میں دونوں ملکوں کے درمیان پاسپورٹ کی پابندی نہ تھی اہل وعیال کو پاکستان چھوڑ کر پھر ایک مرتبہ بریلی آئے آپ کے آتے ہی طلبہ بھی جمع ہوگئے اور تعلیم شروع ہوگئی، اسی زمانہ میں میں نے آپ سے شرح عقائد کے کچھ اسباق بھی پڑھے تھے مگر یہ سلسلہ زیادہ دن نہ چل سکا۔ جلد ہی آپ کو واپس پاکستان جانا پڑا، آپ کو گئے ہوئے کچھ عرصہ گزرا ہوگا کہ حکومت نے پرمٹ کے پابندی لگادی جو بعد میں پاسپورٹ کی شکل میں باقی رکھی گئی، آپ نے جب بریلی آنے میں دشواریاں دیکھیں تو وہیں تدریس کا سلسلہ شروع کردیا''

یوں تو آپ کو جملہ علوم وفنون پر عبور حاصل تھا جو فن پڑھاتے پڑھنے والوں کو یہ محسوس ہوتا کہ اسی فن کے امام ہیں، شارح بخاری حضرت مفتی شریف الحق صاحب علیہ الرحمہ تحریر فرماتے ہیں: ''آپ جملہ فنون میں پورا پورا ادراک رکھتے تھے جو فن پڑھاتے معلوم ہوتا تھا کہ سب سے زیادہ اسی کے ماہر ہیں۔ اپنی ساری عمر اسی کی تحصیل میں صرف کی ہے''

حضور حافظ ملت علیہ الرحمہ نے آپ کی شان تدریس کا اظہار اس طرح کیا ہے۔

''انداز بیان اتنا سلجھا ہوا اور جامعیت متن وشروح کا حامل ہوتا کہ پیچیدہ مسائل کو بڑی سادگی، بے

تکلفی اور نہایت دلنشین پیرایہ میں بیان فرماتے تھے طالب علم کی تسکین ہو جاتی تھی، نفس مسئلہ ذہن نشیں ہو جاتا تھا اور ان کی تقریر سننے کے بعد سوچے سمجھے اعتراضات خود بخود دفع ہو جاتے تھے''

تدریس حدیث میں انفرادی مقام:

آپ کو حدیث شریف کی تدریس میں اپنے معاصرین کے درمیان انفرادی مقام حاصل تھا باوضو اور جبہ ودستار میں ملبوس ہو کر بڑے احترام کے ساتھ حدیث کا درس دیتے تھے، مولانا سید زاہد علی خطیب جامع مسجد فیصل آباد تحریر فرماتے ہیں:

''جب آپ حدیث کا درس دیتے تو رسول اکرم ﷺ کی مجلس یاد آجاتی، آپ فنافی الرسول تھے اور یہ مقام آپ کو حاصل تھا''

مولانا معراج الاسلام پرنسپل جامعہ محمدیہ غوثیہ لکھتے ہیں:

''آپ کے طالب علم کے اندر یہ خصوصیت پیدا ہو جاتی تھی کہ وہ محسوس کرتا جیسے عشق ومحبت کا ٹھاٹھیں مارتا ہوا سمندر اس کے سینے میں سما گیا ہے اور وہ جہالت کی تاریکیوں سے نکل کر علم وفضل کے عرش کمال تک پہنچ گیا ہے''

اور مولانا ابوالفضل مہتمم جامعہ مظفریہ رضویہ لکھتے ہیں:

''بسا اوقات شان مصطفوی علیہ التحیۃ والثناء کی احادیث مقدسہ کو ایسے انداز سے شروع فرماتے کہ شدت عشق ومحبت سے بے اختیار رونا آجاتا اور تمام حلقۂ درس پر بے اختیار رقت طاری ہو جاتی''

حدیث نبوی کا بیحد احترام آپ کے دل میں تھا۔ عجز وانکساری کا مجسمہ بن کر ایک ایک لفظ جھوم جھوم کر پڑھتے، کیف ومستی کا وہ عالم ہوتا کہ طلبہ بھی جھوم جھوم اٹھتے، دورانِ حدیث کوئی آتا تو اس کی پروا نہ کرتے، آنے والا یا تو ختم درس کا انتظار کرے یا پھر چلا جائے، بقیۃ السلف حضرت مولانا مفتی تحسین رضا خاں صاحب دام ظلہ علینا تحریر فرماتے ہیں:

''جیسے نامِ نامی سنتے باآواز بلند ﷺ کہتے تا کہ دوسرے طلبہ جو غافل ہوں انہیں سن کر یاد ہو جائے، اگر کہیں حدیث میں آجاتا ''ضحك النبي ﷺ'' تو خود بھی مسکراتے اور طلبہ سے بھی کہتے ہنسو، ہنسا بھی ہمارے نبی پاک صاحب لولاک ﷺ کی سنت ہے''

احترام حدیث نبوی کے تعلق سے مفتی عبدالقیوم ہزاروی فرماتے ہیں:

''درس حدیث کے ادب کا یہ عالم تھا کہ دورانِ اسباق کسی وقت عمامہ کا بل کھل جاتا تو اختتام اسباق تک کھلا رہتا اور بعد فراغت آپ دار الحدیث سے روانگی کے وقت دستار کھڑے ہو کر درست فرماتے۔''

مدارس اہل سنت آپ کے علاوہ دیوبند، سہارنپور اور دہلی ودیگر جگہوں سے تعلیم حدیث مکمل کر لینے

والے بعض طلبہ بھی آپ کے حلقۂ درس حدیث میں شامل ہوتے اور با قاعدہ پڑھتے تھے۔

حضرت مفتی شریف الحق صاحب امجدی علیہ الرحمہ تحریر فرماتے ہیں:

''میں نے ۶۲-۱۳۶۱ھ میں دورۂ حدیث پڑھا میرے ساتھ بتیس طلبہ اور تھے جن میں بعض افغانی طالب علم وہ تھے جو دیو بند سہارنپور اور دہلی وغیرہ سے دورۂ حدیث پڑھ کر آئے تھے، انہی میں ایک طالب علم عبدالوہاب نام کے تھے، یہ پانچ جگہ دورۂ حدیث پڑھ کر سندیں لے کے آئے تھے، یہ قدرے ذہین اور سمجھدار تھے، اکثر وہابیوں میں پڑھنے کی وجہ سے توہب بھی تھا، بہت قادر الکلام تھے، اسباق شروع ہونے کے ایک ہفتہ بعد میں نے دریافت کیا آپ تو گھاٹ گھاٹ کا پانی پی چکے ہیں، بتائیے یہاں اور دوسری جگہوں میں کیا فرق ہے، جواب دیا شروع شروع میں ہر جگہ جوش وخروش ہوتا ہے وہ یہاں بھی ہے لیکن دوسری جگہ خاص خاص جگہ جوش وخروش ہوتا ہے اور یہاں نقطہ نقطہ پر علم کا دریا بہار ہے ہیں۔ آخر میں ایسے گرویدہ ہوئے کہ ہر وقت تعریف میں رطب اللسان رہتے، کہتے تھے میں نے دورۂ حدیث کی حقیقت صرف یہی سمجھی تھی کہ برکت کے لئے پڑھا جاتا ہے مگر اب یہاں آکر معلوم ہوا کہ فن حدیث کیا ہے اور دورۂ حدیث کیا ہے، اختلافی مسائل پر بہت کثرت سے سوالات کرتے اور ان کے معقول جوابات پر مسرور ہوتے چند ہی ماہ کے بعد خود کہنے لگے، اب تک ہم اندھیرے میں تھے اب آنکھیں کھلیں، وہابیت سے بالکل بیزار ہو گئے۔''

حضرت مولانا عطا محمد چشتی آپ کے درس حدیث کی شان بیان کرتے ہوئے رقمطراز ہیں:

''وہ عشق نبی میں ڈوب کر حدیث پڑھاتے تھے، لوگ کہتے ہیں کہ وہ حال وقال کے بہترین جامع تھے، پڑھنے والے ان کی زبان سے علمی موشگافیاں سنتے اور ان کے دماغوں میں حقائق ومعارف موج در موج اتر آتے پھر نگاہیں کام کرتیں اور سامعین کے سینوں میں عشق رسول کی بجلیاں بھر جاتیں جب وہ تحقیق وتدقیق کے مقام پر آتے تو اس اعتماد کے ساتھ درس حدیث بیان کرتے جیسے رسول اللہ ﷺ سے سن کر حدیث بیان کر رہے ہیں''

فن حدیث میں انہی کمال وتبحر کی وجہ سے علمائے کرام کے ایک عظیم اجتماع نے متفقہ طور پر آپ کو ''محدث اعظم'' کا لقب دیا معاصرین واکابرین بھی آپ کو محدث اعظم اور شیخ الحدیث کے لقب سے یاد فرماتے تھے۔

قلمی خدمات:

درس وتدریس، تحقیق ومطالعۂ کتب، وعظ وتبلیغ اور معمولات ووظائف میں آپ کا سارا وقت ختم ہو جاتا اس لئے لکھنے کا موقعہ بہت کم ملتا، اس کے باوجود مختلف مسائل پر آپ کی قلمی تحقیقات ہیں جو مسودہ کی حالت میں آپ کے مخصوص کتب خانہ میں محفوظ ہیں، ان میں سے چند یہ ہیں۔

(۱) صحاح ستہ پر تعلیقات (عربی)
(۲) حدیث "لولاك لما خلقت الخ" کی تحقیق (عربی)
(۳) بے مثلیت مصطفیٰ ﷺ
(۴) علوم خمسہ کا بیان اور ثبوت (عربی)
(۵) رسالہ در تحقیق لفظ "اِنْ" (عربی)
(۶) لفظ وفات کی تحقیق
(۷) حقیقت محمدیہ کی تحقیق (عربی)
(۸) فضائل کعبۂ مکرمہ (عربی)
(۹) فضائل مدینہ منورہ (عربی)
(۱۰) فضائل صحابہ
(۱۱) علم مصطفیٰ (عربی)
(۱۲) رویت ہلال کے احکام (اردو)
(۱۳) اطلاق لفظ بشر
(۱۴) رد قادیانی
(۱۵) عصمت انبیاء کرام
(۱۶) عقیدت اہلسنت در بارۂ افضلیت جبرئیل وصدیق
(۱۷) استعانت اور غوث کے معنوں کی تحقیق (عربی)۔

حق گوئی وحکم شرعی کا اعلان:

علم وفضل، زہد وتقویٰ کے اس عظیم پیکر کا ایک خاص وصف یہ بھی تھا کہ جب آپ کسی کو خلاف شرع قول یا فعل کہتے یا کرتے دیکھتے تو بلا خوف لومۃ لائم فوراً حکم شرعی سنا دیتے چونکہ انداز بہت مخلصانہ ہوتا، اس لئے الفاظ خود بخود دل میں جگہ بنا لیتے اور ایک عالم کی یہ ذمہ داری بھی ہوتی ہے کہ غلطی کرنے والے کو توجہ دلا کر انہیں راہ حق وصواب کی نشاندہی کرے۔

بیعت وخلافت:

آپ قدوۃ السالکین شاہ محمد سراج الحق قادری چشتی صابری کرنالوی گورداسپوری کے مرید تھے اپنے ایک صاحبزادے کا نام بھی آپ نے اپنے مرشد گرامی کے نام پر رکھا تھا۔ اور حجۃ الاسلام حضرت مولانا حامد رضا خاں علیہ الرحمۃ والرضوان نے آپ کو ۲۰ ر ربیع الآخر ۱۳۵۱ھ میں تمام اوفاق، اعمال، اذکار واشغال سلاسل طریقت جیسے علوم عقلیہ ونقلیہ واحادیث طیبہ، تمام ادعیہ بالخصوص حزب یمانی، حزب البحر، حزب العظم، دعا شیخ دعا دامیرین، دعاء مغنی اور جمیع مرویات مشائخ کی اجازت تام مطلق عطا فرمائی۔

بالآخر علم وفضل کا یہ کوہ عظیم، فکر وفن کا مجسمہ، معرفت کا مہر انور، حقیقت کا مظہر، شریعت کا پیکر، صدر الشریعہ کا پارۂ دل اپنے دور کا عظیم محدث اور قافلہ سنیت کا عظیم سالار لاکھوں افراد کو اشکبار کر کے دنیا سے یکم شعبان ۲۹ ستمبر/۱۳۸۲ھ جمعہ وہفتہ کی درمیانی شب کو رخصت ہو گیا۔ ملک کے مشائخ طریقت، اکابر اہلسنت اور علما ذوی الاحترام کے تاحد نگاہ پھیلے ہوئے مجمع نے آپ کی نماز جنازہ میں شرکت کی، اور سنی رضوی جامع مسجد لائل

پور فیصل آباد کے پہلوئے نور میں آپ کی آرام گاہ بنائی گئی۔

خدا کی رحمتیں ہوں اۓ میر کارواں تم پر
فنا کے بعد بھی باقی ہے شانِ رہبری تیری

(۲) حافظ ملت

کچھ ہستیاں ایسی ہوتی ہیں جو مذہب وملت کے خیابانوں اور مرغزاروں کو اپنے خون سے سیراب کرتی ہیں اور تن من دھن سے اس کے گلستانوں کی آبیاری کر کے انہیں پروان چڑھاتی ہیں جن کی مست خرام ہواؤں، رنگ برنگ پھولوں اور مشامِ جاں کو معطر بناتی ہوئی خوشبوؤں سے عالم کا چپہ چپہ مشکبار ہو جاتا ہے اور جن کے خون جگر کی سرخیاں غنچہ وگل کی رنگینیوں میں شامل ہیں اور جو اپنے کردار وعمل سے تپتے ہوئے ریگستانوں کو لہلہاتا ہوا چمنستان بنا دیتی ہیں، انہی پاکیزہ سیرت بلند ہمت اور فرشتہ صفت ہستیوں میں جلالۃ العلم حضور حافظ ملت علیہ الرحمہ کی ذات گرامی ہے۔

حضور حافظ ملت ایسے مصلح اور معمار قوم وملت تھے جس نے خزاں رسیدہ ماحول میں بہاروں کو جنم دے کر انہیں چمن لالہ زار بنا دیا جن کے باغ و بہار کی لطافت ورعنائی آج ہمارے لئے قرارِ دل اور نشاط ذہن ودماغ کا باعث ہے، جس نے اپنے ذہن ودماغ، اپنی جدو جہد اور اپنے قلندرانہ کردار وعمل سے علم وفضل کے شاخوں پر آشیانہ بنایا، علم وعمل کی ایسی تحریک چلائی کہ دھرتی پر ایک عہد آفریں انقلاب برپا کر دیا اور اپنی خداداد صلاحیت و ذہانت سے اپنے دور کی تاریخ میں ایسا عظیم الشان اور بلند وبالا قصر تعمیر کیا جس کی فلک پیما میناروں کی روشنی شرق وغرب میں پھیلی ہوئی ہے، الجامعۃ الاشرفیہ کی صورت میں علم وفن کا ایسا لہلہاتا ہوا گلشن آباد کیا جس کی مست خرام ہواؤں سے ہندوستان ہی نہیں بلکہ پورا عالم مہک رہا ہے۔

ع کہاں کھولے ہیں گیسو یار نے خوشبو کہاں تک ہے

ولادت اور تعلیم وتربیت:

۱۸۹۴ء میں مراد آباد کے ایک مشہور قصبہ بھوجپور میں آپ کی ولادت ہوئی جس گھرانے میں آپ کی پیدائش ہوئی وہ غریب مگر دیندار گھرانہ تھا، آپ کے مرحوم دادا ملا عبد الرحیم نے آپ کا نام عبد العزیز رکھا، اور فرمایا میں نے خاتم المحدثین حضرت مولانا عبد العزیز محدث دہلوی کے نام پر نام رکھا میرا یہ بچہ عالم ہوگا۔ بچپن ہی سے آپ کا میلان دینی تعلیم کی طرف تھا، ناظرہ سے حفظ تک اپنے والد گرامی حافظ غلام نور صاحب مرحوم کے پاس پڑھا اور پھر درجۂ مولوی تک کی تعلیم جامعہ نعیمیہ مراد آباد میں حضرت صدر الافاضل علیہ الرحمہ کے سایۂ عاطفت میں حاصل کی اور اخیر میں اجمیر شریف خواجہ کی نگری میں حضرت صدر الشریعہ علیہ الرحمہ جیسی عبقری شخصیت کی بارگاہ میں حاضر ہوئے اور تقریباً نو سال تک علوم نقلیہ وعقلیہ کی منتہی کتابیں پڑھ کر ان میں کمال حاصل کیا۔

خلافت واجازت:

شیخ المشائخ حضرت سید علی حسین صاحب قبلہ اشرفی میاں کچھوچھوی علیہ الرحمہ کے دست حق پرست پر مرید ہوئے اور پھر پیر ومرشد نے آپ کو اپنے سلسلے کی اجازت وخلافت عطا فرمائی حافظ ملت علیہ الرحمہ نے عرض کیا حضور میں اس قابل نہیں ہوں تو حضرت شیخ المشائخ نے فرمایا: ”داد حق را قابلیت شرط نیست“ اس کے بعد آپ کے شہرۂ آفاق استاذ گرامی حضرت صدر الشریعہ علیہ الرحمہ نے بھی آستانۂ اعلیٰ حضرت میں سلسلۂ رضویہ برکاتیہ کی اجازت وخلافت عطا فرمادی، ان دو عظیم الشان سلسلوں کے روحانی فیضان سے آپ مجمع البحرین بن گئے۔

خدمت دین:

تعلیم سے فراغت کے بعد بھوجپور میں ہی مدرسہ حفظ القرآن کے طلبہ کو فی سبیل اللہ درس دینے لگے، تلاوت قرآن سے اتنا شغف تھا کہ روزانہ ایک ختم کرلیا کرتے تھے، زندگی کی صبح وشام اسی طرح گزر رہی تھی کہ ۱۹۳۲ء میں صدر الافاضل حضرت مولانا نعیم الدین علیہ الرحمہ نے جامع مسجد آگرہ کی امامت وخطابت کے لئے آپ کا انتخاب کیا لیکن آپ نے معذرت کرلی اور بھوجپور آکر اپنے کام میں مشغول ہوگئے کچھ ہی دنوں کے بعد جامعہ نعیمیہ میں تدریسی خدمات کے لئے حضرت صدر الافاضل علیہ الرحمہ نے آپ کا تقرر کرنا چاہا لیکن اس بار بھی بڑی عاجزی کے ساتھ آپ نے ملازمت نہ کرنے کی درخواست آپ کی بارگاہ میں پیش کی اور آپ نے قبول فرمالی اور ارشاد فرمایا کہ جب آپ کا مزاج بنے تو جامعہ نعیمیہ آپ کے لئے تیار رہے گا، اسی درمیان آپ کے مشفق وشہرۂ آفاق استاذ گرامی حضرت صدر الشریعہ علیہ الرحمہ نے آپ کو بریلی شریف بلایا اور ارشاد فرمایا: حافظ صاحب میں باہر رہا اور میرا ضلع خراب ہوگیا اس لئے خدمت دین کے لئے میں آپ کو مبارک پور بھیجنا چاہتا ہوں، حافظ ملت نے عرض کیا میں ملازمت نہیں کرنا چاہتا، اس پر آپ نے ارشاد فرمایا میں نے تو خدمت دین کے لئے کہا نہ کہ ملازمت کے لئے اس پر کچھ معذرت نہ کرسکے اور ۱۴؍جنوری ۱۹۳۳ء مطابق ۲۹؍شوال ۱۳۵۲ھ میں مبارک پور تشریف لائے اور مدرسہ اشرفیہ مصباح العلوم میں صدر مدرس کے اعلیٰ عہدے پر فائز ہوکر تدریسی خدمات انجام دینے لگے اور اپنی زبان وقلم، کردار وعمل، عزم وحوصلہ تدبر وذہانت اور قوت ارادی کی بے پناہ طاقت کے ساتھ اپنے ہدف ومقصود کو پانے کے لئے رات ودن کوشاں رہے، اور اس میں آپ کو نہایت ہی دشوار کن مراحل سے گزرنا پڑا بالآخر اپنے مقصد میں کامیاب ہوگئے تاجدار صحافت حضرت مولانا یٰسین اختر مصباحی مدظلہ العالی تحریر فرماتے ہیں:

”مبارک پور پہنچتے ہی آپ کو تعمیر اور دماغ ومشکل ترین محاذوں پر اپنے دست وبازو آزمانے پڑے، تقریباً ساڑھے چار ماہ کی شدید آویزش اور زبردست مقابلہ کے بعد فتح وکامرانی نے آپ کے قدم چومے۔ اور دشمن نے اپنی ہزیمت وپسپائی کا اعتراف کرتے ہوئے میدان سے کسی طرح جان بچائی اور راہ فرار اختیار کیا، تعمیر

کی طرف آپ کے قدم بڑھے تو صفت سیل رواں ہو گئے، اور ایسی آبادکاری کی اور اسے اپنے خون جگر سے اس طرح سینچا کہ دیکھتے ہی دیکھتے علم ومعرفت کا ایک سرسبز وشاداب ''باغ فردوس'' لہلہا اٹھا''

پھر تو پے درپے کامیابی قدم چومتی رہی اور اس سنگلاخ زمین پر رحمت ونور کی گھنگھور گھٹا نے علم وعرفان کی ایسی موسلادھار بارش برسائی جس سے پورا علاقہ جل تھل ہو گیا، یہاں کی درودیوار سے قال اللہ وقال الرسول کی ایسی دلنواز صدائیں بلند ہوئیں جس کی گونج ملک کے کونے کونے تک پہنچ گئی اور ہر چہار سمت سے تشنگان علوم سمٹ کر مبارک پور آنے لگے یہاں کے باشندوں نے بھی مہمانان رسول کی ضیافت کا حق ادا کر دیا کیوں نہ ہو کہ حافظ ملت نے یہاں کے مسلمانوں کے دل ودماغ میں دینی اور ملی شعور ایسا بیدا کر دیا تھا کہ پروانوں کی طرح اس دینی ملی کام پر ٹوٹ پڑے۔

حافظ ملت علیہ الرحمہ چونکہ ایک مذہبی قائد تھے ان کی نشست وبرخاست، چال چلن اور طرز زندگی اور انداز فکر سب مذہبی تھا وہ اسلامی تعلیمات کی زبوں حالی اور مسلمانان ہند کا دینی تعلیم سے بے رغبتی کیسے برداشت کرتے، ان کے ذہن ودماغ میں ایک ایسے ادارے کا خاکہ تھا جو مسلک اعلیٰ حضرت کا صحیح ترجمان ہو اور دینی تعلیمات کے ساتھ عصری تعلیمات کا بھی مکمل انتظام ہو اور دنیا کی دو مشہور زبانوں (عربی، انگریزی) کے ذریعہ اسلام کی تبلیغ واشاعت ہو سکے، اور پیغام نبوی گھر گھر تک پہنچایا جا سکے۔

مولانا مبارک حسین مصباحی لکھتے ہیں۔

''حافظ ملت کے ذہن میں اسی طرح کی ایک عظیم تربیت گاہ تھی جہاں وہ مستقبل کے مذہبی قائدین اور رجال علم وحکمت کا ایک مضبوط دستہ تیار کرنا چاہتے تھے تاکہ آنے والی نسلوں میں دینی زندگی کا تسلسل جاری رہ سکے، ان کے تصور میں عربی یونیورسٹی کے نام سے علم ودانش کا ایک نہایت خوبصورت شہر تھا جو کتاب وسنت کی بے شمار قندیلوں سے جگمگا رہا تھا، چمن چمن حکمت وعرفاں اور عشق ویقین کے رنگا رنگ پھول مہک رہے تھے، ساری فضا معطر تھی اور سارا ماحول منور تھا''

اس لئے انہوں نے ۵ر مئی ۱۹۷۲ء کو مبارک پور میں ''کل ہند تعلیمی کانفرنس'' کا اہتمام کیا جس میں ملک وملت کے اصحاب فکر وفن، ارباب قلم وسخن اور دانشوران قوم وملت کے ایک عظیم اجتماع نے شرکت کی، آپ نے جب اس مجمع عام میں عربی یونیورسٹی کی ضرورت پر روشنی ڈالی تو نعرہائے تکبیر ورسالت کے فلک شگاف صداؤں سے فضا گونج گونج اٹھی، علمائے کرام نے بیک زبان اس کی تائید فرمائی اور اپنی ولولہ انگیز تقریروں سے عوام میں بیداری پیدا کر دی سید العلماء سید حضرت آل مصطفیٰ علیہ الرحمہ نے اپنی بصیرت افروز تقریر کے دوران فرمایا:

''اگر ضرورت پیش آئی تو سلسلۂ برکاتیہ کے مریدین ومعتقدین کو حافظ ملت کے قدموں پر لا کر ڈال

دوں گا"

اور پھر ۶ر مئی ۲ے۱۹ء کو تاجدار اہلسنت حضور مفتی اعظم ہند اور سید العلماء علیہما الرحمہ کے ہاتھوں عربی یونیورسٹی کا سنگ بنیاد رکھ کر حضور حافظ ملت نے اپنا فلک پیما منصوبہ زمین پر اتار دیا، اس مرد مجاہد کی آواز پر ملک کے چپے چپے سے لبیک لبیک کی صدائے دلنواز گونجی اور پھر دیکھتے ہی دیکھتے مسلک اعلیٰ حضرت کا ایک مضبوط و مستحکم قلعہ بن گیا، علم وفن کا ایک شہر آباد ہو گیا اور آج اپنی بے پناہ خدمات کی وجہ سے شہرۂ آفاق ہو گیا ہے۔

وسیع ظرفی و بے نفسی:

قدرت نے آپ کو علم وعمل، فضل وکمال، ذہانت وفطانت اور عزو استقلال کے ساتھ وسیع ظرفی اور بے نفسی کی عظیم خوبی سے بھی نوازا تھا اکثر مدارس میں تنگ نظری اور نفسانیت ان کے اساتذہ میں گھر کر لیتی ہے خصوصا جب مدرسین کے درمیان اختلاف ہو جائے تو پھر وہ اپنے مدمقابل کو میدان تدریس کا حریف سمجھ کر ان کی خامیاں تلاش کرتا رہتا ہے اور موقعہ پاتے ہی اسے اراکین کی نگاہوں میں ذلیل ورسوا کر دیتا ہے لیکن حافظ ملت اس نازک موڑ پر بھی اعلیٰ سے اعلیٰ اخلاق کا نمونہ پیش کرتے ہوئے نظر آتے ہیں، بطور نمونہ حضرت مولانا عبد المصطفیٰ صاحب اعظمی علیہ الرحمہ کی زبان خود ان ہی کا ایک واقعہ سماعت فرمایئے

فرماتے ہیں: میں دار العلوم اشرفیہ سے کسی وجہ سے مستعفی ہو کر دار العلوم شاہ عالم احمد آباد چلا گیا اور چند سالوں تک تدریسی خدمات انجام دیتا رہا پھر مستعفی ہو کر گھر آ گیا، وہاں کے ناظم اعلیٰ نے حافظ ملت کو بایں مضمون خط لکھا۔

"اعظمی صاحب یہاں سے لڑ بھڑ کر واپس چلے گئے ہیں لہٰذا آپ اعظمی صاحب کا کوئی نعم البدل مدرس بھیج دیں، اس خط کے جواب میں حافظ ملت نے تحریر فرمایا" مولانا اعظمی کا نعم البدل تو کیا ان کا بدل بھی ملنا انتہائی دشوار ہے وہ ایک کامیاب مدرس بھی ہیں اور شعلہ بیان مقرر بھی، وہ مناظر بھی ہیں اور صاحب قلم بھی، وہ چندہ وصول کرنے کے بھی ماہر ہیں اور مدارس کے انتظامی امور کے بھی تجربہ کار ہیں، اس لئے میرا مخلصانہ مشورہ یہ ہے کہ آپ ان سے صلح کر کے پھر انہیں احمد آباد بلا لیں اور اگر اس سلسلے میں میری خدمات کی ضرورت ہو تو میں اس کے لئے حاضر ہوں"

اس پر اعظمی صاحب نے جن دلی تأثرات اور قلبی جذبات کا اظہار کیا ہے وہ بھی نہایت دلچسپ ہے۔
اعظمی صاحب فرماتے ہیں:

"غور فرمایئے حضرت حافظ ملت اور مجھ میں ان دنوں صفائی نہیں ہوئی تھی بلکہ وہ مجھ سے رنجیدہ تھے۔

اگر ان میں جذبۂ انتقام ہوتا تو وہ حاجی سلیمان (ناظم اعلیٰ دار العلوم شاہ عالم) کی تحریر پر کچھ مزید شکایات لکھ کر نمک مرچ لگا دیتے اور کسی کامیاب مدرس کو احمد آباد بھیج کر میری عزت وشہرت کا جنازہ نکال دیتے

مگر عین اختلاف کی حالت میں انہوں نے میرے ساتھ جس شریفانہ برتاؤ کا مظاہرہ فرمایا کیا میرے سینے میں دل نہیں پتھر ہے جو میں اس شریفانہ سلوک سے متاثر نہیں ہوتا دنیا مجھے کچھ بھی کہے مگر میں بانگ دہل کہتا ہوں کہ یقیناً میں اس سے بے حد متاثر ہوا اور ہوں اور رہوں گا اور ہمیشہ کہتا رہوں گا کہ حافظ ملت اس فلسفۂ تصوف کے زبردست فیلسوف تھے"

عبادت وریاضت:

حافظ ملت صوم وصلوٰۃ کے نہایت پابند تھے، اور اپنے عہد طفولیت ہی سے نماز روزوں کے عادی بن گئے تھے، خود حافظ ملت علیہ الرحمہ تحریر فرماتے ہیں:

"ساتھ سال کی عمر ہی سے مجھ کو نماز پڑھنے کی تاکید اور کھیل تماشوں، میلوں ٹھیلوں سے دور رہنے کی تلقین اور دیندار بنانے کی مساعی کی جاتی تھی یہاں تک کہ جب میری عمر ۱۳ رسال کی پہنچی تو میں اگرچہ پکا نمازی بن چکا تھا لیکن والد صاحب فجر کی نماز کو جاتے ہوئے حسب عادت مجھے جگاتے ضرور تھے اور اگر اتفاق سے کسی دن غلبۂ نیند سے مغلوب ہو کر میں کروٹ بدل کر سو جاتا تو نماز سے واپس آکر مجھے آواز دیتے نہ ہاتھ پکڑ کر جگاتے بلکہ کان پکڑ کر سیدھا کھڑا کر دیتے"

پابندئ صوم وصلوٰۃ کے تعلق سے حضرت مولانا عبد الحفیظ صاحب فرزند حافظ ملت علیہ الرحمہ فرماتے ہیں:

"وصال سے پہلے رمضان میں ایک ہفتہ تک غذا بند رہی، علاج ہوتا رہا ایسی حالت میں بھی روزہ نہیں چھوڑا، درخواست کی گئی کہ شریعت نے اس حالت میں رخصت دی ہے، فرمایا ہاں لیکن جو ثواب رمضان میں ملتا ہے وہ تو نہیں ملتا اس پر مزید یہ کہ پنج وقتہ کھڑے ہو کر نماز ادا کرنا خود ہی سارا کام کرنے کی کوشش کرنا"

تصنیف وتالیف:

درس وتدریس اور اپنے گوناگوں مصروفیات کے باوجود آپ نے تصنیفی خدمات بھی انجام دی ہیں، آپ فرمایا کرتے تھے" میرا قلم شروع میں بہت برق رفتار تھا لیکن تدریسی مصروفیات نے مجھے تحریری کام کی فرصت نہ دی"

مندرجہ کتابیں آپ کے نوک قلم سے وجود آئیں۔

(۱) معارف الحدیث (۲) ارشاد القرآن (۳) الارشاد (۴) انباء الغیب (۵) المصباح الجدید (۶) فرقہ ناجیہ (۷) فتاویٰ عزیزیہ (۸) حاشیہ شرح مرقاۃ

آپ کے گلستان علم وفن سے گل چینی کرنے والوں کی تعداد بہت ہے چند مشہور تلامذہ آپ کے یہ ہیں: مولانا سید مجتبیٰ اشرف۔ مولانا غلام آسی۔ مولانا سید مدنی میاں۔ مولانا سید اظہار اشرف۔ مولانا عبد

الرؤف صاحب مولانا مفتی عبدالمنان صاحب۔ مولانا محبوب اشرفی۔ مولانا مفتی شریف الحق صاحب۔ علامہ ارشد القادری۔ مولانا قمر الزماں اعظمی۔ مولانا عبداللہ عزیزی۔ مولانا بدر القادری۔ مولانا عبید اللہ خاں اعظمی۔

وصال:

۳۱ر مئی ۱۹۷۶ء/ ۱۳۹۶ھ کی صبح کو آپنے اپنے بڑے صاحبزادے مولانا عبدالحفیظ صاحب سربراہ اعلیٰ الجامعۃ الاشرفیہ مبارک پور کو بخاری شریف کتاب الجنائز کا درس دیا اور حضور ﷺ کی کیفیت وصال بیان فرماتے ہوئے ارشاد فرمایا: ''موت برحق ہے، مومن کو خندہ پیشانی سے اس کا استقبال کرنا چاہئے اس لئے مومن کی موت ،موت نہیں بلکہ حیات ابدی کا پیغام ہوتی ہے''

۳۱ر مئی کا دن گزرا اور رات نماز عشاء ودیگر اذکار و معمولات سے فارغ ہوئے تو غشی کی کیفیت طاری ہوگئی لبوں پر کچھ خفیف سی جنبش ہوئی اور پھر لبوں پر ہلکی سی مسکراہٹ کے ساتھ ہمیشہ کے لئے داغ مفارقت دے گئے۔

نشان مرد مومن با تو گویم چوں مرگ آید تبسم برلب اوست

الجامعۃ الاشرفیہ کے وسیع وعریض ہال میں نماز جنازہ ادا کی گئی سربراہِ اعلیٰ حضرت مولانا عبدالحفیظ صاحب نے نماز جنازہ پڑھائی جس میں اخباری اطلاعات کے مطابق ۲ لاکھ فرزندان توحید نے شرکت کی۔ اپنے قائم کردہ شہرۂ آفاق ادارہ الجامعۃ الاشرفیہ کے عقب میں دفن ہوئے۔

آسمان ان کی لحد پہ شبنم افشانی کرے حشر تک شان کریمی ناز برداری کرے

(۳) مجاہد ملت

حاوی فروغ واصول جامع معقول ومنقول، سلطان المناظرین حضرت مولانا حبیب الرحمٰن مجاہد ملت علیہ الرحمہ دھام نگر ضلع میسور صوبہ اڑیسہ میں ۸ر محرم الحرام ۱۳۲۲ھ مطابق ۴ر مارچ ۱۹۰۴ء بروز ہفتہ ایک شریف النسب اور صاحب ثروت گھرانے میں پیدا ہوئے۔ آپ کے والد گرامی کا نام عبدالمنان تھا، چند واسطوں سے آپ کا سلسلۂ نسب سید المفسرین حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ تک پہنچتا ہے۔

عہد طفولیت ہی سے آپ کا رجحان دین وسنت کی طرف تھا جب کہ آپ اڑیسہ کے ایک ایسے مالدار گھرانے کے چشم وچراغ تھے جس کی سالانہ آمدنی اٹھانوے ہزار روپے تھی یہ اس زمانے کی بات ہے جب کہ ایک روپیہ میں ایک من گیہوں اور ڈیڑھ روپے میں ایک من دودھ ملا کرتا تھا، برٹش دور حکومت میں آپ کے اہل خاندان کئی وسیع علاقوں کے مالک تھے۔ عموماً اہل مال وحکومت کے شہزادے دنیا کی عیش وطرب میں مشغول ہوجاتے ہیں اور دین وسنت کی جانب توجہ نہیں کرتے۔ اپنے ہمعصروں کے درمیان اپنی امارت وثروت پر فخر

کرتے ہیں لیکن مجاہد ملت علیہ الرحمہ نے کبھی بھی اپنے کردار وعمل اور نشست و برخاست سے بھی اس کا اظہار نہیں ہونے دیا بلکہ ہمیشہ عجز وانکساری کا مجسمہ بنے رہے۔

ابھی آپ کی عمر چار سال ہی تھی کہ باپ کے سایۂ شفقت وعاطفت سے محروم ہوگئے اور آپ کے مشفق چچا عبدالدیان صاحب نے آپ کی ایسی تربیت و پرورش کی کہ یتیمی کا احساس ہونے نہیں دیا۔ اپنے مرحوم بھائی کی نیک خواہشات کی تکمیل کے لئے سلسلہ تعلیم کا آغاز کرایا، آٹھویں کلاس کے بعد آپ نے اپنے خوشبخت بھتیجے کو مولانا عبدالعزیز صاحب اجمیری کے حوالے کیا۔ کافیہ تک کی تعلیم مکمل ہوئی اور مدرسہ حمیدیہ دھام نگر میں قابل اور ذی صلاحیت اساتذہ کی رہنمائی میں تعلیمی ارتقائی منازل کا سلسلہ شروع ہوا۔ اور مولانا عبدالصمد، مولانا شفقت مرادآبادی، مولانا عبدالحمید، مولانا انجم الحسن، مولانا منیرالدین اور مولانا عبدالرحمٰن جیسی عظیم شخصیات کے گلشن علم وادب سے کئی سالوں تک گل چینی کرتے رہے بقول، مرض بڑھتا گیا جوں جوں دوا کی، آپ کی علم وفن کی جستجو وطلب بڑھتی گئی اور علمی تشنگی روز فزوں ہوتی گئی اور کسی بحر ذخار کی تلاش میں سرگرداں رہے۔ جوئندہ یابندۂ بالآخر ایک ایسے بحر بیکراں کو پانے میں کامیاب ہوگئے جہاں ہر تشنہ کو سیرابی ملتی ہے، ہر گم گشتہ کو منزل مقصود تک پہنچا دیا جاتا ہے۔ جو بیک وقت زینت بزم علماء بھی ہیں تو رونق محفل صوفیاء بھی، قضاء وافتاء کے تاجدار بھی ہیں تو معقولات ومنقولات کے شہریار بھی جن کی تدریسی مہارت کا اظہار صدر یار جنگ حبیب الرحمٰن خاں شیروانی نے اس طرح کیا ہے۔

''میرا جو ذاتی تجربہ ہے وہ یہ کہ جس کو مدرس کہتے ہیں وہ ہندوستان میں چار پانچ سے زائد نہیں ان میں سے ایک مولوی امجد علی صاحب ہیں''

اور جن کے لئے حجۃ الاسلام نے کسی موقعہ پر ارشاد فرمایا:

''مولانا امجد علی صاحب جوابات دے رہے تھے تو ایسا معلوم ہو رہا تھا کہ ایک دریائے ذخار ہے جو موجیں مار رہا ہے'' اور امام احمد رضا جیسی عبقری شخصیت نے جن کے لئے فرمایا:

''امجد علی کو درس نظامی کے تمام فنون میں کافی دسترس حاصل ہے اور فقہ میں تو ان کا پایہ بہت بلند ہے''

چنانچہ مجاہد ملت نے شہر اجمیر کا رخت سفر باندھا اور خواجہ غریب نواز کی برکتوں کے سایہ میں حضرت صدر الشریعہ کے خرمن علم وادب سے خوشہ چینی کرنے لگے۔ اور مفسر قرآن حضرت صدر الافاضل علیہ الرحمہ سے طب اور حدیث کی کتابیں پڑھیں۔ ان شہرۂ آفاق اساتذہ نے آپ کو علم وفن کا سمندر بنا دیا

درس وتدریس:

اپنے استاذ گرامی حضرت صدر الافاضل علیہ الرحمہ کے حکم کی تعمیل کرتے ہوئے آپ نے جامعہ نعیمیہ مرادآباد میں پڑھانا شروع کیا، میدان تدریس میں کامیابی کے تین اہم ذرائع ہیں، شخصیت، علمی عظمت، طرز

تدریس، شخصیت ایک بنیادی خصوصیت ہے مگر اس کے ساتھ ہی علمی عظمت بھی ضروری ہے شخصیت کا جادو تادیر قائم نہیں رہتا علمی عظمت اس کو دوام عطا کرتی ہے، جہاں یہ مفقود ہوتی ہے شخصیت بے معنیٰ ہو کر رہ جاتی ہے بلکہ تدریس کا بنیادی عنصر یہی ہے، شخصیت کی جاذبیت اور علمی عظمت کے ساتھ ہی طرز تدریس بھی نرالا اور دلنشیں ہو تو فن تدریس کے معجزے رونما ہوتے ہیں نئے نئے علمی ابواب کھلتے ہیں اور سامعین مسحور ہو کر گرویدہ ہو جاتے ہیں جب اس تناظر میں حضور مجاہد ملت کی حیات کا مطالعہ کیا جاتا ہے تو آپ کی حیات میں یہ تینوں صفتیں آفتاب و ماہتاب کی طرح واضح و روشن نظر آتی ہیں۔ جب آپ طلبہ کو درس دیتے متعلقہ سبق کی ایسی جامع تشریح فرماتے کہ اس کا ہر پہلو الم نشرح ہو جاتا اور مضمون کا ہر رخ ایسا بے نقاب ہوتا کہ طلبہ کو نافہمی یا نارسائی کا کوئی شکوہ باقی نہیں رہتا۔ ہر ممکن کوشش ہوتی کہ کوئی طالب علم ذہنی گرہ لے کر نہ اٹھے۔

اس میدان کے آپ شہسوار تھے، جہان تدریس میں آپ کی طوطی بولتی تھی، آپ کے ہم سبق حضرت صدر العلماء شارح بخاری علامہ سید غلام جیلانی میرٹھی علیہ الرحمہ فرماتے ہیں:

''مجاہد ملت مولانا الحاج حبیب الرحمٰن صاحب مدظلہ جن کا فقیر احسان مند بھی ہے کہ زمانہ تحصیل میں خیر آبادی نایاب حواشی عاریۃً برائے مطالعہ عنایت فرمائے تھے اور محقق دوانی کی غیر مطبوعہ حواشی برائے تحصیل، آپ درس نظامیہ کے پختہ کار استاد ہیں آپ نے چند سال مدرسہ سبحانیہ الہ آباد میں لوجہ اللہ خدمات صدارت انجام دیں، قدرت نے نبوی صفت " عزیز علیه ما عنتم "کا آپ کو مظہر بنایا تھا۔

شعر: خنجر لگے کسی پہ تڑپتے ہیں ہم میر سارے جہاں کا درد ہمارے جگر میں ہے

تدریس کو خیر باد کہکر مجاہدۂ تبلیغ میں مصروف ہو گئے، آپ کے مسند درس پر رونق افروز نہ ہونے سے بڑی کمی محسوس ہو رہی ہے''

فن حدیث میں بھی آپ کو کافی عبور حاصل تھا، اس کا اندازہ آپ کے مشاہیر تلامذہ سے ہوتا ہے، بانی جماعت اسلامی کے خود ساختہ مجتہد نے جب پاکستان میں اپنی حدیث دانی کا ڈھنڈورا پیٹنا شروع کیا اور عوام الناس کو اپنے دام تزویر میں پھنسا کر ان کے دین وایمان پر شبخون مارنا چاہا اور ہندوستان میں بھی ان کے چیلوں نے اپنے خود ساختہ مجتہد کا خطبہ پڑھنا شروع کیا تو مجاہد ملت نے بروقت اس کو چیلنج کرتے ہوئے ارشاد فرمایا:

''فقیر (حبیب الرحمٰن) کی گزارش ہے کہ چودھویں صدی کے خود ساختہ مجتہد جناب مولانا مودودی صاحب ہندوستان آکر بجائے تمام احادیث کریمہ جن پر کامل عبور ایک مجتہد کے لئے ضروری ہے صرف ایک حدیث کے متعلق فقیر کے تمام سوالات کا شافی جواب دیدیں تو علاوہ سفر خرچ کے فقیر ایک ہزار روپیہ انعام پیش کرے گا'' (چند سطروں کے بعد) لہٰذا جماعت اسلامی ہند کے تمام ذمہ داروں سے گزارش ہے کہ وہ اپنے خود ساختہ مجتہد صاحب کو ہندوستان بلائیں اور تحقیقات کا مظاہرہ کریں اور حقیقت کے ظاہر ہونے پر اس گمراہی سے تو

یہ کرلیں۔وما علینا الا البلاغ

میدان مناظرہ کا عظیم الشان فاتح:

حضور مجاہد ملت ایک مثالی مناظر تھے، کاروان اہلسنت کے انتہائی کامیاب وکیل تھے، مناظرے کے ہر میدان میں آپ نے حقانیت و فتح یابی کا پرچم لہرایا اور اپنی فرخندہ پیشانی پر فتح و نصرت کا سہرا سجایا۔ایک کامیاب مناظر کو کتنی خوبیوں کا حامل ہونا چاہئے۔مولانا مبارک حسین مصباحی لکھتے ہیں:

''ایک کامیاب مناظر کے لئے صرف اتنا ہی کافی نہیں کہ زبان وبیان پر قدرت رکھتا ہو بلکہ اس کے لئے بنیادی طور پر یہ ضروری ہے، معقولات ومنقولات پر تبحر ہو اسلامی اور عربی علوم وفنون پر عبور ہو، ذہین اور حاضر ودماغ ہو، وسیع المطالعہ اور قوی الحافظہ ہو، تاریخ اور احوال زمانہ سے باخبر ہو، اپنے علماء کی تصانیف پر نظر ہو، اپنے بنیادی عقائد اور ان کے دلائل از بر ہوں، متحمل المزاج اور بلند حوصلہ ہو، حریف کے عقائد اور ان کے نقائص سے آگاہ ہو، حریف کی شاطرانہ چالوں پر عقابی نظر رکھتا ہو، موضوع مناظرہ کی تمام بحثوں کا استحضار ہو، تحقیقی اور الزامی جواب پر قادر ہو، حملہ اور دفاع کی بروقت صلاحیت رکھتا ہو''

حضور مجاہد ملت کی ذات میں یہ تمام خوبیاں نجوم فلک کی طرح جگمگاتی ہوئی نظر آتی ہیں، ان کے دور کے اکثر مناظروں میں آپ صدر انجمن رہے، اور آپ کی صدارت میں مناظرے ہوتے تھے، اہلسنت کے مناظر کو آپ سے کافی فیض ملتا تھا۔

احقاق حق وابطال باطل:

آپ نے احقاق حق اور ابطال باطل میں کسی کی پرواہ نہیں کی، بلاخوف لومۃ لائم تبلیغ حق کر کے افضل الجہاد اعلاء کلمۃ الحق عند السلطان الجابر پر عمل پیراں ہو کر دوسروں کے لئے نمونہ عمل بن گئے کبھی بھی کسی معاملہ میں کوئی مداہنت گوارہ نہ کی جس کی وجہ سے آپ کو مشکلات اور پریشانیوں کا بھی سامنا کرنا پڑا اور آپ نے خندۂ پیشانی سے ان مصائب وآلام کر مرحبا کہا اور مذہب وملت کے خیابانوں اور مرغزاروں کو اپنے خون جگر سے سیراب کیا، عرب میں قاضی حرم سے جو آپ نے حق کی سربلندی کے لئے مناظرہ کیا تھا وہ آج بھی تاریخ کے صفحات میں سنہرے حروف سے لکھا ہوا ہے۔

آپ کی جرأت خداداد کا بین ثبوت وہ واقعہ بھی ہے کہ آزادی کے بعد آپ نے الہ آباد، غازی پور اور سلطان پور میں مسٹر گاندھی کے خلاف سخت لب ولہجہ اختیار کیا اور قوم مسلم کو اس کے دام تزویر سے بچنے کی ہدایت کی اور مسٹر گاندھی کے نظریات کی سخت مخالفت کی۔سوئے اتفاق کہ تینوں جگہوں پہ آپ کے خلاف مقدمہ دائر کیا گیا کچھ دنوں مقدمات چلتے رہے اور پھر ہائی کورٹ الہ آباد میں سارے مقدمات آگئے جج کی خواہش ہوئی کہ اس

مردِ مجاہد حق آگاہ کو دیکھا جائے کہ جس نے بابائے وطن کے خلاف اس دلیری اور جرأتمندی کا اظہار کیا چنانچہ آپ تشریف لے گئے، آپ کے احباب و متعلقین کو خدشہ تھا کہ کہیں سزا نہ ہو جائے لیکن آپ کی جبین استقلال و استقامت پر کوئی شکن نہ تھی بالآخر جج نے کچھ گفتگو کرنے کے بعد فیصلہ سنا دیا۔

''چونکہ یہ ملک سیکولر ہے اور آزادیٔ رائے کی ہر شخص کو اجازت ہے لہٰذا مولانا حبیب الرحمٰن قادری پر کوئی فردِ جرم عائد نہیں ہوتا''

فسادات میں مسلمانوں پر مظالم اور ان کے مالی نقصانات پر آپ نے حکومت وقت کو للکارا اور حکومت وقت کے سایے میں مسلم کش فسادات پر احتجاجی جلوس نکالے، کانفرنسیں منعقد ہوئیں، جگہ جگہ تقریریں کیں جس کے پاداش میں کئی بار آپ جیل بھی گئے، اور سلطانپور رائے بریلی اور اڑیسہ کی کئی جیلوں میں اپنی حیات کے قیمتی اوقات گزارے اور آج بھی وہاں کی در و دیواریں آپ کی صداقت و حق گوئی پر گواہ ہیں۔

کل ہند تبلیغ سیرت:

ملت کے اس مرد قلندر کی دینی، قومی اور ملی خدمات کا دائرہ بہت وسیع ہے ہندوستان کے مختلف صوبوں میں آپ نے دینی مدارس اور کئی مساجد کی تعمیر کرا کے قوم مسلم میں دینی جذبات بے دار کیا ہے۔ اور اس کے دوررس نتائج کے حصول کے لئے آپ نے کل ہند تبلیغ سیرت کی داغ بیل ڈالی آج بھی ہندوستان کے متعدد صوبوں میں اس کی ذیلی تنظیمیں قائم ہیں اور مبلغین مذہبی تنظیم و تبلیغ کی خدمات میں مصروف ہیں اور تحفظ دین فطرت اور ہر محاذ پر صیانت و حمایت قوم و ملت کا فریضہ انجام دے رہے ہیں۔

کل ہند تبلیغ سیرت کے اغراض و مقاصد کا چشم بصیرت سے اگر مطالعہ کیا جائے تو پتہ چلتا ہے کہ حالات کی نزاکتوں سے اہل اسلام کو باخبر کرنے اور دشمنان اسلام کی ریشہ دوانیوں سے اسے بچانے کے لئے ملت کے اس مرد مجاہد میں کتنی تڑپ تھی اور کتنا اضطراب تھا۔

آل انڈیا تبلیغ سیرت کے اغراض و مقاصد:

(۱) مسلمانوں کے اصلاح و اعمال و تنظیم و اتحاد کی کوششیں۔

(۲) ہر زبان جس میں اسلامیات کا عظیم الشان ذخیرہ ہے اس کی بقا و تعلیم کی تدبیریں۔

(۳) اصلاح و ترقی مدارس، تمام مدارس اسلامیہ دینیہ کو منظم کر کے ان کے نصاب میں یکسانیت پیدا کرنے کی صورتیں

(۴) مساجد و مقابر اور خانقاہوں اور مسجدوں و قبرستان کو ہر قسم کی دست برد سے بچانے اور ان کو ان کے مصرف پر لگانے کے لئے جد و جہد۔

(۵) اشاعت و تبلیغ، انجمن کے مقاصد سے روشناس کرانے کے لئے پریس اور اخبار جو کانفرنس کا

ترجمان ہو جاری کرنے کی تدبیریں، اور ملک کے ہر حصہ میں انجمن کی شاخوں کے بڑھانے کے لئے جدوجہد۔

تحریک خاکساران حق:

دین وایمان، جان ومال اور عزت وآبرو کے ساتھ زندگی گزارنے کے لئے آپ نے اپنی عمر کے اخیر دور میں ایک ملک گیر تحریک بنام تحریک خاکساران حق کی داغ بیل ڈالی۔

مولانا یٰسین اختر صاحب مصباحی رقمطراز ہیں:

''تحریک خاکساران حق کے نام سے آپ نے ایک ہندوستان گیر تنظیم کی داغ بیل ڈالی، اور ملک کے مختلف حصوں میں ہزاروں سرگرم وکلا، دانش ور، پروفیسر، ڈاکٹرس اور سماجی قائدین اس کے باقاعدہ رکن منتخب ہوئے اس تحریک نے دینی جلسوں کانفرنسوں اور مختلف قومی ومذہبی تقریبات اور اعراس بزرگان دین میں اپنی رضا کارانہ خدمات سے اہل ملک کو کافی حد تک متوجہ کیا اور مسلمانوں میں ولولہ انگیز اور ایک طاقت ور اجتماعی زندگی کی راہیں ہموار کیں''

ارباب حکومت وقت کے سامنے حق گوئی وبے باکی کا عالم یہ تھا کہ ۱۹۷۷ء کے ہنگامہ خیز الیکشن کے موقعہ پر آپ نے اپنے چند جانثاروں کے ساتھ دہلی میں حکومت وقت کے خاص اہم وزیروں اور اراکین کے سامنے بے خوف وخطر فرمایا:

''تیئس ۲۳ رسال سے جتنے فسادات ہوئے، سب کانگریس نے کرائے، جتنے بچے یتیم ہوئے اور جتنی عورتیں بیوہ ہوئی سب تمہاری پارٹی اور پولس نے کیا میں تمہاری پارٹی میں شریک ہونے نہیں آیا ہوں، صرف ایک دینی ضرورت کے تحت یہاں آیا ہوں''

اس حق گوئی کا کانگریسی وزیروں میں اتنا اثر ہوا کہ شام کو عبدالرحمٰن انتولے کا بیان آیا جس میں انہوں نے کہا:

''مولانا حبیب الرحمٰن قادری مسلمانوں کے ایک بہت بڑے طبقہ کے عظیم رہنما اور ان کے دینی پیشوا ہیں، ان کے ماننے والوں کی ایک زبردست تعداد پورے ملک میں پائی جاتی ہے''

ملک وقوم کی حفاظت وصیانت اور خصوصاً فسادات میں بےقصور لوگوں پر ظلم وبربریت کے خلاف آپ نے سنی علما کی قیادت کرتے ہوئے ایک چھ نکاتی مطالبات کا خاکہ ارباب حکومت کو پیش کیا، وہ دور الیکشن کا تھا کانگریس نے وعدہ کرلیا کہ بعد الیکشن یہ مطالبات مان لئے جائیں وہ چھ نکاتی مطالبات کچھ (حذف واضافے کے ساتھ) مندرجہ ذیل ہیں:

(۱) کوٹھاری کمیشن نے تعلیمی اداروں کو بغیر رجسٹریشن قائم کرنے کو جرم بتایا ہے۔ اس کو نامنظور کیا جائے

(۲) دفعہ ۳۰ جس میں اقلیتوں کے حقوق کے تحفظ کی ضمانت دی گئی ہے۔ اس میں ترمیم وتبدیل نہ کی جائے۔

(۳) مسلمانوں کو غیر اسلامی پابندی سے مستثنیٰ قرار دیا جائے۔

(۴) ملک میں جو مساجد غیر مسلموں کے قبضہ میں ہیں ان کی واگذاری کی جائے۔

(۵) فرقہ وارانہ فسادات میں جانی اور مالی نقصان کا معاوضہ دیا جائے۔ اور وہاں کے کلکٹر اور اعلیٰ عہدیداروں اور سازش میں ملوث افسران کو برخاست کرکے ان پر مقدمہ چلایا جائے۔

(۶) ایک کمیشن علماء کا قائم کرے جس میں "آل انڈیا تبلیغ سیرت" کے منتخب علما کو رکھ کر ان کے مشورے پر حکومت مسلمانوں کے مذہبی معاملات پر عمل درآمد کرے۔

المشتہر: خادم فقیر محمد حبیب الرحمٰن قادری غفرلہ صدر آل انڈیا تبلیغ سیرت و امیر کل ہند تحریک، خاکساران حق۔

یقیناً حضور مجاہد ملت قوم وملت اور ملک وطن کے سچے ہمدرد تھے، اور اس کی ترقی وخوشحالی کے لئے اور ملت اسلامیہ کے سربلندی وسرفرازی کے لئے آپ نے بے لوث خدمت کی، ان کی پوری زندگی اسی کام کے لئے وقف ہوگئی، دھوکہ بازی وفریب کاری، خیانت وبدعہدی اور ضمیر فروشی، حرص اقتدا کو انہوں نے اپنی سیاست میں جگہ نہ دی جو بھی کام کیا صرف اور صرف رضائے خداوندی کے لئے کیا۔

حضرت مولانا یٰسین اختر مصباحی تحریر فرماتے ہیں:

"آپ کی پاکیزہ شخصیت بے داغ زندگی، اور اس کی بے لوث جدوجہد کے نقوشِ جمیل الہ آباد و کان پور، پٹنہ، جبل پور، کٹک اور ممبئی سے لے کر کلکتہ تک خورشید سحر کی طرح تابناک ہیں جن میں نہ سیاسی سربلندی وسرفرازی کی ہوس ہے اور نہ قیادت کی خواہش اور لپک، بلکہ بے نفسی اور اخلاص قلب کے ساتھ ہر موڑ پر آپ سامنے آئے اور مسلمانوں کو آبرومندانہ زندگی بخشنے کے لئے اپنی ساری صلاحیتیں صرف کرکے مخالفانہ ماحول اور نازک حالات میں بھی سینہ سپر ہو کر اپنی عدیم النظیر جرأت وجسارت سے قوم کے نوجوانوں کو درس شجاعت دیتے رہے۔ (چند سطروں کے بعد) دھوکہ بازی وفریب کاری، خیانت وبدعہدی اور کذب بیانی، ضمیر فروشی جو عصر حاضر کی سیاست کا خمیر ہے اس سے کبھی آپ کی زبان آلودہ نہ ہوئی اور نہ ہی ایسے خیالات کو کبھی دل میں جگہ دی، شب وروز آپ مسلمانوں کے پیچیدہ مسائل میں الجھے رہے اور فکر امت ہی میں غلطاں وپیچاں رہے یہی ان کی غذا اور ان کی خوراک تھی"

بیعت وخلافت اور اجازت:

حضرت علامہ عبدالکافی علیہ الرحمہ سے آپ سلسلہ قادریہ، نقشبندیہ مجددیہ میں بیعت ہوئے اور احسن العلماء حضرت مولانا شاہ حکیم محمد احسن علیہ الرحمہ نے مذکورہ سلاسل کی اجازت وخلافت عطا فرمائی۔

حضرت شیخ المشائخ سید علی حسین اشرفی میاں کچھوچھوی علیہ الرحمہ نے بھی آپ کو سلسلۂ قادریہ، معمریہ

منور یہ اور سلسلہ چشتیہ نظامیہ اشرفیہ کی اجازت وخلافت سے نوازا۔

خلیفہ اعلیٰ حضرت، قطب مدینہ علامہ ضیاء الدین مدنی نے آپ کو حدیث اور دیگر سلاسل کی اجازت مرحمت فرمائی۔ شہزادۂ اعلیٰ حضرت حجۃ الاسلام علامہ محمد حامد رضا خاں نے بھی آپ کو جمیع سلاسل کی اجازت عطا فرمائی۔

حج وزیارت: آپ پر خدا کا بڑا فضل ہوا کہ آپ سات بار زیارت حرمین شریفین سے مشرف ہوئے۔ پہلا حج ۱۳۴۱ھ میں اپنے چچا محترم کے ساتھ ادا کیا۔ دوسرا حج ۱۹۵۵ء میں کیا۔ تیسرا حج ۱۹۵۹ء میں ادا فرمایا۔ چوتھا حج ۱۹۷۳ء میں اور پانچواں ۱۹۷۴ء میں اور چھٹا حج ۱۹۷۹ء میں ساتواں اور آخری حج ۱۹۸۰ء میں ادا فرمایا:

مشاہیر تلامذہ:

یوں تو آپ کے تلامذہ کی صحیح تعداد نہیں معلوم تاہم ان میں چند مشہور تلامذہ یہ ہیں:

(۱) شمس العلماء علامہ مفتی محمد نظام الدین صاحب، شیخ الحدیث مدرسہ خیریہ سہسرام

(۲) حضرت علامہ عبد الرب صاحب، صدر کل ہند خاکساران حق۔

(۳) حضرت علامہ الحاج نعیم اللہ خاں علیہ الرحمہ۔

(۴) حضرت علامہ عبد القدوس صاحب، مفتیِ اعظم بھدرک۔

(۵) حضرت مولانا معین الدین صاحب شیخ الحدیث جامعہ عربیہ سلطانپور۔

(۶) سلطان المناظرین حضرت علامہ مشتاق احمد نظامی۔

(۷) حضرت علامہ صوفی مسعود حسین صاحب مرادآبادی۔

(۸) حضرت علامہ مجیب الرحمٰن بھاگلپوری۔

(۹) حضرت علامہ قاری سید مقبول حسین صاحب، خطیب ومفتی شہر الہ آباد۔

(۱۰) عالم ہفت زبان حضرت علامہ الحاج عاشق الرحمٰن صاحب، قبلہ رکن فیصل بورڈ

وصال: ۶/ جمادی الاولیٰ ۱۴۰۱ھ ۱۳/ مارچ ۱۹۸۱ء کو بعد نماز عصر پانچ بج کر ۴۵/ منٹ پر یارسول اللہ یا غوث کے فرحت بخش کلمات نوریہ کے ساتھ اس جہان فانی سے رخصت ہوئے۔ دھام نگر میں آپ مدفون ہوئے مزار مبارک زیارت گاہ عوام وخواص ہے ہر سال ۶/۵/ جمادی الاولیٰ کو بڑے ہی تزک واحتشام کے ساتھ عرس کی تقریبات منائی جاتی ہیں۔ جس میں علمائے کرام ومشائخ عظام کے ساتھ عوام وخواص شرکت کرتے ہیں اور اپنے خالی دامنوں کو گوہر مراد سے بھر کر لوٹتے ہیں۔

ہرگز نمیرد آنکہ دلش زندہ شد بعشق ثبت ست بر جریدۂ عالم دوام ما

(۴) شمس العلماء

۲۸ فروری ۱۳۲۲ھ مطابق ۵/ مارچ/ ۱۹۰۵ء بروز دوشنبہ شیراز ہند شہر جونپور کے ایک معزز اور علمی خاندان میں آپ کا تولد ہوا کہا جاتا ہے جونپور شاہان شرق کا تقریباً ایک صدی تک پائے تخت رہا۔ اور یہیں سے مشرقی بادشاہوں نے اپنی حکومت کا آغاز کیا اور اس کو اپنا مرکز بنایا۔ اصحاب علم وفن کی آماجگاہ ہونے کی وجہ سے اس شہر کو ''شیراز ہند'' کے دلکش اور دلنواز خطاب سے یاد کیا جاتا ہے۔

آپ کا سلسلۂ نسب حضرت جعفر طیار رضی اللہ عنہ سے ملتا ہے اس لئے آپ کے اہل خاندان اپنے نام کے ساتھ ''جعفری'' لکھتے ہیں اور اپنے آپ کو جعفری کہتے ہیں۔ جبکہ آپ کا اسم گرامی شمس الدین احمد ہے۔ آپ کے جد امجد اعلیٰ تعلیم یافتہ تھے اور انگریزی زبان میں کافی درک رکھتے تھے حکومت کے محکمۂ پولس میں افسر تھے اور ان میں امتیازی خوبیوں کے حامل تھے۔ جونپور کا پورا علاقہ آپ کو جانتا تھا اور چونکہ نرم دل اور منکسر المزاج تھے، لوگوں کی تکلیف ومصیبت میں ان کا تعاون کرتے تھے، اس لئے جونپور اور اس کے مضافات کے لوگوں میں کافی عزت تھی۔ محکمۂ پولس کا عوام الناس میں جو ایک خاکہ ہے کہ بدطینت، بدخلق، سرشت اور سخت گالی گلوچ کرنے والے ہوتے ہیں، ان افعال قبیحہ سے آپ کو دور دور تک کوئی تعلق نہ تھا، آپ کے والد گرامی عالی جناب نظیر الدین صاحب مرحوم بھی اچھے تعلیم یافتہ ہونے کے ساتھ صاحب قلم وقرطاس تھے، دیندار اور امانت دار تھے۔ لوگوں کے دلوں میں آپ کا کافی احترام تھا اپنے والد گرامی کی طرح آپ بھی قوم کے ہمدرد اور خلوص وفا کے پیکر تھے۔

حضرت مولانا شمس الدین صاحب کو آپ کے ہم سبق حضرت مولانا سردار احمد محدث اعظم پاکستان، حضرت جلالۃ العلم حضور حافظ ملت حضرت مجاہد ملت مولانا حبیب الرحمٰن صاحب اور دیگر رفیقان درس ''قاضی صاحب'' کے اہم اور خوبصورت لفظ سے پکارا کرتے تھے اور علمائے اہلسنت نے آپ کے زہد وتقویٰ، علم وعمل، اخوت ومروت اور تصلب فی الدین کی وجہ سے آپ کو ''شمس العلماء'' کا خطاب عظیم دیا تھا۔

تعلیم وتعلم:

اپنے والد گرامی سے آپ نے اردو، فارسی اور انگریزی کی ابتدائی تعلیم حاصل کی اور ۱۹۱۶ء میں جونپور کے مشہور ہائی اسکول ''مشن ہائی اسکول'' میں داخلہ لیا اور تقریباً پانچ سالوں تک آپ نے وہیں تعلیم حاصل کی اور ۱۹۲۳ء میں ہائی اسکول چھوڑ کر درس نظامی کی تعلیم کے لئے مدرسہ فاروقیہ جونپور میں داخلہ لیا، دوسال تک درس نظامی کی ابتدائی کتابیں پڑھتے رہے اور طلبہ میں ایک امتیازی مقام حاصل کرلیا۔ اعلیٰ تعلیم کی حصولیابی کے لئے مرادآباد کا رخت سفر باندھا اور ۱۹۲۵ء کو مفسر قرآن صدر الافاضل حضرت مولانا سید نعیم الدین علیہ الرحمہ جیسی

عبقری شخصیت کی بارگاہ میں حاضر ہوئے تقریباً ایک سال تک حضرت کے علمی فیضان سے فیضیاب ہوتے رہے ۔ ۱۹۲۶ء میں عطائے رسول سلطان الہند حضرت خواجہ غریب نواز علیہ الرحمۃ والرضوان کے نورانی دربار میں مدرسہ اجمیر شریف تشریف لائے اور حضرت صدر الشریعہ علیہ الرحمہ جیسی شہرۂ آفاق شخصیت سے تعلیم حاصل کرنے لگے حضرت صدر الشریعہ نے اپنے اس تلمیذ ارشد کو علوم وفنون کے مدارج عالیہ تک پہنچادیا۔ فقہ، اصول فقہ، حدیث، اصول حدیث، تفسیر، اصول تفسیر اور علوم عقلیہ ونقلیہ کی منتہی کتابیں آپ نے ہی پڑھائیں۔ اور جب صدر الشریعہ علیہ الرحمہ دوبارہ بریلی شریف منظر اسلام میں صدر المدرسین اور شیخ الحدیث کے عہدۂ جلیلہ پر فائز ہوئے تو آپ بھی اپنے مشفق وکرم فرما اور ہمہ جہت استاد گرامی کے ساتھ بریلی شریف آگئے اور منظر اسلام میں داخل ہو کر تقریباً ایک سال تک اپنے استاد گرامی کے گلستان علم وادب سے گل چینی کرتے رہے۔ اور شہزادگان اعلیٰ حضرت علیہما الرحمہ سے روحانی فیضان حاصل کرتے رہے۔

بیعت وخلافت:

آپ کو ایک ایسی ذات فیض مآب سے شرف بیعت حاصل ہے جن کی جلالت علمی اور رفعت روحانی ہر کہہ ومہ پر واضح ہے۔ جن کے فضل وکمال کا ایک جہاں معترف ہے اور آج بھی جن کا نام حق وباطل کے درمیان خط امتیاز ہے۔ ۱۴ رسال کی عمر میں اپنے عم محترم کے ساتھ بریلی شریف حاضر ہو کر امام احمد رضا خاں علیہ الرحمہ کے دست حق پرست میں ہاتھ دے کر سلسلہ قادریہ میں داخل ہو گئے اور جب آپ منظر اسلام سے فارغ ہوئے اور مشائخ کرام نے آپ کو وراثتِ نبوی کا حسین وزریں تاج عنایت فرمایا تو تاجدار اہلسنت حضور مفتی اعظم ہند علیہ الرحمہ نے آپ کو خلافت سے نوازا۔

درس وتدریس:

دار العلوم مظہر اسلام بریلی شریف، جامعہ نعیمیہ مراد آباد، جامعہ منظر حق ٹانڈہ مدرسہ حنفیہ جونپور، دار العلوم اشرفیہ مبارک پور اور جامعہ حمیدیہ رضویہ بنارس جیسی ملک کی عظیم اور شہرۂ آفاق درسگاہیں آپ کے درس وتدریس کی زینت بنیں۔ اور آپ نے ان درسگاہوں میں جلوہ بار ہو کر اپنے علوم وفنون کے بحر بے کراں سے تشنگان علوم کو سیراب کیا۔ بہت سے دیگر مدارس سے سند فراغت حاصل کرنے والوں نے بھی آپ کے خرمن علم وادب سے خوشہ چینی کی ہے۔

آپ کی تدریس کا انداز بہت مؤثر ہوتا۔ سراپا سپاس، ہمہ تن عقیدت اور ہر پہلو جمال وکمال ان کے تدریسی انداز کے عمومی مظاہر تھے۔ موضوع ومتن کی وضاحت میں استشہادات کا ایک طویل سلسلہ اور معانی ومطالب کی صداقت وتائید کے لئے نظائر وامثلہ کا بے تکان بیان آپ کے درس وتدریس کی خصوصیات تھیں۔ بتایا جاتا ہے کہ نظر اتنی مردم شناس تھی کہ طالب علم کے ذوق وشوق اور سطح ذہن کا خیال رہتا۔ چنیدہ وسلیس الفاظ، ان

میں وضاحت فصاحت کلام کے مطابق ہوتی۔ طالب علم جب عبارت پڑھتا اس پر پوری توجہ رکھتے انداز قرأت، اسلوب تکلم، حرکات واعراب پر گہری نگاہ ہوتی اور پھراس کے بعد تشریحات وتوضیحات کالمحہ آتا ترجمہ وتفہیم کا حق ادا ہوتا، صراحۃ النص سے مسائل اخذ کئے جاتے اور پھر اشارات وکنایات کی بنیاد پر مطالب کا بے پایاں دفتر کھل جاتا، علوم عقلیہ ونقلیہ پر آپ کو اچھا عبور حاصل تھا۔ ہمہ جہت آپ کی شخصیت تھی۔

مولانا خالد علی رضوی نے آپ کے کمالات علمی کا اس طرح اظہار کیا ہے:

’’خلاق کائنات نے آپ کو علوم ابن عربی کی تابش بھی دی، سوز رومی بھی عشق جامی بھی، فلسفۂ رازی بھی، حکمت غزالی بھی، کمالات سعدی بھی، شان رضا بھی، لب ولہجہ عیاض بھی، علامہ بوصیری کا خلوص بھی، محقق دہلوی کی ضیاء بھی، فقیہانہ عظمت بھی، عالمگیری وقار بھی، شاہانہ طمطراق بھی، فقیرانہ سادگی بھی، عالمانہ رعب ودبدبہ بھی، فاضلانہ فضل وبرتری بھی اور قلندرانہ مزاجی بھی‘‘

بلاشبہ قاضی شمس الدین صاحب کی ذات اپنے پرشکوہ کمالات اور گوناگوں فضائل واوصاف میں ممتاز ومنفرد ہے جہانِ سنیت میں آپ کی ذات تعارف کی محتاج نہیں ہے۔

مولانا خالد علی رضوی رقمطراز ہیں:

’’آپ دنیائے علم وفضل کے وہ تاجور تھے جن کی دہلیز پر ہر علم وفن پہرہ دیتے تھے، اور جہانِ دانش وبینش کے وہ شہنشاہ تھے جن کی چوکھٹ پر تحقیق وتدقیق کی ایک فوج کھڑی رہتی تھی، زبان ہو یا قلم جس کو بھی جنبش ہوتی علم وحکمت کے موتی لفظوں کے پیکر میں ڈھلنے لگتے، توجہ فرماتے تو خفتہ مضامین ومعانی، بیدار ہو کر صف بصف کھڑے ہو جاتے، آپ مسلک اہل سنت کے ایسے نکتہ داں، نکتہ رس نکتہ سنج، نکتہ شناس، نکتہ نواز، نکتہ بیں ونکتہ آفریں عالم تھے جن کی فکر کی پرواز فلک بوس، اور علم کا اعجاز ہمہ گیر تھا، دقائق لطیفہ ہوں کہ اشارات بلیغہ، نکات دقیقہ ہوں کہ لطائف لفظیہ، کنایات فرقانیہ ہوں کہ اسرار علمیہ، دلائل کافیہ ہوں کہ براہین شافیہ،،، مضامین عالیہ ہوں کہ معانیٔ نادرہ، گل افشانی افکار ہو کہ درافشانی گفتار، رعنائی تقریر ہو کہ زیبائی تحریر، عالمانہ اعتراضات ہوں کہ فاضلانہ جوابات، شان افہام ہو کہ عظمت تفہیم، متکلمانہ طریقۂ استدلال ہو کہ مناظرانہ انداز خطاب، ان سب کی ناظورۂ زیبا آپ کی عظمت ماب بارگاہ میں دست بستہ باادب باقرینہ سلامی کے لئے برافگندہ نقاب حاضر رہا کرتی تھیں‘‘

تحدیث نعمت کے بطور آپ نے ایک بار ارشاد فرمایا ’’جس جگہ بٹھایا گیا ہوں وہ رازی اور غزالی کہ جگہ ہے اگرچہ میں ان کی نیابت کا اہل نہیں تاہم اسلام وسنیت سے متعلق جس دن کسی اعتراض کا جواب نہیں دے سکوں گا مسند چھوڑ دوں گا۔‘‘

یقیناً آپ علوم وفنون کے بحر ذخار تھے آپ سے اکتساب فیضِ علمی وروحانی کرنے والوں کی ایک خاصی

تعداد ہے جو آج بھی دین وملت کی خدمات پر لگی ہوئی ہے۔آپ کے تلامذہ میں کچھ ماہرین درسگاہیں تو کچھ صاحبان خانقاہ بھی، کچھ وسیع نظر مفتیان کرام ہیں تو کچھ بالغ نظر مفکرین عظام بھی، کچھ ارباب قلم وصحافت ہیں تو کچھ شہوار خطابت بھی۔

آپ کے کچھ نامور اور مشہور تلامذہ ہیں۔نبیرۂ استاذ زمن امین شریعت علامہ سبطین رضا خاں بریلوی۔ مفتی محمد اعظم صاحب شیخ الحدیث مظہر اسلام بریلی شریف، شیخ الاسلام علامہ سید مدنی میاں زیب سجادہ خانقاہ اشرفیہ کچھوچھہ شریف۔علامہ مفتی زین العابدین۔مولانا نجم الدین صاحب پرنسپل جامعہ حمیدیہ بنارس، مولانا شمس الدین احمد بہرائچ۔مولانا انور علی صدیقی گورکھپور۔

آپ کے اساتذۂ کرام:

آپ کے جدامجد مولانا قمرالدین صاحب۔آپ کے والد گرامی حضرت شیخ نظیر الدین صاحب، آپ کے منجھلے ماموں عالی جناب شیخ نور الحسن صاحب۔مولانا عبدالعزیز صاحب فتح پوری، مولانا سید وصی احمد صاحب سہسرامی مولانا عبداللہ صاحب قندھاری، صدر الافاضل حضرت مولانا سید نعیم الدین صاحب مراد آبادی۔ملک العلماء حضرت مولانا ظفر الدین بہاری، حضور صدر الشریعہ حضرت مولانا امجد علی صاحب علیہم الرحمہ۔

تصانیف:

تصنیف کے تعلق سے آپ کو اپنی قوم کی بے رغبتی اور عدم توجہی کا شکوہ تھا۔جب کوئی آپ سے کسی کتاب کی تصنیف کی درخواست کرتے تو آپ اظہار افسوس کے ساتھ فرماتے''

میں نے تقریباً بیس سال سے کتاب لکھنا چھوڑ دیا ہے اس لئے کہ تم نے اعلیٰ حضرت کی کتابوں کی کیا قدر کی جب ان کے ساتھ تمہارا یہ برتاوا ہے تو میں اپنی کتابوں کے بارے میں تم سے کیا امید رکھوں''

تاہم آپ کی تین تصنیفات منصۂ شہور پر آ کر عوام وخواص کا خراج لے چکی ہیں۔ان کتابوں کو آپ نے مدارس اسلامیہ کے طلبہ اور عوام وخواص کو دینی مسائل سے روشناس کرانے کے لئے تصنیف کی تھی اور وہ یہ ہیں:

قانون شریعت حصہ اول ودوئم:

دو متوسط حصوں پر مشتمل قوانین کا انسائیکلو پیڈیا ہے، ہزاروں دینی مسائل اس کی صفحات کی زینت ہیں، عوام ہوں یا خواص طلبہ ہو یا علماء ہر ایک کے لئے مفید ہے اکثر مسائل حدیث وفقہ کی معتبر ومستند کتب کے حوالوں سے مزین ہیں جو آپ کی اسلامیات پر وسیع معلومات اور بالغ نظری پر واضح اور بین دلیل ہے۔زیادہ تر قوانین شرعیہ کی ثبوت وتائید ہیں دو معتبر ومستند کتابوں کے نام پیش کئے گئے ہیں اور کہیں تین اور کہیں چار پانچ عظیم کتابوں

کے اسماء درج کئے گئے ہیں،، حوالجات میں صرف کتابوں کے نام ہی پر اکتفا کیا گیا ہے ان کی عبارتیں نہیں لکھی گئی ہیں تا کہ عام قارئین کے اذہان منتشر نہ ہو جائے اور مسائل کے سمجھنے میں دقت نہ آئے نہایت شستہ زبان اور سہل انداز اختیار کیا گیا ہے، قانون شریعت کے جامع اور مختصر مقدمے میں آپ خود رقمطراز ہیں۔

''اس کتاب قانون شریعت میں اختلافات وادلہ سے اصلاً تعرض نہ ہوگا کہ شانِ مختصرات کے خلاف ہے اور مبتدیوں وکم علموں کے لئے باعث تحیر واشکال بھی، نیز اس کتاب میں صرف بہت ضروری کثرت سے پیش آنے والے مسائل کو بیان کیا گیا ہے اور ہر مسئلے کا ماخذ سنی حنفی دینیات کی نہایت معتبر ومستند کتابیں ہیں جیسا کہ حوالوں سے ظاہر ہے جہاں تک ہوسکا ہے پیرایۂ زبان وبیان کو بھی بہت سہل کرنے کی کوشش کی گئی ہے، اوراس کوشش میں فصاحتِ زبان کی پروانہیں کی گئی''

(۲) قواعد النظر فی مجالی الفکر:

فن منطق کی اصطلاحات کی تعریفات پر مشتمل ہے مدارسِ اسلامیہ کے طلبہ کے لئے بہت مفید ہے، اس کی تعریفات حفظ کر لینے کے بعد اس فن کی اعلیٰ واہم بحثوں کی تفہیم وافہام آسان وسہل ہو جاتا ہے، اس فن کی منتہی کتابوں سے تعریفات اخذ کی گئی ہیں، جس سے معقولات پر آپ کی گہری نگاہ ہونے کا بین ثبوت ہے۔

(۳) قواعد الاعراب:

اکثر طلبۂ مدارس اسلامیہ کو شرح جامی پڑھنے کے بعد بھی نحوی قوانین کی روشنی میں عبارت خوانی نہیں آتی، یہ کتاب اگر چہ چھوٹی ہے مگر نحو کے اکثر مسائل اور اعراب کے قواعد پر مشتمل ہونے کی وجہ سے بڑی ہے، اس سے عبارت خوانی کی پریشانیوں سے طلبہ کو نجات ملتی ہے۔

نصف صدی تک آپ منصب تدریس پر فائز رہے اور تشنگان علم وادب کو علوم فنون سے سیراب کرتے رہے، علماء وفضلاء کی ایک عظیم فوج قوم کے سپرد فرمائی اور انہیں ایسی استعداد وصلاحیت بخشی کہ وہ ہر میدان میں نمایاں حیثیت سے علم ودین کی خدمات انجام دے سکیں۔ اور آپ اس مقصد عظیم میں کامیاب ہو گئے اور آج آپ کے بہت سے تلامذہ دین متین کی نمایاں خدمات انجام دے رہے ہیں۔

بالآخر علم وحکمت کا یہ نیر تاباں علوم وفنون کی کرنیں بکھیرتے ہوئے یکم محرم الحرام ۱۴۰۲ھ مطابق ۳۰ راکتوبر ۱۹۸۱ء شب جمعہ کو ہمیشہ کے لئے غروب ہو گیا۔ جون پور اپنے آبائی وطن میں آپ کو سپرد خاک کیا گیا۔ مزار مبارک زیارت گاہِ عوام وخواص ہے۔

فنا کے بعد بھی باقی ہے شانِ رہبری تیری
خدا کی رحمتیں ہوں اے امیر کارواں تجھ پر

ماخذ ومراجع

محدث اعظم پاکستان
تذکرہ اکابر اہلسنت
(۳) ہفت روز محبوب حق دسمبر ۱۹۶۳ء
ماہنامہ نوری کرن ۱۹۶۳ء
تین برگزیدہ شخصیتیں
حافظ ملت نمبر
پیغام عمل
ماہنامہ معارف اعظم گڑھ
ماہنامہ اشرفیہ صدر الشریعہ نمبر
ماہنامہ اشرفیہ جون، جولائی ۲۰۰۲ء
یقین کے دو ماہ مبین
معارف رضا جولائی تا ستمبر ۲۰۰۱
تاریخ مشائخ قادریہ حصہ دوم
تذکرہ علما اہلسنت
قانون شریعت
ماہنامہ استقامت جنوری ۱۹۷۸ء
ماہنامہ اعلیٰ حضرت مئی ۱۹۹۵ء

محمد رفیق عالم رضوی
خادم تدریس جامعہ نوریہ رضویہ، باقر گنج، بریلی شریف

صدرالعلماء کے ممتاز شاگرد شارح بخاری

علامہ ومولانا ساحل شہسرامی صاحب (علیگ)

صدرالشریعہ حکیم مفتی محمد امجد علی اعظمی قدس سرہ کے ممتاز شاگرد صدرالعلماء علامہ سید غلام جیلانی علی گڑھی ثم میرٹھی علیہ الرحمہ نادرۂ روزگار فرد امت تھے۔ آپ کی علمی وجاہت، نسبی شرافت، تدریسی سیادت، نحوی امامت اور حدیثی مہارت کا ایک زمانہ قائل ہے۔ نصف درجن سے زائد قیمتی کتابوں کے مصنف ہیں۔ اور ہزاروں تلامذہ کے استاذ جلیل ہیں۔ آپ کے تلامذہ میں محدث بھی ہیں فقیہ بھی، واعظ بھی ہیں سجادہ نشین بھی، مصنف بھی ہیں مناظر بھی۔ متکلم بھی ہیں اور مدرس بھی۔ یہ سبھی علمی فیوض کرشمہ ہیں صدرالشریعہ کی کفش برداری کا۔ اس تحریر میں حضرت صدرالعلماء کے ایک ایسے ہی فیض یافتہ شاگرد کا تذکرہ مقصود ہے، جنھوں نے آپ کی نیازمندی کا حق ادا کر دیا یعنی فقیہ اعظم ہند، شارح بخاری، مفتی محمد شریف الحق امجدی علیہ الرحمہ۔

شارح بخاری مفتی محمد شریف الحق امجدی علیہ الرحمہ نے ربیع الآخر ۱۳۴۰ھ/ ۱۹۲۱ء کی کسی صبح کو اس جہان فانی میں آنکھ کھولی۔ محلہ کریم الدین پور گھوسی کے سادہ طبیعت اور قناعت پسند انسان جناب عبدالصمد صاحب آپ کے والد ماجد تھے اور سکینہ بیگم آپ کی والدہ۔ آپ کے والد ماجد شیخ المشائخ حضرت اشرفی میاں کچھوچھوی علیہ الرحمہ سے بیعت تھے۔ حضرت شارح بخاری چوتھی پشت میں حضرت صدرالشریعہ کے ہم نسب ہو جاتے ہیں۔

شارح بخاری مفتی محمد شریف الحق امجدی علیہ الرحمہ کی ابتدائی تعلیم محلہ باغیچہ کے مکتب میں ہوئی۔ ۱۰ر شوال المکرم ۱۳۵۳ھ کو دارالعلوم اہل سنت مدرسہ اشرفیہ مصباح العلوم مبارک پور میں داخلہ لیا اور حافظ ملت ابوالفیض مولانا شاہ عبدالعزیز محدث مرادآبادی بانی الجامعۃ الاشرفیہ مبارک پور کی خدمت میں رہ کر خصوصی فیض اٹھایا۔ حافظ ملت صدرالعلماء کے رفیق درس ہوتے ہیں۔ صدرا اور حمداللہ جیسی اعلیٰ کتابوں کا درس لینے کے بعد بعض ناگزیر حالات کی بنا پر ۱۰ر محرم الحرام ۱۳۶۱ھ کو میرٹھ میں حضرت صدرالعلما کی خدمت بابرکت میں حاضر ہوئے، اور حاشیۂ عبدالغفور اور شمس بازغہ جیسی دقیق کتابوں کا درس لیا۔ مدرسہ اسلامیہ عربیہ اندرکوٹ میرٹھ میں تقریباً ایک سال قیام رہا جہاں صدرالعلماء کے علاوہ خیرالاذکیا حضرت مولانا غلام یزدانی اعظمی سے خیالی اور قا

ضی مبارک بھی پڑھیں۔ پھر شوال المکرم ۱۳۶۱ھ میں بریلی شریف پہنچے جہاں مدرسہ مظہر اسلام میں محدث اعظم پاکستان ابو الفضل علامہ سردار احمد گورداسپوری سے صحاح ستہ کا درس لیا اور سرکار مفتی اعظم قدس سرہ کی خدمت اقدس میں حاضر ہو کر فتویٰ نویسی کے اسرار ورموز سیکھے۔ اس کے بعد ۳۵ر سال ایک جہان کو درسیاتی فیوض سے مالا مال کیا اور فتویٰ نویسی کا سلسلہ بھی جاری رہا۔ مئو، گھوسی، بچلہ، بہار، مالیگاؤں پچپڑ، گونڈہ، گیا، بلرام پور، جلال پور، بریلی شریف میں آپ کے درس وافادہ کی گونج رہی اور ہزاروں تلامذہ نے آپ سے درس لیا۔ ۱۹۵۶ء تا ۱۹۶۷ء گیارہ سال حضور مفتی اعظم کی خدمت میں رہے اور مسلسل فتویٰ نویسی کی۔ یہ آپ کی زندگی کا سنہرا دور تھا۔ سلسلۂ عالیہ قادریہ برکاتیہ رضویہ میں حضرت صدر الشریعہ کے دست مبارک پر بیعت ہوئے اور صدر الشریعہ، مفتی اعظم اور احسن العلما سید شاہ حیدر حسن قادری برکاتی قدست اسرارہم نے از راہ کرم اپنی خلافتوں اور اجازتوں سے سرفراز کیا۔ قرآن واحادیث، مصافحات ومسلسلات، اوراد واعمال کی اجازتیں حضرت صدر الشریعہ، مفتی اعظم، حافظ ملت اور محدث اعظم پاکستان نے عطا فرمائیں، قرآن حکیم کی گیارہ سندیں، احادیث مبارکہ کی چوالیس اور النور والبہا لاسانید الحدیث وسلاسل الاولیا میں درج سارے اعمال واوراد کی اجازتیں مذکورہ بزرگوں نے عنایت کیں۔

ان کثیر اجازتوں اور اسناد کی برکتیں تھیں کہ حضرت شارح بخاری سے بھی ایک عالم نے اجازتیں حاصل کیں، ان میں ہندوستان، پاکستان، بنگلہ دیش، سری لنکا، امریکہ، انڈونیشیا، لبنان، لیبیا، آسٹریلیا، سوئزرلینڈ، جرمنی، اور ساؤتھ افریقہ کے دانشوران اسلام، علمائے کرام اور مشائخ عظام شامل ہیں۔ دو بار حج و زیارت سے مشرف ہوئے اور دو بار عمرے کے لئے تشریف لے گئے، ۱۹۷۶ء میں جامعہ اشرفیہ کے صدر شعبۂ افتاء کی حیثیت سے مبارک پور آگئے جہاں ہزاروں فتاویٰ لکھے اور بیسیوں افراد کی فقہی تربیت کی۔ یہیں زندگی کا آخری سفر بھی طے ہوا۔ بہترین مناظر تھے۔ دیابنہ اور غیر مقلدین سے دسیوں مناظرے کئے۔ تقریباً ۷۰ ہزار فتاویٰ تحریر کئے۔ بیسیوں کتابیں تصنیف کیں جن میں نزہۃ القاری کی ۹ر جلدیں حدیث وفقہ کے معرکۃ الآر امباحث سے لبریز ہیں۔

آپ کے کمال عروج کا سرا وہاں ملتا ہے جہاں آپ احسن العلماء، افضل الاصفیاء علامہ حافظ مفتی سید شاہ مصطفیٰ حیدر حسن قادری برکاتی قدس سرہ کے فیضان کرم سے نہال نظر آتے ہیں۔ حضرت احسن العلماء کے توسط سے مشائخ مارہرہ کا ابر کرم آپ پر جھوم کے برسا۔ حضرت احسن العلماء کے حسن کرم کی برکت تھی کہ شہزادگان مارہرہ مطہرہ آپ کے بہت قدرداں رہے۔ ۱۹۹۹ء کے عرس قاسمی میں شہزادۂ احسن العلماء حضرت امین ملت نے آپ کو "فقیہ اعظم ہند" کا خطاب مرحمت فرمایا۔ نزہۃ القاری کی تکمیل کے اعزاز میں عظیم الشان جشن کا اہتمام کیا گیا۔ گیارہ سو صفحات پر مشتمل معارف شارح بخاری ترتیب دی گئی جس میں اصحاب دین ودانش نے اپنی گرانقدر

تحریروں سے آپ کی علمی اور دینی خدمات کا اعتراف کیا۔ رضا اکیڈمی ممبئی کے زیر اہتمام ممبئی کے حج ہاؤس میں بے مثل اعزازی جشن منایا گیا جہاں آپ کو چاندی سے تولا گیا۔ اس کی پہلی اینٹ حضرت امین ملت مدظلہ کے دست مبارک سے رکھی گئی۔ حضرت سید العلماء کے شاہزادے مخدوم گرامی سید آل رسول حسنین میاں نظمی مدظلہ نے آپ کو جملہ سلاسل خاندانی کی اجازت مرحمت فرمائی۔ آپ کا کاروان حیات اسی اعزاز وکرم کے سائے میں ۶ رصفر ۱۴۲۱ھ/ ۱۱ رمئی ۲۰۰۰ء بروز جمعرات بعد نماز فجر اپنی منزل کو پہنچا۔ نماز جنازہ سرکار نظمی نے پڑھائی۔

حضرت شارح بخاری علیہ الرحمہ متواضع، ادب شناس اور نیاز مندانہ طبیعت رکھتے تھے۔ اکابر اہل سنت اور اساتذہ کے حضور حد درجہ نیاز مندی کا معاملہ رکھتے تھے۔ اس خصوص میں صدر الشریعہ، مفتی اعظم، حافظ ملت اور محدث اعظم پاکستان سے آپ کی شیفتگی تو دیدنی اور شنیدنی ہوتی۔ اس نیاز مندی اور گرویدگی کی تفصیل معارف شارح بخاری نمبر میں دیکھی جاسکتی ہے۔ ناچیز استاذ محترم حضرت شارح بخاری کی خدمت میں چھ سال رہا جہاں فتویٰ نویسی کی معمولی شُد بُد حاصل کی اور نزہۃ القاری شرح بخاری کی اخیر پانچ جلدوں کی تصنیف کے دوران شبانہ روز حضرت کا معاون رہا۔ اس عرصے میں حضرت اپنی دیگر تصانیف، مضامین اور خطوط بھی مجھے املا کراتے۔ اپنے تحریری مناظرۂ بھنگواں کی روداد بھی مرتب کرنے کے لئے مجھے دی، اور دو سال کی جانفشانہ کاوش سے مختلف رسائل اور لائبریریوں میں بکھرے حضرت کے سینکڑوں مقالات بھی میں نے مرتب کئے جو پندرہ سو صفحات پر پھیل گئے۔ ایک صاحب کی مہربانی سے ان مقالات کی اشاعت پانچ سال سے رکی ہوئی ہے۔ اس طور سے ناچیز کو حضرت صدر العلما کے ممتاز شاگرد حضرت شارح بخاری کے اخیر دور حیات کو بہت قریب سے برتنے کا موقع نصیب ہوا۔ میں تردید کے خوف سے بے نیاز ہو کر عرض کرسکتا ہوں کہ حضرت شارح بخاری کی اپنے اساتذہ کے ساتھ نیاز مندی عشق کی حد تک بڑھی ہوئی تھی۔ وہ اپنے اساتذہ کا ذکر خیر کرتے وقت آبدیدہ ہو جایا کرتے تھے۔ حضرت شارح بخاری کی یہ نیاز مندی بھی صدر العلما جیسے گرامی اساتذہ کا فیضان تربیت تھی صدر العلماء اپنے اساتذہ کا ذکر خیر کرتے ہوئے فرمایا کرتے:

"حضور صدر الافاضل وحضرت صدر الشریعہ ہمارے استاد تھے جن کا پورے ہندوستان میں کوئی جواب نہیں تھا۔ ان کے زمانے نے ان جیسا آفتاب علم وفضل نہیں دیکھا۔ ان کے شاگردوں کا بھی یہی حال تھا۔ یہ مولوی سردار احمد [محدث پاکستان مولانا محمد سردار احمد قادری رضوی] یہ مولوی حبیب الرحمٰن [مجاہد ملت حضرت مولانا محمد حبیب الرحمٰن قادری رضوی] یہ مولوی یزدانی [حضرت علامہ غلام یزدانی اعظمی] یہ حافظ صاحب [حافظ ملت حضرت مولانا عبد العزیز مراد آبادی ثم مبارک پوری] یہ مولوی شمس الدین [شمس العلماء حضرت قاضی شمس الدین احمد جعفری رضوی جونپوری] یہ مولوی رفاقت حسین [مفتی اعظم کانپور حضرت مفتی رفاقت حسین مظفر پوری] یہ مولوی محمد سلیمان [حضرت علامہ محمد سلیمان بھاگلپوری] میرے ان ساتھیوں کا بھی کوئی جواب نہیں، لائے

زمانہ میرے ان ساتھیوں کا جواب ۔ میرے ساتھیوں کا کوئی جواب نہیں تو پھر اساتذۂ کرام کا جواب کوئی کہاں سے لاسکتا ہے؟ (کنز الایمان دہلی، شارح بخاری نمبر ص ۸ ۔ ۹)

اسی نیاز مندی، ادب، تواضع اور خلوص کا اثر تھا کہ حضرت شارح بخاری آفتاب کی مانند مطلع علم وادب پر جلوہ گر ہوئے اور ایک عالم نے ان کی خداداد مقبولیت اور شہرت کا تماشہ دیکھا۔ ساحل شہسرامی (علیگ)

باب دہم

عربی مقالات

العلامة السيد غلام جيلانى الميرتى

ولد ١٣١٨ھ وتوفى١٣٩٨ھ

حياته و اعماله و افكاره

للشيخ محمد اسحاق الرضوى الرامفورى

كيمرى ، رامفور (الهند)

بسم الله الرحمن الرحيم

الحمد لله الذى خلق، خلق الانسان من علق، وجعل له اللسان فانطق، والصلوة والسلام على رسوله الذى علّمه مالم يعلم و كان فضل الله عليه كثيراوعلىٰ آله و أصحابه أجمعين۔

أما بعد

فهذه كلمات غير طويلة حول شخصية من اهل الهند لها دو باز فى ترقية العلوم الاسلامية سيّما المعارف التى لها صلة باللغة العربية و آدابها فلمقالنا هذا "شطران" شطر فى ذكر احوال هذه الشخصية، وشطر فى جهوده التى بذلها فى سبيل الدين و افكاره التى هو ككوكب درّى يكاد سناه يضئى العالم العلمىّ و ان لم يَمسَسْه قلم بذكر و لسان بنشر.

الشطر الأول:۔

ولد ،الذى نحن فى ذكره فى ١٣١٨ھ فى بلدة (دادون من كور —على كره— من الولاية الشماليّة من الهند الشماليّة الغربيّة . وسُمّىَ بـ" غلام جيلانى' و ابوه رجل من المسلمين الصادقين العالمين يحب العلماء والأولياء ولذانَسَبَ ولده الىٰ الشيخ السيد عبد القادر الجيلانى رضى الله تعالىٰ عنه وله مزارع أقتطعت له من قبل هذه المنطقة المسلم الذى كان يعنىٰ بالصالحين، فربىٰ ولده هذا تربية اسلاميّة، فلمّا بلغ سنّ الأفصاح والأبانة، شرع فى تعلّمه بتسمية اسم الله الشريف تعالىٰ جدّه و تبارك أسمه.وقرأ فى مدرسة ابتدائيّة ثمّ ذهب به عمّه السيد غلام قطب الدين الى مدرسة كفيلة لدراسة "الدرس النظامى" المنهج المعول عليه ، فى هذه الديار للعلوم الاسلاميّة العليا، وكانت فى موقعها من بلدة مرادآباد عرفت هذه المدرسة

فيما بعد باسم "الجامعة النعيميّة" ولا تزال قائمة الى الآن –أطال الله بقائها.

وهذه المدرسة قد جمعت فى فصولها فطاحل العلماء ، وأظل رواقُها آعاظم المحققين من بينهم السيد نعيم الدين المرد آبادى ، شخصية من الشخصيات الاسلامية الشهيرات الخالدات المآثر والاعمال ولاتزال الهند تباهى باسمه أخواتها من البلاد، فسّر القرآن باللغة الاردوية اسمه "خزائن العرفان' تفسير لا تعرف اللغة الاردوية مثاله يسّر به القرآن لمن ادكره من اهل هذه اللغة،ولله الحمد– وردّ فتنة الارتداد من الدين الاسلامى التى كانت من أشد الفتن عند الثلاثين من القرن الماضى، بالهند– وكان قد جمع الله فيه المعرفة الاسلامية ، والسياسة الراشدة، فأخذ السيد غلام الجيلانى من هذه الشخصية المختارة العلم والأدب، ولكن لما كثرت آسفار السيد نعيم الدين، وكان يقوم بها لارشاد المسلمين المحاطين بانواع الهموم والكروب، شغلته عن التدريس فاستأذنه السيد غلام جيلانى، ليرود منتجعا آخريرتع فيه العلم و المعرفة ، فسمح السيد نعيم الدين المرد آبادى، لسيد غلام الجيلانى و أصحابه فشدوارحالهم الى أجمير الشريفة، بلدة شهيرة من ولاية –راجستهان– و كانت آن ذاك قاعدة ولاية تعرف باسمها– و فيها قبر يزار للشيخ معين الدين السنجرى ثمّ الأجميرى ، وهو ولى من اولياء الله تعالىٰ ، غمرت بركاته أهل الهند فى بدء السادس الهجرى أسلم علىٰ يده تسع مأة الف.

فتعلم السيد غلام جيلانى فى المدرسة المعينية ، من أصحاب العلم والمعرفة أكبرهم ، الفقيه الشهير المحدث الكبير الشيخ محمد امجد على – ولهذا لعالم خيرات و بركات تتجدّد ثمراتها كل عام، خرّج جيلاً يتضلع بالعلوم الاسلاميّة و فنون السنة النبوية و كتب كتباً عديمة النظير، و آلّف موسوعة فقهية للعصر الحديث يحتوى على حلول فقهية لمشاكل العصر الراهن فى مجلدات كبار عددها عشرون.

فأخذ السيد غلام جيلانى، العلوم، من علماء لهم مكانة و ذكر فى التاريخ الهندى والاسلامى، وقرأالعلوم السمعية والعقلية بأقسامها طرّاً۔ النحو والصرف والبلاغة واللغة والسنة والتفسير والفلسفة وعلم الهيئة والمنطق والكلام فعرف شعابها و ذلل صعابها۔ فتخرج وهر امام فيها مسخر لها۔ والعلماء بالهند قديما اتفقوا على منهاج قرّروه للتعليم يشتمل على كتب ذات دقة وقيمة علميّة من كل الفنون من اللغة العربية والفقه والسنة و اصول الفقه والتفسيروالفسلفةو أقسامها و سموه بالدرس النظامى۔ لأن الذى أسّس بنيانه كان الشيخ نظام الدين السهالوى رحمه الله تعالىٰ.

و بذلك صانوا العلوم الاسلامية من الضياع فى هذه الديار البعيدة من مهد الاسلام و منبع خيراته و أرض اللغة العربية. و مدارس أهل السنة فى تعليم لهذا المنهج الشريف باضافة اليه لما يتطلّبه العصر الحديث، سائرة مسيرها فى خدمة الدين الاسلامى وان كانت الظروف غير ملائمة لها و المجال ضيّقا عليها لابتعاد المسلمين عن تراثهم العلمى فى زمان ذهبت فيه دولة الاسلامى وصارت اثراً بعد عين الشر تفاقَمَ اليومَ بالأعلام الاليكترونى من العلمنة و أصحابها الذين هيمنوا علىٰ مواد الاعلام و مراكزه۔ ولكن لهذه المدارس اجتهاد يؤيد ه سلطان من الله تعالىٰ وكان السيد غلام جيلانى تخرّج فى ظروف كانت أصعب ما كانت فى التاريخ الهندى۔ و ذلك من الأربعين الى الخمسين فى القرن الماضى۔ ولهذا العالم خدماتف جليلة فى العلوم الاسلامية و أفكار منيرة هى منارة للسارى و خير زاد للقارى فلنأ خُذ فى ذكر خدماته و أفكاره۔ هو الشطر الثانى من مقالنا و لبّ كلامنا ۔ والله الموفق فنقول:

أعماله العلميّة

قال الرصافى:

وما مات من أبقى لنا ذخر علمه وأحيىٰ له ذكرا علىٰ غابر الدهر

وهو كذلك فعالمنا غلام جيلانى و ان همدت جثته فحيّ علمه فائض نهرُه يروى الغليل و يشفى العليل، تصدىٰ للتدريس بعد أن تخرّج فدرّس فى عدة مدارس عالية كبيرة فاستفاد منه خلق كثير لا يأتى عليهم العدّ۔ بل رَكبُ العلماء فى هذا العصر الذى يواصل فى سبيل الدين، اكثرهم صارون من مصدر هذا العلام و فى طليعتهم شمس العلماء العلامة الشيخ محمد نظام الدين الاله آبادى والشيخ المفتى شريف الحق توفىّ فى ۲۰۰۰ء . والشيخ السيد كليم أشرف الجائسى خادم للفقه والدين يدعو الى الاسلام بموعظته الحسنة وحكمته البالغة۔ وغيرهم كثير ما هم.

فنشر من العلم دررا و من التحقيق غرراً الى أن لَفَ نفسَه الأخيرة۔ و كما كان رحمه الله تعالىٰ كثير الافادة بالتدريس، كذلك كان كثير النفع بالكتابة فكتب كتبا سهّلت على الطَلَبة طريقهم الىٰ تحصيل العلوم العربيّة و فتحت على الباحثين منفذاً للانتقاد الصريح المفيد.

فمن كتبه كتاب ' البشير شرح نحومير ، و نحو مير كتاب صغير جامع لمبادئى العربيّة من النحو لمولفه السيد الشريف الجرجانى رحمه الله تعالىٰ.فى اللغة الفارسية و قاعدة من قواعد اللغة عليها يرفع بناء العلم العربى فى الديار التى تولت الفارسية والاردوية ۔ كواسطة

فی تحصیل العربیة ۔ و کتاب نحومیر ذو قیمة دراسة فی تبویبه و تفصیله و احتواء ه للمبادی فیقتدر طالب العربیة ، فی مدة سنة ، علی قرأة العربیة والترکیب النحوی الابتدائی وفهم الاسلوب العربی الذی قلّما یتیسّر لمن قرء کتب النحو العالیة ، بغیر نحو میر۔ فالکتاب، حجر اساس فی بناء التعلم العربیّ، قصده الشیخ غلام جیلانی ، فشرح بالاردویةاللغة الوحیدة لمسلمی الهند الآن شرحا یهدی الطالب الی فهم القواعد و حفظ المبادی و اخبر الشیخ فی شرحه هذا عن أخطاء الدیوبند ین فی شروح هذا الکتاب. والدیوبندیون فرقةتبعت أشرف علی ، ومحمود حسن ورشید أحمد، وخلیل أحمد

وهؤلاء الأربعة ممن اعتملتهم الدولة الانجلیزیة للابداع فی العقیدة الاسلامیة لتمزیق شمل المسلمین و تفریق کلمتهم فجاؤا کما طلب منهم مولاهم الانجلیز۔ و کانوا جهّالاً خابطین لا یعرفون الغث من السمین فکتبهم و تلامیذهم للدرس والدعوة لیفسدوا علی المسلمین علمَهم و دینَهم، فخلطوا فی المصنفات والشروح والهامشات ، کحاطب لیل لا تعلم یمینه بما تصیب شماله، فقام الشیخ غلام جیلانی و أنتقد علیهم ما اخلطوا فی کتبهم و هذا دأبهم فی کل مصنف کتبوه فی علم من العلوم العربیة والدینیّة۔ فلما انتشر الکتاب الشارح لمؤلفه غلام جیلانی لمسائل نحو میر ،وقف المسلمون علیٰ أخطاء الدیوبندیین فی العلوم العربیة۔ولولا کتاب هذا الشارح لکان علم العربیة فی الدیار الهندیة ، فی غایة الخط والاضطراب و ما تیسر لطالب أن یصل الی العربیة، فی مدة یسیرة یتهیئی بعدها للفراغ لتحصیل العلوم الاسلامیة التی بابها العلم بالعربیة و قواعدها.

الکتاب الثانی:

کتاب البشیر الکامل فی شرح شرح مأةعامل

و هی حلقة ثالثة من سلسلة عقدها الشیخ غلام جیلانی لتعلیم قواعد ا للغة العربیّة لابناء الاردویة۔ جمع الشیخ عبد القاهر الجرجانی امام العربیّة بلا خلاف ، مأة عامل، و شرحها الشیخ عبد الرحمن الجامی رحمهما الله تعالیٰ رحمة واسعة۔ وسمّاه الشیخ عبد الرحمن الجامی شرح مأة عامل، و شرح الجامی لمأة عامل کتاب قدره العلماء تقدیرا لم یقدروه الکتاب الآخر فی هذا الباب، وتعدّدوا ان یعلموا متنه صح تفصیل تراکیب جمله و عباراته ، فکتب لذلک فی الفارسیة والاردویة شروح تتضمن تفصیل هذا الترکیب ۔ والترکیب النحوی یتطلب الاحاطة بقواعد العربیة تماما والا لا یمکن لأحد ان یفصل تراکیب العبارة۔ والدیوبند

یون ، کـذأبهـم فی کل مجال کتبوا ، فخلطوا و کذبوا فی شرح مأة عامل و ترکیب عباراتهم۔ فـانتـصـب شیـخنا الممدوح لنقدهم و هدایتهم ،فنضاالحق من ظلمة و سقته، و أنتشل القلم من تـخوّنتـه ، فـكـتب شرحاسماه باسم –البشیر الکامل– و عقد فیه بابا یذکر فیه للطالب القاری، بـعـض أخـطـاء الـدیوبندیین، ولم یسردها فقط بل ذکرها فانتقد ها و أیّد انتقاده بأقوال من اتفق علیٰ امامتهم فی العربیة کا لامام الرضی الاسترابادی صاحب الشرح علی الکافیة والشافیة لابن الـحاجب المحقق الامام فی العربیة والاصول۔ والاما م جلال الدین السیوطی والامام ابن هشام النحوی وغیرهم من أئمة العربیّة الکبار رحمهم الله تعالیٰ.

الکتاب الثالث :

البشیر الناجیة فی شر ح الکافیه

علّقـه عـلـی الـكـافیة الـمؤلف الـمختـصر فی علم النحو للامام ابن الحاجب و مختصر ابن الحاجب۔ اختصره الشیخ ابن الحاجب من کتاب المفصّل للزمخشری مع تحقیقات استنبطها یـده، والـکتاب لایزال و ما زال عمدة لحفظ قواعد العربیّة باختصاره عبر القرون المتوالیة و ثقة لـم یـعلق بها غبار الانتفاد و الاتهام فی شیء من مسائله۔والشیخ ابن الحاجب هو ما هو اشتهارا و اعتبارا۔ فـعـمـد الدیوبندیون الی الکتاب لیملؤه کذبا و میناً فیضلوا به الطلبة العربیة ، فیجهلوا دینهم و لغة الکتاب المنزّل.

فسـاء ت هذه الظاهرة ، شیخنا غلام جیلانی فشمّره عن ساق الجدّ و اشتغل فی شرح الـكـافیة، فأتیٰ بشرح کشف المعضلات ونشر المطویّات و میّز الرشد من الغیّ۔ فخدم بذلك ، شیـخـنـا خـدمة عـظیمة لها فوائد لا تبلی جدّتها ولا تنقطع منافعها۔ و ستبقی ذکری خالدة فی تاریخ العلم العربیّ.

الکتاب الرابع:

نظام الشریعة

صـارت الـلـغة الاردویة مـن بدء القرن العشرین لغة تعاودتها السن اهل الدیار الهندیة ، تـعـلموا بها ما تعلموا، فالعلماء کتبوا بهذه اللغة کتبا فی کل علم، فشیخنا کتب، نظام الشریعة، لیعـلـم بـه الـمسلمین سنن نبیهم (صلی الله تعالیٰ علیه وسلم) و قواعد دینهم، فی اسلوب ممتع تـفسیـری یـفسرویـوضـح کل مقام یستوقف القارئ، فالکتاب فی اسلوبه و محتویاته موسوعة

السنن والآثار والتفسير وللأداب والعقائد، اهتدى به جمهور المسلمين الى تعاليم دينهم ـ فهم في استفادة متزايدة من هذا الكتاب جزى الله مؤلفه خيرا ما يجزى المحسنين.

الكتاب الخامس: بشير القارى بشرح صحيح البخارى

قدمرّ عليكم ان الديوبنديين قوم خرجوا لافساد الدين فقصدوا كل علم يمتّ الى الاسلام بصلة فسعوا لافساده و تلبيسه على المسلمين. فكانوا اكبرهم أسعاهم لافساد علم السنة، ولكنّ الله حكيم يحفظ للمسلمين دينهم. فلمّا كتب الديوبنديون شروحا لكتب السنة وخاصّة للصحيح البخارى وهو أصدق كتاب بعد كتاب الله. وهناك فى ذلك العصر رجلا ن من الديوبنديين احدهما حسين احمد و ثانيهما انور شاه الكشميرى. كتب الاول. تقريرات البخارى و الثانى فيض البارى فى شرح البخارى. والكتابان اكبر دليل على جهالات الديوبنديين. فذهب مصنفا هما فى تفسير السنن و مسائل بيانها. مذاهب ابتدعتها نفوسهما التى سوّلت لهما اضلال المسلمين.

وشيخنا غلام الجيلانى يدرس كتب السنة فبلغه ذلك فنشط قلمه فكتب، كتابه الشهير "بشير القارى" اختار، فى كتابه هذا طريقا عجيبا لعلّه لم يسبق به انّه يذكر حديثا ثم يذكر ما يتعلق بمتنه و اسناده و راويه ومقامه ومكانته و مكانه و حياته. ثم يعمد الى العلوم العربية التى يتضمنها اسلوب الحديث الشريف. فيذكر و يفصل جوانب هذه العلوم ذكر تمرين للطالب و التدريب للمستفهم ثم لا يترك مقاما زلت فيه أقدام الديوبنديين و الا و يذكره مؤيداً انتقاده، بأحوال الأئمة فى الدين. ولله درّه شارحا و منتقدا.

وله بعد هذا ، رسالات صغيرة و فتاوى و بحوث لم تطبع بعد واراد رحمه الله مطبعة و مكتبة أعطى بها المسلمين ما يحتاجون اليه من المواد العلمية والكتب الطاهرة.

و كل ما كتب يزيد علىٰ عشرة آلاف صفحة كبيرة الحجم، ولم يصب عليه قول من أقواله. وكل ذلك نال قبولا عظيماً من جميع طبقات الأئمة ـ فهذا جميعه شهادة لا تردّ على اخلاصه و قوة ايمانه و براعته فى شتى العلوم فهو بذلك من شخصيات يبخل بها الزمان ولا يجود بها الا فى فترات من الزمن قليلة قلّة ما.

افكاره الرشيدة

كان رحمه الله قد قرأ العلوم كلها أتقنها و اشتغل فيها وله طبيعة تحقيق و قريحة تدقيق طالع العلم والعالم، و اختبر الدهر ، والداهر، الهند فيها آن ذاكم تقلبات سياسيّة فتأجّجت

حركة تحرير الهند و نجحت فكان الوقت مستطيرا نشره على مسلمى الهند، ينزل سيف الهنود فى رقابهم والاضلال يحيطهم من كل جانب، مبتدعون من –ديوبند–اسماعيّل من دهلى و غز وفكرد من الغرب و زندقة من روسيا و فلسفة –كار ماركس– و لبنان–و تدهور فى الأوضع و تحلل فى الأخلاق۔ مبتدع يسبّ العلماء والاولياء سر سيد احمد من على كره، يدعو المسلمين الى انكار البعث و وجود الملائكة والغيبات والهنود تفتك بالمسلمين مرة و تردّ هم عن دينهم اخرى والمتجددون السفهاء ينتقصون من قيمة العلوم العربية والاسلامية و منظمات التبشير تاخذ بأيدى أطفال المسلمين الى مدارسها لتبغهم بصيغة المسيحية و الله حافظ دينه، فنرى انه بعث لدفع هذه الفتن التى تناثرت كعقد بال رجالاً اولى بأس شديد و فهم رشيد من هولاء الرجال، الامام احمد رضا و أصحابه كالشيخ نعيم الدين المرادآبادى و الشيخ محمد أمجد على ، والشيخ مصطفى رضاخان وكان الشيخ محمدغلام جيلانى من تلامذة هولاء الرجال فتابع سيره فى سبيل مسلكه الدين سبقوه من أساتذته لانجاء المسلمين من فتن أحاطت بهم فكانت له افكار لابد من الاخضاع لها، فى ز ماننا الذى تجددت فيه فتن مثل تفن الماضى۔ فهذا أفكاره و انتفينا ها من مقدمات كتبه و نصائحه.

(۱) كثرت العلوم والفنون فى العصر الحديث و ربّما لا يقدر شخص واحد يلم ببعضها فكيف بكلها فلكل فن رجال و لكن لا بد ان تكون العلوم التى يتعلمها المؤمن خاضعة للعقيدة الاسلامية و دائرة فى مطاف الشريعة الاسلامية والعلوم ان جرّت الى الالحاد فى الدين والذندقة فذلك جهل، والتربية ان لم تحسن التحلىّ بآداب الشريعة الاسلامية فذلك اضلال۔ ان شيخنا كان يرى ذلك و هذا ما جعله يعيب على أصحاب دعوة التجدد و تقليد الغرب ، دعوتهم الى التجاوب مع الغرب فى العقيدة والتظاهر و أخبر شيخنامسلمى الهند عن مغبة هذه الدعوة المد مرّة لكيان المجتمع الاسلامى، فالعلم بما يفيد الانسان ، فى حياته خير لكن يحب أن يكون ذلك الخير لايضاد طبيعة الايمان.

وهذا لا بدّ منه لأنّ الاسلام يعلوولا يُعلىٰ فلا خُلقَ احسن من خلق تلاه كتاب الله تعالىٰ ولا عقيدة ، خير من عقيدة اوحى بها ربنا ورسوله ﷺ والذين لم يرض عنهم شيخنا فى طريقة تعليمهم أصحاب حركة على كره۔ الذين كانوا يرون الخير كله فى تقليد الغرب، فكان شيخنا يرد عليهم فكرتهم هذه لأن أصحاب هذه الحركة التابعين لفكرة سرسيّد أحمد ،قبلوا أفكار الغرب فى كل مجال ولم يكتفوا بنقل علوم الغرب المفيدة الى امّه الشرق فكان تعميرهم

تخريبا و اضاعتهم أعماء. اولئك الذين حبطت أعمالهم فى الدنيا والآخرة وهم يحسبون انهم يحسنون صنعا. وهذا البلاء عم العالم الاسلامى فى هذا الزمان، فنرى أصحاب الكليات الجديدة والمتعلمين فى الجامعات الخاضعة لنظام الغرب، اخلاطا من الطلبة والمعلمين لهم عقائد مختلفة و أفكار شاذه ليس لها امام من كتاب الله تعالىٰ و لسنة رسوله ﷺ. وشيخنا غلام جيلانى حذر كثيرا المسلمين من هذه الظاهرة الشاذة.

(٢) و كان شيخنا يرى ان يحفظ على التراث العربى والاسلامى لاز ما و أن يكون الاعتماد. فى علوم اللغة العربية ـ على الائمة الأقدمين والمحققين ، فنراه ينقل الينا اقوال كبار ائمة العربية ، ولا يكتفى بكتاب احد الباحثين الاحداث لأن الامهال و عدم الاحتفال قد عمّ الباحثين الأحداث والعربية قواعدها قواعد الدين لأن احسان علم الدين بنائه الاتقان بقوا عد العربية فكان يوصى بذلك تلامذته و اعتمد على ذلك فى جميع كتبه.

(٣)وكان يوصى بدراسة المنهج المقرر المعلوم بالدرس النظامى، بجميع مراحلة من البدء الى المنتهى لأن الأمّة كادت تجمع طبقاتها على الاعتبار بهذا المنهج فهو مدروس فى جميع بلاد الاسلام منذ ثلاثة قرون. و دلّت التجربة فى التدريس انّ الملكة فى العلوم ، الناشئة من هذا المنهج. أكثر قوةمن المناهج الأخرى و أن لم تتهىّ لأحد أوفى عصر فذلك لنقص فى طريقة التعليم او تكاسل فى اصول الدراسة ، ولا ينشاء ذلك من المنهج.

(٤)وكان يرى أن يكون الذى يتصدى للتعلّم و التعليم كثير الأدب مع الأساتذة وأولياء الله تعالىٰ مومنا تامّ الايمان كامل الايقان لأن العلوم الاسلامية نورمن نور الله تعالىٰ ، نور الله لا يعطىٰ للعاصى والطاغى.

فكان يرىٰ ان الذى به زلت اقدام المبتدعين هو اساءتهم الأدب مع نبى الله ﷺ كا لديوبنديين تجاسر وا فى اساءة الأدب مع الله تعالىٰ حيث و صفوه بالكاذب و مع النبى ﷺ حيث سوّوا بين علمه و علم المجانين و البهائم– معاذ الله عنه.

فعذبهم الله فى الدنيا بسلب العقول فلا يفقهون قولا اذا خطبوا خلطوا و اذا كتبوا كذبوا. فكان شيخنا يرىٰ انّ الابتعاد من هولاء الجاهلين و كتبهم لازم لكل طالب كى لا يضل.

(٥)تصفية المواد الدراسية من المشوشات لازمة عنده ، فكان يرى فى ذلك رأى ابن خلدون المفكر رحمه الله تعالىٰ و ترتيب هذه المواد ترتيبا يسهل الى فهم الطالب قبوله، كى لا تضيع الاوقات و تثبط الهمات.

(٦)و كـان يوصى أصحابه و تلامذته بكثرة التمرين و الممارسة ، فى كل فن يدرسونه لانّ المزوالة والترداد طريقة نفيسه للبراعة فى كل فن نرى شيخنا هذا يعمل به فى كتبه التى اكتسبها للناشئة الذين هم فى ابتداء القواعد العربية.

(٧) وكان يوصى بقرأة كتب الامام احمد رضا رضى الله تعالىٰ عنه ، و يعتقد ه مجددا لقرن الرابع عشر فشيخنا، مصيب فى هذا لان العلماء من عالم الاسلام قد اجمعوا على كون الامام احمد رضامجددا و اول من لقبه بالمجدد علماء بكة والمدينة شرّ فهما الله تعالىٰ تشريفا دائماً، كما هو مشهود من كتاب الاجازات المتينة لعلماء بكّة والمدينة.

(٨)وكان يرى انه ابد من دراسة العلوم العقلية سيما كتب التى هى فى المنطق الاعلى والفلسفة العلياء، لأن ذلك يعين الطالب المسلم ان صحّت نسيته على دحض ادهريّة والمزندقة والمتفسلفة فكان يعلم مصنفات ابى على سيناء، والفارابى والطوسى ، وكتب خاتمة المناطقة والفلاسفة الشيخ' فضل الحق ' الخير آبادى.

(٩)وكان يرى ان يكون المدرس أوسع مطالعة لمتعلقات الفنّ ـ والمتعلم اكثر اعتقافا على الفن الذى اشتغل فيه كى يكون كاملا فيه بارعا متصرفا.

(١٠) وكان يرى انه ان استعرف المتعلم عن شىء لا يعلمه المدرس اولايحيط بجوانبه فليس له ان يروّع او يهوّل المتعلم بشيخ من الالفاظـيل يجب ان ينظر فى المسئلة نظرة والمتفكر او يوضح اطرافها على المتعلم السائل.

ان شيخنا غلا م جيلانى الهندى ، رحمه الله تعالىٰ

حياته حافلة بالجهود العميّة والمآثر الدينيّة ـ سرت به روح الانتقاد احارّ الى الباحثين و عرفوا كثيرا بما كتب فى كتبه من بديع التحقيق و عجيب الفوائدـ فهو من أماثل العلماء و افاضل المدرسين باحث محقق مفكر كتب درس وأفاد.

و هدىـ آثار العلميّة لا تزال باقيّة غفّة طريّة يجنى ثمارها للاجيال الآتية ـ و أعماله ينبوع لا تنفد خيرا ته يشرب منها المتعلمون والمحققون. جدّد المعارف العربية والعلوم الأدبيّة و خرّج جماعات العلماء خدموا الدين والاسلام ولامّة .

وتوفى رحمه الله تعالىٰ فى ١٣٩٨ھ فجزاه الله عنا و عن المسلمين جميعا وهو خير الرازقين.

محمد اسحاق

خادم العلم ، لاله نكله كيمرى رامفور ـ (الهند)

نابغة العصر عبقری الدهر الشیخ العلامة الملقب بصدر العلماء السید "غلام جیلانی" المیرتهی رحمه الله تعالیٰ

سماحة الشیخ العلامة افتخار أحمد القادری

صدر المدرسین دار العلوم القادریه 'غریب نواز' لیدی اسمت (جنوب افریقیه)

ان الشیخ صدرالعلما السید "غلام جیلانی" علیه رحمة الله و رضوانه من الصف المبارك لتلامیذ صدر الشریعة العبقری الامام أمجد علی الأعظمی قدس سره العزیز صاحب "بهار شریعة" احدی موسوعات اسلامیة فقهیة کبیرة. و لا ریب أن "بهار شریعة" دائرة المعارف الاسلامیة الفقهیة الحنفیة العظیمة المحتویة علی سبعة عشر جزءا و قد کملها تلامیذه عشرین جزءا لأن ثلاثة اجزاء کانت مخططة غیر مکتملة و توفي صدر الشریعة قبل اکمالها و یالیتها کانت فی اللغة العربیة أو اللغة الانجلیزیة لکانت لها قیمة و وزن عالمی فی أوساط العلوم الشرعیة و نالت مکانة مرموقة فی الموسوعات العالمیة الفقهیة و عدّت موسوعة فقهیة عظیمة قیمة تاریخیة.

وأعضاء الصف المبارك ،هم:

(۱) استاذی و شیخی حافظ الملة و الدین العبقری عبد العزیز المرادآبادی مؤسس الجامعة الاشرفیة من أکبر الجامعات الهندیة.

(٢) فضيلة الأستاذ المحدث العظيم الشيخ سردار أحمد اعظم المحدثين وأكثرهم تلميذا فى علم الحديث على أرض باكستان.

(٣) مجاهد الملة والدين العلامة الشيخ محمد حبيب الرحمن الاريسوي.

(٤) شمس العلماء فضيلة الأستاذ العلامة القاضى شمس الدين الجونفوري .

(٥) أمين الملة فضيلةالأستاذ العلامة المفتى رفاقت حسين البهاري.

(٦) فضيلة الشيخ العلامة محمد سليمان الباكلبورى

(٧)وصاحب الترجمة العلامة "صدرالعلماء" عليهم الرحمة الرضوان ـ

و هولاء العلماء من كبار علماء الهند و عمائد الدين ،و لا نعدو الحق عند ما نقول : انهم عباقرة العلوم الاسلامية فى عصرهم و مجاهدون فى سبيل العلم والمعرفة و كلهم ارتحلوا الى رحمة الله فى القرن العشرين الماضى ...... ؟..... ولكنهم أحياء فى عالم الانسانية بعلومهم و أعمالهم و كتبهم و تراثهم و رحالهم، ولذا سيخلد التاريخ و يرجع ذكرهم الدور الاكبر فى تكوين شخصية الشيخ غلام جيلانى صدرالعلماء الكبيرة الى الامام صدر الشريعة المذكور و الى فضيلة الاستاذ شرف الأماثل و صدر الأفاضل الشيخ الشريف نعيم الدين المرادآبادى قدس الله اسرارهما و يعدُّ صدر العلماء شخصية فذة حميزة من بعض نواح فلنتوجه ونلخص حياته الشخصية والعلمية.

قد طلع نجم حياته على أرض على جره فى قرية دادون بالحادى عشر من شهر رمضان المبارك سنة ١٣١٨هـ/ ١٩٠٠م و نشأ فى أسرة علمية أصلية وترعرع فى بيئة ثقافية عريقة، و بعد اكمال الصف الرابع الابتدائى, التحق بالجامعة النعيمية فى مرادآباد.

ثم سافر سنة ١٣٤٢هـ الى اجمير الشريفة ودخل دار العلوم المعينية بجوار قبة القبر الشريف لسلطان الهند السيد الشيخ معين الدين الجشتى ، و بدأ الدراسة تحت اشراف الامام صدر الشريعة العلامة أمجد على قدس سره العزيز و استمرّ فى الدراسة تسع سنوات وخلال هذ ه الفترة استفاد من شيخه استفادة كاملة و كان الشيخ يهتم و يركز له أكثر لذكائه وحرصه على تلقى العلوم.

وسنة ١٣٥١هـ غادر الشيخ الامام صدرالشريعة دار العلوم المذكور و وصل الى المدرسة "منظر الاسلام" فى مدينة بريلى الشريفة ، فصحبه الشيخ الشريف جيلانى فى هذا السفر وتخرج على يديه سنة ١٣٥٢هـ من المدرسة المذكورة مضطلعا ومتبحرا فى العلوم الاسلامية

والفنون الأدبية وبارعا فى العلوم العقلية.

و شرّفه حجة الاسلام الشيخ العلامة حامد رضا القادرى ابن الامام الأجلّ مجدد الاسلام الشيخ أحمد رضا القادرى قدس الله اسرارهما بعمامة التخرج و شهادة الفضيلة. ثم بدأ الشيخ "جيلانى" حياته التدريسية و درّس فى المدارس التالية.

(۱) المدرسة المحمدية فى جائس، رائے بريلى۔

(۲) دار العلوم عظمة الاسلام ،كرنال۔

(۳) المدرسة أحسن المدارس كانفور۔

(٤)المدرسة الاسلامية العربية،ميرٹھ ۔

وتفضل الى المدرسة الأخيرة بأمر شيخه العالم الأجل العبقرى "صدر الافاضل" الشريف محمد نعيم الدين المرادآبادى رحمه الله تعالىٰ وبذل مجهوداته الجبارة فى تطوير وانجاح المدرسة و قضى آخر نفس حياته فيها يخدم الاسلام والمسلمين ويدرس العلوم الشرعية والفنون الأدبية . و بقى "صدر العلماء" يقوم بخدماته الىٰ اثنين وأربعين سنة كرئيس هيئة التدريس و كخبير فى العلوم الاسلامية، و انجب كثير من العلماء البارزين والاساتذة البارعين. كأستاذي الشيخ العلامة المفتى شريف الحق الامجدى والعالم الكبير الشهير دولياً العلامة الشاه أحمد النورانى وغيرهما قدس الله اسرارهما.

و توفى فى ۲۹ من شهر جمادى الأولى سنة ۱۳۹۸هـ الموافق ۸ مايو سنة ۱۹۷۸م .

و حياته كانت حافلة بخدمات الدين و العلم و زاخرة بالأعمال الاسلامية تدريساً و كتابة وخطابةو ارشاداً و توجيها.

وحظى الشيخ بزيارة الحرمين الشريفين سنة ۱۳۸۹هـ وأتم مناسك الحج والعمرة وسعد و تشرف بالصلاة والتسليم على النبى ﷺ.

مؤلفاته : وتزخر مؤلفاته بالتحقيقات الانيقة والبحوث الرائعة والتدقيقات العجيبة، ونعرف بعض مؤلفاته فيما يلى:

(۱) بشير القارى بشرح صحيح البخارى: شرح فاخر ونادر لصحيح البخارى ولم يكتب شرح مثله فى اى لغة لا فى العربية ولا فى الفارسية ولا فى الأردية و قد أدى الشارح حق التدقيق والتنقيب و أتى فيه بأبحاث نحوية و صرفية و نكات علوم المعانى والبيان والبديع خلال البحث عن كلمات الأحاديث النبوية و تكلم عن جميع جوانب الحديث

وحينمايراه الباحث يلحئى أن يقول : كم ترك الاؤلون للآخرين.

يقول شيخى شارح البخارى صاحب نزهة القارى العلامة محمد شريف الحق الأمجدى قدس سره عن هذا الشرح:

و قد تعقب الشارح فى كلامه على الشراح الزاعمين القليل البضاعة فى الحديث بتعقبات مخلص منها و من يطالع الشرح بامعان النظر يذعن بعبقريته فى علوم الحديث، وللأسف والشديد لم يكتمل هذا الشرح وكان عازما للاكمال و لكن عمره لم يف بذلك. (مقدمة نزهة القارى ص ٨٧ ج١)

(٢) بشير الكامل فى شرح مائة عامل: هذا الشرح يعرض تشكيلات نحوية لايدع مجالا لمزيد من الكلام فى الموضوع وقلما يوجد مثله فى الشروح الاخرى.

(٣) بشير الناجية بشرح الكافية! فى النحو لابن حاجب: و لايخفى على من له أدنى المام بالنحو أن الكافية متن مغلق يحتاج الى الشرح، فبشير الناجية يسدُّ هذه الحاجة ويفتح مغلقات الكافية فتحا ناجحا و يوضح صعابها توضيحا جيدا .

(٤) البشير بشرح نحومير: نحومير كتاب مختصر فى النحو بالفارسية ويدرس فى المنهج الدراسى ، فطلاب المدارس الاسلامية العربية يحتاجون الى الشروح المذكورة ويستفيدون منها. فان الكتب المذكورة كصحيح للبخارى والكافية وغيرهما من ضمن كتب المنهج المقرر للدرس النظامي ، و مما لا ريب فيه ان هذه الشروح كلها نافعة و قيمة و مغنية عن غيرها. و لا ينتفعون بها الطلاب فقط بل الاساتذة الخبراء ايضا يستفيدون بها حق الاستفادة.

(٥) نظام شريعة: يحتوى على احكام شرعية وينفع الناس فى ما يحتاجون فى حياتهم من أوامر و نواهى الله ورسوله ﷺ و لا شك ان هذا الكتاب سدّ حاجات الناس فى هذا الباب.

و له كتب أخرى مهمة نضرب عنها صفحا لضيق المجال وبعد التعرف على بعض مؤلفاته نقبل على نكات علمية و أدبية صدرت من خلال كتابه أو ايقاء محاضرته تدل على تبحره و نبوغه فى معارفه اللغوية والنحوية والادبية. يسجل الشريف الشيخ ركن الدين أصدق المصباحى: أن صديقى و زميلى الشيخ عبيد الرحمن استخرج قاعدة نحوية من "بشير الكامل" للشيخ صدر العلماء تعارض قاعدة من شرح الجامى و قدمها لفضيلة الشيخ العلامه الحافظ

عبدالرؤف ـ رحمه الله تعالیٰ- الأستاذ النابغ السابق فی الجامعة الاشرفية و بعد أن لاحظها الشيخ قال : ان شرح الجامی شرح قيم و معترف به من قبل النحاة ، و هذا التحرير من بشير الكامل لامام النحو فلا استطيع أن أرجح أحد القولين، و من حسن حظّك أن صاحب هذا التحرير حيٌّ يرزق فراجع اليه. فكتب الشيخ عبيد الرحمن تفصيل ذلك الى صدرالعلماء العلامة غلام جيلانی ، فردّ صدرالعلماء اليه و نقل فيه سبعين قولا للنحاة و قال: اننی لا أقلل من قيمة شرح الجامی و أهميته ولكن كان فی نظری هذه الأقوال السبعون، فرجحت أقوال الجمهور. فلمّا قدّم الشيخ عبيد الرحمن هذه الرسالة الى الحافظ المذكور استغرب وقال: الآن قد تبين ماقلت، فلذلك اقول: فليجتنب الصغار طعن الكبار. وشاهد آخر يشهد بنبوغه فی النحو ان الشيخ ركن الدين يستمرّ فی تحريره: لقد كنت مدرسا فی الجامعة الأشرفية فی رفيع كنج منذ فترة ١٩٧٠م الی ١٩٧٤م، و خلال هذه الفترة جاء نا أحد المثقفين من غازی آباد، لغرض العلاج و أقام أسابيع هناك و كان يتردد الينا فی مدر ستنا لاجل الاستفادة العلمية و كان الرجل بارعا فی العلوم العربية و ديوبنديا فی العقائد، فقال مرة: اننی كنت مقيما فی مدينة ميرتھ الی مدة طويلة و كان هناك عالم من كبار علماء اهل السنة الشيخ غلام جيلانی يعيش فيها و كنت أتردد اليه و اوجه اليه اسئلة نحوية عويصة و اجد منه ردودا مقنعة ،و مرات بحثت عن اسئلة صعبة جدا وزعمت انه فيه هذاالمرة ليقول: سأردّ علی هذه الأسئلة غدا، و لكن لا. لم يحصل ذلك، بل ردّ عليها فی نفس الوقت بتبحره ونبوغه و استحضاره، وتلقيت منه ردوداً مبرهنة أعجبتنی و حيرتنی ، و بعد ذلك لم أسأله قط، ذات مرة قال الشيخ غلام جيلانی متبسما: لماذا يا مولوی لاتسألنی؟ فقلت : حسبی ما يخرج من لسانك من نكات علمية و افادات قيمة ، ثم قال الرجل: والله لم أرَ عالما مثله من ديوبند الی ميرتھ و لم ابلغ قط الی قعر علمه علی رغم المحاولات و الكثيرة (مجلة اشرفية ص ٣٦عدد ديسمبر ٢٠٠٤م)

والفضل ما شهدت به الأعداد.

قبل مدة مديدة كان صدر العلماء شرّف "غوسی" وطن شيخه والامام صدر الشريعة بقدومه الميمون لمناسبة ذكری يوم وفاة شيخه المذكور و فی هذه المناسبة هناك تعقد الحفلة السنوية لايقاء المحاضرات فی اولی و ثانی يوم من شهر ذی القعده ، فدعی صدر العلماء لايقاء محاضرة بهذه المناسبة، فألقی الشيخ محاضرة وجيزة لم تمتد الی نصف الساعة و أنا كنت سامعاً محاضرته وقال اثناء المحاضرة يتكلم علی قول الله (لقدجاء كم رسول من انفسكم عزيز

عليه ما عنتم حريص عليكم بالمؤمنين رؤف رحيم) (سورة توبة : ١٢٩)

وأبان عن الفرق بين الرؤف والرحيم فقال: الرؤف: الذى يدفع ويذب البلاء عن أحد۔ والرحيم : الذى يعطف على أحد ويحلب الخير اليه، فنبيّنا ﷺ دافع الوباء والبلاء عن المؤمنين و حالب الخير اليهم على حدّ سواء.

أنا شخصيا اعجبت بهذه النكتة العلمية التفسيرية الادبية اعجابا بالغا وايقنت بانه عالم متبحر ومفسر جليل ولغوى كبير و علقت هذه النكتة فى ذاكرتي منذ اكثر من ثلاثين سنة لأجل روعتها وجودتها-فسبحان الله العظيم.

و كما كان الشيخ جيلانى يأتى بالنكات العلمية خلال كتاباته كذلك يرد على معارضات الفرق الضالة المنحرفة ردا علميا جميلا ورداً تحقيقياً جزيلا، واليكم انموذجة واحدة:

استفسار: قد روى البيهقى عن طريق ابى الضحى عن ابن عباس فى تفسير آية ((و من الأرض مثلهن يتنزل الأمر بينهن)) (سورة الطلاق:١٢، رقم السورة ٦٥)

بسند صحيح: قال سبع أرضين فى كل ارض نبى كنبيكم و آدم كآدمكم ونوح كنوحكم وابراهيم كابراهيمكم وعيسى كعيساكم ، فهذه الرواية تدل على انه يمكن بعد خاتم النبيين مثله بل هو واقع لان ابن عباس رضى الله تعالىٰ عنهما يثبت ذلك فكيف ينتفى مثل خاتم النبيين؟ فيرد الشيخ صدر العلماء على ذلك بقوله : ان هذه الرواية لا تفيد الزاعمين المنحرفين ولا تغنى عنهم شيئالوجوه:

أولاً: وان صحّ اسناد الرواية و صححهاالحاكم ولكن فى متنها شذوذا، فأبو الضحى قد تفرد بروايته عن ابن عباس لذا قال البيهقى فى شعب الايمان: ان هذه الرواية شاذة المتن و لما تقرر انها ضعيفة للشذوذ فلا يحتج بها، وان صحت الرواية لا تفيد، فان هذه المسألة من باب العقائد ولايحتج فيها بالحديث المشهور فضلا عن الآحاد.

ثانياً : ان الكلام ليس فى نفى المثل مطلقا حتى يصح تقديمها فى هذا الصدد بل الكلام فى نفى المثل الخاص، فلا تدل الرواية على تحققه و ربّما يراد بها نُذُرٌ فى عصور الانبياء عليهم السلام نائبون عنهم يبلغون الاحكام تحت الأرضين و ذكر الانبياء السابقين عليهم السلام فى الرواية يمكن ان يكون قرينة دالة على ذلك. وقد جاء فى الفتاوى الحديثية على صفحة ١١٩:

صححه الحاكم ايضا و ذكر البيهقى فى الشعب انه شاذ المتن بالمرة قال الحافظ

السیوطی و هذاا لکلام فی غایه الاسناد و یکون فی المتن شذوذ وعلة تمنع صحته و اذا تبین ضعف الحدیث اغنی ذلك عن تاویله لأن مثل هذا المقام لا تقبل فیه الاحادیث الضعیفة و یمکن ان یؤول علی ان المراد بهم النذر الذین کانوا یبلغون الجنّ عن انبیاء البشر. ،

(تذکرة حیاة امام النحو ص ٥٦/٥٥ للشیخ العلامةمحمد منشا تابش القصوری والشیخ العلامه عبد الحکیم شرف القادری)

وقد کان هذا السؤال بوجه بقوة من الدیوبندیین ، فرد علیه صدر العلماء ردا علمیا مقنعا و رداً رائعا جمیلاً.

و ملخص الکلام ان شخصیة "صدرالعلماء" تبرز من خلال مولفاته و من خلال نکاته العلمیة والکلام الرصین المحکم کشخصیة علمیة بارزة جلیلة و کشخصیة اسلامیة نادرة عظیمة. و ان یدل هذا علی شیء یدل علی ان الله سبحانه اکرمه بالعلم والفضل والمعرفة.

اللّهم! وفقنا لما تحب وترضی و متعنا بعلوم وافادات هذا العالم الکبیر والعلماء الآخرین العاملین لکی نوسع خدمات الاسلام مستفیدین من معارفهم و تراثهم ولیس ذلك علیك بکبیر وانت بالاجابة جدیر. بجاه حبیبك سید المرسلین صلی الله تعالیٰ علیه و آله وصحبه اجمعین.

یاصدر العلماء

خُضتَ البَحْرَ غوّاصاً خبیراً — لتخرج من لحاجِ العلم نوراً

فحب الله نبراس ونهج — نحب به ومنه وجوه اخری

قد طلب منی الاخ الکریم الفاضل فضیلة الشیخ محمد أیوب القادری الاشرفی ان أسجل سطورا حول الموضوع فکتبتُ ولله الحمد والمنة۔ و بتوفیقه تتم الصالحات فجزاه الله أحسن الجزاء۔

افتخار أحمد القادری

دار العلوم القادریه غریب نواز لیدی اسمث

جنوب افریقیة المقیم في المدینة المنورة

بسم الله الرحمٰن الرحيم

صدر العلماء الميرتي ناقداً نحوياً

اعدادو تاليف

الشيخ أبو حمزة أنوار أحمد خان البغدادي

دار العلوم العليميه (جمدا شاهى الهند)

المقدمة

هذه عجالة في سيرة علمية لعلامة من الهند ،فضيلة الشيخ غلام جيلاني الميرتي - رحمه الله - كتبتها على طلب من لدن فضيلة الشيخ، الاستاذ ،محمد أيوب الأشرفي (أمدّه الله بخير وسرور) الذي يقوم بتعريف شخصية علمية هندية ،تغافل عنها الزمان ،ولم يقف على مآثره العالَمُ الى الآن ،مع أهمية ما خلّفه لنا علامة الهند غلام جيلاني الميرتي - رحمه الله - من مآثر علمية تتمثل في النحو والحديث من علوم العربية والاسلامية .

إن العمل الذي يقوم به الأستاذ محمد أيوب الأشرفي ،لهو عمل عظيم وإتجاه محمود ،كان ينبغي أن تبدأ به الجهات المختصة قبل سنين ؛ ليطلع العالَمُ على آثار هذا العلامة النحوي المعاصر الذي أثبت برزانته النحوية أن الهند المعاصرة لم تشح برجال النحو،وأما آثاره فتتغنى لنا :

لا تظننَّ أن الغابة فارغة لعل الأسود نيام

وحقًا ! فقد كان العلامة الميرتي نحويا كبيرا ، وناقدا بارعا ، تثبت لك سطور هذا المقال الذي قسّمتُه في تمهيد ،ومبحثين ،وتحت كل مبحث عناوين بارزة ،وبخاتمة،وضّحتُ فيها أن شخصيته النحوية قوية ، ونقده لطيف،وكل ذلك في ضوء مؤلفاته التي كانت أهم المصادر التي رجعت إليها في كتابة هذا المقال البسيط الموجز ؛ لقلة الزمان ، والمظان. والله هو المؤفق وهو المستعان .

تمهيد

تزخر أرض الهند الخصبة بالعباقرة الأفذاذ من العلماء و المفكرين المسلمين الذين

عطروا البلاد بأريحهم العلمي الخالد ،ونضّروا الوجوه بماء الايمان ، ونوّروا القلوب بفكرهم النير القويم ،يكبون على الدراسة والمطالعة ،لا تشغلهم هواجس الدنيا ومباهجها، بل كل ما يعنيهم هو رِضى لله -جلّ وعلا - ورسوله المصطفى -عليه التحية و الثناء -فيتخلفون لنا آثارا ضخمة على المستوين :ظهر القرطاس وظهر القلب ،لهم مؤلفات يستفيد منها خلق كثير الى أمد بعيد ،كما لهم تلامذة يؤلدون بهم علَما جيلا بعد جيل بالعلم والعطاء ،فالتواصل الحضاري قائم يقرع أذهان الدارسين الى يومنا هذا .

ومن ألمع الأسماء في القرن الماضي الذي خلف لنا ما يمكن أن يخلفه مجمع علمي فعّال هو العبقري الهندي النابغة العلامة الشيخ الامام أحمد رضا خان البريلوي (رحمه الله) الذي تزداد مؤلفاته على ألف كتاب في مختلف من العلوم والفنون .هذا ومن جانب آخر تلامذته العباقرة الذين تولدوا من مدرسته الفريدة من نوعها حيث، هو المدرسة وهو المعلم ينهل من مدرسته نوابغ الدهر نابغة يقرأ عليه الحديث فيتخرج محدثا والآخر يدرس عليه الفقه ،فيتخرج فقيها -وهكذا الى آخر القائمة التي فيها محدث ،ومناظر ،وفقيه طباع، ومفسر ،مبدع ...، ثم يشكل كل واحد من تلامذته وحدةً علميةً مستقلةً ، ذات الروح والمعنى، فكأنه شمس وتلامذته أقمار،تستنير بضوئه ،فتنشر أجنحتها اللامعة على ربع الارض في ظلمة الليل حيث تغرب الشمس فيستهدي بها السالكون دربهم، كما استنار العلامة غلام جيلاني دربَه الى المقصود بتلامذة الشيخ الامام احمد رضا خان البريلوي من أمثال تلميذه النجيب صدر الشريعة الشيخ امجد علي والمفسر الأعظم صدر الافاضل العلامة السيد نعيم الدين المرادآبادي وغيرهما (رحمهما الله) فاهتدى الى طريق العلم والمعرفة حتى ذاع صيته في الآفاق ،وعرف بصدر العلماء ،كأن الاقمار حلّت به ،فأصبح قمرا بنفسه على الارض التي نعيش في تضاريسها ،يستهدي بها كلّ من اراد الصواب ، صوابَ العلم والمعرفة ،نازعا منظار الحسد والعصبية التي أصيب بها هذا العلامة الكبير من قبل المترجمين بالعربية الذين تجاهلوا عنه لنقده اللاذع المصيب لاصحاب البدع والاهواء والملل وضعفاء النظر والدقة مما دفعنا الى كتابة هذا المقال الذي نقدم من خلاله شخصية علمية هندية قضى حياته كلها في التاليف والتدريس لعلوم الشريعة وفنونها مهتما بعلم النحو اهتماما خاصا وعناية بالغة حتى عِدّ نحويَ الهند المعاصر يكاد يشكّل مدرسة نحوية معاصرة لولا حرصه الشديد على حفاظ سلافة النحاة المتفلسفين الذين تأثر بهم الى حدّ

كبير من أمثال ابن هشام وابن الحاجب والسيوطي والدسوقي والجامي وغيرهم من متأخري النحاة الذين خالطوا النحو بالمنطق والفلسفة فجعلوا النحو أقيسة تمثل لها ولا أمثلة تقاس عليها .

وعلى كل فالتأثر بالنحاة المتاخرين عند الميرتي واضح ،والتقليد جوهره والاستدلال المنطقي مادته،يستقي منها فكرته النحوية في تعمير قصره النقدي .واليك سطور آتية في حياته ،وحياة نقده النحوي .

المبحث الاول

حياة العلامة السيد غلام جيلانى الميرتى

مولده ونشأته:

ولد العلامة غلام جيلاني الميرتي في ١١ من رمضان المبارك في "دادون " من محافظة علي جراه۔ الهند ۔ كان أبوه السيد غلام فخر الدين رجلاً متصوفا بينما كان جدُّه سيد سخاوت حسين من علماء الهند الكبار، اماماً في النحو والصرف كان قد هاجر وطنه الاصلي "سهسوان " مديرية بدايون الى "دادون "وأقام فيها حيث مولد العلامة الميرتي(١)

نشأ العلامة الميرتي في بيت العلم والدين في كنف والديه الكريمين ولم يبلغ سن الشعور حتى ابتدأ بالتعليم بعد قراء ة "بسم الله الرحمٰن الرحيم" باهتمام خاص على الطريقة الاسلامية وقرأ القرآن الكريم ودخل المدرسة الابتدائية واجتاز الصف الرابع بنجاح ثم نقله عمه الكريم السيد قطب الدين (رحمه الله) الى مدرسة (أنجمن اهلسنت) في محافظة "مرادآباد" حيث تواصل دراسته في العلوم الاسلامية فقرأ "آمدنامه" والقواعد الفارسية والنثر الفارسي "غلستان" والنظم الفارسي "بوستان" للشيخ السعدى الشيرازى وغيرها من الكتب في اللغة الفارسية وآدابها. ثم تدرج الى الاعلى فقرأ "مختصر القدوري" في الفقه الحنفي على فضيلة الشيخ سيد نعيم الدين المرادآبادي وقرأ كتاب "الكافية" في النحو لابن الحاجب على الشيخ عبد العزيز الفتحفوري ،ومن هنا اتجهت ميوله الى النحو، فقد كان يحفظ متن الكافية كحفظ القرآن الكريم عن ظهر قلب، يُعيدُه كل يوم ، كأنه وظيفته اليومية ،يقول : كنتُ أعيد الكافية حفظا بعد صلاة الفجر ، كما يحفظ القرآن الكريم ،واعتدت

يوميا علـى قـطع مسافة ميل واحد، حافظاً الكافية ،وصادف لي مرةً أنني قابلت في الطريق شيخـا صـالـحا ،فسلّمتُ عليه فردّ عليّ السلام ،وقال :أيُّ كتاب هذا ؟قلت : كتاب الكافية، فسأل : ولـماذا تحمله ؟ فقلت : أحفظه عن ظهر قلبي، فاستغرب ،وقال :ابن من أنت ؟ ولمّا أخبرتُـه عـن الـوالد ،تفضّل لي قائلا : طيّب !كان جدُّك سيد سخاوت حسين فريدَ دهره في علمي النحو والصرف وهذا أثره فيك ،ثم دعا لي ومضىٰ. (٢)

رحلته فى طلب العلم :

دأب أسـلافـنـا مـن الـمحدثين والفقهاء و اللغويين على ضرب أكبادهم الى معين الـعـلـم والـمعرفة طِبقاً لقوله تعالى : ﴿ فلولا نفر من كل فرقة منهم طائفة ليتفقهوا في الدين وليُـنـذروا قـومَهـم اذا رجعوا اليهم لعلهم يحذرون التوبة /١٢٢﴾ ولقوله عليه السلام : ﴿ مـن سلك طريقا يلتمس فيه سهّل الله له به طريقا الى الجنة ﴾ (٣) ولهذا نرى من المحدثين مـن يـقـطـع أميـالا عـلـى ظهر المشقة والحنين لطلب حديثٍ واحدٍ ،كما ذكر البخاري في صـحيـحـه، في كتاب العلم ، أن جابر ابن عبد الله رَحلَ مسيرةَ شهرٍ الى عبد الله بن أنس في حـديـث واحـد ، وهـذا لم يكن الاّ من الدافع الديني الذي أخذ بقلوب أسلافنا للحفاظ على روح الدين .

ومن هذا المنظور توَجّه العلامة الميرتي بعد اختتام كتاب الكافية حفظاً واتقانا الى دار الـعـلـوم المعينية العثمانية (أجمير الشريفة) حيث قبلةُ الطلاب ومقصد القاصدين العلامة الـكبيـر الـفقيه الاعظم المفتي أمجد علي (رحمه الله) يُروِي غليل الظامئين من طلاب العلم والدين ،لينهل من معينه ويقتطف من زهره(٤)

ارتـحـل العلامة الميرتي الى بلدة (أجمير) في قافلة مشكّلة من النوابغ المعاصرين مـن أمثـال مـوسِّس الجامعة الأشرفية الشيخ عبد العزيز المرادآبادي وشمس العلماء القاضي شـمـس الـديـن الـجـونـفـوري وغيرهما، فالتحق هنالك بدرجة "شرح الجامي "بعد اجتياز مرحلة الاختبار بالنجاح(٥)

فـي هـذه الـحـوزـة الـدينية يبدأ العلامة الميرتي دراسته ،وظروفه الاقتصادية رديئة قـاسية مِـمّـا يـضطر الى استقراض عشر روبيات من احد الطلاب ،وحوالي شهر يكتفي على خبزٍ وشطة بـالـصبـر والتـصـدي حتـى يـفتح الله عليه ،فتُخصّص له المدرسة منحةً دراسيةً ،عبـارتهـا عـن روبية واحـدـة فيـرتـاح قليلا ،وفضل الله يتواصلُ عليه اذ ينجح في كتاب ملا

حسن بدرجة "الامتياز" فيضيف مجلس الشورى للمدرسة منحتَه الشهرية روبيتين (٦) وهكذا تتحسن ظروفه الاقتصادية بفضل جهوده وذهنه الوقاد مساعِدةً على المواصلة والتقدم بعونِ الملك الوهاب .

وَاصلَ دراستَه في هذه المدرسة بالصبر والأناة، يجتهد ويغترف ،ومِمَّن درس عليهم غير شيخه المعهود العلامة امجد علي ـ رحمه اللّٰه ـ هم : الشيخ عبد المجيد ،والشيخ عبد الحئ الافغاني ،والشيخ عبد الله الافغاني ،وغيرهم (٧)

يستقيل شيخه المفتي امجد علي عن وظيفته في المدرسة المذكورة ويستدعيه الشيخ حامد رضا خان(ابن الامام احمد رضا خان البريلوي ـرحمهما الله) الى دار العلوم منظر الاسلام في بريلي، فيُلبِّي الشيخ دعوته ويرتحل الى هذه المدرسة ،ومعه العلامة الميرتي يصحبه ،وهنا يقرأ عليه شروح تجريد الرازي والطوسي والمحقق الدواني وغيرها من كتب المعقولات والاشارات (٨) حتى يصبح عالم الاشارات ،ذلك العلم الذي نضبَ مُتقِنوها في عصرنا هذا .

بهذه الجهود الحثيثة المباركة المتواصلة استحق أن تُكَلَّل راسه بتاج التخرج في سنة ١٣٥٢من الهجرة النبوية وينال شهادة " الفضيلة ،، في العلوم الاسلامية (٩)

اشتغاله بالتدريس :

لا شك في أن التدريس وظيفة مهمة ومباركة الا انها في نفس الوقت شاقة تقتضي الصبر والمعاناة، وتطلب قوةالاناء ة، وقوة الصمود، فضلا عن الكفاء ة الذاتية ،طريقُها وعرة ،صعبة التذليل؛لتضخم الأشغال المتعلقة به ،من تحضير المادة والقائها ،وخلق روح النشاط، والحيوية في نفوس الطلاب ،وما الى ذلك من امور. هذا ! ومن جانب آخر ، فالوسائل محدودة ،والراتب قليل، واما المسائل فلا حصر لها ،وبالاخص في مدارس الهند الاهلية التي تتحرك عجلتاها بالتبرعات الخيرية المحدودة ،لا يُكترث بها في أية حال ؛ولهذا كم من فارسٍ، يطرق أبوابها، ولكنه لا يلبث الّا أن تخور قواه، فيُودِّعها بسلام ،وقلّ من يتصدّى لها

وأما العلامة الميرتي فقد كان من القلائل يحمل بين جنبيه نفسا عالية وقلبا نابضا بالحب والايمان يعني التدريس عنده عبادة هذا الذي أكد تلميذه النجيب قائد الملة الداعية الكبير العلامة شاه أحمد نوراني ـرحمه الله ـقائلا : (ان التدريس لدى الشيخ الميرتي

وأمثاله كانت تعني عبادة ولهذا قضى هؤلاء حياتهم في خدمة التدريس بالاخلاص.)(١٠)

أول مدرسة ابتدا بالتدريس بعد التخرج هي المدرسة المحمدية في جائس من محافظة "رائ بريلي" بقى فيها مدرسا نحو سنة واحدة، ثم انتقل الى دار العلوم (عظمت نشان) في "كرنال" على دعوة من نواب صدر يار جنك بهادر الشيخ حبيب الرحمٰن خان الشيرواني، حيث عُيِّن رئيسا للهيئة التدريسية فأدى هنالك وظيفته التدريسية نحو سنة وربع، ثم انتقل وبنفس المنصب الى مدرسة احسن المدارس في مدينة كانفور وفي سنة ١٩٣٥م .غادر هذه المدرسة وتولّى رئاسة الهيئة التدريسية في "اندركوت" من محافظة "ميرت" الولاية الشمالية الهنديه ـ وقضى هنالك بقية حياته مدرسا (١١) واستفاد منه خلق كثير، وتلمّذ عليه جماعة من العلماء والمفكرين من أمثال :

١ حافظ الملة الشيخ عبد العزيز المرادآبادي (مؤسس الجامعة الاشرفية، مباركفور،الهند.)

٢ الشيخ شاه أحمد نوراني (الرئيس السابق لمجلس العمل في الباكستان.)

٣ خطيب المشرق العلامة مشتاق أحمد النظامي (إله آباد، اترابراديش ،الهند.)

٤ الشيخ محمد شريف الحق الامجدي (الجامعة الاشرفية ،مباركفور الهند.)

٥ الشيخ سيد نعيم أشرف (جائس، أترابراديش ،الهند.)

وغيرهم من التلامذة الذين قائمة أسمائهم طويلة (١٢)لايمكن ذكرها هنا بالتفصيل ؛وذلك لان مدة تدريسه في المدارس ممتدة على السنين. وعلى كلٍ فانه خلّد ذكره بتلامذته العباقرة .

اشتغاله بالتاليف :

يُعدُّ التاليف في تضاريس حياة العلامة غلام جيلاني الميرتي يداً يسرىٰ اذا كان التدريس يداً يمنىٰ، يبني بهما قصور مجده العلمي، فقد ألّف كتبا ذات قيمة كبيرة في الموضوع الذي اختص فيه من تلقاء نفسه، وهو علم النحو الذي شغف به منذ نعومة أظفاره العلمية ،كما أشرنا اليه آنفا أنه كان يحتضن كتاب "الكافية" لابن الحاجب بالحفظ والاتقان مِمّا يدل على ولهِه بهذا الفن الذي صحِبَه طول حياته وحرّك قريحته الفكرية ،ودفعه الى التاليف في هذا الباب، فكتب ثلاثة شروح على ثلاثة من الكتب النحوية، وهي :

(١) بشير الناجية بشرح الكافية لابن الحاجب.

(٢) بشير الكامل بشرح مأة عامل .

(٣) البشير شرح نحو مير .

هـذا !ومـن جـانـب آخـر لم يكن اطلاعه منحصرا في علمي النحو والصرف وانما كـان متـرامـيَ الاطـراف، عـميقَ النظر في العلوم الاسلامية ،فقد كان يضطلع بالفقه واصوله ،كـما كان يُلِمُّ عن الحديث وعلومه، وخير شاهد على ذلك كتابه المعروف "بشير القاري بشرح صحيح البخاري" الذي ألّفه كسراً لانف أحد المحدثين المعاصرين مولانا حسين أحـمـد الـمدني الذي كان قد تعلّى على الامام البخاري في كتابه المطبوع (تقرير بخاري) فـردَّ مـزاعـمـه ،وكسّـر شـوكتـه بهـذا الـكتاب البديع ،كما يصرح الميرتي ذلك في مقدمته .ونعتقد أنه لولا انهِمَاكُه في التدريس وجُلُّ اهتمامه به لكثرت مؤلفاته في العلوم والفنون

حجه وبيعته :

بـايـعَ العلامة غلام جيلاني الميرتي الشيخَ شاه علي حسين الأشرفي (رحمهما الله) فـي سـنة ١٣٨٩مـن الـهـجـرة الـنبـوية الـشـريـفة .وفـي السنة نفسها تشرّف بزيارة الحرمين الشريفين(١٣)

انتقاله الى رحمة الله تعالىٰ :

وبهـذه الـحيـاة الـحـافـلة بـالـعلم والعطاء هَوَىٰ هذا النجم اللّامع في ٢٩ جمادى الاولى سنة ١٣٩٨الهجرية المصادف سنة ١٩٧٨م رحمه الله رحمة واسعة .(١٤)

المبحث الثاني

النقد النحوي عند الميرتى

فى النحو العربى

تـكـاثـرت الـعلوم والآداب في التمدن الاسلامي حتى تجاوز عددها ثلاثمئة علم في الشرع واللغة والتاريخ والادب والشعر وغيرها وأكثرها نشأ من القرآن الكريم أو تولّد خدمةً له، ولا يكاد يخلو علم من تاثير القرآن الكريم تاثيراً مباشراً أو غير مباشر. (١٥)

ومـن الـعـلوم التى نشأت من القرآن الكريم النحو الذي هو عبارة عن اصول وقوانين تعرف بها أحوال أواخر الكلام من حيث التركيب والمعنى . والنحو من أهم العلوم القرآنية،

وأجلّها شرفا ،وأسماها قدرا، وأنفعها اثراً ،به يتثقف أود اللسان ،ويسلس عنان البيان ،وقيمة المرء طيّ لسانه، لا طيلسانه، يقول ابن خلدون : اذ به يتبين أصول المقاصد بالدلالة ،فيعرف الفاعل عن المفعول، والمبتدأ من الخبر، ولولاه لجهل أصل الفائدة .)(١٦)

والنحو أفضل من أن يحمد وأرفع من أن يثنى عليه ،كما قال محمد علي الطنطاوي : (وان من يحاول اقامة الدليل على فضله بالبرهان ،كان كمن يتكلفه على اشراق الشمس وضياء النهار؛ فلذا قدّر المؤرخون للنحويين جهودَهم ورفعوا لهم أعلام الحمد، وخلّدوهم في صحائفهم بمِداد التبجيل والتكريم.) (١٧)

اختلفت الاقوال في أول من وضع أصول النحو ،فقد قال قائل ان أول من وضع النحو هو الخليفة الرابع سيدنا علي بن أبي طالب ـ كرّم اللّٰه وجهه الكريم ـ بينما ذهب الجهور الى أن أول من وضع أصول النحو هو أبو الاسود الدؤلي في حين يذهب الآخرون الى أقوال ومذاهب شتى(١٨) الا أن الشيئ الذي يتفق عليه المؤرخون في خضم هذه الاقوال هو أن النحو وضع لمّا فشا اللحن في الاسلوب العربي في القرن الثاني الهجري فوضعت الاصول والقواعد طِبقا للحاجة الاجتماعية فضلا عن الحاجة الدينية وهي الحفاظ على سلامة عربية القرآن الكريم والحديث النبوي الشريف .

وهذه الغاية الدينية هي التي كانت الحافزة الحقيقية والدافع المبارك الذي دفع علماء الاسلام الى الاعتناء باللسان العربي لفظاً ومعنىً مما خلّفوا لنا آثارا ضخمة في العلوم العربية ،منها النحو الذي تتابعت فيه المؤلفات في كل عصر ومصر والى يومنا هذا والى عشنا هذا، هندنا العزيزة .

مساهمة الهند في تاليف النحو العربي

أسهمت الهند مساهمة فعالة في ارساء قاعدة علمية تحت ظلال القرآن الكريم جنبا الى جنب مع العرب حيث لم تترك علما من العلوم الاسلامية ،الّا وألّفَ فيه أبناؤها من العلماء والمفكرين كتبا مستقلة حتى في مجال العلوم العربية وان كان الفضل يرجع في ذلك الى ابناء العربية الذين ينطقون بالضاد.

لقد ساهم علماء الهند في تاليف النحو العربي في القرون المتأخرة من العرب ،فقد ظهرت متون وشروح في النحو العربي في القرن الثامن الهجري ،ومن ثم توالت جهود الهنود فى هذا الصدد ، فمن جهودهم المباركة مثلا "ارشاد النحو" لشهاب الدين الدولت

آبادي المتوفى سنة ٨٤٩ / ١٤٤٥م. وهو متن في الجمل العربية أرفع منزلة من الكافية لابن الحاجب في نظر علماء الهند ،وقد شرح هذا الكتاب عدد كبير من الباحثين الهنود وغيرهم ،منهم الفضل الخطيب الكازروني ،وعبد النبي الشطاري ،فضلا عن شارحين آخرين ليسا من الهند .(١٩)

وهنالك متون وشروح أخرى كثيرة في النحو العربي نكتفي بذكر بحث علمي قيم ألّفه علي بن أحمد المهائمي، وهو ليس كتاب نحو فقط ،وانما يُعطي اعرابا نحويا للآية الاولى في سورة البقرة ﴿ ذلك الكتاب لا ريب فيه ـ البقرة : ١﴾ وقد ذكر المؤلف في هذا الكتاب الصغير ١٢٨٣٤٤٥٢٤ من أوجه الاعراب المختلفة لهذه الآية القصيرة ،ولكن هذا الكتاب لا يعرف له وجود ،وقد اقتطف منه غلام علي آزاد في سبحة المرجان جملا كافية (٢٠) ولا شك ان هذا الانجاز العلمي النحوي العظيم لباحث هندي يثبت أن الهند لم تقصر في تخريج العلماء المتضلعين من علم العربية الذين وقفوا على أسرارها وتذوقوا بأساليبها، فدرسوها وكتبوا فيها مؤلفات قيمة، ولا زالت العناية مركزة في مجال العربية الى يومنا هذا بالدافع الايماني القوي الذي يغمر قلوبنا الهنود المسلمين .

النحو العربي عند غلام جيلاني الميرتي

على هذا الغرار الايماني نجد في الماضي القريب في تاريخ الهند علامة في العربية ،صدر العلماء، غلام جيلاني الميرتي ـ رحمه الله ـ الذي يُعدُّ من أكبر النحاة الهنود المعاصرين ، له باع طويل في النحو العربي ،والمام دقيق بجزئياته، وتطبيق مصيب لاصوله، يكاد يُشكِّل مدرسة نحوية عصرية لولا حرصه الشديد على بقاء النحو القديم الذي أشرب حبه رحيقا مختوما ،لا يقبل الانحياز طرفة عين عمّا دَربَ عليه النحاة المتاخرون من أذيال المدرسة البصرية في القرون الوسطى من أمثال ابن هشام وابن الحاجب ،ورضي الدين الاسترابادي ،والسيوطي، والدسوقي ،والجامي ،والصبان، والبسنوي، وغيرهم ـ رحمهم الله جميعا .

النقد النحوي عند الميرتي

واذا أنعمنا النظر في مؤلفات العلامة الميرتي نجده ناقداً نحوياً بارعاً، يرصد الظواهر الضعيفة الاتقان والضبط عند من يستعجل في التاليف ،ويرغب في التشهير بلا تأن، وتفكّر ،وتريّث ،مثلما فعل علماء ديوبند الذين لم يتركوا كتابا ،الّا وترجموها الى الاردية ممّا أدى

الى ضعف اللغة العربية ،وفقدان الاعتماد على الذات في نفس الطالب؛ لانه يجد أمامه شرحا جاهزا، فلا يشعر بحاجة الى حلّ الحمل العربية ،وممّا زاد الطين بلةً أن أكثر هذه التراجم للكتب العربية من قبل علماء ديوبند تفقد الدقة التعبيرية للاسلوب والبيان والميزات العلمية للفكر والمادة .

وهذا الضعف الفكري والاسلوبي هو الذي استلفت انتباه العلامة غلام جيلاني الميرتي -رحمه الله -الى شرح الكتب النحوية التي أخرجها الديابنة مثالا للفكر السقيم، والاسلوب العقيم، فثار لها العلامة الميرتي، وصوّبَ اليها سهام نقده بغيةَ تحقيق الصلاح والاستقامة .واليك الان هذه الشروح وتعليقات العلامة الميرتي عليهامن خلال مؤلفاته التي كتبها رداً على شروح الديابنة الذين ضلّوا وأضلّوا طلاب العلم بافكارهم الزائغة والتعبيرات غير الدقيقة ،حسبما يرى العلامة عن هذه الشروح .

بشير الناجية بشرح الكافية

يُعد كتاب (الكافية) لابن الحاجب (المتوفى :٦٤٦ الهجرية) من أهم المتون النحوية المختصرة ،تعمد في عرض المادة الى الايجاز الدقيق ،والاستيعاب البليغ ؛ليتمكن الطلاب من ضبط المسائل النحوية بالسهولة في وقت قليل .وبهذه الصفات نال هذا الكتاب رواجا عاما في أوساط الدارسين من الطلبة والمدرسين وبالاخص في المدارس الاسلامية العربية في الهند التي لا زالت تكتنفها الى يومنا هذا بالاهتمام والقبول ؛ولهذا الاهتمام البالغ نرى لهذا الكتاب مئات من الشروح والحواشي في اللغات المختلفة : العربية ،والفارسية ،والتركية -والأردية ،يتداولها طلاب اللغة العربية لضبط القواعد النحوية واتقانها

ومن أهم شروح الكافية في اللغة الاردية (بشير الناجية بحل شرح الكافية) الذي ألّفه العلامة غلام جيلاني الميرتي نظراً الى سقامة الأسلوب والمادة لشرح الكافية الذى ألّفه الشيخ محمد حيات الديوبندي المعروف بـ"السعيدية" الذي يراه الميرتي مليئا بالاخطاء (٢١)لا تغتفر، ويُعقّب عليه تعقيبات مصيبة ،فضلا عن الشرح والبيان لنصوص الكافية ،تتلخص أعماله في العناصر الآتية :

١ ينقد "السعيدية "شرح الكافية باللغة الاردية نقدا مصيبا لاذعا،

٢ يشرح الكافية شرحا مفصلا، يحلّ غموضها ويفكّ رموزها.

٣ يُعطي اعرابا تفصيليا لنصوص الكافية ؛ليتوضح المقصود من عبارة الكافية.

٤ يلجأ الى الاستدلال المنطقي في إثبات الاتجاهات النحوية .

ومن ينعم النظر في شرح العلامة الميرتي هذا يجد أنه ناقدٌ بارع، عقابيُّ النظر ثاقبُ الفكر، غزيرُ المادة، فلسفيُّ العقل، متمسكٌ بالنحو القديم، قويُّ الاستدلال، لا يفوته غادٍ ولا راحٍ الّا يخطفه ببصره الحاد، كما نقد في كتبه الثلاثة هذه أرباب النحويين المعاصرين له، واليك أمثلة على نقده :

المثال الاول

يعرف ابن الحاجب الكلمةَ في كتابه "الكافية" بأنها لفظ وضع لمعنى مفرد ،وعند شرح هذا التعريف يضيف مولانا محمد حيات السنبهلي الديوبندي أن "اللفظ" في هذا التعريف بمنزلة الجنس، فيغضب عليه الميرتي، ويردّ عليه قائلا : (هذا خطأ بان "اللفظ" فى هذا التعريف بمنزلة الجنس ،بل هو جنس حقيقة ؛لانه يمكن أن يقال في تعريف الماهيات الحقيقية المركبة أنه بمنزلة الجنس ؛لان الجنس هناك يشتبه مع العرض والفصل الخاص ،وأما هنا في تعريف الماهية الاصطلاحية فأيُّ ضررٍ في جعل اللفظ هنا جنسا ؟ لعله لم تمرَّ به عبارة "نور الانوار" عن تعريف (الخاص)حيث شرح (كل لفظ)أنه بمنزلة الجنس، فاعترض عليه الشيخ عبد الحليم اللكنوي في حاشيته :(والصواب أن يقول : جنس ؛فان ماهية الخاص ماهية اعتبارية اصطلاحية ،فما كان داخلا فيها، يكون ذاتيا، وما كان خارجا عنها، يكون عرضيا)(٢٢)

المثال الثانى

قسم ابن الحاجب الكلمة بعد تعريفها الى اسم وفعل وحرف قائلا : (هي اسم وفعل وحرف) يُعرب الشيخ محمد حيات الديوبندي صاحب السعيدية أن (هي) مبتدأ، وخبرها محذوف، وهو (منقسمة) فيردّ عليه الميرتي أنه لا حاجة الى هذا التقدير المتكلف، بل خبرُ (هي) "اسم وفعل وحرف" كما علّق ملا نور محمد المدقق ـ رحمه الله ـ على عبارة الجامي التي وَهِم منها أنه قدّر (منقسمة) فقال رفعا لهذا الوهم : وليس قوله (أي : قول الجامي) :"منقسمة الى الاقسام الثلاثة " اشارة الى تقدير الخبر ،كما وهم، فانه تكلف ولا داعي)(٢٣)

المثال الثالث

جاء في الكافية عن تعريف (المبتدا) أنه يكون مجردا عن العوامل اللفظية

فاعترض صاحب السعيدية الشيخ محمد حيات الديوبندي على هذا التعريف بأن لفظ (المجرد) يقتضي أنه كان هنالك عامل لفظي، ثم حذف هذا العامل ،وهذا ليس بلازم، ثم يجيب الشيخ محمد حيات بنفسه على هذا الاعتراض قائلا : ان (المجرد) لا يعني هنا أنه كان هنالك عامل ،ثم أُبعدَ عنه ،بل معناه انه لم يوجد، أي أطلق اللازم وأريد به الملزوم ؛لانه لا يلزم هذا التجريد لعدم الوجود(٢٤)

انظر الى هذا السوال المختلق والجواب المتفلسف المتكلف ،ومهارة العلامة الميرتي كيف يسحب الشعر من العجين ،فيرد عليه بأنه أخطأ في بيان لزومية التجريد عدم الوجود ،والامر على عكسٍ ما ذكره هذا الديوبندي ؛وذلك هو انه لا يلزم التجريد لعدم الوجود، بل يلزم التجريد عدم الوجود ،حيث أصبح التجريد ملزوما ،وعدم الوجود لازما ،وعلى هذا أطلق الملزوم وأريد به اللازم ليس كما صرح الديوبندي أنه أطلق اللازم وأريد به الملزوم، ثم مثّلَ لها الميرتي أنه لو جرّد (انّ) من (ان زيدا قائم) يتحقق التجريد وعدم الوجود كلاهما، اذ لم يبق وجود (ان) وان جاء ابتداء :(زيدا قائم) يتحقق عدم وجود العامل اللفظي، ولا تجريد(٢٥)

هذا بحث مما لا طائل فيه ؛ لأن النحو علم طبيعي ،يلتمس وجوده بالشواهد والأمثلة، ويبني قصره على تطبيقات حية، وليس هو علم يطير بين آفاق الفلسفة ،ولا علاقة له بأرض الواقع .

البشير الكامل بحل شرح مأة عامل

(مأة عامل) كتاب نحوي ،يجمع بين دفتيه جميع العوامل اللفظية والمعنوية والقياسية وغيرها بأسلوب موجز بسيط، وهو من مؤلفات الامام الشيخ عبد القاهر الجرجاني(ت:٤٧١ . الهجرية) وشرح هذا الكتاب الشيخ عبد الرحمٰن الجامي (ت:٨٩٨. الهجرية) والمتن والشرح كلاهما في العربية ، يدرسان في المدارس الاسلامية الهندية تمرينا لطلاب الصفوف الابتدائية على الاعراب وتركيب الجمل ولهذا اتجه الكثير من أرباب العربية الى شرح هذا الكتاب بغية السهولة والايضاح أكثر، فأكثر، الا ان أكثر هذه الكتب الشارحة تفقد الايضاح والدقة ،ولا تفي بحق الاعراب الذي هو المقصود من دراسة هذا الكتاب بالاخص "ايضاح العوامل" الذى ألّفه الشيخ ظهور احمد الديوبندي بالاردية ، يقول الميرتي عن هذا الكتاب :

(قد ظهرت الى معرض الوجود كثير من الكتب في الاعراب النحوي كلها ساقطة عن المستوى النحوي ،ولا يفي أي واحد منها بالمقصود الاعرابي وبالاخص "الايضاح العوامل" الذي هو عبارة عن عُقد الاغلاط، وهو مضل الطلاب) (٢٦)

هذا هو السبب الذي حرّض العلامة الميرتي الى شرح "مأة عامل "من جديد ليسدّد به ما شغره الآخرون، ويفي بالاعراب النحوي ما أخله الشارحون ،ويكمل ما نقصه المعاصرون ،فألّف "البشير الكامل بحل شرح مأة عامل" باللغة الاردية ،تلبية لرغبة الطلاب ،يشرح فيه العبارات الغامضة لنصوص "مأة عامل" للجرجاني ونصوص شرحها لعبد الرحمان الجامي شرحا مفصلا مع اعراب النصوص اعرابا كاملا، ولا يفوته الاستدلال المنطقي ،كما هي عادته ،وكذلك لا يفوته النقد النحوي الذي كلّف لأجله نفسَه بالتاليفِ ،حيث نراه يُخطِّأ الشيخ ظهور أحمد صاحب "ايضاح العوامل" في (١٨٦) موضعا من كتابه المذكور الذي لا يتجاوز حجمه (١١١) صفحة ،ويقول الميرتي عن هذه الاغلاط أنها فاحشة ،ولو حاسبناه حسابا دقيقا، لوَصلَت أخطاؤه الى المئات من جديد ،ولا شك أن التعقيبات هذه وغيرها تدل على ثقافته الواسعة ونظره الدقيق في علمي النحو والصرف .

وكما قلنا ان من أبرز ميزاته في التاليف النقد على من عاصره من علماء "ديوبند" الذين نختلف معهم في الامور العقدية من مثل اعتقادهم امكانية الكذب في حق الله۔ سبحانه تعالى۔ وتفوّهِهم بكلمات ،لا تليق بشان الرسول ۔عليه السلام۔ وهذه العقيدة السيئة قد أفضت عليهم صفات الضلالة في كل مجال من العلم والمعرفة ،كما نرى هفواتهم في علم النحو بينةً واضحةً ،تنطق بسوء حالهم ، واليك الآن أمثلة على ذلك :

المثال الاول

يرد الميرتي على ظهور أحمد مؤلف "ايضاح العوامل" في اعراب قوله تعالى : ﴿ ولا تلقوا بأيديكم الى التهلكة ﴾ حيث جعل الشيخ ظهور أحمد (الباء) متعلقا بفعل (لا تلقوا) فيردّ عليه الميرتي ردا بليغا، يقول : (أقول : هذا غلط يدل على عدم فهم معنى (الباء) وذلك لان حرف الجر الزائد لا يتعلق بالفعل وشبهِه ؛لان حرف الجر ،انما يتعلق بهما ؛لانه يوصل معناهما الى المدخول ،والزائد لا يوصل ؛ولهذا لا يتعلق ... واليك ما قاله السيوطي في هذا الصدد في "همع الهوامع شرح جمع الجوامع" ٢ / ١٠٨ : (ولا يتعلق) من حروف الجر زائدا ،ك "الباء" و"من" في :

﴿ كفىٰ بالله شهيدا ـ النسآ ـ ٧٩.﴾ و﴿ هل من خالق غير الله ؟ فاطر ـ ٣.﴾ وذلك لان معنى التعلق الارتباط المعنوي ،والاصل أن افعالا قصرت عن الوصول الى الاسماء، فاعنيت على ذلك بحروف الجر ،والزائد انما دخل في الكلام تقويةً وتوكيداً، ولم يدخل للربط الا "اللام" المقوية ،فانها تتعلق بالعامل المقوي نحو : ﴿ مصدِّقا لِمَا معهم ـ البقرة ـ ٤١. ﴾ و﴿ فعّال لِمَا يُريد ـهود ـ ١٠٧.﴾ و﴿ ان كنتم للرؤيا تعبرون ـ يوسف ـ٤٣.﴾ لان التحقيق انها ليست زائدة محضة لما تخيل في العامل من الضعف الذي نزل منزلة القاصر ،ولا معدية محضة لاطراد صحة اسقاطها ،فلها منزلة بين منزلتين (قول الحوفي) في اعرابه ان "الباء" في :﴿ أليس الله بأحكم الحاكمين ـ التين ـ ٨.﴾ متعلق وهم ،أي : غلط نشأ عن ذهول.)(٢٧)

لاحظت كيف ينقد الميرتي الشيخ ظهور احمد على جعله الباء متعلقا بفعل (لا تلقوا) ويُنبّهه على نقطة مهمة في أصل التعلق مشيراً الى الفرق الدقيق بين حرف الجر وغيره، مستمداً في ذلك من همع الهوامع للسيوطي الذي هو من النحاة المتأخرين ،ولنا في المسألة رأي آخر، وهو أنه لا وجود لحرف الجر الزائد بالفعل وبالاخص في التعبيرات القرآنية ،لا بالمعنى العام ،ولا بالمعنى الخاص ؛لانه ليس من المعقول أن يُعدّ حرف من الحروف، زائداً، أو غير زائداً ؛ لمجرد عملية ايصال المعنى الى المدخول ، وعدمه ،ولا يراعى فيه جوانب أخرى ،والحق أن لكل حرف مستعمل في القرآن الكريم معنىً يؤديها ذلك الحرف مع الايصال المطلوب ،وللتفصيل مجال آخر .

المثال الثاني

انظر مثالا آخر لنقده المصيب على الشيخ ظهور أحمد الذي يجعل كلمة (جعل) في مثل كلمة دعائية : (وجعل الجنة مثواه) من أفعال القلوب، فيردّ عليه الميرتي قائلا : (أقول : أستغفر الله اكبُرَ كلمةً ،تخرج من أفواهِهم ،فقد قال ﷺ في مثل هؤلاء الاناس ﴿ان العبدَ ليتكلم بالكلمة من سخط الله، لا يُلقي لها بالاً، يَهوِي بها في نار جهنم ـ رواه البخاري. ﴾ والذي يعد كلمة (جعل) من أفعال القلوب كذلك من هؤلاء أصحاب النار ؛لان الضمير المستتر في (جعل) يرجع الى اسم الجلالة ،وكلمة (جعل) التي تُعد من أفعال القلوب تاتي بمعنى: "الاعتقاد غير المطابق "كما فى شرح الرضي للكافية : (ويستعمل "عَدَّ" و"جَعلَ" لاعتقاد كون الشيء على صفة ، اعتقاداً غيرَ مطابقٍ، فاذا وَليتهما الاسمية ،

نصَبا جزئيها ، نحو :

(كنت أعدُّه فقيراً، فبانَ غنيا) وقال تعالى: ﴿وجعلوا الملائكة الذين هم عباد الرحمٰن اناثا۔ الزخرف ـ ١٩. ﴾ أي: اعتقدوا فيهم الانوثة) والاعتقاد غير المطابق صفة النقص، وجملة (جعل الجنة مثواه) دعائية، وهذا جهل مركب ؛ولهذه الامور الاربعة أصبحت الدعوة في جناب الله عز وجل على حصول صفة النقص وهذا من سوء الادب في جلالته تعالى ولهذا قلنا ان هؤلاء الاناس قد ورثوا سوء الادب كابراً عن كابرٍ ،والحق أن كلمة (جعل) من أفعال "التصيير" التي تتعدى الى مفعولين ، كما في همع الهوامع شرح جمع الجوامع للسيوطي))(٢٨)

المثال الثالث

أعرب الشيخ ظهور أحمد الديوبندي في شرحه (ايضاح العوامل) قوله تعالى : ﴿ فانظر ماذا ترى ـ الصافات ـ١٠٢. ﴾ بأن جعل (ذا) اسم موصول بمعنى (الذي) و (ترى) صلة له بعد جعله جملة انشائية ،فيرد عليه الميرتي قائلا : (أقول : هذا غلط لأن الصلة لا تكون جملة انشائية ،بل تكون خبرية، اسمع ما قاله صاحب "هداية النحو" على صفحة (٤٠) :" والصلة جملة خبرية " (٢٩)

البشير بشرح نحو مير

للمدارس الاسلامية الهندية طبيعة خاصة تتبع في الاغلب منهجا تعليميا خاصا يعرف بالدرس النظامي الذي تخضع لاصول تعليمية قديمة تنحدر من القرون الوسطى يبدأ هذا النظام التعليمي في دراسة العلوم الاسلامية والعربية بداية من اللغة الفارسية ثم يتدرج هذا النظام التعليمي والتربوي الى الكتب العربية ،فأمهات الكتب من الفقه ،وأصوله ،والحديث ،وعلومه ،والمنطق ،والفلسفة ...وما الى ذلك من علوم وفنون .

وتبعا لهذا المنهج تبدأ المدارس الاسلامية الهندية بتدريس المادة النحوية من كتاب (نحو مير) باللغة الفارسية ،وهو كتاب في أسلوب بسيط وسهل يضبطه التلميذ المبتدي بسهولة لبساطة المادة والاسلوب، ولكنه مع بساطة الكتاب قد يصعب على من لا يتقن الفارسية، فقام كثير من أصحاب العلم بشرح هذا الكتاب كما قام علماء ديوبند الذين ضلوا واضلوا مما دفع العلامة الميرتي الى شرح هذا الكتاب من جديد ليعصم الناشئين من الوقوع في متاهات الخطأ والضلالة فشرح الكتاب من اوله الى آخره باسلوب اسهل مع التنبيه على

الاخطاء التي وقع فيها شراح هذا الكتاب من قبل واضاف مقدمة أشار فيها الى صاحب الكتاب مع بيان سبب التاليف مشيراً الى الشرحين الذين حرضاه على تاليف هذا الشرح وهذان الشرحان الذان أشار اليهما في المقدمة، هما :

١ المهر المنير للشيخ عمر أحمد العثماني التهانوي ألّفه في سنة ١٣٦٥ الهجرية

٢ المصباح المنير بشرح نحو مير (الاردية) للشيخ سيد حسن بن نبيه حسن (المدرس في دار العلوم ديوبند) ألّفه سنة ١٣٧٧ الهجرية (٣٠)

علّق الميرتي على هذين الشرحين انهما وان كان زمن تاليفهما مختلفا الا ان محتواهما واحد ، وكلاهما انموذجان للتضليل ، ويضيف أن صاحبيهما يسيئان الى النحاة في تعليقاتهما المخطئة، ومسائلهما متعارضة ،فيما بينها، وترجمتهما غير دقيقة ،والامثلة ليست مطابقة لممثلها، والاصطلاحات ليست مضبوطة، واما الاعراب وربط تركيب الجمل بالجمل فتنمُّ عن جهلهم في النحو .. (٣١)ليست هذه الدعاوي فقط ،وانما عقّب عليهما سطرا سطرا ،وفندهما تفنيدا ،ولم يترك لهذين الشرحين من ماء للحياة ،كالجسد بلاروح .واليك الآن نماذج من نقده في هذا الكتاب :

المثال الاول

جاء فى "المصباح المنير" على صفحة (٧٦) وفي " المهرالمنير" على صفحة (٦٩) أن معنى الجزم سكون ، فيردُّ عليهما الميرتي رداً عنيفا قائلا:(هذا خطأ؛ فان الجزم عام ،والسكون خاص،لان الجزم قد يكون عبارةعن السكون ،وقد يكون الجزم بحذف اللام، وقد ياتى بحذف النون .(٣٢)

والحق أن الميرتى مصيب فى تعقيبه هذا على الشرحين ، اذ أن التعبير الدقيق يأبى شرح الجزم بالسكون۔ وكان ينبغى لصا حبي هذين الشرحين أن يُعبِّرا عن الجزم أنه حالة اعرابية خاصة لها ،صور مختلفة من السكون، وحذف حرف العلة ؛ليكون التعبير دقيقا ،ولا تثير فى أذهان النا شئين البسطاء أسئلة تؤدي الى الارتبا ك الذهني .

المثال الثانى

جاء فى الشرحين :المصباح المنير ص : ١٠٦ . والمهر المنير ص : ٩٧ ان درهما فى :(عندي أحد عشردرهما) تميز ، رفع الابهام عن (احد عشر) الذي هو عدد ،هنا يردُّ عليهما قائلا:(متى كان الابهام فى العدد حتى رفعه (درهما)؟ والصحيح أن المقصود من

(أحد عشر) العدد، هو المعدود، وهو الذي كان فيه الابهام من الجنس الذي رفعه (درهما) (٣٣)ويقول الميرتي في موضع آخر من الكتاب : (والمقصود من العدد هو المعدود ؛لانه ليس هنالك فى العدد من ابهام وغموض، كما أن (أحد عشر) هو عبارة عن درجة أومرتبة معينة بين عشرة واثنتى عشرة وهي ما يطلق عليها بالاردية(گیاره) نعم ان الذى يطلق عليها أحد عشر هو المعدود وهو المبهم من حيث الجنس الذي لا يعرف عنه أنه من نوع الدرهم أو الكتاب ،أوالثوب ،أو غيرها ـولكنه لمّاجاء (درهما) فرفع الابهام عن الجنس ،وصار معلوما أنه المعدود من جنس الدرهم .(٣٤)

أقول هذا رأي بديع ،وتعقيب لطيف؛ لان الابهام لا يكون في العدد ،وانما المعدود هو مظن الابهام .

المثال الثالث

جاء في "المصباح المنير" على صفحة (١٠٩) ان الفعل لا ياتي الا ملحقا بتاء التانيث اذا كان الفاعل جمعَ تكسيرٍ ،مثل: (قالت نسوة) عقّبَ الميرتى على هذا قائلا : (أقول هذا خطأ،يخالف مقتضىٰ عبارة "نحو مير" كما لا يلائم والتعبير القرآني، وأما خلافه لمقتضى عبارة "نحو مير" فلان المصنف ـرَحِمَه الله ـأطلق الفعل عند استخدام الجمع المكسر ، اذا كان ظاهراً،سواء كان جمعَ تكسير للمذكر ،أو للمؤنث ،وأما خلاف القرآن ؛ فلانه ورد فى سورة يوسف من القرآن الكريم ﴿وقال نسوة في المدينة يوسف ـ ٣٠.﴾ أنظر تلك النسوة نفسها جمع تكسير، فاعل ظاهر مع ذلك أتى بالفعل المذكر. (٣٥)

هذه هي بعض الأمثلة و الشواهد التي سُقناها مثالا على نقد العلامة غلام جيلاني الميرتي النحوي ،وهنالك شواهد أخرى كثيرة ، تستحق أن تترجم الى العربية ، ويضاف بها ثروة الى الثقافة العربية النحوية .

الخاتمة

(١) في الهند شخصيات علمية فذة ، لم تكشف القناع بعد عن آثارها العلمية الرائعة ،تغافل عنها كثير من أصحاب الهوى .ومن هؤلاء الشخصيات العلامة غلام جيلاني الميرتي الذي يُعدُّ من القلائل الذين تركوا لنا آثارا نحوية بديعة ، إلّا ان أعماله لمْ تقدم بالعربية الى الآن.

(٢) إن العلامة غلام جيلاني الميرتي عالم ديني جليل ،ولد في الهند ،وقضى في

مدارسها الاسلامية العربية ، متعلما ،ومدرسا ،ومؤلفا ، بالخشوع والتقوى والدين .

(٣) شغف بالنحو دراسة وتاليفا ،فألف ثلاثة شروح بالاردية لثلاثة كتب نحوية ،أسكب فيها شراب النقد المطهّر من الأدناس التعبيرية والأسلوبية التي ارتكبها علماء الديابنة الذين فسدت عقيدتهم بالله ورسوله عليه السلام ،فتعطلت قرائحهم العلمية والفكرية أيضا.

(٤) يمتلك العلامة الميرتي فكرا ثاقبا، ونظراً دقيقا ،في النحو العربي ،يضبط مسائل النحو بدقة متناهية ،حيث لا يغيب عن ذهنه الوقاد الجزئيات ،ولا الكليات ،فكأنه يحفظ عن ظهر قلبه جميع الكتب النحوية لمتأخري النحاة ،فضلا عن قوة التطبيق والتمثيل .

(٥) وهبه اللّٰه قريحة نقدية عجيبة ، وله قوة فطرية على الجرح والتعديل ،كما رأيناه في شروحه الثلاثة التي ينقد فيها معاصريه الديابنة في الحقل النحوي ، فضلا عن الحديث الذي ألف فيه كتابا سماه "بشير القاري بشرح صحيح البخاري " الذي نقد فيه معاصريه الديابنة في حقل الحديث.

الهوامش

(١) ينظر:مقال الشيخ محمود أخترالقادرى عن العلامةغلام جيلانى الميرتي المنشور فى "صدرالشريعةحيات وخدمات" ١٩٩٧م ، دائرة المعارف الامجدية،غوسى،مديرة ماؤ،اترا براديش ، الهند۔ص:٤٢٨ .

(٢) ينظر:ترجمة العلامة غلام جيلانى الميرتى بقلمه في مقدمة شرحه بالاردية "بشير القاري بشرح صحيح البخارى" مطبوعة دلهي ،ص:٦ .

(٣) راه مسلم عن أبى هريرة۔ رضي اللّٰه تعالىٰ عنه ۔ ٤/٢٠٧٤ .

(٤) ينظر : مقدمة " بشير القارى " ص : ٧۔ ٨.

(٥) ينظر : العلامة غلام جيلانى في : "صدر الشريعة حيات وخدمات" ص:٤٢٨ .

(٦) ينظر : مقدمة " بشيرالقارى" ص : ٧ .

(٧) ينظر: المرجع نفسه ، ص : ٨ .

(٨) ينظر: المرجع نفسه ، ص : ٨.

(٩) ينظر: المرجع نفسه ، ص : ٨.

(١٠) يـنـظـر:مجلةجام نور (الاردية) مقالة منشورة بعنوان :"العلامة غلام جيلانى الميرتي عند أرباب الفكر والنظر،،للشيخ محمد أيوب الاشرفي،ص:

(١١) ينظر : مقدمة " بشيرالقارى" ص : ٧ .

(١٢) مقدمة" البشيربشرح نحو مير " ص:٥

(١٣) العلامة غلام جيلانى في : "صدر الشريعة حيات و خدمات" ص:٤٣٢ .

(١٤) المرجع نفسه ، ص : ٤٣٢ .

(١٥) تـاريـخ آداب اللغة الـعـربية لـجـرجـى زيـدان ،ط /٢ ـ بيروت سنة الطبع ١٩٧٨م ص:٣١٨.

(١٦) يـنـظـر:نشـأة الـنـحـو وتاريخ أشهر النحاة للاستاذ محمد الطنطاوى،ط/٢ ١٩٩٩م ،ص : ٤ .

(١٧) ينظر: المرجع نفسه ، ص :٥.

(١٨) ينظر : نشأة النحو وتطوره ، ص : ١٦ ـ ٢٢ .

(١٩) يـنـظـر: الآداب العربية فى شبه القارة الهندية ، تاليف :د . زبيد أحمد ، ترجمة عبـد الـمـقـصـود محمد شلقاوي ، وزارة الثقافة والفنون۔ العراق ١٩٧٨م ، ص : ٢٠٠٤ ـ ٢٠٠٨ .

(٢٠) ينظر : المصد ر نفسه ، ص : ٢٠٠٨ـ٢٠٠٩ .

(٢١) ينظر : مقدمة بشير الناجية بشرح الكافية ، ص : ٤ .

(٢٢) ينظر : المرجع نفسه ، ص : ٤ .

(٢٣) ينظر : المرجع نفسه ،ص : ٥ .

(٢٤) ينظر : المرجع نفسه ، ص :٥ .

(٢٥) ينظر : المرجع نفسه ، ص : ٦ .

(٢٦) ينظر : مقدمة البشير الكامل بشرح مأة عامل ، ص : ٢ .

(٢٧) ينظر: المرجع نفسه ، ص : ٤ـ٥.

(٢٨) ينظر : المرجع نفسه ، ص : ٣.

(٢٩) ينظر : المرجع نفسه ،ص : ٢٣.

(٣٠) ينظر: مقدمة البشير بشرح نحومير، ص: ٨ .

(٣١) ينظر: المرجع نفسه، ص: ٨ .

(٣٢) ينظر: المرجع نفسه، ص: ٩٥ .

(٣٣) ينظر: المرجع نفسه، ص: ١٦١.

(٣٤) ينظر: المرجع نفسه، ص: ١٥٩.

(٣٥) ينظر: المرجع نفسه، ص: ١٦٤.

ابو حمزه انوار احمد خان البغدادی

رئيس التحرير: مجلة "الصوت الإسلامي"

دار العلوم العليمية جمدا شاهي بستي اترا براديش الهند

بسم الله الرحمن الرحيم

القضايا الكلامية عند الشيخ الميرتى

أعده: الشيخ محمد جلال رضا الازهرى الهندى

(جامعة الازهر، قاهره ـ مصر)

الحمد لله رب العلمين والصلوة والسلام على سيد الانبياء والمرسلين وعلى آله وصحبه أجمين ، أمابعد :

فـان الـمـولـى عـزوجـل قـد قيـض لحفظ هذا الدين المتين ومصادره الخالدة رجالا لم تـلهيهم تجارة وبيع عن مهمتهم السامية ، ولم تثنيهم الدنيا عن أهدافهم العليا النبيلة ، وهذه عادة قـد جـرت مـن الـلـه عزوجل فى هذا الكون ، منذ ان خلقت البشرية على هذه المعمورة وانزلت الشريعة لهداية الانسانية .

وقـد تـكـفـل المولىٰ عزوجل لحفظ القران الكريم نصا ومعنى من اى تغيير او تحريف ، فقال: انا نحن نزلنا الذكر وانا له لحافظون.

ولـما ضمن الله جل وعلا، بحفظ هذا الكتاب المعجز فقد تكفل بحفظ كل مامن شأنه أن يحقق هذا الغرض ويؤدى الى ذلك فى هذه الحياة حتى النوم والأكل والشرب.

ومـن هـؤلاء الشخصيات الجليلة النادرة، صدرالعلماء بدر الفضلاء العلامة الشيخ غلام جيـلانـى الـميرتى، الهندى رئيس المدرسة بالمدرسة الاسلامية العربية "اندركوت" ميرت رحمه الله تعالىٰ رحمة واسعة واسكنه بحبوحة الجنان.

عام الولادة:

ولـد الشيـخ فى أسرة علمية عريقة بولاية "على كره" الهند وذلك فى الحادى عشر من

شهر رمضان الكريم سنة الف و ثلاث مأة و ثمان عشرة من الهجرة النبوية على صاحبها أفضل الصلوات وأزكى التسليمات۔

ولقد بشر والده الماجد العلامة السيدغلام فخرالدين الشاه رحمه الله تعالیٰ بهذا المولود المبارك مناماً قبل ولادته۔

اساتذته:

قد كان شيخنا العلامة منذ نعومة أظفاره حريصا على تلقى العلم، والاستزادة منه، وكان حقا أحد المنهومين الذين لايشبعان طالب علم وطالب مال، ومن هنالم يكتف بأستاذ وأحد بل أخذ عن شيوخ كثيرين فى عصره وكان اكبر دافع لذلك هو النهم العلمى ۔ وأنى له أن يشبع كما أخبر بذلك الصادق الأمين صلى الله تعالیٰ عليه وسلم ۔

ونحن نذكر بعض هؤلاء الشيوخ۔ فمنهم:

(١)امام الفقهاء ۔ صدرالشريعة ۔ مولانا الحاج الحكيم أمجد على الأعظمى (مؤلف الموسوعة الفقهية المسماةب" بهار شريعة" (باللغة الاردية)

(٢)امام المفسرين رئيس المناظرين،شيخ العلماء، مولانا الشاه محمد نعيم الدين المراد آبادى (صاحب تفسير خزائن العرفان مؤلف عديد من المؤلفات القيمة)

(٣)رأس المتقيين ،مولانا الشيخ الحكيم عبدالمجيد

(٤)ممتاز المناطقة، مولانا الشيخ عبدالحى الافغانى

(٥) رأ س الفلاسفة، الشيخ عبدالله الأفغانى۔

(٦)امام النحاة الشيخ السيد أمير الفنجابى۔

(٧) رئيس العلماء الشيخ بركات احمد التونكى۔

تلاميذه:

ومع اشتغال الشيخ وانكبابه على تأليف الكتب، وترتيب التعليقات والشروح والحواشى، على امهات الكتب لم يفته تربية التلاميذ وشرح الدروس لهم، حتى خرج لصالح الاسلام والمسلمين رجالا حملوا مشعل الدعوة الاسلامية للأجيال القادمة وقاموا بتوجيه الامة الاسلامية الى شرع الله عزوجل الخالد، وحبل الله المتين، ومن اشهر تلاميذه:

(١) العلامة، الشيخ عبدالعزيز المحدث المباركفورى، مؤسس الجامعة الاشرفية ، بمباركفور(من كبرى الجامعات الاسلامية العربية بالهند)

(٢)العلامة الشيخ محمد نظام الدين ، شيخ الحديث بالمدرسة الخيرية ببلدة "سهسرام"۔

(٣)الفقيه الاعظم بالهند، العلامة الشيخ المفتى محمد شريف الحق الامجدى رئيس المفتيين بدار الافتاء بالجامعة الاشرفية مباركفور سابقاً ، صاحب التصانيف والفتاوى الغزيرة ۔

(٤)العلامة الشيخ الشاه احمدالنورانى رئيس الادارة المركزية لجمعية العلماء بباكستان

(٥)العلامة الشيخ محمد عارف الله القادرى امام وخطيب بجامع "واه كينت"۔

(٦)العلامة الشيخ محمد طيب خان شيخ الحديث ، بمدرسة "منظرالحق ببلدة""فيض آباد"۔

(٧) العلامة الشيخ عاشق الرحمن شيخ الحديث بالجامعة الحبيبية ببلدة"اله آباد"۔

(٨)العلامة الشيخ محمد نعيم الله ، رئيس المدرسين ، بمدرسة منظرالاسلام، ببلدة"بريلى"۔

(٩)العلامة الشيخ الشاه نعيم اشرف ، شيخ الطريقة بالساحة الاشرفية ببلدة "جائس"۔

(١٠)العلامة الشيخ انوار احمد النظامى ، المديرالعام بدار العلوم غريب نواز ببلدة "اله آباد"۔

(١١) العلامة الشيخ القاضى عبدالرحيم المفتى بدارالافتاء، ببلدة "بريلى"۔

(١٢)خطيب آسياالعلامة الشاه كليم اشرف، ببلدة "جائس"۔

(١٣)العلامة الشيخ جراغ عالم شيخ الحديث، بمدرسة اجمل العلوم سنبهل۔

(١٤)العلامة الشيخ رحمة الله البلرامفورى شيخ الحديث بدارالعلوم غريب نواز ببلدة "اله آباد"۔

(١٥) العلامة الشيخ محمد حسين ، شيخ الحديث بالجامعة الحميدية الفاروقية ببلدة "جائس"۔

(١٦) العلامة الشيخ محمد فاروق عالم استاذ بدارالعلوم منظر الاسلام ببلدة "بريلى"۔

(١٧)العلامة الشيخ المفتى المقرى أحمد حسين الاشرفى ، المفتى بدارالعلوم الحامدية الاشرفية سنبهل مراد آباد۔

ولعل القارى الكريم يلاحظ معى من قائمة التلاميذ ومناصبهم العلمية الجليلة مدى أثر هؤلاء النخبة الطيبة من العلماء المتفانين فى نشر الدعوة الاسلامية فى شبه القارة الهندية ، ولاشك ان الفضل يرجع الى من رباهم ونورهم۔

الجامعات التى نالت خدماته:

لقد جادالشيخ بماوهب الله عزوجل من مواهب علمية على احسن مايكون الجود وقام بنشر العلم فى جامعات ومدارس كثيرة منها۔

(١) المدرسةالمحمدية جائس. رائے بريلى۔

(٢)دارالعلوم عظمة الاسلام ببلدة "كرنال"۔

(٣)مدرسة احسن المدارس ببلدة "كانفور"۔

(٤)المدرسة الاسلامية العربية بمدينة "اندركوت"ميرت۔

وفى كل مدرسة من هذه المدارس كان اما رئيسا أومديرا عاما للشئون الدراسية ، و كان قد تقلد مقاليد الأمر فى المدرسة الأخيرة بتوجيه من أستاذه المعظم وشيخه المكرم استاذ الاساتذة صدرالافاضل ، فخرالأماثل ، العلامة الشيخ السيد نعيم الدين المراد آبادى، وذلك سنة ألف وتسع مائة وخمس وثلاثين من الميلاد ١٩٣٥ء

ولم يزل هذاالعبقرى الموهوب يربى ويعلم شباب المسلمين دفعة بعد دفعة الى اثنين وأربعين عاماً وقدلقى ربه فى التاسع والعشرين من جمادى الأولى سنة الف وثلاث مائة وثمان وتسعين من الهجرة النبوية على صاحبها الصلوة والسلام ١٣٩٨ هـ الموافق الثامن من مايو سنه ألف و تسع مائة ثمان وسبعين ١٩٧٨م

تفوقه العلمى:

قال شيخنا العلامة فى جملة ذكرياته عن عهد تلقى العلم بالجامعة المعينية باحدى مدن الهند الشهيرة "أجمير"قال كنت نجحت فى الامتحان للسنة الاولى بدرجة"جيد" ثم مازلت احرز قصب السبق فى كل امتحان الى ثمانية اعوام فترة الدراسية النظامية ، و كانت الجامعة تكرمنى بجوائز قيمة بشكل كتب دينية وذلك لتفوقى على زملائى فى احرازاعلىٰ الدرجات فى الامتحانات ، كما أصدر مجلس الشورى بالجامعة قرارا بتكريمى بمنحة شهرية ربية واحد (تساوى الآن ألف ربية هندية) وكان هذا وسام شرف على صدرى تجاه زملائى۔

العلوم التی أتقنها:

وقد كان لشيخنا العلامة اهتمام بكل نوع من أنواع المعرفة الا أنه كان أشهر مايميزه عن أقرانه هو علم النحو والصرف فكان له اعتناء خاص بهذ العلم الشريف ومن هناقام بتأليف شرح قيم لاشهر كتاب فى علم النحو الا وهو الكافية للعلامة ابن الحاجب۔

ولاغروأن اهتمامه بعلم النحو لم يكن نابعا عن فراغ بل انما كان ناشئا عن حبه البالغ لخدمة القران العظيم واللغة العربية التى أنزل فيها القران ، فالدفاع عن اللغة العربية والاعتناء بقواعدهادفاع عن القران العظيم واهتمام به وقد أتقن الشيخ من العلوم۔ (١) التفسير (٢)أصول التفسير (٣) الحديث النبوى الشريف (٤)وأصول الحديث (٥)علوم القران (٦)علوم الحديث (٧)اسماء الرجال (٨)الفقه (٩)أصول الفقه (١٠) التصوف (١١)العقائد والكلام (١٢)المناظرة والجدل (١٣) السيرة (١٤)التاريخ (١٥)المنطق (١٦)اللغة (١٧) فقه اللغة (١٨) النحو (١٩) الصرف (٢٠) علم الاشتقاق (٢١)التجويد (٢٢)علم الهيئة والتوقيت (٢٣) المعانى (٢٤)البيان (٢٥) البديع (٢٦) دواوين العرب ، ولو لاخشية التطويل لاقمت لك شواهد على كل هذا من خلال مؤلفاته القيمة ، وان رجعت اليها فلن يعسر عليك ذالك ۔

مؤلفاته:

كان الشيخ العلامة من أولئك العلماء الربانيين الهندية الذين لهم مآثر جليلة تدل على حيويتهم ونشاطهم فى سبيل الدين الحنيف وقد منح العلامة الممدوح الأمة الاسلامية مؤلفات عديدة فى شتى مجالات العلم والمعرفة من نحو ، صرف ، وفقه ، وعقيدة و كلام وغيرها ، ومن تلك المؤلفات القيمة ۔ (١) بشيرالقارى شرح صحيح البخارى (٢) بشير الناجية بشرح الكافية (٣) البشير الكامل فى حل شرح ماة عامل (٤) البشيربشرح نحو مير (٥) نظام الشريعة ، وغيرها من الكتب الاخرى ومن السهل ان يدرك القارى الكريم قيمة هذه المؤلفات، واهمية المجالات التى تناولها الشيخ بالبحث والتحقيق۔

كان هذا تعريفا عابرا بصفة عامة عن هذا المنارالشامخ الذى لاتزال اشعاعاته تنير عقول المسلمين ووجداناتهم الى يومنا هذا غيرأنى سأقف الأن مع هذه الشخصية النادرة وقفة غير قصيرة لابرز بعض الجوانب الكلامية والعقلية فيها بصفة خاصة۔

علم الكلام:

ان شيخنا العلامة كان شغوفا بكل قضية من القضايا الاسلامية التى نجمت فى المجتمع الهندى ، ولم يكن من شأنه ان يتفرج مكتوف اليدين عن بعد ويترك الأمة الاسلاميه مطلقة العنان بل كان يوجه هذه الامة المرحومة فى كل خطوة الى عقيدة السلف الصالح ، ويدافع عن حفدة الاسلام بقلمه الرصيص وكان هناك نزاع طويل الذيل فى مسئلة عقدية ثارت فى القرن الماضى فى الهند ، الاوهى قضية ختم النبوة ، فهل فى الامكان ان يأتى خاتم النبيين غير نبينا سيدنا محمد ﷺ ام هو من الممتنعات؟

وقدتجاذب العلماء هذه القضية بالبحث والنقاش حتى ألفت كتب ورسائل عديدة من الفريقين ، الفريق القائل بامكانه المتمسك به والفريق الاخرالمانع ، وكان شيخنا المفضال من الفريق الثانى وقال رد اعلى الفريق الاول ، ان عقيدة ختم النبوة على سيدنا محمد ﷺ من عقائد الاسلام الهامة الحلية التى لايتم الايمان الابها۔ بل هذه العقيدة من صميم هذا الدين المتين والتشكيك فى هذه العقيدةالحليلة وزعزعة ثقة المسلمين بها من د سائس عدو الاسلام ابن سبا اليهودى الخبيث الشقى فقد خدع بعض المسلمين المزعومين ببريق الدينار والدرهم وأحدث هذه القضية ، قضية امكان خاتم النبيين الآخر غير نبينا ﷺ حتى كادت تزل اقدام بعض العلماء المسلمين المعنيين بالعقائد الاسلامية عن طريق الحق وجادة الصواب ، ومن هناكان لزاما علينا أن نناقش هذه المسئلة الدينية المهمة بقدر من التفصيل لنؤدى فريضة الدفاع عن عقيدة السلف الصالح ، ولنحافظ على الشباب و عقيدتهم ......؟ ....لاغرو، ان وجود مثل سيدنا محمد ﷺ ممتنع بالذات عند اهل السنة والجماعة، وقبل ان نخوض فى صميم هذا الموضوع بالتفصيل يجب ان ننبه الى أمرين اثنين هما فى منتهى الأهمية أولهما تحديد معنى الممتنع بالذات وثانيهما ، بيان أن الممتنع بالذات لايدخل فى المقدورات، وبهذين الأمرين ستنكشف دسائس المعارضين ان شاء الله العزيز۔

حدالممتنع بالذات:

هو المفهوم الذى يستحيل وجود مصداقه عقلا ـ كاجتماع النقيضين وارتفاعهما، فالعقل يمنع وجود كل واحدمنهما وتحققه۔

حدالممتنع بالغير:

هوالمفهوم الذى يمكن وجود مصداقه عقلا (بصرف النظر عن امور خارجية) ولكن

امتنع وجوده نظرا الى امر خارجى ۔ كعدم العقل الاول ، فان العقل يجوّز تحقق عدمه الاانه اذا لاحظ ان العقل الاول معلول للعلة التامة (واجب الوجود) منع تحقق عدمه ، اذالجائز مالايستلزم وجوده محالا، وهذا قداستلزم وجوده محالاوهو عدم واجب الوجود، وهذا محال ، ومن هنا قد علم أن عدم العقل الاول ليس ممتنعا من ذاته بل امتناعه قد ترتب على كونه معلولا لواجب الوجود(العلة التامة) وبهذا كان من قبيل الممتنع بالغير وهذا على مذهب الفلاسفة ومثاله على طريق اهل السنة والجماعة ۔ ايمان ابى جهل وابى لهب فان ذالك ممكن فى نفسه لكنه ممتنع بالنظر الى اخبارالمولىٰ عزوجل فى القرآن المجيد عن عدم ايمانهما ، وهما مكلفان بالايمان نظرا الى هذا الامكان الذاتى ، والا فلايجوز التكليف بالممتنع الذاتى كماهو مقرر فى الأصول۔

ومن الواجب هنا أن ننبه الى أمر فى غاية الحظورة ، وهو الخطأ الشائع على ألسنة الطلبة بل الاساتذة فى هذا الزمان حيث انهم قالوا فى تحديد معنى الممتنع بالذات بانه الشئ الذى تقتضى ذاته عدم وجوده، وهذا لاشك خطأ علمى قادح لان الممتنع بالذات ليس موجودا حتى تكون له ذات ثم يكون لها هذا الاقتضاء ، فأمعن النظر ولاتكن من المسرعين۔

هذا مايتعلق بالامر الأول أما الأمر الثانى فهو أن الممتنع بالذات (المستحيل بالذات) لايندرج تحت القدرة الالهية ، ولايخفى عليك ان هذا لايستلزم عجزالقادر المطلق جل وعلا كما قد يخدع المخالفون بل لانحيد عن الحق قيد شعرة لوقلنا ان خروج المستحيلات عن محيط القدرة الالهية عين الكمال ، لأننا لوافترضنا المستحيلات تحت القدرة لن يبق الواجب واجبا وبالتالى لايبقى القادر جل وعلا خالقا للعالم ، حيث انه اذا انتفى الوجوب الذاتى، فاما ان يكون القادر المطلق ممكنا أوممتنعا والممكن لايتاتى منه افادة الوجود للغير وكذلك الممتنع لايتصور منه افادة الوجود للغير اذ هو معدوم فى نفسه ، كما بين فى الاصول، والدليل على ان المستحيلات لاتندرج تحت المقدورات فنقول ، لوافترضنا المستحيلات تحت القدرة فلايخلوذلك من أمرين اما ان يكون كل فرد من افراد المستحيلات تحت القدرة اويكون بعضها تحت القدرة وبعضها خارجا عنها ، والثانى يستلزم الترجيح بلامرجح، والترجيح بلامرجح باطل فكذلك مايستلزمه ، اما بطلان الاول فنقول اذا كان كل فرد من افراد المستحيلات تحت القدرة فان افناء الواجب ايضا من جملة المستحيلات فوجب ان يكون ذلك ايضا مقدورا۔ ولما جاز افناء الواجب بالذات لم يبق واجبا بل اصبح ممكنا، لان الواجب الذاتى هو الموجود الذى

لایمکن علیه الفناء ومن هنا قد اتضح ان الممتنع بالذات لایکون تحت القدرة۔

ایراد:

قال المولیٰ عزوجل فی القرآن المجید۔" ان الله علی کل شیٔ قدیر" فقد اوضحت الآیة الکریمة ان الله جل وعلا، قادر علی کل شیٔ من الأشیاء والممتنع بالذات ایضا من جملة الاشیاء فیکون الممتنع بالذات مقدورا فلم قلتم ان الممتنع بالذات لیس من المقد ؟ورات؟

نقض هذا الایراد،

ان التمسك بهذه الآیة الکریمة فیما نحن فیه لیس الا کید من مکاید المخالفین وخداع للمسلمین السذج، ان هذه الآیة الکریمة تقول بأن المولیٰ عزوجل قادر علی کل شیٔ، والممتنع بالذات لیس شیئا بل الممتنع لاشیٔ والآیة الکریمة تثبت القدرة علی الشیٔ لاعلی ماهو لا"شیٔ" والشیٔ یطلق علی الموجود والممتنع بالذات لیس موجودا حتی تشمله ففی مستهل شرح العقائد النسفیة ، "الشیٔ عندنا هو الموجود " وبعد ان کشفنا الستار عن هذین الامرین آن الآوان لنخوض فی صمیم الموضوع الا وهو قضیة ختم النبوة ۔ فنقول ، ان الاوصاف علی قسمین

القسم الاول منهما مایجوّز العقل التعدد فی موصوفه ، وهذا ایضا علی صنفین ،

اولٰهما مایقبل الاشتراك فی الوصف فعلا ووجد موصوفون لایحصی عددهم ، کالبشریة والعربیة ، والهاشمیة ، والنبوة ، والرسالة ، فان هذه الاوصاف مشترکة فی کثیرین من البشر ، فیجوز أن یقال ان هناك أمثال للنبی ﷺ فی هذه الاوصاف خاصة

أما الصنف الثانی من الوصف ، فهو مالم یشترك ، فیه الغیر سوی الواحد، ککونه ﷺ زوجا للسیدة عائشة الصدیقة رضی الله تعالیٰ عنها ، وککونه ﷺ رحمة للعلمین ، منزلا علیه القران ، وککونه ﷺ صاحب المعراج الجسمانی ، وغیرها من الاوصاف الکثیرة التی مخصوصة له ﷺ ولم یقع فیها الاشتراك .ففی هذه الاوصاف یمکن ان یوجد مثله ﷺ الا انه لم یوجد ولن یوجد۔

أما القسم الثانی من الوصف ، فهو الوصف الذی لایجوز العقل التعدد فی موصوفه ککونه ﷺ أول مخلوق ،أول مؤمن ، أول شافع ، أول مشفع وقس علی هذا وصف خاتم النبیین" فان کل وصف من هذه الاوصاف لایمکن أن یکون له " اکثر من موصوف، ویستحیل التعدد فیه ، ألاتری أن اول مخلوق هنا یعنی الذات الوحیدة التی سبق وجودها علی ماسواها من المخلوقات ، وکذلك اول مؤمن یعنی الذات الوحیدة التی سبق ایمانها علی

ماسواها من المؤمنين ، و كذلك اول شافع ، يعنى الذات الوحيدة التى تسبق على غيرها من الشافعين بالشفاعة ، وقس على ذلك اول مشفع فانه يعنى الذات الوحيدة التى تسبق على غيرها من المشفعين لقبول الشفاعة عندالمولىٰ عزوجل .وعلى هذا ينبغى أن يقاس من وصف خاتم النبيين ، فانه يعنى تلك الذات الوحيدة التى تأخر وجود ها عن وجود سائر الانبياء عليهم الصلوة والسلام۔

ولاشك ان هذه الاوصاف مختصة بسيدنا محمد ﷺ ومتحققة له دون سواه ۔

وفى ضوء ماسبق فى السطور السالفة ، نستطيع ان نقول: إن العقل لايجوّز الاشتراك فى هذه الاوصاف ولايمكن أن يتعدد موصوف هذه الاوصاف عقلا ، ومن هنا استنتجنا، أن مثله ﷺ فى هذه الاوصاف من قبيل الممتنع بالذات، وهذا القسم من الوصف هو الذى منع أهل السنة والجماعة أن يكون له ﷺ مثيل اونظير فيه دون القسم الاول من الاوصاف، حيث انه لايتصور من عامة المؤمنين أن ينفوا المثلية عنه ﷺ فى البشرية وغيرها من الاوصاف العامة المشتركة التى اثبتها ها له ﷺ القران العظيم فكيف(أنابشرمثلكم)الى آخرآلاية ، ولاغروأن وصف البشرية من القسم الاول وان نفى البشريه عنه ﷺ يستلزم جحد معنى هذه الآية الكريمة الذى يترتب عليه حكم الكفر وقد تاكدنا من التقريرات السابقة أن مشاركة احد فى الاوصاف الاربعة المذكورة فى القسم الثانى من قبيل الممتنع بالذات۔

وهانحن نذكرالآن، بعض الاحكام الشرعية الخاصة بهذه الاوصاف لقد اوردت خمسة أمثلة فى توضيح القسم الثانى من الاوصاف فمن اعتقد مماثلة احد فى الاوصاف الاربعة الاول فقد ضل عن سواء الصراط، وحاد عن الحق ، غير انه لم يصل الى حد الكفر لأن هذه الاوصاف الاربعة ثبتت له ﷺ بالاحاديث غير المتواترة ولاشك انها (بهذا الوصف) من الظنيات التى لايحكم على جاحدها بالكفر، ولكن يحكم بالضلال۔

اما الوصف الخامس ،(خاتم النبيين) فانه من القطعيات التى يكفر جاحدها۔ فمن اثبت هذا الوصف لغير نبينا ﷺ فقد أنكر معنى هذه الآية الكريمة ، وفيه قد قال الامام العلامة شهاب الدين فضل الله بن حسين التور فشتى فى كتابه الشهير " المعتمد فى المعتقد"(بالفارسية) من قال ،كان بعده ﷺ، نبى اوسيكون بعده نبى بل لوقال يمكن أن يكون بعده ﷺ نبى فقد كفر، ولايتم ايمان مؤمن حتى يؤمن بختم النبوة عليه ﷺ **أقول** ، ولقد حاد عن الحق فى هذه المسئلة العلامة محمد بشيرالدين بن الشيخ محمد كريم الدين العثمانى القنوجى فى شرحه

"كشف المبهم عمافى المسلم" على "مسلم الثبوت" قال من هنا اتضح بطلان قول من قال ان مثل النبى سيدنا محمد ﷺ مستحيل عقلا واورد فى معرض الاستشهاد الاحاديث التى تصرّح بأن المولىٰ عزوجل لايبعث بعده ﷺ نبيا ، وانه ﷺ خاتم النبيين فان هذا الاستدلال غير تام لانه ﷺ نفسه من الممكنات ومثل الممكنات ايضا لابد ان يكون ممكنا كما توضح ذلك قول العلماء الكرام المشهور "ان القادر على الشئ قادر على مثله وهذا امر بديهى كما فى شرح المواقف والكتب الكلامية الاخرى، ومن هنا تبين ان نظيره ﷺ من الممكنات ولايغيبن عنك ان هذا الامكان لايزول بالنظر الى امور خارجية اخرى ، كالعلم، اوالاخبار، ولقد دار نزاع طويل فى عصرنا هذا بين العلماء فى هذه القضية ، وصنفت مؤلفات من الجانبين فى هذاالموضوع ، لكن جاء الحق وزهق الباطل ان الباطل كان زهوقا، الى هنا انتهى تقريرالقنوجى۔

وقد عقب الشيخ العلامةالسيد غلام جيلانى على هذا الاستدلال بقوله ، ان القنوجى قد زلت قدمه فلم يصب الحق ، وكلامه هذا باطل من اساسه لامرين اثنين ، اولهما سوء فهمه لموقف الخصم اذالخصم لم يدع ان امتناع نظيره ﷺ عقلا قائم على هذه الاحاديث التى تصفه ﷺ بختم النبوة حتى يرد مااورده من ان الاخبار اوالعلم يخرج الممكن الى حيز الامتناع بل الامريحتاج الى شئ من التامل فلنكن على حذر ، ان الآية الكريمة خاتم النبيين ولانبى بعده فحسب ، ثم يأتى دور العقل ليصدر حكمه بعد تسليم هذه النقطة ، فالعقل المجرد يمنع تعدد المشاركين فى هذالوصف لان مفهوم هذا الوصف يقتضى الانفراد لاالتعدد كماهو بين بداهة ۔ ولله درالقائل ۔

وكم من عائب قولا صحيحا ‏ ‏ ‏ ‏ ‏ ‏ وآفته من الفهم السقيم

اماالامرالثانى۔ فقد علمت فى السطور الماضية ان الوصف على قسمين ونظيرالقسم الاول ممكن اماالقسم الثانى فنظيره ممتنع بالذات عقلا ، وهنا نتساءل مامراد العلامة القنوجى من قوله مثل الممكن ممكن هل مراده مثل القسم الاول ام مثل القسم الثانى فان كان مراده مثل القسم الاول فلايضر الخصم لانه معترف به وان كان مثل القسم الثانى فلاشك فى بطلانه كماقد عرف مفصلا وهانحن نتلوالآن نفس الآية التى تلاها القنوجى ﴿جاء الحق وزهق الباطل ان الباطل كان زهوقا﴾ لكن بقى هنا ايراد من ايرادات المخالفين وهانحن نتصدى له واليك مجمل الايراد ، لقدروى البيهقى عن طريق ابى الضحى عن ابن عباس رضى الله تعالىٰ عنهما باسناد صحيح فى تفسير قوله عزوجل (و من الارض مثلهن يتنزل الامر بينهن)"قال

سبع ارضین فی کل ارض نبی کنبیکم وآدم کآدمکم ونوح کنوحکم وابراهیم کابراهیمکم وعیسی کعیساکم ، فان هذه الروایة تدل دلالة قاطعة علی وجود مثل النبی ﷺ فضلاً عن امکانه

فنقول ،اولاً، ان هذه الروایة لاتفید الخصم بعد تسلیمنا صحة سندها کماقد صححه الحاکم غیر ان متن هذه الروایة شاذ وقد تفرد ابوالضحی بهذه الروایة عن ابن عباس رضی الله تعالیٰ عنهما ، ولهذا قال البیهقی فی شعب الایمان بعد ایراده بان هذه الروایة شاذة المتن فلما کانت هذه الروایة شاذة المتن دخلت فی زمرة الاحادیث الضعیفة فلایجوز الاحتجاج بها۔

وان سلمنا صحة الحدیث سندا ومتنا، فهذه الروایة لایصلح الاحتجاج بهافیما نحن فیه ، لان القضیة من باب العقائد التی لایکفی فیها الاحادیث المشهورة فضلا عن اخبار الآحاد۔ ثانیاً، ان کلامنا لیس فی نفی المثل مطلقا بل فی نفی المثل الخاص ، وهذه الروایة لم تدل علی ذلك دلالة قاطعة فی الفتاوی الحدیثیة ، ص ۱۱۹ صححه الحاکم ایضا وذکره البیهقی فی الشعب انه شاذ المتن بالمرة ،

قال الحافظ السیوطی ، وهذا الکلام فی غایة الحسن فانه لایلزم من صحة الاسناد صحة المتن لاحتمال صحة الاسناد و یکون فی المتن شذوذا و علة تمنع صحته و اذا تبین ضعف الحدیث اغنی ذلك عن تاویله لان مثل هذاالمقام لاتقبل فیه الاحادیث الضعیفة، ویمکن ان یوول علی ان المراد بهم النذر الذین کانوا یبلغون الجن عن انبیاء البشر ولایبعد ان یسمی کل منهم باسم النبی الذی بلغ عنه والله اعلم وبعد فیه کلام لایسعه هذا المقام ـ

ولقد کان شیخنا العلامة غیورا علی عقیدة السلف الصالح ، وشدید الانکار علی اهل الضلال والغوایة ، فنجده یرد علی المعتزلة فی کتابه الشهیر "بشیر الناجیة" شرح الکافیة ، ولعل القاری الکریم یستغرب صنیع شیخنا العلامة بعض الاستغراب ، حیث ان الکتب النحویة لیست مجالا للبحث الکلامی غیر ان هذا الاستغراب یتحول الی استحسان بمجرد مراجعة هذاالبحث فی الکتاب وحسن موقعه فیه ، ولاشك ان اختلاف الاعراب له اثر بالغ فی الاجتهادات الفقهیة ، والاستنباطات العقدیة ومن الوضوح بمکان ان الاشاعرة والمعتزلة قد اختلفنا فی قضیة خلق افعال العباد ، فالاشاعرة یرون ان الله عزوجل هو الخالق لکل شئ ومنه افعال العباد، لکن المعتزلة مد اعتزلوا عن الحق فی هذه القضیة فیرون ان العباد هم الخالقون لأفعالهم ولقد رد مؤلفناالعلامة علی موقف المعتزلة من خلال آیة قرآنیة اوردها العلامة بن الحاجب فی کتابه "الکافیة" فی

معرض بيان المواضع التى يختار فيها النصب ۔

ومن تلك المواضع التى يختار فيه النصب ، "موضع يخشى فيه التباس المفسر بالصفة" كما فى قوله عزوجل "انا كل شئ خلقناه بقدر" وقد قال شيخنا فى شرح هذ الموضع ، واليك معناه ملخصا ومترجما، ان هذه الآية الكريمة تحتمل نوعين من الاعراب! فيحتمل ان تقرا جملة "كل شئ" مرفوعة على الابتداء (انا كل شئ خلقناه بقدر) اومنصوبة على كونه مفعولا لفعل مقدر (انا كل شئ خلقناه بقدر) وهو "خلقنا" المقدر قبل "كل شئ" يدل عليه "خلقنا" الثانى ، والرفع على الابتداء يحتمل فى "خلقنا ه بقدر" نوعين من الاعراب ايضا فيحتمل ان تكون هذه الجملة مع متعلقها خبر المبتدأ وعلى هذاالتقدير تفيد الآية المعنى الصحيح ، واذا جعلنا "خلقنا" صفة لـ "شئ" و "بقدر" خبرا للمبتدإ افادت الآية الكريمة معنى لايصح عند اهل السنة والجماعة ، وهو خروج بعض المخلوقات عن خلقه جل وعلا ، كما توهمت المعتزلة حيث ان افعال العباد ليست من خلقه جل و علا ،عندهم بل من خلق العباد انفسهم .! فقد التبس المفسر بالصفة فى احتمال الابتداء دون النصب لانه لايحتمل الا التفسير فحسب ومن هنا يختار النصب دون الرفع ،

ومن هنا جرد شيخنا العلامة دليلا فى تاييد مذهب اهل السنة والجماعة وقام بالرد على المعتزلة واستطرد الى بعض الادلة العقلية ايضا ، واليك ذلك قال ، ان تعلق القدرة الالهية بافعال العباد اما ان يكون من عدم القدرة فقد لزم العجز واما ان يكون من عدم العلم فقد لزم الجهل وكلاهما مستحيلان وقد قال المولىٰ عزوجل ﴿ان الله خالق كل شى﴾۔

فقد لاحظت ايها القارى الكريم حسن انسجام هذا البحث الكلامى مع علم النحو۔وهانحن نختتم الكلام بآخر مسئلة فى هذه العجالة الاوهى مسئلة عقلية الحسن والقبح وموقف الشيخ العلامة منها ، وقد علمت ان القوم اختلفوا اختلافا كبيرا فى هذه القضية فالاشاعرة ذهبت الى شرعية الحسن والقبح مطلقا وذهبت المعتزلة الى عقليتهما مطلقا ، غير ان الماتريدية ذهبت الى عقلية الحسن والقبح ، بلاايجاب شئ على المولىٰ عزوجل وشيخنا العلامة ممن انتصر لعقلية الحسن والقبح على طريق الماتريدية لاعلى طريق المعتزلة واورد بعض الادلة على موقفه هذا، فقال ، لوافترضنا شرعية الحسن والقبح لزم الترجيح بلامرجح ، حيث ان الصلوة والزنا كانا متساويين قبل بعثة الرسل عليهم الصلوة والسلام فلاحسن ولاقبح قبلها فلما نزلت الشريعة اوجبت الصلوة وحرمت الزنا، والترجيح بلامرجح باطل ، لانه مناف لحكمة الآمر،

ولاشك آن الآمر حكيم ، و من هنا علمنا ان الحسن والقبح ليسا شرعيين فلم يبق الا ان يكونا عقليين بل لوافترضنا شرعية الحسن والقبح لتحولت بعثة الرسل الى مشقة وعناء لانه لامؤاخذة على فعل شئ قبل ارسال الرسل وانما المواخذة على فعل شئ اوتركه بعد ارسال الرسل ليس مشقة وعناء ، بل عين الرحمة ۔

قال المولىٰ عزوجل (لقد من الله على المؤمنين اذبعث فيهم رسولامنهم) وهذا مايؤيد ان الحسن والقبح ليسا شرعيين بل هما عقليان ، وهو المطلوب كذا فى فواتح الرحموت شرح مسلم الثبوت ولى امل وطيد ان اكون قد وفقت فى تعريف هذه الشخصية العظيمة لاخواننا الناطقين بالضاد ، و صلى الله على خير خلقه وعلى آله وصحبه اجمعين۔

محمد جلال رضا الازهرى الهندى

(بجامعة الازهر الشريف قاهره۔ مصر)

نحوى عظيم من الهند

الشيخ السيد غلام جيلانى الميرتى

السيد حسن العسكرى الأشرفى الجيلانى

حفيد السيد " محمد" المحدث الأعظم فى الهند الكجوجوى

(الجامعة الاسلامية بغداد، العراق)

تعرف الأمم كل الأمم بابراز سيرة رجالها من العلماء و المفكرين و الأبطال و المجاهدين فى عصورها المختلفة و تعتبر سيرتهم هذه هو ذفر و ثروة للانسانية كلها ولاريب فى ان أمتنا أمة الاسلام التى هى خير أمةأخرجت للناس تأمر بالمعروف و تنهى عن المنكرو تؤمن بالله قد تفوقت على الأمم الأخرى بما منّ الله على أصحابها اذ بعث فيهم رسولا من أنفسهم يتلو عليهم آياته و يزكيّهم و يعلّمهم الكتاب و الحكمة ه و ان كانوا من قبل لفى ضلال مبين۔ فهذه أمتنا قادرة بما تلقته ببعثة الرسول الأعظم صلى الله عليه وسلم من معادن العلم و المعرفة و كنوز الحكمةوالهدايةعلى أن تقود الانسانيةو تنفدها مما تعانيه من الظلم و الطغيان الى العدل و الاحسان و تخرجها مما تهيم فيه من الظلمة و الشقاوة الى النور و السعادة وتهديها دائما الى الصواب و الشداد و تشرفها فى كل حين بالمعالى والأمجاد۔

و بالفعل لقدشاهد العالم منذ بزوغ شمس الاسلام حتى يوم الناس هذا عزائم أبناء أمة الاسلام وهممهم و أدوارهم فى تطهير أرض الله من الدّنس والظلم و الجهل و تزيينها بنور العلم والايمان و الهداية متقدمين نحو النصر والمجد و الكرامة۔

فما هى سيرة الصحابة و التابعين و الشهداء و المجاهدين تُعْتَبَرُ مثلا أعلى بالنسبة للانسانية كلها فى نشر الأمان والسلامة و النوروالهداية و ها هى امة ا هل البيت الصابرين والأولياء الصادقين والصوفية الصالحين تعد أسوة حسنة لها فى الحرص على الحق والعدل و الاصلاح و فى تهذيب النفوس الانسانية و تجريدها لله و ها هى امة العلماء و الحكماء و

المحتهدين تمثل قدوة كريمة لها فى نشر العلوم والفنون المختلفة و ضبط المعارف و الحكم المتنوعة۔

فهذه النجوم المتلألئة على آفاق العالم المنيف المكتسبة نورها من السراج المنير (صلى اللّٰه تعالى عليه وسلم)ما زالت و لاتزال تهدى البشر كله و بالأخص من يسير على منوالهم الى صراط الحق و الرشاد والعلم و الجهاد حتى يوم المعاد۔

ولمّا كان الاسلام قد اهتم بالعلم اهتماماً بالغاً وحث الانسان على تحصيله بلسان القرآن الكريم فى عدة مواضع باساليب مختلفة كما يعلن موضعا بان'' (يرفع اللّٰه الذين آمنو منكم والذين اوتوا العلم درجات ") و ينكر موضعاآخر المساواة بين العالم و الجاهل قائلاً" ليستوى الذين يعلمون والذين لا يعلمون" فانه لم يات عصر من العصور فى العالم الاسلامى الا ان كان هناك جنودا للعلماء و الحكماء المتحلين بسلاح العلم و المعرفة الحاملين راية الحكمة والدراية الرافعين كلمة الحق و الهداية الحارسين قلعة الدين والسيادة الناصرين على أعدائهم من اهل الكفر و الضلالة۔

فما الأشعرى و الماتريدى الا من قواد هذه الححافل والقوافل الاسلاميةو ما ابو حنيفةو الشافعى و أحمد و المالك الا من أبطالهاو ما الغزالى و السيوطى و الرازى و القرطبى الا من ضباطها و ما گيلانى و الرافعى و السهروردى و الحشتى الا من أشبالها۔

وهؤلاء و مثالهم كلهم هم الذين كانوا فتحوا مدن العلوم القديمة المختلفةمن الشعر والرواية والطب والفلسفة و غيرها وأنشاؤوا و عمّروا مدن العلوم الأخرى من التفسير و الفقه والحديث و اللغة و الأدب وغيرها ليأوى اليها متشردو العلم و الفكرو أرؤوا أرضها بماء الأخلاق والصّفاء ليشبعوا بها متصوفو الحق و الدين وطهروها من دنس الجهل و الضلالة و سوروها بسور النور والهداية فمن دخلها فقد اهتدى و هدى و من تخلف عنها فقدضل و أضل۔

و لما كان علم النحوهوأساس لفهم الكتاب العظيم الذى هو تبيان لكل شىء فانه توجّه الى ميدانه فى كل عصرعبا قرته و عظماؤه و صرفوا فيه جهودهم الغالية ففازوا فى بحر النحو و عرفوا أعماقه مشاهدين دُرره ولآليه و طاروا فى سماء النحو و وصلواالى آفاقه متمتعين بنجومها و اقمارها و ساروا فى ومیادين النحوودروبه و اطّلعواعلى مرتفعاتها و منحدراتهاممهّدين سبيلا لمن يأتى من بعدهم۔

فالدّهر مازال يمضى و الطريق مازال يطول و سالكوه مازالوا ازدادوا فمنهم من يعرف

بسیبویه(۱)و منهم من یذکربالکسائی(۲) و منهم من یدعی بالمبرد (۳) و منهم من یسمی بالخلیل (٤)ومنهم من یشتهربالفرّاء (٥) و منهم من یلقب بامام النحو۔

وهذا الامام هو السید غلام جیلانی بن سید غلام فخرالدین بن سید سخاوت حسین الهندی موطنا و الحنفی مذهبا و الاشرفی مشربا حاز المرتبة العالیةو فاز بالمنقبة السامیة اذ المناقب والمراتب یستحقها من ینال الشرفین العلم و الحسب و قد ظفر بها جمیعا فشرفه فی الحسب قرابته من رسول اللّٰه(صلی اللّٰه تعالی علیه وسلم) و شرفه فی العلم مارزقه اللّٰه تعالی من الاستمکان من شتی العلوم و الفنون۔

وُلدالعلامة غلام جیلانی بمدینه علی جاره الواقعة فی الولایة الشمالیة الهندیة سنة ۱۳۱۸ھ۔ ۱۹۰۰م و نشأو تربی فی أسرة دینیة و علمیة عریقة تعرف بتضحیّتها للدین و الوطن فاقتفی اثر اعمامه و أجداده الذین کانوا فحول العلماء و سیاد الحکماء فی عصورهم و توجه الی عدة المدن لطلب العلوم و المعارف و تلقاها من أجلة العلماء الأعیان البارعین فی العلوم العقلیةو النقلیة انذاك و انه لم یکن أحد تلامذتهم فحسب و انما کان لهم محل فخر و اعتزاز و باعث فرح و اغتباط کما نراه أنه کان جالسا یوما عند شخص ساعة فراغه اذ دعاه شیخه الجلیل العلامة الأدیب السید حامد حسین الأجمیری الذی کان تلقی الدرس علی الطلاب فی الساعة نفسها فاعترضت له مشکلة فی عبارة من بحث الأفعال الناقصة فی کتاب "شرح جامی" فسأله مباشرة عنها فاستحی غلام جیلانی منه ثم بعد الحاح الشیخ علیه نظر الی الکتاب و عالج العبارة فاستحسن الشیخ جوابه و اثنی علیه۔

و هکذا قد قضی الشیخ غلام جیلانی نخبة من تحصیل العلوم السائرة بغایة من العنایة و الاهتمام و نال فیها البراعة التامة و المهارة الکاملة ثم مازال یواصل العلم و یصاحب العلماء طوعا و رغبة، جهدا و جدیة حتی أصبح عالما بارعا ذا بصیرة عمیقة و خبرة فریدة فی عصره یحمل میراث الأنبیاء علی عاتقه و یقوم نحو تأدیة و اجبه و مهمته قاصدا بالتدریس،فاجتمعت حوله صفوف الأبناء والسعداء البررة یطفؤون ظمأهم بکؤوس طافحة من العلم و المعرفة۔

و قد ألف الامام الجیلانی عدة کتب فی العلوم المختلفة و هی کلها متمیزة بخصائص دالّة علی تبحوه فیها و تمکنه منها کبشیر القاری بشرح صحیح البخاری فی الحدیث و " نظام شریعت "فی الفقه الاسلامی و بشیر الناجیة فی شرح الکافیة و البشیر الکامل بحل شرح مائة عامل و البشیر بشرح نحومیر و صحیح النظر و صحیح المسلك وغیرها من الکتب التی اذا

يطالعها أحد يتضح له براعة الشيخ العلمية و مكانته الأدبية من جوانب مختلفة و مهما كانت له هذه الأقدار في علوم عصره على اختلاف فنونها فاتنا نراه أن له في علم النحو يد طولى و باع طويل و هو فيه نابغة دهره و فطحل عصره قد تبحر في أعماقه و تضلع من آفاقه۔

و لم يصادفه هذا الفضل في النحو و ان تلوح أماراته على وجهه منذ صغره اذا كان يقبل على كتب النحو المختلفة تعرفا على مسائله بهمة عالية و ولح شديد و لا ياخذ قسطا من الراحة والانتجام حتى يضبط ما جمعه من القواعد و المسائل و يحل ما اعترضت له فيها من المشاكل و الصعوبات سواء كان في سفر أم حضر كما نراه في سفر أنه مشغول في مكتبة جامع منعزلا عن شيخه المرافق في السفر بمطالعة حاشية الفوائد الضيائية مستفيدا فيها بحل الاعتراض الشائع عن عدم صحة جعل "كلمة" مبتدأً في "الكلمة لفظ وضع لمعنى مفرد" لكونه غير مبتقل بسبب تركيبه بأل التعريف (التى هو غير مستقل) و لفظة "كلمة" (التى هو مستقل) و المستقل مع غير المستقل يكون غير مستقل فأدرك فيه الجواب أن حرف التعريف عارض و "كلمة" معروض ـ و المبتدأ ليس مجموعا منهما و انما هو المعروض فقط ـ فاقتنع الجواب و بدأ يطالع الأبواب الأخرى و شيخه يبحث عنه مع صديقه تعبا متحيراً في شوار الأسواق۔

و كذالك كانت للامام الجيلاني رغبة شديدة في حفظ متون الكتب النحوية و كان يبذل فيه قصارى جهده و يرددها بعد ضبطها بالجهد و الجدية ليلاو نهارا جالسا و ماشيا بل في احيان نائماً، كما كان ذات مرة يتلو القرآن مع زملائه في حفلة اذ غلبت عليه النوم فنامت عينه و هو بدأ يتردد على لسانه " قال تقديره قول الواو فيه متحركة مفتوحةما قبلها فقلبت الواو الفا فصار قال" فأيقظوه متبسمين

و هكذا كان أمر في الاشتغال بالدروس النحوية و مازال يتقدم نحو النبوغ و الأتقان والسمو والعرفان حتى حصل طرفا جليلا من هذا العلم۔

ثم وجه نفسه الى تاليف شروح بعض الكتب الهامة في النحو باللغة الأردية التى هى لغة المسلمين في شبه القارة الهندية و قد طبعت هذه المؤلفات مرارالكثرة اقبال الناس عليها۔

و اذا تتبعنا الدوافع التى دفعته الى تاليف الكتب النحويةلوجدناها تنسجم و أسباب وضع علم النحو في عصر صدر الاسلام فيما كان يبدأ اللحن فيه شيئا فشيئا كما لحن رجل بحضرة النبى (صلى الله تعالى عليه وسلم) فقال(صلى الله تعالى عليه وسلم) لأصحابه "أرشدوا اخاكم فانه قد ضل " (١) وكان ابوبكر الصديق (رضى الله تعالى عنه) يقول لأن اقرأ فأسقط

احب الیّ من أن اقرأ فألحن (۲)ومرعمر (رضی الله تعالیٰ عنه) بقوم یسیؤون الرمی فقرعهم فقالوا " انا قوم متعلمین" فأعرض مغضبا و قال: " والله لخطؤکم فی لسانکم أشد علی من خطئیکم فی رمیکم سمعت رسول الله (صلی الله تعالی علیه وسلم) یقول: رحم الله امراًاصلح من لسانه.(۳)من تاریخ النحو لسعید الافغانی ص۹

ولم تقتصر السنة الناس بکلامهم و محادثاتهم فقط فی وقوع الألحان والأخطاء و انما تسربت عدواها الی کتاب الله العظیم الذی هو بیان لکل شیء کما روی ان أعرابیا سمع رجلا سورة براۃ بهذا اللحن " (و آذان من الله و رسوله الی الناس یوم الحج الاکبر ان الله بریٔ من المشرکین و رسولِه ")(بکسر لاء رسول) فقال:" ان یکن الله برئامن رسوله فأنا ابرأ منه فبلغ عمر حدیثه فدعاه فقال " یا امیر المؤمنین! انی قدمت المدینة.............." و قص القصة فقال عمر : "لیس هکذا یا اعرابی" فقال:"کیف هی یا امیر المؤمنین؟" فقال:" ان الله بری من المشرکین و رسولَه" (بفتح لام رسول)فقال الأعرابی : "و أنا أبرأ ممن بریٔ الله و رسوله منهم" فامر عمر ألا یقرئی القرآن الا عالم باللغة(٤)

وهکذا کانت الالحان الفاحشة و الغلطات الخطیرة یشیع بین الناس من لسان الی آخرو تدینهم الی الضلالة وتلقیهم الی التهلکة اذ قام ابو الأسود الدّولی (رضی الله عنه) (٥) بوضع النحو(٦) فهو اول من أرسل فیه (۷)و قیل ان علیا (رضی الله تعالی عنه) أمره به و ألقی علیه شیئا من أصول هذا النحو ثم قال له "انح هذا النحو" فسمی الفن نحواً (۸)و قیل اول من تکلم فیه نصر ابن عاصم المتوفی ۸۹ھ (۹) و قیل عبد الرحمن بن هرمز متوفی ۱۱۷ھ(۱۰)

و مهما تعددت الروایات و تضافرت فی أول من وضع النحو فانها کلها تتفق و تتحده علی سبب وضعه و هو شیوع الألحان و انتشاء التضلیلات فی المحالات اللغویة المختلفة فنبّه العلماء الناس من الخطورات و ارشدوهم الی السلامات۔

کذالك کان طلاب النحو فی عصر الشیخ غلام جیلانی بحاجة للکتب التی تشرح مسائل النحوِ بالسهولةو الصواب بینما کانت الکتب المتداولة بینهم مشحونة بالأخطاء اللغویة و التضلیلات النحویة فاعدّ الشیخ نفسه بالقیام لتأدیه مسؤولیته الهامة نحو ابناء الأمة و ألف

....

(۱)الخصائص للسیوطی ۱/٤٨

(۲) نشأة المحو وتاریخ اشهر النحاة لمحمد الطنطاوی ص ۹

شروح معظم كتب النحو السائده انذاك و منها الكافية و شرح مائة عامل و نحومير و شرح فيها مسائل النحو بالوضوح و التفصيل و بحث فيها من جوانب عديدة و كشف عما ارتكبها الشارحون فاقدو العلم و النظر من الغلطات و الزلات و نبه الطلاب اليها بأسلوب واضح بليغ و قد بلغ عدد هذه الأخطاء حوائى مأتي خطأت فى كل كتاب۔

و من نموذ جها ما ذكر بعضهم فى شرحهم كلمة "هے" أو "هيں" فى ترجمة " بسم الله الرحمن الرحيم" الأردوية فرد الشيخ خطأهم الفاحش و أمرهم بقوله "ان هاتين الكلمتين الأردويتين تدلان هنا على نسبة تامّة بين اسم الحلالة (اللّٰه) و الرحمن الرحيم بينما الأول (اللّٰه) هو المنعوت و الثانى (الرحمن الرحيم) هما نعتان و لاتكون بين النعت و المنعوت الانسبة غير تامة"

و كذا عدد بعضهم كلمة تعال بمعنى ايت من أسماء الأفعال الدالة على الأمر فردهم الشيخ قائلاً "انه خطأ لان تعال ليس اسم فعل و انما هو صيغة امرالحاضر من تعالى (من باب تفاعل) و أنه يستخدم بمعنى ايت و تقديره تعالى و حذفت ضمته لوجه الوقف ثم سقطت الياء فصار تعال و هو فى حالة الوقف تعال (بسكون اللام)

و كذا زلّ بعضهم فى مبحث الفاعل المؤنث الجمع الحقيقى اذ قال: "اذا كان الفاعل الجمع المكسر مؤنثا فالفعل يؤنث بالضرورة مراعاة للفاعل. فقال الشيخ: "هذا غلط مخالف للقران فانه جاء فيه " و قال نسوة فى المدينة" (سورة يوسف) و كذا نبّه الشيخ بما قاله بعضهم سوء فهمه "لولا" من حروف الشرط۔

و كذا صرح الشيخ أخطائهم فى اعراب الجمل العربية عدة مواضع فى كتابه "البشير الكامل" لحل شرح مائة عامل"۔ فقد أعرب بعضهم فى شرحه لهذا الكتاب جملة "كم رجلا ضربته" بأن جعل كم رجلاً مفعولا به للفعل والمحذوفة (ضربت) يفسره "ضربت" المذكور فقال الشيخ: "انه غير صحيح و الصحيح أن "كم رجلا" مبتدأ و 'ضربته' خبره۔

واضافة الى ماكشفه الشيخ فى مؤلفاته من أخطاء هؤلاء الشارحين فقد امتازت مؤلفاته هذه بما تحلته وجوهها من معلومات قيمة و نوادر تاريخية و ما جمعت فى صدورها من حلول معقدات نحوية و ردود معترضات لغوية و ما ضمت فى أطرافها من اعراب عبارات عربية و ما زينت به تاجها من مقدمات طلبة متناولة لاستعراض البسيط لفن النحو و تاريخه۔

وقد اختار الامام فى شروحه أسلوب التساؤل و التجاوب فلا يتجاوز جملة بل كلمة الا اهال عليها بوابل من الأسئلة و المعترضات ثم يفرق الغيوم و يهدى الجو بالاجابات الدامغة

فحل كل عقدة كثر فيها السوال و أشار الى كل دقيق لم يخطر ببال۔

فقد يسئل فى كتابه بشير الناجية لشرح الكافية فى حد المفعول له (هو ما فعل لأجله فعل مذكورمثل ضربته تاديبا) فقال: "ماذا يعنى بفعل فيه " أفعل " لغوى أى الحدث" أم فعل اصطلاحى" ثم يجيب ان المراد به فعل لغوى لكون المفعول له علة لفعل لغوى، ثم يعترض قائلا بأن "لو كان المرادبه فعلا لغويا فلا يصدق هذا الحدعلى تاديبا فى "ضربته تاديبا" لان الفعل اللغوى الذى حمله التاديب ههنا ليس مذكورا بل المذكور هو الفعل الاصطلاحى أى "ضربت" فيرد هذا السوال بان المذكور عام سواء كان مطابقة "نحو ضربى زيدا للتأديب صار مشهوداً" أو تضمنا نحو ضربته للتأديب" لأن الفعل اللغوى (ضرب)يتضمنه الفعل الاصطلاحى (ضربت) فهو جزء منه فاذا وجد الكل وجد الجزء فالفعل اللغوى فى هذا المثال مذكورتضمنا ثم يضيفه الامام سُوالا آخر قائلا بأن الحد لايصدق على مالم يذكرفعله مطابقة و لا تضمنا مثل "تاديبا" فى جواب لمن قال: "لما ضربت زيدا"و يجيب بأن المذكور كما كان عاما من حيث المطابقة والتضمن كذالك هو عام من حيث الحقيقة و الحكم و الفعل المذكور فى هذا المثال و ان لم يذكر حقيقة و لكنه مذكور حكما تدل عليه قرينة السؤال۔

ولم يكتف الامام بهذا القدر من الأسئلة فى المفعول له و انما اورد عليه عدة أسئلة أخرى و أجاب عن كل منها۔ و ما كان هذا لتشريح مسائل النحو و توضيحها فقط و انما لتعليم الطلبة أسلوب مطالعة الكتب النحوية و المناقشة فيها۔

ولم يكن الشيخ غلام جيلانى مجرد ناقل او جامع يجمع الآراء و يقدمها للدارسين بل كانت له مقدرة فائقة فى التعليل و الترجيح و أبداء رائه و المناقشة فيه مع آراء الآخرين۔

وقد ناقش فى الشاهد(۱)۔

اتهجر سلمىٰ بالفراق حبيبها ☆ وماكان نفسا بالفراق تطيب

الذى استشهد به الامام المبرد و المازنى على جواز تقديم تميز على عامله الفعل بأن (نفسا) فيه تميز مقدم على عامله (تطيب) و الضمير المستتر فى (كاد) هو ضمير الشأن و الاستفهام للانكار و ردهما الشيخ قائلاً:

"ان صحة هذا الاستشهاد متوقفة على جعل ضمير كاد ضمير شأن و هذا لايجوز ههنا لأن مرجع ضمير الشأن يكون مذكورا فى جملة تقع بعده و لم يوجد هنا أى لفظ مذكريصلح له فالاستشهاد بهذا البيت غير صحيح"۔

و كـذا أجـاب الشيـخ عـمـا سئـل عـن "لبيك" بأنه اذ كان يصلح لان يكون من الباب الـمجرد فلما اختاروه من باب الافعال فقال: اختاروه مراعاة للمعنى بأن يدل على كمال الالباب فيـدل مـن حيث المعنى على تكثير الالباب و من حيث اللفظ على تعجيل الالباب و هذا لايكون فى المجرد ـ

و أمثـال مـا أبـدأ مـن آرائه كثيرة مذكورة فى مؤلفاته الشريفة التى هى ذخرقيم و مشعل متلألأ لطالبى طريق العلم و الحكمة۔

و أخيـرا أحـب أن أذكـر مـا اغتـرفـه الشيـخ السيد غلام جيلانى من النعم والمشروبات الـروحـانية مـنـذ ظهـوره الـى الـوجـود الـى وصـولـه الـى رقـمـه واجب الوجود من المنـاهل القادريةالأشرفية مناهل الشيخ عبد القادر جيلانى و الشيخ أحد الدين أشرف السمنانى۔

وقـد ولـد الامـام وراء أخـواتـه الأربـعة فى بيت كانت تقوم فيه حفلة كل شهر بمناسبة ذكـرى الشيخ عبد القادر الجيلانى و كان ظهر الى الوجود بعد ما نذر والده من اهداء ثواب قرأة الـقـران فـى حفلة كبيرة الى روح الشيخ عبد القادر الجيلانى لورزقه الله من ولد۔ فرأى فى منامه رجـلا صـالحا مبشرا له بولد و مسميا له بغلام جيلانى أى "خادم الجيلانى" ۔ فسمى بعد ولادته بهذا الاسم و الملهم المبارك۔

ثـم مـازال يتـقـدم الـى الحشم و النبل و المجد والعلى فى ظل الفيوضات القادرية حتى تشـرف يـومـا نبيـل الطريقة القادرية الأشرفية بحضرة الشيخ الجليل الولى الكامل الذى كان من سـلالة سيـدنـا الشيـخ عبـد الـقـادر الـگيلانى۔ و الذى قال فيه الامام الجيلانى الميرتى تشرفت بـالطريقة القادرية الاشرفية على قدوة السالكين ،زبده العارفين، ملجاء المساكين،مأوى الكاملين ، أشـرف الـمشـائـخ سيدى مولائى الشاه السيد على حسين الكشوشوى(قدس سره القوى) فى الاحتفال الرضوى فى مدينة بريلى۔

فكان هناك شرف عظيم للامام أذ تحلى بانوار المعارف و الحكم بين يدى هذا العارف بـالله الـذى مـا كان يمثل الشيخ عبد القادر الگيلانى خلقا وسيرة فحسب بل كان يمثله خلقا و صورة أيضا لشبهه الشيخ الگيلانى وجها و شاكلة و ذلك فضل اللهيوتيه من يشاء۔

نسئل الله ان يوفقنا الخير و يهدينا الى الصراط المستقيم۔

سید حسن العسکری بن العربی،اشرف الگیلانی

الجامعة الاسلامية بغداد، العراق

بسم الله الرحمن الرحيم

سماحة صدر العلماء
السيد غلام الجيلانى

نور الله مرقده و برد مضجعه

١١ رمضان ١٣١٧ھ/١٩٠٠م - ٢٩ جمادى الأولى ١٣٩٨ھ/١٩٧٨م

مما لا يرتاب فيه أن سعادة صدر العلماء كان طويل الباع فى شتى مجالات العلوم الاسلامية الطاهرة و لا سيما فى علم النحو فانه يعقد عليه الأنامل فى هذا الباب حتى يعرف بامام النحو فى الهند والسند و أبرز شاهد و أصدق ناطق عليه كتبه القيمة و تلاميذه البررة المهرة۔

و أنا الآن ألقى نظرا عابرا حول براعته فى الحديث النبوى الشريف فى ضوء كتابه الشهير ب"بشير القارى بشرح صحيح البخارى" لينكشف القناع عن وجه خبرته و علو كعبه فى هذا المضمار النزيه فسرد فى مقدمة الكتاب حول أصول الحديث من كل باب اذ بها يسهل طلبه لكل من أراده و اليه آب و بها يتجلى الخطاء من الصواب۔ و من دأبه البارز و ديدنه الخاص أنه يرد على الفرق الضالة الباطلة ردا لاذعا مفحما فها انظروا الى شرح ما رواه الامام البخارى فى باب فضل الصلوة فى مسجد مكة و مدينة عن النبى ﷺ

قال: "لا تشد الرحال الا الى ثلثة مساجد المسجد الحرام و مسجد الرسول و مسجد الأقصى" استنادا بهذا الحديث النبوى الشريف على زعمه بل عنادا منع ابن تيمية الضال المضل شد الرحال الى زيارة قبر النبى ﷺ و غيره من قبور الصالحين بل قال هذا سفر معصية والذى يسافر لذاك كالناكح أمه ـ العياذ بالله تعالى ـ و هذا من أبشع المسائل المنقول عنه ـ رد عليه فضيلة صدر العلماء قائلا أيها الضال الشاذ ليس معنى الحديث باتا ما تقول أنت و لم يفهم منه ذلك المراد الأئمة والمحدثون حتى الامام البخارى نفسه فانه أتى بهذا الحديث فى باب فضل الصلوة أى لا ينبغى للمصلى أن يشد رحاله ابتغاء كثرة الثواب الى مسجد غير المسجد الحرام والمسجد الأقصى و مسجد النبى ﷺ فلا علاقة لهذا الحديث بالسفر الى القبور و أيضا يؤيده ما رواه الامام أحمد فى مسنده عن أبى سعيد رضى الله تعالى عنه قال قال رسول الله ﷺ: "لا ينبغى للمصلى أن يشد رحاله الى مسجد يبتغى فيه الصلوة غير المسجد الحرام والمسجد الأقصى و مسجدى" فان فى المسجد الأول للواحد أجر مائة ألف و فى الثانى خمس مائة و فى الثالث خمسين ألف ـ

والأحاديث يفسر بعضها بعضا ـ

ثم قال صدر العلماء و أيضا لو كان الأمر كما فهمه ابن تيمية لبطلت الأسفار قاطبة سواء كانت رحلات المحدثين لطلب الأحاديث النبوية والطلاب لطلب العلوم و لو الى دار العلوم ديوبند أو مدارس وهابية أخر والتجار للتجارة بل جولات جماعة التبليغ الى أمريكيا و أوربا و دول الخليج و ما الى ذلك و هل يقول به الا من أصيب فى دماغه و من جراء ذلك لا يراد بهذا الحديث الا السفر الخاص كما لا يخفى على كل ذى عينين ـ

ثـم استدل الشيخ من حيث علم النحو بأن الحديث الشريف المذكور أعلاه المستثنى منـه فيـه مـقـدر عـام أو خاص احتمالان فعلى الأول معناه لا تشد الرحال الى موضع لـلـصـلـوة ابتغاء كثرة الثواب الا الى ثلثة مساجد و على كلا التقديرين لا مساس لهذا الـحـديـث بـمـا أراد ابـن تيمية الشاذ المنحرف لأن المسلم لا يسافر الى قبور الأنبياء والصالحين للصلاة هناك لأجل كثرة الثواب۔

ثـم وجّـه الشيخ عنان الكلام الى أن الاحتمال الثانى هو الأقوى والأرجح فان الـمستثنى منه هو ما يكون أقرب الى مستثنى و ذلك لا يتأتى الا على التقدير الثانى أى الـمستثـنـى مـنه المقدر هو الخاص أعنى المسجد كما يدل عليه ترجمة الباب للامام البـخـارى والـحـديـث الـذى رواه الامام احمد فى مسنده ثم أيده بما قال بحر العلوم الفرنجى محلى فى "فواتح الرحموت" ما نصه: " فعلم أن المستثنى منه ما يكون أقرب الى المستثنى و لعل هذا ظاهر لمن له أدنى استقراء"۔

و قـد أبـطـل الامـام الـقـسـطـلانـى رحـمه الله تعالى فى "ارشاد السارى شرح صـحيح البخارى" مذهب ابن تيمية بدليل قوى و كذلك الحافظ ابن حجر رحمه الله تـعـالـى فـى "فتـح البـارى" فـانه قال: "قال بعض المحققين قوله 'الا الى ثلثة مساجد' الـمستثـنى منه محذوف فاما أن يقدر عاما فيصير 'لا تشد الرحال الى مكان فى أى أمر كـان الا الـى الثـلـثة' أو أخـص من ذلك لا سبيل الى الأول لافضائه الى سد باب السفر لـلتـجـارة و صلة الرحم و طلب العلم و غيرها فتعين الثانى الأولى أنه يقدر ما هو أكثر مناسبة و هو 'لا تشد الرحال الى مسجد للصلوة فيه الا الى الثلثة' فيبطل بذلك قول من منع شد الرحال الى زيارة القبر الشريف و غيره من قبور الصالحين۔والله تعالىٰ أعلم۔

ثـم نـقـل الشيخ ما قال الامام السبكى الكبير فى شرح الحديث: "أى ليس فى

الأرض بقعة لها فضل لذاتها حتى تشد الرحال اليها غير البلاد الثلثة و مرادى بالفضل ما شهد الشرع باعتباره و رتب عليه حكما شرعيا و أما غيرها من البلاد فلا تشد اليها لذاتها بل لزيارة أو جهاد أو علم أو نحو ذلك من المندوبات والمباحات قال و قد التبس ذلك على بعضهم فزعم أن شد الرحال الى الزيارة لمن فى غير الثلثة داخل فى المنع و هو خطاء لأن الاستثناء انما يكون من جنس المشتثنى منه فمعنى الحديث 'لا تشد الرحال الى مسجد من المساجد أو الى مكان من الأمكنة لأجل ذلك المكان الا الى الثلثة المذكورة' و شد الرحال الى زيارة أو طلب علم ليس الى المكان بل الى من فى ذلك المكان۔والله تعالى أعلم۔

فالآن حصحص الحق لكل من عنده أدنى مسكة و أقل المام بالدين الحنيف و ذهب مذهب ابن تيمية و نحوه أدراج الرياح۔و كذلك كتب ردودا كثيرة على "فيض البارى" للمحدث الديوبندى أنور شاه الكاشميرى و اليكم بنبذة منها ليتحلى الفرق بين الحق والباطل و ان اشتهيتم الزيارة فعليكم بالكتاب كى ينفتح كل باب فمنها ما قال:

" و من الأضاحيك ما قال صاحب الفضيلة والجاه مولانا أنور شاه الديوبندى مذهبا والكشميرى توطنا دافعا للتعارض فى شرحه للبخارى المسمى ب"فيض البارى" و ليعلم أن حديث كل أمر ذى بال الخ اضطربت فيه الألفاظ الواردة بعضها باسم الله و بعضها بحمد الله و خال بعضهم التعارض و ظن اختلاف الألفاظ اختلاف الحديث والحال أن الحديث واحد فالعمل اما بصورة الجمع الخ۔

أقول: اما اولا الخ و فيه قال فالقصر على اللفظين تقصير كما لا يخفى على البصير و اما ثانيا الخ و فيه قال فانظروا يا أولى الأبصار هذا علم بالحديث يشهرونه فى

الأمصار بل بعض الجهلة أطروه كل الاطراء حتى سموا صاحبه 'خاتم المحدثين والحكماء'! و لا حول و لا قوة الا بالله"۔

ورد عليه فى هذه المسئلة الواحدة فحسب بخمسة وجوه ثم قال : "و بالجملة كلام التلميذ والاستاذ لا ينبغى الالتفات اليه فضلا عن الاعتماد و قد بقى خبايا فى زوايا المقام تركناها خوف الاطناب فى الكلام"۔

و منها ما قال مولانا أنور شاه فى "فيض البارى" من أن لفظ الباب مضاف أو مبنى كمثنى و ثلث فمبنى على الغفلة فان مثنى و ثلث ليسا من المبنيات كما لا يخفى على الطلبة۔

و منها ما قال فى "فيض البارى" و انما لم يقل الافعال بالنيات لأن بين العمل والفعل فرقا فالعمل ساختن والفعل كردن يعنى العمل يتامدى و يطول بخلاف الفعل۔

أقول: هذا الفرق باطل قطعا و يدل على قصور نظره فى اللغة كيف و قد قال الله تعالى فى كلامه الفصيح: ﴿وافعلوا الخير﴾ كصلة الرحم و مكارم الأخلاق فجملة الخيرات داخلة تحت لفظ الخير و كثير منها متماد فالفرق بين العمل والفعل بهذا النحو غير معقول و ما ذا تقول فى قوله تعالى: ﴿والله خلقكم و ما تعملون﴾ فهل الافعال الغير المتامدية خارجة عن المخلوقية۔(ملخصا)

و منها ما قال اعلم أن المعتبر فى الارادة هو اصدار المراد و لا يعتبر فيه غرض للمريد بخالف النية فانها يعتبر فيه غرض و لذا لا يقال: نوى الله بل يقال: أراد الله۔

أقول: مع قطع النظر عن القصور فى العبارات الاغماض عن الفتور فى التعبيرات فيه نظر من وجوه الخ۔

و فى مقام رد عليه بخمسة أوجه و فى مقام آخر بثمانية أوجه و ما الى

ذلك۔فبالتالی یا کشمیری۔ان کنت لا تدری فتلك مصیبة۔و ان کنت تدری فالمصیبة أعظم۔

أیها الاخوة! انظروا بامعان النظر فی عبارات صدر العلماء رحمه الله تعالی تجدها ردودا مهمة غالیة من ناحیة و من ناحیة اخری نماذج رائعة لخبرته فی اللغة العربیة الفصحی العذبة و له کتیب هام ثمین فی العربیة المعسولة فی التطبیق فی الأحادیث و ترجمة الباب باسم "التطبیق الصواب بین الأحادیث و ترجمة الباب" والآخر فی شرح الحدیث: انما الأعمال بالنیات المسمی ب"الفیض الأشرفی فی الحدیث الفاروقی"، یا لیت طبع هذا الکتیب و وزع فی بلاد العرب لکان خیرا و قد رد علی القنوجی فیما زلت قدماه فی کتابه "کشف المبهم" حول مسئلة امتناع النظیر لسیدنا و مولانا محمد خاتم النبیین ﷺ بدلائل دامغة و شواهد حاسمة ثم یقول و نعم ما قیل و کم من غائب قولا صحیحا و آفته من الفهم السقیم۔ثم یسدی نصحا بقوله: فتأمل و لا تعجل والحق حقیق بالأخذ و لو کان مُرًّا والباطل حری بارفض و لو کان دُرًّا۔

و لما یعدو صدر العلماء فی میدان التحقیق لا یخاف من لومة لائم فانه قدم معروضة علی المحدث السندی والمحدث ولی الله الدهلوی رحمهما الله تعالی کما لا ؟؟؟یذهب علی من طالع "بشیر القاری" و سرد فی هذا الشرح الجمیل تحقیقات حول کلماتٍ لغةً و عرفاً نحو یوسف و ترجمان والفرق بین الناموس الجاسوس والفرق بین مثل و نحو و من الذی استعمل أولا کلمة 'أما بعد" و أی حرکة بنائیة تختلف باختلاف العوامل۔

و أیضا تفوح من هذا الشرح المنیر رائحة التصوف فانه یوضح معنی شیخ الاتصال و شیخ الایصال و أی شیخ لا بد منه لبیعته الارادة و یبین طرق الذکر الجلی

والـذكر الخفى و قصص الأولياء الذين كانوا فى أمكنة متعددة فى زمن واحد و ما هو شـأن التوكل والاطاعة و قال نصرة المسلمين خير من أن يحج مرات و كرات فان الله فى عون العبد ما كان العبد فى عون أخيه۔

و قـد حـقـق صـدر الـعـلماء فى هذا الشرح الثمين بعض المسائل المستحدثة أيـضـا نـحـو ما يوجد الربح من المصرف المالى (بينك) و مكاتيب البريد فقال: و فى "رد المحتار" قال فى الشرنبلالية و من شرائط الربا عصمة البدلين و كونهما مضمونين بـالاتـلاف فـعصمة أحدهما و عدم تقومه لا يمنع فاستبان بهذا أن الربح فى المصرف الـمالى فى الهند اليوم مباح اذا لم يكن مسلم شريكا فيه و كذا منافع مكاتيب البريد و ان كان مسلما شريكا فيه فحرام و ربا كما لا يخفى فافهم۔

بـعض الفلاسفة يقول ان الزمان أمر موهوم و أما صدر العلماء يقول: ان الزمان موجود لا موهوم بل هو مدرك ثم شيد قوله بدليل من الكتاب والسنة۔

و كـان صدر العلماء رحمه الله يحب الامام المجدد احمد رضا خان القادرى قـدس سـره حبـاً جـمـاً و يـعـد قضائه قضاءً حاسما محكما كما تبديه مؤلفاته القيمة بـحـذافيـرها ها هذه العجالة دبجتها يراعتى بعد ما أمرنى به سيدة الشيخ محمد أيوب الأشرفى رعاه الله عزوجل۔فيوفقه الله و ايانا لما يحبه و يرضاه و يجعل زادنا تقواه۔

أحب الصالحين و لست منهم

لعل الله يرزقنى صلاحا

شمس الهدى الرضوى المصباحى

أستاذ بالجامعة الأشرفية۔مباركفور

أعظم جراه۔يو۔فى۔الهند

ارسطا طاليس الكلام وجصاص علم الاحكام و المحدث العالى المقام

السيد غلام جيلانى السامى المرام

المفكر فى الاسلام، الشيخ العالى المقام

العلامة السيد عبد القادر الجيلانى

شيخ دارالعلوم القادرية الجيلانية

(والتهم ستو، لندن،بريطانية)

نحمده ونصلى ونسلم على رسوله الكريم محمد (صلى الله عليه واله وسلم)

واله واصحابه اجمعين اما بعد

فهذه سطور قصيرة وهدايا حقيرة فى حظيرة خطيرة لفضيلة الشيخ السيد غلام الجيلانى الحسنى و الحسينى بمناسبة مصنفاته العليا ومسطوراته القصوى؛ فى الحقيقة هو رئيس المحدثين و جهبذ المفسرين و مجدد الصرفيين و دئلى النحويين هو امام فى العلوم اللسانية و له يد طولى فى انواع العلوم البيانية والمعانى والفلالوجية۔ قد طالعت بعض مصنفاته اقتباسا و استنباطا فوجدته البحر الطمطام والصمصام الحسام رأيت كتابه "البشيرشرح نحو مير" فقد صادفت الاوراق الابتدائية منه، فاخذ على علماء السوء فى ترجمة " بسم الله الرحمن الرحيم " تلك العلماء كتبوا ترجمة بسم الله الخ " شروع اللہ کے نام سے جو بے حد مہربان نہایت رحم والا ہے۔" هناسماحة الشيخ الرئيس السيد غلام جيلانى الميرتى انتقدهم انتقادا جيدا فقال هم ترجموا " نہایت رحم والا ہے" هذا غلط فاحش وعظمة الشيخ يقول " الله"(اسم الجلالة)هنا موصوف و "الرحمن" و"الرحيم" صفة بعد الصفة و لفظ "ہے" و " ہیں" يستعملان فى المركبات التامة والصفة والموصوف من المركبات الناقصة فلهذا لا يجوز استعمال "ہے" و " ہیں" فى المركبات من هذه القبيلة:

بود ترکیب نزد نحویاں شش بیادش گیر گر خائف ز فوتی

چواسنادی وتعدادی ومزجی اضافی دان وتوصیفی وصوتی

وكـذا انتقد الشيخ المحترم علماء السوء قائلا " ان الـديابنة يستعملون صيغة الجمع لله سبـحـانـه و تـعـالـى والـحـالة ان الـمـلائكة" قالوا سبحانك لا علم لنا الا ما علمتنا "هنا خاطب الـمـلائـكة الله سبـحـانه وتعالى بصيغة الواحد هلم جرا من عهد آدم الى يومنا هذا يخاطبوا اهل الـحق من اهل الايمان الله سبحانه وتعالى بصيغة الواحد ولكن علماء ديوبند يدعون الله سبحانه وتعالى ويخاطبونه بصيغة الجمع وهذا غلط صريح و عمل قبيح"

سيـد السـادات وعديم المساوات السيد غلام الجيلانى خلد الله سيادته فى الامة وادام الـى الـمعالى ارتقائه فى الجنة وضح الكافية الىٰ المنصوبات توضيحابليغا وشرحها تشريحا منيعا وكشـفهـا كشفا منيفا يقول المصنف العلام السيد غلام الجيلانى قدس سره الروحانى تحت " وقـد يـكـون لـلتاكيد والنوع والعدد مثل جلست جلوسا و جِلسة و جَلسة" هذا تقسيم اول من الـمـفـعـول الـمطلق بعد تعريفه الى ثلاثة اقسام اولها للتوكيد و ثانيها للنوع وثالثها للعدد فيقول قـطـب الـكـمـالات العلمية و مدار العلوم المتداولة السيد غلام الجيلانى قدس الله سره السامى" الـمـفـعـول الـمـطـلـق التـاكيدى مالايدل على نوع الفعل المذكور ولا على عدده نحو جلست جـلـوسـا و الـمـفـعـول الـمـطلق من هذا القبيل انما يدل على الحدث المذكور و يؤكده ووجه التـوكيـد ان الـحـدث المذكورذكرثانيا فقط وباعتبار الحقيقة هذا المصدر يرادف تاكيدا لفظيا كما تقول "جلستُ جلستُ" وفـائدته دفع احتمال السهو اودفع احتمال المجاز نحو "ضربت زيدا" يـقوم مقام "شتـمت زيدا" مـجـازا و مـن الـجـائـز ان يـفهم سامع من القول المذكور ان "ضربت" بمعنى "شتمت" لانـه هـنـاك اشتـراك بينهما من حيث الاذية ويمكن له ان يوهم منه مـعـنىٰ الاذية على طريقة استعارة تبعية قامت مع الاحتمال المذكور فصار يدل على معنى صريح مـن غيـر احتـمـال الـمـجـاز بـغير قرينة صارفة عن المعنى الحقيقى حالية كانت او مقالية ، عقلية كـانـت او شـرعية فـلهـذا يساوى ضربت زيدا، ضربت زيدا فذكر المفعول المطلق يرفع احتمال المعنى المجاز فافهم والمطلق النوعى يعرف بانه يدل على المعنى النوعى من الحدث المذكور (اى الـفـعـل الـمذكورالناصب لهذا المفعول المطلق) نحو جلست جلسة بمعنى جلست جلوسا خاصا

والـمـفـعـول الـمـطلق العددى ما يدل على عدد الحدث المذكور نحو جلست جلسة بـمـعـنـى جلست جلسة واحدة وهذان القسمان الاخيران يتميزان من القسم الاول من المفعول

المطلق بوسيلة وزنيهما لان المفعول المطلق النوعى يكون دائما على وزن "فِعلة" والمفعول المطلق العددى يكون دائما على وزن "فَعلة"

لله در المصنف البازغه والشارح النابغه الذى شرح الكافيه شرحا شافيا وبسط بسطا وافيا وحل جميع الاشكالات الممكنة والاسئلة المحتملة قبل الورود۔

ارسطا طاليس الكلام وحصاص علم الاحكام والمحدث العالى المقام السيد غلام الجيلانى السامى المرام يبحث عن مسئلة تفضيل المقام عند الانام من الخواص والعوام فى ضوء احاديث خير الانام صلى الله عليه و اله واصحابه الكرام وسلم هو يرى ان مسئلة التفضيل من العقائد التى تقضى الادلة القطعية وربماادلة الافضلية اما ان تكون احادا اوظنية الدلالة او متعارضة فغايتها الظن و مسئلة الافضلية من العقائد والدلائل الظنية لا تصلح للاحتجاج فى العقائد۔ فلهذاالانسب والاولىٰ للمسلمين ان يسكتوا عنها و يلاحظوا الادب والاحترام هنا يذكر المصنف المذكور ان مسئلة الافضلية لا ينبغى ان تذكر و يستشهد على دعواه من الدر المختار ص ٥٢٤ ج٥ " والاولى بالعاقل ان لا يشتغل بمثل ذالك و ينبغى ان لا يسأل الانسان عما لا حاجة اليه كأن يقول كيف هبط جبريل و على اى صورة راه النبى صلى الله عليه واله وسلم و حين راه على صورة البشر هل بقى ملكا ام لا و اين الجنة و النار و متى الساعة و نزول عيسىٰ و اسماعيل افضل ام اسحق و ايما الذبيح وفاطمة افضل من عائشة ام لا و ابوا النبى كانا على اى دين و ما دين ابى طالب ومن المهدى الى غير ذالك مما لا تجب معرفته و لم يرد التكليف به "(بشير القارى ص٧٤) لقد منّ فضيلة الشيخ المصنف ببشير القارى شرح البخارى على المسلمين خصوصا على اهل السنة والجماعة الفرقة الناجية اذ بين ان مسئلة الافضلية لا ينبغى ان تذكر لانها ليست من الضروريات الدينية والضروريات الدينية تعرف بانها مسئولة عنها فى البرزخ او يوم القيامة والمتفق عليه ان افضلية احاد الامة ليست بمسئولة عنها لا فى القبر و لا فى الحشر فلا يحتاج الى البحث عنها فانما هذه الابحاث تضييع اوقات ما احسن المصنف الممدوح عند ما حل عقدة حديث " لا تشد الرحال الخ " و رد على شناعة عقيدة ابن تيمية و قبح قريحته اشد تقبيح (كما قال الامام ابن حجر المكى: انه ضال مضل اضله الله على علم (الفتاوى الحديثية صفحة ٥۔ ١١٤ للامام ابن حجر المكى)) فسماحة الشيخ جزأ متن الحديث تجزئة كاملة فقال: هنا "الا الى ثلثة مساجد" المستثنى منه محذ وف فاما ان يقدر عاما فيصير لا تشد الرحال الى اى مكان فى اى امر كان الا الى ثلثة مساجد او اخص من ذالك ولا سبيل الى

الاول لافضائه الى سد باب السفر للتجارة وصلة الرحم و طلب العلم و غيرها فتعين الثانى والاولى ان يقدر ما هو اكثر مناسبة وهو "لا تشد الرحال الى مسجد للصلوة فيه الا الى ثلثة مساجد" فيبطل بذالك قول من منع شد الرحل الى زيارة القبر الشريف و غيره من قبور الصالحين و يوئيد هذا المعنى من الحديث المذكور ما رواه الامام احمد فى مسنده الشريف و رفعه : قال رسول الله صلى الله عليه و اله وسلم لا ينبغى للمصلى ان يشد رحاله الى مسجد يبتغى فيه الصلوة غير المسجد الحرام والمسجد الاقصى ومسجدى هذا

هنا ازال رسول الله صلى الله عليه و اله وسلم نفسه المبهمات كلها التى تتعلق بمنع زيارة المقامات المقدسة خصوصا بزيارة القبر الشريف فيا للعجب هؤلاء الناس اكبر جهالة الذين لا يعلمون انه المستثنى منه يكون دائما اقرب الى المستثنى مقدرا كان او مذكورا فالاقرب هنا من المساجد الثلثة يكون "اى مسجد لازدياد الصلوة ثوابا فيه" فاما اشتمال هذا المستثنى منه على غير مسجد لا يجوز عند النحاة لان الغير ليس اقرب الى المستثنى وهنا يمكن للسائل ان يسئل و يقول : ان المستثنى منه فى المفرغ (اذا لم يكن المستثنى منه مذكورا) لا بد ان يقدر اعم العام فلهذا تقدير "الى اى مكان" يجوز هنا فالجواب : المراد باعم العام ما يناسب المستثنى نوعا و وصفا كما اذا قلت ما رأيت الا زيدا كان تقديره ما رأيت رجلا واحدا الا زيدا لاما رأيت شيئا او حيوانا الا زيدا فههنا تقديره لا تشد الرحال الى مسجد الا الى ثلثة مساجد وزيارة قبر النبى صلى الله عليه و اله وسلم مما تواتر عليه المسلمون من السلف والخلف الى يومنا هذاو الامام الاعظم بالفقه اعلم وبالحديث اجزم و فى الاستقامة اقوم سراج الامة كشف الغمة ابوحنيفة نعمان بن ثابت رضى الله عنه يقول فى مطلع قصيدته النعمانية:

ياسيد السادات جئتك قاصدا

ارجو رضاك واحتمى بحماك

حينما جاء من العراق الى قبر النبى صلى الله عليه و اله وسلم لزيارته فقال "جئتك قاصدا" بمعنى ما جئت قبر النبى صلى الله عليه و اله وسلم بطريق المصادفة و طور المفاجأة بل جئته قاصدا ولو كان السفر الى غير هذه المساجد الثلثة ممنوعا لما جاء قاصدا لزيارة قبر النبى صلى الله عليه و اله وسلم وهواعلم بالاحكام الشرعية (القصيدة النعمانية فى الخيرات الحسان للامام ابن حجر المكى صفحة ١٩٤)

و فى بعض الاحيان امير المؤمنين الخليفة الراشد عمر بن عبد العزيز رضى الله عنه كان يرسل

موظفا نيابة عنه من دمشق لزيارة قبر النبى صلى الله عليه و اله وسلم ويعتذ ر قائلا : يا رسول الله صلى الله عليه و اله وسلم ما برحت اكثر اشتغالا و اكبر انهماكا فى مصالح امتك و توفية حوائج شعبك من ان ازورك و اعتذرك بطول مكث بغير زيارتك (عمدة القارى شرح صحيح البخارى للامام بد ر الدين العينى المتوفى ٨٥٤)

الحاصل انى اضعف من ان استوعب الكمالات العلمية والتشخصات الشخصية من فضيلة الشيخ السيد غلام الجيلانى الحسنى والحسينى واتوسل به لمغفرة ذنوبى جزاه الله احسن الجزا "ذالك فضل الله يعطيه من يشاء" والحمد لله رب العلى والصلاة والسلام على سيد الانبياء و على اله العليا واصحابه الفضلا وعلى جميع امته القدسى الى يوم الجزا و بعد يوم الجزا

احقر العباد السيد عبد القادر الجيلانى
دارالعلوم القادريه الجيلانية والتهم ستو لندن
١٢ ربيع الاول ١٤٣١هجرى

العلامة الشريف غلام جيلانى الميرتى

بين الأخذ والعطاء

الدكتور الشيخ **ممتاز أحمد سديدى الأزهرى**
(بن الشيخ عبد الحكيم شرف القادرى(لاهور، الباكستان)

ولد العلامه الشريف غلام جيلانى الميرتى فى اسرةملتزمة بالدين ، متصفة بالورع و التقوى ، فقد كان والد ه الشريف غلام فخر الدين من الصالحين ، كما كان جده الشريف سخاوت حسين من كبار اهل العلم والفضل، و كتب العلامة الشريف غلام جيلانى الميرتى فى سيرته الذاتية انه ولد بعد اربع بنات وقد كان والده الشريف غلام فخر الدين يشوق الى ابن صالح، ولا نستطيع أن نقول بالجزم واليقين كم كان الرجل يتضرع الى الله (جل جلاله)ويبتهل اليه شوقا الیٰ ولد صالح واخيرا جائت لحظة الاجابة ، و رأى الشريف غلام فخر الدين فى المنام يقول له قائل: استبشر بالولد، و عليك ان تسميه ب" غلام جيلانى"۔ تيمنا بالقطب الربانى شيخ المشائخ سيدى الشيخ عبد القادر الجيلانى، وجدير بالذكر ان الشريف غلام فخرالدين كان يحب الشيخ عبد القادر الجيلانى حبا جما و بوسيلته كان يسأل الله -جل جلاله-الولد الصالح.

لقد كان ميلاد العلامة غلام جيلانى الميرتى فى عصر الانهيارو الانحطاط الثقافتى للمسلمين فضلا عن الزوال السياسى والاجتماعى، فقد حاول الانجليز اقلاع جذور الثقافة الاسلامية عن عمد و تخطيط، اذ انهم الغوا النظم التعليمية التي كانت رائجة فى الهند منذ قرون متتالية، و فرضوا النظم التعليمية التي دبّرتها عقولهم الحاقدة على الاسلام و المسلمين والحريصة على البقاء فى الهند، وارتبط امر الوظيفة الحكومية بالتعليم الذي يتبع النظم التعلمية الانجيزية ،فاصبح التعليم الدينى صعبا على الدارسين والمدرسين ايضا، لان الانجليز كانوا قد نهبوا الاوقاف و تركوا مؤسسات التعليم الدينى في حالة لا يحسد عليها، و انهم ظنوا ان التعليم الديني يتوقف و ان المسلمين فى العصور اللاحقة يفقدون هو يتهم، و يتعدون عن تعاليم دينهم الا ان ارادة الله -جل جلاله- هيّات جماعة مخلصة من علماء الدين الحنيف الذين تعلموا الدين بحفاوة و اهتمام ثم اقدموا على نشر العلوم الاسلامية والعربية رغم كل العوائق والعراقيل،

و كان احساسهم بالمسؤلية كبيرا لذالم ينجح الانجليز في محاولتهم و مسعاهم تمام النجاح، ومن هذا المنطق اخترناالعنوان: "العلامة غلام جيلانى الميرتى بين الأخذ والعطا".

تلقى العلامة غلام جيلانى الميرتى العلوم الاسلامية العربية بشوق و نهم، فقد استهل الدراسة بقراءة القرآن الكريم كتّاب حيّه منذ ان بلغ سن الشعور، و انه بعد اكمال هذه المرحلة الدراسية درس فى المعهد الحكومى لفترة لا باس بها، الا ان عمه غلام قطب الدين ارادبه خيرا فاخذه الى معهد مخصص لدراسة العلوم الاسلامية والعربية بمدينة مراد آباد والذي كان اسمه آنذاك: "مدرسة انجمن اهل سنت" و عرف باسم : "الجامعة النعيمية" فيما بعد، و ان العلامة غلام جيلانى الميرتى انسجم بالجو العلمى في هذه المدرسة فاخذ يخطو الخطوات الى الامام، و لما بدأ الكافية لابن حاجب درسه باحتفاء و اهتمام بالغ لدرجة انه حفظ هذا الكتاب في شهر رمضان المبارك، و مما يدل على شغفه بالتعليم انه كان يرتد درس اليوم نائما في الليل بصوت مرتفع دونما ارادة و قصد، وقدحدث هذا الامر مرارا و تكرارا.

كان العلامة الميرتى ممن لا يشبعون بالعلم فانه نظرا لرغبته فى التعلم وللحصول على المزيد من العلم شد رحله الى مدينة اجمير وقد تحمّل الصعاب والمشاكل بكامل الصبر والمثابرة التامة، وانه بعد ستة اشهر دخل الامتحان الشفوى، و قتئذ كان شيخ الأدب مولانا الحافظ الشريف حامد حسين ممتحنا والذى سرّ سرورا بالغا بالاجوبة التي ادلى بها الطالب المجتهد غلام جيلانى الميرتى فأكرمه بكتابين من عنده اولهما: حاشية الشيخ الحنفى على شرح ايسا غوجى لشيخ الاسلام، و ثانيهما: حاشية الشيخ صبان على السلم، هذا وقد نجح العلامة الميرتى فى الامتحان التحريرى السنوى بالامتياز و بعد هذا ظل يسعد بهذه الدرجة ثمانية أعوام بصفة مستمرة، و ذكر العلامة الميرتى انه رد على الأسئلة في امتحان "ملا حسن" على نهج أعجب به الممتحن و أثنى على الطالب ثناء جميلا الأمر الذيدفع مجلس الشورى بدار العلوم الى تكريمه بمنحة مالية كل شهر قدرها أربع روبيات ، وهكذااهتم العلامة غلام جيلانى الميرتى بالدراسة و تثقيف نفسه للقيام بدوره فى نشر الثقافة الاسلامية و اعيا مسؤليته تجاه العلم و طلابه.

هذا و لما تفقه العلامة الميرتى فى الدين اراد ان يتصوف ايضا وذلك لان العلم اذا اجتمع مع التصوف يزداد الانسان نوراوصفاء و اخلاصا لله -تبارك وتعالىٰ- ورسوله- صلى الله تعالىٰ عليه وسلم- وللدين الحنيف، و كل هذا ماقصده العلامة الميرتى فأخذ العهد والطريقة

من اشرف المشائخ مولانا الشريف على حسين الكجوجوى، والذى أكرم العلامة الميرتى بالاجازة والخلافة أيضا بعد فترة لا بأس بها، و يرى كاتب هذه السطور ان هذه الاجازة لم تكن صدفة عن فراغ بل كان لما فى العلامة الميرتى من حسن السيرة السريرة، هذا وقد أكرم العلامة الميرتى بالاجازة في التصوف من الشيخ ، ميان راج شاه القادرى ايضا، لم لا فقد اجتمع العلم النافع مع العمل الصالح اضافة الى شرف الانتساب الى سيدنا رسول الله -صلى الله تعالىٰ عليه وسلم- هذا حديثنا عن حصول العلامة الميرتى على الاجازة في التصوف، والشيء بالشيء يذكر، فقد أخذ العلامة الميرتى أجازة فى المنقولات من صدر الشريعة العلامة محمد أمجد على الاعظمى القادرى و هو عن المحدث الجليل العلامة وصى أحمد السورتى و هو عن الشيخ الأجل أحمد على السهارنفورى، وهو عن الشيخ الأجل المشتهر بعلمه و ورعه في الآفاق الشيخ محمد اسحاق الدهلوى، والذي أجازه شيخ مشايخ الهند في الحديث العلامة عبد العزيز الدهلوى و اسانيده مشهورة.

هذا و أخذ العلامة الميرتى المعقولات من صدر الشريعة العلامة محمد أمجد على القادرى وهو عن أستاذ الأساتذة مولانا هداية الله خان الجونفورى وهو عن المجاهد الجليل مولانا العلامة محمد فضل الحق الخير آبادى الذي مات شهيدا منفيا في جزيرة انديمان مدافعا عن الدين الحنيف و محاولا للاسترداد للحكومة الاسلامية العادلة الضائعة فى الهند، وسنده مسطور فى مقدمة الكتاب: باغى هندوستان لكاتبها: الأستاذ عبد الشاهد شروانى.

ومما نراه من الأهمية بمكان أن نذكر الأساتذة الذين أخذ وتلقى منهم العلامة الميرتى علوما جمة، و أسماؤهم كالتالى: مولانا الشريف محمد نعيم الدين المرادآبادى، مولانا محمد امجد على الأعظمى، مولانا الحافظ الشريف حامد حسين، مولانا الشريف عبد المجيد، مولانا امتياز أحمد الأنبيتوى، مولانا عبد الحى الأفغانى ، مولانا عبد الله الأفغانى، مولانا الشريف أمير البنجابى، القارى غلام نبى التونكى.

هذا ولما وجد العلامة الميرتى انه بفضل الله -تبارك و تعالىٰ- أصبح أهلا لزرع بذور العلم في نفوس الشباب المسلم الذين كانوا بحاجة الى من يلمهم أمور دينهم و يجلى لهم اسرار لغة الضاد والتي هى بمثابة مفتاح للعلوم والاسلامية أقدم العلامة الميرتى على القيام بمهمة التدريس ومن هنا تبدأ مرحلة اعطائه العلمى، فقد بدأ التدريس بأمر أستاذه مولانا الشريف نعيم الدين المرادآبادى في تاج المدارس بقرية جائس بمحافظة رائى بريلى، و انتقل

الى دار العلوم عظمت نشأن بمدينة كرنال بناء على رغبة مولانا حبيب الرحمن خان شروانى ، وانـه بعداقامته في كرنال قرابة سنة توجّه الى أحسن المدارس بمدينة كانفور، ومن هناك أخذه بـالألبـاح مـولانـا اميـر الدين الى المدرسة الحافظية السعيدية حيث استقر قلب العلامة الميرتى فـأعـدّ كـوادر علمية أسهم بهم فى نشر الدعوة الاسلامية و دفعها الى الأمام، وان هذا المقال لا يتحـمـل ذكـر قـائـمة التلاميذ الذين أفادوا من علم هذا العلامة المعطاء، و مما يدل على شغفه البـالـغ بـمهمة التدريس أنه ذات يوم أخبر عن وفاة ابنه البكر الا أنه قال مؤمنا بقضاء الله وقدره، متـحـلـيـا بـالـصبر، و محبا للعلم والتدريس: قولوا لأهلى: اننى سوف أعود الى البيت بعد اكمال الحصص و بالتالى أكمل الحصص بالتأنى ثم رجع الى أهله لكي يبدأ مراسم جنازة و دفن فلذة كبـده، و هـذا الاهتمام بالعلم و الطلاب لا يأتى الا بفضل الله تبارك و تعالىٰ و كرمه و لا يتصف بهذا الصبر والحب الا من اتى الله بقلب سليم و هذا هو أول ألوان العطاء العلمى.

أمـا الـلـون الـثـانـى مما قدمه لاسلام والمسلمين فيتمثل في خطبه و مواعظه ، والخطبة خير و سيـلـة لتثـقـيف الـشـعب فانه لا يمكن للجميع أن يتعلموا الدين واللغة العربية كما يتعلمها داعية أسـلامـى، ومـن هـنـا فانهم بحاجة الى من يذكّر هم أم دينهم و يبيّن لهم أحكام الشريعة الاسـلامية الـغـراء، وكـان العلامة الميرتى متصفا بسمات داعية فقد تفقه في الدين و علوم اللغة الـعـربية ، و تـزيّـن بالعمل الصالح والاخلاص لله –جل جلاله– ولرسوله –صلى الله تعالىٰ عليه وسـلـم–اضـافة الـى صـفـاء الـبـاطن والحكمة ، وكل هذه لوازم الموعظة الحسنة ، وهكذا كان العلامة الميرتى يدعو الى سبيل ربه على بصيرة بالحكمة و الموعظة الحسنة.

هـذا و مـؤلـفـات العلامة الميرتى فى الحديث و الفقه والنحو ثالث ألوان عطائه العلمى الـفـكـرى فـقـد ألف: "احكام شريعت" مبيّنا فيه أحكام الشريعة التي يحتاج اليها عامة الناس ، كـمـا أنه كان قد بدأ شرح صحيح الامام البخارى الأن الأجل المحتوم حال دون ذلك الشرح، فقد قام بشرح بعض الأحاديث مما يدل على غزارة علمه و سعة اطلاعه ، كما قام بشرح "نحو مير" لـلـشريف عـلـى الـجرجانى و أقدم على شرح "الكافية" وقام كذلك بشرح "مائة عامل" ومـازالـت مـؤلـفـاته هذه متداولة فى كل من باكستان و بنجلاديش والهند، وليس ذلك الا نظرا لـلـفـوائـد العلمية التي أودعت في هذه المؤلفات، ومازالت هذه الكتب تسهم في تثقيف الطلبة الناشئين ، وما زال عطاؤه متواصلا.

هـذا وقـد بـقى الحديث عن العلامة الميرتى وامتداد عطائه العلمى والدينى المتمثل في

أبنـائـه البـرزـة فـقد تزوج العلامة الميرتى باثنتين رزق منهما ذرية صالحة ، فقد انجبت الأولى ثـلاثة أولاد مـات أولهـم فـي صغر سنه وبنتين، وقد أقام السيد غلام سمنانى في مدينة كراتشى الباكستانية، بينـمـا ظـلّ الثـانـى السيـدغلام سبحانى القادرى في الهند، أما الزوجة الثانية قد أنـجبـت أربعة أولاد و أربـعة بـنـات، أما أولاد المترجم له فأسماؤهم كالتالي: مولانا الحافظ الـقـارى السيـد مـحـمـد ربـانى القادرى الذي هو طبيب، و عالم دينى، العلامة الحافظ القارى السيـد مـحـمـد يـزدانـى الـقـادرى والـذي هاجر الى الولايات المتحد ة الأمريكية و أقام بولاية كيـليـفـورنيـا حيـث وضـع حجر أساس كلية جيلانى العربية وذلك لتدريس العلوم الاسلامية و الـعـربية الـعـصرية ، وان السيـد مـحـمـد نورانى مقيم فى مدينة مرادآباد الهندية حيث اقام دار لـلتـصنيف و التـأليف بـاسـم "بـدر العلوم" أما الابن الرابع للعلامة الميرتى فهو العلامة الحافظ القارى السيد محمد عرفانى القادرى والذى هو مقرئى ذو صوت جميل، وداعية ، و يقوم بمهمة الامـانة الـخـطابة بمسجد فى مدينة بولتن بالمملكة المتحدة، و هكذا يقوم ابناء العلامة الميرتى بمهمة نشر الدعوة الاسلامية كل حسب قدراته و مواهبه ومن هنا نستطيع أن نقول عن العلامة الـميرتى: مازال نهر عطائه العلمى والفكرى مستمرا في خدمة العلم و طلابه من خلال مؤلفاته، و أبنائه ، و تلاميذه، وتلاميذ تلاميذه، وهكذا كان العلامة الميرتى موفقا بين الأخذ والعطاء.

والـجدير بالذكر أن فضيلة الشيخ المفتى محمد أيوب الأشرفى مشغوف باحياء ذكرى العلامة الميرتى بشكل طبع المقالات العربية عن حياة هذه الشخصية العظيمة وأعمالها العلمية الـجـلـيـلـة، فـجـزاه الله كل خير عن هذا المجهود و رحم الله المترجم له رحمة واسعة وأسكنه فسح جناته مع الانبياء والصديقين والشهداء والصالحين. آمين.

كتبه:ممتاز أحمد سديدى

الباحث في مرحلة العالمية الدكتور اة في الأزهر

بسم الله الرحمن الرحيم

وقفة مع العلامة السيد غلام الجيلانى الميرتى

الفاضل العلام، منظر الاسلام الازهرى

(المقيم فى امريكة)

ان شيخنا الامام العلامة غلام الجيلانى الميرتى غنى عن التعريف وغير محتاج الى المدح والاطراء ، لما له شهرة فائقة فى أ نحاء الهند ، ولما له با ع طويل فى شتى فنون العلم والمعرفة ، ولكنه كفانا مؤونة البحث والتنقيب عن حياته الذاخرة بالامجاد العلمية منذ نعومة أظفاره الى ان تغمده الله تعالىٰ برحمته ، فقد ترجم لنفسه ـ اقتداء بالكتاب الآخرين فى مقدمة كتابه "بشير القارى بشرح صحيح البخارى "

سنذكر بعض ما اورده فى هذه المقدمة عن شخصيته البارزة ، ثم نوضح مكانته العلمية الفائقة .

مولده : لقد نذر ابوه الشيخ غلام فخرالدين ـ رحمه الله تعالىٰ ـ ان يهدى ثواب قراءة الفاتحة الى روح الشيخ عبد القادر الجيلانى ، لو رزقه الله تعالىٰ بمولود ذكر ، وذلك بعد مارزق باناث اربعه ، فرأى فى المنام رجلا صالحا يبشره بالمولود الجديد ، ويحثه على تسميته بـ " غلام الجيلانى " وفعلاً قد تحققت هذه الرؤيا الصالحة ، فأنجبت كريمته هذا المولود المبارك المبشر به ، وذلك فى الحادى عشر من رمضان المبارك سنة الف وثلاث مائة وثمانى عشر من الهجرة النبوية الشريفة ، وسماه بـ "غلام الجيلانى " حسب التوجيه المنامى (١) ، وكان مسقط رأسه قرية " دادون" بمحافظة " عليجرة".

....

(١) من المعروف ان المنام ليس حجة شرعية ،غير أنه لا يخلو عن كونه جزءا من اجزاء النبوة ، كما ورد فى صحيح البخارى عن ابى هريرة رضى الله تعالىٰ عنه قال قال رسول الله ﷺ : لم يبق من النبوة الا المبشرات الرؤيا الصالحة .(منظرالاسلام)

لقد فتح العلامة الشيخ " غلام الجيلانى " عينيه فى بيئة علمية وجو روحانى خالص ، فكان من الطبيعى ان يتفوق فى العلم والمعرفة والصفاء القلبى على اقرانه واترابه.

رحلاته العلمية:

كانت اسرة العلامة " غلام الجيلانى " على قمة من الشرف النسبى والمجد العائلى ، وفى غاية من التمسك والالتزام بالشريعة الاسلامية ، وكان ابوه عالما واماما وخطيبا بارعاً ، وكان من تقاليد اسرته الدينية العريقة ان ترسل احد ابنائها الى المدارس او الكتاتيب الدينية تيمنا وتقربا الى الله تعالىٰ ، وليكون من حملة القرآن والسنة ، ودعاة الى الدين الحنيف ، وقد اختارت اسرة الشيخ اياه لهذه المهمة النبيلة ولهذا الغرض الشريف ، فبدأ كما كان متوقعا بداية حسنة فى المدرسة الابتدائية فاتم قراءة القرآن الكريم بالتجويد ، وبعض الكتب النحوية والصرفية، واكملها فى سن مبكرة جداً لما كان يتمتع به من صفاء السريرة ونقاء القلب والذاكرة القوية ، والذهن الوقاد ، ثم الحقه عمه الشيخ " غلام قطب الدين" ـ رحمه الله تعالىٰ ـ بمدرسة " انجمن اهل السنة" التى اشتهرت فيما بعد بـ " الجامعة النعيمية " والتى تقع فى " ديوان بازار" بمحافظة " مرادآباد" فبادر الى حفظ بعض المتون المهمة كماكان داب طلاب ذلك العصر المتميز ، حتى بدأ الكافية لابن الحاجب فى النحو ، ذلك الكتاب الذى يكب عليه الطلاب برغبة شديدة فى حل مغلقاته وفك معضلاته.

ومن حسن حظه انه صادف بالاساتذة البارعين والمعلمين المهرة ، الكاملين فى العلم والادب ، المتفوقين فى النحو والصرف ، وعلى رأسهم الاستاذ الجليل الشيخ عبد العزيز الفتحبورى ، فكان لهذا الشيخ المام تام باللغة العربية والاردية والفارسية والانجليزية وبالاضافة الى ذلك كانت له يد طولى فى اللغة السنسكريتية ، ولقد ادرك استاذ اللبيب فى هذا الطفل الصغير ذكاء ايما ذكاء ، وبالتالى قد اولاه بعناية خاصة حتى استوعب هذا الطفل الذكى جملة مسائل النحو والصرف على ظهر قلب ـ بفضل الله تعالىٰ وبفضل هذاالشيخ الجليل ـ ولقد كان يتميز منذ صغره باهتمامه البالغ ورغبته الجامحة بعلوم النحو والصرف ، فلم تكن اجازاته تخلو عن النشاطات العلمية ، وعلى وجه الاخص عن حل المعضلات النحوية ، وكشف الاسرار الصرفية ، فكان يقوم بحل عويصات الكافية ، ويستعين فى ذلك بذكائه المفرط اولا، ثم بشروح الكافية وبصفة خاصة" شرح الملاالجامى " وكان من عمله الروتينى ان يخرج كل صباح بعد صلاة الفجر للتنزه فى الهواء الطلق النقى ، وكان يتجول الى مسافة معينة يراجع فيها من الكافية

ويحفظه عن ظهر قلب ، ومن طريف مايحكى انه خرج يوما حسب عادته اليومية صباحا ، فصادفه فى الطريق شيخ جليل عليه مهابة الوقار ، فاوقفه وساله قائلاً : يابنى مالى اراك ملتزما بالكافية فرد عليه ببر آته لن استريح حتى احفظ هذا الكتاب كله عن ظهر قلب ، وقد آثار هذا الرد الحاسم المتطلع اعجاب الشيخ بمعرفة اباء الغلام واجداده ، فساله مااسم ابيك ؟ قال : ابى السيد غلام فخر الدين " وهناك يدرك الشيخ شغف الغلام بالنحو وسبب ادمانه ، فيقول: لقد صدق المثل السائر " العرق دساس " وان جدك كان متميزاً بالحب للنحو والصرف وكان يشهد بين العلماء بشغفه به .

وثبت موفقا غاية التوفيق عند ما تشرف بصحبة امام المفسرين الشيخ محمد نعيم الدين المراد آبادى ـ رحمه الله تعالىٰ ـ مؤسس الجامعة النعيمية الذى خدم العلوم الاسلامية كثيراً ، ونور المجتمع الاسلامى بمؤلفات قيمة جادة ، ولاتزال تنير دروب الحياة امام المسلم.

وكما نعرف نحن جميعاً ان كل محب للعلم يبحث عن طالب مجتهد فطين ، ومن البديهى ان يحب الشيخ هذا الطالب الذكى ، ويختاره لايداع الامانة العلمية ، فقام الاستاذ بالاشراف عليه مباشرة ، ولزم الطالب هذا الاستاذ العطوف فى الحل والترحال والسفر والحضر ، فكان الاستاذ يعرض عليه المعضلات النحوية ويطلب منه حلها بنفسه تقوية لثقة الطالب بنفسه واستقلاله بالفكر، وتعويدا للبحث والخوض ، ومن هذا تعلم البحث والتنقيب وعدم تسليم القضية الخلافية دون فحص وتحقيق.

وذات يوم رافق هذا الطالب الوفى استاذه الكريم فى سفره الى مدينة بومباى الشهيرة كما كان من المعتاد ، وفى اثناء اقامتهما فى بومباى قام الطالب الشغوف بالعلم بزيارة مسجد ليصلى فيه ، فاذا فيه مكتبة اسلامية تضم الكتب النفيسة فى مختلف العلوم والفنون ، فكان الطالب قد عثر على بغيته ووجد ضالته ، وسارع للدخول اليها ، فاذا هو امام كتاب فى النحو وهو "حاشية على فوائد الضيائية " التى تعد من اهم المراجع النحوية فى الهند ، فبدأ يقلب صفحاتها ، وهنا يقوم بحل معضلة نحوية عنده فى هذه اللحظة الطيبة.

وفى سنة الف وتسعمأة وثلاث وعشرين العيسوية رحل الى احد المنارات الروحانية الشهيرة فى الهند التى تمثل بالانوار النبوية سائر اقاليم الهند العظيمة ، الاوهى مدينة "اجمير" وكانت "دارالعلوم المعينية العثمانية " الواقعة بجوار ضريح الشيخ معين الدين الجشتى الاجميرى تعتبر من ابرز الجامعات الاسلامية الكبيرة حينذ اك، والطلاب كانوا يتوافدون اليها من اقاصى

البلاد وادانيها ليقتبسوا من انوار العلم الالهى ، ويتبر كوا بجوار ضريح الشيخ معين الدين الاجميرى الذى قام بدور بارز فى نشر الدعوة الاسلامية فى انحاء الهند ، وعلى يديه الشريفة اسلم كثير من الناس ودخلوا فى دين الله افواجا ، وصاحبه فى هذه الرحلة العلمية المباركة لفيف من الزملاء والمتحابين ، ولكنه كما قلنا سابقا كان ممتازا بين زملائه وقرنائه ، ولذلك كان طبيعيا ان يفوق فى نتيجة الامتحان الشفوى الذى عقد فى تلك الجامعة لاختبار قد رات الطلبة لصلاحياتهم فى النحو ، وقد فرح بكفاء ة هذا الطالب المتميز شيخه الحافظ حامد الحسين واعجب بذكائه فى الامتحان ، وبذلك اهداه مجموعة من كتبه الخاصة التى كان يضمن بها على اخص احبابه وكان يحافظ عليها كمحافظة على نفسه ، فاذا طلبها احد من احبابه اعارة كتبه كان يتمثل بهذا الشعر الرائع :

فمحبوبى من الدنيا كتاب .... وهل ابصرت محبوبا يعار

وبعد انهاء المراحل الدراسية والحصول على الشهادة الجامعية تحولت حياته العلمية الى شكل مدرس عظيم المكانة ، كثير البضاعة ، واصبح مدرسا كاملا واستاذا مثاليا يتبع وعالما يقلد ، اذ نصب استاذه مدرسا فى مدرسة سمى بـ "تاج المدارس" الواقعة بمحافظة رائے بریلی "اترابراديش" ثم انتقل الى مدرسة اخرى واصبح استاذا رئيسا فى " دارالعلوم جامع عظمت نشان " ثم انتخب استاذافى "احسن المدارس" بمحافظة "كانفور" وقد احتل مناصب رفيعة مختلفة فى شتى الجامعات الاسلامية فى انحاء الهند.

ومن هذا نستطيع ان نستنتج ان ا لشيخ قد افاد طلبة العلوم الدينية اللغوية طلبة حياته تأليفا وتعليماً.

شيوخه :

ولم يكن الشيخ ليكتفى بشيخ واحد منطلقا من حرصه البالغ فى الاستيعاب والاحاطة ، ولتعمقه فى مختلف الثقافات والفنون ، ومن هنا نجد فى سيرته وتاريخه شيوخا كثيرين ، واساتذة عدة من مهرة ومتقنى العلوم المختلفة من النواحى العقلية والنقلية واللغوية ونذكر بعض المشاهير منهم .

(١) امام المفسرين الشيخ نعيم الدين المرادآبادى ـ (٢) صدرالشريعة العلامة الشيخ محمد امجد على الاعظمى (٣) الشيخ القارى عبدالرحمن ،(٤) الشيخ امير البنجابى (٥): الشيخ عبدالخالق البجنورى ،(٦) الشيخ عبدالله الافغانى ، (٧) الشيخ عبد الحى الافغانى ، (٨) الشيخ عبد العزيز الفتحبورى۔

تلامذته:

تـخرج من مدرسة الشيخ العلامة غلام الجيلاني حملة العلم والحكمة فكانت لهم ميزة خاصة و كيان منفرد ، واليكم اسماء بعض المشاهير۔

منهم:

الشيخ محمد نظام الدين الملقب بشمس العلماء

فـقيـه الاسـلام الـعلامة مفتى محمد شريف الحق الامجدى (٤) العلامة الشيخ محمد طيـب خـان ، الـعـلامة الشيخ عاشق الرحمن ، العلامة الشيخ احمد النورانى الباكستانى ، الشيخ نـعيم الله ، الشيخ نعيم اشرف ،حفيد الا ما م احمد رضاخان الشيخ ريحان رضا خان(٥) الشيخ العلامة مشتاق احمد نظامى (٦) القاضى الشيخ عبدالرحيم البستوى، الشيخ محمد اكبر ميان.

....

(٤) هـو الشيـخ العلامة والحبر الفهامة والمفتى البحاثة ، استاذ الاجيال " محمد شريف الـحـق الامـجـدى" ۔ رحـمـه الـلـه ۔ كان مفتيافى الجامعة الاشرفية التى لها مرجعية فى القضايا الشرعية والمسائل الدينية ، والف كتبا نافعة ، وعلى راسها "نزهة القارى فى شرح صحيح الامام البخارى"۔توفى فى عام (١٩٩٩ء).

(٥)هـو الـعـالـم الشهير العلامة الشيخ ريحان رضا خان الحنفى نشامحبا للعلم فحصل عـلـى مبـلـغ عظيم منه ، واخذ بحظ وافر من الحديث والفقه والتفسير وادام النظر والاشتغال به ، وعـرف بـمـخايل الذكاء وسرعة الفهم ، وممايدل على براعته انه اصبح رئيسا "للجامعة الرضوية مـنظر اسلام" فلقى الحفاوة من طلاب العلم والمعرفة ، كما امتاز بملكة قوية فى خطابة لايجاريه احد ، ودقة واسلوب حكيم فى الدعوة لايباريه شريك ، مع غزارة البيان وجزالة التعبير، وقد عرف عـنه رحمه الله ۔ ان الساسة والحكام كانوا يهابونه ويجلونه وهو نفسه لايباليهم ولايهمه شانهم ، وكـفـاه شرفا انه كان من سلالة الامام المجدد الشيخ احمد رضا خان الحنفى ، رضى الله تعالىٰ عنهم جميعا ورضى عنا.

(٦) الشيـخ الخطيب المصقع ، والمبلغ المفوه ، العلامة الداعية مشتاق احمد النظامى ، الف مـولـفـات لـلدعاة والمبلغين لتوجيههم وترشيدهم فى اساليب الخطابة والتبليغ ، ومن اشهر مؤلفاته : مجموعة الخطب النظامية ، المبتدعة يقولون ولايفهمون ، دم العين (منظر الاسلام).

نخبة من صحب معه فى الد ر س :

قـد يكو ن الر جل يعر ف بمعرفة ا صحا به ، و يتميز بجلسا ئه الذ ين يعتبرو ن اعلا م الدهر و نبلا ء العصر،و الذ ين تر تاح اليهم النفس ، و يطمئن بهم الفو اد و تنتعش الر وح اذ ا كانوا من ذ وى المكا نة العا لية ، و لا يكا د ينكر ان الشيخ العلا مة غلا م ا لجيلا نى كا ن له أصحا ب فى الد ر س من الجما عة البا رز ين ، و لقد اصبح كل منهم نو ا بغ الز ما ن و فقها ء المسلمين فيما بعد ، و من طليعتهم الشيخ اما م عبد العز يز المراُ دآ با دى ، يلقب بحا فظ الملة (۷)و الشيخ حبيب الر حمٰن ، يلقب بمجا هد الملة (۸)الشيخ القا ضى شمس الد ين أ حمد الجو نفو رى (۹)الشيخ العلا مةسر داراحمد غو ردا سفو رى المعروف بـ "المحد ث الأعظم".

(ملخصا من مقد مة بشير القا رى)

....

(۷)و هو الا ما م الشيخ العلا مه عبد العز يز المرا دآ با د ى الملقب بحا فظ الملة، كا ن عالما ما هراً ، بحرا فى العلو م و المعا رف عد يم النظير ، منقطع المثال ، و له فكر ة مستنيرة ، قام على مدى الحيا ة بخد مة العلم والعلما ء و نشرة الدين الا سلا مى با سلو ب حكيم ، و مو عظة حسنة ، و من اكبرا نجا زاته العلميه الثقا فية، الجا معة الا شرفية مصباح العلو م ، التى تعد حصنا منيعا و قلعة شامخة للمذ هب الحنفى و عقيد ة اهل السنةو الجما عة فى شبه القارة الهند ية، وقد خر جت مئا ت الا لو ف من الحفاظ والقرا ء و العلما ء والفقهاء و المفكر ين الذ ين انتشروا فى شتى بقا ع العا لم ،يحملو ن مشا عل العلم والحق ، و ينيرو ن الشعو ب بعلو مهم تو فى عام(۱۳۹۹ھ)

(۸)هو العا لم الجليل الفا ضل النبيل العلا مه الشيخ محمد حبيب الرحمٰن اشتهر بمجاهد الملة كان نادرة من نوادر دهره ، وآية فى الذكاء والعلم ، جمع كثير امن العلوم وتلقاها عن كبار العلماء ، منهم الشيخ الفقيه امجد على رحمه الله ـ وتفوق فى علم الحديث والمناظرة ، وبلغ الى قمة فى التقوى ومجاهدة النفس ، وكان من اهل وجاهة ورياسة ولكنه زهد فى الدنيا واشتغل عن هذه البضائع الدنيوية التافهة ، واختار مجال الدعوة والتبليغ فرأس عدة جمعيات اصلاحية ، وخدم الاسلام طول عمره ـرضى الله تعالىٰ عنه۔

مؤلفاته:

لقد قام شيخنا الامام الفاضل بتاليف عدة من الكتب مع كثرة شواغله وتزاحمه وقد تميزت مؤلفاته بخصائص ، ومن طليعتها انها تغرس فی القلوب حب الله تعالیٰ وحب رسوله ، وتعلم آداب الحضرة المولی عزوجل ورسوله ، ويطيب لنا ان نذكر اسماء بعض هذه الكتب لتظهر امام القاری الكريم مكانة شيخنا العلمية : بشير القاری بشرح صحيح البخاری، بشير الناجية فی شرح الكافيه ، البشير الكامل بحل شرح ماة عامل، البشير بشرح نحو مير، نظام الشريعة الاسلامية ، صحيح النظر، صحيح المسلك، عظيم النجاح .

وفاته :

بعد ان عاش شيخنا الامام العلامة الجيلانی حقبة من الد هر وكانت حياته حافلة بالعطاء والانتاج الغزير، لبی ربه فی سنة الف وثلاث مئة وثمانی وتسعين من الهجرة النبوية الشريفة ـ رحمه الله تعالیٰ ـ واستخرج تاريخ وفاته ـ "نام فقيه واحد اشد علی الشيطان من الف عابد" وذلك طبقا لحساب الجمل .

وهانحن نقدم تعريفا عاجلا لهذه الشخصية الذاخرة بشتی المعارف والحكم، ولانكون مبالغين ولامغالين ان قلنا: ان هذه الشخصية كانت بمثابة موسوعة علمية شاملة ، وبذلك لانستطيع ان نحيط كافة جوانب حياته ، ونواحی عظمته فی شخصيته الا اننا نؤثر ان نستعرض بعض خدماته من خلال احد كتبه القيمة ، "بشيرالقاری بشرح صحيح البخاری".

والمصادر المتوفرة لدينا لاتمهد لنا بتحديد البدء والاخذ فی شرح البخاری ، وهذا ليس امرا جوهريا فيما نحن فيه ، ولم يمهل اجله ان يشرح الا بضعة احاديث من صحيح البخاری الذی هو اصح الكتب بعد كتاب الله تعالیٰ علی وجه الارض فعاجلته منيته .

....

(۹)هوا لعالم الكبير الفقيه العظيم العلامة الشيخ القاضی شمس الدين احمد ينتمی الی مدينة جونفور الهندية فبذلك ينتسب الجونفوری ، اخذ العلم مع العلامة غلام الجيلانی من مشاهير عصره و تقدم فی ذلك حتی صار من احد عباقرة الهند فی الفقه والمنطق والفلسفة ، ومما يدل علی نبوغه وموهبته انه الف عدة كتب وابرزها " قانون شريعة" فی فقه المذهب الحنفی ، جمع فيه عشرات المسائل الفقهية المفتی بها فی مذهب الاحناف، وهو كتاب عظيم النفع ، كثيرالفائدة، مطبوع شائع فی اقطار الهند ـ رحمه الله عليه .منظرالاسلام

منيته:

ومع اعترافنا ان الشيخ لم يمد فى اجله حتى يكمل الشرح ، ولم يستطع الا شرح الاحاديث المعدودة من بداية الكتاب غير ان هذ الشرح يعتبر بمثابة منهج متكامل شامل لشرح بقية الاحاديث من الكتاب ، وقد اصبح فعلا مناراشامخا يستنير به الشراح من بعده ، ويقتبسون منه مناهج و اصولا اقتداء لمنهج النبى ﷺ فى التعليم والتربية.

اهتم مؤلفنا العلام فى الحديث الاول خاصة بذكر مباحث النحو والصرف ، كما اهتم بكشف الاسرار البلاغية ، ورموز المعانى والبيان والبديع فى حديث النبى ﷺ الذى اعطى جوامع الكلم ، وكما تناول البحث عن رجال الحديث ورواة السنن ، ودرجة ثقاتهم وعدالتهم ، وبالاضافة الى ذلك لم يفته بما استنبط مناهج السلوك وضوابط التصوف فى شرحه هذا ، وفى الاحاديث الستة الاخرى ناقش كل قضية لها ادنى علاقة بحديث الباب ، وبعد دراستنا هذا الشرح نستطيع ان نتوصل الى نتيجة حتمية ، وهى ان الشيخ قد قام بتعقيب علمى جاد على الشروح التى اطلع عليها ، وبصفة خاصة اولى اهتماما خاصا بالتعقيب والتعليق على " فيض البارى شرح صحيح البخارى " للشيخ انور الشاه الكشميرى ، ولاشك ان التنبيه على الزلات فى الامور الشرعية من الفريضة الحتمية على من يليق بهذه المهمة الجليلة ، ولاغر و ان الشيخ كان يشعر بعظم المسئولية وخطورتها فقام بواجبه خيرقيام ، ونرى الشيخ خلال تعقيبه طويل النفس ، قوى الشكيمة ، كما نجده محايدا حيادا كليا ، ويتجرد عن كل المؤثرات فجاء ت هذه المباحث جامعة لكل محاسن المناهج العلمية.

ورد اول حديث فى صحيح الامام البخارى "انما الاعمال بالنيات" ففى اثناء تحقيقه النحوى قام بالتعقيب على "فيض البارى " حيث ذكر فيه ان "الباء" فى "بالنيات "ظرف يتعلق بالصحة عند الشوافع رضى الله تعالىٰ عنهم ، ولاخفاء ان الصحة من الافعال العامة التى تتعلق بهاا لظروف اكد المؤلف فى تعقيبه قائلا مانصه:

وقد زل ههنا قدم صاحب فيض البارى حيث قال فى ـ فيض البارى وقدر الشافعية " الصحة" لان متعلقات الظروف لاتكون الا من الافعال العامة والصحة منها ، فان الثواب بعد الصحة فمعناه عندهم صحة الاعمال بالنيات ـ

فكون هذه الصحة من الافعال العامة بديهى البطلان ، كيف! والفعل العام مايكون شاملا لجميع الافعال وهذه الصحة ليست كذلك لانها عند السادة الشافعية ـ رحمهم الله تعالىٰ

ـ بمعنی کون الفعل معتبرا عند الشرع ای مسقطا للذمة کماصرح به نفسه بعد ثلاثة عشر سطرا او بهذا المعنی لایمکن عدها من ا لافعال العامة قطعا ، وظنی ان نسبة هذا القول الباطل الی الشوافع افتراء من هذا ، کیف ! ومثل هذا الباطل لایصدر عن الطلاب ، فضلا عن هؤلاء العلماء اولی الالباب ، وقوله فمعناه عندهم صحة الاعمال بالنیات ، لایتناسب ماسبق فان المناسب ان یقول فالتقدیر عندهم هکذا الاعمال صحیحة بالنیات لان جعل الصحة متعلق الظروف وهو علی ما قلنا ، هذا یدلك الی مامر منا ، انه لایقدر علی اظهار المقصود بطریق مرضی محمود.

نموذج آخر:

لقد عرف فی علم النحو ان الظرف یسمی مستقرا اذا ذکر مایتعلق به ، ولغوا اذا حذف مایتعلق به ولقد تطرق مؤلفنا العلام الی الکلام فی کلمة "کانت"هل هی ناقصة او تامة ، وهل هی مجردة عن الزمان او مقترنة بالزمان ثم هل هی مقترنة بالزمان الماضی او بالمستقبل ، ثم مایتفرع علی کل تقدیر من المسائل الشرعیة۔

فقال ماملخصة :

ان کلمة"کانت" اما ان تفید معنی الماضی فیتعلق الحکم للهجرة التی وقعت قبل هذا الارشاد النبوی الشریف ، وعلی هذا لایشمل هذا الحکم للهجرة الواقعة فی المستقبل، واما ان تفید معنی الاستقبال بسبب وقوعه تحت حیز الشرط ، ففی هذه الصورة لاتفید معنی الماضی وبذلك لا یشمل هذا الحکم للهجرة التی وقعت قبل هذا الارشاد فی الزمن الماضی ، غیر ان هذا الحکم عام وشامل للماضی والمستقبل کلیهما۔

اجابه المؤلف وقد التمس لمذهب العلماء وجوها ، واقام علی صحته ادلة .

فقال : ان کلمة "کانت" تدور حول احتمالین ، اولهما: انها من الافعال الناقصه ، ووقعت زائدة هذا فی هذا المقام ، وثانیهما: انها مجردة عن الزمان وانها تفید معنی تاکید النسبة بین المسند الیه والمسند ، کما ورد فی الآیة القرآنیة "انه کان فاحشة ومقتا وساء سبیلاً " (النساء:٧٧) قال صاحب الجمل: قیل ان کان "زائدة" وقیل غیر زائدة، لکنها منسلخة عن خصوص الماضی وفی الحاشیة الصاوی علی الجلالین ذکر المفسر تحت آیة "وقد کان فریق منهم یسمعون کلام الله " (البقرة ٧٥) والمراد من "کان" النسبة لان هذا الکلام فیمن کان موجودا زمن النبی ﷺ ، لافیمن کان قبلهم ۔

فالخلاصة ان الحکم عام وشامل لجمیع الازمنة بمافیها الماضی والمستقبل ۔

سارالمؤلف على هذا المنوال فى شرح حديث الاعمال بالنيات ، فأثار نقطة هامة ، ثم اشبع الموضوع لما يليق به من البحث والتدقيق ، وهو التفاوت فى الشرط والجزاء امر لابد منه ، غير ان الشرط والجزاء فى هذا الحديث متحدا ن فى ظا هر النظر،و قدحل هذه المعضلة و د فع هذا الا يراد قا ئلاً۔

ان التفا و ت امر لا بد منه غير انه ليس من اللا زم ان يكو ن ذ لك لفظيا بل يكفى ذ لك التفا وت فى المعنى و ان كا ن اللفظ متحدا و فى هذا الحد يث انما التفا و ت فى المعنى،وقد ا تحد اللفظا ن لسر بلا غى عظيم،الا و هو تعظيم الجز ا ء.

وقد اتحد اللفظ فى الشر ط الجزاء فى الشطر الثانى من هذ ا الحديث و ذ لك ايضا لسر بلا غى عظيم ـو لا غروفهو من مصد رمن ا عطى جو امع الكلم ـ و هو تحقير الجز ا ء.

و من هنا يكو ن المو لف قد قا م بتعقيب قيم و تعليق علمى متميز على تعسفا ت الشيخ ا نو رالشا ه الكشميرى فى شر حه فيض البا رى ، حيث انه قا ل فى فيض البا رى تحت مبحث الشر ط و الجزا ء فى شر ح هذا الحديث ما نصه ملخصا :

ثم المراد بقو له ما نو ى هل المراد منه الغا يه و الثمرةاو عين ما نو ى ، و الاظهر عندى هو الثا نى فكل يجد فى آخرته عين عمله و عين ما ينو يه فى د نياه ، و لهذ ه الدقيقة و ردالجزا ء بعين الفاظ الشر ط ، و النا س لما لم ينتقل اذ ها نهم اليه .

شمروا للجوا ب عن اتحا د الشر ط والجزا ء ، مع ان فى الحد يث اذا ن من الله و ر سو له الى من ها جر اليهمافى الد نيا انه يجد هجر ته تلك بعينها فى الآ خره،و من ها جر الى الدنيا او امرأة لا يجد ها الا تلك ، و لا يظلم ر بك احد ا وقا ل تعا لى ووجدو اما عملو ا حا ضرا، فهذه حقيقة غفل عنها النا س و فهمو ا ان فى الدنيا ا عما لا و فى الا خر ة ثمرا تها، ثم اشكل عليهم مسئلة التقد ير و قا لوا ان الا عما ل لما كان من اقدا ره و تقد ير ه فترتب الجزا ء عليهاغير ظا هرٍ.

فمتعقب مؤلفنا العلام بعدة اوجه قائلا ما ملخصه : اقول سياتى الوجه فى تقريرنا لهذا الحديث المسمى "بالفيض الأشرفى فى الحديث الفاروقى" ان المراد بقوله عليه الصلاة والسلام "ولكل امرء ما نوى" ولكل امرء ثواب نيته فانتظره مفتشا ولا تصغ الى ما تفوه به شيئا ، اما الافتخار ربما اراد من وجه اتحاد الجزاء بالشرط فمبنى على فساد الذوق، فمثله كمثل الصفراوى وجد السكر مرا بفساد الذائقة فجعل يقول ان السكر مر فى نفس الامر ، و هذه حقيقة غفل عنها

الناس الی الآن و لم یلتفت الی فساد ذوقه کی لا ینقل علیه اسم الغفلة و الهذیان ، فان کنتم فی ریب مما تلونا علیکم یاا صحاب التحصیل فاستمعوا منا وجوه الاختلال بالتفصیل.

اما اولا: فلانه استدل علی وجدان عین الاعمال بقوله تعالی : ''ووجدوا ما عملوا حاضرا'' و هو ناش من سوء الفهم و عدم الرجوع الی التفاسیر و ذلك لان المراد وجدان الاعمال مکتوبة فی صحفهم ، او المراد وجدان جزاء الاعمال بتقدیر المضاف، قال فی البیضاوی ''ووجدوا ما عملوا حاضرا'' مکتوبا فی المصحف ''ولا یظلم ربك احدا'' فیکتب علیه مالم یفعل او یزید فی عقابه الملائم لعمله.

وقال المولی ابو السعود فی تفسیره : و وجدوا ما عملوا '' فی الدنیا من السیئات او جزاء ''ما عملوا حاضرا'' مسطورا عتیدا ''و لا یظلم ربك احدا'' فیکتب مالم یعمل من السیئات ، او یزید فی عقابه المستحق فیکون اظهار المعدلة القلم الازلی، و لم یذهب احد من المفسرین الی ما تفوه به هذا ، کیف! و هم اساطین الملة علماء ، و هذا ضرب من الجنون کما لا یخفی علی اولی النهی.

اما ثانیا: فلو سلم فالاستدلال به علی وجدان عین الهجرة الی الله و رسوله ﷺ غیر صحیح لان المراد بما عملوا السیئات کما فی تفسیر ابی السعود، و ذلك لان الآیة وردت فی حق المجرمین حیث قال تعالیٰ : (ووضع الکتاب فتری المجرمین مشفقین مما فیه و یقولون یا ویلتنا ما لهذا الکتاب لا یغادر صغیرة و لا کبیرة الا احصاها و وجدوا ما عملو حاضرا و لا یظلم ربك احدا) (الکهف /۳۹) و لما کان المراد بما عملوا ''السیئات'' فلا یتم الاستدلال بهذه الآیة علی وجدان عین الهجرة الی دنیا ایضا لانها لیست بمعصیة مطلقا کما فی الفتح.

و اما ثالثا : فلیت شعری ما معنی وجدان عین الاعمال فی الآخرة ، هل معناه ان یصلی فی الآخرة من صلی فی الدنیا، ویزکی من زکی، و یصوم من صام، ویحج من حج، و یعتمر من اعتمر، وکذلك فی جمیع الحسنات ، ویکذب فی الآخرة من کذب فی الدنیا، ویشرب الخمر من شرب، و کذلك فی جمیع السیئات ، فحینئذ تنقلب دار الآخرة الی دار التکلیف والعصیان، و لم یقل به احد من اهل التوقیف والعرفان، و معناه وجدان الاعمال متشکلة باشکال مختلفة حسنة کانت او قبیحة، کما وردت به اخبار خیر البریة علیه الثناء والتحیة ، وذلك لان الاعمال اعراض لا جواهر، فلا تبقی الی یوم الآخرة بل تحدث فی آن وتفنی فی آخر، والبقاء بالامثال ، وعلیه المتکلمون فحینئذ لم یبق معنی العینیة التی علیها مدار الافتخار ، و منها نشأ الازدراء بالعلماء الکبار، فنعوذبالله العلی الجبار.

و اما رابعا: فما فهم العلماء من ان فی الدنيا اعمالا و فی الآخرة ثمراتها هو الذی نطقت به الآيات القرآنية ووردت به الأحاديث النبوية.

قال تعالى:(فلا تعلم نفس ما اخفی لهم من قرة اعين جزاء بما كانوا يعملون ")
و قال تعالیٰ: (انهم رجس وماوا هم جهنم جزاء بما كانوا يكسبو ن")

وقال عليه السلام : الدنيا مزرعة الآخرة" ولم يشكل عليهم مسألة التقدير فان الاعمال و ان كانت من تقديره تعالیٰ لكن لفعل العبد دخل ما فيها ، ولهذا يترتب عليها الجزاء فی العقبی، فنسبة الاشكال و القول بعدم ظهور ترتب الجزاء الى الكملة فرية بلا مرية، كيف! ولا اشكال عند الخدام فضلا عن المخاديم اولی الاحترام ، نعم الاشكال و عدم اعطائه فهم القرآن و الحديث يجزی بهما فی الدنيا من لم يتادب فی جناب العلماء ، فيارب محمد لا تجعلنا منهم واجعلنا من المتادبين بآداب حبيبك الكريم عليه الصلاة والتسليم.

واما خامساً: فلو سلم ان الاعمال من تقديره تعالیٰ وليس لفعل العبد دخل فيها فترتب الجزاء عليها فی الآخرة ظاهر ايضا لا اشكال فيه عندهم ولا عندنا، لان ترتيب الجزاء على الاعمال فی الآخرة من فعل الحكيم تعالیٰ شأنه ، نحن و هم مؤمنون بقوله تعالیٰ " لا يسئل عما يفعل وهم يسألون " ثم هدم آخرا ما بناه اولا حيث نقل فی آخر الكلام بيتا من نظمه ، فصار كالتی نقضت غزلها من بعد قوة انكاثا، و قد بقی الخبايا فی الزوايا لو لا مخافة الاطناب ما ابقيت شيئا منها تحت الحجاب. (۱۱)

ولقد رأيتم معنا فی هذا البحث الدقيق استيعاب الشيخ العلامة غلام الجيلانی لمذاهب القوم و احاطته بما يصح الاعتماد عليها، و ما يجب رفضها وقد كا ن فی هذا البحث دقيقا للغاية فی نقل الآراء المتعددة، ثم الاختيار منها ما يتراجع لديه بالادلة الواضحة والبراهين القاطعة من نصوص القرآن والسنة المطهرة۔

ونرجو الله تعالیٰ ان يتقبل منا هذا الجهد المتواضع فی تعريف هذه الشخصية الاسلامية لاخواننا الناطقين "بالضاد" و نتمنى ان نكون قد وفقنا فی هذه المحاولة.. والله ولی التوفيق

منظر الاسلام الهندی، جامعة الازهر الشريف، القاهرة۔ جمهورية مصر العربية

....

(۱۱) لقد قمنا بنقل هذه العبارات من شرحه كما هی و لعلك تراها عبارة رائعة مسلسلة باللغة العربية الفصحى فان يدل على الشیء ، فيدل على انه كان متمكنا من اللغة العربية كتابة و تاليفا غير ان المجتمع الهندی فرض عليه ان يكتب باللغة الاردية ما يكتب حيث ان الناس يتفاهمون بها(.منظر الاسلام)

سماحة صدر العلماء السيد غلام جيلانى

نور الله مرقده وبرد مضجعه

١١/ رمضان ١٣١٧هـ/١٩٠٠ء/٩/ جمادى الاولىٰ ١٣٩٨هـ/٨/ مارس /١٩٧٨ء

الشيخ العلام نعمان الا عظمى الازهرى

(جامعة حضرة نظام الدين أولياء (دهلى ،الهند)

مما لايرتاب فيه ان سعادة صدر العلماء كان طويل الباع فى شتىّ مجالات العلوم الاسلامية الطاهرة ، لا سيما فى علم النحو فانه يعقد عليه الانامل فى هذا الباب حتى يعرف بامام النحو فى الهند والسند وأبرز شاهد واصدق ناطق عليه كتبه القيمة وتلاميذه البررة المهرة .

وانا الأن القى نظرا عابرا حول براعته فى الحديث النبوى الشريف فى ضوء كتابه الشهير " بشير القارى بشرح صحيح البخارى" لينكشف القناع عن وجه خبرته وعلو كعبه فى هذا المضمار النزيه فسرد فى مقدمة الكتاب حول اصول الحديث من كل باب اذبها يسهل طلبه لكل من ومن دأبه البارز وديدنه الخاص انه يرد على الفرق الضالة الباطلة اراده واليه اب وبها يتجلىٰ الخطاء من الصواب.

رداً لاذعا مفحماً مقنحافها انظروا الى شرح مارواه الامام البخارى في باب فضل الصلوٰة فى مسجد مكة ومدينة عن النبى ﷺ قال لا تشد الرحال الا الى ثلثة مسجد الحرام ومسجد الرسول ومسجد الاقصىٰ استناداً بهذا الحديث النبوى الشريف على زعمه بل عنادا منع ابن تيمية الضال المضل شد الرحال الى زيارة قبر النبى ﷺ وغيره من قبور الصالحين بل قال هذا سفر معصية والذى يسافر لذاك كالنا كح امه العياذ بالله تعالىٰ وهذا من ابشع المسائل المنقولة عنه . رد عليه فضيلة صدر العلما قائلا ايها الضال الشاذ ليس معنى الحديث باتاً ما تقول انت ولم يفهم منه ذلك المراد الائمة والمحدثون حتى الامام البخارى نفسه فانه اتى بهذا الحديث فى باب فضل الصلوٰة اى لا ينبغى للمصلىٰ ان يشد رحاله ابتغاء كثرة الثواب الى مسجد غير المسجد الحرام والمسجد الاقصىٰ ومسجد النبى ﷺ فلا علاقة لهذا الحديث بالسفر الى

القبور وایضا یؤیده ما رواه الامام احمد فی مسنده عن ابی سعید قال قال رسول الله ﷺ لا ینبغی للمصلیٰ ان یشد رحاله الی مسجد یبتغی فیه الصلوٰۃ غیر المسجد الحرام والمسجد الاقصیٰ ومسجدی ۔" فان الاول للواحد اجر مأۃ الف وفی الثانی خمس مأۃ وفی الثالث خمسین الف"والاحادیث یفسر بعضها بعضا ۔ ثم قال صدر العلماء

وایضا لو کان الامر کما فهمه ابن تیمیة بطلت الاسفار قاطبة سواء کانت رحلات المحدثین لطلب الاحادیث النبویة والطلاب لطلب العلوم ولو الی دار العلوم بدیوبند او مدارس وهابیة اخر والتجار للتجارۃ بل جولات جماعة التبلیغ الی امریکیا واوربا و دول الخلیج وما الی ذالك وهل یقول به الا من اصیب فی دماغهٖ ومن جراء ذالك لایراد بهذا الحدیث الا السفر الخاص کما لا یخفیٰ علی کل ذی عینین.

ثم استدل الشیخ من حیث علم النحو بان الحدیث الشریف المذکور اعلاه المستثنیٰ منه فیه مقدر عام او خاص احتمالان فعلی الاول معناه لا تشد الرحال الی موضع للصلوٰۃ ابتغاء کثرۃ الثواب الا الی ثلثة مساجد وعلی الثانی معناه لا تشد الرحال الی مسجد الا الی ثلثة مساجد وعلی کلا التقدیرین لامساس لهذا الحدیث بما اراد ابن تیمیة الشاذ المنحرف لان المسلم لا یسافر الی قبور الانبیاء والصالحین للصلوٰۃ هناك لاجل کثرۃ الثواب .

ثم وجّه الشیخ عنان الکلام الی ان الاحتمال الثانی هو الاقوی والارجح فان المستثنیٰ منه هو مایکون اقرب الی المستثنیٰ وذالك لا یتأتی الا علی التقدیر الثانی ای المستثنیٰ منه المقدر هو الخاص اعنی المسجد کما یدل علیه ترجمة الباب للامام البخاری والحدیث الذی رواه الامام احمد فی مسندهٖ ثم ایّده بما قال بحر العلوم الفرنجی محلی فی فواتح الرحموت مانصه" فعلم ان المستثنیٰ منه ما یکون اقرب الی المستثنیٰ ولعل هذا ظاهر لمن له ادنی استقراء"وقد ابطل الامام القسطلانی رحمه الله فی ارشاد الساری شرح صحیح البخاری مذهب ابن تیمیة بدلیل قوی وکذالك الحافظ ابن حجر رحمه الله فی فتح الباری فانه قال قال بعض المحققین قوله الّا الی ثلثة مساجد المستثنیٰ منه محذوف فاما ان یقدر عاما فیصیر لا تشد الرحال الی مکان فی ای امر کان الا الی الثلثة او اخص من ذالك لا سبیل الی الاول لا فضائه الی سد باب السفر للتجارۃ وصلة الرحم وطلب العلم وغیرها فتعین الثانی والاولی انه یقدر ما هو اکثر مناسبة وهو لا تشد الرحال الی مسجد للصلاۃ فیه الاالیٰ الثلثة فیبطل بذالك قول من منع شد الرحال الی زیارۃ القبر الشریف وغیره من قبور الصالحین والله تعالیٰ اعلم .

ثم نقل الشيخ ما قال الامام السبكى الكبير فى شرح الحديث: اى ليس فى الارض بقعة لها فضل لذاتها حتى تشد الرحال اليها غير البلاد الثلثة ومرادى بالفضل ما شهد الشرع باعتباره ورتب عليه حكما شرعيا واما غيرها من البلاد فلا تشد اليها لذاتها بل لزيارة او جهاد او علم او نحو ذالك من المندوبات و المباحات قال وقد التبس ذالك على بعضهم فزعم ان شد الرحال الى الزيارة لمن فى غير الثلثة داخل فى المنع وهو خطاء لان الاستثناء انما يكون من جنس المستثنىٰ منه فمعنى الحديث لا تشد الرحال الى مسجد من المساجد او الى مكان من الا مكنة لا جل ذالك المكان الا الى الثلثة المذكورة وشد الرحال الى زيارة او طلب علم ليس الى المكان بل الى من فى ذالك المكان والله تعالىٰ اعلم .

فالأن حصص الحق لكل من عنده ادنى مسكة واقل المام بالدين الحنيف وذهب مذهب ابن تيمية ونحوه ادراج الرياح . وكذلك كتب ردوداً كثيرة على فيض البارى للمحدث الديوبندى انور شاه الكاشميرى واليكم نبذة منها ليتجلى الفرق بين الحق والباطل وان اشتهيتم الزيارة فعليكم بالكتاب كى ينفتح كل باب فمنها ماقال ومن الاضاحيك ماقال صاحب الفضيلة والجاه مولانا انور شاه الديوبندى مذهبا والكشميرى توطنا دافعا للتعارض فى شرحه للبخارى المسمى بفيض البارى " وليعلم ان حديث كل امرذى بال الخ اضطربت فيه الالفاظ الواردة بعضها باسم الله وبعضها بحمدالله وخال بعضهم التعارض وظن اختلاف الالفاظ اختلاف الحديث والحال ان الحديث واحد فالعمل اما بصورة الجمع الخ . اقول اما اولا الخ وفيه قال فالقصر على اللفظين تقصير كما لا يخفىٰ على البصير واما ثانيا الخ وفيه قال فانظرو يا اولى الابصار هذا علم بالحديث يشهرونه فى الامصار بل بعض الجهلة اطروه كل الاطراء حتى سمو اصاحبه خاتم المحدثين والحكماء لا حول ولا قوة الا بالله ورد عليه فى هذه المسئلة الواحدة فحسب بخمسة وجوه ثم قال وبالجملة كلام التلميذ والاستاذ لا ينبغى الالتفات اليه فضلا عن الاعتماد وقد بقى خبايا فى زوايا المقام تركناها خوف الاطناب فى الكلام .

ومنها ما قال مولانا انور شاه فى فيض البارى من ان لفظ الباب مضاف او مبنى كمثنى وثلث فمبنى على الغفلة فان مثنى وثلث ليسا من المبنيات كما لايخفى على الطلبة.

ومنها ماقال فى فيض البارى وانما لم يقل الافعال بالنيات لان بين العمل والفعل فرقا فالعمل " ساختن" والفعل "كردن" يعنى العمل يتمادى ويطول بخلاف الفعل اقول هذا الفرق باطل قطعا ويدل على قصور نظره فى اللغة كيف وقد قال الله تعالىٰ فى كلامه الفصيح وافعلوا

الخير كصلة الرحم ومكارم الاخلاق فجملة الخيرات داخلة تحت لفظ الخير و كثير منها متماد فالفرق بين العمل والفعل بهذا النحو غير معقول وما ذا تقول فى قوله تعالىٰ ﴿والله خلقكم وما تعملون﴾ فهل الافعال الغير المتمادية خارجة عن المخلوقية (ملحضا)

ومنها ماقال اعلم ان المعتبر فى الارادة هو اصدار المراد ولا يعتبر فيه غرض للمريد بخلاف النية فانها يعتبر فيه غرض ولذا لا يقال نوى الله بل يقال اراد الله اقول مع قطع النظر عن القصور فى العبارات والاغماض عن الفتور فى التعبيرات فيه نظر من وجوه الخ. وفى مقام رد عليه بخمسة اوجه وفى مقام اخر بثمانية اوجه وما الى ذالك فبالتالى يا كشميرى.

ان كنت لا تدرى فتلك مصيبة. --------- .وان كنت تدرى فالمصيبة اعظم

انظروا بامعان النظر فى عبارات صدر العلماء رحمه الله تجدها ردوداً مهمة غالية من ناحية ومن ناحية اخرى نماذج رائعة لخبرته فى اللغة العربية الفصحى العذبة وله كتيب هام ثمين فى العربية المعسولة فى التطبيق فى الاحاديث والترجمة الباب باسم" التطبيق الصواب بين الاحاديث وترجمة الباب"والآخر فى شرح الحديث انما الاعمال بالنيات المسمى بالفيض الاشرفى فى الحديث الفاروقى . ياليت طبع هذا الكتيب ووزع فى بلاد العرب لكان خيرا وقد رد على القنوجى فيما زلت قدمه فى كتابه كشف المبهم حول مسئلة امتناع النظير لسيدنا ومولانا محمد خاتم النبين ﷺ بدلائل دامغة وشواهد حاسمة ثم يقول ونعم ما قيل وكم من عائب قولاً صحيحًا وافته من الفهم السقيم ثم يسدى نصحا بقوله فتامل ولا تعجل

والحق حقيق با الاخذ و لو كان مُراً والباطل حرى بالرفض ولو كان دُراً .

ولما يعدو صدر العلماء فى ميدان التحقيق لا يخاف من لومة لائم فانه قدم معروضة على المحدث السندى والمحدث ولى الله الدهلوى رحمهما الله تعالىٰ كمالا يذهب على من طالع بشير القارى وسرد فى هذا الشرح الجميل تحقيقات حول كلماتٍ لغةً وعرفاً نحو يوسف وترجمان والفرق بين الناموس والجاسوس والفرق بين مثل ونحو ومن الذى استعمل اولاً كلمة :أما بعد؟ وایّ حركة بنائية تختلف باختلاف العوامل؟

وايضا تفوح من هذا الشرح والمنير رائحة التصوف فانه يوضح معنى شيخ الاتصال وشيخ الايصال وایّ شيخ لا بد منه لبيعته الارادة وبين طرق الذكر الجلى والذكر الخفى وقصص الاولياء الذين كانوا فى امكنة متعددة فى زمن واحد وما هو شأن التوكل والاطاعة وقال نصرة المسلمين خير من ان يحج مرات وكرات فان اللّٰہ فى عون العبد ما كان العبد فى عون اخيه .

وقد حقق صدر العلماء فى هذا الشرح الثمين بعض المسائل المستحدثة ايضا نحو ما يوجد الربح من المصرف المالى (بينك) ومكاتيب البريد فقال وفى رد المحتار قال فى الشر نبلالية ومن شرائط الرباعصمة البدلين وكونهما مضمونين بالاتلاف فعصمة احدهما وعدم تقومه لا يمنع فاستبان بهذا ان الربح فى المصرف المالى فى الهند اليوم مباح اذا لم يكن مسلم شريكا فيه وكذا منافع مكاتيب البريد وان كان مسلم شريكا فيه فحرام ورباكما لا يخفى فافهم.

بعض الفلاسفة يقول: ان الزمان امرموهوم واما صدر العلماء يقول ان الزمان موجود لا موهوم بل هو مدرك ۔

ثم شيد قوله بدليل من الكتاب والسنة .

وكان صدر العلماء رحمه الله يحب الامام المجدد احمد رضاخان الحنفى القادرى قدس سره حباً جماً ويعد قضائه قضاءً حاسما محكما كما تبديه مؤلفاته القيمة بحذافيرها .ها هذهِ العجالة وبحجتها يرا عنى بعد ما امرنى بهٖ سيادة الشيخ محمد ايوب الاشرفى رعاه الله عزوجل فيوفقه الله وايانا لما يحبه ويرضاه ويجعل زادنا تقواه.

احب الصالحين ولست منهم ☆ لعل الله يرزقنى صلاحا

شمس الهدىٰ الرضوى المصباحى استاذ الجامعة الاشرفية مباركفور اعظم جراه ۔ يو فى ۔ الهند

الشيخ غلام جيلانى الميرتيو جهوده فى السنة

كم من شخصيات بارزة فذة فى الاسلام ضحت بانفسهم لاجل خدمة الدين الحنيف ،وكم من الاعلام للامة الاسلامية عاشوا لاجل خدمة الشريعة الاسلامية الغراء السمحاء ۔ومن بين هولاء العلماء الاجلاء والدعاة النابهين شخصية هامة بارض الهند ،وتكاديد التاريخ تطويها فى طى النسيان ۔ولكن حمداً لله و شكرا له ان وفق بعض اهل العالم والوعى من رجالات الدين فى شبه القارة الهندية ،وعلى رآسهم فضيلة العلامة الشيخ المفتي محمد ايوب القادرى حفظه الله تعالى ورعاه،حيث قاموا للتعريف بهذه الشخصية العام والخاص في داخل الهند و خارجها اعجمياً كان او عربياً۔

ولي كل السعادة ان اسطر بعض الكلمات عن هذه الشخصية النابغة ،واعرف بها الاخوة العرب ، وذلك لم تك الا بلغتهم وبذلك انا اصيب في اقدامها على قرأة العربية واضيف اليهم شخصية علمية لها خدمات جليلة في سبيل الدعوة والارشاد ور بما اظهرهم على حقيقة

هـا مة هـي ان خـدمـات التـراث الاسـلامـي ليسـت في العربية وحدها ، بل في العربية وجميع اللغات الشرقية الاسلامية

نبذة عن حياته:

هـو الـعـالـم النحرير الداعية الاسلامي الكبير الشيخ الشريف غلام جيلاني بن الشيخ الشريف غلام فخر الدين بن الشيخ الشريف سخاوت علي رحمه الله تعالى)

ولـد بـقـرية ميرت. احدى القرى الهند ية النابغة بمحافظة مرادآباد ، اترا برديش سماه ابوه بهـذا الاسـم تيـمنا بالعارف بالله غوث الاعظم الشيخ عبد القادر الجيلانى (رحمه الله تعالى) حيث انـه ولد بعد اربع بنات متتا ليات . فكان مو لوده رحمة و سعادة لامه وابيه ، ولاهل بيته وزويه . وكان ذلك في ١١/ من شهر رمضان المبارك

شغفة بالعربية والنحو:

انـه فتـح عينيه في بيئة علمية صالحة ونشا على حب الله و رسوله والاولياء حصل على شتـى الـعـلـوم والـفـنـون فـي صـدر شبـابـه وكان ذاشغف بعلوم الدين كما حذق في علم النحو والـصـرف حتى اصبـح امـامـا فيهـا وكـان يستهوى قلبه الى هذين الفنين منذ حداثة سنه ثم من حسن حظه ان تو اجد له استاذ بارع وماهر في النحو والصرف وهو فضيلة الشيخ عبدالعزيز خان الفتح فورى ـ

وليـس الامـر يتـوقف عـليـه بل انما كان جده من فطا حل العلماء في الهند واحد نوابغ الـعـصرفى هذين الفنين النحو والصرف على الاخص فكانت بر كا ته العلميه تترى على حفيده بهـذا الشـكـل كما كان يجيد اللغة العربية والفارسية والأردوية اجادة تامة . أما الدين الحنيف فتـقـفه في اصوله وفروعه وتضلع في كل ما اتصل بها من علوم وفنون بسبب فكان له بذلك علم غـزيـر وخيـر كثيـر وشهـرـة مستـفيـضة عـلـى مستوى الهند ومن ثم كان يملك نا صية العربية ويحسنها بطريق افضل وشرحه لبعض الكتب النحوية يشهد له بعلو الكعب وطول الباع فيها۔

شرحه لصحيح البخاري :

اصـح الـكـتـب بـلا خـلاف بـعـد كتـا ب الـلـه تـعالى على وجه الارض ، هو الجامع الـصـحـيـح لـلامـام مـحـمـد بـن اسماعيل البخارى رحمه الله تعالى (١٩٤ـ٥٦) هـ) فقد جاء الـجيـلانـى بشـرح وتـعـليق وترجمه لهذا الكتاب الفريد من الاحاديث النبوية الصحيحة باللغة الاردية لغة كافة المسلمين في شبه القارة الهنديه والباكستانية وبنجلاديش

لـقـد سـمـى الشيـخ غـلام جيلا ني شرحه هذ اللجامع الصحيح " بشير القاري بشرح البخاري" نسبة الى مر بيه الروحاني العارف با لله الشيخ المتصوف بشير الدين الجشتى الميرتى الذى اشار عليه خفية لهذا الشرح . والشيخ يسجل بقلمه سبب شرحه لصحيح البخارى فقال : مـا كـنـت اجـد نـفـسـي مستعدا لهذا العمل الشاق ولم يكن عند ي وقت الفراغ لهذا الشرح ، ولـكـن بـعـض الـمـحـدثـيـن الـجـهـلـة رأيتهم يضلون الطلبة خلال دروسهم لاحاديث البخارى ويشـرحـون ويتـر جـمـون كما شاء ت هو اهم فخطر ببا لي ان اشرح با للغة الاردية شرحا وافيا ميسـور ايتـنـاسـب الـعـوام السـزج وطـلاب الـعلم النبوي الشريف يستفيدون منه بطريق مباشر فشرعت أن أشرح متوكلا على الله سبحانه وتعالى ان يتمه.

نـهـجة في هذا الشرح : بدأ بشرح الشيخ احاديث البخارى وقبل كل شى ـ على غرار الـمشـرحـيـن الـقـدمـاء ـ حـمد الله واثنى عليه بما هو اهله ثم التسليم والصلاة على سيد الخلق مـحـمـد رسـول الـلـه ﷺ . و بـعده جاء بتعريفات مصطلحات المحدثين والفقهاء بحيث أ نها يهـمـانـه فـي هذا الخصوص . ثم سجل تلك الاحوال والظروف التي بدا فيها شرح هذا الكتاب الـمبارك وفى ضمن المقدمة كتب سيرته الذاتية با لتفصيل والتى استفدت كثيرا منها لإعداء هذا المقال.

وبعد تسجيل ترجمته عرف بشخصية الامام البخارى كذلك با لتفصيل ووجدت لفتة طيبة خـلال تـر جـمته للامام البخارى حيث استدل بقصة قيامه با لليل صلاة التراويح ـ انه كان يصلى عشرين ركعة وليس ثمانى ركعات كما يفعل الان السلفيون.

قـا ل الـحاكم ابو عبد الله الحافظ : اخبرنى محمد بن خالد ، حدثنا مقسم بن سعيد ، قـال كـان مـحـمـد اسـمـاعيـل البخارى اذا كان اول ليلة من شهر رمضان يجتمع اليه اصحابه فيصليهم ويقرء في كل ركعة عشرين اية وكذلك الى ان يختم القرآن (مقدمة فتح الباري)

بـعـد سـر د هـذا الـرواية يقول: الشيخ ان عدد ايات القرآن الكريم ستة الأف على قول مـخـتـار كـمـا صـرح بـه صاحب الاتقان " فاذا كان المصلى يودى ثمانى ركعات في كل ليلة خـلال شـهـر رمـضان المبارك لن يبلغ عدد الأيات الى ستة الأف فكيف الامام البخارى كا ن يـخـتـم الـقـرآن خـلال ايـام رمـضـان فـي الـتـراويح ؟ فظهر بجلاء انه كان يودى عشرين ركعة لـلتـراويـح وفـي كل ركعة كان يقرء عشرين اية وبهذا الحساب انه استطاع ان يختم بكامله في خمسة عشر يوما.

وقبل الدخول في حيز الشرح لاحاديث البخارى ذكر اقسام كتب الاحاديث وتعريفا تها ثم قيل قدم تعريف اقسام الحديث باعتبار ات مختلفة وكانه ذكر مباحث الالماع للقاضى عياض ، ومقدمة ابن الصلاح ، والباعث الحثيث لابن كثير وتدريب الراوى للسيوطى وشرحه التقريب باسرها في هذه المقدمة التى تملأ علما ومعرفة مع ايجازها وو فر مواد حديثية كثرة خلا لها للباحثين الذين يعدون بحوث اورسائل علمية لنيل درجات الشهادة في الجامعات العصرية.

وفي صنيافة المطاف لهذ ه المقدمة جاء بكلام جميل حول الا حتجاج بالاحاديث الضعاف او العمل بها . وقد سجل فيها آراء العلامة التفتازاني من شرح العقائد النسفية ، و مولانا علي القاري من منهج الروض الازهر والشيخ ابى طالب محمد بن علي المكي من قوت القلوب ، والامام زكريا النووي من الاربعين والامام ابن حجر المكي من شرح المشكاة و مولانا علي القاري من المرقاة ، وحرز ثمين شرح حصن حصين وفتح المبين شرح الاربعين والامام المحقق علي الاطلاق ابن الهمام من فتح القدير والامام احمد بن حنبل وعبد الرحمن بن المهدي وعبد الله بن المبارك (رحمهم الله)

اما نحن فقد كنا بصد د الكلام عن منهجه في شرح احاديث البخاري ، فهو اولا يجعل عنوان الحديث ثم يتر جم له ويشرح علي حسب المراتب فيجعل تحت العنوان باب اللغة ويشرح فيه الفاظ صعبة وردت في ذيل ذلك الحديث حسب معاجم اللغة ويذكر تلك الايرادات تطرح عليه ثم يجيب عليها بالتفصيل احيانا او الايجاز اخرى حسبها يقتضي المقام ويقنع السا مع ثم باب النحو ويعين فيه اعراب اللفظ او الجملة التي لها محل من الاعراب او بالعكس ثم باب الصرف ويبين فيه اصل الكلمة و ما ورد بها من تغيير وتبدل او الحذف والزيادة ثم باب التفسير اذا كان في ذيل الحديث آية قرآنية مبار كة ثم باب الرجال الذي يعد من اهم عناوين الحديث من حيث تعين المعني والاستدلال به ويتكلم فيه عن الرواة الذين فيهم مقال لعلماء الجرح والنقد ثم باب المعاني والبيان ويبين فيه الاغراض البلاغية في الحديث نفسه ثم باب الاحكام التي تستفاد من نص الحديث ويفارق فيه بين اقوال واراء الائمة الكرام التي اختلفت فيها وجهة انظا رهم ثم يرجح مسئلة يجلو له اساس دلائلها قويا باهرا عميقا وفي ضمنه مفهوم الحديث وخلال هذه الابواب باسرها ورودا لاسئلة لم تك الا من تلقاء نفسه ثم اجابته عليها انما فعله هذا ليساعد فهم القاري ويقر في اذهانهم القضية واحيا نا ذكر باب التصوف

الاسلامي اذعانا بان التصوف الخالي من شطحات وشطط من الدين وليس شيئا الحاقيا فيه كما زعم البعض .

وفاته:

وبعد حياة ممتعة هنيئة صعدت روحه الطاهرة الى بارئها هادئة مطمئنة وقد وفقه الله سبحانه وتعالىٰ بخدمات جليلة للدين الحنيف والعلم النبوي الشريف ، فله سعادة عظمى فى الدنيا ، ومثوبة عند الله تعالىٰ يوم القيامة ۔

نعمان الأعظمي الأزهري عميد الكلية

جامعة حضرة نظام الدين أولياء ، ذاكر نغر شارع ٢٢ ۔

دهلى الجديد (الهند)

باب یازدہم

مناقب

منقبت حضرت صدر العلماء مولانا سید غلام جیلانی میرٹھی علیہ الرحمہ

از: بحر العلوم حضرت مولانا مفتی عبد المنان صاحب اعظمی، شیخ الحدیث شمس العلوم گھوسی، ۸/نومبر ۲۰۰۸ء

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

وہ صدر تھے، وہ شاہ تھے، بلند پایہ گاہ تھے — فراز چرخ فضل پر، وہ فخر مہر وماہ تھے
وہ اپنے فقر زہد میں اعلیٰ کی جلوہ گاہ تھے — وہ اپنے دم سے علم وفن کی جنت نگاہ تھے
خدا کی قدرتوں کے ایک معتبر گواہ تھے

گدائے بوریہ نشیں کچھ ایسے کج کُلاہ تھے — ہزار کاروانِ علم جن کی گردِ راہ تھے
وہ سید رہ صفا وہ شمع نور مصطفیٰ — وہ بندگان خاص میں قبول بارگاہ تھے
وہ کاروان شوق کے امیر و سر براہ تھے

امامِ صرف ونحو تھے ادب میں غرق ومحو تھے — فقیہ شہرو دہر تھے محدث انام تھے
علوم عقلیہ میں ان کا مرتبہ بلند تھا — مفسروں کے شیخ تھے کلام کے امام تھے
وہ اپنی خوبیوں میں بے نظیر و بے پناہ تھے

مخالفوں کے شہر میں وہ ایک مردِ فرد تھے — کوئی نہ لب ہلا سکا وہ ایسے شیر مرد تھے
معاندان راہ حق کے حال گرد بردا تھے — وہ صاحب جہاد تھے، وہ ماہر نبرد تھے
وہ حامیان حق کے میر لشکر و سپاہ تھے

وہ صاحب قلم بھی تھے وہ مالک سخن بھی تھے — وہ اپنی درسگاہ میں حکیم علم وفن بھی تھے
غریب طالبانِ دیں پر فضل ذوالمنن بھی تھے — وہ عارفوں کی انجمن کی شمع انجمن بھی تھے
فقیروں کے فقیر اور شہوں کے بادشاہ تھے

وہ مُنعمِ نعیم ۲ تھے وہ صدر ۳ کے فطیم تھے — وہ شیخ اشرفی ۴ کے دائرے کے اک زعیم تھے
وہ حافظ سراوا ۵ کے مصاحب و ندیم تھے — وہ اپنے ہمسروں میں اک گوہر یتیم تھے
وہ رہ روان حق کی اک عظیم شاہ راہ تھے

میں ان کی بارگاہ کا فقیر بے نوا سہی — وہ اپنی عظمتوں کے ساتھ میرے خیر خواہ تھے
میں ان کی بارگاہ میں یہ نظم نذر لایا ہوں — اگر چہ میرے سارے شعر مثل برگ گاہ تھے
میں ان کا عبد خاص ہوں وہ میرے بادشاہ تھے

۱۔ تباہ و برباد۔

۲۔ صدرالافاضل استاذ العلما حضرت مولانا سید نعیم الدین صاحب مرادآبادی علیہ الرحمہ۔

۳۔ صدرالشریعہ حضرت مولانا امجد علی صاحب علیہ الرحمہ۔

۴۔ شیخ المشائخ حضرت سید علی حسین اشرفی میاں کچھوچھوی علیہ الرحمہ۔

۵۔ مضافات میرٹھ کا ایک قصبہ۔

حضرت مولانا غلام جیلانی میرٹھی رحمۃ اللہ علیہ

نتیجہ فکر

شاعر اسلام، عالی جناب محمد اکرم صاحب قلندری

(لاہور، پاکستان)

حضرت جیلانی عاشق تھے رسول پاک کے
چومتے تھے ذرے وہ شہر نبی کی خاک کے
زندگی تھی وقف اُن کی دیں کی خدمت کے لیے
اور محمد مصطفےٰ سے سچی نسبت کے لیے
اپنے آقا کی حسیں سنت کے عامل بھی تھے وہ
اور میاں نورانی کے اُستاذ کامل بھی تھے وہ
مختلف عنوان سے شرح بخاری کر گئے
یعنی کوزے میں وہ لگتا ہے سمندر بھر گئے
بشیر کامل شرح لکھی اور بشیر الناجیہ
بے مثالی کام اُن کا یہ ہے شرح کافیہ
ہے بشیر القاری کی شرح کا سہرا جن کے سر
علم کا بہتا ہے دریا ذات جن کی سر بسر
وہ امام النحو ہیں وہ صدر بزمِ عالماں
منفرد ہے جن کی شخصیت جہاں میں بے گماں
اس سوانح کے مرتب اشرفی ایوب ہیں

حضرت تابش قصوری بھی معاون خوب ہیں
اُن کی تصنیفات اہلِ علم کا سرمایہ ہے
اُن کی تربت پر خدا کی رحمتوں کا سایہ ہے
کیا بھلا تو صیف اُن کی لکھ سکے یہ قلندری
جن کو حق نے آپ بخشی علم دیں کی سروری

منقبت

از: شاعر اسلام حضرت مولانا خلیل اطہر اشرفی رامپوری

(سابق چیرمین اتر پردیش مدرسہ تعلیمی بورڈ لکھنؤ)

عالمِ حق فقیہ لا ثانی ☆ یعنی حضرتِ غلام جیلانی
اپنے علم وعمل سے شام وسحر ☆ مسلکِ حق کی نگہبانی
اپنے سائل کو مطمئن ہی کیا ☆ مختصر ہو کہ بحث طولانی
صدرِ علماءِ دینِ مصطفوی ☆ اے گلِ باغِ شاہِ سمنانی
عشقِ احمد رضا میں ڈوب گئے ☆ جب بھی آئی کہیں پہ طغیانی

آرزو ہے خلیل اطہر کی
آپ سے پائے فیضِ روحانی

منقبت

از:۔ حضرت علامہ بدر القادری صاحب (ہالینڈ)

صدر العلماء ہے تو ہی بدر العلماء ہے
میرٹھ کے مسلمانوں پہ تو فضل خدا ہے

رہبر تو شریعت کا طریقت کا شناور
تو ظاہر و باطن کے لیے راہنما ہے

تابندہ درخشندہ تری خلوت وجلوت

پر نور ترے جہد مسلسل کی فضا ہے

آباد ریاضت سے تری اک نئی دنیا
اک عہد ترے سوز تنفس سے جیا ہے

سب اپنی جگہ انجمن علم ہیں شاہا
جس جس کو ترے علم کا فیضان ملا ہے

کتنوں نے ترے در سے لیے علم کے انوار
تو قاسم انعام و کرامت کا گدا ہے

سینہ ترا علم نبوی کا ہے مدینہ
تو شارحِ اقوالِ شہنشاہِ ہدیٰ ہے

تو عارف منقول ہے تو واقف معقول
ہر علم میں ہر فن میں امام العلماء ہے

انوار بخاری ہیں زباں سے تری جاری
سینہ ترا گنجینۂ عرفانِ خدا ہے

تو غوث کے روحانی تصرف کا ہے مظہر
صدقہ تجھے بغداد و کچھوچھہ سے ملا ہے

اجمیر معلیٰ سے ملی علم کی دولت
ہر خوبی تری خواجہ کی چوکھٹ کی عطا ہے

تو فضل حق اور شیخ ہدایت کا ہے نائب
تو آئینۂ آلِ رسولِ دوسرا ہے

تجھ سے ہے نعیمی رضوی قصر کی رونق
تو مجد ہے امجد کا رضا کی تو رضا ہے

تحقیق کی دنیا میں ہے اونچا ترا پایہ
انداز ترا اپنے معاصر سے جدا ہے

ہے فیض ترا جاری زباں اور قلم سے
تدریس کا تصنیف کا تو نجم ہدیٰ ہے

تو بادشاہِ نحو ہے، تو نکتہ رسِ صرف

ہر علم میں رب نے تجھے ممتاز کیا ہے

نازاں ہیں جنہیں تجھ سے ملا شرف تلمذ
محتاج جو ترا تھا وہ اب نہر سخا ہے

میرٹھ کی زمیں پر تھا تو ہی مرجع علماء
اور اب بھی ترا شان سے دربار لگا ہے

اس بدؔر نے بھی کی ہے ترے رخ کی زیارت
اک چاند سا چہرہ ہے جو آنکھوں میں بسا ہے

اس سمت تھی کب بدؔر کے خامہ کی توجہ
جو کچھ ہے یہ ایوب میاں ہی کا کیا ہے

منقبت

از:۔استاذ الشعراء عالی جناب الحاج عبد الستار نیازی صاحب (پاکستان)

غلام صاحب کوثر غلام جیلانی
فقیر کوئے پیمبر غلام جیلانی

کچھوچھہ کے ہے محدث کے فیض کا صدقہ
تو علم کا ہے سمندر غلام جیلانی

نہ جانے کتنے پیاسوں کو کر گیا سیراب
علوم حق کا سمندر غلام جیلانی

تو پاسبان شریعت تو بوستانِ علوم
تمہاری دھوم ہے گھر گھر غلام جیلانی

تمام عمر کٹی عشق مصطفیٰ میں تری
اے نورِ شافعِ محشر غلام جیلانی

ہر اک زباں پہ ترا نام ہے بحمد اللہ
ہے تراراج دلوں پر غلام جیلانی

ادا ہوا ہے زباں سے ہمیشہ کلمۂ حق
تو وقت کا قلندر غلام جیلانی

تمہارے نام کا ڈنکا بجا زمانے میں

تو ہر نظر کا ہے محور غلام جیلانی

مہکتا پھول ہے سادات کے تو گلشن کا
سلام ہو، مرا تجھ پر غلام جیلانی

تمہارے در پہ نیازی کی حاضری ہو کبھی
سناؤں نعت میں آ کر غلام جیلانی

لائق صد احترام حضرت مفتی محمد ایوب صاحب

امید کہ آپ بخیر ہوں گے۔ آپ کے حکم کے مطابق بحالت عجلت آج تقریباً ایک گھنٹے کے اندر آپ کی دعاؤں اور فیضان حضرت صدر العلماء سید غلام جیلانی علیہ الرحمہ کے سائے میں چند اشعار ہو گئے جو حاضر کر رہا ہوں۔

طالب دعا
تبسم عزیزی، مبارکپوری

۹۲/۸۶ء

بہار گلشن حکمت غلام جیلانی — ضیائے شمع ہدایت غلام جیلانی
وقارِ مسندِ رفعت غلام جیلانی — دعائے صدر شریعت غلام جیلانی
ہر اک ادا میں ادائے رسول رکھتے تھے — گدائے شاہ رسالت غلام جیلانی
خدا کے فضل سے کرتے رہے زمانے میں — حبیب رب کی نیابت غلام جیلانی
رہے مثال قمر آسمان عظمت پر — فدائے فخر رسالت غلام جیلانی
ہمیشہ رکھتے تھے دنیا میں بے سہاروں پر — نگاہ الفت و شفقت غلام جیلانی
تمام عمر پلاتے رہے زمانے کو — شراب علم شریعت غلام جیلانی
تڑپ رہا ہوں میں مدت سے دید کی خاطر — عطا ہو مجھ کو زیارت غلام جیلانی
کوئی مثال کہاں سے تمہاری لے آئے — صدائے حق و صداقت غلام جیلانی
تمہارے نام کا بجتا ہے آج بھی ڈنکا — نشانِ راہ طریقت غلام جیلانی
بروز حشر تبسم کے حال پر کرنا — بس اک نگاہ عنایت غلام جیلانی

از: استاذ العلماء حضرت علامہ قاری محمد یعقوب صاحب علیہ الرحمہ

(:محمد ایوب اشرفی غفرلہ)

(۱)

ہر اک محفل سے بالاتر ہیں اس محفل کی تاثیریں
یہاں آکر بدل جاتی ہیں انسانوں کی تقدیریں
یہ فیض عام ہے یعقوب میلاد محمد کا
کہ رحمت بن کے چھا جاتی ہیں جیلانی کی تدبیریں

(۲)

جلوہ فرما ہے نور ربانی ....بٹ رہا ہے ثواب ایمانی
عید میلاد کے یہ نظارے ....ہیں یہ فیض غلامِ جیلانی

(۳)

اس ترقی کو پوچھئے ہم سے .....کب ہے پوشیدہ چشم عالم سے
مدرسہ جلوہ گاہِ ایماں ہے........صدر صاحب کی سعی پیہم سے

(۴)

نوید عید میلاد النبی ہے جامِ جیلانی
مئے رحمت میں ہے ڈوبا ہوا پیغام جیلانی
یہ ساری رونقیں یعقوب بس ان کی بدولت ہیں
ہزاروں تہنیت کا مستحق ہے نامِ جیلانی

از

خطیب ذیشان مولانا قاری سخاوت حسین صاحب رضوی

عامل شریعت ہیں شہ غلام جیلانی .... کامل طریقت ہیں شہ غلام جیلانی
ناز جن کی ہستی پر سنیوں کو ہے اب بھی .... فخر اہل سنت ہیں شہ غلام جیلانی
سنیت پہ تن من دھن جس نے کردیا قرباں .... مخزن سخاوت ہیں شہ غلام جیلانی
جس کی علمی ہیبت سے نجدیت بھی کانپ اٹھی .... علم کی علامت ہیں شہ غلام جیلانی
نور مصطفائی سے چہرہ جگمگاتا تھا .... کتنے ذی وجاہت ہیں شہ غلام جیلانی
لب پہ جاری رہتا تھا تذکرہ بریلی کا .... یوں رضا کی برکت ہیں شہ غلام جیلانی

شارح بخاری کے مرتبہ کا کیا کہنا — سنیوں کی عظمت ہیں شہ غلام جیلانی
قرب حضرت حافظ مل گیا ہے حضرت کو — کتنے باسعادت ہیں شہ غلام جیلانی
چھٹ نہ پائے اے رضوی دامنِ امام النحو — خلد کی ضمانت ہیں شہ غلام جیلانی

''نذرانۂ عقیدت''

بخدمت گرامی امام النحو صدر العلماء حضرت علامہ سید غلام جیلانی اشرفی میرٹھی علیہ الرحمہ

از! جناب عالی مولانا قمر یزدانی صاحب (سیالکوٹ پاکستان)

محب خالقِ بر تر غلام جیلانی — شہیدِ عشقِ پیمبر غلام جیلانی
دل و نگاہ کے محور غلام جیلانی — خلوص وصدق کے پیکر غلام جیلانی
شریعت اور طریقت کے جوہرِ قابل — ہیں بحرِ حق کے شناور غلام جیلانی
''امام نحو'' خطاب عظیم آپ کا ہے — جہان بھر کے ہیں رہبر غلام جیلانی
زمانہ آپ کے فیضان سے منور ہے — ہیں چرخ علم کے نیّر غلام جیلانی
محدث اور مفسر ہیں عارفِ کامل — کمالِ علم کے مظہر غلام جیلانی
ہیں آپ گلشنِ سادات کا مہکتا پھول — مہک ہے آپ کی گھر گھر غلام جیلانی
بصد خلوص جو حاضر ہو آستانے پر — سنوارتے ہیں مقدر غلام جیلانی

قمر ہے آپ کے در کا گدا، براہِ کرم
نگاہِ خاص ہو اس پر، غلام جیلانی!

منقبت

شاعر اسلام عزت مآب سید خالد اشرفی جیلانی بن مفکر ملت حضرت سید حسن مثنیٰ انور کچھوچھوی

در نبی کا گدا ہے غلام جیلانی — بڑے بڑوں سے بڑا ہے غلام جیلانی
مقام حسن ادب ہے اسے سلام کرو — علی کے گھر کی ضیا ہے غلام جیلانی
خود اپنی ذات کو وابستہ کرکے اشرف سے — ہمارا تاج بنا ہے غلام جیلانی

دل و دماغ کو علم و ہنر کا نور دیا — متاع دین ہدیٰ ہے غلام جیلانی
بتاؤ کون ہے اپنے لقب سے تابندہ — زمانہ بول پڑا ہے غلام جیلانی
تمہارے نام سے دل کو سکون ملتا ہے — تمہارے نام میں کیا ہے غلام جیلانی
تمام اہل بصیرت کی درسگاہوں میں — لبوں پہ ذکر ترا ہے غلام جیلانی

منقبت

درشان حضور علامہ غلام جیلانی میرٹھی علیہ الرحمۃ والرضوان

مولانا حافظ محمد طاہر القادری کلیم فیضی ابن علامہ نسیم بستوی علیہ الرحمہ

ہمارے ہادی و رہبر غلام جیلانی — شہید عشق پیمبر غلام جیلانی
ہلا سکی نہ کوئی ظلم و جبر کی آندھی — تھے ایسے شجر تناور غلام جیلانی
تمہارے علم کی خوشبو کہاں کہاں پھیلی — ہے بزم بزمِ معطر غلام جیلانی
نیابت شہہ بطحا بھی تم کو حاصل تھی — بڑا تھا اعلیٰ مقدر غلام جیلانی
تمہاری ذات سے پھیلی ہے روشنی کتنی — ہو اک چراغ منور غلام جیلانی
غلام کونین اور ال رسول — فدائے ذاتِ پیمبر غلام جیلانی
کرم نوازش ولطف و عطائے بے حد کی — نگاہِ خاص ہر اک پر غلام جیلانی
زمانے بھر میں ہے اظہر غلام جیلانی — تمہاری ذات مطہر غلام جیلانی
بہارِ گلشن علمِ یقین کے بے شک — ہو مشک بار گلِ تر غلام جیلانی
یقین سے کہتا ہوں یہ مظہر علی تم ہو — غلام سید اکبر غلام جیلانی
کتابہ تم نے تصنیف کر دیا جس کا — بڑا اثر ہے دلوں پر غلام جیلانی
وہ علم وفضل کے جلوؤں سے اب بھی روشن ہے — کرم ہے آپ کا جس پر غلام جیلانی
تمہارا نام عقیدت کے ساتھ لیتا ہے — کلیم آپ کا کمتر غلام جیلانی

پیغامات

بسم اللہ الرحمن الرحیم

پیغام .... عالم اسلام کے نام

مفکر اسلام، علامہ قمرالزماں خاں صاحب اعظمی

(ورلڈ اسلامک مشن، مانچسٹر، یو۔ کے)

مسلمانان عالم کی علمی پسماندگی نے انہیں دنیا کے ہر میدان میں پسماندہ کردیا ہے۔ اور انہیں امامت، سیادت اور سیاست کے اس منصب سے الگ کردیا ہے جو اسلام کے عالمگیر انقلاب نے انہیں عطا کیا تھا۔ اور آج وہ سیاست، تمدن، سائنس، ٹیکنالوجی، سرمایہ کاری، اور ایجادات واختراعات ہر میدان میں دنیا کی ان قوموں سے بھی پیچھے ہیں جو ماضی قریب میں پتھروں کے دور میں سانس لے رہی تھیں اور علمی وسائنسی اعتبار سے اسی قدر پسماندہ تھیں کہ دنیا انہیں جہل کی تاریکیوں کی پروردہ قرار دے رہی تھی جن کا کوئی ماضی نہیں تھا کہ جن پر وہ فخر کرسکیں جنہیں متاخرین فقہائے اسلام نے وحشیوں اور جنگلیوں سے تعبیر کیا تھا۔ دنیا کی موجودہ نام نہاد ترقی یافتہ قومیں روحانیت اور اخلاق سے بیگانہ ہیں۔ چنانچہ انہوں نے اپنی علمی اور سائنسی ترقی کو دنیا کی تباہی کے لئے استعمال کیا اور ہیروشیما ناگاساکی سے لیکر افغانستان، عراق، فلسطین اور بوسنیا تک ان کی تباہ کاریوں کے بھیانک مناظر دیکھے جاسکتے ہیں۔ اگر مسلمان علمی اعتبار سے پسماندہ نہ ہوتے اور سائنسی وٹیکنالوجی میں انسانی دنیا کی قیادت کر رہے ہوتے تو تسخیر خلا کے بعد آسمانوں سے انسانی دنیا پر آگ نہیں بلکہ رحمت کے پھول برسا رہے ہوتے۔ اس لئے کہ قرآن کا نظام تعلیم انہیں اس بات کی اجازت نہ دیتا کہ وہ اپنے مفادات کیلئے انسانی آبادیوں کو ملبوں کے ڈھیر میں تبدیل کردیں مگر افسوس کہ مسلمانوں کی علمی پسماندگی نے صرف مسلمانوں ہی کو نہیں بلکہ پوری دنیا کو تباہی کے دہانے پر لا کھڑا کیا ہے۔

اسلام کی جلوہ گری اور پیغمبر اسلام کا برپا کیا ہوا انقلاب ایک خالص علمی انقلاب تھا۔ ایک ایسی قوم جو

جہل وعبادت کے اندھیروں میں بھٹک رہی تھی انہیں دعوت دینے کیلئے پیغمبر اسلام ﷺ پر پہلی آیت اقراء نازل ہوئی ہے۔ قرآن ﴿نٓ ۚ والقلم وما یسطرون ۞﴾ کے ذریعہ قلم کی عظمت اجاگر کرتا ہے اور خالق لوح وقلم حق نگار قلم کی قسم یاد فرماتا ہے، کم وبیش ۸۰ر مقامات پر قرآن عظیم نے مصدر علم اور اس کے مشتقات کا ذکر فرمایا ۔پیغمبر اسلام ﷺ اپنی دعوت کا آغاز کتاب الٰہی سے فرماتے ہیں اور دنیا کو کسی قوم یا کسی جغرافیائی خطے کے بجائے کتاب کی طرف بلاتے ہیں، قرآن عظیم انسانی دنیا کو حصول علم کی طرف مائل کرتا ہے: ﴿ھل یستوی الذین یعلمون والذین لایعلمون ۞﴾ فرما کر جہل اور علم کے درمیان ایک خط امتیاز کھینچتا ہے۔ علم کو بینائی اور جہل کو نابینائی سے تعبیر کرتا ہے۔ جس دور میں مذاہب باطلہ صرف انسانی جذبات، رویات اوہام وخرافات اور اساطیر الاولین کے سہارے زندہ تھے قرآن عظیم خشیت الٰہی کیلئے بھی علم کو ضروری قرار دیتا ہے اور ﴿انما یخشی اللہ من عبادہ العلماء﴾ فرما کر خشیت الٰہی کی اساس علم پر استوار کرتا ہے نہ کہ اوہام وخرافات پر۔

پیغمبر اسلام ﷺ ایک ایسی قوم میں جلوہ گر ہوتے ہیں جو لکھنے پڑھنے سے نا آشنا تھی اور مکہ مکرمہ میں صرف ۱۷ آدمی لکھنا جانتے تھے مگر حجۃ الوداع سے پہلے آپ نے کم وبیش ایک لاکھ افراد کے ہاتھ میں قلم دیدیا تھا، حصول علم کو ہر مسلمان مرد وعورت پر واجب قرار دیا، حکمت کو مسلمان کی متاع گمشدہ قرار دے کر علم وحکمت کے تمام میدانوں میں آگے بڑھنے کے لئے رہوار فکر کو مہمیز کیا۔ مورخین اسلام نے قبل اسلام کے زمانے کو دور جاہلیت اور اسلام کے دور کو دور اسلام قرار دے کر جاہلیت کو اسلام کی ضد قرار دیا، قرآن عظیم نے کفار کو جاہلون کے لقب سے یاد کیا، مشہور دشمن اسلام کو ابوالکفر نہیں ابوجہل قرار دیا۔ یہی وجہ ہے قرون اولیٰ اور وسطیٰ میں مسلمانوں کے ایسے معاشرے کا تصور ممکن نہیں تھا جس کو جہل کا معاشرہ قرار دے سکیں، ۱۵ر صدی عیسوی کے اختتام تک دینی اور سیاسی برتری کے ساتھ ساتھ سائنس اور ٹیکنالوجی، تجربہ ومشاہدہ ہر میدان میں مسلمان دنیا کی قیادت کر رہے تھے مگر علم سے بے اعتنائی اور محض دنیوی اقتدار کے حصول کی کوشش نے انھیں غلاموں کی صف میں لا کھڑا کیا ہے مسلمانوں نے اپنے دور قیادت وامامت میں دینی علوم کے ساتھ ساتھ دنیا کے جملہ علوم وفنون حاصل کیے، اس لئے کہ قرآن عظیم نے انھیں آفاق وانفس کے مطالعہ کی دعوت دی، اور اس کے ساتھ ساتھ کائنات اور جملہ موجودات کے حقائق کے ادراک کیلئے انسانی فکر وشعور، قوت ادراک، مشاہدہ بصیرت وبصارت اور تجربہ کو اپنا مخاطب بنایا اس لئے میرا پیغام مسلمانان عالم کو ہے کہ وہ دین کے ساتھ ساتھ جملہ عصری علوم کو حاصل کریں اور حصول علم کو عصر حاضر کا سب سے بڑا جہاد قرار دیں، وہ زندگی کے تمام رغائب اور لذائذ سے کنارہ کش ہو کر اپنی آئندہ نسلوں کو علم کے زیور سے آراستہ کریں تاکہ آئندہ صدیوں میں وہ دنیا کی امامت کے قابل ہو سکیں ورنہ ہماری علمی پسماندگی ہمیں اس مقام پر پہونچا دے گی کہ جہاں ہمیں ذلت اور نکبت کے سوا کچھ حاصل نہ ہوگا اور بحیثیت قوم اپنی شناخت کھو بیٹھیں گی اور بے چہرگی کا شکار ہو جائیں گے خدانخواستہ

ع: تمہاری داستاں تک نہ ہوگی داستانوں میں

محمد قمر الزماں اعظمی

بسم اللہ الرحمن الرحیم

نحمدہ و نصلی علی رسولہ الکریم

پیغام! ملت اسلامیہ کے نام

شرف ملت حضرت علامہ عبد الحکیم شرف قادری

(لاہور پاکستان)

ایک ہوں مسلم حرم کی پاسبانی کے لئے
نیل کے ساحل سے لے کر تابخاک کا شغر

(۱) عصر حاضر میں مسلمانوں کی اہم ترین ضرورت اتحاد امت مسلمہ ہے، اگر تمام امت اسلامیہ متحد ہو کر ایک امیر المؤمنین پر متحد ہو جائے تو بڑے سے بڑے ظالم اور جابر کو اس کی طرف میلی اور آلودہ نظروں سے دیکھنے کی جرأت نہیں ہو سکے گی۔

اور کچھ نہیں تم تو کم از کم تمام مسلمانوں کا دفاع ایک ہو، پاسپورٹ ایک ہو اور کرنسی ایک ہو تو بہت سے مسائل حل ہو جائیں گے یورپین ممالک مشترکہ پاسپورٹ اور کرنسی نافذ کر سکتے ہیں تو مسلمان ایسا کیوں نہیں کر سکتے؟

(۲) دنیائے اسلام کو اپنے نونہالوں کی تعلیم پر بھرپور توجہ دینا ہوگی، ضروری ہے کہ ہمارے بچے دینی تعلیم کے ساتھ عصری اور سائنسی تعلیم میں بھی کمال حاصل کریں، ملت اسلامیہ کا بچہ بچہ ڈاکٹر اور عصر حاضر کا دانشور ہونا چاہئے۔ نیز بچوں کو تعلیم دینے کے ساتھ ساتھ تعمیر سیرت پر بھی بھرپور توجہ دینی چاہئے۔

(۳) تمام عالم اسلام اور خصوصاً سعودی عرب کو چاہئے کہ قرآن پاک کا انگریزی، فرنچ، جرمنی اور دوسری بین الاقوامی زبانوں میں ترجمہ شائع کر کے خاص طور پر مغربی ممالک میں تقسیم کریں۔ نیز اسلام کا تعارفی لٹریچر بھی عالمی زبانوں میں زیادہ پھیلانا چاہئے۔

(۴) کوئی شک نہیں کہ انٹرنیٹ پر بحمدہ تعالیٰ بہت کام ہو رہا ہے، تاہم مزید ویب سائٹس قائم کر کے اسلام کے اور حضور سید عالم ﷺ کے خلاف اٹھائے جانے والے شکوک وشبہات کا جواب دینا چاہئے۔

خاص طور پر اہل سنت و جماعت سے گزارش ہے کہ اپنی صفوں میں اتحاد قائم کریں، سینوں میں وسعت پیدا کریں، نفرتوں اور عصبیتوں کا کاروبار ختم کریں اور اپنی تمام تر توانائیاں پرچم اسلام کو بلند کرنے پر صرف کر

دیں ورنہ لادینیت کا منہ زور سیلاب سب کچھ بہا کر لے جائے گا اور ہماری قبروں پر آنسو بہانے والا بھی کوئی نہیں ملے گا۔

قوت عشق سے ہر پست کو بالا کر دے
دہر میں عشق محمد سے اجالا کر دے

محمد عبدالحکیم شرف قادری

۲۵؍شعبان المعظم ۱۴۲۷ھ

سر گزشت

وائے غفلت کیا ہم نے..................جو ہمیں پہلے کام کرنا تھا

معزز و مکرم قارئین کرام! معذرت خواہ ہوں کہ اس کتاب کے منظر عام پر آنے کے بارے میں ماہنامہ ''جام نور'' مئی ۲۰۰۵ء کے ذریعہ جو میں نے عنقریب اشاعت کا اشارہ دیا تھا اس اعتبار سے بڑی تاخیر ہو چکی ہے جس کا مجھے افسوس ہے۔ اس اشتہار کے بعد جلیل القدر بعض بزرگوں اور عظیم المرتبت میرے کرم فرماؤں کی طرف سے جس کثرت کے ساتھ کتاب کی اشاعت کا اصرار ہوا اس کا مجھے اس قدر اندازہ نہیں تھا۔ ان کی یہ کرم فرمائی یقیناً میرے نزدیک کتاب کی مقبولیت کا پیش خیمہ تھی، لہٰذا دلی تمنا تھی کہ کتاب جلد از جلد منظر عام پر آ جائے یہی سوچ کر اس اعلان کے بعد میں برطانیہ سے اپنے وطن عزیز سنبھل انڈیا حاضر ہوا اور حاضری کے اہم مقاصد میں سے اس کتاب کی اشاعت بھی تھی، چاہتا تھا کہ میری نگرانی میں میرے ہی سامنے یہ کام ہو جائے تو دل مطمئن رہے گا۔ بکوشش تمام دو ماہ کی چھٹیاں بک کرائیں جبکہ موجودہ حالات میں بچوں کو اتنی طویل چھٹیاں درمیانی سال میں اسکول سے دی بھی نہیں جاتیں۔ مگر مشیت الٰہی کہ پہنچتے ہی آب وہوا اور کھانے پینے کی تبدیلی سے بچوں کی جو طبیعتیں خراب ہوئیں تو چند ایام ان کی دیکھ بھال میں گزر گئے اور ابھی ان کی طرف سے مکمل اطمینان ہو بھی نہ پایا تھا کہ اہلیہ کی طبیعت کچھ زیادہ ہی ناساز ہو گئی، اور دیکھتے ہی دیکھتے پورا ایک ماہ ان کی نذر ہو گیا۔ اب باقی بچے تھے میرے پاس صرف ۱۰/۱۵ر دن جس میں عید اضحیٰ بھی تھی اور واپسی کی تیاری بھی۔ دو مہینہ گزر گئے اور میں اِس اِشاعتی پروگرام کی تاخیر در تاخیر پر کف افسوس ملتا رہ گیا، کیونکہ معاملہ اب میرے دوبارہ آنے پر موقوف ہو چکا تھا۔

اسی سے دور رہا اصل مدعا جو تھا.............گیا یہ وقت عزیز آہ رائیگاں میرا

تاخیر در تاخیر میں نے اس لئے کہا کہ دراصل یہ کتاب اب سے تقریباً چار پانچ سال پہلے ہی اس منزل میں پہونچ چکی تھی کہ اس کو فقط تھوڑی سی محنت کے بعد شائع کر دیا جاتا، اُس وقت جب میں نے مسودہ کی شکل میں اسے اپنے شیخ حضرت شیخ الاسلام علامہ سید محمد مدنی میاں صاحب قبلہ اشرفی جیلانی کچھوچھوی مدظلہ النورانی کی خدمت میں حاجی محمد سراج آدم ولی اشرفی کے گھر (بولٹن) پیش کیا تھا تو کئی دن تک اپنے پاس رکھ کر جستہ جستہ اسے دیکھا اور پھر واپس کرتے وقت فرمایا کہ مجھے تعجب ہے کہ آپ نے یہاں رہ کر ایسے جاندار اور شاندار مضامین کیسے اکھٹے کر لئے۔ اب اس کی اشاعت میں زیادہ تاخیر نہیں ہونی چاہیے۔ میں نے اس قیمتی جملہ کو اچھی طرح سے یاد تو ضرور کر لیا مگر افسوس کہ بروقت عمل نہ کر سکا۔ اور پھر اسی مسودہ کو جب میں نے حضرت مفکر اسلام علامہ قمر الزماں خاں صاحب اعظمی زیدت عنایتھم کے سامنے کئی علماء کے درمیان عالی جناب مولانا محمد اقبال

قادری صاحب کے گھر بولٹن ہی میں پیش کیا تو بہت جلد ہی اپنا مضمون دینے کا وعدہ کرتے ہوئے فرمایا: کیونکہ میرے خیال سے اس سلسلہ میں آپ کی یہ اوّلین کاوش ہے، جو بعد والوں کے لئے جہاں سنگ میل کا کام دے گی وہیں ماخذ ومرجع کی حیثیت بھی پائے گی۔ چنانچہ یہ جتنا بھی ہے کافی ہے۔ ماشاء اللہ اس میں اچھے خاصے تحقیقی وعلمی مضامین بھی آچکے ہیں اب بغیر انتظار مدید کے اسے شائع کردیں اور مزید اشاعت کا اعلان بھی۔ بڑا عمدہ مشورہ تھا حضرت کا۔ کاش میں عمل کر لیتا اور بالکل کچھ اسی طرح کا مشورہ تھا میرے انتہائی کرم فرما ادیب شہیر، مصنف بے نظیر، حضرت علامہ ومولانا محمد تابش قصوری صاحب (لاہور پاکستان) کا بھی جنہوں نے بار ہا فون پر اور کئی مرتبہ بذریعہ خطوط اس امر اہم کی طرف توجہ دلائی، بلکہ بصراحت فرمایا کہ میں اپنے تجربہ کی روشنی میں کہتا ہوں کہ یہ جتنا بھی ہے تمام کو عنقریب جلد ثانی کے اعلان کے ساتھ جلد اول کے نام سے شائع کردیں اور پھر دیکھیں کہ حضرت صدر العلما میرٹھی کی تبحر علمی اور ان کی جلالت و بزرگی کی وہ عظیم داستانیں جو ابھی تک پاک وہند میں علما کے سینوں میں محفوظ ہیں وہ کس فراوانی کے ساتھ آپ کو موصول ہوتی ہیں۔ کیسی شفقت ورہنمائی ہے ان جملوں میں مگر اے کاش! کہ اسی وقت توجہ کر لی ہوتی۔

اور آج بھی جو یہ کتاب آپ کے سامنے موجود ہے وہ ابتداءً علامہ تابش قصوری صاحب اور اخیراً میرے انتہائی مکرم ومحترم مشہور ومعروف عالم، سرمایۂ اہل سنت حضرت علامہ ومولانا محمد حنیف خاں صاحب قبلہ رضوی بریلوی (مرتب جامع الاحادیث) کہ جن کی کرم نوازیوں کا ذکر انشاء اللہ آپ اسی کتاب میں کہیں دیکھیں گے، یہ انہی حضرات کے اصرار پیہم کی کرشمہ سازی ہے۔ ورنہ تو نہ معلوم میں کب تک اپنے آپ کو اپنی ان نا موافق ونا سازگار اور بے مقصود و بے تک مصروفیات کی قید وبند کا شکار سمجھتا رہتا اور کب میں ان سے چھٹکارا پاتا اور پھر نہ جانے کب اپنے آپ کو مطمئن پاتا اور پھر کب جا کر یہ کتاب آپ کی خدمت میں پیش کرتا۔

کم فرصتی جہاں کے مجمع کی کچھ نہ پوچھو — احوال کیا کہوں میں اس مجلس رواں کا

تاخیر تو ضرور ہوئی مگر وہ بات بھی حق ہے جس کو میرے دادا استاذ شمس العلماء علامہ قاضی شمس الدین جونپوری کبھی کبھی اپنی مجلسوں میں فرمایا کرتے تھے کہ "خیر وشر توأم (جڑواں بچوں) کی طرح ہیں" اسی کو دوسرے الفاظ میں یوں بھی کہا جاسکتا ہے کہ ہر شر کے پہلو میں کوئی نہ کوئی خیر ضرور پوشیدہ ہوتی ہے اور ہر خیر کے ضمن میں کسی نہ کسی نوعیت کے شر کا وجود مل ہی جاتا ہے۔ فطرت کے اس قانون کی اثر اندازی مجھے اس معاملہ میں بھی بالکل نمایاں نظر آئی۔ کتاب کی اشاعت میں تاخیر بلاشک بصورت شر میرے پیش پیش تھی جس کی وجہ سے افسوس تھا مگر انہی ایام تاخیر میں بعض انتہائی قیمتی مضامین کا حصول میرے سامنے خیر کی وہ خوشنما صورت لے کر آیا کہ جس نے سابقہ شر کے ہر بد اثر کو مٹا ڈالا اور واقعی اگر یہ مضامین شاملِ اشاعت نہ ہو پاتے تو مدتوں اس کا قلق رہتا

بہر حال میں نے بکھری ہمت کو سمیٹا اور یہی بس تھوڑی بہت محنت کر کے اس کتاب کو لائق اشاعت بنا

نے میں لگ گیا کہ اتنے ایام تو لا حاصل گزرے اب مزید بے فائدہ گزارنے کی نادانی نہیں کرنی چاہئے۔ صحیح کہا ہے میر نے:

گئے وقت ہاتھ آتے ہیں کب ہوتے ہیں گنوا کے خراب سب
تجھے کرنا ہووے سو کر تو اب کہ یہ عمر برقِ شتاب ہے

اگر چہ میری نظر میں ابھی بھی اس کتاب پر کئی انداز سے کام کرنے کی ضرورت ہے جو یقیناً دیر طلب ہے اور اب میں دیر کرنے کے موڈ میں بالکل نہیں کہ اپنے بزرگوں اور کرم فرماؤں کے روبرو اب اور زیادہ شرمندگی برداشت کرنے کی طاقت نہیں ہے۔ سو جس طرح بھی بن پایا حاضر خدمت ہے۔

بعض احباب کو ضرور علم ہوگا کہ فقیر شروع ہی سے پڑھنے اور پڑھانے سے متعلق رہا اگر چہ اس دوران تقریر سے تو یک گونہ رابطہ رہا مگر تحریر سے کبھی کوئی واسطہ نہ پڑا۔ چنانچہ اس امر کے اعتراف میں مجھے کوئی جھجک ہے نہ کوئی عار، کہ میں لکھنے لکھانے کے میدان کا نہ کوئی کھلاڑی نہ فنکار، نہ کوئی ادیب نہ مضمون نگار، اور نہ یہ میرا مشغلہ وروزگار، گویا میں ٹھہرا ایک ناپختہ کار خامہ نگار، مزید برآں جس غیر مانوس ماحول میں بیٹھ کر میں لکھ رہا ہوں اس کے چاروں طرف ایک مایوسی کا سا عالم ہے کہ جہاں بڑی مشکل سے ملتا ہے کوئی ایسا کہ جس سے کچھ صلاح لی جائے اور اگر ملتا بھی ہے تو فقط فون پر، علمی مجلس ومحادثہ کا نمبر خوش بختی سے سال چھ مہینہ میں میسر آتا ہے وہ بھی آدھا ایک گھنٹہ کے لئے۔ ورنہ تحقیقات انیقات خود ہی پڑھیے اور بس اپنے ہی پاس رکھے رہیے اور پھر بھول جایئے۔ خود ہی سائل بنئے اور خود ہی مجیب، خود ہی خصم بنئے، اور خود ہی مناظر، خود ہی معترض بنئے، اور خود ہی محاکم۔ ظاہر ہے کہ ایسی صورت میں ترتیب مضامین کے اندر، الفاظ کے اتار چڑھاؤ اور مفاہیم ومطالب کی ادائیگی کے حوالہ سے یا مفہومی ومعنوی طور پر غلطیوں کا بڑا امکان ہے ویسے بزرگوں کی تو شان ہی خورد نوازی اور چھوٹوں کی چھوٹی موٹی غلطیوں سے چشم پوشی ہوتی ہے، مگر میں اپنے دوست واحباب سے گزارش کرتا ہوں کہ اگر کوئی کسی طرح کا نقص یا غلطی نظر آئے تو برائے مہربانی مطلع فرما کر ممنون ومشکور فرمائیں، تاکہ آئندہ ایڈیشن میں اس کی اصلاح کردی جائے۔

تلقی اذا اذنبت من یصفح !! واصفح اذا اذنب خلّ عسیٰ

ناچیز: محمد ایوب اشرفی شمسی
بولٹن، یو۔کے
۱۲ ربیع الاول ۱۴۳۱ھ
مطابق ۲۶ فروری ۲۰۱۰ء
شب جمعہ

ہدیۂ تبریک و تحسین

مبلغ اسلام حضرت مولانا علامہ الحاج محمد ایوب اشرفی شمسی سنبھلی دامت برکاتہم العالیہ ''خطیب بولٹن یوکے'' کی سالہا سال کی مساعی جمیلہ کو اب جلد ہی طباعت کا شرف نصیب ہوا چاہتا ہے کہ انہوں نے ملت اسلامیہ کی نامور علمی و روحانی شخصیت صدر العلماء، عمدۃ الاتقیاء، استاذ الاساتذہ، امام النحو، شیخ المحدثین، صدر المدرسین، فخر سادات حضرت علامہ مولانا سید غلام جیلانی میرٹھی رحمہ اللہ تعالیٰ کی حیات مبارکہ کے بیسیوں گوشوں کو ''صدر العلماء محدث میرٹھی حیات و خدمات'' کے نام سے شائع کرنے کی طرح ڈالی، اور پاک و ہند کے جلیل القدر اہل علم وقلم کے ایمان افروز، روح پرور، دلکش، تحقیقی اور تاریخی مقالات کو اس کتاب کی زینت بنایا ہے

میرے خیال سے دور حاضر میں یہ کتاب ''محدث میرٹھی حیات وخدمات'' دنیائے سنیت کی ممتاز شخصیات پر شائع ہونے والی تمام کتب میں ایک ممتاز اور منفرد اہمیت کی حامل ہوگی۔ بہر حال راقم السطور حضرت شمسی صاحب کو ہدیۂ تحسین و تبریک پیش کرتا ہے کہ انہوں نے ایسا تاریخی کارنامہ سرانجام دیا ہے جس کی دور دور تک مثال نہیں ملتی۔ اللہ تعالیٰ موصوف کی اس گراں قدر خدمت کو قبولیت سے بہرہ مند فرمائے۔ آمین ثم آمین۔

محمد منشاء تابش قصوری (مدرس جامعہ نظامیہ رضویہ لاہور پاکستان)

اظہار خیال

الحمد للہ علیٰ احسانہ کہ میرے استاد بھائی اور محبّ گرامی منزلت حضرت مولانا مفتی محمد ایوب صاحب اشرفی شمسی سنبھلی مدظلہ العالی طویل اور دشوار گزار سفر طے کرنے کے بعد منزل مقصود پر پہنچ گئے ہیں۔ یعنی آپ کی مساعی شاقہ کا ثمرہ عظیم وو قیع تاریخی دستاویز بنام ''صدر العلماء محدث میرٹھی، حیات وخدمات'' جامہ تکمیل زیب تن کر چکی ہے اور عن قریب طباعت کے مراحل سے گزر کر منظر عام پر آنے والی ہے۔

راقم السطور کو پروف ریڈنگ کے دوران اس عظیم الشان کتاب (صدر العلماء میرٹھی حیات وخدمات) کو دیکھنے کا شرف حاصل ہوا اس کتاب میں مرکزی نقطۂ نظر اور اصل مقصود اگر چہ حضور صدر العلماء میرٹھی کی حیات وخدمات کا ذکر ہے اور اس میں شامل تمامی نگارشات اسی محور پر گردش کرتی ہیں، لیکن حضرت ممدوح کی حیات وخدمات کی نوعیت کچھ ایسی ہے کہ یہ تذکرہ نوع بنوع بیش بہا معلومات کا نگارستان بن گیا ہے۔ اس میں تفسیری جھلکیاں بھی ہیں، عظیم حدیثی مباحث بھی ہیں، پختگی عقائد کا سامان بھی ہے، عمل صالح کی ترغیب بھی ہے، فقہ کا سرمایہ بھی ہے، تصوف کی تعلیمات بھی ہیں، اس کے ذریعہ نحو کے مسائل اور دقائق ونکات سے بھی واقفیت ہوگی، متعدد اعاظم مشائخ اور اکابر علماء سے ملاقات کا شرف بھی حاصل ہوگا، بہت سے اشخاص، مدارس اور مقامات کی تاریخ سے بھی آگاہی ملے گی اور اس کے

علاوہ اور بھی بہت کچھ ملے گا۔ گویا کہ ''صدر العلماء میرٹھی حیات وخدمات'' رنگا رنگ دل آویز اور سدا بہار پھولوں کا ایک گلدستہ ہے جس کو بڑے سلیقہ اور مہارت سے تیار کیا گیا ہے۔ جس کے ذریعہ ان شاء اللہ قارئین کی آنکھوں کو ٹھنڈک اور قلوب کو فرحت حاصل ہوگی۔

حضرت مرتب نے اس کتاب کی ترتیب اور اس کو منصۂ شہود پر لانے میں جو محنت و مشقت اور عرق ریزی و دماغ سوزی فرمائی ہے اس کو وہی لوگ اچھی طرح سمجھ سکتے ہیں جنہوں نے اس قسم کی کوئی خدمت انجام دی ہو۔ لیکن دوسرے لوگ بھی ان کی محنت و مشقت کا اندازہ اس امر سے لگا سکتے ہیں کہ یہ کتاب چودہ سو صفحات پر مشتمل ہے اور اس میں اک سرسری شمار کے مطابق کم وبیش ایک سو بارہ صاحبان قلم کے مضامین شامل ہیں اور یہ اہل قلم کسی ایک خطہ وعلاقے کے نہیں بلکہ مختلف ممالک ہندو پاک، دبئی، انگلینڈ، ہالینڈ، امریکہ، مصر، ساؤتھ افریقہ، مارسیش، وغیرہ سے تعلق رکھتے ہیں پھر ہندوستان میں بھی مختلف صوبہ جات کے ہیں۔

اہل قلم سے مضامین کی تحصیل کوئی سہل امر نہیں ہے بلکہ اس کے لئے بڑی جدوجہد اور تگ ودو کرنی پڑتی ہے تب کہیں جاکر آدمی کامیابی سے ہمکنار ہوتا ہے۔ اور پھر دیار غیر ''برطانیہ'' میں رہ کر یہ کام اور بھی مشکل ہے مضامین کے حصول اور ترتیب ہی تک محدود نہیں بلکہ حضرت مرتب نے خود بھی کئی جگہ اپنے مضامین کو اور بالخصوص اسی یا نوے صفحات پر مشتمل ایک مقالہ سپرد قلم کیا ہے جو مبسوط و مفصل ہونے کے ساتھ ساتھ نہایت وقیع اور محققانہ بھی ہے۔ یعنی موصوف نے اس گنج گرانمایہ کو منظر عام پر لانے کے لئے جسمانی قربانیاں بھی دی ہیں اور مالی قربانیاں بھی۔

میں اگر یہ کہوں تو بیجا نہ ہوگا کہ یہ حضور صدر العلماء میرٹھی کی ذات گرامی کے ساتھ مرتب موصوف کی والہانہ عقیدت ومحبت تھی جس نے انہیں سرگرم سفر رکھا اور راستے کی ہر مشکل کو آسان بنادیا اور اسی کی برکت سے منزل بکنار ہوئے۔ جب یہ کتاب قارئین کے ہاتھوں میں پہنچے گی تو حضرت مرتب کی زبان حال سے یہ بات بھی ان تک پہنچے گی ؎

دل کے نقوش ہیں انہیں رکھنا سنبھال کر۔۔ کاغذ پہ رکھ دیا ہے کلیجہ نکال کر

میں حضرت مرتب کی بارگاہ میں ہدیۂ تحسین وتبریک پیش کرتا ہوں اور دعا کرتا ہوں کہ اللہ تبارک وتعالیٰ اپنے حبیب اکرم محمد ﷺ کے صدقہ میں ان کی کاوش کو درجۂ قبول عطا فرمائے اور ان کی ذات گرامی کو قوم وملت کے لئے بیش از بیش وسیلۂ فیض وبرکت بنائے۔ آمین۔ یارب العالمین۔

محمد عبد السلام رضوی (مدرس جامع نوریہ بریلی شریف) بتاریخ ۲۲؍ جمادی الاولی ۱۴۳۱ھ

۹۲/۷۸۶

چوں خدا خواہد کہ پردہ کس درد
میلش اندر طعنۂ پاکاں کند

تبصرۂ اعجاز

بر

تنقیدِ سرفراز

تالیف

صدر العلماء امام النحو حضرت علامہ سید غلام جیلانی میرٹھی (علیہ الرحمۃ والرضوان)

تلخیص وترتیب

محمد ایوب اشرفی شمسی

بولٹن (یو۔کے)

پیش لفظ

از

محمد ایوب اشرفی شمسی نور الاسلام، بولٹن۔ یو۔ کے

ماہ ربیع الاول ۱۳۸۸ھ کی بات ہے کہ حضور صدر العلماء علامہ سید غلام جیلانی میرٹھی علیہ الرحمہ کی خدمتِ اقدس میں ایک کتاب بنام'' تنقیدِ متین بر تفسیر نعیم الدین ''(مؤلفہ مولوی سرفراز خاں صاحب دیوبندی گھکھڑوی، گوجرانوالہ پاکستان) عزت مآب جناب مولانا محمد باغ علی صاحب نسیم مالک مکتبہ' نبویہ سٹی کوتوال لاہور پاکستان کی طرف سے اس گزارش کے ساتھ پہنچی کہ حضور! اس کا جواب تحریر فرمادیا جائے۔ اس وقت تک علمائے اہلسنت پاکستان کی طرف سے اسکا کوئی جواب کتابی شکل میں منظرِ عام پر نہیں آیا تھا۔ اگرچہ زبانی، رد بلیغ اس کا ہو چکا تھا۔

حضرت نے جب اسے ایک نظر دیکھا تو اولاً یہی فرمایا کہ ایسے بے وقعت اعتراضات ،اور ایسی بے بنیاد تنقیدات کہ جن کی اصل ہی افتراء پردازی، جھوٹ، جعلسازی، جہالت اور فتنہ پروری پر ہو وہ اس لائق نہیں ہیں کہ ان پر اپنے وقت کو صرف کیا جائے۔ حضرت اسوقت'' البشیر الکامل شرح مأۃ عامل'' سے فارغ ہو کر'' بشیر الناجیہ شرح کافیہ'' کی تصنیف میں مشغول تھے۔ پھر ضعیفی کا عالم تھا، عمرِ عزیز کے ستر برس سے زیادہ بیت چکے تھے۔ اس عمر میں بقول جنابِ سودا عموماً حال کچھ اس طرح ہوتا ہے۔

ضعف و ناطاقتیٔ و سستی اعضاء ہر دم ایک گھٹنے میں جوانی کے، بڑھا کیا کیا کچھ

اگرچہ حضرت نے اس عالمِ ضعف میں بھی جو کر دکھایا وہ ہزاروں افراد پر بھاری ہے۔ اس عمر میں بھی انہوں نے قوم و ملت اور علوم و فنون کی جو نادر خدمات انجام دیں ہیں وہ قیامت تک منارۂ نور بن کر چمکتی رہیں گی۔ پھر بھی ضعیفی، ضعیفی ہی ہوتی ہے۔ حضرت ان تمام تر امور کے پیشِ نظر اس غیر ضروری کام کے لئے ابتداءً راضی نہ ہوئے مگر اصرار کرنے والوں کا اصرار کچھ اس انداز سے ہوا کہ آخر حضرت نے رضا مندی کا اظہار کر ہی دیا۔ اور پھر تھوڑا تھوڑا وقت نکال اسکا جواب لکھنا شروع فرمادیا ابھی چند ماہ ہی

گزرے ہوں گے کہ جامعہ نعیمیہ (لاہور پاکستان) سے مولوی سرفراز صاحب کی اس تنقید کا مکمل، تفصیلی اور بے مثال جواب بنام ''توضیح البیان، لخزائن العرفان'' لکھدیا گیا۔ اور لکھنے والے بھی اتفاق سے حضور صدر العلماء میرٹھی کے ایک جانب سے بھتیجے شاگرد ہوتے ہیں۔ یعنی فاضلِ جلیل، حضرت علامہ ومولانا ابو الوفا غلام رسول سعیدی صاحب قبلہ کہ جنھوں نے فی الوقت تفسیرِ قرآنِ کریم اور بخاری ومسلم جیسی عظیم کتابوں کی شروحات لکھ کر اپنی ایک الگ پہچان بنائی ہے۔ اس کتاب کی ایک خوبی یہ بھی ہے کہ دورانِ تصنیف مصنف کو قدم قدم پر رئیس المناطقہ، استاذ العرب والعجم حضرت علامہ عطا محمد صاحب چشتی بندیالوی علیہ الرحمہ جیسی عظیم المرتبت شخصیت کی ھدایت وقیادت، مشاورت وحمایت بھی حاصل تھی۔ جس کی وجہ سے کتاب کا وزن ووقار دوبالا ہوگیا۔ راقم السطور نے علامہ سعیدی صاحب کی اس پوری کتاب کو جستہ جستہ دیکھا ہے واقعی جواب لکھنے کا حق ادا کردیا ہے۔ جس کا جواب الجواب آج تک مکمل طور پر فریقِ مخالف کی طرف سے نہ تو بن پایا ہے اور نہ ہی بن پائے گا۔ 'تنقید' نامی یہ کتاب دوسو بائیس صفحات کی ہے ۔ جب کہ علامہ سعیدی صاحب کی یہ ''توضیح'' چارسواسی (۴۸۰) صفحات پر مشتمل ہے گویا تحقیقی طور پر تو یہ غالب ہیں ہی، صفحات کے اعتبار سے بھی چڑھے ہوئے ہیں۔ سعیدی صاحب کے آخری چند جملے میں یہاں ہدیۂ ناظرین کرنا چاہتا ہوں۔ وہ لکھتے ہیں:

۔۔۔۔۔ہم نے اپنی اس کتاب میں سرفراز صاحب کا کوئی شبہ اور کوئی وسوسہ نہیں چھوڑا مگر اس کا ازالہ کردیا اور ان کی مخترعہ بدعات اور خانہ ساز قواعد پر ایسے اشکالات قائم کئے ہیں جو جانِ نجدیت پر قیامت تک کے لئے پہاڑ بن گئے ہیں۔ جن کے بوجھ سے وہ انشاء اللہ کبھی سر نہ اٹھا سکیں گے۔۔ یہ اور بات ہے کہ بمطابق ''ملا آں باشد کہ چپ نہ شود'' اس کے بعد بھی سرفراز صاحب سلسلۂ خرافات شروع کردیں۔ لیکن جہاں تک اصولی مباحث کا تعلق ہے، ہم نے دیوبندی بدعت کا کلیۃً خاتمہ کردیا ہے اور صدر الافاضل کی تفسیر اور اعلیٰ حضرت قدس سرہ العزیز کے ترجمہ پر سرفراز صاحب نے جہل یا عناد کی بنا پر جو کیچڑ اچھالی تھی اسے ہم نے ان کے چہرے کی طرف واپس لوٹا دیا ہے۔ اور ثابت کردیا ہے کہ یہ ترجمہ وتفسیر اہلسنت کے عقائد کا صحیح اور مدلل ترجمان ہے۔ الخ (ص ۴۸۰)

اب ظاہری بات ہے کہ ایسے اچھے مدلل جواب کے آجانے کے بعد وہ بنیاد ہی ختم ہوگئی کہ جس کو سہارا بنا کر حضرت صدر العلماء میرٹھی سے جواب لکھنے کا اصرار کیا گیا تھا یعنی یہ کہ حضور! اگر جواب کسی نے نہ دیا تو لوگ بغلیں بجا بجا کر کہیں گے کہ دیکھو ہماری تنقید کا جواب نہ ہو سکا۔ چنانچہ آپ نے جواب کو موقوف کیا اور کتاب کو مکمل کرنے کا ارادہ ترک فرمادیا کہ ایک دنداں شکن جواب کے بعد دوسرا بنیاد شکن جواب دینا بلاوجہ مولوی سرفراز اور اس کی تنقیدات کی اوقات کو بڑھانا تھا۔ اگرچہ حضرت نے اس کے بعد اپنی دس سالہ حیاتِ مبارکہ میں وصالِ مبارک سے چند ایام قبل تک ''بشیر الناجیہ شرح کافیہ، البشیر شرح نحو میر وغیرہ بعض ایسی تصنیفات بھی فرمائیں کہ جس میں مولوی سرفراز صاحب تو کیا ان کے گرو حضرات کا بھی ایسا عالمانہ اور محققانہ ردّ بلیغ فرمایا ہے کہ آج تک اس کا بھی جواب، فریقِ مخالف سے بن نہیں پایا اور نہ ہی بن پائے گا۔ مگر کیونکہ طبقۂ تلامذہ میں سے اس کا مسکت جواب ہو چکا تھا اسی لئے حضرت نے اس کتاب کو مکمل کرنے کی ضرورت محسوس نہیں فرمائی۔

حضرت کے وصال کے بعد آپ کے متروکات علمیہ میں سے وہ اوراق بھی وارثین کے ہاتھ لگ گئے کہ جن کو حضرت نے مولوی سرفراز صاحب کی ''تنقید'' نامی کتاب کے جواب میں بنام ''**تبصرۂ اعجاز بر تنقیدِ سرفراز**'' تحریر فرمانے شروع کئے تھے وہ کل ساٹھ صفحات تھے۔ خیر! وہ ایک متروکہ علمی تبرک کے طور پر شہزادۂ صدر العلماء، مدیرِ زمانہ حضرت علامہ حافظ وقاری سید محمد یزدانی میاں صاحب قبلہ رضوی (مقیمِ حال امریکہ) کے پاس موجود تھا۔ جس کا دیدار بھی وہ شاید کسی کسی کو ہی کراتے ہوں گے۔ مگر حضرت کی عنایتِ خسروانہ کہ اس فقیر کو امریکہ سے اسکی ایک فوٹو کاپی اس غرض سے ارسال فرمادی کہ تم بھی اسکا دیدار کرلو اور بس! گویا اجازت صرف مطالعہ کی حد تک تھی۔ بہر حال وہ فقیر کے پاس بھی سات سال سے بطورِ تبرک ہی محفوظ تھی۔ اتفاق سے اس مرتبہ جب مشہور و معروف مبلغ اسلام، حضرت علامہ مفتی محمد عباس علی صاحب رضوی (گوجرانوالہ، پاکستان، کیو، ٹی۔ وی، وریسرچ آفیسر دائرۃ الاوقاف والشؤون الاسلامیہ، دبئ) غالباً چوتھی بار برطانیہ تشریف لائے تو اب میں اسے کون سا اتفاق کہوں کہ باتوں ہی

باتوں میں اس تبرکِ علمی کی زیارت۔ اس مرتبہ میں نے ان کو بھی کرادی۔ انہوں نے دیکھا تو اسے چومنے لگے اور بعض مندرجات کو دیکھ کر فرمانے لگے کہ یہ جتنا بھی ہے، بہت خوب ہے۔ اس پر صرف تھوڑی سی محنت کر کے اسے بھی منظر عام پر ضرور لانا چاہئے، مولوی سرفراز صاحب ارذل العمر کی منزل کو پہنچ کر کئی سال سے بسترِ علالت پر بے جنبش و بے حرکت ابھی چارپائی پر موجود ہیں بڑا اچھا ہوتا کہ جانے سے پہلے اس تحفہ کو بھی اپنی آنکھوں سے دیکھ جاتے۔ حضرت کی باقیاتِ صالحات میں سے جو حصہ آپ کے پاس ہے وہ بہرصورت ایک علمی امانت ہے۔ جسے اہل علم تک پہنچانا بذاتِ خود خدمتِ علم کی ایک صورت ہے۔

بات مفتی صاحب کی اثر دار تھی مگر میرے لئے سب سے زیادہ پریشان کن یہ امر تھا کہ حضرت کا یہ تحریری حصہ بصورتِ مسودہ ہے اور مسودہ، مسودہ ہی ہوتا ہے۔ عموماً مصنفین مبیضہ کرتے وقت اس میں اپنے معہود فی الذہن کے اعتبار سے کبھی کبھی بڑے حذف واضافہ سے کام لیتے ہیں۔ اور یہاں حال یہ ہے کہ حضرت کے الفاظ کی تبدیلی تو کجا؟ فقط انکو مقدم و مؤخر کرنے کے خیال ہی سے قلم کانپ اٹھتا ہے۔

بعد اللتیا والتی بڑے شش وپنج اور سوچ وچار کے بعد میں اس نتیجہ پر پہنچا کہ اسکا صرف **ایک** نمونہ اپنی مرتبہ کتاب **''محدث میرٹھی حیات وخدمات''** میں قارئین کی نظر کردوں، اس اقدام سے اگرچہ میں ایک طرف اپنے ایک مشفق وکرم فرما کی بارگاہ کا مجرم ٹھہرونگا تو دوسری طرف کچھ لوگوں کی دعائیں ملنے کی بھی امید ہے۔ کیونکہ ''محدث میرٹھی حیات وخدمات'' کی عظیم ضخامت میری مجبوری تھی اسی لئے میں نے ساٹھ (۶۰) صفحات میں سے صرف ۲۰/۲۵ صفحات ہی کو بطورِ تلخیص یہاں پیش کیا ہے۔ بعدِ تلخیص میں نے اسکو حضرت مولانا محمد حنیف صاحب رضوی بریلوی کی وساطت سے (بذریعۂ ای۔میل) بقیۃ السلف، استاذ العلماء والمشائخ بحر العلوم حضرت علامہ مفتی عبد المنان صاحب قبلہ اعظمی مدظلہ العالی کی خدمتِ عالیہ میں پیش کردیا۔ بعد میں فون پر جب پوچھا تو فرمایا!۔۔۔۔خیر تمہارے تلخیص کردہ اس حصہ میں کوئی خرابی تو نہیں ہے ۔۔۔۔۔۔۔۔

خیال رہے کہ اگر مولوی سرفراز خان صاحب کی اس تنقید کا؟ کامل واکمل جواب علامہ سعیدی

صاحب کی طرف سے شائع نہ ہوا ہوتا تو میں کبھی بھی اس تلخیص کو پیش نہ کرتا کہ لوگوں کو کسی غلط پروپیگنڈہ کا موقع ملتا۔

اخیر میں انتہائی مؤدبانہ عرض ہے کہ اگر قارئین کو اس تلخیص میں کسی طرح کی کوئی بھی غلطی یا کمی نظر آئے تو اسے تلخیص کنندہ ہی کی طرف منسوب فرمائیں۔ حضرت کا دامنِ اقدس اس سے بری ہے۔ نیز مطلع فرمادیں تا کہ بعد میں اس کو درست کر دیا جائے۔ اللہ تعالیٰ، گنہگار کے اس اقدام کو طالبینِ حق کے لئے مفید تر بنائے (آمین، بجاہ سید المرسلین، وصلی اللہ تعالیٰ علیٰ خیر خلقہ و اصحابہ اجمعین۔

خویدم العلماء

محمد ایوب اشرفی شمسی غفرلہ (بولٹن۔یو۔کے)

۶رجب ۱۴۳۰ھ مطابق ۲۹رجون ۲۰۰۹ء

برادران اسلام خصوصاً علمائے کرام کی خدمات میں گزارش ہے کہ اوائل ماہِ ربیع الاول شریف ۱۳۸۸ھ میں کرم مفرمائے فقیر مولانا باغ علی صاحب نسیم مالک مکتبۂ نبویہ سٹی کوتوالی (لاہور) نے ایک کتاب "تنقید متین بر تفسیر نعیم الدین" نامی ارسال فرمائی جو مولانا ابوالزاہد محمد سرفراز خاں صاحب صفدر۔ فاضل دیوبند مدرس نصرۃ العلوم گوجرانوالہ (پاکستان) کی تالیف ہے جس میں موصوف نے اپنے پرانے استاذِ معظم کی تحریک وتحریش سے جن کے نام کو مسلم وکفار اقوام میں عالمگیر شہرت حاصل ہونے کے باعث مخفی رکھ کر "مجدد مأۃ حاضرہ اعلیٰ حضرت مولانا شاہ احمد رضا خاں صاحب بریلوی قدس سرہ القوی کے ترجمۂ قرآن کریم موسوم باسم تاریخی۔ کنز الایمان فی ترجمۃ القرآن (۱۳۳۰ھ) اور استاذ العلماء حضرت مولانا محمد نعیم الدین صاحب مرادآبادی رضی عنہ وعنا ذوی الایادی۔ کی تفسیر موسوم بہ "خزائن العرفان فی تفسیر القرآن"، پر بنام "تنقید" دیوبندیانہ گندی ذہنیت کے ماتحت بارہ ۱۲/اعتراضات کئے ہیں جن کی اربابِ علم کے نزدیک گوزِ شتر کے برابر بھی وقعت نہیں۔ اسی واسطے علمائے اہل سنت پاکستان نے ان کو قابل التفات نہ سمجھتے ہوئے جواب کی جانب توجہ مبذول نہ فرمائی۔ لیکن یہاں پر بعض معلمانِ مدرسۂ ھٰذا جیسے "مولوی سید محمد کلیم اشرف جائسی، مولوی عبدالرحمٰن صاحب اشرفی بہاری وغیرہ نے اصرار

کیا کہ اس تنقیدِ مُبین کی جہالتوں اور فریب کاریوں کو طشت از بام کر دیا جائے ورنہ دیو بندی بغلیں بجا بجا کر کہیں گے کہ ہماری تنقید کا جواب نہ ہوسکا اور کم علم مسلمانوں کو بہکانے کا ان کو موقع مل جائے گا۔ اس لئے باوجود کثرت کار وہجوم افکار۔ ضعفِ شدید، وعلالتِ مدید، فقیر مجبور ہوا اور بہ نیتِ حمایت دین وحفظِ عقائدِ مسلمین اس نام نہاد ''تنقید کا مختصر جواب تحریر کرتا ہوں۔

وما توفیقی الا باللہ۔ علیہ توکلت والیہ

قرآن پاک کے اردو ترجموں کی حقیقت

بکثرت اصحابِ علم نے قرآن پاک کے اردو ترجمے تحریر کئے۔ مگر خامیوں سے کوئی بھی خالی نہیں بالخصوص دیو بندی صاحبان کے ترجمے؟ وہ تو اغلاط کی پوٹ ہیں۔ زبان! فرسودہ، کہ موجودہ دور میں متروکہ ۔ادا، بے تکی کہ موجب بے ادبی۔ نہ تعظیم الوہیت ملحوظ، نہ توقیر رسالت محفوظ، اسی واسطے بعض آیات کے ترجمے حد کفر تک پہنچ گئے۔ جس کی قدرے تفصیل مجاہد ملت، غازیٔ اہل سنت حضرت مولانا مولوی حافظ قاری مفتی شاہ ابوالظفر محب الرضا محمد محبوب علی خاں صاحب قادری برکاتی رضوی مجددی لکھنوی علیہ رحمۃ اللہ القوی نے اپنی کتاب مستطاب ''النجوم الشھابیہ'' (۶۱۔ ھ۔ ۱۳) میں بیان فرمائی ہے۔ اور مزید تفصیل انشاء اللہ تعالیٰ آخر کتاب میں ہم بیان کریں گے۔

اعلیٰ حضرت قدس سرہٗ کے ترجمہ کی خوبیاں

چونکہ ان ترجموں سے مسلم ناظرین کے عقائد کی تخریب ہو رہی تھی اور غیر مسلم اقوام کو اسلام پر اعتراض کرنے کا موقع مل رہا تھا نظر بر آں حضرت استاد العلماء مراد آبادی علیہ رحمۃ الھادی کی درخواست پر مجدد ماۃ حاضرۃ اعلیٰ حضرت بریلوی قدس سرۃ القوی نے مذکورہ بالا ترجمہ فرمایا جس میں زبان، ٹکسالی۔ طرزِ ادا نرالی۔ لب ولہجہ پیارا۔۔ رنگِ بیاں نرالا۔ پھر عطف یہ کہ عربی لغت کے موافق۔۔ معتبر تفاسیر کے مطابق۔۔ کاشف اسرارِ لسانی۔۔ مُظہرِ مقدراتِ قرآنی۔ اور لطف بالائے لطف یہ کہ۔ مُبیِّنِ مرادِ کلمات۔ مزیلِ تعارضِ آیات ۔ دافع اشکالاتِ سابقین۔۔ مانع اعتراضات کافرین۔ اور سونے پہ سہاگہ یہ کہ۔ الٰہی عظمت سے مقرون۔ نبوی حرمت سے مشحون۔۔ ہادیٔ راہِ خداوندی۔ قاتلِ مکرِ دیو بندی۔ اسی واسطے اہل سنت کے حق میں نعمتِ عظمیٰ۔۔ اور دیو بندی صاحبان پر قیامتِ کبریٰ۔۔ اتنی خوبیوں کے جامع، بیش بہا ترجمے کے قدر شناس وہی نفوس ہو سکتے ہیں جو یا تو اصحابِ ذوقِ ایمانی ہوں یا واقف علوم ظاہری، کیونکہ ''قدرِ جوہر شاہ بداند یا بداند جوہری'' نہ کہ ''مولانا سرفراز خان صاحب جیسے ناواقف وبد مسلک۔ اس

لئے کہ "چہ داند بوزنہ لذات ادرک"

تو یہی ایک اردو ترجمہ ایسا ہے کہ جو مذکورہ نقائص سے پاک۔ فالحمد للہ علیٰ ذاک۔ والصلوٰۃ والسلام علیٰ صاحب لولاک۔ وآلہٖ وصحبہٖ ذوی الادراک۔

قران پاک کی اردو تفاسیر

بعض وہ ہیں جو ابن سبا یہودی کے مشن کی سازش وایماء پر بڑی بڑی رقمیں لے کر لکھی گئیں۔ جس کا مقصد مذہب اسلام کی تخریب اور مسلمانوں میں اختلاف پیدا کر کے ان کے شیرازہ کو منتشر کرنا ہے۔ یہ مشن اس مقصد کے پیش نظر کروڑ ہا روپیہ پانی کی طرح بہاتا رہتا ہے۔ اور اس کے وظیفہ یاب، مذہب فروش مختلف اسلامی جماعتوں کے روپ میں ظاہر ہوتے رہتے ہیں۔ چنانچہ ان تفاسیر میں اسلامی مسلّمات سے مسلمانوں کو برگشتہ کرنے اور اسلامی عقائد سے منحرف بنانے کے لئے مختلف انداز میں کوششیں کی گئیں۔ کسی نے فرشتوں کے جسمانی وجود کا انکار کرتے ہوئے لکھ دیا کہ قوتِ نیکی کا نام فرشتہ ہے۔ اسی طرح شیطان کے جسمانی وجود سے انکار کر کے لکھدیا کہ قوتِ بدی کا نام شیطان ہے۔ سورہ رحمٰن شریف میں آیت "فَبِاَیِّ آلَاءِ رَبِّکُمَا تُکَذِّبَانِ" کی تکرار کے متعلق لکھ دیا کہ خلافِ فصاحت ہے۔ کسی نے آیت "اِهْدِنَا الصِّرَاطَ الْمُسْتَقِیْمَ" کی تفسیر میں لکھ دیا کہ جملہ مذاہب حق اور صراط مستقیم ہیں۔ حالانکہ ان تمام موہومات کے بطلان، اور اسلامی اصول کے پیش نظر ان کے کفر خالص ہونے میں اصلاً شک نہیں۔

بعض تفاسیر وہ ہیں جن کے مصنفین کو نہ مذہب پر کامل عبور میسر، نہ ارباب تحقیق کی معتبر تصانیف ان کے پیش نظر۔ اسی واسطے نقلِ روایات اور ذکرِ واقعات میں ان سے فروگزاشت صادر ہوئی کہ رطب ویابس، صحیح وسقیم ہر قسم کی روایات تحریر کر گئے۔ ان میں بعض ایسی۔ جو شانِ نبوت کے منافی۔ اور بعض سے موضوعیت کی بو آتی۔ نظر برآں تاج العلماء حضرت مولانا محمد عمر صاحب نعیمی قدس سرہ کی درخواست اور پر خلوص عرض داشت پر استاذ العلماء حضرت مولانا شاہ محمد نعیم الدین صاحب مرادآبادی قدس سرہ الهادی نے تفسیر (خزائن العرفان) تالیف فرمائی جو مختصر ہونے کے باوجود جامع، باطل اوہام کی قامع، دیوبندی شبہات کی دافع۔ وہابی شکوک کی رافع۔ صحیح واقعات کو شامل۔ معتمد روایات کی حامل۔ ادب آموز۔ بصیرت افروز۔ آیات سے مستنبط فقہی مسائل کا گنجینہ۔ اخلاقیات سے متعلق احکام کا خزینہ۔ پھر خوبی یہ کہ قرآنی مضامین کو عقلی دلائل کی روشنی میں ایسے دل آویز طریقہ پر بیان فرمایا کہ انصاف پسند انسان سنتے ہی منقاد و پر کیف ہو کر بیساختہ کہہ اٹھیں "سَمِعْنَا وَ اَطَعْنَا غُفْرَانَکَ رَبَّنَا وَ اِلَیْکَ الْمَصِیْرُ" اس

قدر خوبیوں بھری تفسیر کی قدر وہی حضرات کر سکتے ہیں جو حسنِ ادب اور صحت اعتقاد کے سبب " أُولٰئِکَ کَتَبَ فِیْ قُلُوْبِهِمُ الْاِیْمَانَ" کے افراد میں داخل ہوں۔ یا ان کا شیوہ ہو حق پسندی۔ نہ وہ لوگ جو بے ادبی اور فسادِ عقیدہ کے باعث "فِیْ قُلُوْبِهِمْ مَرَضٌ فَزَادَهُمُ اللّٰهُ مَرَضًا" کے مصداق ہوں جیسے مولانا سرفراز خاں صاحب دیوبندی۔

جس طرح شیعہ صاحبان شاہ عبد العزیز صاحب محدث دہلوی قدس سرہٗ القوی کی کتاب مستطاب "تحفۂ اثنا عشریہ" سے سخت ناراض ہیں کہ اس نے ان تمام شبہات کا استیصال کر ڈالا جن پر مذہب شیعہ مبنی تھا۔ چنانچہ جن حضرات کے مطالعہ میں یہ کتابِ مستطاب ہے۔ شیعہ صاحبان ان کو مذہب اہلسنت سے منحرف نہیں کر سکتے۔ اسی طرح دیوبندی صاحبان اس ترجمہ اور تفسیر سے چراغ پا ہیں کہ ان دونوں نے دیوبندی شکوک کو موت کے گھاٹ اتار دیا۔ چنانچہ جن حضرات کے مطالعہ میں یہ ترجمہ وتفسیر رہتے ہیں۔ دیوبندی صاحبان ان کے بہکانے پر قادر نہیں۔ اسی واسطے مولانا سرفراز خان صاحب نے اپنے دیوبندی مذہب کی حمایت کرتے ہوئے ترجمہ اور تفسیر دونوں پر بارہ ۱۲ر (ا) اعتراض فرمائے جو در حقیقت:

دیوبندی مذہب کے اصول ثلثہ

افتراء۔۔۔۔۔۔۔۔۔جہل۔۔۔۔۔۔۔۔۔حماقت۔۔۔۔۔۔۔۔۔

پر مبنی ہیں۔ اور اعتراضات کے عدد کا بارہ (۱۲) پر اقتصار ان اصول ثلثہ کی جانب مشیر بھی ہے۔ اور وہ بایں طور کہ افتراء کے الف کا ایک اور جہل کی جیم کے تین اور حماقت کی حاء کے آٹھ۔ ا۔۳۔۸۔ کی میزان ۱۲ر ہوئی۔ ہم ہر اعتراض کے جواب میں بتائیں گے کہ یہ اعتراض مذکورہ بالا دیوبندی مذہب کے اصولِ ثلثہ میں سے فلاں اصل پر مبنی ہے۔ اور یہ فیصلہ ناظرین خود فرمالیں کہ مولانا سرفراز خاں صاحب کے اعتراضات کو دیوبندی مذہب کے اصولِ ثلثہ پر مبنی قرار دینے میں ہم حق بجانب ہیں یا نہیں۔

حاشیہ (ا) نوٹ! اصل کے اعتبار سے بارہ (۱۲) ہی ہیں کیونکہ تیرھواں اعتراض بارھویں ہی کے ضمن میں اس کا ایک جزء بنا کر پیش کیا گیا ہے۔

پہلا اعتراض

آیت کریمہ: " اِیَّاکَ نَعْبُدُ وَاِیَّاکَ نَسْتَعِیْنُ " کی تفسیر پر ہے۔

اعتراض و جواب سے پہلے یہ گزارش کردی جائے کہ علمائے سابقین نے اس آیت کریمہ کے متعلق کیا فرمایا ہے۔ چنانچہ کتاب مستطاب مختصر المعانی جو درس نظامی میں داخل اور عام طور پر عربی مدارس میں پڑھائی جاتی ہے اس کے حاشیہ جلد اول ص ۲۲۶ ر میں علامہ دسوقی قدس سرہٗ نے اس آیت کریمہ سے مستفاد تخصیص پر ایک سوال پیش کر کے اس کے تین جواب تحریر فرمائے۔ جن کو ہم اردو ترجمہ کے ساتھ پیش کرتے ہیں تا کہ اردو داں حضرات پر بھی حقیقت واضح ہو جائے۔ اور مولانا سرفراز خاں صاحب کے مذہبی اصول ثلثہ افتراء۔ جہل۔ حماقت۔ میں اصلاً شک باقی نہ رہے۔

اورد علیٰ التخصیص بان الاستعانة کثیرا ما تقع بغیرہٖ تعالیٰ واجیب باوجہٖ احدھا ان الحصر اضافی بالنسبة للاصنام و نحوھا۔ و الثانی ان المراد بالاستعانة طلب تحصیل الاسباب و تیسیرھا۔ و کل من التیسیر والتحصیل مختص بہٖ سبحانہٗ و تعالیٰ۔ وَالثالث ان المقصود بالاستعانة انما ھو اللہ تعالیٰ وان حصلت بالغیر صورةً حتی ان قولھم یا فلان اَعِنّی بمنزلة یا اللہ اَعِنّی بواسطة فلان "اھ

یعنی مذکورہ بالا آیت کریمہ سے مستفاد تخصیص پر سوال ہوا کہ استعانت بسا اوقات اللہ تعالیٰ کی غیر سے ہوتی ہے (پھر اللہ تعالیٰ کے ساتھ استعانت کی تخصیص کیونکر درست ہوگی) اس کا جواب بچند وجوہ دیا گیا۔ اول یہ کہ (حصر حقیقی نہیں) بلکہ اضافی ہے۔ اصنام اور ان جیسی اشیاء کے اعتبار سے (جیسے شیاطین) دوم یہ کہ آیت میں استعانت سے اسباب کی تحصیل وتیسیر کی طلب مراد ہے۔ اور تحصیل وتیسیر دونوں اللہ تعالیٰ کے ساتھ مخصوص ہیں۔ (کیونکہ تحصیلِ اسباب بمعنی خلقِ اسباب ہے اور تیسیرِ اسباب بمعنی خلق اسبابِ سہل۔ اور خلق باری تعالیٰ کے ساتھ مخصوص) سوم یہ کہ استعانت سے مقصود ذاتِ باری ہی ہوتی ہے اگرچہ استعانت بظاہر اس کے غیر کے ساتھ ہو۔ چنانچہ لوگوں کا یہ قول کہ اے فلاں میری مدد کر! بمنزلہ اس کے ہے کہ اے اللہ میری مدد فرما فلاں کے واسطے سے۔ اھ

مخفی نہ رہے کہ اس جواب سوم سے استعانت کی دو قسمیں مستفاد ہوئیں۔ ایک استعانت بلا واسطہ، اور دوسری استعانت بواسطہ جو صراحةً مذکور ہے۔ اور یہی متنازع فیہ۔ وجہ استفادہ یہ کہ " وَاِنْ

حَصَلَتْ بِالْغَیْرِ'' میں (اِنْ) وصلیہ ہے۔ جو اس بات پر دلالت کرتا ہے کہ نقیض شرط اولیٰ بالجزاء ہے۔ نظر بر آں عبارت کے یہ معنی ہوئے کہ استعانت بالغیر میں ذات الٰہی مقصود ہوتی ہے۔ اور جو استعانت غیر کے ساتھ نہ ہو اس میں ذات الٰہی کا مقصود ہونا بدرجۂ اولیٰ ہے۔ جو استعانت غیر کے ساتھ نہ ہو تو وہ اللہ تعالیٰ ہی کے ساتھ ہوئی۔ اسی کو استعانت بلا واسطہ کہتے ہیں۔ اور جو غیر کے ساتھ ہو اس کو استعانت بواسطہ۔ اور دونوں میں چونکہ ذاتِ الٰہی مقصود ہوتی ہے لہٰذا دونوں ذات الٰہی کے ساتھ مخصوص ہوئیں۔

اوّل جواب پر استعانت اگر چہ اپنے اطلاق پر رہتی ہے مگر حصر حقیقی نہیں جس سے آیتِ ما قبل یعنی (اِیَّاكَ نَعْبُدُ) کے ساتھ مناسبت نہیں رہتی کہ اس میں حصر حقیقی ہے۔ اور **جواب دوم** پر حصر اگر چہ حقیقی ہے مگر استعانت اپنے اطلاق پر نہیں۔ بخلاف **جوابِ سوم** کہ اس پر حصر بھی حقیقی ہے اور استعانت بھی اپنے اطلاق پر۔ لہٰذا یہ جواب اولیٰ قرار پایا۔ اسی واسطہ حضرت شاہ عبدالعزیز صاحب محدث دہلوی قدس سرہ القوی اس جواب کو اختیار کر کے تفسیر فتح العزیز ص ۸ر میں ''اِیَّاكَ نَسْتَعِیْنُ'' کی تفسیر کرتے ہوئے فرماتے ہیں۔

لیکن دریں جا باید فہمید کہ استعانت از غیر، بوجہے کہ اعتماد برآں غیر باشد و اورا مظہر عونِ الٰہی نداند حرام است و اگر التفات محض بجانب حق ست و اورا یکے از مظاہر عون دانستہ و نظر بکارخانہ اسباب و حکمت او تعالیٰ دراں نمودہ بغیر، استعانت ظاہری نماید دور، از عرفان نخواہد بود۔ و در شرع نیز جائز و رواست۔ و انبیاء و اولیاء ایں نوع استعانت بغیر کردہ اند و در حقیقت ایں نوع استعانت بغیر نیست بلکہ استعانت بحضرت حق است لاغیرہ۔

(ترجمہ) لیکن اس جگہ (یعنی ایاک نستعین کی تفسیر میں) یہ سمجھ لینا چاہئے کہ غیر سے استعانت اس طریقہ پر کہ اس غیر پر اعتماد ہو اور اس کو عونِ الٰہی کا مظہر نہ جانے حرام ہے۔ اور اگر التفات صرف بجانب حق ہے اور اس غیر کو عونِ الٰہی کے مظاہر سے ایک مظہر جانتے ہوئے اور کارخانہ اسباب پر نظر رکھتے ہوئے اور حکمت الٰہی کو اس میں دیکھتے ہوئے غیر کے ساتھ استعانت ظاہری کرے تو یہ استعانت معرفت الٰہی سے بعید نہ ہوگی اور شریعت میں بھی جائز و روا ہے۔ انبیاء و اولیاء نے اس قسم کی استعانت غیر کے ساتھ کی ہے۔ اور حقیقت کے اعتبار سے یہ استعانت غیر کے ساتھ نہیں بلکہ یہ استعانت حضرت حق ہی کے ساتھ ہے (کیونکہ التفات اسی کی جانب ہے اور غیر کو عونِ الٰہی کا مظہر قرار دیا)

اس تفسیر میں چند باتیں مذکور ہوئیں۔ **اوّل** یہ کہ استعانت بغیر، شریعت میں جائز ہے۔ **دوم** یہ کہ استعانت بغیر، میں ''غیر'' عونِ الٰہی کا مظہر ہوتا ہے۔ **سوم** یہ کہ انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام اور

اولیائے عظام نے ''استعانت بغیر'' کی ہے۔ **چہارم** یہ کہ استعانت بغیر، بھی حضرت حق جل مجدہٗ کے سا تھ مخصوص ہے۔ **پنجم** یہ کہ جب شریعت میں استعانت بالغیر جائز ہے۔ اور انبیاء واولیاء نے کی ہے تو لازم آیا کہ اس کو ناجائز قرار دینا محض باطل ہے۔

ناظرین! حضرت شاہ عبدالعزیز صاحب قدس سرہ کی تفسیر میں یہ پانچ امور مذکور ہوئے۔ اور علامہ دسوقی علیہ الرحمہ کے جواب سوم میں استعانت کی دو قسم مذکور ہوئیں۔ استعانت بلا واسطہ اور استعانت بواسطہ۔ ان ہی دونوں حضرات کی تفسیر کے مضمون کو استاذ العلماء قدس سرہٗ نے اپنے جامع الفاظ میں یوں ادا فرمایا۔ ''ایاک نستعین، میں یہ تعلیم فرمائی کہ استعانت خواہ بواسطہ ہو یا بے واسطہ ہر طرح اللہ تعالیٰ کے ساتھ خاص ہے۔ حقیقی مستعان وہی ہے۔ باقی آلات وخدام واسباب وغیرہ سب عون الٰہی کے مظہر ہیں۔ بندے کو چاہئے کہ اس پر نظر رکھے اور ہر چیز میں دست قدرت کو کارکن دیکھے۔ اس سے یہ سمجھنا کہ اولیاء وانبیاء سے مدد مانگنا شرک ہے عقیدۂ باطلہ ہے۔ کیونکہ مقربانِ حق کی امداد، امداد الٰہی ہے استعانت بالغیر نہیں۔ اگر اس آیت کے وہ معنیٰ ہوتے جو وہابیہ نے سمجھے تو قرآن پاک میں ''اَعِیْنُوْنِیْ بِقُوَّۃٍ'' اور ''اِسْتَعِیْنُوْا بِالصَّبْرِ وَالصَّلٰوۃِ'' کیوں وارد ہوتا۔ اور احادیث میں اہل اللہ سے استعانت کی تعلیم کیوں دی جاتی'' [1]

ان دونوں حضرات کی تفسیر کے مضمون کو استاذ العلماء قدس سرہٗ کے اردو میں بیان کردینے سے چونکہ قرآن پاک کی اردو تفسیر پڑھنے والوں کی نگاہ میں دیوبندیت کا خاتمہ ہو رہا تھا اور دیوبندی مذہب کے ایک بڑے عقیدے پر ضرب کاری لگ رہی تھی۔ اس لئے مولانا سرفراز خان صاحب بوکھلا اٹھے۔ اور دیوبندی بوکھلاہٹ میں اس پر تین وجوہ سے اعتراض کیا۔

[1] خزائن العرفان ص ۳؍ از حضرت صدر الافاضل سید نعیم الدین مرادآبادی علیہ الرحمہ

پہلے اعتراض کی وجہ اوّل

بایں طور کہ مولوی [1] صاحب نے آیت مذکورہ کی تفسیر میں جو کچھ لکھا ہے وہ کئی وجوہ سے مردود وبا طل ہے۔ اولاً بزعم خود جو تفسیر اور احتمال ''ایاک نستعین'' کا انہوں نے بیان کیا ہے بعینہٖ وہ ''ایاک نعبد'' میں بھی جاری ہو سکتا ہے [2]

اس عبارت میں اعتراض بدرجہ ہوا۔ **اوّل** یہ کہ استاد العلماء قدس سرہ کی بیان کردہ استعانت کی تفسیر وتقسیم زعم ہے اور وہ بھی زعم خود۔ **دوّم** یہ کہ تفسیر وتقسیم مذکور ''اِیَّاکَ نَعْبُدُ'' میں بھی جاری ہو سکتی ہے۔ اب ناظرین

جواب

ملاحظہ فرمائیں!

اولاً ہم پہلے ہی مولانا سرفراز خان صاحب جیسے زیرک انسانوں کی ہدایت کے لئے ہندی کی چندی کر کے بیان کر چکے کہ استاذ العلماء قدس سرہ نے اپنی جانب سے نہ تفسیر فرمائی نہ استعانت کی دو قسمیں۔ بلکہ ان دونوں حضرات کی تفسیر کے مضمون کو وضاحت و جامعیت کے ساتھ اردو زبان میں نقل فرما دیا ہے۔ اور استعانت کی دو قسمیں۔ استعانت بواسطہ، اور استعانت بے واسطہ، علامہ دسوقی علیہ الرحمہ کے کلام میں مذکور ہے۔ ان ہی کو حضرت استاذ العلماء نے ذکر فرمایا ہے۔ **اس کے باوجود** مولانا سرفراز خان صاحب کا استاذ العلماء قدس سرہ کی ذکر کردہ تفسیر اور استعانت کی بیان کردہ دو قسم کو زعم اور وہ بھی ان کا زعم قرار دینا دو حال سے خالی نہیں۔ یا تو علامہ دسوقی۔ اور شاہ عبدالعزیز صاحب قدس سرہما کے کلام کا علم ہو تے ہوئے ہے، یا بغیر علم۔ بر تقدیر اول مذکورہ بالا وجہِ اول ''**افترا**'' پر مبنی ہوئی۔ اور بر تقدیر ثانی مبنی بر ''**جہل بسیط**'' **كما لا يخفىٰ علىٰ الطبع المحيط .**

ثانیاً: مولانا سرفراز خان صاحب کا یہ فرمانا کہ تفسیر مذکور اور تقسیم مسطور ''اِيَّاكَ نَعْبُدُ'' میں بھی جاری ہو سکتی ہے۔ بایں وجہ مردود و باطل کہ اس تفسیر و تقسیم کی علت وہی ہے جس پر شاہ عبدالعزیز صاحب قدس سرہ نے اپنے مذکورہ کلام میں تنبیہ فرمائی یعنی انبیاء واولیاء نے استعانت بواسطہ فرمائی ہے۔

اسی واسطے استعانت کی دو قسمیں ہوئیں۔

(۱) استعانت بواسطہ۔ (۲) اور استعانت بے واسطہ۔

اور اسی واسطے غیر اللہ سے استعانت کا عقیدہ حق ہوا۔ اور اسی واسطے اس استعانت کو غلط کہنا عقیدہ باطلہ ٹھہرا۔ اور یہ علت ''اِيَّاكَ نَعْبُدُ'' میں مفقود کہ انبیاء واولیاء نے عبادت بواسطہ نہیں فرمائی۔ پھر یہ تفسیر و تقسیم اس میں کیونکر جاری ہو سکتی ہے۔ لہٰذا مذکورہ بالا وجہ دوم دو حال سے خالی نہیں۔ اگر شاہ صاحب قدس سرہ کی بیان کردہ علت پر مولانا سرفراز خاں صاحب مطلع نہیں اور لاعلمی میں اعتراض کر گئے تو یہ اعتراض مولانا سرفراز صاحب کے **جہلِ بسیط** پر مبنی ہوا۔ اور اگر لاعلمی کے باوجود مدعی علم ہو کر کیا تو اس کی بنا مولانا سرفراز خاں صاحب کے جہل مرکب پر ہوئی۔ کہ جہل **مرکب** کی یہی تعریف تو ہے۔

آں کس کہ نہ داند و بداند کہ بداند ۔ در جہل مرکب ابد الدھر بماند۔

چونکہ استعانت دو طرح ہوتی ہے اور عبادت صرف ایک طرح اس لئے ''اِيَّاكَ نستعين'' کو ''اِيَّاكَ نَعْبُدُ'' کے بعد ذکر فرمایا کہ دو ایک کے بعد ہوتا ہے۔!.............

پہلے اعتراض کی وجہ دوم

میں فرماتے ہیں، مولانا سرفراز خاں صاحب (ثانیاً استعانت کی ایک قسم کا نصوص شرعیہ سے جواز ثابت ہے۔ وہ یہ کہ کوئی شخص کسی زندہ اور پاس ہی موجود شخص سے ایسی چیز طلب کرے جو عادۃً اس کے بس اور اختیار میں ہو۔ اس کو ماتحت الاسباب یا ظاہری استعانت کہا جاتا ہے اور اس کے جواز میں کوئی کلام نہیں ناظرین!

جواب

ملاحظہ فرمائیں۔ اولاً۔ یہ کہ وجہ اول میں استعانت کی تقسیم کو مردود و باطل کہا تھا۔ اور اب خود تقسیم فرما رہے ہیں۔ پس پہلے اعتراض کی وجہ دوم مولانا سرفراز خاں صاحب کی حماقت پر مبنی ہوئی کہ پہلے جس چیز کا انکار کیا تھا اب خود اس کا اقرار کر بیٹھے۔ **ثانیاً** بقول آپ کے استعانت کی ایک قسم کا جواز جب نصوص شرعیہ سے ثابت ہے اور اس کو استعانت ظاہری کہتے ہیں تو کیا یہ قسم "اِیَّاکَ نَعْبُدُ" میں بھی جاری ہو سکتی ہے۔ جیسے استاذ العلماء قدس سرہ کی بیان کردہ ایک قسم "استعانت بواسطہ" کو آپ نے "اِیَّاکَ نعبد" میں جاری کیا تھا۔ اگر جاری ہو سکتی ہے تو آپ کے دیوبندی مذہب میں غیر اللہ کی عبادتِ ظاہری جائز ہوئی۔

"تف بریں مذہب ناپاک و بریں گندہ خیال"

۱ یعنی حضرت استاذ العلماء مراد آبادی علیہ الرحمہ (اشرفی)

۲ تنقید......از مولانا سرفراز احمد خاں

۱ اختصار کے پیش نظر یہاں سے چار صفحات کو نقل نہیں کیا گیا ہے (اشرفی غفرلہٗ)

۲ تنقید از مولانا سرفراز خاں صفدر

اور اگر جاری نہیں ہو سکتی تو وجہ فرق بیان کیجئے کہ اس کی رو سے آپ کی بیان کردہ قسم جاری نہ ہو اور ان کی جاری ہو جائے۔

"فَاِنْ لَّمْ تَفْعَلُوْا وَلَنْ تَفْعَلُوْا فَاتَّقُوْا النَّارَ الَّتِیْ وَقُوْدُھَا النَّاسُ وَالْحِجَارَۃُ اُعِدَّتْ لِلْکَافِرِیْنَ"

ثالثاً: ابتدائے تنقید میں ذاتِ شریف نے یہ فرمایا تھا کہ (معمولی گرامر سے واقف اور عربی کا مبتدی طالب بھی جانتا ہے کہ اس آیت کریمہ میں "نَسْتَعِیْنُ" کا مفعول و معمول اِیَّاکَ، ضمیر منفصل کی

صورت میں محض اس لئے مقدم کیا گیا ہے کہ حصر کا فائدہ دے اور استعانت صرف اللہ تعالیٰ کی ذات ستودہ صفات ہی کے ساتھ مختص ہو جائے۔) ۱ے اور اب یہ فرما کر کہ (استعانت کی ایک قسم کا نصوص شرعیہ سے **جواز** ثابت ہے) اس حصر کو توڑ دیا۔ اور یہ **حماقت بالائے حماقت** ہوئی نا۔ کہ اللہ تعالیٰ کی ذاتِ ستودہ صفات کے ساتھ جس مطلق استعانت کے اختصاص کا لفظِ (صرف) اور لفظِ (ہی) کے ساتھ تاکید کرتے ہوئے دعویٰ کیا تھا۔ خود ہی اُس اختصاص کو یہ کہکر پھوڑ ڈالا کہ غیر اللہ سے ایک قسم کی استعانت جائز ہے۔ مگر اس توڑ پھوڑ کی آپ سے کیا شکایت کہ تناقض لوازم دیو بندیت سے ہے۔

ناظرین! مناسب ہے کہ لگے ہاتھوں مولانا سرفراز خان صاحب کے مذکورہ بالا (محض) کی خبر بھی لیتے چلیں۔ تا کہ آپ کی عربی گرامردانی، عربی مدارس کے مبتدی طلبہ پر بھی آشکارا ہوئی۔

پاکستانی ایک ہزار روپے انعام

مولانا سرفراز خان صاحب صفدر نے یہ دعویٰ فرمایا کہ تقدیم (ایاک) محض افادۂ حصر کے لئے ہے۔ **اگر دیو بند سے سہارنپور اور سہارنپور سے گوجرانوالہ اور گوجرانوالہ سے نجد تک** کے دیو بندی اور نجدی مولوی صاحبان یہ ثابت کر دیں تو پاکستانی ایک ہزار روپے انعام۔ پھر تعلّی یہ کہ اس کو معمولی گرامر سے واقف عربی کے مبتدی طلبہ بھی جانتے ہیں اگر ان سے مراد آپ کے فیض یافتہ مدرسۂ نصرۃ العلوم کے مبتدی طلبہ ہیں تو بقول سعدی علیہ الرحمہ آپ کا فرمانا بجا ہے کہ۔ عاقبت گرگ زا دہ گرگ شود۔ ورنہ کسی تلخیص المفتاح پڑھے ہوئے سمجھدار طالب علم کے سامنے اگر آپ یہ دعویٰ کریں تو بیساختہ آپ کی تکذیب کرتے ہوئے کہہ اٹھے گا کہ قبلہ آپ نے عربی گرامر کی ابتدائی کتاب تلخیص المفتاح پوری نہیں پڑھی اور اگر پڑھی تو سمجھے نہیں اور اگر سمجھے تو ''شہید دیو بندی'' مولانا اسماعیل صاحب دہلوی کی تقلید کرتے ہوئے سیاسی ہوسات میں پڑھ کر بھلا دی۔ کیوں؟ اسلئے کہ

۱ے تنقید.................از مولانا سرفراز خاں

جبھی جا کے مکتبِ نجد میں سبق مقامِ درم لیا
جو پڑھا تھا صفدرِ زار نے اسے صاف دل سے بھلا دیا

وجہ تکذیب یہ کہ فعل پر مفعول کی تقدیم کے نکات متعدد ہیں۔ جن میں حصر کے ساتھ ایک نکتہ (اہتمام) بھی ہے اور یہ ایسا نکتہ ہے کہ تقدیم کا افادۂ حصر اس سے منفک نہیں ہوتا۔ بلکہ مطلقاً تقدیم خواہ کسی نکتہ کے پیش نظر ہو اس سے منفک نہیں ہوتی کما فی المطول۔ تو جن مقامات میں تقدیم افادۂ حصر کے لئے ہوگی وہاں پر افادۂ اہتمام بھی ہوگا۔ چنانچہ تلخیص المفتاح میں "ایاک نستعین" وغیرہ آیات بیان

کرنے کے بعد فرمایا "وَيُفِيْدُ فِى الْجَمِيْعِ وَرَاءَ التخصيص اهتماماً لِلْمُقَدَّمِ" جس سے ثابت ہوا کہ "ایاک نستعین" میں تقدیم مفعول حصر کے ساتھ ساتھ افادۂ اہتمام کے لئے بھی ہے۔ پس آپ کا یہ دعویٰ کہ آیت مذکورہ میں تقدیمِ مفعول محض حصر کے لئے ہے ایسا باطل ٹھہرا جس کے بطلان میں عربی گرامر کے مبتدی طلبہ کو بھی شک نہیں ہوسکتا۔ اور ظاہر ہوا کہ یہ دعویٰ بھی **جہل** پر مبنی ہے کہ عربی گرامر کی ابتدائی کتابوں کے مسائل بھی ذاتِ شریف کو یاد نہیں۔ **فیا للعجب** ! تنقید کا شوق اور قابلیت بریں حال ۔سبحان اللہ! یہ منھ اور مسور کی دال۔ بلکہ تحقیق یہ ہے کہ "ایاک نعبد" اور ایاک نستعین" دونوں میں تقدیم افادۂ حصر کے واسطے نہیں۔ جس کی تفصیل یہ ہے۔ الخ..........۱

حاشیہ ۱ . (نوٹ) اسکے بعد حضرت صدر العلماء میرٹھی نے بڑی تفصیل کے ساتھ یہ ثابت فرمایا ہے کہ مولانا سرفراز خاں صاحب کا یہ فرمانا کہ (تقدیم "ایاک" محض فائدۂ حصر کے لئے ہے) محققین و مدققین کے نزدیک بہر حال مردود و باطل ہے۔ بلکہ مطلقاً فائدۂ حصر کے لئے کہنا بھی اچھا نہیں۔ کیونکہ 'حصر' تو ان دونوں آیات میں خصوصِ مادہ یعنی قائلینِ "ایاک نعبد وایک نستعین" کے حال سے مستفاد ہوتا ہے۔ اگر تقدیم کو بھی افادۂ حصر کے لئے قرار دیا گیا تو جدید معنیٰ کا افادہ نہ ہوگا بلکہ اسی حصر کی تاکید ہوگی جو خصوص مادہ سے مستفاد تھا۔ چنانچہ 'التاسیس خیر من التاکید' کے طور پر یہاں دونوں آیات میں تقدیم مفعول حصر کے لئے نہیں بلکہ رعایتِ فاصلہ کے لئے ہے۔ اور آپ نے اس ضمن میں 'علامہ قاضی بیضاوی، علامہ زمخشری ،صاحب تلخیص المفتاح، علامہ تقی الدین سبکی، علامہ ابن اثیر وغیرہ کے حوالوں سے اپنی بات کو مدلل و محقق فرمایا ہے۔ مگر اسکو بطور اختصار نقل نہیں کیا گیا۔ [اشرفی، غفرلہ]

اب ہم پھر اعتراض کی وجہ دوم کے جواب کی طرف رجوع کرتے ہیں۔

رابعاً: مولانا سرفراز خان صاحب فاضل دیوبند نے استعانت کی ایک قسم کا جواز نصوص شرعیہ سے ثابت بتا کر اس کو استعانت ظاہری کیساتھ موسوم کیا اور اس کی بایں الفاظ تعریف فرمائی (کوئی شخص کسی زندہ اور پاس ہی موجود شخص سے ایسی چیز طلب کرے جو عادۃً اس کے بس اور اختیار میں ہو) اس **تعریف**۔ کی بنا پر استعانت ظاہری کے معنیٰ "طلب" ہوئے مگر مطلقاً طلب نہیں بلکہ جو طلب ان تین قیود کے ساتھ مقید ہو۔ یعنی ایسی طلب جو (زندہ) شخص سے ہو اور (پاس ہی موجود شخص) سے ہو اور (ایسی چیز کی طلب جو بس اور اختیار میں ہو) پس ان فاضل دیوبند کے نزدیک ان تین قیود کے ساتھ مقید طلب جائز ہے۔ اور اس کے جواز نصوص شرعیہ سے ثابت ہے۔ اور جس طلب میں مذکورہ بالا تین قیود میں سے اگر کوئی قید نہ ہو وہ طلب ان کے نزدیک ناجائز ہے۔ یعنی جو طلب کسی زندہ سے نہ ہو وہ ناجائز۔ جو طلب پاس ہی موجود شخص سے نہ ہو وہ ناجائز۔ ایسی چیز کی طلب جو عادۃً زیر اختیار نہ ہو وہ طلب ناجائز۔

پہلی اور تیسری قید پر آئندہ کلام کریں گے اس وقت دوسری قید پر کلام کیا جاتا ہے کہ اس نے دینی اور دنیوی دونوں نظام درہم برہم کرڈالے۔ اس لئے کہ جو طلب پاس ہی موجود شخص سے نہ ہو جب وہ ناجائز ہوئی تو

دیوبندی مذہب میں اذان ناجائز

کیونکہ اذان غائب اشخاص سے حضور طلب کرنے کے لئے ہوتی ہے۔ ہدایہ میں ہے: "لِاَنَّ الْاَذَانَ لاستخصار الغائبين"۔۔۔ .... بالخصوص" حَيَّ عَلَى الصَّلوٰة اور حَيَّ عَلَى الفَلَاح" کہ یہ تولغۃً طلب پر دلالت کرتے ہیں۔۔۔۔۔الخ

دیوبندی مذہب میں دینی مدارس کے اشتہارات ناجائز

جن میں زکاۃ۔فطرہ۔صدقات۔چندہ۔کی طلب ہوتی ہے۔ کیونکہ یہ طلب ایسے اشخاص سے ہوتی ہے جو مشتہرین کے (پاس ہی موجود نہیں) ....اسی طرح الخ.....................اسی طرح الخ.....................اسی طرح الخ۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔(ملخصا)

اور لطف بالائے لطف یہ کہ بجوائے

"فوج کو گھر کی نہ مارے وہ بہادر کیسا"

مولانا سرفراز خاں صاحب بقلم خود فاضل دیوبند کے اس تیر نے امتِ مسلمہ سے متجاوز ہو کر اکابر دیوبند کو بھی شکار کرڈالا۔ چنانچہ قاری طیب صاحب مہتمم دارالعلوم دیوبند کے دادا۔ مولانا محمد قاسم صاحب ساکنِ نانوتہ اس تیر کی زد میں اس طرح آگئے کہ "وہ قصائد قاسمی" شائع کردہ کتب خانہ رشید یہ دہلی کے صفحہ آٹھ پر لکھتے ہیں:

مدد کر اے کرمِ احمدی کہ تیرے سوا۔۔۔۔نہیں ہے قاسمِ بیکس کا کوئی حامیٔ کار

اس شعر میں کرم احمدی کو مخاطب کر کے اس سے مدد طلب کی جارہی ہے۔ جو بقلم خود، فاضل دیوبند کے مذہب میں ناجائز۔ کیونکہ جواز طلب کیلئے پہلی قید یہ تحریر فرمائی تھی کہ زندہ شخص سے ہو۔ اور یہ بات یہاں اس لیے صادق نہیں کہ کرم احمدی از قبیلِ صفات ہے۔ اور صفات حیات کے ساتھ بطورِ حقیقت متصف نہیں ہوتیں۔ علامہ تفتازانی قدس سرہ النورانی "مطوّل" میں حیاتِ حادث کی تعریف بایں الفاظ فرماتے ہیں۔ "هی صفة تقتضى الحس و الحركة الارادية وتفتقر الیٰ البدنِ والروح" کہ حیات اس صفت کو کہتے ہیں جو حواس ظاہرہ اور حرکتِ ارادیہ کو مقتضی ہو اور بدن وروح یعنی روحِ حیوانی کی طرف

محتاج۔اس لئے ثابت ہوا کہ اجسام حیات کے ساتھ متصف ہوتے ہیں نہ صفات۔اور اگر بالفرض کرم احمدی کو زندہ شخص تسلیم کرلیا جائے تو دوسری قید مفقود ہے۔زندہ شخص (پاس ہی موجود ہو) کیونکہ کرم احمدی صفت ہے اور صفت موصوف کے ساتھ ہوتی ہے۔موصوف مدینۂ منورہ میں ہیں اور مولانا قاسم صاحب نانوتوی ہندوستان میں۔اور اگر صفت سے موصوف مراد لیا جائے تو بھی بقلم خود فاضل دیوبند کے مذہب میں یہ طلب مدد نا جائز۔وجہ یہی کہ دوسری قید مفقود ہے کہ موصوف (پاس ہی موجود نہیں ہیں) البتہ بر تقدیر ارادۂ موصوف اس شعر کے جواز کی صرف ایک صورت ہے وہ یہ کہ موصوف یعنی اصلِ کائنات فخر موجودات علیہ افضل الصلوٰۃ واکمل التسلیمات کو حاضر وناظر تسلیم کرلیا جائے۔کہ اس صورت میں (پاس ہی موجود شخص سے) طلب مدد ہوگی کیونکہ حاضر وناظر ماننے کی صورت میں اصلِ عالم نور مجسم ﷺ ہر مخلوق کے پاس موجود ہیں۔اگر چہ ہر ایک کو نظر نہیں آتے جیسے کراماً کاتبین کہ آدمی ان کو نہیں دیکھتا حالانکہ اس کے دائیں بائیں موجود رہتے ہیں۔لیکن بقلم خود فاضل دیوبند حاضر وناظر ہونے کے منکر ہیں۔اور ہمیں اصلاً امید نہیں کہ مولانا محمد قاسم صاحب نانوتوی کی خاطر ہی اپنے اس انکار سے رجوع کریں تا کہ ان کا دامن اس معصیت کی آلودگی سے محفوظ رہ سکے۔کیونکہ خطا سے بخوفِ الٰہی رجوع کرنے کی ان کے یہاں کوئی مدہی نہیں بلکہ خطا سے رجوع کو اپنی انسلٹ تصور کرتے ہیں اور خطا سے رجوع نہ کرنا ان کا تمغائے امتیاز ہے جو کابراً عن کابر ان تک پہنچا۔چنانچہ مولانا اشرف علی صاحب تھانوی کو دیکھ لیجئے۔دیوبندی دنیا کو نفس کشی کا درس دیتے رہے مگر خود نفس پروری کا یہ عالم کہ حفظ الایمان میں ایک کلمۂ گستاخی شانِ رسالت میں لکھ گئے تھے جس سے رجوع کرنا گوارا نہ ہوا۔اس ناپاک کلمہ کی بنا پر ہندوستان میں ہل چل مچ گئی۔امتِ مسلمہ کا شیرازہ تہہ وبالا ہو گیا اور تھانوی صاحب یہی فرماتے رہے کہ زمین جنبد زماں جنبد مگر بندہ نمی جنبد۔جب آخری عمر میں ایک حیدرآبادی صاحب نے خط میں تحریر کیا کہ قبلہ اس عبارت کو فوراً تبدیل فرمائیے۔اس سے شانِ رسالت میں گستاخی مفہوم ہوتی ہے۔کسی تاویل کی گنجائش نہیں۔تبدیل نہ کرنے پر اپنے بھی ہاتھ سے نکل جائیں گے۔تو بظاہر تھانوی صاحب حرکت میں آئے اور عبارت کو تبدیل کیا مگر آخر میں یہ لکھ گئے (اگر چہ پہلی عبارت بھی صحیح تھی) جس سے بات جہاں تھی وہیں رہی۔اور خطا سے رجوع کرنا نصیب نہ ہوا۔ [1] ....اور صدر المدرسین دار العلوم دیوبند حضرت مولانا محمود حسن صاحب، شیخ الھند [2] (جناب مولانا سرفراز خاں صاحب کے) اس تیر کی زد میں

....

حاشیہ [1] نوٹ: کچھ اسی طرح کا تذکرہ حضرت نے اپنی کتاب ''بشیر القاری'' ص ۲۴۷ پر بھی کیا ہے

۱۲۔(اشرفی غفرلہٗ)

ے نوٹ! حضرت مصنف کی عادت ہے کہ وہ علمائے دیوبند سے شدید دینی ومذہبی اختلاف رکھنے کے باوجود ان کے ناموں کے آگے پیچھے وہی پخ لگاتے ہیں جو ان کے متبعین وخیر خواہوں نے لگا دئے ہیں۔ گویا حضرت ان الفاظ کے فقط ناقل ہوتے ہیں۔ مؤید وقائل نہیں۔ شاید اس کی وجہ یہ بھی ہو کہ دیکھا گیا کہ بسا اوقات انسان اپنے مقابل کی تردید یا اس پر تنقید کرتا ہے اور اس دوران وہ جوش تنقید و تردید میں اپنی فصاحت وبلاغت، بلکہ اپنے معیارِ ادب وانشا ہی کو پسِ پشت ڈال دیا کرتا ہے۔ جسے دیکھ کر ایک مخصوص زاویۂ فکر رکھنے والا طبقہ......اس سے خاطر خواہ فائدہ حاصل نہیں کر پاتا۔ صاحب تبصرۂ اعجاز علیہ الرحمۃ والرضوان کے سامنے احقاقِ حق اور ابطالِ باطل، تنقید اور تردید کا معاملہ جہاں کہیں بھی آیا ہے یہاں یا کسی اور تصنیف کے دوران وہاں آپ نے میری نظر میں اپنے مطلب برآری کے لئے عمدہ پیرایۂ زبان ہی کا انتخاب فرمایا ہے۔ تاکہ ایک منصف مزاج قبول حق کے لئے قریب سے قریب تر ہو جائے۔ (والھدایۃ من اللہ عز وجل) اس حوالہ سے رئیس القلم حضرت علامہ ارشد القادری علیہ الرحمۃ کی تحریریں بھی لائق تعریف واتباع ہیں۔ کہ انہوں نے جس انوکھے انداز سے ابطال وتردید، تعقب وتنقید جیسی تلخ وبدمزہ دوا کو، جس حسنِ ادا کے ساتھ انتخاب الفاظِ حسیں کی چاشنی میں ملا کر اکثر باز مریضوں کے گلوں سے اتارنے کی سعی بلیغ فرمائی ہے یہ انہیں کا حصہ ہے۔ خیر اب قارئین کرام خود حضرت صدر العلماء ہی کے قلم سے ملاحظہ فرمائیں کہ وہ اپنے سامنے والے کے پیچھے اتنے اتنے بڑے القابات کیوں لگاتے ہیں؟

سوال: استاد کا مرتبہ شاگرد سے بلند ہوتا ہے اور آپ نے حضرت مولانا محمود حسن صاحب کو ”شیخ الہند“ کہا جس کی وسعت ہندوستان کے حدود اربعہ تک محدود ہو کر رہ جاتی ہے اور ان کے شاگرد کو ”شیخ الاسلام“ کہہ دیا جس کی وسعت ہندوستان اور غیر ہندوستان تمام عالم اسلامی کو شامل ہے؟

جواب! ہم نے نہ انہیں ”شیخ الہند“ کہا نہ انہیں ”شیخ الاسلام“ ہم تو دیوبندی صاحبان کے عطا کردہ القاب کے ناقل ہیں۔ اور ناقل پر مواخذہ نہیں ہوتا (نقل کفر کفر نہ باشد)

سوال! تو آخر انہوں نے شاگرد کو استاد پر فضیلت کیسے دیدی؟

جواب! یہ تو وہی خوب جان سکتے ہیں کہ (صاحب البیت ادری بما فیہ) الخ (بشیر القاری ص ۲۴۳)

یہاں سوال جواب کا بڑا پر لطف سلسلہ ہے۔ فلیطالع ھنا۔ (اشرفی غفرلہٗ)۔

بایں طور آگئے کہ وہ قطب دنیائے دیوبندی مولانا رشید احمد صاحب گنگوہی کے مرثیہ میں ص ۲۴ پر تحریر فرما

تے ہیں:

اے کہ کف پائے تو بود تاج سرم ☆ رحم بر بے کسم و بیچ نہ کردی رفتی

اس شعر میں دیوبندی دنیا کے شیخ الہند نے دیوبندی دنیا کے قطب صاحب سے رحم کی طلب فرمائی ہے۔ جو بقلم خود فاضل دیوبند کے مذہب میں ناجائز۔ کیونکہ جوازِ طلب کی اول و دوم دونوں قیدیں مفقود ہیں۔ اوّل! اس لئے کہ دیوبندی دنیا کے قطب صاحب زندہ نہیں۔ مردہ ہیں کیوں کہ مرثیہ مردے ہی کا ہوتا ہے۔ دوم! اس لئے کہ دیوبندی دنیا کے قطب صاحب، دیوبندی دنیا کے شیخ الحدیث کے (پاس ہی موجود) نہ تھے۔ بلکہ بہت دور کہ یہ دیوبند میں اور وہ گنگوہ میں۔ یہ اپنے گھر میں۔ وہ اپنی قبر میں۔

اور دیوبندی دنیا کے حکیم صوری و معنوی یعنی مولانا اشرف علی صاحب تھانوی اپنی کتاب ''شیم الطیب'' ۱؎ میں تحریر فرماتے ہیں:

دستگیری کیجئے میرے نبی ‏ کشمکش میں ہوں تم ہو میرے ولی

جز تمہارے ہے کہاں میری پناہ ‏ فوج کلفت مجھ پہ آ غالب ہوئی

ابن عبداللہ زمانہ ہے خلاف ‏ اے مرے مولیٰ خبر لیجئے مری

اس میں نبی ﷺ سے دستگیری طلب کی جا رہی ہے۔ جو بقلم خود فاضل دیوبند کے مذہب میں ناجائز۔ کیونکہ (پاس ہی موجود شخص) سے نہیں کہ نبی کریم ﷺ مدینۂ منورہ میں ہیں اور تھانوی صاحب تھانہ بھون میں۔

بلکہ بقلم خود فاضل دیوبند نے جوازِ طلب کے لئے یہ قید لگا کر صحابۂ کرام کو بھی ناجائز کا مرتکب قرار دے دیا۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔الخ. (نوٹ! یہاں پر حضرت نے احادیث کی روشنی میں اپنی بات کو ثابت فرمایا ہے جس کی تفصیل تقریباً پانچ صفحات پر ہے۔ از راہِ اختصار اسے نقل نہیں کیا ۔۱۲......ایوب اشرفی غفرلہ)

حاشیہ ۱؎ ''شیم الطیب'' (مؤلفہ مولانا اشرف علی تھانوی) کے یہ سارے اشعار مع دیگر اشعار کے ''تذکرۃ الحبیب تسہیل ''نشر الطیب'' مؤلفہ مولانا اشرف علی تھانوی کے صفحہ ۲۰۶ پر بھی ہیں۔ ان میں ایک شعر یہ بھی ہے۔

میں ہوں بس اور آپ کا در ''یا رسول'' ‏ ابر غم گھیرے نہ پھر مجھ کو کبھی

ان کی جماعت کے جو لوگ ''یا رسول اللہ'' کہنے پر اعتراض کرتے ہیں دیکھیں وہ یہاں کیا جواب دیتے ہیں؟ (اشرفی غفرلہ)

اب ہم بقلم خود فاضل دیوبند کے پہلے اعتراض کی وجہ دوم پھر تحریر کرتے ہیں تاکہ ناظرین کو اس کے دیکھنے میں تقلیب اوراق کی زحمت نہو۔ وہ یہ ہے (ثانیاً استعانت کی ایک قسم کا نصوص شرعیہ سے جواز ثابت ہے۔ وہ یہ کہ کوئی شخص۔ کسی زندہ اور۔ پاس ہی موجود شخص سے ایسی چیز طلب کرے جو عادۃً اس کے بس اور اختیار میں ہو۔ اس کو ماتحت الاسباب یا ظاہری استعانت کہا جاتا ہے۔ اور اس کے جواز میں کوئی کلام نہیں)

ناظرین! مولانا سرفراز خاں صاحب بقلم خود فاضلِ دیوبند نے اس تعریف میں (مطلوبہ چیز) کو صرف ایک قید کے ساتھ مقید کیا ہے کہ وہ عادۃً اختیاری ہو۔ اس کے علاوہ اور کوئی قید نہیں۔ لہٰذا اس قید کے بعد وہ عام ہے کہ (۱)......فرض...... (۲)...... واجب...... (۳)...... سنت مؤکدہ...... (۴)...... سنت غیر مؤکدہ...... (۵)...... مستحب...... (۶)...... حرام...... (۷)...... مکروہ تحریمی...... (۸)...... مکروہِ تنزیہی...... (۹)...... اساءت...... (۱۰)...... خلاف اولیٰ...... (۱۱)...... مباح...... سب کو شامل ہے۔ کیونکہ مطلوبہ چیز کے ساتھ یہ قید نہیں کہ وہ جائز بھی ہو۔ نظر بر آں لازم آیا کہ جس طرح زندہ اور پاس ہی موجود شخص سے فرض۔ واجب۔ سنت مؤکدہ۔ غیر مؤکدہ۔ مستحب۔ مباح کی طلب جائز ہے۔ اسطرح بقلم خود فاضل دیوبند کے مذہب میں مکروہ تحریمی۔ مکروہ تنزیہی۔ اساءت۔ خلاف اولیٰ کی طلب درکنار ،حرام کی طلب بھی جائز ہو۔ کیونکہ مطلوبہ چیز میں یہ سب داخل ہیں۔ اور تعریف مذکور سب پر صادق۔ توضیح کے لئے مثال پیش کرتے ہیں۔

ایک شخص نے زندہ اور پاس ہی موجود اجنبی عورت سے نفسانی خواہشات کو پورا کرنے کی طلب کی۔ تو بقلم خود فاضل دیوبند کے مذہب میں یہ جائز ہے۔ کیونکہ یہ زندہ اور پاس ہی موجود شخص سے ایسی چیز کی طلب ہے جو عادۃً اس کے بس اور اختیار میں ہے۔ اور ایسی طلب کا جواز نصوص شرعیہ سے ثابت ۔ اور اس کے جواز میں کوئی کلام نہیں۔ اور مزید توضیح کے لئے ایک اور مثال سنتے چلئے جس سے بقلم خود فاضل دیوبند کو اپنی تعریف کے بطلان کا پورا پورا انکشاف ہو جائے گا۔ اور ناظرین کے حق میں خالی از لطف بھی نہ ہوگا۔

لطیفہ:

مولانا سرفراز خاں صاحب بقلم خود فاضل دیوبند جمعہ کے دن بوقت صبح اصلاح بنوار ہے ہیں، بال پر بھی دار العلوم دیوبند کا فارغ التحصیل ہے۔ اور آپ کی تنقید کا بنظر غائر مطالعہ کئے ہوئے۔ اصلاح بناتے بناتے جب بیئۃ مبارک کا نمبر آیا تو قینچی چھوڑی اور استرا ہاتھ میں لے کر بولا۔ **قبلہ** آپ نے تنقید میں

ظاہری استعانت کی تعریف بایں الفاظ فرمائی ہے کہ (کوئی شخص کسی زندہ اور پاس ہی موجود شخص سے ایسی چیز طلب کرے جو عادۃً اس کے بس اور اختیار میں ہو) جس میں مطلوبہ چیز کو عام رکھا ہے خواہ جائز ہو یا ناجائز۔ اور ایسی استعانت کا جواز نصوص شرعیہ سے ثابت بتا کر فرمایا ہے کہ اس کے جواز میں کوئی کلام نہیں ۔ چونکہ اس وقت قبلہ زندہ اور پاس ہی موجود ہیں لہٰذا یہ دیرینہ خادم ذاتِ بابرکات سے ظاہری استعانت کرتے ہوئے جڑ سے صاف کردینے کی اجازت طلب کرتا ہے۔ قبلہ! اجازت مرحمت فرمادیں تا کہ کوئی یہ الزام نہ دے سکے کہ "لِمَا تَقُوْلُوْنَ مَا لَا تَفْعَلُوْنَ" اب دو حال سے خالی نہیں۔ اجازت دی۔ تو جڑ سے گئی۔ ورنہ ذاتِ شریف موردِ الزام۔ "لَا حَوْلَ وَلَا قوۃ الا باللہ العلی العظیم ۔ او

ستم بالائے ستم

یہ کہ ایسی فاسد اور باطل تعریف کو نصوص شرعیہ کی طرف منسوب کر کے **شریعت پر افترا کر** ڈالا۔ حالانکہ یہ تعریف، نہ نصِ حدیث سے ثابت نہ از نصِ قرآنی۔ نہ نصِ صحابہ سے ثابت نہ از نصِ علمائے ربانی بلکہ یہ ہے خالص من گھڑت۔ جس کے لئے نہ فی نفسہ صحت، نہ اس پر کوئی دلیل و حجت۔ اسی واسطے ہم ببانگ دہل چیلنج کرتے ہیں کہ کوئی دیوبندی صاحب! دیوبندی ہوں یا دربھنگی۔ کوہی ہوں یا گنگوہی، تھانوی ہوں یا دہلوی، انبیٹھوی ہوں یا نانوتوی، سہارنپوری ہوں یا رامپوری۔ دریا آبادی ہوں یا اللہ آبادی، ہندوستانی ہوں یا پاکستانی، بری ہوں یا بحری، انسی ہوں یا جنی، اگر اس تعریف کو شرعی نصوص سے ثابت کردیں تو

"دو ہزار روپئے، انعام" [1]

کے طور پر ان کی خدمت میں پیش کئے جائیں گے۔ اور اگر ثابت نہ کرسکیں تو مولانا سرفراز خاں صاحب بقلم خود فاضل دیوبند اپنے اس افتراء سے رجوع کر کے "اَلْعَلَانِیَۃُ بِالْعَلَانِیَۃِ" کے ماتحت اپنا توبہ نامہ چھاپ کر شائع فرمادیں۔ لیکن ہم جانتے ہیں کہ ہمارا یہ شرعی مشورہ آپ کے نزدیک قابل عمل نہ ہوگا۔ اس لئے کہ آپ کے یہاں ہم جو قسم افترات سے بخوف الٰہی رجوع کرنے کا کوئی خانہ ہی نہیں۔

[1] ....

خامساً: ظاہری استعانت کی تعریف مذکور کے بعد مولانا سرفراز خاں صاحب بقلم خود فاضل دیوبند نے اس کے اثبات میں دو عبارتیں پیش کی ہیں۔ جن کو بعینہ ان ہی کے ترجمے کے ساتھ نقل کیا جاتا ہے تا کہ آپ کی علمی قابلیت اور فریب کاری ناظرین پر آشکارا ہو جائے۔

پہلی عبارت کو یہ کہتے ہوئے پیش کیا (چنانچہ حضرت شاہ ولی اللہ صاحب محدث دہلوی المتوفی

۱۱۷۹ھ لکھتے ہیں کہ)

"لا شريك له فی وجوب الوجودِ وَلَا فی استحقاق العبادة وَلَا فی الخلق والتدبير فلا يستحق العبادة ای اقصى غاية التعظيم الا هو وَلَا يشفى مريضا وَلَا يرزق رزقاً ولا يكشف ضراً الا هو . بمعنى ان يقول لشیء 'كن فيكون' لا بمعنى التسبيب العادی الظاهری كما يقال شفى الطبيب المريض ورزق الامير الجند فهٰذا غيره وان اشتبه فی اللفظ .اه (تفهيمات الٰهيه ۱/ص/۱۴۵)

وجوب وجود۔ استحقاق عبادت۔ خلق اور تدبیر میں اللہ تعالیٰ کا کوئی شریک نہیں۔ استحقاق عبادت یعنی انتہائی تعظیم کا بجز اللہ تعالیٰ کے اور کوئی اہل نہیں۔ بیمار کو شفا دینا، رزق عطا کرنا اور تکلیف دور کرنا صرف اسی کا کام ہے۔ وہ جب کسی چیز کو کہتا ہے کہ ہو جا تو وہ ہو جاتی ہے۔ لیکن اسکا دینا عادۃً ظاہری سبب کے طور پر نہیں۔ مثلاً کہا جاتا ہے کہ طبیب نے مریض کو شفا دی۔ اور امیر لشکر نے لشکر کو رزق دیا یہ تو ظاہری اور اسباب کے ماتحت دینا ہے اور یہ اور چیز ہے۔ اگر چہ لفظ میں اشتباہ پیدا ہو جاتا ہے۔

اقول: عربی خواں ناظرین عربی عبارت کو بار بار پڑھ کر تلاش فرمائیں اور اردو خواں ناظرین بقلم خود فاضل دیوبند کے ترجمے کو مکرر پڑھ کر ڈھونڈیں کہ ان میں کہیں بھی ظاہری استعانت کے جواز اور اس کی تعریفِ مذکور کا ذکر ہے۔ اگر نہیں ہے اور یقیناً نہیں تو اس بات کو (ابھی) یاد رکھیں۔ دوسری عبارت کو یہ کہتے ہوئے پیش کیا ہے (اور الشیخ ابوبکر بن محمد عارف خوقیر فرماتے ہیں کہ:

حاشیہ

۱ یہاں سے دو تین صفحات بنظر اختصار نقل نہیں کیے گئے۔ جن میں حضرت نے یہ ثابت فرمایا ہے کہ دیوبندی مکتب فکر کے ان حضرات کے یہاں رجوع کرنے کے نشانات تو ملتے ہیں۔ مگر حق سے رجوع کرنے کے، باطل سے رجوع کرنے کے نہیں۔ دنیا کی خاطر رجوع کرنے کے، دین کی خاطر رجوع کرنے کے نہیں۔ اور بطور دلیل بالتفصیل یہ واقعہ بھی نقل فرمایا کہ مفتیانِ دار العلوم دیوبند نے قائل کے ایک قول پر اولاً اس کے ملحد و بے دین ہونے کا فتویٰ دیا پھر جب پتہ چلا کہ قائل خود دار العلوم کے مہتمم قاری طیب صاحب ہیں تو قائل کو ڈپٹتے ہوئے اپنے فتویٰ سے رجوع کر کے شائع کر دیا۔ حالانکہ وہ فتویٰ بالکل حق و صحیح تھا۔ کیوں؟ اس لئے کہ دریا میں رہ کر مگر مچھ سے بیر آسان نہیں۔ خیال رہے، کہ صاحب تبصرۂ اعجاز، حضرت میرٹھی علیہ الرحمہ نے دو ایک جگہ کچھ انعام دینے کا ذکر فرمایا ہے۔ حضرت تو وصال فرما گئے۔ (اللہ تعالیٰ ان کی قبر منور پر ہزار ہا رحمتوں کا نزول فرمائے) مگر انکا یہ کمترین غلام عرض کرتا ہے کہ واقعی اگر کوئی ذکر کردہ باتوں کو ثابت کر دے تو اسے انعام یہ ناچیز (ملخص کتاب ھٰذا) پیش کرے گا۔ فقیر کا مکمل پتہ برطانیہ اور انڈیا کا زیر نظر کتاب سے حاصل کر سکتے ہیں ۱۲ (ایوب اشرفی غفرلہ)

"الشرك هو اعتقاد ان لغير الله اثراً فوق ما وهبه الله من الاسباب الظاهرة وان لشيء من الاشياء سلطاناً عما خرج عن قدرة المخلوقين ۔ (مالا بد منه ص ۱۱/ طبع مصر)

شرک اس اعتقاد کا نام ہے جو غیر اللہ کے متعلق یوں قائم کرلیا جائے کہ ان کا ظاہری اسباب کے اوپر اثر ہے جو اللہ تعالیٰ نے اسباب قرار دئے ہیں۔ اور یہ کہ کسی چیز کا اس شئی پر تسلط ہے جو مخلوق کی قدرت سے خارج ہے۔

اقول! ہم پھر دونوں ناظرین کو متوجہ کرتے ہیں کہ وہ اس عربی عبارت اور اس کے ترجمے کو بار بار پڑھ کر بغور دیکھیں کہ ان میں کہیں بھی ظاہری استعانت کے جواز اور اس کی تعریف مذکور کا بیان ہے۔ اگر نہیں ہے اور یقیناً نہیں ہے تو اب مولانا سرفراز خاں صاحب بقلم خود فاضل دیوبند کی کمالِ حیاداری ملاحظہ فرمائیے، کہ ان دونوں عبارتوں کو نقل کرنے کے بعد فرماتے ہیں: (اس سے ثابت ہوا کہ استعانت ظاہری اور ماتحت الاسباب جائز اور درست ہے) حالانکہ ان دونوں عبارتوں میں لفظ (استعانت) ہی نہیں۔ چہ جائے کہ استعانتِ ظاہری کے جواز کا بیان یا اس کی تعریف مذکور۔ تو ان کا یہ **کھلا ہوا جھوٹ** ہے۔ دروغ ہے۔ کذب ہے۔ اور اس مضمون کو ان دونوں عبارتوں کی طرف منسوب کرنے سے شاہ ولی اللہ صاحب اور شیخ ابو بکر ابن محمد عارف صاحب خوقیر پر **افتراء** ہوا اور **بہتان عظیم**۔ اور عوام کے حق میں کھلا ہوا فریب۔

رہی یہ بات کہ ان دونوں عبارتوں کا مطلب کیا ہے؟ تو ہم سے سنئے۔ شاہ ولی اللہ صاحب قدس سرہٗ پر اللہ تعالیٰ کی رحمتیں نازل ہوں کہ انہوں نے اس عبارت میں وہی فرق بیان فرمایا ہے۔ جس کو نظر انداز کرکے دیوبندی صنادید خود گمراہ ہوئے اور دوسروں کو گمراہ کر گئے۔ وہ یہ کہ رزق دینے۔ شفاء دینے۔ تکلیف دور کرنے کی نسبت اللہ تعالیٰ کی جانب ہوتی ہے اور بندوں کی جانب بھی۔ مگر فرق یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ سببِ حقیقی ہے سببِ ظاہری نہیں۔ اور بندے سبب ظاہری ہیں۔ سببِ حقیقی نہیں۔ اور علامہ خوقیر علیہ الرحمہ نے شرک کے معنی بیان فرمائے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے جو اسبابِ ظاہری عطا فرمائے ہیں ان سے زیادہ غیر اللہ کے لئے تاثیر کا اعتقاد کرنا یعنی تاثیرِ حقیقی کا (اعتقاد کرنا) اور یہ اعتقاد کرنا کہ غیر اللہ کے لئے اس چیز پر قدرت ہے جو مخلوق کی قدرت سے باہر ہے ان دونوں عبارتوں میں استعانتِ ظاہری کا کوئی ذکر نہیں۔ مگر حیرت بالائے حیرت یہ ہے کہ دنیادار انسان تو دنیوی معاملات میں جھوٹ بولتا ہے اور بقلم خود فاضلِ دیوبند کی جسارت کا یہ عالم کہ دینی مسائل میں جھوٹ بولتے ہیں۔ دنیادار انسان ایک دوسرے پر

ذاتی امور میں افترا کرتے ہیں اور بقلم خود فاضل دیوبند دینی امور میں بھی۔ان ہی حضرات کے ہم چو قسم کردار کی وجہ سے قصبۂ دیوبند بھی بدنام ہو گیا۔ اور ان کی فریب کاری۔ افترا پردازی۔ قوم فروشی۔ دغابازی۔ وطن فروشی۔ دروغ بافی۔ مذہب فروشی۔ شرک نوازی سے تنگ آ کر کسی دل جلے کے قلم سے مندرجہ ذیل اشعار قصبہ دیوبند کے حق میں نکل ہی گئے۔ جن کو ماہ نامہ (تجلّی) دیوبند نے شائع کیا تھا۔

دغا کی **دال** ہے یا جوج کی ہے **یے** اس میں — تو وطن فروشی کا **واو**۔ بدی کی **بے** اس میں

جو اس کے **نون** میں نارِ جیم غلطاں ہے — تو اس کی **دال** سے دہقانیت نمایاں ہے

ملے یہ حرف تو بیچارہ ''**دیوبند**'' بنا — بُرے خمیر سے یہ شہر ناپسند بنا

لیکن کال پھر بھی نہ کٹا

کیونکہ بقلم خود فاضل دیوبند کے مذہب میں انبیائے کرام علیہم الصلوٰۃ والسلام سے ظاہری استعانت بھی جائز نہیں بلکہ از قبیل شرک ہے۔ اور ظاہری استعانت کی تعریف مذکور کے پیش نظر لازم آتا ہے کہ انبیائے کرام علیہم الصلوٰۃ والسلام سے ظاہری استعانت جائز ٹھہرے جبکہ ان کے مزاراتِ مقدسہ پر حاضر ہو کر کی جائے۔ اس لئے کہ تعریف مذکور میں بقلم خود فاضل دیوبند نے جو قیود ذکر کی ہیں وہ سب پائی جارہی ہیں۔ چنانچہ پہلی قید یہ تھی کہ (زندہ شخص سے ہو) تو انبیائے کرام علیہم الصلوٰۃ والسلام بحکم حدیث سب زندہ ہیں۔ نبوت سے متعلق عقائد میں سے ایک عقیدہ یہ بھی جس کو اعلیٰ حضرت قدس سرہ نے تفصیل کے ساتھ اپنے پیارے انداز میں یوں بیان فرمایا ہے: ؎

انبیاء کو بھی اجل آنی ہے — مگر ایسی کے فقط آنی ہے

پھر اسی آن کے بعد ان کی حیات — مثل سابق وہی جسمانی ہے

روح تو سب کی ہے زندہ ان کا — جسم پرنور بھی روحانی ہے

اوروں کی روح ہو کتنی ہی لطیف — ان کے اجسام کی کب ثانی ہے

اس کی ازواج کو جائز ہے نکاح — اس کا ترکہ بٹے جو فانی ہے

وہ ہیں حیّ اَبدی ان کو رضا — صدق وعدہ کی قضا مانی ہے

دوسری قید یہ تھی کہ (وہ شخص پاس ہی موجود ہو) تو یہ بھی محقق ہے کہ جب مزارات پر حاضر ہو کر استعانت کی گئی تو وہ پاس موجود بھی ہیں۔ تیسری قید یہ تھی کہ جو چیز طلب کی جائے وہ (بس اور اختیار میں ہو) تو یہ قید بھی پائی جاتی ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ان کو عالم میں ہر قسم کے تصرف کی قدرت عطا فرمائی ہے۔ چنانچہ امام احمد شہاب الدین ابن حجر ہیتمی مکی قدس سرہ القوی (فتاویٰ حدیثیہ ص ۲۱۳) میں بحوالۂ سید

المکاشفین حضرت محی الدین ابن عربی قدس سرہ القوی ارشاد فرماتے ہیں:

"لا یمتنع رویة ذات النبی ﷺ بروحه وجسده لانه وسائر الانبیاء احیاء ردت الیهم ارواحهم بعد ما قبضوا واذن لهم فی الخروج من قبورهم والتصرف فی الملکوت العلوی والسفلی ولا مانع من ان یراه کثیرون فی وقت واحد لانه کالشمس واذا کان القطب یملأ الکون کما قاله التاج بن عطاء الله فما بالك بالنبی ﷺ وَلَا یَلْزَمُ مِنْ ذٰلِكَ ان الرأی صحابی . لان شرط الصحبة الرؤیة فی عالم الملك . وهذه رویة وهو فی عالم الملکوت وهی لا تفید صحبة والا لثبت لجمیع الامة لا نهم عرضوا علیه فی ذلك العالم فراهم وراوه. کما جاء ت به الاحادیث ۔اھ

یعنی نبی ﷺ کی ذات بابرکات کا دیکھنا روح اور جسم پاک (دونوں) کے ساتھ ناممکن نہیں۔ کیونکہ آپ اور باقی انبیائے کرام علیہم الصلوٰۃ والسلام زندہ ہیں۔ بعد وفات ان کی ارواح طیبہ ان کے اجسام میں واپس کردی گئیں۔ اور انہیں قبور سے نکلنے اور عالم علوی وسفلی میں تصرف کرنے کی اجازت دے دی گئی ہے۔ اور اس بات میں بھی کوئی مانع نہیں کہ آپ کو وقت واحد میں بہت سے دیکھیں کیونکہ آپ اس (وصف) میں آفتاب کی طرح ہیں۔ اور جب کہ (آپ کی امت کا) قطب دنیا کو اپنے وجود سے بھر دیتا ہے جیسے کہ علامہ تاج بن عطاء اللہ قدس سرہ نے فرمایا تو نبی ﷺ کے متعلق کیا خیال ہے (جن کی بدولت قطب کو یہ مرتبہ ملا) اور (بعد وصال) آپ کے دیکھنے سے یہ لازم نہیں آتا کہ دیکھنے والا صحابی ہو جائے کیونکہ صحابی ہونے کے لئے شرط یہ ہے کہ آپ کو دنیا میں (وصال سے پیشتر) آنکھ سے دیکھے۔ اور یہ دیکھنا اس حال میں ہے کہ آپ (دنیا سے منتقل ہوکر) عالم برزخ میں تشریف فرما ہیں اور ایسا دیکھنا صحابی ہونے کے لئے مفید نہیں۔ ورنہ تمام امت کے لئے صحابی ہونا ثابت ہو جائے گا کیونکہ کل امت عالم برزخ میں آپ کے سامنے پیش کی گئی، تو آپ نے اس کو دیکھا اور اس نے آپ کو۔ جیسا کہ احادیث میں وارد ہے۔

جب بقلم خود فاضل دیوبند کو اس امر پر تنبہ ہوا کہ جھوٹ بولا۔ افترا بھی کیا...... بہتان بھی باندھا **مگر کال پھر بھی نہ کٹا**...... کہ مذکورہ بالا اپنی اختراعی تعریف کی بنا پر انبیائے کرام علیہم الصلوٰۃ والسلام سے ظاہری استعانت جائز ٹھہرتی ہے حالانکہ دیوبندی مذہب میں یہ بھی جائز نہیں بلکہ از قبیلِ شرک ہے تو ظاہری استعانت کی تمثیل بیان کرتے ہوئے **ایک قید اور بڑھا دی**۔ وہ یہ کہ جس سے استعانت کی جائے وہ اس جہاں یعنی عالم دنیا میں زندہ ہو۔ چنانچہ ظاہری استعانت کی تعریف میں فرماتے ہیں۔ (جیسا

کہ حضرت ذوالقرنین نے سدِ سکندری کے مقام کے قریب پہنچ کر وہاں کے لوگوں کی یہ درخواست سنی کہ یا جوج وماجوج ہمیں بے حد تکلیف دیتے اور ستاتے ہیں اس لئے اس درّہ میں ایک بند قائم کر دیں تا کہ ہم ان کے دست برد سے نجات حاصل کریں اور ہم آپ کی مالی امداد بھی کریں گے۔ تو حضرت ذوالقرنین نے فرمایا ہاں بدنی طور پر تم میری امداد کرو۔ "اَعِیْنُوْنِیْ بِقُوَّةٍ") یہ مثال بیان کر کے بقلم خود فاضل دیوبند اس قید کو بیان فرماتے ہیں (یہ وہ امداد نہیں جو شرک کے شیدائی حضرات انبیاء اور اولیاء، شہداء علیہم السلام سے کیا کرتے ہیں کہ "نہ تو وہ اس جہاں میں زندہ ہوتے ہیں، اور نہ قریب، اس قسم کی استعانت بہر صورت شرک ہے،" جس کو مٹانے کے لئے آنحضرت ﷺ مبعوث ہوئے اور شریعت حقہ اس کے لئے وقف ہے اس ظاہری استعانت سے مطلق استعانت یا مافوق الاسباب استعانت کا جواز ثابت کرنا اور عوام الناس کو مغالطہ دینا جیسا کہ مولوی نعیم الدین صاحب نے کیا ہے اہل علم کی شان نہیں ہے)

اقول: یہاں پر بقلم خود فاضل دیوبند اس قید کا اضافہ کر کے "جس سے استعانت کی جائے وہ اس جہاں میں زندہ ہو"۔ انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام اور اولیائے کرام۔ وشہدائے عظام سے استعانت کے متعلق بکمال ناعاقبت اندیشی یہ حکم لگا گئے کہ (اس قسم کی استعانت بہر صورت شرک ہے) **اچھا!** اگر یہ استعانت شرک ہے تو استعانت کرنے والے مشرکین ہوئے۔ اور یہ نہ سوچا کہ اس حکم پر شگوفہ کیا کھلے گا وہ ہم سے سنئے۔

شگوفہ یہ کھلا

کہ قاری محمد طیب صاحب مہتمم دار العلوم دیوبند کے دادا یعنی مولانا محمد قاسم صاحب ساکن نانوتہ آپ کے اس حکم کی بنا پر مشرک ٹھہرے۔ کیونکہ انہوں نے نبی کریم ﷺ سے بایں طور استعانت کی، اُس شعر میں طالب مدد ہوئے جس کو ہم سابق میں بیان کر چکے ہیں اور (اس قسم کی استعانت بہر صورت شرک ہے) بلکہ ولی شہید سے بھی ایک شعر میں استعانت کرتے ہوئے مدد طلب کی ہے تو۔ **ڈبل مشرک**، ہوئے۔ وہ شعر یہ ہے جس کو انہوں نے قصائد قاسمی میں ص ۳۹ ر پر حضرت حافظ ضامن صاحب شہید رحمۃ اللہ علیہ کے مرثیہ میں تحریر فرمایا ہے۔ ؎

مدد کر غوث اعظم بیکسوں ہم سے غریبوں کی
چھوڑائے غیر تیرے کون دستِ نفس وشیطاں سے

اور آپ کے اسی حکم کے پیش نظر دیوبندی امت کے حکیم صوری ومعنوی یعنی مولانا اشرف علی صاحب تھانوی بھی مشرک قرار پائے کیونکہ انہوں نے بھی ایک شعر میں نبی کریم علیہ الصلوٰۃ والتسلیم سے

استعانت کرتے ہوئے دستگیری طلب کی ہے جس کو ہم ماقبل میں بیان کر چکے ہیں۔اور (اس قسم کی استعانت بہر صورت شرک ہے) اور آپ کے اسی حکم کی بنا پر دیوبندی دنیا کے شیخ الحدیث ھندی، یعنی مولانا محمود الحسن صاحب دیوبندی بھی مشرک ٹھہرے۔ کیونکہ انہوں نے دیوبندی دنیا کے قطب پرشکوہ یعنی مولانا رشید احمد صاحب گنگوہی سے استعانت کرتے ہوئے مذکورہ سابق شعر میں رحم کی طلب فرمائی ہے جبکہ وہ اس جہاں سے ان کی مرضی کے خلاف رخصت ہو کر عالم برزخ میں مقیم ہو چکے تھے۔اور (اس قسم کی استعانت بہر صورت شرک ہے)

دیدی کہ خونِ ناحق پروانہ شمع را
چنداں اَماں نداد کہ شب راسحر کند

پھر ان تین ہی حضرات پر بس نہیں بلکہ آپ کے اس حکمِ پرفند کی بنا پر جملہ صنادید دیوبند از مولانا رشید احمد صاحب گنگوہی تا شیخ الہند و محدث معنوی یعنی مولانا حسین احمد صاحب ٹانڈوی ٹھیٹ مشرک ٹھہرے۔نہیں نہیں بلکہ تمام دنیائے دیوبند کٹر مشرک ٹھہری۔ کیوں؟ اس لئے کہ گزشتہ حضرات نے نبی کریم ﷺ سے استعانت کی اور موجودہ کررہے ہیں جن میں ذات شریف بھی داخل ہے اور آنے والے کریں گے۔ کیسے؟ ایسے کہ ہر نماز میں التحیات کا پورا پڑھنا واجب ہے اور اس میں ''ایہا النبی'' موجود ہے جس میں فی الواقع منادی (النبی) ہے۔اور عربی گرامر کی ابتدائی کتابوں سے ظاہر کہ منادیٰ کے مسمّٰی سے اس کی توجہ اپنی جانب طلب کی جاتی ہے۔ چنانچہ عربی گرامر کی ابتدائی کتاب ''الکافیہ'' میں ہے:''وھو المطلوب اقباله الخ'' نظر برآں جب دیوبندی نمازی نے ''ایها النبی'' عرض کیا تو نبی ﷺ سے توجہ طلب کی۔ یہ آپ کی بیان کردہ استعانت ہوئی اور آپ کے حکم مذکور کی بنا پر وہ مشرک ہو گیا۔آپ نے دیکھا مسلمانوں کو مشرک کہنے کا یہ انجام ہوا کہ آپ کے اباء واجداد، شیوخ واستاد غرضیکہ کُل دیوبندی شیخ و شاب، ذکور ہوں خواہ اناث، آپ ہی کے حکم مذکور کی بنا پر شرک کے شکنجے میں ایسے جکڑ گئے کہ چھٹکارے کے سب راستے بند ہو گئے۔ **لہٰذا** اے مولانا سرفراز خاں صاحب ارجمند، بقلم خود فاضلِ دیوبند! اب آپ انجام مذکور کو دیکھ کر بایں طور اظہارِ تأسف بلکہ اظہارِ تلہف کریئے کہ دونوں ہاتھوں سے سر کو پیٹئے اور ہچکیوں کے ساتھ روتے ہوئے یوں پڑھئے۔

نہ پائے رفتن نہ جائے ماندن، عجب آفت میں مبتلا ہوں
لگائے تو دل لگالیا پر، نہ سمجھا کہ اس کا مآل کیا ہے (الخ)

مادہ ہائے تاریخ (سالِ طباعت)

کتاب مستطاب ''حضرت علامہ مولانا سیّد غلام جیلانی محدث میرٹھی'' حیات وخدمات

۱۴۳۱ھ	۲۰۱۰ء
''شہریارِ تدریس وآگہی''	''ذخیرۂ صداقت''
''سراج مجد العلماء والفضلا''	''مشہور جہاں شخصیت''
''مصباحِ تعلیم وقندیل تعلُّم''	''ادب آگاہ، محقق مفکر ومدرس ومبلغ''
''باعلو شارحِ بخاری''	''فروغِ بابِ طریقت''
''صاحب فیض صرف ونحو''	''منبر بابِ شریعت وطریقت''
''قاسم تدریس وتعلیم''	''خورشید مطلع فراست''
''افادۂ الحدیث والتفسیر''	''مجموعۂ فضیلت علم وہنر''
''عارفِ شریعت اجمل طیبہ''	''زیبائی دولت خیر کثیر''
''جہانِ حشمت وخوبی''	''جادۂ جہانِ عظمت علما وفقرا''

''اوج ادب ونگاہ کثیر الصفات'' ''نور غلام جیلانی''

''طوبیٰ، بابِ فیضانِ نبوت'' ''لمعۂ رفعت مقام دانش''

''لازوال کتاب فیض مآب''

قطعۂ تاریخ (سالِ طباعت)

کتابِ مستطاب: حضرت سیّد غلام جیلانی محدث میرٹھی علیہ الرحمۃ

شیخ الحدیث والتفسیر صدر العلماء واستاذ الفضلاء

از قلم: حضرت علامہ قاری حافظ محمد ایوب اشرفی شمسی سنبھلی مرادآبادی زیدہ مجدہٗ

جامع مسجد نور اسلام بولٹن (برطانیہ)

سال طباعت ۲۰۱۰ء، ۱۴۳۱ھ

آفتابِ علم و حکمت وہ عظیم الشان شخص
وہ جلیل القدر بندہ ماہ تابِ فیض ہے
اُس کے شاگردوں میں شامل نامیانِ علم و فضل
کیا نتیجہ خیز اُس کا انقلاب فیض ہے
دیکھ کر فہرست ناموں کی یہ ہوتا ہے گماں
ہر شہیرِ وقت اُس کا بہرہ یابِ فیض ہے
قابلِ صد فخر ہے اُس سے تلمذ کا شرف
اِک بڑا اعزاز اُس سے اکتسابِ فیض ہے
وہ غلام شاہِ جیلاں، خسروِ اقلیم علم
آستاں اُس کا بلند، اُونچی جنابِ فیض ہے
اِس کتاب خوب میں ذکر حسیں اُس کا ہے، جو
کانِ علم و معرفت کا دُرِّ نابِ فیض ہے
فصل گُل ہے، باغ ایماں کے لیے اُس کا وجود
کشتِ عرفاں کے لیے بیشک سحاب فیض ہے
صفحہ صفحہ اس کا ہے دانش فروز، حکمت فزا
اس کا اِک اِک باب، سچ یہ ہے کہ بابِ فیض ہے
محترم ایوب شمسی کی مساعی کے طفیل
سامنے اہل نظر کے یہ کتاب فیض ہے
اُس کے ہم ممنون ہیں جس نے کمال ہمت کے ساتھ
روئے جیلانی سے سرکایا نقابِ فیض ہے

اعلان

محترم قارئین کرام یہ کتاب ''صدر العلماء محدث میرٹھی'' ''حیات و خدمات'' کو انشاء المولیٰ القدیر بہت ہی جلد انداز جدید کے ساتھ منظر عام پر لانے کا ارادہ ہے۔آپ حضرات سے مخلصانہ گذارش ہے کہ اگر اس کتاب میں کسی بھی طرح کی کوئی غلطی یا نقص نظر آئے تو برائے مہربانی مطلع فرمادیں۔تا کہ آئندہ ایڈیشن میں اسکی تصحیح کردی جائے۔نیز اگر کسی کے پاس حضور صدر العلماء میرٹھی علیہ الرحمۃ کے تعلق سے کوئی اہم معلومات ہوتو وہ بھی مندرجہ ذیل پتہ پر ارسال فرمادیں تا کہ اس کو بھی شامل اشاعت کردیا جائے۔فقط

طالب دعا

محمد ایوب اشرفی سنبھلی

پتہ برائے رابطہ:

مولانا محمد ایوب اشرفی محلہ کوٹ غربی

مسجد ایک مینار کے پاس، سنبھل، مرادآباد، یوپی

PIN-244302

رحمۃ اللہ وبرکاتہ علیکم اہل البیت

۱۹۹۶ء

جامع شریعت وطریقت، مرکز عقیدت ومحبت، شیخ المشائخ حضرت علامہ مولانا

سید محمد مختار اشرف اشرفی جیلانی رحمہ اللہ تعالیٰ

سرکارِ کلاں کچھوچھہ مقدسہ کا

مختصر

تذکرہ حیات

تحریر وترتیب

مبلغ اسلام حضرت محمد ایوب اشرفی، سنبھلی خطیب نور الاسلام

الحاج علامہ مولانا محمد ایوب شمسی بولٹن یو کے

ناشر

اشرفی برادران اشرفی جامع مسجد

اشرفی چوک مریدکے، شیخوپورہ پاکستان